مشروطِ نکاح

☆ مہر اور تفویضِ طلاق کے مسائل ☆

☆ کیا نکاح کے وقت عورت یا مرد ایک دوسرے کو شرائط کا پابند کر سکتے ہیں؟
☆ شادی کے بعد ملازمت جاری رکھنے یا اپنے شہر سے باہر نہ جانے کی شرط عورت کی جانب سے عائد کرنا کیسا ہے؟
☆ دوسری شادی کو پہلی بیوی کی اجازت پر موقوف، اور بے جا طلاق کی صورت میں مہر دوگنا ادا کرنے کی شرائط کے احکام؟
☆ کیا طلاق کا اختیار بیوی یا کسی تیسرے فرد کو دیا جا سکتا ہے؟
☆ ناروا ظلم اور طلاق کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے جائز طریقے شریعت میں کیا ہیں؟
☆ ان جیسے سوالوں کے جوابات اور خانگی زندگی کے اہم ترین مسائل کی بابت شرعی راہنمائی۔

ترتیب و پیشکش: **مولانا مجاہد الاسلام قاسمی**

تاثرات: مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی
مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ العالی
تقدیم: و خطبۂ صدارت شیخ الاسلام مولانا جسٹس محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ

گلشن اقبال کراچی فون: 34965877

مجمع الفقہ الاسلامی (الہند) Islamic Fiqh Academy (India)

اجازت نامہ سلسلۂ مطبوعات اسلامی فقہ اکیڈمی

محترمی نعیم اشرف نور، فہیم اشرف نور سلمہم اللہ تعالی: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعائے عافیت دارین۔ اللہ تعالی آپ حضرات کی دینی وعلمی خدمات کو قبول فرمائے اور دینی ودنیاوی ترقیات سے نوازیں، آمین۔ اسلامی فقہ اکیڈمی کی جملہ مطبوعات کی پاکستان میں اشاعت وطباعت وتقسیم کے لیے آپ کے ادارے ''ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ'' کو اجازت دی جاتی ہے، اور پاکستان میں یہ حق صرف آپ کے ادارے کو حاصل رہے گا۔ تمام پرسان احوال کو میرا اسلام پہنچادیں۔

والسلام: مجاہد الاسلام قاسمی

صدر اسلامی فقہ اکیڈمی

باہتمام .... نعیم اشرف نور

ناشر .... ادارۃ القرآن گلشن اقبال

کراچی، فون: 021-34965877

اشاعت ۲۰۰۹ء

ڈسٹری بیوٹرز

☆ مکتبۃ القرآن، بنوری ٹاؤن کراچی 021-34856701

مرکز القرآن اردو بازار کراچی 021-32624608

ملنے کے پتے

☆ دارالاشاعت اردو بازار کراچی 021-32631861

☆ ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انار کلی لاہور 042-37353255

☆ بیت القرآن اردو بازار کراچی 021-32630744

☆ بیت العلوم نابھہ روڈ پرانی انار کلی لاہور 042-37352483

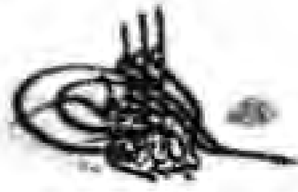
☆ ادارۃ المعارف دارالعلوم کورنگی 021-35032020

☆ مکتبہ رحمانیہ لاہور 042-37334228

☆ مکتبہ معارف القرآن دارالعلوم 021-35031565-6

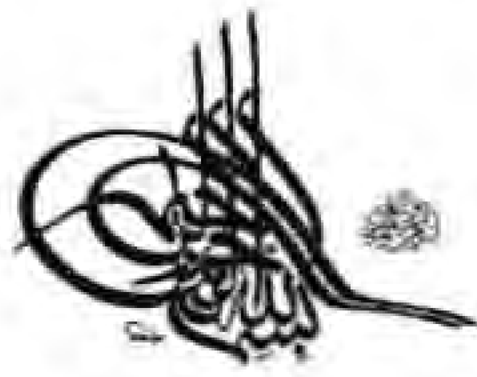
☆ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ 2668657

☆ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ H-8/1 اسلام آباد



فہرست مضامین مباحث مشروط نکاح

☆☆☆



چند تاثرات

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی صاحب مدظلہ العالی

صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

"اسلامک فقہ اکیڈمی ہند" ایک ایسا ادارہ اور تنظیم ہے جس پر ہندوستانی مسلمانوں ...... بالخصوص علماء اور دینی غیرت و فکر رکھنے والے ہندوستانی مسلمانوں کو فخر اور فخر سے زیادہ خدا کا شکر کرنے کا حق حاصل ہے، یہ ایک خالص تعمیری و فکری، علمی اور فقہی تنظیم اور اجتماعیت ہے جس میں ملک کے ممتاز، صحیح العقیدہ و صحیح الفکر اور وسیع العلم علماء اور کارکن شامل ہیں"۔

چند تاثرات

مفتی اعظم پاکستان

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ العالیٰ

صدر جامعہ دار العلوم کراچی

''مجھے بے انتہا مسرت بھی ہے اور کسی قدر حسرت بھی، مسرت اس بات کی کہ ہندوستان کے علماء کرام نے وہ عظیم الشان کام شروع کیا ہے جس کی پورے عالم کو اور اقلیت والے ملکوں کو شدید ضرورت ہے۔ اور حسرت یہ ہے کہ ہم پاکستان میں ہونے کے باوجود منظّم اور بڑے پیمانہ پر یہ کام شروع نہیں کر سکے...... فقہ اکیڈمی نے بڑا اہم قدم اٹھایا ہے، مدت سے اس کا انتظار تھا''۔

تقدیم

شیخ الاسلام جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہ العالی

نائب رئیس مجمع الفقہ الاسلامی جدہ

بمناسبت خطبۂ صدارت چوتھے فقہی سیمینار منعقدہ ۱۹۹۲ء حیدر آباد (دکن)

الحمدللّٰہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی: اما بعد!

میرے لئے یہ بات بہت بڑے اعزاز اور خوشی و مسرت اور یادگار کی حیثیت رکھتی ہے کہ اللہ جل جلالہ کے فضل و کرم سے مجھے اس عظیم الشان علمی ادارے کے چوتھے فقہی مذاکرہ میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ میں اپنے محترم بزرگ جناب مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی دامت برکاتہم کا اور اس اسلامک فقہ اکیڈمی کے تمام منتظمین کا تہ دل سے شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے اس محفل میں شرکت کا موقع عنایت فرمایا اور نہ صرف ایک سامع اور شریک کی حیثیت میں بلکہ اس افتتاحی اجلاس کی صدارت کی ذمہ داری بھی مجھ ناچیز کو سونپی۔ اس سے پہلے اگرچہ اکیڈمی کی طرف سے ہر سال مجھے دعوت موصول ہوتی رہی لیکن میں اپنے بعض مشاغل کی وجہ سے حاضر خدمت نہ ہو سکا۔ مولانا مجاہد الاسلام قاسمی دامت برکاتہم سے میرا غائبانہ تعارف ایک طویل مدت سے ہے۔ لیکن میں ان کو ایک فقیہ ایک عالم کی حیثیت سے جانتا تھا، مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ اللہ تعالی نے ان کے اندر ایک مخفی جوہر، مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کا بھی ودیعت کر رکھا ہے۔ آج اس محفل میں شرکت کرنے کے بعد ہندوستان کے علماء اور علم و فضل کے پیکر حضرات سے ملاقات کر کے اس بات کا اندازہ ہو رہا ہے کہ انہوں نے اس اکیڈمی کو قائم کر کے کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ اللہ تعالی اپنے فضل و کرم سے ان کے اس کارنامے کو قبول فرمائے اور اس کے اغراض و مقاصد کو اپنی رضا کے مطابق پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس موقع پر اس اکیڈمی کے اغراض و مقاصد کو مد نظر رکھتے ہوئے مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ اس اکیڈمی کا قیام جناب نبی کریم ﷺ کے ایک ارشاد کی تعمیل ہے۔ وہ ارشاد معجم طبرانی میں ایک روایت ہے جسے علامہ ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں بھی ذکر کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ یارسول اللہ!

"اذا جاء نا امر لیس فیہ أمر و لا نهي فما ذا تأمر نا فیہ"

یارسول اللہ! اگر ہمارے سامنے کوئی ایسا سوال آجائے، ایسا قضیہ سامنے آجائے جس کے بارے میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں کوئی صریح حکم موجود نہ ہو تو اس صورت حال میں آپ ہمیں کس بات کا حکم دیتے ہیں ایسے موقع پر مجھے کیا کرنا چاہئے۔ حضرت نبی کریم سرور عالم نے ارشاد فرمایا:

"شاوروا الفقهاء العابدين ولا تمضوا فيه براى خاص"

کہ ایسے موقع پر فقہاء عابدین سے مشورہ کرو، اور اس میں انفرادی رائے کو نافذ نہ کرو، محض انفرادی فتویٰ کو، محض انفرادی رائے کو لوگوں پر مسلط کرنے کی بجائے فقہاء عابدین سے مشورہ کرو، اور اس مشورہ کے نتیجہ میں جس مقام پر پہنچو اس کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم سمجھو، یہ ہے وہ ارشاد جس کے ذریعہ نبی کریم سرور عالم ﷺ نے قیام قیامت تک پیدا ہونے والے تمام نت نئے مسائل کا حل ہمارے لئے تجویز فرمایا اور وہ یہ کہ آخری وقت میں جب کہ اجتہاد مطلق کا تصور تقریباً مفقود ہو گیا ہے اس دور میں نئے مسائل کو حل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ فقہاء عابدین کو جمع کیا جائے۔ مگر اس میں نبی کریم ﷺ نے دو صفتیں بیان فرمائی۔ ایک یہ کہ جن لوگوں کو جمع کیا جائے وہ تفقہ فی الدین رکھنے والے ہوں۔ دین کی صحیح سمجھ رکھنے والے ہوں۔ دین کے مزاج و مذاق کو اچھی طرح محفوظ کرنے والے ہوں، اور دوسری قید یہ لگادی کہ وہ فقہاء محض فلسفی قسم کے نہ ہوں، جو نظریاتی طور پر فقیہ ہوں، نظریاتی طور پر اسلام کے احکام کو جانتے ہوں، جو محض علم رکھتے ہوں، لیکن اس علم پر خود عمل پیرا نہ ہوں۔ اس علم کو اپنی زندگی میں اپنائے ہوئے نہ ہوں، اور اس علم کو اپنی زندگی کا منتہائے مقصود نہ بنایا ہو، تو ایسے فقہاء سے مشورہ کرنے کا کوئی حاصل نہیں، اس لئے کہ دین، یہ محض ایک نظریہ اور فلسفہ نہیں کہ ایک شخص محض فلسفہ کے طور پر اس کو اپنالے، اس کے حاکم بیان کردے اور پھر بھی اس کا ماہر کہلائے۔ بلکہ یہ ایک عمل ہے۔ ایک پیغام ہے، ایک دعوت ہے۔ جب تک اس پر عمل صحیح طور پر نہیں ہوگا، اس وقت تک دین کی صحیح سمجھ حاصل نہیں ہو سکتی۔

میرے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ یہ بات فرمایا کرتے تھے:

"کہ اگر میرا علم بمعنی جان لینا کوئی کمال کی بات ہوتی تو شاید ابلیس سے بڑا صاحب کمال اس کائنات میں کوئی نہ ہوتا۔"

اس لئے کہ جہاں تک جاننے کا تعلق ہے صرف جان لینے کا، علم حاصل کر لینے کا، تو ابلیس کو علم بہت بڑا حاصل تھا، بہت کچھ علم اس کو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا تھا، اور عقل کے اعتبار سے بھی آپ دیکھیں تو عقل، خالص عقل، جو وحی کی رہنمائی سے آزاد ہو، اس عقل کے اعتبار سے اس نے جو دلیل پیش کی، سجدہ نہ کرنے کی، کہ اے اللہ تو نے آدم کو مٹی سے پیدا کیا اور مجھ کو آگ سے پیدا کیا،

اختیار انھیں نہ دیا جائے بلکہ خاص شرائط کے ساتھ دیا جائے تاکہ بوقت ضرورت ظالم شوہر سے نجات کی راہ بھی کھلی رہے اور عورت مطلق العنان بھی نہ بن سکے ۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب نے عورت کے بجائے دارالقضاء کو حق طلاق تفویض کئے جانے کو مستحسن سمجھا ہے ۔

جناب شمس پیرزادہ صاحب کی رائے میں آیت تخییر کو تفویض طلاق پر محمول کیا جانا درست نہیں ہے ۔ انھوں نے اپنی رائے کی تائید میں قرآن و حدیث کے متعدد دلائل نقل کئے ہیں ۔

طلاق اور عقد ثانی کے ساتھ مشروط مہر کی زائد مقدار

مقالہ نگار حضرات مسئلہ ہذا میں دو طرح کی رائے رکھتے ہیں ،کچھ حضرات نے صاحبین کے قول کو وقت کی ضرورت اور قابل ترجیح قرار دیا ہے ۔اگرچہ اس رائے کے اپنانے والوں میں سے بعض حضرات اسے مسئلہ کا پورا حل نہیں سمجھتے ہیں ،اور بعض دیگر حضرات مہر کی زیادتی کو تین طلاق کی شرط کے ساتھ مربوط کرنے کی تلقین کرتے ہیں تاکہ تین طلاق کے رواج پر قدغن لگے اور نسبتاً مہر کے خوف سے طلاق کا ناروا اقدام نہ ہو ۔

(مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب ، مولانا عتیق احمد صاحب ، مولانا عبید اللہ اسعدی ، مولانا اختر امام عادل صاحب ، مولانا جنید عالم صاحب ، مولانا نذر توحید صاحب ، مولانا ریاست علی قاسمی صاحب وغیرہ)

دوسری رائے یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ کا قول ہی اختیار کیا جائے گا ، ان حضرات کا استدلال ہے کہ ضرورت اگر تسلیم بھی کرلی جائے تب بھی صاحبین کے مسلک کو اختیار کرنا بے سود ہے اور خلاف عقل و نقل ہے ،کیونکہ کثرت مہر سے مقصود محض شوہر کے لئے استعمال طلاق کو دشوار بنانا ہے ،جب کہ یہ نظریہ شرعاً مردود ہے کیونکہ یہ تغییر مشروع کے مرادف ہے ، نیز عقلاً بھی یہ تدبیر غیر مفید بلکہ مضر ہے کیونکہ بسا اوقات طلاق دینے کی واقعی ضرورت پیش آتی ہے اور مہر کی زیادتی کی وجہ سے شوہر طلاق نہیں دیتا اور ظلم پر ظلم کرتا رہتا ہے ۔

(مفتی محمد زید صاحب ، مولانا آل مصطفی مصباحی صاحب ، مولانا عبد القیوم پالنپوری صاحب ، مولانا زبیر احمد صاحب ، مولانا نسیم الدین قاسمی صاحب ، مولانا محفوظ الرحمان صاحب وغیرہ)

مولانا مفتی جنید عالم صاحب ندوی نے طلاق اور عقد ثانی دونوں میں فرق کیا ہے موصوف کی رائے میں طلاق کے ساتھ مشروط مہر کی دو مقدار کے مسئلہ میں تو صاحبین کی رائے اختیار کرنا مناسب ہے ،لیکن عقد ثانی کے ساتھ مشروط مہر کی دو مقدار کے مسئلہ میں امام صاحب کی رائے اختیار کی جائے گی ۔

طلاق کے بے جا استعمال پر پابندی کی صورتیں

بعض حضرات اس سلسلہ میں اس بات کے قائل ہیں کہ شوہر سے اقرار کرایا جائے کہ بلا قصور عورت کو طلاق دے تو بطور متعہ مطلقہ بیوی کو ایک مخصوص رقم دینی ہوگی (مولانا محفوظ الرحمان صاحب)

بلا قصور طلاق دینے پر تادیبی سزا مقرر کی جائے گی مثلاً چھ ماہ قید با مشقت کی مسلم پرسنل لا بورڈ سفارش کرے۔

نکاح بشرط ملازمت

اس مسئلہ میں شرکاء کی دو رائیں ہیں۔

۱۔ ایک رائے یہ ہے کہ اگر شرعی پردہ و حیاء کی رعایت رکھی جائے اور شرعی حدود میں رہ کر انجام دیا جائے تو عورت کے لئے ملازمت کی شرط لگانا درست ہے۔

(مولانا ریاست علی قاسمی صاحب، مولانا اختر امام صاحب، مولانا شمس پیر زادہ صاحب، مولانا محفوظ الرحمان شاہین جمالی صاحب، مولانا ممتاز عالم مصباحی صاحب)

۲۔ دوسری رائے یہ ہے کہ عورت کی بنیادی ذمہ داری گھر اور بچوں کی نگہداشت ہے۔ ملازمت تقاضائے نکاح میں رکاوٹ بنتی ہے، نیز ملازمت سے جو حصول رقم مقصود ہے وہ نکاح کے بعد شوہر کی ذمہ داری سے حاصل ہوجاتا ہے، اس لئے عورت کو ملازمت کی حاجت نہیں ہے اور ایسی شرط لگانا غلط و باطل ہے۔

(مولانا انیس الرحمان قاسمی صاحب، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب، مولانا عتیق احمد قاسمی صاحب، مولانا نذر توحید صاحب، مولانا عبید اللہ اسعدی صاحب، مولانا محمد ابو بکر صاحب، مولانا محمد زید صاحب، مولانا زبیر احمد قاسمی صاحب، مولانا مفتی جنید عالم صاحب، مولانا ظفر الاسلام اعظمی صاحب، مولانا نور الحق رحمانی صاحب، مولانا آل مصطفی صاحب وغیرہ)

عرض مسئلہ

ہر زیر بحث مسئلہ سے متعلق تمام مقالہ نگاروں کے نقاط نظر اور دلائل کا تجزیہ
ترجیحی رائے اور وجوہ ترجیح

عرض مسئلہ

نکاح میں شرط اور مشروط مہر کا مسئلہ

جناب مولانا خالد سیف اللہ رحمانی *

اشتراط فی النکاح کے سوالنامہ میں تفویض طلاق کے علاوہ دو اہم سوالات زیر بحث ہیں، اور دونوں ہی سوالات اس تناظر میں قائم کئے ہیں کہ ہندوستان کے موجودہ حالات میں شریعت کے بعض احکام اور رخصتوں کے غلط استعمال کی وجہ سے بعض ایسے مفاسد پیدا ہورہے ہیں جو سراسر منشاء شریعت کے مغائر ہیں، اور اکثر اوقات ان کی سرحدیں جور و تعدی سے جا ملتی ہیں، اس لئے ان دونوں مسائل پر اہم رشتہ بحث آپ کے سامنے پیش کی جارہی ہے۔

ان مسائل پر کل اکیاون ۵۱ جوابات موصول ہوئے ان میں سے ۲۸ جوابات علماء ارباب افتاء کے ہیں اور ان کے نام اس طرح ہیں۔

مولانا آل مصطفی مصباحی، مولانا فضیل الرحمان ہلال عثمانی، مولانا اقبال احمد کانپوری، مولانا عتیق احمد قاسمی، مولانا مصلح الدین قاسمی، مفتی عبد الرحمان پالنپوری، مولانا عبد القیوم پالن پوری، مولانا ابو الحسن صاحب، مولانا ابو سفیان صاحب، مولانا عبد الجلیل قاسمی، مولانا حبیب اللہ قاسمی، مولانا شاہین جمالی، مولانا زبیر احمد قاسمی، جناب شمس پیرزادہ، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا ظفر الاسلام اعظمی، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، مولانا محمد رفیق قاسمی، مولانا محمد مصطفی ندوی، مولانا ولی اللہ قاسمی، مفتی محمد زید، مولانا اختر امام عادل، مولانا شاہ الہدی قاسمی، مولانا اخلاق الرحمان، مولانا فضل الرحمان رشادی، مولانا محمد انظر سنبھلی اور راقم الحروف خالد سیف اللہ رحمانی۔

---

* صدر مدرس دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد، رکن تاسیسی اسلامک فقہ اکیڈمی دہلی۔

نیز اسلامک فقہ اکیڈمی، امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد اور دار العلوم حیدر آباد کے تخصص فی الفقہ کے **۲۳** عزیز طلبہ نے بھی بڑی کاوش کے ساتھ مقالات سپرد قلم کئے ہیں۔

نکاح میں شرط کی بابت اس پر تمام مقالہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ ایسی شرطیں جو انہی حقوق و واجبات کو مؤکد کرتی ہوں جو شرعاً نکاح سے ثابت ہیں، معتبر ہیں اس پر بھی اتفاق ہے کہ ایسی شرطیں جو صحت نکاح کی شرطوں میں سے کسی شرط کے ساقط ہونے یا نکاح کے لازمی احکام میں سے کسی حکم میں تغیر و تبدل کو مستلزم ہوں معتبر نہیں، البتہ ایسی شرطوں کے باوجود بھی نکاح منعقد ہوجاتا ہے، سوائے اس کے کہ نکاح متعہ یا نکاح موقت کی صورت پیدا ہوجائے، اس پر بھی اتفاق ہے کہ ایسی اضافی شرطیں جن میں عورت کا فائدہ ہو، اور شریعت نے نہ ان کو واجب قرار دیا ہو اور نہ ان سے منع کیا ہو، نکاح کے درست ہونے میں مانع نہیں ہیں، نکاح ایسی شرطوں کے ساتھ بھی منعقد ہوجائے گا، البتہ اختلاف اس امر میں ہے کہ اگر نکاح کے وقت مرد نے یہ شرط قبول کرلی اور بعد میں اس کو پورا نہ کیا تو اس کا اثر کیا مرتب ہوگا؟

جمہور فقہاء کے ہاں ایسی شرطیں لازم الایفاء نہیں ہیں، اور کہا جاتا ہے کہ حنابلہ کے نزدیک لازم الایفاء ہیں تو اس مسئلہ میں ترجیح کس رائے کو ہے؟ مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا ولی اللہ قاسمی، مولانا محمد مصطفی ندوی اور راقم سطور خالد سیف اللہ رحمانی نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ ہندوستان کے موجودہ حالات میں حنابلہ کی رائے اختیار کی جاسکتی ہے، کیونکہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے۔ اور دلائل دونوں ہی طرف خاصے قوی ہیں جن کا تفصیلی تذکرہ اس وقت موجب طوالت ہوگا، اس کے علاوہ بقیہ حضرات نے جمہور ہی کی رائے کو ترجیح دی ہے اور اس کو دلائل اور اصول افتاء دونوں اعتبار سے راجح سمجھا ہے۔

یہاں ایک وضاحت ضروری ہے، بعض حضرات نے حنفیہ کے یہاں بھی ایفاء شرط کو لازم قرار دیا ہے جب کہ بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حنفیہ کے یہاں شرط واجب الایفاء نہیں ہے، عام طور پر لوگوں نے لکھا ہے کہ حنابلہ کے یہاں یہ اور اس قسم کی شرطیں واجب الایفاء ہیں دوسروں کے یہاں واجب الایفاء نہیں ہیں۔ لیکن اگر فقہاء کی نقول پر نظر غائر ڈالی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ سمجھنا کہ حنفیہ کے یہاں ایفاء شرط مطلقاً واجب نہیں، صحیح نہیں ہے، بلکہ ہمارے نزدیک یہ شرط عام طور پر عہود و مواعید کے حکم میں ہے اور حنفیہ کے یہاں یہ ہے کہ وعدے

دیانتاً واجب الایفاء ہوتے ہیں، قضاءً واجب الایفاء نہیں ہوتے، اسی لئے امام ابو بکر جصاص رازی " **یا ایھا الذین آمنوا اوفوا بالعقود** " کے ذیل میں شرائط کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وهو عموم في ايجاب الوفاء بجميع مايشترط الانسان على نفسه مالم تقم دلالة تخصصه. (احكام القرآن ج ۳ ص ۲۸۲)

وہ عام ہے ان تمام چیزوں کو واجب قرار دینے میں جو انسان اپنے آپ پر مشروط کر لے جب تک کہ کوئی دلیل تخصیص نہ آجائے۔

علامہ عینی نے حنفیہ کا نقطہ نظر اس طرح نقل کیا ہے:

يومر الزوج بتقوى الله و الوفاء بالشروط و يحكم بذلك حكما (عمدة القاري ج ۲۰ ص ۱۳۰)

شوہر کو تقوی اور ایفاء شرط کا حکم دیا جائے گا اور اس بارے میں قطعی حکم دیا جائے گا۔

مولانا انور شاہ صاحب نے اشتراط فی النکاح میں حنفیہ کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

والشروط التي لا تنافي النكاح جائزة و توفى ديانة و لا تلزم قضاء (العرف الشذي ج ۱ ص ۲۱۷)

جو شرطیں منافی نکاح نہیں ہیں وہ جائز ہیں، دیانۃً ان کو پورا کرنا واجب ہے، قضاءً واجب نہیں۔

اسی طرح یہ بھی صحیح نہیں کہ حنابلہ کے نزدیک بعینہ شرط کی تکمیل واجب ہے، حنبلی کتب فقہ کے معروف عالم فرماتے ہیں۔

ولا يجب الوفاء بها بل يسن (الاقناع ج ۳ ص ۱۹۰)

اس شرط کی تکمیل واجب نہیں بلکہ مسنون ہے۔

اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ اگر شوہر اس شرط کو پورا نہ کرے تو اس کا اثر کیا مرتب ہوگا؟ حنفیہ کے نزدیک مہر مقررہ کے بجائے مہر مثل یعنی عورت کے خاندان میں مروجہ مہر کی مقدار اگر مقررہ مہر سے زیادہ ہو تو وہ واجب ہوگا، اور حنابلہ کے نزدیک عورت کو مطالبہ تفریق کا حق ہوگا۔

اب اس وضاحت کے بعد یہ عرض ہے کہ دلائل فریقین کے قوی ہیں اور دور صحابہ میں بھی اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے، اس لئے مسئلہ دلائل کی قوت و ضعف کا نہیں اور نہ ہمارا یہ مقام ہے کہ ایسے مسائل میں محاکمہ کی جسارت کی جائے، مسئلہ صرف اس قدر ہے کہ ہندوستان کے موجودہ حالات میں مصالح کا تقاضا کیا ہے؟ اور جن حضرات نے اس مسئلہ میں حنبلی مکتبہ فکر کی رائے کو قابل قبول سمجھا ہے ان کا منشاء بھی دراصل یہی ہے، لیکن غور

کیا جائے تو یہ مسئلہ کا حقیقی حل نہیں ہے، مرد اگر شرعی حدود و قیود کی رعایت کے بغیر دوسرا نکاح کرتا ہے، تو جو شخص بیویوں کے حقوق کی ادائیگی اور ایک سے زیادہ بیویوں کے درمیان عدل کے حکم میں خدا سے بے خوف اور آخرت کی جوابدہی کے احساس سے عاری ہے اس کے بارے میں یہ توقع رکھنا کہ بیوی کی علاحدگی کا خوف اس کو جادہ مستقیم پر قائم رکھے گا، بہ ظاہر بے سود نظر آتا ہے، اور عورت کو اتنا سا حق فقہ حنفی کے دائرہ میں رہتے ہوئے "تفویض طلاق" کے ذریعہ حاصل ہوسکتا ہے۔

اس لئے مشروط نکاح کی بجائے "مشروط مہر" کے مسئلہ پر غور کرنا چاہئے، امام ابو حنیفہ کی رائے میں نکاح کے لئے جو پہلا مہر مقرر ہو وہی "مہر" ہے، شرط کے ساتھ مہر کی جو دوسری مقدار مقرر کی جائے وہ معتبر نہیں، لہذا اگر شوہر نے شرط پوری کی تو پہلا مہر واجب ہوگا اور شرط پوری نہیں کی اور "مہر مثل" کی مقدار اس سے زیادہ ہے تو مہر مثل واجب ہوگا۔ یہی رائے مالکیہ اور شوافع کی بھی ہے صاحبین کے نزدیک مہر کی دونوں ہی مقدار معتبر ہے، مثلا اگر مہر اس طرح مقرر ہو کہ اگر مرد نے اس عورت کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کیا تو مہر دس ہزار ہوگا، دوسرا نکاح کیا تو بیس ہزار ہوگا، تو اسی تفصیل کے مطابق دس اور بیس ہزار روپے بطور مہر واجب ہوں گے، حنابلہ کی بھی یہی رائے ہے۔

سمینار کے مقالہ نگاروں میں کل تینتیس (۳۳) حضرات نے صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے ان میں سے کچھ اسماء یہ ہیں۔

مولانا عتیق احمد، مولانا عبد الجلیل، مولانا اختر امام عادل، مولانا ولی اللہ قاسمی، مولانا رفیق بن آدم، مولانا شاہد قاسمی، مولانا اخلاق الرحمان، مولانا حبیب اللہ قاسمی، مولانا فضل الرحمان رشادی، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی اور خالد سیف اللہ رحمانی۔

جب کہ سترہ (۱۷) حضرات نے امام ابو حنیفہ کی رائے کو ترجیح دی ہے، ان میں سے کچھ اسماء یہ ہیں۔ مفتی محمد زید، مولانا زبیر احمد قاسمی، جناب شمس پیر زادہ، مولانا محمد مصطفی ندوی، مولانا عبد القیوم پالن پوری، مولانا ابو سفیان، مولانا محفوظ الرحمان، مولانا آل مصطفی مصباحی، مولانا اقبال احمد، مولانا عبد الرحمان، مولانا فضیل الرحمان ہلال عثمانی، مولانا محفوظ الرحمان شاہین جمالی، مولانا عبید اللہ اسعدی، عام طور پر مقالہ نگاروں نے اس مسئلہ پر دونوں نقطہ نظر کے دلائل پر زیادہ تفصیلی گفتگو نہیں کی ہے، اور خود ان علماء و مؤلفین نے بھی اس مسئلہ پر اختصار ہی کی راہ اختیار کی ہے جو اس اختلاف رائے کے ناقل و راوی ہیں ۔۔ اس حقیر کا خیال ہے کہ موجودہ حالات میں اس مسئلہ میں صاحبین کی رائے پر فتوی دیا جانا مناسب ہے، اور اس سلسلہ میں درج ذیل امور کو ملحوظ رکھا جانا چاہئے۔

(۱) ہندوستان کے موجودہ حالات یہ ہیں کہ جہالت و ناخواندگی، احکام شریعت سے ناآگہی، اسلامی مزاج و مذاق سے محرومی، نظام قضاء کا فقدان اور دوسری ہم وطن اقوام کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ان کی بعض سماجی رسوم سے تاثر، ایسی حقیقتیں ہیں جن کا اعتراف نہ کرنا ریت میں منہ چھپانے کے مترادف ہوگا، حالانکہ مسلمانوں میں تعدد ازدواج کا رواج ہندوستان میں خود ہندوؤں سے بھی کم ہے۔ اسی طرح طلاق کا استعمال بھی ـــ باوجود بہت سے سماجی مفاسد کے ـــ غالباً اب بھی مسلم سماج میں بہت زیادہ نہیں، لیکن اس طرح کے جتنے کچھ واقعات سامنے آتے ہیں اگر ان کا سروے کیا جائے تو شاید اس کا نتیجہ یہی نکلے کہ ۸۰ فی صد طلاق کے واقعات بے جا ہوتے ہیں اور اسی تناسب سے دوسرا نکاح کسی سنجیدہ و متین فیصلہ کے تحت نہیں بلکہ وقتی رد عمل کے تحت کیا جاتا ہے،

اور دوسرے نکاح کے لئے سہارا تو شریعت کا لیا جاتا ہے، لیکن اس کے بعد اسلام کے اصول عدل کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا، اس سے ہمارے سماجی ڈھانچہ کو جو نقصان پہونچتا ہے وہ تو اپنی جگہ ہے، دوسری اقوام کے درمیان جو جگ ہنسائی ہوتی ہے اور شریعت مطہرہ پر جو چوٹیں کسی جاتی ہیں، ان کا باعث بھی بالواسطہ ہم ہی بنتے ہیں۔ ان حالات میں تعیین مہر کی یہ صورت ایک حد تک مشکلات کا مداوا بن سکتی ہے اور ضرورت کے مواقع پر ایک فقہی رائے سے دوسری رائے کی طرف عدول ضعف دلیل کے باوجود درست ہے۔

شامی کا بیان ہے۔

قلت۔ لکن هذا فی غیر موضع الضرورۃ فقد ذکر فی حیض البحر فی بحث الوان الدماء اقوالا ضعیفۃ ثم قال۔ وفی المعراج عن فخر الائمۃ لو افتی مفت بشیء من هذه الاقوال فی مواضع الضرورۃ طلبا للتیسیر کان حسنا۔ وکذا قول ابی یوسف فی المنی اذ اخرج بعد فتور الشهوۃ لا یجب به الغسل۔ ضعیف۔ و اجازوا العمل به للمسافر او الضیف الذی خاف الریبۃ کما سیاتی فی محله و ذلک من مواضع الضرورۃ (رد المحتار ج ۱ ص ۵۱)

میں کہتا ہوں کہ یہ ایسے مواقع پر ہے جہاں ضرورت درپیش نہ ہو، چنانچہ "بحر" کے باب الحیض میں خون حیض کے رنگوں کی بابت چند ضعیف اقوال صاحب بحر نے نقل کیا ہے، پھر کہا ہے کہ "معراج" میں فخر الائمہ سے منقول ہے کہ اگر مفتی مواقع ضرورت میں ان اقوال میں سے کسی پر از راہ سہولت فتوی دے تو بہتر ہوگا، اسی طرح کہ شہوت کے بعد منی نکلنے سے امام ابو یوسف کے نزدیک غسل واجب نہ ہونا ضعیف قول ہے لیکن مشائخ نے مسافر اور تہمت سے خائف مہمان کے لئے اس پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے جیسا کہ اپنی جگہ آئے گا، اور یہ مواقع ضرورت میں ہے۔

اہل علم پر یہ بات مخفی نہیں کہ مشائخ نے بہت سے مواقع پر دلائل کی قوت کے مقابلہ ایسی رائے کو اختیار کیا ہے جس میں امت کے لئے سہولت زیادہ ہو، علامہ شامی نے ایک مسئلہ میں بہ مقابلہ امام صاحب کے صاحبین کی رائے پر فتوی نقل کیا ہے، پھر مختلف اہل علم سے نقل کیا ہے کہ دلیل امام صاحب کی زیادہ قوی ہے مگر ازراہ آسانی فتوی صاحبین کی رائے پر ہے، لکھا ہے۔

وظاهره ترجيح التيسير على قوة الدليل (رد المحتار ج ۲ ص ۷۱)

جو گویا افتاء کے لئے ایک قاعدہ کا درجہ رکھتا ہے، اسی لئے مشائخ نے جن مسائل میں ایک سے زیادہ اقوال نقل کر کے یہ وضاحت نہ کی ہو کہ کون سا قول صحیح و راجح اور مفتی بہ ہے؟ ان میں ایک وجہ ترجیح یہ بھی ہے کہ جس قول میں امت کے لئے آسانی و سہولت زیادہ ہو وہ راجح ہوگا۔
علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

فان قلت. قد يحكون اقوالا بلا ترجيح و قد يختلفون في الصحيح قلت. يعمل بمثل ما عملوا من اعتبار تغير العرف و احوال الناس و ما هو الارفق و ما ظهر عليه التعامل و ما قوى وجهه (الدر المختار على هامش الرد ج ۱ ص ۵۲)

اگر تم کہو کہ مشائخ بلا ترجیح اقوال نقل کرتے ہیں اور قول صحیح کی بابت بھی اختلاف رائے رکھتے ہیں، میں کہوں گا کہ مشائخ کے طریقے کے مطابق عمل کیا جائے یعنی عرف، لوگوں کے حالات، ان کے لئے آسان تر، لوگوں کے تعامل کے مطابق اور دلیل کے اعتبار سے قوی قول پر عمل کیا جائے گا۔

فقہاء حنفیہ کے یہاں ایسی جزئیات بہ کثرت موجود ہیں جن میں امت کے لئے سہولت و آسانی کی غرض سے بہ مقابلہ امام صاحب کے صاحبین یا ان میں سے ایک کی رائے کو ترجیح دی گئی ہے۔ مثلا

امام ابو حنیفہ کے نزدیک روئی کو نہ وزن سے قرض لیا اور دیا جاسکتا ہے اور نہ عدد کے اعتبار سے۔ لیکن امام محمد کے نزدیک دونوں طرح قرض لین دین کی گنجائش ہے اور اسی پر فتوی ہے (رد المحتار ج ۲ ص ۲۰۸)

درخت پر لگا ہوا تیار پھل اس شرط کے ساتھ خرید کیا کہ ابھی یہ درخت پر لگا رہے، تو اس شرط کی وجہ سے امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ بیع فاسد ہوجائے گی، امام محمد کے نزدیک اس شرط کے باوجود درست ہوجائے گی اور فتوی اسی پر ہے (الدر المختار ج ۲ ص ۲۳)

بیع باطل کے ذریعہ خریدار نے کوئی چیز حاصل کی اور اس کے پاس وہ چیز ضائع ہوگئی، تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک خریدار اس کا ضامن نہ ہوگا، صاحبین کے نزدیک ضامن ہوگا اور اسی پر فتوی ہے (رد المحتار ج ۲ ص ۱۱۸)

ریشم کے کیڑے اور انڈے کی خرید و فروخت امام صاحب کے یہاں جائز نہیں اور یہی رائے امام ابو یوسف کی بھی ہے امام کے یہاں جائز ہے اور اسی پر فتوی ہے (الدر المختار ج ۲ ص ۱۱۷)

مباشرت فاحشہ امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک موجب وضو ہے ۔ امام محمد کے یہاں موجب وضو نہیں اور اسی پر فتوی ہے (فتاوی تاتارخانیہ ج ۱ ص ۳۳)

تداوی بالحرام امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے یہاں جائز نہیں ہے ۔ امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے اور اسی پر فتوی ہے (رد المحتار ج ۲ ص ۳۲۱)

(۲) بعض اوقات صاحبین کی رائے کو قوت دلیل کی بنا پر ترجیح دیا جاتا ہے ۔ مثلاً :

امام ابو حنیفہ کے نزدیک مغرب کا وقت شفق ابیض کے ڈوبنے تک ہے ، اور صاحبین کے نزدیک شفق احمر کے ڈوبنے تک ۔ اور فتوی بقول شارح وقایہ کے صاحبین کے قول پر ہے (ہندیہ ج ۱ ص ۵۱)

سجدہ شکر امام ابو حنیفہ کے نزدیک ثابت نہیں ۔ اس لئے مکروہ ہے ۔ امام ابو یوسف و محمد کے نزدیک مستحب و باعث ثواب ہے ۔ اور فتوی اسی پر ہے (هندية ج ۱ ص ۳۶ ـ ۱۳۵)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک ۳۰ سے زیادہ ۴۰ سے کم گائیں ہوں تو ۳۰ سے زائد جانور میں بھی اسی لحاظ سے زکوۃ واجب ہوگی جس کو فقہ کی اصطلاح میں "عفو" کہتے ہیں ، صاحبین کے نزدیک زکوۃ واجب نہیں ہوگی اور اسی پر فتوی ہے (رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۰)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک جہاں زکوۃ میں بکری واجب ہو ، وہاں چھ ماہ کا دنبہ کافی نہ ہوگا ۔ صاحبین کے نزدیک کافی ہوجائے گا اور فتوی اسی پر ہے ۔ کیونکہ بہ قول امام ابن ہمام "الدليل حجة" (رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۱)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک گھوڑے پر زکوۃ واجب ہے ۔ صاحبین کے نزدیک واجب نہیں ، اور فتوی اسی پر ہے کیونکہ بہ قول اکثر مشائخ : هذا القول اقوى حجة (رد المحتار ج ۲ ص ۲۸۲)

عدت اگر درمیان ماہ سے شروع ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک ۹۰ دن عدت کے گزارنے ہوں گے ۔ صاحبین کے نزدیک درمیان کے دونوں ماہ چاند کے حساب سے ہوں گے اور ابتدائی مہینہ ۳۰ دن کے حساب سے بعد کو پورا کیا جائے گا اور فتوی اسی پر ہے ۔ (البحر الرائق ج ۳ ص ۲۳۱)

(۳) اسی سے قریب تر بات یہ ہے کہ اگر امام صاحب کے قول کے مقابلہ صاحبین کے قول میں زیادہ احتیاط

ہو، تو ایسے مواقع پر بھی صاحبین کے قول کو ترجیح دی جاتی ہے۔ مثلاً:

اگر ٹھنڈا پانی مضر ہو اور گرم پانی سے غسل کرنے میں مضرت کا اندیشہ نہ ہو پھر بھی امام ابو حنیفہ کے نزدیک گرم پانی سے غسل کے بجائے تیمم پر اکتفاء کرنا جائز ہے۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک گرم پانی سے غسل کرنا واجب ہے اور ازراہ احتیاط اسی پر فتوی ہے (هندية ج ۱ ص ۲۹)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک بعض تفصیلات کے ساتھ نبیذ کا پینا اور اس سے وضو کرنا جائز ہے اور کپڑے میں لگ جانے تو قباحت نہیں، امام محمد کے نزدیک نہ اس کا پینا جائز ہے نہ اس سے وضو کرنا اور کپڑے میں لگ جائے تو دھونا واجب ہے، اور ازراہ احتیاط فتوی امام محمد کے قول پر ہے (تاتارخانیہ ج ۱ ص ۲۲۵)

امام صاحب کے نزدیک شدید کراہت و گناہ کے ساتھ یہ جائز ہے کہ مسلمان غیر مسلم کو شراب فروخت کرنے کا حکم دے اور وہ اس قیمت کو استعمال کر سکتا ہے۔ صاحبین کے نزدیک جائز نہیں اور فقہاء نے اسی کو ترجیح دی ہے اور کہا ہے هو الاظهر، الدر المحتار ج ۲ ص ۱۳۵)

قبول نکاح کی بابت اختلاف ہوجائے، عورت کہے میں نے رد کردیا تھا، مرد کہے کہ اس نے سکوت اختیار کیا تھا اور گواہان موجود نہ ہوں تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک بغیر قسم کھلائے ہوئے عورت کا قول معتبر ہوگا، صاحبین کے نزدیک عورت سے حلف لیا جائے گا اور اسی پر فتوی ہے (رد المحتار للفتوی قولهما۔ مجمع الانہر ج ۱ ص ۲۵۵)

امام ابو حنیفہ کے نزدیک مقتدی امام کے ساتھ تکبیر تحریمہ کہے گا، صاحبین کے نزدیک امام کے تحریمہ باندھنے کے بعد، اور فتوی صاحبین کے قول پر ہے (ہندیہ ج ۱ ص ۶۸)

یہ مثالیں بہ طور نمونہ اور بے تکلف معمولی تتبع سے لکھی ہیں، اگر ان مسائل کا احاطہ کیا جائے جن میں صاحبین کے قول پر فتوی ہے تو شاید کئی جلدیں مطلوب ہوں، ان مثالوں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ضرورت و مصلحت، قوت دلیل اور احتیاط کی بنا پر بہت سے مواقع پر صاحبین کے قول کو ترجیح دی گئی ہے ـــ یہ حقیر صاحب سراجیہ کے اس قول سے غافل نہیں ہے کہ:

ثم الفتوى على الاطلاق على قول ابى حنيفة ثم بقول صاحبيه ثم بقول ابى يوسف ثم بقول محمد بن الحسن ثم بقول زفر بن الهذيل ثم بقول حسن بن زياد (السراجية ۱۵۷)

فتوی مطلقاً امام ابو حنیفہ کے قول پر ہے اس کے بعد صاحبین پھر امام ابو یوسف، پھر امام محمد پھر امام زفر اور اس کے بعد امام حسن بن زیاد کے قول پر ہوگا۔

گو سراج الدین اودی نے امام صاحب کے مقابلہ صاحبین کے قول کو علی الاطلاق راجح قرار دیا ہے ۔ مگر راجح وہی قول معلوم ہوتا ہے جس کو انہوں نے صیغہ تضعیف کے ساتھ نقل کیا ہے ۔

قیل. اذا کان ابو حنیفة بجانب و صاحباه فی جانب المفتی بالخیار (حوالہ سابق)

بعض حضرات کا خیال ہے کہ اگر ایک طرف امام ابو حنیفہ ہوں اور دوسری طرف صاحبین، تو مفتی کو اختیار ہے ۔

اسی کو حاوی قدسی نے ترجیح دیا ہے ،کیونکہ جب قضاء و شہادت کے ابواب میں امام ابو یوسف ،ذوی الارحام کے مسائل میں امام محمد اور سترہ مسائل میں تنہا امام زفر کا قول افتاء کے لئے راجح شمار کیا گیا ہے (رد المحتار ج ۱ **ص ۹۴**)تو صاحبین کے قول پر فتوی کا ممنوع ہونا ناقابل فہم ہے ۔

اس موقع پر شامی کی یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ :

اذا حکم الحنفی بما ذهب الیه ابو یوسف او محمد او نحوهما من اصحاب الامام فلیس حکما بخلافه فقد افادان اقوال اصحاب الامام غیر خارجة عن مذهبه فقد نقلوا عنهم انهم ماقالوا قولا الا وهو مروی عن الامام (رد المحتار ج ۳ ص ۳۷۳)

حنفی قاضی اگر امام ابو یوسف، یا امام محمد یا امام صاحب میں سے کسی کی رائے پر فیصلہ کرے تو یہ امام ابو حنیفہ کے خلاف فیصلہ متصور نہ ہوگا ۔ان سے منقول ہے کہ یہ حضرات جو بھی کہتے ہیں وہ امام صاحب سے بھی مروی ہوتا ہے ۔

اسی لئے جو فقہی نظائر اوپر ذکر کئے گئے ،ان کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ مشائخ کی عمومی روش یہی ہے کہ سہولت و مصلحت، قوت دلیل اور ورع و احتیاط کے پیش نظر بعض اوقات صاحبین کے قول کو ترجیح دی جاتی ہے ۔ زیر بحث مسئلہ میں یہ تینوں باتیں جمع ہیں ،جیسا کہ مذکور ہوا،دلائل کے اعتبار سے بھی صاحبین کی رائے کی طرف میلان ہوتا ہے ،موجودہ حالات میں یہ سماجی مصلحت سے بھی زیادہ ہم آہنگ ہے اور قرآن مجید کے حکم "اوفوا بالعقود"

اور حدیث **احق الشروط ما استحللتم به الفروج (بخاری ج ۱ ص ۳۷۲**) کی رو سے شرط کے مطابق اثر مرتب ہونے میں احتیاط اور نصوص کا پاس و لحاظ بھی زیادہ محسوس ہوتا ہے ۔ پھر فقہا کا یہ قاعدہ کہ **اعمال الکلام اولی من اهماله** (مکلف کے کلام کو نتیجہ خیز بنانا اس کو بے نتیجہ قرار دینے سے بہتر ہے) بھی یہی تقاضا کرتا ہے ،اس لئے یہ بات راجح معلوم ہوتی ہے کہ اس مسئلہ میں صاحبین کے قول کو ترجیح حاصل ہے ۔

البتہ جیسے طلاق دینے اور مناسب صلاحیت کے فقدان کے باوجود دوسرا نکاح کرنے میں سماجی بگاڑ ہے، اسی طرح طلاق و نکاح ثانی کے ساتھ مہر کی ایسی کثیر مقدار کو مشروط کردینے میں بھی مفاسد کا اندیشہ ہے جس میں کوئی قید و بند نہ ہو۔ایسی صورت میں خطرہ یہ ہے کہ مرد طلاق تو نہ دے گا اور دوسرا نکاح تو نہ کرے گا مگر وہ عورت پر ظلم و جور کا دروازہ کھول دے گا اپنی آتش انتقام کو سرد کرے گا، اس لئے مناسب ہے کہ مہر اس طرح مقرر کیا جائے کہ مثلاً، زینب کا مہر دس ہزار ہوگا،اور اگر قاضی شریعت سے اجازت لئے بغیر زینب کو طلاق دے گا یا اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح کرے گا تو مہر پچاس ہزار ہوگا ــ اس طرح جہاں مہر کی کثیر مقدار مرد کو نامناسب عمل سے باز رکھ سکے گی، وہیں قاضی شریعت سے اجازت کی قید اس کے لئے واقعی ضرورت کے موقع پر طلاق اور نکاح ثانی کے حق سے استفادہ کا دروازہ بھی وا رکھے گی۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم و احکم

عرض مسئلہ

طلاق اور عقد ثانی کے ساتھ مشروط اضافہ مہر

مولانا عبد الجلیل قاسمی ☆

الحمد لله رب العالمين و الصلوة و السلام على سيد الانبياء و المرسلين و على آله وصحبه اجمعين اما بعد

حضرات گرامی!

طلاق اور عقد ثانی کے ساتھ مشروط اضافہ مہر کے سلسلہ میں مقالات کی روشنی میں عرض مسئلہ کی ذمہ داری مجھ کو دی گئی ہے۔

اس سلسلہ میں ۵۴ مقالات اور ایک مقالہ کی تلخیص وصول ہوئی۔ ایک مقالہ پھلواری شریف میں ملا۔ ان میں تلخیص اور دو مقالوں کے مقالہ نگار حضرات کے اسماء گرامی مجھے معلوم نہ ہوسکے۔ ان مقالہ نگار حضرات نے اپنے اپنے مقالہ میں طلاق یا عقد ثانی کی صورت میں اضافہ مہر کو غلط قرار دیا ہے۔

جناب مولانا مصلح الدین احمد صاحب نے اس مسئلہ پر کلام نہیں کیا ہے، جناب مولانا ابوالحسن علی صاحب نے اپنے مقالہ میں ان دونوں مسئلوں پر تفصیل سے گفتگو کی ہے، لیکن اپنی رائے نہیں دی، بلکہ ارباب حل و عقد

☆ نائب قاضی امارت شرعیہ، پھلواری شریف، پٹنہ، بہار

کے فیصلہ پر چھوڑ دیا ۔ مولانا فضیل الرحمان ہلال عثمانی صاحب نے طلاق کی صورت میں اضافہ مہر پر گفتگو نہیں کی ہے ۔ بلکہ کثرت طلاق کو روکنے کی تدبیر ذکر کی ہے ۔ نکاح ثانی پر پابندی لگانے کے لئے مہر کے تفاوت کو غیر معتبر قرار دیا ہے ۔ لیکن کوئی دلیل نہیں دی ہے ۔

جناب شمس پیرزادہ صاحب نے طلاق یا عقد ثانی کی صورت میں مہر میں اضافہ کو جرمانہ قرار دیا ہے اور اسی لئے انھوں نے اس کو غلط کہا ہے ۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ انھوں نے شام کے قوانین کی ایک دفعہ اور شیخ عبد الوہاب خلاف کی رائے ذکر کی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر بلا وجہ شرعی بیوی کو طلاق دیتا ہے اور قاضی کے نزدیک ثابت ہوجائے تو قاضی نفقہ عدت کے علاوہ ایک رقم یکشمت ، یا ماہانہ بیوی کو شوہر سے دلوا سکتا ہے ۔ اور اس طرح کا مصری عدالت کا ایک فیصلہ بھی نقل کیا ہے ۔

اگر موصوف اس کو جرمانہ تصور کرنے پر اصرار نہ کریں بلکہ اس طرح سوچیں کہ مرد کو عورت سے حق استمتاع جو حاصل ہوتا ہے اس کا معاوضہ عورت مہر کی شکل میں شوہر سے وصول پاتی ہے ، عورت اپنی سہولت کے پیش نظر اس معاوضہ کی مقدار میں کم و بیش کرنے کی حقدار ہوتی ہے ، یعنی اس کو حق ہے کہ وہ کم مقدار مہر پر نکاح کرے یا زیادہ مہر کا مطالبہ کرے ۔ اب اگر عورت کو زندگی بھر شوہر کی رفاقت حاصل رہتی ہے ، اور اس میں اس کے لئے بہت سی پریشانیوں سے نجات بھی ہے ، تو ممکن ہے کہ مہر کی کم مقدار پر بھی وہ شوہر کو حق استمتاع دینے پر راضی ہوجائے ۔ لیکن شوہر نے اس کی رفاقت سے انکار کردیا اور عورت کو حاصل شدہ ساری سہولتیں یکسر ختم ہوگئیں تو بھی عورت اسی کم مقدار پر راضی رہے ، ضروری نہیں ہے ۔ اس لیے وہ اپنی سہولتوں کی کمی و زیادتی کی صورت میں اپنے مہر میں زیادتی یا کمی کی شرط عائد کرتی ہے تو اس کو جرمانہ قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی ۔

خود موصوف نے اس سے اتفاق کیا ہے کہ بے جا طلاق کی صورت میں عورت کو نفقہ عدت کے علاوہ بھی رقم دلائی جائے ۔ ظاہر ہے کہ اس اضافہ رقم کو مہر میں اضافہ کہا جائے یا نفقہ کا نام دیا جائے ایک ہی بات ہے ۔

اسی طرح ایک عورت اپنے شوہر کی تمام تر توجہات کی تنہا مرکز ہوتی ہے ۔ ایسی حالت میں وہ کم مقدار مہر پر بھی نکاح کرسکتی ہے ، اگر شوہر نے دوسری شادی کی ، جو جرم نہیں ہے ۔ بلکہ شریعت نے اس کو اس کا حق دیا ہے لیکن عورت کے حق میں تو بہر حال تنصیف ہوجاتی ہے ۔ اب وہ شوہر کی پوری توجہ کی تنہا مستحق نہیں رہ جاتی ۔ ایسی حالت میں اگر وہ زیادہ مہر کی شرط لگاتی ہے تو اس کو جرمانہ قرار دینا مناسب نہیں لگتا ۔

مولانا مفتی محمد زید صاحب ۔ مولانا مفتی اقبال احمد کانپوری اور مولانا زبیر احمد قاسمی صاحب نے طلاق کی صورت میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ کے قول کو اختیار کیا ہے ۔ مفتی زید صاحب اور مفتی اقبال احمد صاحب نے صراحتہً عقد ثانی کا ذکر نہیں کیا ہے ۔ اور مولانا زبیر احمد صاحب نے عقد ثانی کی صورت میں اختلاف ائمہ کا ذکر

کیا ہے، اپنی رائے نہیں دی ہے ۔ خیال ہوتا ہے کہ عقد ثانی کی صورت میں بھی ان حضرات کے نزدیک امام صاحب کا قول ہی قابل عمل ہے ۔

مولانا نسیم الدین قاسمی صاحب نے عقد ثانی کی صورت میں امام صاحب کے قول کو راجح قرار دیا ہے ۔ اور طلاق کی صورت کو ذکر نہیں کیا ہے ۔ غالباً ان کے نزدیک بھی طلاق کی صورت میں امام صاحب کا قول ہی راجح ہے ۔

مولانا مفتی محمد زید صاحب نے بڑی تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ پر کلام کیا ہے ۔ اور کہا ہے کہ امام صاحب کی دلیل قوی بھی ہے ، اور فقہاء نے اس کو ترجیح بھی دی ہے ، اس لئے اس سے عدول کی گنجائش نہیں ۔ انہوں نے اعتراف کیا ہے کہ ضرورت کی وجہ سے صاحبین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا تھا ۔ لیکن بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ صاحبین کے قول کو اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ بلکہ صاحبین کا مسئلہ اختیار کرنے کو خلاف عقل و نقل کہا ہے ، اور لکھا ہے کہ اس مسلک کو اختیار کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ مہر کی کثرت کی وجہ سے شوہر طلاق نہ دے سکے ۔ اور یہ نظریہ کہ مہر اس قدر زیادہ کر دو کہ شوہر طلاق دینے کی ہمت نہ کرسکے شرعاً بھی مردود ہے ، اور عقلاً بھی ۔ پھر حضرت تھانوی اور حضرت گنگوہی کی عبارتوں سے اس کی قباحت کو بڑی وضاحت سے ذکر کیا ہے ۔ پھر آخر میں مولانا موصوف نے ایک مناسب حیلہ اور مفید تدبیر عالمگیری کے حوالہ سے نقل کیا ہے ، کہ عورت نکاح کے وقت یہ شرط عائد کرے کہ شوہر اس کو طلاق نہ دے اور اس کے رہتے ہوئے کسی دوسری سے نکاح نہ کرے ۔ اگر اس شرط کے خلاف کرے گا تو مہر مسمی کے بجائے مہر مثل لازم ہوگا ۔ اور مہر مثل کو متعین کردے کہ مہر مثل اتنا ہوگا ۔ جو شوہر پر ثقیل ہوگا اور شوہر اس کا اقرار بھی کرلے ، مفتی صاحب نے طلاق کی صورت میں زیادتی مہر کو شرعاً و عقلاً مردود کہتے ہوئے تفصیل کے ساتھ جن قباحتوں کو ذکر کیا ہے ، ان کے اس مجوزہ حیلہ میں ساری قباحتیں اپنی پوری تفصیلات کے ساتھ موجود ہیں ۔ میں نہیں سمجھا کہ مہر مسمی کثیر ہو یا مہر مثل مقرر کیا جائے ۔ نتیجہ کے اعتبار سے دونوں میں فرق کیا رہ جائے گا ؟

سات حضرات علماء نے دونوں صورتوں میں امام صاحب کے قول کو راجح قرار دیا ہے ۔

(۱) مولانا عاقل خاں قاسمی (۲) مولانا محمد مصطفی ندوی (۳) مولانا آل مصطفی مصباحی (۴) مولانا محفوظ الرحمان (۵) مولانا عبد الرحمان صاحب قاسمی پالنپوری (۶) مولانا عبد القیوم پالنپوری (۷) مولانا محفوظ الرحمان شاہین جمالی (۸) مولانا عبد الرحمان صاحب قاسمی پالن پوری کے مقالہ پر مولانا محمد حنیف صاحب کالپوری اور مولانا عمران خاں صاحب نے تصدیقی دستخط کئے ہیں ۔ مولانا موصوف اصولی طور پر کثرت طلاق کو روکنے کے لئے مہر کی مقدار میں اضافہ سے اتفاق رکھتے ہیں ۔ البتہ ان کا خیال ہے کہ اس کے لئے امام صاحب کے قول سے عدول کی ضرورت نہیں

ہے ۔ اس لئے کہ امام صاحب کے نزدیک جس شرط کو پہلے ذکر کیا جائے وہ معتبر اور جو بعد میں مذکور وہ فاسد ہے اس لئے مہر اس طرح طے کیا جائے کہ اگر شوہر بیوی کو طلاق دے گا تو مہر پچاس ہزار روپے ہوگا ۔ اور اگر طلاق نہیں دے گا تو مہر دس ہزار ہوگا ۔ اس صورت میں اگر شوہر طلاق دے گا یعنی پہلی شرط پوری کرے گا تو پچاس ہزار مہر لازم ہوگا ۔ اگر طلاق نہیں دے گا تو مہر مثل دے گا ۔ یہی رائے مولانا عبد القیوم پالن پوری کی بھی ہے ۔

لیکن مولانا محمد یوسف خاں قاسمی نے بحر کی عبارت نقل کر کے اور مولانا مفتی محمد زید صاحب نے بحر اور فتح القدیر کی عبارتیں نقل کر کے واضح کردیا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک شرط کے معتبر اور غیر معتبر ہونے میں تقدیم و تاخیر کو کوئی دخل نہیں ہے ، بلکہ اصل وجہ تنجیز و تعلیق ہے ، نہ کہ تقدیم و تاخیر یعنی جو شرط منجز ہوگی وہ صحیح ہوگی اور جو معلق ہوگی وہ فاسد ہوگی ۔ چاہے جو پہلے یا بعد میں ہو ۔

اس تفصیل کے بعد میرا خیال ہے کہ دونوں حضرات اضافۂ مہر کے لئے صاحبین کا قول اختیار کرنے کی رائے دیں گے ۔

مولانا شاہین جمالی صاحب نے طلاق دینے کی صورت میں مہر مثل کو لازم قرار دیا ہے ۔ البتہ مولانا موصوف نے طلاق کی صورت میں بطور متعہ ایک کثیر رقم شوہر کے ذمہ لازم کرنے سے پہلے اتفاق کیا ہے ۔ میں پھر عرض کروں گا کہ رقم کثیر کی مقدار نفقہ کی صورت میں ہو یا مہر مثل کی صورت میں ہو ، یا متعہ کی صورت میں ہو ، یا مہر مسمی کی صورت میں ہو ۔ نتیجہ کے اعتبار سے ان سب میں کوئی فرق نہیں ہے ۔

مولانا نے بے جا طلاق کی صورت میں مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذریعہ حکومت سے شوہر کو ایک سال یا چھ ماہ قید بامشقت کی سزا دلوانے کی رائے دی ہے ۔

غالبا مولانا کو یہ علم ضرور ہوگا کہ سرکاری عدالت سے ایک عورت کے لئے حصول انصاف آسان نہیں ہے ۔ اور پھر اس میں بے جا طلاق کے ساتھ بجا طلاق کی صورتیں بھی زد میں آئیں گی ۔ اور حکومت کے لئے مسلم پرسنل لا میں مداخلت کی راہ ہموار ہوگی وہ ظاہر ہے ، اس لئے مولانا کی اس تجویز سے اتفاق کرنا میرے لئے بہت مشکل ہے ۔

مولانا محمد حاذق قاسمی ، مولانا ظفر الاسلام اعظمی اور مولانا نور القاسمی نے طلاق کی صورت میں صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے ۔ مولانا حاذق صاحب اور مولانا ظفر الاسلام صاحب نے عقد ثانی کے سلسلہ میں کوئی رائے نہیں دی ہے ۔ مولانا محمد نور القاسمی صاحب نے عقد ثانی کا تذکرہ نہیں کیا ہے ۔ خیال ہوتا ہے کہ ان حضرات کے نزدیک عقد ثانی میں بھی صاحبین کا قول راجح ہے ۔ سات حضرات نے طلاق کی صورت میں صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے اور عقد ثانی کی صورت میں امام صاحب کے قول کو راجح کہا ہے ۔

(۱) مولانا عبد القادر قاسمی (۲) مولانا معین الدین قاسمی (۳) مولانا محمد یوسف خاں قاسمی (۴) مولانا ابو سفیان (۵) مولانا محمد رحمت بن آدم (۶) مولانا نعیم اختر قاسمی (۷) اور مولانا عبید اللہ الاسعدی صاحب۔ مولانا اسعدی صاحب نے طلاق کی صورت میں صاحبین کے قول کو بضرورت اختیار کرنے کی گنجائش کا اعتراف کیا ہے، لیکن ابھی ان کو ضرورت سمجھ میں نہیں آئی ہے۔

مولانا نعیم اختر صاحب نے عقد ثانی کرنے یا نہ کرنے کی صورت میں مہر میں اضافہ یا کمی کو غلط قرار دیا ہے، دونوں صورتوں میں مہر مثل کو واجب کیا ہے۔ اگر ان کی یہ اپنی رائے ہوتی تو مضائقہ نہیں تھا، لیکن انھوں نے اس قول کو علامہ نووی کے حوالہ سے امام صاحب کی طرف منسوب کیا ہے۔ حالانکہ جو عبارت انھوں نے ذکر کی ہے اس کا تعلق اس مسئلہ سے نہیں ہے۔ بہتر ہوتا ہے کہ مولانا موصوف امام صاحب کے قول کے لئے علماء احناف اور فقہ حنفی کی کتابوں کی طرف رجوع کرتے۔ امام صاحب کے نزدیک دونوں شرطیں فاسد نہیں ہیں، صرف وہ شرط فاسد ہے جو معلق ہو اور اسی صورت میں مہر مسمی کے بجائے مہر مثل لازم ہوتا ہے، شرط منجز میں ان کے نزدیک بھی مہر مسمی ہی لازم ہے۔

۲۸ حضرات نے دونوں مسئلوں میں صاحبین کے قول کو اختیار کرنے کی رائے دی ہے، اور رسم المفتی اور شامی کے حوالوں سے ضرورت کی بنیاد پر صاحبین کا قول اختیار کرنے کو مناسب قرار دیا ہے، جن میں سے چند نام یہ ہیں۔

۱۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی۔ ۲۔ مولانا عتیق احمد قاسمی۔ ۳۔ مفتی حبیب اللہ قاسمی۔ ۴۔ مولانا اختر امام عادل۔ ۵۔ مولانا ثنـاء الھدیٰ قاسمی۔ ۶۔ مولانا قدرت اللہ باقوی۔ ۷۔ مولانا اخلاق الرحمان اردیاوی۔ ۸۔ مولانا ولی اللہ قاسمی۔ ۹ مولانا فضل الرحمان رشادی۔ کاتب الحروف عبد الجلیل قاسمی۔

ھذا ما عندی و اللہ عندہ علم الصواب و علمہ اتم

عرض مسئلہ

تفویض طلاق قبل النکاح

مولانا محفوظ الرحمان شاہین جمالی ٭

تفویض طلاق بوقت نکاح و بعد از نکاح کے جواز پر تمام مقالہ نگاروں نے اتفاق ظاہر کیا ہے۔ البتہ قبل النکاح کی صورت میں تفویض کے جواز سے میں نے اور میرے ہم خیال تین مقالہ نگاروں نے، باقی سب حضرات کی رائے سے اختلاف کیا ہے۔

اسمائے مجوزین اور ان کے دلائل کے جوابات حسب ذیل ہیں۔

(۱) مولانا خالد سیف اللہ صاحب نے قبل النکاح کا بین نامہ لکھوانے کے جواز پر "خلاصۃ الفتاوی" کی عبارت سے استدلال کیا:

لو قال الزوج تزوجتک علی ان امرک بیدک بعد التزوج فقبلت المرأۃ صار الامر بیدھا (خلاصۃ الفتاوی ج ۲ ص ۷۹)

جواب۔ اس میں "**تزوجتک**" کا صیغہ متکلم۔ "**ک**" خطاب کے ساتھ صاف بتارہا ہے کہ یہ صورت عقد نکاح کے وقت کی ہے۔ چنانچہ مفتی محمد زید صاحب جامعہ ہتھورا نے "عالمگیری کتاب الحیل ج ۶ ص **۳۹۶** کے مضمون کی عبارت کو بوقت نکاح پر محمول کیا ہے۔ دیکھئے ان کا مقالہ ص **۱۳**۔

(۲) مولانا عتیق احمد صاحب قاسمی نے تفویض قبل النکاح کے جواز پر "**احکام الشرعیۃ باحوال الشخصیۃ**" ص **۳۲۷** کی عبارت:

٭ شیخ الحدیث مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ

والتفویض یصح قبل الزواج و یصح عند انشائه و یصح بعده عند الحنفیة و ذالک لانه تعلیق و تعلیق الطلاق قبل الزواج جائز سے حجت قائم کی ہے۔

جواب۔ لیکن تفویض کو تعلیق قرار دینا خلاف اصل ہے۔ تفویض کی اصل تملیک ہے اور زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس میں معنی تعلیق بھی ہے۔اور شوہر ملک نکاح سے پہلے خود طلاق دینے کا مجاز نہیں تو وہ دوسرے کو طلاق سپرد کرنے کا مجاز کیونکر ہوسکتا ہے۔

نیز زیر بحث مسئلہ تفویض طلاق کا ہے نہ کہ تعلیق طلاق کا، لہذا دلیل اصل مسئلہ سے متعلق نہیں رہی۔ مزید گفتگو آگے آرہی ہے۔

(۴) اکثر فاضل مقالہ نگاروں نے قبل النکاح تفویض طلاق کے جواز پر استدلال حضرت حکیم الامت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے رسالہ "الحیلۃ الناجزۃ" کے حوالہ سے کیا ہے۔اور حضرت تھانوی نے اس کے جواز پر استدلال

" **لمافی تنویر الابصار باب التعلیق و شرطہ الملک اوالاضافۃ کان نکحتک فانت طالق و** ۔۔ **العالمگیریۃ الفصل الثالث من کتاب "الشروط و الثانی تعلیق التفویض بالشرط** "

سے کیا ہے۔

جواب۔ لیکن اول تو اس حوالہ میں "ان نکحتک" کا جملہ خود اضافت ملک نکاح کو بوقت نکاح ظاہر کر رہا دوسری قابل غور بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ در اصل طلاق مضاف الی ملک النکاح کا ہے نہ کہ تفویض طلاق ۔افت و نسبت ملک کے معتبر ہونے کا۔ چنانچہ اضافت الی ملک النکاح کے اصول کے مطابق قبل النکاح طلاق کی صحت پر فقہاء معتبرین کی کوئی صریح عبارت موجود نہیں ہے۔

(الف) تفویض طلاق کے باب میں کتب فقہ میں جو مسائل مذکور ہیں وہ سب بعد النکاح تفویض سے متعلق

(ب) ملاعلی قاری، صاحب ہدایہ اور ابن الھمام رحمہم اللہ وغیرہم نے تفویض طلاق کو دلیل قیاس کے برخلاف ۔یل استحسان سے ثابت مان کر جن آثار صحابہ سے استدلال کیا ہے وہ سب آثار عند النکاح یا بعد النکاح تفویض طلاق کے جواز پر دلالت کرتے ہیں۔

(ج) خود بخاری ص ۹۰۰، ج ۲ میں آیت تخییر کے سلسلے کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ سے یہ ارشاد کہ " **انی ذاکر لک امرا فلا علیک ان لاتعجلی حتی تستامری ابویک** "

اگر تفویض طلاق کے معنی میں ہو (جب کہ حقیقتاً ایسا نہیں ہے) تب بھی اس واقعہ کا بعد النکاح ہونا معلوم ہے ۔

(د) اور تخییر کی مختلف المعنیٰ آیت کا نزول بھی قطعی طور پر ازواج مطہرات کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں داخل ہو چکنے کے بعد ہوا ہے ۔

اس طرح قرآن و حدیث اور آثار صحابہ میں قبل النکاح تفویض طلاق کی کوئی نظیر موجود نہیں ہے ۔

رہ گئی یہ بات کہ اضافت الی ملک النکاح کے اصول کو تفویض طلاق میں کیوں استعمال نہیں کیا جاسکتا؟ جب کہ طلاق و عتاق اور دیگر معاملات میں فقہاء نے استعمال کیا ہے ، تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث مرفوع میں ارشاد نبوی ہے ۔

" لانذر لابن آدم فيما لايملك و لا عتق فيما لايملك ولاطلاق فيما لايملك " (الترمذی ص ۱۲۱ ج ۱ باب لاطلاق قبل النكاح) و في الباب عن علي و معاذ و جابر و ابن عباس و عائشة. حديث عبدالله بن عمر و حديث حسن صحيح و هو احسن شئى روى في هذا الباب و هو قول اكثر اهل العلم من اصحاب النبي صلى الله عليه و سلم وغيرهم. و قال القارى. و هو متمسك الشافعي و به يقول احمد (مرقات ج ۲ ص ۵۸۲)

اس حدیث کا عموم قبل النکاح طلاق کو غیر معتبر قرار دے رہا ہے تو مجوزین کے مطابق تفویض کا بھی یہی حکم ہونا چاہئے ۔ اس کے بالمقابل اضافت ملک سے ملک کے ثبوت پر چند صحابہ و تابعین کے آثار ہیں ، صحیح مرفوع حدیث نہیں ہے ، پھر ان آثار کے برعکس ابن حجر نے جمہور علماء کا مسلک نقل کیا ہے ، اور امام بخاری نے **" لا طلاق قبل النكاح "** پر **۲۳** صحابہ و تابعین کے نام اپنی تائید میں گنوائے ہیں ، علامہ کرمانی نے اس مسلک کو لگ بھگ اجماعی قرار دیا ہے ۔

مقصوده من تعداد هولاء الجماعة الثلثة و العشرون من الفقهاء و الافاضل الاشعار بانه يكاد ان يكون اجماعا على انه لاتطلق قبل النكاح (حاشيه بخارى ج ۲ ص ۷۹۳)

خود احناف کے یہاں اسی مذکورہ حدیث کے پہلے **" جزء حلال لا نذر لابن آدم فيما لا يملك "** میں اضافی ملکیت کا اعتبار نہیں ہے ۔

چنانچہ ملا علی قاری اس کی شرح میں لکھتے ہیں :

" اى لا صحة له فلو قال لله على ان اعتق هذا العبد و لم يكن ملكه وقت النذر لم يصح النذر. فلو ملكه بعد هذا لم يعتق عليه كذاذكره بعض الشراح من علمائنا " (مرقات المفاتيح. ج ۲ ص ۳۸۵)

تو پھر تفویض طلاق میں قبل النکاح اضافت الی النکاح کو کیوں معتبر مانا جائے ؟

(س) میری رائے میں طلاق اور تفویض میں ایک واضح فرق موجود ہے جو حکم کی یکسانیت میں مانع ہے اور وہ یہ ہے کہ حق طلاق بہ نص قرآن صرف شوہر کو خدا کی طرف سے عطا کردہ ہے " الذی بیدہ عقدۃ النکاح " (البقرۃ ۲۳۷) عورت کو (حق طلاق دینا) خدا کو منظور نہیں ، ورنہ وہ خود دیتا ۔ ایسی حالت میں شوہر کا اپنی طرف سے عورت کو یہ حق منتقل کرنا حکم منصوص کے خلاف بھی ہے ۔قلب موضوع بھی ہے ۔ اور منجانب اللہ شوہر کو حق تفویض نہ ملنے کے سبب یہ حق ضعیف بھی ہے ، جب کہ خود شوہر کا طلاق دینا خدا کے حکم سے حق قوی ہے اور قوی اور ضعیف کا ایک حکم نہیں ہوسکتا ۔

(ط) اس مسئلہ میں دو فاضل مقالہ نگار جناب مولنا شہباز عالم صاحب ندوی اور مولانا سید اسرار الحق صاحب فاضل سبیل السلام حیدرآباد میرے مکمل ہم خیال ہیں ۔ ان دونوں حضرات نے قبل النکاح تفویض کے عدم جواز پر علامہ عبدالرحمان جزیری کی اس صریح عبارت سے استدلال کیا ہے ۔

فاذا اشترطت هذه الشروط خارج العقد فانها لا يعمل بها (الفقه على المذاهب الاربعة ص ۸۹ ج ۴)

(ع) جناب مولانا عبیداللہ صاحب اسعدی نے تفویض طلاق کو سرے سے قرآن و حدیث اور مصالح شرعیہ کے خلاف قرار دیا ہے ، اور اس کو متقدمین فقہاء کا بیان کردہ جزئی مسئلہ بتایا ہے جس کو قاعدہ کلیہ نہیں بنایا جاسکتا ۔
اسی ضمن میں کابین نامہ لکھوانے پر نکیر کی ہے جس سے ایک گونہ میرے موقف کی تائید حاصل ہوتی ہے ۔

(ف) تفویض طلاق کا اصل مقصد عورت کو شوہر کے ضرر متحقق سے بچانا ہے اور ضرر کا تحقق وقت نکاح تک شوہر کی شخصیت ، اس کی سیرت و عادت اور اس کے رجحانات فکر کا مشاہدہ و مطالعہ اور اس کی مزاجی کیفیت کی چھان بین کرکے ہوسکتا ہے ۔ لیکن وقت نکاح سے قبل ضرر زوج کا خدشہ محض وہمی اور فرضی ہے ، بلکہ قبل از نکاح اس کو ظالم و جابر مان لینا اور کابین نامہ لکھوانا شدید قسم کی بدگمانی ہے جس کا کوئی جواز نہیں پس تفویض قبل النکاح کا بھی کوئی جواز نہیں ۔

البتہ بوقت نکاح تفویض طلاق کا جواز (حالانکہ یہ بھی قبل از حصول ملک نکاح ہے) اس بناء پر ہوسکتا ہے کہ تفویض کا ملک نکاح کے ساتھ زمانی قرب و اتصال ہے اور وہ انشاء نکاح کے ساتھ ساتھ پائی جارہی ہے ۔ جب کہ قبل النکاح تفویض میں تفویض اور ملک نکاح کے حصول کے درمیان فاصلہ حائل ہے ۔ اور ملک نکاح کا حصول بوقت تفویض موہوم امید کے درجہ میں ہے اور تحقق سے دور ہے ، لہذا دونوں حالتوں کا حکم یکساں نہیں ہوسکتا ؛ قریب بہ تحقق ملک میں ملک کا اعتبار کیا جاسکتا ہے اور موہوم ملک میں ملک کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا ۔

مقالات

زیر بحث موضوع سے متعلق تفصیلی مقالات

نکاح میں شرط، تفویض طلاق
اور
مشروط مہر کا مسئلہ

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ٭

یہ مذہبی خوش اعتقادی نہیں بلکہ ایک روشن حقیقت اور زندہ پائندہ واقعہ ہے کہ اسلام کا قانون ازدواج جس درجہ معتدل، متوازن اور فطرت انسانی سے ہم آہنگ اور سماجی مصالح کی کسوٹی پر کامل و مکمل ہے، وہ بجائے خود اسلام کا معجزہ اور اس کی حقانیت کی روشن دلیل ہے اور اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کا سرچشمہ مخلوق کا ناقص و ناتمام علم نہیں، بلکہ یہ خالق کائنات اور رب العالمین کا عطا فرمودہ ہے، جو انسانیت کی ضروریات اور مصالح سے خود ان سے بھی زیادہ واقف و آگاہ اور علیم و خبیر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مشرق و مغرب کا نہ کوئی مذہب اور مذہبی گروہ ہے اور نہ انسانوں کا بہ طور خود وضع کیا ہوا قانون، جس نے اسلام کے نظام معاشرت سے استفادہ نہ کیا ہو اور اس خرمن کی خوشہ چینی سے بے نیاز ہو۔ ایک سماجی ضرورت کے طور پر بہ درجہ مجبوری طلاق کی گنجائش، نظام میراث، عورت کے لئے جائداد میں مالکانہ حقوق کا تصور، مطلقہ اور بیوہ عورتوں کے لئے دوسرے نکاح کی اجازت اور اس طرح کے بہت سے احکام ہیں جن کو آج تمام ہی وضعی قوانین نے تسلیم کیا ہے۔ یہ اسلام ہی کے دئے ہوئے معاشرتی نظام کی دین ہے۔

مگر افسوس کہ ہندوستان کے موجودہ حالات میں احکام شریعت سے ناواقفیت و ناآگہی، دوسری اقوام کی بعض

٭ صدر مدرس دارالعلوم سبیل السلام حیدر آباد ۔ نائب قاضی شریعت دارالقضاء آندھرا پردیش

ایسی روایات و رواجات سے تاثر، جو سراسر اسلامی تعلیمات اور انصاف کے عمومی تقاضوں کے خلاف ہے، اور شریعت کی جانب سے دیئے گئے بعض حقوق کا غلط استعمال اور خدا ناترسی کے نتیجہ میں ان لوگوں کو شریعت اسلامی کے خلاف منہ کھولنے کا موقع مل رہا ہے جن کو مسلمانوں کا مذہبی اور تہذیبی تشخص کسی طور پر گوارہ نہیں، اور علماء کے لئے بھی یہ بات لمحہ فکریہ ہوگئی ہے کہ وہ حدود شریعت میں رہتے ہوئے ایسی تدبیریں اختیار کریں کہ قانون کے غلط استعمال کا سد باب ہوسکے ۔۔ نکاح کے ساتھ بعض شرطوں کو ہم رشتہ کرنے کے مسئلہ پر بھی اسی پس منظر میں غور کرنا چاہئے

(جواب سوال نمبر۱)

نکاح میں لگائی جانے والی شرطیں بنیادی طور پر تین طرح کی ہیں۔

پہلی قسم

(۱)۔ ایسی شرطیں جو انہی حقوق و فرائض کو مؤکد کرتی ہوں جن کو شریعت نے نکاح کی وجہ سے لازمی طور پر واجب قرار دیا ہے ۔جیسے شوہر کا بیوی کو نفقہ ادا کرنا ۔ اس کے ساتھ احکام شریعت کے مطابق بھلے طور پر زندگی بسر کرنا۔ بیوی کا معروف میں شوہر کی نافرمانی نہ کرنا ۔ شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے نہ جانا، وغیرہ ۔

ایسی شرطیں بالاتفاق معتبر ہیں اور فریقین پر ان کا ایفاء واجب ہے ۔کیونکہ یہ بجائے خود نکاح کے مقاصد میں ہیں اور شریعت نے ان کو واجب قرار دیا ہے ۔ نکاح کے وقت شرط کے طور پر ان کا تذکرہ محض احکام شریعت پر عمل اور اپنے اپنے فرائض و واجبات کی ادائیگی کے عہد کی تجدید و توثیق ہے ۔(فتح الباری ۔ ۹۔ ۲۱۷)

دوسری قسم

(۲)۔ ایسی شرطیں جو نکاح سے متعلق شریعت کے وجوبی احکام سے متصادم ہوں، حافظ ابن رشد کے الفاظ میں جو نکاح صحیح ہونے کی شرطوں میں سے کسی شرط کو ساقط کردیتی ہوں یا نکاح کے واجب احکام میں سے کسی حکم میں تغیر و تبدیلی کو مستلزم ہوں ۔ (**بدایۃ المجتہد ۲ ۔ ۵۹**) ۔ جیسے : یہ شرط کہ بیوی کا مہر نہیں ہوگا یا یہ کہ شوہر کے ذمہ اس کا نفقہ نہیں ہوگا، یا عورت کی طرف سے شرط کہ شوہر اس سے مقاربت نہیں کرے گا یا یہ کہ اس کو سوکن کے حصہ میں سے بھی اضافی حصہ دے گا ۔ من جملہ انہیں شرائط کے یہ ہے کہ شوہر، عورت اور اس کے اہل خاندان سے کوئی مالی مطالبہ کرے (المغنی ۷ ۔ ۲۷)

ایسی شرطیں بالاتفاق نامعتبر ہیں ۔ امام بخاری علیہ الرحمہ نے ایسی شرطوں کی ممانعت پر مستقل عنوان قائم فرمایا

باب الشروط التی لا تحل فی النکاح - ان شرطوں کا بیان جو نکاح میں حلال نہیں ہیں (بخاری مع الفتح ج ۹ - ص ۲۱۹)

پھر اس پر حضرت عبد اللہ بن مسعود کا قول پیش کیا ہے کہ "کوئی خاتون اپنی دینی بہن یعنی سوکن کو طلاق دینے کی شرط نہ لگائے" اس کے بعد حضرت ابو ہریرہ کی روایت ذکر کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی عورت کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنی سوکن کی طلاق کا مطالبہ کرے تاکہ اس کے حصہ کی بھی حقدار ہوجائے۔ کیونکہ جو اور جتنا اس کے لئے مقدر ہے وہ تو اسے مل کر ہی رہے گا۔ (حوالہ سابق)

اگر اس طرح کی شرطیں لگا بھی دی جائیں تو نکاح پر بالاتفاق ان کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔ نکاح منعقد ہوجائے گا اور شرطیں لغو و بے اثر ہوجائیں گی (فانها لا تفسد النکاح باتفاق۔ بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۔ ۵۹۔ فتح الباری ج ۹ - ص ۸۱۲)

تیسری قسم

(۳)۔ تیسری قسم کی شرطیں وہ ہیں جن سے عورت کو نفع پہونچتا ہو اور شریعت نے نہ ان کو واجب قرار دیا ہو اور نہ ان سے منع کیا ہو۔ گویا ان شرطوں کو مان کر مرد اپنے بعض ایسے حقوق سے دستبردار ہوجاتا ہے جن سے دستبردار ہونے کا اس کو اختیار ہے ۔۔ مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ وہ اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا، یا یہ کہ اس کو اس کے میکہ میں رکھے گا، یا یہ کہ اس کو اس کے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا۔ وغیرہ (المغنی ج ۷ - ص ۷۱)

ایسی شرطوں کے ساتھ نکاح کیا جائے تو نکاح منعقد ہوجائے گا، اس پر اتفاق ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ شرطیں معتبر ہوں گی اور ان کی تکمیل واجب ہوگی یا نہیں؟ ۔۔ اور سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین میں مثبتین اور منکرین دونوں کی قابل لحاظ تعداد ہے۔

منکرین اور ان کے دلائل

جو لوگ ایسی شرطوں کو بھی نامعتبر خیال کرتے ہیں، ان میں صحابہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام نامی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ - ص ۲۰۰) نیز یہی رائے سعید بن المسیب، حسن بصری، شعبی، طاؤس، (ان سبھوں سے ابن ابی شیبہ نے نقل کیا ہے مصنف ج ۴ ص ۲۰۰ من قال لیس لها شرط الخ) ابراہیم نخعی، ابن شہاب زہری، عطا، ایاس بن معاویہ اور ہشام بن ہبیرہ (مصنف عبد الرزاق ج ۶ ص ۲۳۰) ابن سیرین اور سفیان ثوری

ثوری (شرح السنۃ ج للبغوی ۹۔ ص ۵۵) کی ہے ائمہ اربعہ میں امام ابو حنیفہ، امام مالک (بدایۃ المجتہد ج ۲ ص ۵۹) اور امام شافعی (شرح مھذب ج ۱۲ ص ۲۵۰) کا نقطہ نظر بھی یہی ہے۔ فقہاء مالکیہ ایسی شرطوں کو مکروہ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مرد کے لیے ان کا ایفاء کرنا واجب تو نہیں ہے لیکن مستحب ہے۔ (حاشیۃ صاوی علی الشرح الصغیر ۲۔۳۸۵) ان حضرات کے دلائل حسب ذیل ہیں:

(۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کل شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل جو شرط کتاب اللہ میں نہیں ہے وہ باطل ہے۔ (بخاری ۱۔۳۷۷ کتاب الشروط)

اور ظاہر ہے کہ نکاح کے ساتھ اس قسم کی شرطیں کتاب اللہ میں مذکور نہیں ہیں۔

(۲) ارشاد نبوی ہے۔

المسلمون علی شروطھم الا شرطا احل حراما او حرم حلالا۔ یعنی مسلمانوں کے حقوق و واجبات طے شدہ شرطوں کے مطابق ہوں گے۔ سوائے ایسی شرط کے جو کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام کرتی ہو۔ ــــ شوہر کے لئے جب شریعت نے دوسرے نکاح کی اور جہاں رہے وہاں بیوی کو رکھنے کی اجازت دی ہے تو اب کسی شرط کے ذریعہ مرد کا اس حق سے محروم ہوجانا حلال کو حرام کرلینے کے مترادف ہے۔

(۳) ایسی شرطیں تقاضاء عقد کے خلاف ہیں (شرح مھذب ۱۷۔۲۵۰ فقہ السنۃ ۲۔۵۲ للسید سابق)

(۴) ایک خاتون جن سے شوہر نے مکان دینے کا وعدہ کیا تھا۔ جب ان کی بابت حضرت علی سے دریافت کیا گیا تو فرمایا اللہ کی شرط بیوی کی شرط سے مقدم ہے۔ **شرط اللہ قبل شرطھا** (مصنف ابن ابی شیبہ ۲۔۲۰۰)

مثبتین اور ان کے دلائل

جن حضرات کے نزدیک ایسی شرطیں معتبر ہیں اور شوہر پر ان کو پورا کرنا واجب ہے، ان کی فہرست بھی خاصی طویل ہے۔ صحابہ میں حضرت عمر (مصنف عبد الرزاق ۲۔۲۷۷) اور عمرو بن عاص (مصنف عبد الرزاق ۲۔۲۲۸) کا یہی نقطہ نظر تھا۔ بعد کے اہل علم میں قاضی شریح، ابو الشعثاء (حوالہ سابق ۲۔۲۷۳ اور اس کے بعد باب الشروط فی النکاح) حضرت عمر بن عبد العزیز (مصنف ابن ابی شیبہ ۲۔۲۰۰) اسحاق (ترمذی ۱۔۲۱۳ باب الشرط عند النکاح) اوزاعی، ابن شبرمہ (بدایۃ المجتہد ۲۔۵۹) کا یہی قول ہے۔ علامہ بغوی نے حضرت عبد اللہ بن مسعود کی طرف بھی اس کی نسبت کی ہے۔ (شرح السنۃ ۹۔۵۳) اکثر محدثین کا رجحان بھی

سی طرف معلوم ہوتا ہے ۔ امام بخاری نے اپنے "ترجمہ الباب" میں حضرت عمر کے اس قول کا ایک ٹکڑا نقل کیا ہے۔ جواس قسم کی شرطوں کے معتبر ہونے کی بابت ہے (بخاری باب الشروط فی النکاح) اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسی گروہ کے ساتھ ہیں۔ یہی حال امام ابو داؤد کا ہے (**ابو داؤد مع عون المعبود باب فی الرجل یشترط لها دارا ۶۔۱۷۲**) ائمہ مجتہدین میں یہی رائے امام احمد بن حنبل کی ہے۔ (**المغنی ۷۔۷۱**)

ان حضرات کے دلائل اس طرح ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

یا یها الذین آمنوا اوفوا بالعقود اے ایمان والو، وعدوں کو پورا کرو۔

ابو بکر جصاص رازی نے اس آیت کے ذیل میں حضرت عبد اللہ بن عباس، مجاہد، ابن جریج، ابو عبیدہ اور متعدد لوگوں سے نقل کیاہے کہ "عقود" سے مراد "عہود" یعنی معاہدات اور وعدے ہیں (**احکام القرآن ۳۔۲۸۲، ۲۸۳**)۔ ظاہر ہے کہ نکاح کے وقت طے پانے والی جائز شرطیں بھی "عہد" کے قبیل سے ہیں ۔ خود جصاص نے آگے چل کر لکھا ہے۔

وکذلک کل شرط شرطه انسان علی نفسه فی شئی یفعله فی المستقبل فهو عقد. مستقبل میں کئے جانے والے افعال کی بابت اپنے آپ پر انسان جو بھی شرط عائد کرلے وہ "عقد" ہے۔ (**احکام القرآن ۳۔ ۲۸۵**)

پھر آگے اس بات پر روشنی ڈالتے ہوتے کہ اس آیت کا تقاضا کیا ہے؟ فرماتے ہیں :

و هو عموم فی ایجاب الوفاء بجمیع ما یشترط الانسان علی نفسه مالم تقم دلالة تخصصه انسان اپنے آپ پر جو شرطیں منظور کرلے، یہ آیت ان تمام کی بابت ایفاء اور تکمیل کو واجب قرار دیتی ہے، سوائے اس کے کہ کوئی ایسی دلیل موجود ہو جو اس میں تخصیص کا تقاضا کرتی ہو۔ (**احکام القرآن ۳۔۲۸۶**)

اسی طرح کا مضمون قرآن مجید نے دوسری جگہ اس طرح ارشاد فرمایا ہے۔

واوفوا بعهد الله (النحل ۹۱) اللہ کے عہد کو پورا کرو

مفسر قرطبی اس کے ذیل میں لکھتے ہیں :

لفظ عام لجمیع ما یعقد باللسان و یلتزمه الانسان من بیع او صلة او مواثقة فی امر موافق للدیانة (الجامع لاحکام القرآن ۱۰۔۱۷۹)

عقد ان تمام باتوں کو عام ہے جو زبان سے طے کی جائے اور جسے انسان اپنے اوپر لازم کرلے ۔ خرید و فروخت

ہو یا صلہ رحمی یا کسی بھی ایسے معاملہ میں معاہدہ جو دین کے موافق ہو۔

(۲) حضرت عقبہ بن عامر سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

احق ما اوفیتم من الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج

سب سے زیادہ قابل ایفاء شرطیں وہ ہیں جن کے ذریعہ سے تم عصمتوں کو حلال کرتے ہو۔ (**بخاری مع الفتح ۹۔ ۲۱۷۔ مسلم ۱۔ ۳۵۵۔ ابو داؤد ۱۔ ۲۹۱۔ ترمذی ۱۔ ۲۱۳ نسائی ۲۔ ۸۷۔ ابن ماجہ ۱۔ ۲۰۔** الفاظ بخاری کے ہیں)۔

عام طور پر محدثین نے اس سے اسی قسم کی شرطیں سمجھی ہیں۔ بخاری و ابو داؤد کا نقطہ نظر گزر چکا ہے۔ ابن ابی شیبہ نے پہلے وہ روایات و آثار نقل کئے ہیں جن سے شرطوں کا معتبر ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور سب سے پہلے حضرت عمر کا یہ اثر ذکر کیا ہے۔ پھر ان کا ذکر کیا جو ایسی شرطوں کو نامعتبر تصور کرتے ہیں اور ابتداء حضرت علی کے قول سے کی ہے ۔۔ اور حضرت عقبہ بن عامر کی اس روایت کو پہلے گروہ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (**مصنف ۲۔**

(۳) عبد الرحمن بن غنم کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر کی خدمت میں حاضر تھا، حضرت عمر کے پاس ایک مقدمہ آیا، جس میں شوہر بیوی کے درمیان یہ شرط طے شدہ تھی کہ شوہر اس کو اس کے میکہ ہی میں رکھے گا (**ان لایخرجها من دارها**) حضرت عمر نے فرمایا کہ شرط پوری کی جائے۔ اس کے شوہر نے کہا کہ اگر اس طرح کا فیصلہ ہو تو عورت جب بھی شوہر سے علیحدہ ہونا چاہے گی علیحدہ ہوجائے گی۔ حضرت عمر نے فرمایا۔

المسلمون عند شروطهم عند مقاطع حقوقهم (**مصنف عبد الرزاق ۲۔ ۲۲۷**) ابن ابی شیبہ نے اس کو مختصراً (**مصنف ۲۔ ۲۰۰**) اور بخاری نے تعلیقاً نقل کیا ہے۔ (**بخاری مع الفتح ۹۔ ۲۱۷**)

(۴) یہی رائے متعدد صحابہ یعنی عمر کے علاوہ سعد بن ابی وقاص، معاویہ اور عمرو بن عاص کی بھی ہے۔ (**المغنی ۷۔ ۱۷**) نیز حضرت عمر کا فیصلہ اس وقت ہوا ہے جب صحابہ کی بڑی تعداد مدینہ میں فروکش تھی اور کسی کا اس فیصلہ میں اختلاف کرنا منقول نہیں ہے۔

(۵) یہ ایسی شرطیں ہیں جو مقاصد نکاح میں تو مانع نہیں ہیں اور اس سے ایک جائز مقصد و منفعت متعلق ہے جیسے مہر کی زیادتی یا اپنے ملک کے بجائے کسی اور ملک کے سکہ میں مہر کی تعیین، تو انہیں امور کی طرح ان شرطوں کو بھی لازم ہونا چاہئے۔ (حوالہ سابق)

فریقین کے دلائل پر ایک نظر

ہر چند کہ فریقین نے اپنے اپنے موقف پر ان مختلف دلائل سے استدلال کیا ہے ۔ لیکن اصل استدلال دونوں ہی فریقوں کا حدیث نبوی سے ہے ۔ ائمہ ثلاثہ نے اس حدیث کے عموم کو ملحوظ رکھا ہے کہ ۔

كل شرط ليس فى كتاب الله فهو باطل و لوكان مائة شرط ۔ جو شرط کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے گو وہ سو شرطیں ہوں ۔ (**بخاری ۱ ۔ ۶۵ باب التقاضى والملازمة فى المسجد**)

اور حنابلہ نے نکاح سے متعلق اس خصوصی ارشاد کو پیش نظر رکھا ہے کہ ۔

احق الشروط ان يوفى به ما استحللتم به الفروج سب سے بڑھ کر وہ شرط قابل ایفاء ہے جس کے ذریعہ تم عصمت حلال کرتے ہو ۔ (**بخاری ۱ ۔ ۳۷۶ وغیرہ**)

حافظ ابن رشد بلند پایہ مالکی فقہاء میں ہیں اور منصف مزاج بھی ہیں ۔ مگر ان کا رجحان حنابلہ کی طرف ہے ۔ فرماتے ہیں - **والحديثان صحيحان اخرجهما البخارى و مسلم الا ان المشهور عند الاصوليين القضاء بالخصوص على العموم وهو لزوم الشرط وهو ظاهر ما وقع فى " العتبية " و ان كان المشهور خلاف ذلك** (**بداية المجتهد ۲ ۔ ۵۹**)

" دونوں حدیثیں صحیح ہیں ، جن کی بخاری و مسلم نے تخریج کی ہے ، لیکن علماء اصول کے نزدیک یہ بات معروف ہے کہ خاص کے ذریعہ عام کی تخصیص کی جائے گی ۔ اور زیر بحث مسئلہ میں خصوص یہی ہے کہ شرط کی تکمیل لازمی ہو " عتبیہ " (فقہ مالکی کی ایک اہم کتاب) میں جو کہا گیا ہے اس سے بھی یہی ظاہر ہے ۔ گو قول مشہور اس کے خلاف ہے " ۔

موجودہ دور کے اہل تحقیق علماء میں متعدد لوگ ہیں جو اس مسئلہ میں حنابلہ کے نقطہ نظر کے مؤید ہیں ۔ ان میں شیخ مصطفی احمد الزرقاء (**المدخل الفقهى العام ۱ ۔ ۳۸۲**) شیخ سید سابق (**فقه السنة**) اور ڈاکٹر وھبہ زحیلی (**الفقه الاسلامى و ادلته ۷ ۔ ۴۰**) خصوصیت سے قابل ذکر ہیں ۔ شام کے موجودہ عائلی قوانین میں بھی اسی پر عمل ہے اور یاد آتا ہے کہ ۱۹۷۵ء میں مصر کی پارلیمنٹ نے بھی علماء ازہر کی تائید سے اسی قسم کا قانون بنایا تھا جو اس وقت ہندوستان میں اخبارات کا موضوع بن گیا تھا ۔

واقعہ ہے کہ شرائط و معاہدات کے معاملہ میں اسلام کے عمومی مزاج و مذاق ، خصوصیت سے نکاح کے بارے میں طے شدہ شرائط کی ایفاء و پابندی کی ہدایت پھر حضرت عمر کا بحیثیت خلیفہ فیصلہ اور بہ ظاہر اس پر صحابہ کا سکوت نیز اسی قسم کا قاضی شریح کا فیصلہ اور متعدد صحابہ سے اس رائے سے اتفاق وہ امور ہیں جن سے حنابلہ کا

مسلک نسبتہ زیادہ قوی معلوم ہوتا ہے۔ حدیث میں نکاح کے وقت متعینہ شرطوں کو وفا کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے۔ جمہور کا خیال ہے کہ اس سے کوئی اضافی شرط مراد نہیں ہے۔ بلکہ نکاح کی بناء پر عائد ہونے والے فرائض و واجبات کی تاکید مقصود ہے۔ لیکن حدیث کے الفاظ میں بہ ظاہر اس پر کوئی دلیل نہیں ہے اور نہ کتب حدیث میں اس کا کوئی ایسا پس منظر ہی منقول ہے جس کی وجہ سے اس کی یہ مراد متعین کی جاسکے۔ چنانچہ ائمہ ثلاثہ کے مقلدین میں سے بھی جن لوگوں نے معروضی انداز پر اس حدیث میں غور کیا ہے۔ انہوں نے حنابلہ کے نقطہ نظر کو حدیث سے زیادہ قریب محسوس کیا ہے۔ ابن رشد کی صراحت اوپر مذکور ہوچکی ہے۔ شوافع میں ابن دقیق العید کا جو پایہ علمی ہے، اس سے حدیث و فقہ کے کوچہ کا کون رہ گزر ناواقف ہوگا۔ انہوں نے جمہور کی طرف سے حدیث کی اس تشریح پر بے اطمینانی کا اظہار کیا ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں۔

قد استشكل ابن دقيق العيد حمل الحديث على الشروط التى هى مقتضيات النكاح قال تلك الامور لا تؤثر الشروط فى ايجابها فلا تشتد الحاجة الى تعليق الحكم باشتراطها و سياق الحديث يقتضى خلاف ذلك لان لفظ " احق الشروط " يقتضى ان يكون بعض الشروط يقتضى الوفاء بها و بعضها اشد اقتضاء و الشروط هى من مقتضى العقد مستوية فى وجوب الوفاء بها(فتح البارى ۹۔۲۱۸)

"جو شرطیں خود ہی مقتضیات عقد میں سے ہیں۔ انہیں کو اس حدیث کا مصداق قرار دینے پر ابن دقیق العید کو اشکال ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب ان امور کے واجب قرار دئے جانے میں ان شرطوں کو لگانا موثر نہیں ہے تو پھر ان شرطوں کے لگانے پر حکم کو مشروط و متعلق کرنے کی کوئی حاجت نہیں۔ حدیث کا سیاق بھی اس سے مختلف بات کا متقاضی ہے۔ کیونکہ "احق الشروط" کی تعبیر ظاہر کرتی ہے کہ بعض شرطیں قابل ایفاء ہیں اور بعض زیادہ قابل ایفاء ہیں اور جو شرطیں واجبات عقد میں سے ہیں وہ لازم الایفاء ہونے میں برابر ہیں۔"

"**كل شرط ليس فى كتاب الله فهو باطل**" (کتاب اللہ میں جو شرط نہ ہو وہ باطل ہے) کس قسم کی شرطیں مراد ہیں؟ ان کا کچھ اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے جس کے پس منظر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت بریرہ نامی ایک باندی حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، ان کے مالکان نے ان کو مکاتب بنادیا تھا۔ (مکاتب سے مراد ایسا غلام یا باندی ہے جس سے مالک نے کہہ دیا ہو کہ تم اتنی رقم ادا کردو تو تم آزاد ہوجاؤ گے۔ آزاد شدہ غلام اور باندی پر آزاد کرنے والوں کو حق ولاء حاصل ہوتا ہے۔ اس کی وجہ سے بعض صورتوں میں ایک دوسرے سے حق میراث حاصل ہوتا ہے۔) انہوں نے ام المومنین سے

درخواست کی کہ بدل کتابت کی ادائے گی میں ان کی مدد کی جائے ۔ ام المومنین نے فرمایا کہ اس سے بجائے میں چاہوں گی کہ تم کو تمہارے مالکان سے خرید لوں اور خود آزاد کرلوں ۔ اس طرح تمہارا ولاء مجھے حاصل ہو ۔ مالکان نے کہا کہ ہم فروخت تو کردیں اور ام المومنین آزاد کرلیں مگر حق ولاء ہمارے لیے محفوظ رہے گا ۔ ظاہر ہے کہ یہ بات شریعت کی روح کے خلاف تھی ، شریعت میں "نسب" کی طرح "ولاء" کو بھی ایک فطری علاقہ اور ناقابل تبدیل حق قرار دیا گیا ہے ۔ جیسے زید کا بیٹا معاہدہ کے ذریعہ سے عمرو کا بیٹا نہیں بن سکتا ۔ اسی طرح جس کو زید نے آزاد کیا ، وہ کسی معاہدہ اور شرط کی بناء پر عمرو کا مولی نہیں ہوسکتا ۔

ان کے اس نامعقول مطالبہ اور شرط پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برہمی ظاہر فرمائی اور ارشاد ۔

مابال اقوام يشترطون شروطا ليس في كتاب الله من اشترط شرطا ليس في كتاب الله فليس له و ان اشترط مائة مرة (بخاری ۱.۲۵ باب ذکر البيع و الشراء على المنبر في المسجد)

"کچھ لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں ۔ جو شخص ایسی شرط لگائے کہ وہ کتاب اللہ میں موجود نہ ہو اس کا کوئی اعتبار نہیں ، گو ایک سو شرطیں لگادے ۔"

اس واقعاتی پس منظر سے صاف ظاہر ہے کہ " **ليس في كتاب الله** " سے ایسی شرط مراد ہے جو شرعا اس معاملہ کی روح و مقصد اور بنیادی مزاج ہی کے مغائر ہو ۔ جیسے نکاح میں زن و شو میں سے کسی ایک سے جنسی تعلقات میں تعاون سے انکار کی شرط ، شوہر کی جانب سے نفقہ نہ دینے کی شرط ، مہر کے انکار کی شرط ۔ کہ یہ سب نکاح کے اساسی واجبات میں سے ہیں ۔ ایک نکاح کے بعد دوسرا نکاح یا عورت کی جائے سکونت کا مسئلہ نکاح کے لوازم میں سے نہیں ہے ۔

اس قسم کی شرطوں کو "تحریم حلال" سے بھی تعبیر کرنا دشوار ہے ۔ حلال سے بھی ایسے ہی معاملات مراد ہیں جو عقد کے لوازم میں سے ہوں ۔ جیسے وطی کا حق شوہر یا بیوی کو مباح ہی ہے ۔ فریق دوم کے مطالبہ کے بغیر واجب نہیں ۔ یہی حال عورت کے حق نفقہ کا ہے ۔ رہ گئے وہ حقوق جو معاملہ کے لوازم میں نہ ہوں ، مباحات کے قبیل سے ہوں ، ان میں کسی فریق کا بذریعہ معاہدہ اپنے حق سے دستبردار ہوجانا تحریم حلال نہیں ۔ غور کیجئے کہ طلاق اصولی طور پر مرد کا حق ہے ۔ اور وہ تنہا اس کے استعمال کرنے کا حق دار ہے ۔ بیوی اپنے طور پر علیحدگی کا فیصلہ نہیں کرسکتی ۔ لیکن فقہاء نے "تفویض طلاق" کی صورت میں اس کی گنجائش رکھی ہے کہ وہ اپنے اختیار کا حصہ گویا بیوی کو منتقل

کردے۔

"تحریم حلال" کے اس مفہوم کو اس پس منظر میں بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ حضرت عمر نے نکاح میں اس طرح شرطوں کو معتبر اور واجب الایفاء قرار دیا ہے اور یہی حضرت عمر ہیں جنھوں نے اسلام کے قانون عدل کی بابت حضرت ابو موسی اشعری کے نام اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا ہے:

الصلح جائز بين المسلمين الا صلحا احل حراما او حرم حلالا (ابو داؤد عن ابی هريرة والترمذی و ابن ماجة عن عمرو بن عوف۔ نصب الراية ۲۔ ۱۱۲ كتاب الصلح)

"مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے سوائے ایسی صلح کے جو کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام کرنے کا باعث بنے"۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمر اس بات سے بے خبر تھے اور نہ غافل، کہ تحلیل حرام اور تحریم حلال پر مبنی صلح و معاہدہ جائز نہیں، لیکن وہ اس طرح کی شرائط کو تحریم حلال کا مصداق ہی نہ جانتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس قسم کی شرطوں کا مقصد معاملہ کے کمزور فریق کا اپنے لئے تحفظ حاصل کرلینا ہوتا ہے۔ خرید و فروخت کے معاملہ میں رہن اور کفالت کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ یہ قول ابن قدامہ کے یہ بھی اسی قسم کی شرطوں میں ہے (**المغنی ۷۔ ۱۰۷**) معاملات دراصل معاہدات پر مبنی ہیں اور جو معاہدہ ہو اس پر فریقین کا عمل کرنا واجب ہے۔ سوائے اس کے کہ اس سے شریعت کے کسی صریح حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہو، شریعت کے مزاج و مذاق کے رمز شناس خاص شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں:۔

الاصل فى العقود رضى المتعاقدين و نتيجتها هو ما اوجباه على انفسهما بالتعاقد (فتوى ابن تيميه ۳۔ ۳۳۹) "معاملات میں اصل فریقین کی رضامندی ہے اور اس کا ثمرہ و نتیجہ اس چیز کا واجب ہونا ہے جو معاملہ کے ذریعہ دونوں نے اپنے اوپر واجب کیا ہے۔"

یہ تو اس مسئلہ سے متعلق ایک فقہی اور استدلالی بحث تھی اور اس چیز پر بہت کچھ بحث و نظر کی گنجائش ہو سکتی ہے لیکن اصل قابل فکر بات یہ ہے کہ ہندوستان میں جہالت و ناخواندگی، احکام شریعت سے ناآگہی، ہمارے سماج کی اسلامی مزاج و مذاق سے محرومی اور دوسری ہم وطن اقوام کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ان کی بعض سماجی اقدار سے تاثر ایسی حقیقتیں ہیں، جن کا اعتراف نہ کرنا ریت میں منہ چھپانے کے مترادف ہوگا۔ حالانکہ مسلمانوں میں تعدد ازدواج کا رواج ہندوستان میں خود ہندوؤں سے بھی کم ہے۔ اسی طرح طلاق کا استعمال بھی ۔۔۔ باوجود بہت سے سماجی مفاسد کے غالبا اب بھی مسلم سماج میں بہت نہیں، لیکن اس طرح کے جتنے کچھ واقعات سامنے آتے ہیں اگر

ان کا سروے کیا جائے تو شاید اس کا نتیجہ یہی نکلے کہ ۸۰ فیصد طلاق کے واقعات بے جا ہوتے ہیں اور اسی تسلسل سے دوسرا نکاح کسی سنجیدہ و متین فیصلہ کے تحت نہیں، بلکہ وقتی رد عمل کے تحت کیا جاتا ہے۔ اور دوسرے نکاح کے لئے سہارا تو شریعت کا لیا جاتا ہے لیکن اس کے بعد اسلام کے اصول عدل کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ اس سے ہمارے سماجی ڈھانچہ کو جو نقصان پہونچتا ہے وہ تو اپنی جگہ، دوسری اقوام کے درمیان جو جگ ہنسائی ہوتی ہے اور شریعت مطہرہ پر جو چوٹیں کسی جاتی ہیں۔ ان کا باعث بھی بالواسطہ ہم ہی بنتے ہیں۔

ان اوقات میں دل چاہتا ہے کہ ایسے خدا ناترسوں اور عاقبت نااندیشوں کے لئے ہم درہ فاروقی کا نظم نہیں کرسکتے تو کم سے کم ممکن حد تک کوئی ایسی قید و بند شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے لگائیں کہ اس قسم کی مظلوم عورتوں کے لئے کوئی راہ نجات نکل آئے۔ اور ایک حد تک ہم اس مسئلہ میں امام احمد بن حنبل کے نقطہ نظر سے فائدہ اٹھاکر اس ضرورت کو پورا کرسکتے ہیں۔۔۔ فقہ حنبلی میں یہ گنجائش رکھی گئی ہے کہ اگر عورت نکاح کے وقت یہ شرط لگادے کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا۔ پھر بھی وہ دوسرا عقد کرلے تو وہ اپنا نکاح فسخ کراسکتی ہے۔ (**المغنی** ۷۔۱۰) از راہ احتیاط اس میں شرط کو مزید مقید کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً یہ کہ جب تک دار القضاء طبی اور معاشی اعتبار سے اس شخص کو دوسرے نکاح کے حقوق ادا کرنے کے لائق اور دوسرے نکاح کا واقعی ضرورت مند تصور نہ کرے، اس وقت تک وہ دوسرا نکاح نہیں کرسکے گا وغیرہ۔ حالانکہ راقم الحروف کا خیال ہے کہ تقلید ایک ضرورت ہے اور فی زمانہ ہوس اور نفسیات کو لگام دینے کے لئے تقلید شخصی "سفینہ نجات" کا درجہ رکھتی ہے، لیکن ایسے حساس مسائل میں فقہ کی مکتبی پابندیوں سے کسی قدر پرے اٹھ کر احکام شریعت کے وسیع تر تناظر میں غور و فکر کی ضرورت ہے۔ تاکہ ہم اس ملک میں قانون شریعت کا تحفظ کرسکیں۔

هذا ما عندي و ما اريد الا الاصلاح. والله من وراء القصد

تفویض طلاق کا مسئلہ

(جواب سوال ۲)

عورت کو حق طلاق سپرد کرنا فقہ کی اصطلاح میں "تفویض طلاق" کہلاتا ہے۔ شرعاً اس بات کی بھی گنجائش ہے کہ شوہر کسی اور شخص سے کہے کہ وہ اس کی بیوی کو طلاق دیدے۔ لیکن فرق یہ ہے کہ پہلی صورت "تملیک طلاق" کی ہے اور دوسری صورت "توکیل طلاق" کی۔ پہلی صورت میں شوہر رجوع نہیں کرسکتا ہے اور دوسری صورت میں رجوع کرسکتاہے۔ شوہر دیا ہوا حق واپس نہیں لے سکتا۔ اس بارے میں علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

انه لازم من جانب الزوج حتی لایملک الرجوع منه و لا نهی المراة مما جعل الیها ولا فسخ ذلک لانه ملکها الطلاق و من ملک غیره شیئاً زالت ولایته من الملک ولا یملک ابطاله بالرجوع و النهی و الفسخ (بدائع الصنائع ۳۔۱۱۳)

دوسری صورت

دوسری صورت کہ ایجاب و قبول ہی میں تفویض طلاق کردیاجائے درست ہے۔ البتہ ضروری ہے کہ ایجاب عورت کی طرف سے ہو اور تفویض طلاق سے مشروط ہو اور مرد اس کو قبول کرلے۔ اگر مرد کی طرف سے ایجاب ہو اور وہ ایجاب کے ساتھ تفویض طلاق کرے اور عورت قبول کرے، تو اس کا اعتبار نہیں۔ خلاصۃ الفتاوی میں ہے۔

و علی هذا لوتزوج امراة علی انها طالق او علی ان امرها بیدها ما تطلق نفسها کلما ترید لا یقع الطلاق و لا یصیر الامر بیدها و لو بدأت المراة۔ فقالت زوجت نفسی منک علی انی طالق او علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید فقال الزوج قبلت۔ وقع الطلاق وصار الامر بیدها (خلاصۃ الفتاوی ۲۔۲۹)

"اسی پر یہ مسئلہ ہے کہ اگر عورت سے اس شرط پر نکاح کرے کہ اس پر طلاق واقع ہوجائے یا اس شرط پر کہ اسے طلاق کا اختیار حاصل ہو جب بھی چاہے اپنے اوپر طلاق واقع کرلے۔ تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور اختیار عورت کو حاصل نہ ہوگا۔ ہاں، اگر ابتداء عورت کی طرف سے ہوئی اور اس نے کہا کہ میں نے اس شرط پر نکاح کیا کہ مجھ پر طلاق واقع ہوجائے یا یہ کہ مجھے اختیار حاصل ہو، جب چاہوں اپنے آپ پر طلاق واقع کرلوں اور شوہر نے کہا میں نے قبول کیا تو طلاق واقع ہوجائے گی اور اختیار بیوی کو حاصل ہوجائے گا۔"

خلاصہ ہی کے حوالہ سے اس کو ابن نجیم نے (البحر الرائق ۳۔۳۱۸) اور ابن نجیم کے حوالہ سے علامہ شامی

نے بھی اس کو نقل کیا ہے (رد المحتار ۲۔ ۳۸۵) فتاوی بزازیہ میں بھی تفویض طلاق کی اسی صورت کو کسی قدر قیود و حدود کی پابندی کے ساتھ اس طرح ذکر کیا گیا ہے ۔

اذا خافت المراة انه اذا تزوجها لا يجعل الامر بيدها بعد التزوج تقول زوجت نفسي منک بکذا على ان امري بيدي۔ اطلق نفسي منک بائنا متى شئت كلما ضربتني بغير جناية او تزوجت على اخرى او اشتريت او غبت عني سنة (فتاوى بزازية ۲۔ ۲۳۲)

" عورت کو اندیشہ ہو کہ نکاح ہوگیا تو نکاح کے بعد شوہر اس کو طلاق نہیں سونپے گا تو اسے یوں کہنا چاہئے : میں نے تم سے اتنے مہر کے عوض اس شرط پر نکاح کیا کہ اختیار طلاق مجھے حاصل ہوگا ، جب بھی تم مجھ کو بے قصور مارو یا میری موجودگی میں دوسرا نکاح کرلو یا باندی لاؤ یا مجھ سے ایک سال تک غائب رہو ۔ ایسی صورت میں میں جب چاہوں گی اپنے اوپر طلاق بائن واقع کرلوں گی ۔ "

" یہ شوہر کی جانب سے لازم ہے چنانچہ وہ اس سے رجوع کرنے کا حق نہیں رکھتا اور نہ عورت کو دئے گئے حق سے باز رکھنے یا اس کو ختم کرنے کا اختیار ہی رکھتا ہے ۔ کیونکہ اس نے عورت کو طلاق کا مالک بنادیا ہے اور جو کسی چیز کا دوسرے کو مالک بنادے اب اس مملوکہ شئی سے اس کا حق تصرف ختم ہوچکا ہے ۔ لہذا وہ رجوع کرکے ، منع کرکے اور فسخ کرکے اس حق کو باطل کرنے کا اختیار نہیں رکھتا ۔ "

بیوی کو تفویض طلاق

تفویض طلاق کی پہلی صورت کہ نکاح سے پہلے ہی تفویض پر معاہدہ طے ہوجائے اور کابین نامہ پر فریقین کی دستخط ہوجائیں ، بھی درست ہے ۔ ایسی صورت میں ضروری ہے کہ تفویض میں نکاح کرنے کی شرط ذکر کردی جائے ۔ مثلا یوں کہے " اگر میں نے تم سے نکاح کیا اور فلاں فلاں بات میری طرف سے پائی گئیں تو تم کو اپنے آپ پر ایک طلاق بائن واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا ۔ " چنانچہ ہدایہ میں ہے ۔

و لاتصح اضافة الطلاق الا ان يكون الحالف مالكا او يضيف الى ملكه لان الجزاء لابد ان يكون ظاهرا ليكون مخيفا فيتحقق معنى اليمين وهو القوة و الظهور باحدى هذين و الاضافة الى سبب الملک منزلة الاضافة اليه لانه ظاهر عند سببه (هداية ۲۔ ۳۸۵)

" طلاق کی نسبت عورت کی طرف درست نہیں ۔ سوائے اس کے کہ مشروط طلاق دینے والا اس پر ملکیت نکاح رکھتا ہو یا ملکیت نکاح ہی کی طرف نسبت کرے اس لیے کہ جزاء کا ظاہر ہونا ضروری ہے تاکہ یہ چیزیں عورت کے

لیے باعث خوف ہوسکیں اور یمین کا معنی متحقق ہوسکے جو قوت و ظہور ہے ، اور یہ انہیں دو میں سے ایک طریقہ سے ہوسکتا ہے ، کیونکہ سبب ملکیت کی طرف نسبت خود ملکیت کی طرف نسبت کرنے کے درجہ میں ہے اس لئے کہ سبب کے پائے جانے کے وقت خود اس کا پایا جانا ظاہر ہے ۔ "

پس جیسے مشروط طلاق کے لے نکاح کی طرف نسبت ضروری ہے ، ورنہ کلام غیر مؤثر ہوگا ۔ اسی طرح تفویض طلاق کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ نکاح کے ساتھ مشروط ہو ۔ قبل نکاح ، نکاح پر مشروط تفویض طلاق کا بعد از نکاح مؤثر ہونا علامہ عبد الرشید طاہر بخاری کی اس عبارت سے بھی اخذ کیا جاسکتا ہے :

ولو قال الزوج تزوجتک علی انک طالق بعد التزوج او علی ان امرک بیدک بعد التزوج فقبلت المراة صار الامر بیدها (خلاصة الفتاوی ۲۹۰۲)

اگر شوہر نے کہا : میں نے تجھ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ شادی کے بعد تم پر طلاق واقع ہوجائے یا یہ کہ نکاح کے بعد اختیار تمہارے ہاتھ میں ہوگا اور عورت قبول کرلے ۔ تو عورت کو اختیار حاصل ہوجائے گا ۔

تیسری صورت

تیسری صورت ، کہ نکاح کے بعد طرفین تفویض طلاق کے معاہدہ نامہ پر دستخط کردیں جائز ہے ۔ چاہے اس معاہدہ میں شوہر کی طرف سے پہل ہو یا بیوی کی طرف سے ۔ دونوں ہی صورتیں درست ہیں ۔ یوں تو نکاح کے وقت ہی تفویض طلاق کے موضوع پر گفتگو سماج کے موجودہ مزاج کے تحت گراں محسوس ہوگی ۔ لیکن اگر اس طرح نکاح نامے طبع کرائے جائیں اور مطبوعہ فارم پر کر کے ہی عقد کا رواج ہوجائے ۔ جیسا کہ دکن کے علاقوں میں مروج ہے اور اس فارم میں پہلے سے اس طرح تحریر موجود ہو تو لوگ بتدریج اس کے عادی ہوجائیں گے ۔ اور اس طرح نکاح کا ریکارڈ بھی محفوظ رہے گا ۔ جس کی وجہ سے ثبوت نکاح ، ثبوت نسب اور مقدار مہر وغیرہ کی بابت کم سے کم نزاع پیدا ہوگی ۔

تفویض طلاق کی ان دونوں صورتوں میں شرائط نامہ کی تحریر میں ایسے الفاظ کا استعمال کرنا ہوگا جو تفویض میں عموم کو بتاتا ہو ۔ مثلاً یہ کہ " میں اپنی زوجہ فلاں بنت فلاں کو اختیار دیتا ہوں کہ متذکرہ بالا شرائط میں سے کسی کی عدم تکمیل جب بھی دار القضاء میں ثابت ہوجائے تو وہ اپنے آپ پر طلاق بائن واقع کرلے " ، یہ "جب کبھی" کا لفظ عربی زبان کے " **متی ما** " کا ہم معنی ہے اور ایسے الفاظ شرط کے ساتھ تفویض طلاق میں عورت حین نکاح اپنے حق کو استعمال کرنے کی مجاز ہوتی ہے ۔ کاسانی کے الفاظ میں :

فان اطلق الوقت بان قال امرک بیدک اذا شئت او متی شئت او حیثما شئت فلها الخیار فی المجلس وغیر المجلس ولا یتقید بالمجلس حتی لوردت الامر لم یکن رد، بدائع الصنائع ۳۔ ۱۱۵)

"اگر وقت کو مطلق رکھا اور یوں کہا، تم جب چاہو یا جہاں چاہو تمہارا معاملہ تمہارے اختیار میں ہوگا۔ تو اس مجلس میں بھی اختیار حاصل رہے گا اور اس کے بعد بھی، مجلس کے ساتھ اس کا اختیار مقید نہیں رہے گا۔ یہاں تک کہ اگر وہ خود اختیار کو رد بھی کردے تو رد نہیں ہوگا۔"

تفویض طلاق میں طلاق بائن کی صراحت بھی ضروری ہے ۔ تین طلاقوں کا ذکر ہرگز مناسب نہیں کہ خلاف سنت اور معصیت ہے ۔ مطلق طلاق کافی نہیں کہ اس سے طلاق رجعی واقع ہوگی اور مرد کو یک طرفہ رجوع کا حق باقی رہے گا۔ تو یہ ایک ہاتھ سے عورت کو پروانہ خلاصی دینے اور دوسرے ہاتھ سے واپس لے لینے کے مترادف ہوگا۔

چونکہ طلاق ایک نازک مسئلہ ہے اور عورتوں کے لیے اس کا بے قید اختیار دے دینا کسی طرح مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ مردوں ہی کی طرف سے طلاق کے بے جا استعمال نے جب یہ کچھ ستم ڈھایا ہوا ہے تو عورتوں کو اس کی بے قید اجازت کیا کچھ مفاسد پیدا نہیں کرے گی؟ اس لئے ضروری محسوس ہوتا ہے کہ تفویض طلاق مرد کی طرف سے ظلم و زیادتی اور دار القضاء یا کچھ صالحین کی طرف سے حق مفوضہ کے استعمال کی اجازت سے مشروط کردیا جائے ۔ اگر متعدد اشخاص کی اجازت اور رضامندی سے طلاق کو مشروط کردیا جائے تو ان کی رضامندی اور عورت کے پیش کئے ہوئے عذر کی معقولیت سے اتفاق کرلینے کے بعد ہی وہ اپنے آپ پر طلاق واقع کرسکتی ہے ۔ چنانچہ فتاوی قاضی خاں میں ہے ۔

رجل جعل امر امراته بید رجلین لا ینفرد احدهما بالطلاق (الخانیة ۱۔ ۵۷۳)

"کوئی شخص اپنی بیوی کے معاملہ کو دو اشخاص کے اختیار میں کردے تو دونوں میں سے ایک کو تنہا طلاق واقع کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا۔"

دار القضاء کو تفویض

خیال ہوتا ہے کہ تفویض طلاق کی ایسی صورت اختیار کرنی بہتر ہے جس میں حق طلاق دار القضاء یا محکمہ شرعیہ کو دیا گیا ہو۔ بیوی کے علاوہ دوسروں کو طلاق کا اختیار دینا بنیادی طور پر "توکیل" ہے اور وکالت کبھی بھی واپس لی جاسکتی ہے ۔ لیکن اگر کسی تیسرے شخص کی چاہت و مشیئت پر طلاق کے استعمال کو موقوف کردیا جائے تو یہ

" توکیل " کی بجائے " تفویض " ہے (الخانیة ۱. ۵۷۲)۔ اب شوہر اس اختیار کو واپس نہیں لے سکتا۔ فتاوی بزازیہ میں ہے:

لو قال لاجنبی طلاقها بیدک او طلقها ان شئت کقوله امرها بیدک یقتصر و لایملک الرجعة (بدائع الصنائع ۳۔ ۲۳۳)

" اگر اجنبی شخص سے کہا کہ عورت کا حق طلاق تمہارے ہاتھ میں ہے۔ یا یہ کہے کہ اگر " تم چاہو تو طلاق دے دو " تو یہ " تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے " کہنے کی طرح ہے کہ اس میں اختیار مجلس میں محدود رہے گا اور شوہر کو اس سے رجوع کرنے کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ "

اور سراجیہ میں ہے۔

لوقال لاجنبی طلقها ان شئت ثم عزله لایصح (السراجیة ۲۲) " اجنبی شخص سے اپنی بیوی کی بابت کہے کہ اگر چاہو تو اسے طلاق دے دو۔ پھر اس کو اختیار سے معزول کردے تو درست نہیں۔ "

فتاوی بزازیہ میں اختیار طلاق کو اسی مجلس تک محدود مانا گیا ہے کہ شرط کے لئے جو لفظ استعمال کیا گیا ہے وہ عموم کو نہیں بتاتا ہے۔ اگر " **ان شئت** " (اگر تو چاہے) کی بجائے " **متی شئت** " (جب بھی چاہے) کہا جائے تو پھر بعد از مجلس بھی اختیار باقی رہے گا۔

پس، اگر کچھ شرطوں کے ساتھ دارالقضاء کو حق طلاق تفویض کیا جائے اور یہ وسعت برتی جائے کہ عورت قاضی شریعت کے پاس ثبوت شرعی کے ذریعہ ان شرائط میں کوتاہی ثابت کردے، یا دوسرے قرائن کی بناء پر قاضی کو عورت کے بیان کی صداقت پر اطمینان ہوجائے تو وہ عورت کو طلاق بائن دے سکتا ہے ــ تو شاید یہ زیادہ بہتر صورت ہو۔

دو حالتوں کے ساتھ مشروط مہر کی مقدار

(جوابات سوال ۳۔ ۴)

طلاق اور نکاح ثانی کی صورت میں مہر کی مقدار میں اضافہ کا مسئلہ ایک ہی نوعیت کا ہے کہ دو حالتوں کے ساتھ مشروط مہر کی دو مقدار متعین کی جائے اور اس شرط میں عورت کا فائدہ ہو تو کیا حکم ہوگا؟ شرطیں معتبر ہوں گی یا نہیں؟ ــ فقہاء کی رائیں اس سلسلہ میں مختلف ہیں۔ مالکیہ اور شوافع کے نزدیک ایسی صورت میں مہر مثل واجب ہوگا۔

وان تزوجها على الف ان لم يخرجها من بلدها و على الفين ان اخرجها فالمهر فاسد و يجب لها مهر مثلها(شرح مهذب ١٧-٢٣)

" اگر ایک ہزار مہر پر نکاح کیا بشرطیکہ شہر سے باہر نہ لے جائے، اور دو ہزار مہر پر بشرطیکہ شہر سے باہر لے جائے تو مہر فاسد ہے اور مہر مثل واجب ہوگا۔"

امام احمد سے منقول ہے کہ دونوں تعیین معتبر ہوں گی۔ ابن قدامہ کا بیان ہے:

وان قال تزوجتک على الف ان لم اخرجک من دارک وعلى الفين ان اخرجتک منها او على ان لم يکن لی امراة و على الفين ان کانت لی امراة فنص احمد على صحة التسمية فی هاتين المسئلتين(المغنی ٧-٢٠٣)

" اگر کسی ایک ہزار پر تجھ سے نکاح کیا بشرطیکہ تجھ کو تمہارے میکہ سے باہر نہ لے جاؤں یا اس شرط پر کہ میری دوسری بیوی موجود نہ ہو اور دو ہزار مہر پر اگر تم کو میکہ سے باہر لےجاؤں یا یہ کہ میری کوئی اور بیوی ہو، ان دونوں صورتوں کی بابت امام احمد کی صراحت موجود ہے کہ تعیین مہر اس طرح درست ہے۔"

آگے ابن قدامہ نے اس سلسلہ میں حنابلہ سے ایک اور روایت بھی نقل کی ہے مگر ترجیح اسی کو دیا ہے۔

امام ابو حنیفہ اور صاحبین کا نقطہ نظر

جہاں تک احناف کی رائے ہے تو اس سلسلہ میں امام صاحب اور صاحبین کا وہی اختلاف ہے جو سوالنامہ میں مذکور ہے۔ فقہاء نے اس ذیل میں کئی مسائل نقل کئے ہیں جو باہم مماثل اور متقارب ہیں۔ لیکن ان کے احکام میں فرق کیا گیا ہے۔ یہاں ان کا تذکرہ مناسب ہوگا:

ایک شخص نے نکاح کے وقت کہا کہ اگر منکوحہ خوبصورت ہو تو مہر دو ہزار اور بدصورت ہو تو ایک ہزار، تو فتوی اس پر ہے کہ دونوں شرطیں معتبر ہوں گی۔

ایک شخص نے نکاح کے وقت کہا کہ اگر منکوحہ خاندانی طور پر آزاد رہی ہو تو مہر دو ہزار اور خاندانی طور پر غلام تھی گو اب آزاد ہے تو مہر ایک ہزار، تو اس صورت میں بھی فتوی اسی پر ہے کہ دونوں شرطیں معتبر ہیں۔

ان دونوں صورتوں کی بابت ابن سماعہ نے امام محمد سے وہی اختلاف نقل کیا۔ جو ذیل کی صورت میں ہے۔ لیکن محققین نے ابن سماعہ کی نقل کو قبول نہیں کیا ہے اور ان کو امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے درمیان متفق علیہ مانا ہے

انہیں دو صورتوں کا حکم اس وقت بھی ہے جب نکاح کے وقت اس طرح مہر مقرر کیا جائے کہ اگر ناکح کی کوئی اور بیوی بھی موجود ہو تو دو ہزار، کوئی اور بیوی نہ ہو تو ایک ہزار ـــ اب بھی دونوں شرطیں معتبر ہیں۔

ایک شخص نے نکاح کے وقت کہا کہ اگر میں تمہاری موجودگی میں دوسرا نکاح کروں، یا کہا کہ تمہیں تمہارے شہر سے باہر لے جاؤں تو مہر دو ہزار ورنہ ایک ہزار ہوگا ـــ اس صورت میں امام ابو حنیفہ کے ہاں مہر مقررہ ایک ہزار ہوگا۔ اگر اس نے دوسرا نکاح نہ کیا تو ایک ہزار مہر ہوگا۔ دوسرا نکاح کرلیا تو دو ہزار اور مہر مثل میں سے جو کم ہو وہ واجب ہوگا۔ صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں معتبر ہوں گی۔

اوپر جو متفق علیہ صورتیں مذکوہ ہوئی ہیں، ان کی بابت نقول مختلف ہیں۔ تاہم راجح و مختار قول وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا (**البحر الرائق۔ ۳۔ ۱۷۰۔ الدر المختار و رد المحتار ۲۔ ۳۳۶۔ هنديه ۱۔ ۹۔ ۳۰۸۔ خلاصة الفتاوى ۲۔ ۳۷**)

ان دونوں صورتوں میں فرق کی جو وجہ بتائی گئی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خوبصورت اور بدصورت ہونا ایک قابل مشاہدہ بات ہے۔ نکاح کے وقت کسی اور بیوی کی موجودگی و عدم موجودگی کی یا اس کا خاندانی طور پر آزاد ہونا یا غلام ہونا ان امور میں سے ہے جو پہلے سے واقع شدہ ہے اور آئندہ مرد کا دوسرا نکاح کرنا یا نہیں کرنا اور اس کو شہر سے باہر لے جانا یا نہیں لے جانا، مستقبل سے متعلق ہے۔ پس پہلی صورتوں میں "خطر" یا تو موجود نہیں یا خفیف ہے اور دوسری صورت میں "خطر" قوی ہے۔ دوسرے پہلی صورتوں میں نزاع کا اندیشہ نہیں ہے یا کم ہے۔ جب کہ اس دوسری صورت میں آئندہ نزاع پیدا ہونے کا اندیشہ قوی ہے۔ (**البحر الرائق ۳۔ ۱۷۳ رد المحتار ۲۔ ۳۳۶**)

دراصل امام صاحب کا خیال ہے کہ ایک ہزار مہر متعین ہے اور چونکہ مشروط واقعہ کا پیش آنا یقینی نہیں ہے۔ اس لیے دو ہزار مہر مجہول ہے۔ صاحبین کا خیال ہے کہ شرط اور اس شرط سے ہم رشتہ مقدار مہر دونوں معروف و متعین اور واضح و غیر مبہم ہے، اس لئے نہ جہالت ہے اور مستقبل میں نزاع کا اندیشہ ہے۔ واقعہ ہے کہ عملاً اس طرح کے معاملات میں نزاع پیدا نہیں ہوتی۔ اصول افتاء میں دونوں طرح کی رائیں موجود ہیں یہ بھی کہ امام صاحب کے قول کو بہر حال صاحبین کے قول پر ترجیح دی جائے گی۔ اور یہ بھی کہ مفتی کو دونوں میں سے کسی بھی قول کے اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔ فتاوی سراجیہ میں ہے:

ثم الفتوى على الاطلاق على قول ابى حنيفة ثم بقول صاحبيه ثم بقول ابى يوسف ثم بقول محمد بن الحسن ثم بقول زفر بن الهذيل ثم بقول حسن بن زياد۔ وقيل۔ اذا كان ابو

حنیفة بجانب و صاحبا فی جانبه فا لمفتی بالخیار و الاول اصح (السراجیة ۱۵۷)

"فتوی مطلقا امام ابو حنیفہ ، پھر صاحبین ، اس کے بعد امام ابو یوسف ، پھر امام محمد ، پھر بالترتیب امام زفر اور حسن بن زیاد کے قول پر ہوگا ۔ بعض حضرات کا خیال ہے کہ اگر ایک طرف امام ابو حنیفہ اور دوسری طرف صاحبین ہوں تو مفتی کو اختیار ہوگا پہلا قول زیادہ درست ہے ۔"

گو علامہ سراج الدین اودی نے امام صاحب کے قول کے مقابلہ صاحبین کے قول پر فتوی کے غیر درست ہونے کو ترجیح دی ہے ۔ لیکن عملاً ایسے سیکڑوں مسائل ہیں جن میں صاحبین کے قول پر فتوی دیا گیا ہے ۔ اس لیے حاوی قدسی وغیرہ کی بات زیادہ بہتر معلوم ہوتی ہے کہ قوت دلیل کی بناء پر صاحبین کے قول کو بھی ترجیح دی جاسکتی ہے ۔ جب قضاء و شہادت کے ابواب میں امام ابو یوسف ، ذوی الارحام کے مسائل میں امام محمد اور ۱۷ مسائل میں تنہا امام زفر کا قول افتاء کے لیے راجح شمار کیا گیا ہے (**رد المحتار ۱۔۲۹**) تو صاحبین کے قول پر افتاء کا ممنوع ہونا ناقابل فہم ہے ۔ حالانکہ یہ بھی معلوم ہے کہ اہل تحقیق کا خیال ہے کہ عام طور پر صاحبین کی رائے بھی امام صاحب ہی کے کسی قول پر مبنی ہوتی ہے ۔

دوسرے ، مشائخ نے ان دونوں اقوال کو نقل کرکے یہ وضاحت نہیں کی ہے کہ کونسا قول صحیح و راجح اور مفتی بہ ہے ؟ اور ایسے احکام میں ترجیح کا اصول کیا ہے ؟ اس بابت علامہ حصکفی لکھتے ہیں :

فان قلت قد یحکون اقوالا بلا ترجیح وقد یختلفون فی الصحیح ۔ قلت ، یعمل بثمل ما عملوا من اعتبار تغیر العرف و احوال الناس و ما هو الارفق و ماظهر علیه التعامل و ما قوی وجهه (الدر المختار علی هامش الرد ۱۔۵۲)

" اگر تم کہو کہ مشائخ بلا ترجیح مختلف اقوال نقل کرتے ہیں اور قول صحیح کی بابت بھی اختلاف رائے رکھتے ہیں میں کہوں گا کہ مشائخ کے طریقہ کے مطابق عمل کیا جائے یعنی عرف ، لوگوں کے حالات ، ان کے لئے آسان تر ، لوگوں کے تعامل کے مطابق اور دلیل کے اعتبار سے قوی قول پر عمل کیا جائے ۔"

تیسرے ، مواقع ضرورت میں قول ضعیف پر بھی فتوی کی گنجائش ہے ۔ علامہ شامی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہ " قول ضعیف پر فتوی کی گنجائش نہیں " لکھتے ہیں :

قلت لکن هذا فی غیر موضع الضرورة فقد ذکر فی حیض البحر فی بحث الوان الدماء اقوالا ضعیفة ثم قال ، وفی المعراج عن فخر الائمة لو افتی مفت بشئی من هذه الاقوال فی

مواضع الضرورة طلبا لیتیسر کان حسنا. وکذا قول ابی یوسف فی المنی اذا خرج بعد فتور الشهوة لا یجب علیه الغسل ضعیف. و اجازوا العمل به للمسافر او الضیف الذی خاف الریبة کما سیاتی فی محله و ذلک من مواضع الضرورة.

" میں کہتا ہوں کہ یہ ایسے مواقع پر ہے جہاں ضرورت درپیش نہ ہو۔ چنانچہ "بحر" کے باب الحیض میں خون حیض کے رنگوں کی بابت چند اقوال صاحب بحر نے نقل کیا ہے، پھر کہا ہے کہ "معراج" میں فخر الائمہ سے منسقول ہے کہ اگر مفتی مواقع ضرورت میں ان اقوال میں سے کسی پر ازراہ سہولت فتوی دے تو بہتر ہوگا۔ اسی طرح کسر شہوت کے بعد منی نکلنے سے امام ابو یوسف کے نزدیک غسل کا واجب نہ ہونا ضعیف قول ہے۔ لیکن مشائخ نے مسافر اور تہمت سے خائف مہمان کے لئے اس پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے جیسا کہ اپنی جگہ آئے گا۔ اور یہ مواقع ضرورت میں ہے۔"

ہر چند کہ افتاء کی بابت اس اصول کا اتنی صراحت و وضاحت کے ساتھ غالباً کسی اور نے ذکر نہیں کیا ہے۔ لیکن عملاً فقہ کی اکثر متداول کتب میں اس کے شواہد موجود ہیں ـــ اب مجھے یہ عرض کرنے کی اجازت دیجئے کہ ضرورت جیسے شخصی و انفرادی ہوتی ہے۔ اسی طرح اجتماعی اور سماجی بھی ہوتی ہے۔ اس وقت طلاق اور سنجیدہ و متین فیصلہ کے بجائے محض موجودہ بیوی سے انتقام کے جذبہ کے تحت دوسرے نکاح پر مناسب حد تک روک لگانا ایک سماجی اور معاشرتی ضرورت ہے۔ اس لئے یہ بات زیادہ درست معلوم ہوتی ہے کہ ان مسائل میں حضرات صاحبین کے قول پر فتوی دیا جائے کہ اس سے سماجی اصلاح اور معاشرتی ناانصافی کے سد باب کی توقع کی جاسکتی ہے۔

عورت کی طرف سے ملازمت کی شرط

(**جواب سوال ۵**) خاندانی زندگی کے بارے میں اسلام کا بنیادی تصور یہ ہے کہ کسب معاش، خاندان کی کفالت اور گھر سے باہر کی ذمہ داریوں کی تکمیل مرد کے ذمہ ہے اور بچوں کی پرورش و تربیت اور امور خانہ داری کی انجام دہی عورتوں کے ذمہ۔ یہ عورتوں پر اسلام کا بڑا احسان اور اس کی فطرت و طبیعت کی رعایت ہے ـــ قرآن مجید کا ارشاد ہے - **وقرن فی بیوتکن** (**احزاب ۳۳**)۔ اس لیے جو ملازمتیں شرعی حدود کی رعایت کے ساتھ کی جاسکتی ہیں، خواتین کے لیے ضرورت و مجبوری کے بغیر ایسی ملازمتیں بھی مناسب نہیں۔ پھر بیویوں کا نفقہ شوہر پر واجب اسی لیے رکھا گیا ہے کہ وہ اس کے اور اس کے بال بچوں کی پرورش و تربیت کے لیے محبوس اور گھری ہوئی ہے۔ (**ھدایۃ ۲۔ ۳۱۷، باب النفقة**)۔ اور اس نے سارا وقت اسی فریضہ مادری کی ادائیگی کے لیے وقف کر رکھا

ہے۔

عورت کا اپنے آپ کو گھر سے باہر کی ایسی مصروفیت سے فارغ رکھنا، جو مرد کے "حق حبس" کو متاثر کرتی ہو، واجب ہے یہاں تک کہ فقہاء نے لکھا ہے:

و اذا ارادت المراۃ ان تخرج الی مجلس العلم بغیر اذن الزوج لم یکن لھا ذلک (الخانیۃ علی ھامش الھندیۃ ۱۔۳۳۳)

"عورت شوہر کی اجازت کے بغیر علمی مجالس میں جانا چاہے تو اس کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں۔"

اور علامہ حصکفی کا بیان ہے۔

لہ منعھا من الغزل و کل عمل تبرعا لا جنبی و لوقابلۃ او مغلسۃ لتقدم حقہ علی فرض الکفایۃ من مجلس العلم الاالنازلۃ امتنع زوجھا من سوالھا۔ (الدر المختار علی ھامش الرد ۲۔ ۶۶۵)

"شوہر کو حق ہے کہ بیوی کو دھاگے کاتنے اور ایسے ہر کام سے روکے، گو وہ اجنبی شخص کے لیے تبرعا انجام دے، گو وہ "دایہ" ہو یا غسالہ ہو۔ کیونکہ شوہر کا حق فرض کفایہ پر مقدم ہے۔ اسی طرح وہ مجلس علم میں جانے سے بھی روک سکتا ہے، سوائے اس کے وہ کسی ایسے پیش آمدہ مسئلہ کی بابت ہو جس کو شوہر دریافت نہیں کر رہا ہو۔"

اس لیے عورت کے لئے ملازمت کی شرط مقصد نکاح کے مغائر محسوس ہوتی ہے اور ایسی شرط کو غیر معتبر ہونا چاہئے۔ اگر مرد نے قبول بھی کرلیا تو بعد میں وہ عورت کو ترک ملازمت کا حکم دے سکتا ہے... البتہ اگر کوئی شخص بے روزگار ہو یا عورت کا نفقہ ادا نہ کرتا ہو اور تعنت کی راہ اختیار کر رکھی ہو۔ مجبور ہوکر عورت نے کوئی ایسی ملازمت کرلی ہو جو شرعاً جائز ہے تو قاضی تجربات و حالات کی روشنی میں فیصلہ کرنے کا مجاز ہوگا کہ یہ یک دفعہ عورت کو ملازمت سے روک دیا جائے یا پہلے اندازہ قائم کیا جائے کہ مرد اپنے مطالبہ میں واقعی سنجیدہ ہے یا بیوی کو مزید مشقت میں ڈالنے کی غرض سے ایک حکم شرعی کا سہارا لے کر محض اپنی مقصد برابری کرنا چاہتا ہے۔ **ھذا ما عندی و لانہ الموافق للصواب۔**

خلاصہ جوابات

۱۔ الف۔ ایسی شرطیں جو انہیں حقوق و فرائض کو مؤکد کرتی ہوں جو نکاح کی وجہ سے عائد ہوتی ہیں، معتبر و

جائز ہیں۔

ب۔ ایسی شرطیں جو صحت نکاح کی شرطوں میں سے کسی شرط کے ساقط ہونے یا نکاح کے لازمی احکام میں سے کسی حکم میں تغیر و تبدل کو مستلزم ہوں معتبر نہیں۔ البتہ ایسی شرطوں کے باوجود بھی نکاح منعقد ہوجاتا ہے

ج۔ ایسی شرطیں جن سے عورت کو نفع پہونچتا ہو اور شریعت نے نہ ان کو واجب قرار دیا اور نہ ان سے منع کیا ہو۔ ان کے معتبر ہونے میں اختلاف ہے۔ احناف کے یہاں ایسی شرطیں معتبر نہیں ہیں۔ البتہ حنابلہ کے یہاں معتبر ہیں اور حضرت عمر، حضرت عبد اللہ بن مسعود، سعد بن ابی وقاص، عمرو بن عاص اور معاویہ بن ابی سفیان (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی بھی یہی رائے ہے

اور موجودہ حالات میں اسی قول پر فتویٰ دیا جانا مناسب ہے۔

۲۔ تفویض طلاق کی تینوں ہی صورتیں جائز ہیں، البتہ:

الف: نکاح سے پہلے تفویض میں ضروری ہے کہ تفویض طلاق کی نسبت نکاح کی طرف ہو۔

ب: نکاح کے وقت تفویض میں ضروری ہے کہ عورت کی طرف سے پہل ہو۔

ج: نکاح کے بعد تفویض میں یہ دونوں شرطیں نہیں ہیں۔ البتہ ان کا قبول کرنا یا نہیں کرنا، مرد کے اختیار میں ہے۔

تفویض کی بہتر صورت یہ ہے کہ عورت کی بجائے دارالقضاء کو حق طلاق تفویض کردیا جائے۔

۳۔۲۔ دو حالتوں کے ساتھ مہر کی دو مقدار کو مشروط کرنا صاحبین کے نزدیک جائز ہے اور موجودہ حالات میں اسی کے مطابق فتویٰ دیا جانا مناسب ہے۔

۵۔ حق حبس مرد کا ویسا ہی حق ہے جیسے نفقہ عورت کا حق ہے۔ اس لیے عورت کی طرف سے ملازمت کی شرط معتبر نہیں۔ ہاں اگر نکاح کے بعد مرد کے نفقہ ادا نہ کرنے کی وجہ سے عورت نے کوئی جائز ملازمت کی۔ شوہر اس کو ترک کرنے کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اور بیوی کو مستقبل میں شوہر کی جانب سے پھر عدم ادائیگی کا اندیشہ ہے تو اب قاضی کی صوابدید پر ہے کہ حالات کا جائزہ لے کر مناسب فیصلہ کرے۔

اشتراط فی النکاح

مولانا عتیق احمد بستوی ☆

عقد نکاح کے ساتھ عائد کردہ شرائط کو سوالنامہ میں تین قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے ۔

۱۔ ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو اسی کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کردیا گیا ہو، مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا۔

ظاہر ہے کہ ایسی شرطیں قابل بحث نہیں ہیں۔ عقد نکاح کا لازمی تقاضا ہونے کی وجہ سے ان کی پابندی اور ان پر عمل درآمد ضروری ہے۔ خواہ عقد کے وقت شرط کی صورت میں ان کا ذکر کیا جائے یا نہیں، ان شرطوں کے لازم الایفاء ہونے پر سلف میں کوئی اختلاف نہیں ہے ۔

۲۔ نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، مثلاً شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان و نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا۔

اس طرح کی شرط لگانے سے عقد نکاح باطل نہیں ہوگا بلکہ شرط ہی باطل اور ناقابل اعتبار ہوگی، ہاں اگر ایک محدود مدت تک کے لئے نکاح کی شرط لگائی جائے جسے نکاح متعہ یا نکاح موقت کہا جاتا ہے تو جمہور فقہاء کے

☆ استاذ فقہ و حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، و رکن مجلس اساسی اسلامک فقہ اکیڈمی دہلی

نزدیک نکاح ہی منعقد نہیں ہوگا۔ اصل معرکۃ الآراء سوالنامہ میں ذکر کردہ تیسری قسم کی شرطیں ہیں سوالنامہ کے الفاظ میں ان کا حاصل یہ ہے۔

۳۔ نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط عائد کرنا جو (۱)، (۲) میں سے کسی کے دائرے میں نہیں آتی ہے۔ اس کے نتیجے میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہ ہوتا اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا۔

نکاح اور دوسرے عقود میں شرائط عائد کرنے کے تعلق سے فقہاء اسلام میں مختلف رجحان پائے جاتے ہیں۔ فقہاء ظاہریہ (ابن حزم وغیرہ) کا مسلک یہ ہے کہ عقد نکاح وغیرہ میں وہی شرط لگائی جاسکتی ہے جس کی اجازت نص سے ثابت ہو، ان حضرات کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ عقود شرعیہ (بیع، نکاح، اجارہ وغیرہ) کی طرح ان کے اثرات بھی شارع کی طرف سے مقرر ہیں، ان عقود میں اپنی طرف سے شرائط عائد کرنے سے ان کے اثرات میں خلل اندازی ہوتی ہے اور ان عقود کے مقاصد متاثر ہوسکتے ہیں لہذا عقد نکاح وغیرہ میں ایسی شرط کی گنجائش ہے جس کا جواز نص سے ثابت ہے۔

اس کے برخلاف دوسرا موقف فقہاء حنابلہ کا ہے۔ ان حضرات کے نزدیک عقد نکاح میں میاں بیوی اپنی من پسند شرطیں عائد کرسکتے ہیں، اور عقد نکاح کے اثرات میں تبدیلی لاسکتے ہیں، ہاں اتنی بات کا خیال ضروری ہے کہ یہ شرطیں نکاح کے مقاصد اور اس کے لازمی تقاضوں کو مجروح نہ کرنے والی ہوں۔ عقد نکاح اور دوسرے عقود میں وہ شرط لگائی نہیں جاسکتی جس کی ممانعت نصوص و آثار میں صراحتاً کردی گئی ہو، مثلاً کسی عورت کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ مرد اپنی پہلی بیوی کو طلاق دیدے، غرضیکہ حنابلہ کے نزدیک ان شرائط میں اصل اباحت ہے، کسی شرط کو اسی وقت غیر معتبر کہا جاسکتا ہے جب کہ وہ عقد کے مقصد اور لازمی تقاضوں کو مجروح کرتی ہو، یا نصوص و آثار میں صراحتاً اس شرط کی ممانعت ہو۔

ظاہریہ اور حنابلہ کے دو متضاد مسالک کے درمیان جمہور فقہاء (احناف، شوافع، مالکیہ) کا مسلک ہے، ان حضرات کے نزدیک شرط لگانے کے معاملہ میں نہ تو ظاہریہ کی طرح بے انتہا تنگی ہے نہ حنابلہ کی طرح غیر معمولی وسعت۔

جمہور فقہاء کے نزدیک ہر وہ شرط لغو اور غیر معتبر ہے جو تقاضائے عقد میں شامل نہ ہو اور نہ ہی عقد کے کسی تقاضے کو پختہ کرنے والی ہو، اس کے ایفاء کے واجب ہونے پر نصوص و آثار یا عرف کے قبیل کی کوئی دلیل

موجود نہ ہو اس طرح کی ہر شرط جمہور فقہاء کے نزدیک غیر معتبر ہے ۔ لیکن اس شرط کی بنا پر عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا ۔

ائمہ اربعہ میں سے امام احمد بن حنبل بہت متوسع ہیں ، وہ صرف انہیں شرائط کو غیر معتبر کہتے ہیں جن سے عقد نکاح کے لازمی تقاضے اور اثرات مجروح ہوتے ہوں ، یا جن کے بارے میں شریعت نے صراحتا ممانعت کی ہو ۔ مثلا عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے ۔ احناف و شوافع کے نزدیک وہی شرطیں معتبر ہیں جو عقد نکاح کے تقاضوں کے مطابق ہوں ، ان کے حق میں کوئی دلیل شرعی (مثلا نص یا قیاس یا عرف) موجود ہو ۔ امام مالک اور مشہور قول کے اعتبار سے احناف ، شوافع کے ساتھ ہیں اور ان کا غیر مشہور قول امام احمد بن حنبل کے مطابق ہے ، امام احمد بن حنبل اور ائمہ ثلاثہ کا اختلاف دراصل ان شرطوں کے بارے میں ہے جن کی صحت یا عدم صحت کسی خاص دلیل سے ثابت نہ ہو ، ایسی شرطوں کو جمہور فقہاء غیر لازم اور ناقابل اعتبار قرار دیتے ہیں ، ان کے نزدیک ان شرطوں کا ایفاء لازم نہیں ہے اور ان کی خلاف ورزی کرنے کی صورت میں دوسرے فریق کو نکاح فسخ کرنے یا عدالتی چارہ جوئی کا کوئی اختیار نہ ہوگا ، اس کے برخلاف امام احمد بن حنبل کے نزدیک یہ شرطیں لازم عمل ہوں گی ، اور اگر عورت کی طرف سے یہ شرطیں عائد کی گئیں تھیں اور شوہر نے ان شرطوں کی خلاف ورزی کی تو عورت کو فسخ نکاح کا اختیار ہو گا ۔

امام احمد بن حنبل اور ائمہ ثلاثہ کے اختلاف کی مزید وضاحت ان مثالوں سے ہو سکتی ہے جنہیں فقہاء نے اس بحث میں ذکر کیا ہے ۔ چند اختلافی شرطوں کا نمونہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے ۔

۱ ۔ عقد نکاح میں عورت نے یہ شرط لگائی کہ شوہر اس کے نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کرے گا ۔

۲ ۔ عورت کی طرف سے نکاح میں یہ شرط لگائی گئی کہ شوہر اسے اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا ، وہاں سے نکال کر کہیں اور نہیں لے جائے گا ۔

۳ ۔ عورت نے نکاح کے وقت یہ شرط عائد کی کہ شوہر اپنی پہلی بیوی کو طلاق دیدے ۔

ان میں سے تیسری شرط کے بارے میں حنابلہ کے یہاں دو قول ملتے ہیں ، صحیح اور راجح قول یہ ہے کہ عورت کی طرف سے یہ شرط عائد کرنا جائز نہیں ہے ، اور اگر یہ شرط لگائی گئی تو شوہر کے لئے لازم العمل نہیں کیونکہ حدیث صحیح سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سوتن کو طلاق کا مطالبہ کرنے سے منع فرمایا ، اس لئے راجح قول کے اعتبار سے حنابلہ کے نزدیک بھی یہ شرط فاسد ہے ۔ ہاں ابتدائی دو شرطوں کے بارے میں امام

احمد بن حنبل اور ائمہ ثلاثہ کا اختلاف منقول ہے ۔ امام احمد ان دونوں شرطوں کو لازم العمل قرار دیتے ہیں اور شوہر کی جانب سے ان کی خلاف ورزی کی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا اختیار دیتے ہیں جب کہ ائمہ ثلاثہ ابتدائی دو شرطوں کو بھی لغو اور ناقابل اعتبار گردانتے ہیں ، شوہر کے ذمہ ان کی پابندی لازم نہیں کرتے ۔

اس سلسلہ میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ امام مالک بھی اپنے غیر مشہور قول میں زیر بحث شرطوں کو لازم العمل قرار دیتے ہیں ، اور اپنے مشہور قول کے اعتبار سے ان شرطوں کو غیر لازم کہتے ہیں اگرچہ وہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے ہم نوا ہیں لیکن اس طرح کی شرطیں عائد کرنے کو ناپسند کرنے کے باوجود ان کا خیال یہ ہے کہ اگر ایسی شرط لگادی گئی اور میاں بیوی نے اپنے نکاح کے وقت اسے تسلیم کرلیا تو اس شرط کا پورا کرنا مستحب اور مستحسن ہے۔

زیر بحث شرطوں کے بارے میں صحابہ و تابعین اور فقہاء مجتہدین کے اختلاف احادیث کی بنیاد پر ہیں ۔ جو حضرات ان شرطوں کو لازم العمل قرار دیتے ہیں ان کا استدلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی درج ذیل حدیث سے ہے جو صحیح بخاری اور حدیث کی دوسری معتبر کتابوں میں مروی ہے ۔

عن عقبة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال احق ما اوفیتم من الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج۔

حضرت عقبہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم نے فرمایا سب سے زیادہ پورا کئے جانے کے لائق وہ شرطیں ہیں جن کے ذریعہ تم نے شرمگاہوں کو حلال کیا ۔

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے امام خطابی لکھتے ہیں ۔ نکاح کی شرطیں مختلف قسم کی ہیں بعض شرطوں کا پورا کرنا بالاتفاق سب کے نزدیک واجب ہے ، یہ وہ شرطیں ہیں جن کا خود اللہ نے حکم دیا ہے ۔ مثلا بیوی کو دستور کے مطابق نکاح میں رکھنا اس کے حقوق ادا کرنا یا اچھے طریقے سے اسے چھوڑ دینا (**امساک بالمعروف، تسریح باحسان**) بعض حضرات نے مذکورہ حدیث کو اس قسم کی شرط پر محمول کیا ہے ، کچھ شرطیں وہ ہیں جن کے پورا نہ کئے جانے پر اتفاق ہے مثلا کسی عورت کا یہ شرط عائد کرنا کہ شوہر اپنی پہلی بیوی کو طلاق دیدے ۔ اور کچھ شرطوں کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے ، مثلا عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا ، یا شوہر اس کو اس کے گھر سے منتقل کرکے اپنے گھر نہیں لے جائے گا

اس کی ہم معنی حدیث کی شرح کرتے ہوئے امام نووی لکھتے ہیں

امام شافعی اور اکثر علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا محمل وہ شرطیں ہیں جو مقتضائے نکاح کے منافی نہ ہوں ،

بلکہ نکاح کے تقاضوں اور مقاصد میں سے ہوں، مثلا حسن سلوک کی شرط لگانا دستور کے مطابق لباس، رہائش گاہ، نان و نفقہ مہیا کرنے کی شرط لگانا، اور یہ شرط لگانا کہ شوہر بیوی کے کسی حق کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرے گا۔ ایسی شرط جو تقاضائے نکاح کے خلاف ہو مثلا یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کے لئے باری مقرر نہیں کرے گا۔ اس کی موجودگی میں کسی باندی سے تعلقات زن و شوئی قائم نہیں کرے گا، بیوی پر خرچ نہیں کرے گا، اسے لے کر سفر نہیں کرے گا۔ اس طرح کی شرطوں کا پورا کرنا واجب نہیں ہے بلکہ شرط لغو ہوجائے گی اور نکاح مہر مثل کے بدلہ میں صحیح ہوجائے گا، کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہ ہو باطل ہے۔
امام احمد اور ایک جماعت کے نزدیک شرط کا مطلقا پورا کیا جانا واجب ہے **ان احق الشروط بالوفاء** .... والی حدیث کی بنا پر امام ترمذی نے حدیث " **ان احق الشروط ان یوفی بها ما استحللتم بها الفروج** " کی روایت کرنے کے بعد لکھا ہے: صحابہ کرام میں سے بعض اہل علم کا اسی پر عمل ہے انھیں میں سے حضرت عمر بن الخطاب بھی ہیں، انھوں نے فرمایا کہ اگر کسی مرد نے عورت سے نکاح کرتے وقت یہ شرط منظور کی ہے کہ عورت کو اس کے شہر سے نکال کر نہیں لے جائے گا تو اسے عورت کو نکال کر لے جانے کا حق نہیں ہے۔ بعض اہل علم کا قول یہی ہے۔ حضرت علی بن ابی طالب سے مروی ہے کہ انھوں نے فرمایا اللہ کی شرط عورت کی شرط سے پہلے ہے۔ گویا حضرت علی کی رائے میں عورت کی طرف سے نکال کر نہ لے جانے کی شرط لگانے باوجود شوہر کے لئے جائز ہے کہ بیوی کو اس کے شہر سے نکال کر لے جائے۔ بعض اہل علم نے اس کو اختیار کیا ہے۔ سفیان ثوری اور بعض اہل کوفہ کا یہی قول ہے۔

مذکورہ بالا حدیث امام احمد بن حنبل اور ان تمام لوگوں کی سب سے مضبوط دلیل ہے جو شرائط نکاح قبول کرنے میں متوسع ہیں۔ ان حضرات کے نزدیک حدیث بالا کی روشنی میں نکاح کی وہ تمام شرطیں صحیح اور لازم العمل ہیں جن کی نصوص میں صراحتا ممانعت نہ کی گئی ہو، اور ان سے نکاح کے لازمی تقاضے مجروح ہوتے ہوں۔

جو حضرات فقہاء نکاح اور دوسرے عقود کی شرطوں کو بہت محدود دائرے میں قبول کرنے کا رجحان رکھتے ہیں وہ حضرات بھی استدلال میں احادیث نبویہ پیش کرتے ہیں، اس سلسلے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو فرامین پیش کئے جاتے ہیں۔

کل شرط لیس فی کتاب اللہ فهو باطل و ان کان مائة شرط ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہ ہو باطل ہے اگرچہ وہ سو شرطیں ہوں۔

زیر بحث شرطیں چونکہ کتاب اللہ میں نہیں ہیں اور نہ عقد نکاح کا لازمی تقاضا ہیں لہٰذا حدیث بالا کے اعتبار سے باطل اور ناجائز ہوں گی، دوسری حدیث یہ ہے ۔

" **المسلمون علی شروطهم الا شرطا احل حراما او حرم حلالا** " مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہوں گے سوائے اس شرط کے جو حرام کو حلال قرار دے یا حلال کو حرام قرار دے ۔

ظاہر ہے کہ اس حدیث میں حقیقی تحلیل و تحریم مراد نہیں ہے ایک مسلمان حالت ایمان میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال کیسے کرسکتا ہے ۔ اور اگر کرے تو مسلمان کہاں باقی رہے گا ۔ تحریم حلال کا مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ اس شرط کی بنا پر ایک حلال چیز پر پابندی ہوجائے اور اس کی بنا پر خواہش کے باوجود ایک فریق ایک جائز کام نہ کرسکے ، زیر بحث شرطوں میں اس مفہوم کے اعتبار سے تحریمِ حلال (حلال کو حرام کرنا) موجود ہے ۔ مثلاً اگر ایک عورت سے کسی مرد کا نکاح ہوتا ہے تو اس عورت کے نکاح میں ہوتے ہوئے مرد دوسرا اور تیسرا نکاح کرسکتا ہے ۔ لیکن اگر عورت نے اس شرط کے ساتھ نکاح کیا کہ شوہر اس کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے نکاح نہ کرے اور شرعاً یہ شرط لازم العمل قرار دیدی گئی تو شوہر پر دوسرا نکاح کرنے کے سلسلے میں پابندی عائد ہوگئی اور اسے ایک حلال کام سے روک دیا گیا ، ضرورت اور خواہش کے باوجود وہ دوسرا نکاح نہیں کرسکتا ، اور اگر دوسرا نکاح کرے تو پہلی بیوی سے ہاتھ دھوئے ۔

زیر بحث شرطوں کو باطل قرار دینے والے جمہور فقہاء کا ایک استدلال یہ بھی ہے کہ شریعت اسلامی نے عقود و معاملات کے احکام و اثرات متعین کردیے ہیں ، ان کے احکام و اثرات کی حد بندی فریقین پر نہیں چھوڑی ہے ، عقود و معاملات کے شرعی احکام و اثرات اور ان کے لازمی تقاضوں سے تجاوز کر کے فریقین کی طرف سے شرائط عائد کرنا ان عقود و معاملات کی شرعی ساخت پر اثر انداز ہوگی ۔ ان عقود کے شرعی مقاصد متاثر اور مجروح ہوں گے مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اسے اس کے آبائی وطن میں رکھے گا ، وہاں سے منتقل کر کے کہیں اور نہیں لے جائے گا ، بادی النظر میں ایک بے ضرر سی شرط معلوم ہوتی ہے لیکن اگر گہرائی سے دیکھا جائے تو مقاصد و مصالح نکاح پر اس شرط کے برے اثرات پڑتے ہیں ، مثلاً بیوی کے وطن میں شوہر کو رزق کے ذرائع حاصل نہ ہوسکے اس لئے وہ مجبور ہوا کہ حصول رزق کے لئے کسی اور شہر میں قیام کرے ، تلاش رزق میں اس کا تنہا عورت سے وطن سے دور رہے اور خواہش کے باوجود اپنی بیوی بچوں کو اپنے ساتھ نہیں لے جا پائے گا ۔ اس کے نتیجے میں میاں بیوی دونوں کی زندگی ناآسودہ گزرے گی ، بچوں کی نگہداشت اور تعلیم و تربیت کے مسائل پیدا ہوں گے عائلی زندگی متزلزل ہو کر رہ جائے گی ، خلاصہ یہ ہے کہ اس طرح کی شرطیں بہ ظاہر بے ضرر ہونے کے باوجود

نتائج کے اعتبار سے نکاح کے مقاصد و مصالح کو مجروح کرتی ہیں اس لئے شرعاً ان شرطوں کا اعتبار نہیں ہے ۔

اسلامی شریعت کی منشاء یہ ہے کہ نکاح کرنے سے قبل ایک دوسرے کے بارے میں پورا اطمینان کرلیا جائے ، نکاح طے کرنے میں نامناسب جلد بازی کرنے کے بجائے ہر طرح معلومات اور اطمینان حاصل کرلینے کے بعد اللہ کے نام پر نکاح کا فیصلہ کیا جائے ، نکاح کے وقت بے اعتمادی اور بے اطمینانی کا ماحول نہیں ہونا چاہئے ، کیونکہ رشتۂ نکاح محبت اور اعتماد کی فضا ہی میں بارآور ہوسکتا ہے ۔ نکاح کے وقت ہی سے شرائط بازی اعتماد و اطمینان کی فضا کو مجروح کرتی ہے ۔

مسئلہ زیر بحث میں دلائل و مصالح کے اعتبار سے جمہور فقہاء (احناف ، مالکیہ ، شافعیہ) کی بات زیادہ قوی معلوم ہوتی ہے ۔ عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا ، یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا اور شوہر اس شرط کو تسلیم کرلے ۔فقہ اسلامی کی اصطلاح میں یہ تفویض طلاق ہے ، ظاہریہ کے علاوہ باقی تمام فقہاء تفویض طلاق کو درست اور نافذ قرار دیتے ہیں ، شوہر کو جس طرح خود طلاق دینے کا اختیار ہے ، اسی طرح اس کو یہ بھی اختیار ہے کہ طلاق واقع کرنے کا اختیار مشروط یا غیر مشروط طور پر بیوی کو یا کسی تیسرے شخص کو تفویض کرے ۔ تفویض طلاق کے جواز پر جمہور فقہاء نے آیت تخییر کے علاوہ صحابۂ کرام کے بہت سے آثار سے بھی استدلال کیا ہے ۔

اصولی طور پر تفویض طلاق کی درستگی پر اتفاق کے باوجود اس کی تفصیلات اور متعلقہ مسائل میں فقہاء اسلام کے درمیان کافی اختلافات ہیں ۔ فقہاء احناف کے نزدیک تفویض طلاق کے بعد شوہر کو اس سے رجوع کا اختیار نہیں ہے ۔ احناف کے نزدیک خاص شرائط اور تفصیلات کے ساتھ تفویض طلاق کا عمل نکاح سے پہلے بھی ہوسکتا ہے عقد نکاح کے دوران اور نکاح کے بعد بھی ۔

فقہ حنفی کے مسائل و تفصیلات کے اعتبار سے تفویض طلاق کی حکیمانہ اور فقیہانہ تطبیق و تشریح حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے "**الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة**" میں کی ہے تفویض طلاق کے مسائل کی روشنی میں مختلف کابین نامے مرتب کر کے حضرت تھانوی نے مردوں کے اس طرح کے مظالم کا سد باب کرنا چاہا ہے کہ بہت سے مرد بیویوں پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں یا ان کا نان و نفقہ ادا نہیں کرتے ، بال بچوں سے بے فکر ہوکر پردیس چلے جاتے ہیں ، خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں کے حقوق ادا کرنے اور ان پر ظلم و زیادتی کرنے کے باوجود طلاق دینے یا ان سے خلع کرنے پر بھی آمادہ نہیں ہوتے ، اگر نکاح کے وقت کابین نامہ کی شکل میں تفویض حاصل ہو جائے تو عورت کابین نامہ کی شرائط کی خلاف ورزی کی صورت میں اپنے اوپر طلاق واقع کرکے رہائی

حاصل کر سکتی ہے ۔ حضرت تھانوی نے مختلف کابین ناموں کا جو متن تحریر فرمایا ہے اس میں پوری دانشمندی کے ساتھ احتیاطوں کو ملحوظ رکھا ہے ۔ اس بات کو مد نظر رکھا ہے کہ مردوں کے مظالم کا سد باب بھی ہوجائے اور عورت کے ہاتھ میں طلاق کا اختیار آنے سے جن مفاسد کا اندیشہ ہے ، ان پر بھی روک لگ سکے ۔

اشتراطی النکاح کے سوالنامہ میں دو سوالات عقد نکاح میں دو شرطوں کے ساتھ دو مہروں کو وابستہ کرنے کے بارے میں ہیں ۔ ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر عقد نکاح کے وقت مہر اس طرح طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق نہ دی تو اس کا مہر دس ہزار ، اور اگر طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار ، یا اس طرح طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کیا تو مہر پندرہ ہزار اور اگر دوسرا نکاح کیا تو مہر تیس ہزار ۔

فقہاء اسلام نے اس طرح مہر طے کرنے پر بحث کی ہے ، صاحبین نے دونوں شرطوں اور دونوں مہروں کو درست قرار دیا ہے اور جو شرط پائی جائے گی اس کے اعتبار سے مہر کی ادائیگی ہوگی ، اما احمد بن حنبل کا بھی یہی مسلک ہے ۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک جو مہر پہلے ذکر کیا گیا ہے اس کی تعیین درست ہوگی ، اگر پہلی شرط پائی گئی تو مہر مسمی واجب ہوگا ، اور اگر دوسری شرط پائی گئی تو مہر مثل لازم ہوگا بشرطیکہ وہ مہر مسمی سے زائد نہ ہو ، لیکن خود امام ابو حنیفہ نے دو شرطوں سے دو مہروں کے وابستہ کرنے کی بعض صورتوں کو جائز اور نافذ قرار دیا ہے ، مثلاً اگر اس طرح مہر طے ہو کہ اگر عورت حسین ہو تو اس کا مہر دس ہزار اور اگر بدصورت ہو تو اس کا مہر پانچ ہزار ، اس صورت میں امام ابو حنیفہ بھی دونوں شرطوں اور دونوں مہروں کو درست قرار دیتے ہیں ، ان دونوں مسائل میں امام ابو حنیفہ نے کس بنیاد پر فرق کیا ہے اس پر کتب فقہ حنفی میں تفصیلی بحث اور رد و قدح ملتی ہے ۔

میرے خیال میں زیر بحث مسئلہ میں صاحبین کا قول اختیار کرنا مناسب ہے ، صاحبین کا قول نہایت واضح اور سہل ہے ، اس کا اختیار کرنا مفتی اور مستفتی دونوں کے لئے سہولت کا موجب ہے لیکن اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ طلاق اور عدم طلاق والے مسئلہ میں اگر طلاق کے ساتھ مہر کی ایسی بڑی مقدار وابستہ کردی گئی جس کی ادائیگی شوہر کے لئے ناممکن ہو تو دوسرے مفاسد پیدا ہوں گے ، طلاق کے ناپسندیدہ ہونے کے باوجود شریعت اسلامی نے جن مصالح سے طلاق کو مشروع کیا ہے ان مصالح پر زد پڑے گی ، طلاق کے ناگزیر ضرورت بن جانے کے باوجود لمبے مہر کے خوف سے لوگ طلاق کا اقدام نہیں کریں گے اور ناپسندیدہ بیویوں سے گلو خلاصی کے لئے حشیانہ اقدامات کر گزریں گے ۔ جیسا کہ ہندو سماج میں ہورہا ہے ۔

پھر اصل مفاسد نفس طلاق سے نہیں بلکہ بیک وقت تین طلاق سے پیدا ہوتے ہیں اگر شوہر سنت کے مطابق ایک وقت میں ایک طلاق پر اکتفا کرتا ہے تو دونوں کے درمیان ملاپ کی راہیں کھلی ہوئی ہیں اس لئے مہر کی زیادتی تین طلاق کی شرط کے ساتھ مربوط کی جانی چاہئے تاکہ تین طلاق کے رواج پر قدغن لگے اور نسبتاً زیادہ مہر کے خوف سے تین طلاق کا ناروا اقدام نہ کیا جائے ۔

سوالنامہ اشتراط فی النکاح کے آخری سوال کا جواب یہ ہے کہ ایسی شرط شرعاً ناقابل اعتبار ہوگی ، جمہور فقہاء کے نزدیک یہ شرط شرائط فاسدہ کے زمرہ میں آتی ہے ۔ صرف اتنی بات نہیں ہے کہ یہ شرط نکاح کے لازمی تقاضوں میں شامل نہیں اور نہ انھیں پختہ کرنے والی ہے ، بلکہ اس سے بڑھ کر بات یہ ہے کہ یہ شرط عقد نکاح کے ایک لازمی تقاضا کے خلاف ہے ، نکاح کے بعد اسلامی شریعت بیوی کے ضروری اخراجات شوہر کے ذمہ لازم کردیتی ہے ، خواہ شوہر مالدار ہو یا غریب اور شوہر کو یہ حق دیتی ہے کہ اس کی بیوی اس کی اجازت کے بغیر (بعض استثنائی صورتوں کو چھوڑ کر) اس کے گھر سے باہر نہ جائے ، اسلام نے مرد اور عورت کے مزاج اور صلاحیت کا خیال کرتے ہوئے دونوں کے کام تقسیم کردئے ہیں ، گھر گھر کے باہر کا کام خصوصاً تلاش معاش مرد کے ذمہ رکھا ہے ، اور اندرون خانہ کی ذمہ داری عورت پر رکھی ہے ، گھر کا داخلی نظم و نسق ، چھوٹے بچے بچیوں کی نگہداشت وغیرہ ، بیوی کے فرائض میں داخل ہے ۔ ظاہر ہے کہ گھر کے باہر مستقل ملازمت کے ساتھ عورت شوہر اور بچوں کے تئیں اپنی خانگی ذمہ داریاں پوری نہیں کرسکتی ، ملازمت کرنا بہت سے بہت اس کے لئے جائز عمل کہا جاسکتا ہے اور گھر کی دیکھ بھال بچوں کی نگہداشت ، پرورش اس کے واجبات میں شامل ہے ۔ مباح اور واجب میں جب بھی ٹکراؤ ہوگا واجب کو ترجیح ہوگی ۔

عورت کی طرف سے ملازمت کی شرط شوہر کے حق حبس کو کالعدم کردیتی ہے اور حق حبس نکاح سے پیدا ہونے والا ایک لازمی حق ہے ، لہذا اس کو باطل کرنے والی شرط خود باطل ہوگی ، یہ شرط اسی طرح ناقابل اعتبار ہوگی جس طرح یہ شرط غیر معتبر ہوتی ہے کہ شوہر کو میرے کہیں آنے جانے پر کوئی اعتراض کرنے کا حق نہ ہوگا ۔

اشتراط فی النکاح اور اس کا حکم

مولانا مصلح الدین احمد بڑودوی القاسمی ☆

اشتراط فی النکاح سے مراد یہ ہے کہ زوجین میں سے کسی کا ایسی شرط لگانا جس کے لیے کوئی غرض یا منفعت وابستہ ہو ، اس سلسلہ میں ایسی شروط مراد ہیں جو ایجاب یا قبول کے ساتھ مقرون و متصل ہوں یعنی ایجاب اس طرح متحقق ہو کہ اس کے ساتھ کوئی شرط لگی ہوئی ہو ، وہ ایجاب مراد نہیں جو کسی شرط پر معلق ہو ، کیونکہ معلق بالشرط ایجاب کا وجود و تحقق ، وجود شرط سے قبل ممکن نہیں۔

الشروط فی الزواج هی ما یشترطه احد الزوجین علی الآخر مماله فیه غرض و یراد به الشروط المقترنة بالایجاب او القبول ای ان الایجاب یحصل ولکن یصاحبه شرط من الشروط (الفقه الاسلامی ج ۷ ص ۵۳)

یعنی نکاح میں زوجین میں سے کسی کا دوسرے پر ایسی شرط لگانا جس کے ساتھ شرط لگانے والے کی غرض اور منفعت متعلق ہو ، اور اس سے وہ شرائط مراد ہیں جو ایجاب یا قبول کے ساتھ مقرون ہو ، بایں طور کہ مشروط ایجاب صادر ہو۔ **وهذا بخلاف حالة الایجاب المعلق بشرط فان الایجاب لاوجود له قبل الشرط . (الفقه الاسلامی ج ۷ ص ۳۵)**

اور یہ صورت اس ایجاب کے برخلاف ہے جو معلق بالشرط صادر ہو ، کیونکہ شرط کے تحقق سے پہلے ایجاب کا وجود ممکن ہی نہیں۔

شروط فی النکاح کے سلسلہ میں احناف کا مذہب

زوجین میں سے کوئی ایسی شرط لگاتا ہے جو شرط صحیح ہو۔ شرط صحیح سے ایسی شرط مراد ہے جو مقتضائے عقد کے مناسب ہو اور احکام شرعیہ کے منافی نہ ہو ، مثلا عورت کا یہ شرط لگانا کہ خاوند اپنے گھر والوں سے یا اپنی سوکن سے الگ کسی علحدہ مکان میں اس کی رہائش کا انتظام کرے ، یا کسی دور دراز جگہ کے سفر میں اس کو اس کی

☆ بڑودہ ،

مرضی کے خلاف نہ لے جائے گا وغیرہ۔ تو ایسی شرط کو پورا کرنا اور اس کا لحاظ رکھنا شرعاً واجب و لازم ہے ۔

اور اسی حکم میں وہ شروط بھی داخل ہیں جو شرعاً مامور بہ ہوں ، جیسے کہ عورت کا یہ شرط لگانا کہ خاوند میرے ساتھ اچھا سلوک کرے گا ، مجھے خلاف شرع امور پر مجبور نہ کرے گا وغیرہ۔

اگر کسی شخص نے کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ اس کی طلاق کا معاملہ اسی عورت کے قبضہ و اختیار میں ہوگا ، تو یہ شرط لگانا صحیح ہے اور فقہاء احناف نے اس کو شروط صحیحہ میں سے قرار دیا ہے ۔ لیکن اگر کسی شخص نے عورت کے باپ کو مخاطب کر کے یوں کہا کہ " تو اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے اس شرط پر کردے کہ اس کا امر طلاق تیرے اختیار میں ہوگا " تو اس صورت میں باپ کے اختیار میں امر طلاق نہ ہوگا ، کیونکہ یہ تفویض قبل النکاح ہے ۔

زوجین میں سے کوئی ایسی شرط لگاتا ہے جو شرط فاسد ہے ۔ شرط فاسد سے وہ شرط مراد ہے جو عقد نکاح کے مقتضی کے خلاف ہو یا احکام شرعیہ کے منافی ہو ۔ شروط فاسدہ کا حکم یہ ہے کہ شروط فاسدہ کی وجہ سے نکاح باطل نہیں ہوتا بلکہ صرف شرط ہی باطل ہوجاتی ہے ، اس کو پورا کرنا ضروری نہیں ، البتہ نکاح صحیح ہوجاتا ہے ۔ نکاح اور معاوضات مالیہ کا باہمی فرق یہ ہے کہ شروط کی وجہ سے معاوضات مالیہ (بیع وغیرہ) فاسد ہوجاتے ہیں اور نکاح فاسد نہیں ہوتا ۔

زوجین میں سے کوئی ایسی شرط لگاتا ہے جو شرعاً ممنوع ہے ، تو ایسی شرط لگانا ناجائز ہے اور اس کو پورا کرنا ضروری نہیں ، مثلاً کسی عورت نے یہ شرط لگائی کہ تجھے میری سوکن کو طلاق دینا پڑے گا ۔ تو ایسی شرط لگانا نیز ں کو پورا کرنا دونوں ممنوع ہیں ، حدیث شریف میں ہے **لایحل لا مراۃ تسال طلاق ضرتھا** یعنی کسی ورت کو جائز نہیں کہ وہ خاوند سے اپنی سوکن کی طلاق کا مطالبہ کرے ۔ **(درمختار ج ۲ ص ۲۰ تبیین الحقائق ج ۲ ص ۱۲۸ فتح القدیر ج ۳ ص ۱۰۷ بدائع صنائع)**

و الخلاصۃ ان الفقہاء اتفقوا علی صحۃ الشروط التی تلائم العقد وعلی بطلان الشروط التی تنافی المقصود من الزواج او تخالف احکام الشریعۃ و اتفق الحنفیۃ و المالکیۃ و الحنابلۃ علی صحۃ الشروط التی یکون فیھا تحقیق و صف مرغوب فیہ او خلو المراۃ من عیب لا یثبت الخیار فی فسخ الزوج (الفقہ الاسلامی ج ۷ ص ۵۹۔۶۰)

شروط نکاح کے سلسلہ میں مذاہب اربعہ کی مفصل و مدلل تشریح کے بعد پوری بحث کے خلاصہ کے طور پر درج بالا عبارت مذکور ہے ۔

یعنی خلاصہ بحث یہ ہے کہ فقہاء نے ان شرائط کی صحت پر اتفاق کیا ہے جو عقد نکاح کے مناسب ہوں، اور وہ شرائط جو نکاح کی غرض و غایت یا احکام شرعیہ کے منافی ہوں، ان کے باطل وغیر معتبر ہونے پر بھی اتفاق کیا ہے۔ اسی طرح حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ نے ان شرائط کے صحیح ہونے پر بھی اتفاق کیا ہے جن میں کسی پسندیدہ وصف کی تحقیق ہو، یا کسی ایسے عیب سے پاک و صاف ہونا مطلوب ہو جس میں خاوند کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں ملتا۔

لیکن وہ شرائط جو مقتضائے عقد نکاح کے خلاف ہوں، مگر عقد نکاح کے احکام میں سے کسی حکم شرعی کے خلاف نہ ہوں اور نہ ان عاقدین میں سے کسی کا نفع ہو مثلاً یہ شرط لگائی کہ خاوند اس پر اور کسی عورت سے نکاح نہ کرے گا یا اسے سفر میں اپنے ساتھ نہیں لے جائے گا یا اس کو اس کے گھر یا شہر وغیرہ سے باہر نہیں نکالے گا وغیرہ تو ایسی شرائط کا حکم ائمہ اربعہ کے یہاں درج ذیل ہے۔

احناف کے نزدیک اس قسم کی شرطیں لغو قرار پائیں گی اور عقد نکاح صحیح ہوجائے گا۔ حنابلہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی شرائط صحیح ہیں اور ان کا پورا کرنا لازم اور ضروری ہے۔ مالکیہ کے نزدیک اس قسم کی شرطیں مکروہ ہیں جن کو پورا کرنا لازم نہیں، البتہ مستحب ہے۔ شافعیہ کے نزدیک یہ شرطیں باطل ہیں اور عقد نکاح صحیح ہے

(الفقہ الاسلامی ج ۷ ص ۵۹۔۶۰)

توکیل و تفویض طلاق کی بحث

اس بحث کا تعلق طلاق کی دونوں قسموں، صریحی وکنائی، کے ساتھ ہے، کیونکہ خاوند کی جانب سے بیوی یا اس کے علاوہ اور کسی شخص کو طلاق واقع کرنے کا اختیار دینا طلاق کے استعمال کئے جانے والے الفاظ صریحہ کے ساتھ ہوگا، جیسے " **طلقی نفسک** " تو اپنے آپ کو طلاق دیدے، یا کنایہ اور اشارہ کے الفاظ کے ساتھ ہوگا جیسے " **امرک بیدک** " تیرا معاملہ تیرے قبضہ و اختیار میں ہے۔

خاوند جس طرح بذات خود طلاق دے سکتا ہے، اسی طرح وہ طلاق واقع کرنے میں کسی کو اپنا نائب بھی بناسکتا ہے۔ بیوی کو حق طلاق سپرد کرنا باجماع امت ثابت ہے، آیت کریمہ **یایھا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا الخ** (سورہ احزاب) کے نزول کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو اپنے ساتھ قیام و مفارقت کے درمیان اختیار دیا تھا، پس اگر ازواج مطہرات کا اختیار مفارقت نہ ہوتا تو یہ تخییر بے معنی و بے اثر ہوکر رہ جاتی۔

نیابت فی الطلاق کی اقسام معہ احکام

خاوند کی اجازت سے اور کسی کے طلاق دینے کی تین قسمیں ہیں، توکیل۔ تفویض۔ رسالہ۔

توکیل: خاوند کا بیوی کے علاوہ اور کسی کو طلاق دینے کے سلسلے میں اپنا نائب و قائم مقام بنانا، مثلاً خاوند کسی شخص سے کہتا ہے۔ میری بیوی کو طلاق دینے کا میں نے تجھے وکیل بنایا وغیرہ، اور وکالت قبول کرنے کے بعد یہ شخص اپنے موکل کی بیوی سے یہ کہتا ہے کہ، تجھے طلاق ہے، تو اس پر طلاق ہوجائے گی۔

تفویض: اپنی بیوی کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق دے دینا، یا بیوی کا معاملہ طلاق بیوی کے ہاتھ میں دے دینا مثلاً یوں کہنا "**طلقی نفسک**" اپنے آپ کو طلاق دیدے یا "**امرک بیدک**" تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے، اسی طرح بیوی کی طلاق کو اجنبی کی مشیت و مرضی پر معلق کردینا، مثلاً یوں کہنا "**طلق زوجتی ان شئت**" اگر تیرا جی چاہے تو میری بیوی کو طلاق دیدے۔

رسالہ: کسی شخص کا کلام بطور نقل کسی تک پہنچادینا، مثلاً خاوند کسی شخص سے یہ کہے کہ فلاں عورت کے پاس جا کر یہ کہدے کہ تیرا خاوند تجھے "**اختیاری**" کہہ رہا ہے یعنی میرے ساتھ رہنے اور اپنے کو مجھ سے جدا کرنے ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک کو پسند کرلے۔ یا خاوند کسی شخص کے ذریعہ اپنی غائب بیوی کے پاس طلاق کا پیغام بھیجے، پس وہ قاصد ٹھیک طریقہ پر بھیجنے والے کا پیغام عورت تک پہنچادے، تب بھی بیوی پر طلاق واقع ہوجائے گی۔ رسالہ والی صورت میں درمیانی شخص (واسطہ) کی حیثیت صرف ایک معبر اور ناقل کلام کی ہوتی ہے۔

تین قسم کے الفاظ سے تفویض طلاق ہوتی ہے۔ **امر بالید۔ تخییر۔ مشیئت۔** ان تینوں الفاظ میں سے ہر ایک لفظ **تملیک و تخییر مراۃ** کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی ہر ایک لفظ کی بناء پر بیوی اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کی مالک ہوجاتی ہے، اور خاوند کے ساتھ رہنے اور اپنے کو اس سے جدا کرلینے ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک بات کو پسند کرنے کا اس کو حق حاصل ہوجاتا ہے۔

امر بالید: یعنی خاوند کا اپنی بیوی سے کہنا کہ "**امرک بیدک**" تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے، ایسا کہنے کی بناء پر دو شرطوں کے ساتھ طلاق واقع کرنے کا معاملہ بیوی کے قبضہ و اختیار میں آجاتا ہے۔

شرط اول: خاوند کا بنیت طلاق یہ لفظ کہنا۔ کیونکہ یہ لفظ طلاق کے الفاظ میں سے ہے، لہذا بغیر نیت طلاق یہ لفظ کہنے سے طلاق واقع نہ ہوگی۔

شرط ثانی : عورت کو اس کا علم ہونا کہ خاوند نے میرا معاملہ طلاق میرے ہاتھ میں دیدیا ہے ۔ چنانچہ جب تک کہ بیوی اس لفظ کو سن نہ لے یا کسی کے ذریعہ اس کو خبر نہ پہنچے وہاں تک معاملہ طلاق اس کے اختیار میں نہیں آئے گا ۔

تخییر : یعنی خاوند کا بیوی سے " **اختاری** " کہنا یعنی تجھے میرے ساتھ رہنے اور مجھ سے جدا ہوجانے ان دونوں باتوں میں سے کسی ایک بات کو پسند کرنے کا اختیار ہے ۔ دو باتوں کے علاوہ میں تخییر اور امر بالیہ کا حکم یکساں ہے ۔ باہمی فرق والے دو امر یہ ہیں ۔

(۱) **امرک بیدک** کہنے میں تین طلاق کی نیت صحیح ہے اور " **اختاری** " اس لفظ میں تین طلاق کی نیت صحیح نہیں اسی وجہ سے تین طلاق کی نیت سے یہ لفظ کہا تب بھی ایک ہی طلاق واقع ہوگی ۔

(۲) " **اختاری** " میں لفظ نفس کا ذکر خاوند کے کلام میں یا عورت کے جواب میں لازم و ضروری ہے ، بایں طور کہ خاوند یوں کہے کہ **اختاری نفسک** اور اس کے جواب میں عورت کہے **اخترت** یا خاوند بیوی سے کہ **اختاری** اور اس کے جواب میں کہے **اخترت نفسی** ۔ یا زوجین میں سے کسی کے کلام میں ذکر طلاق ضروری ہے ۔ یا ایسے لفظ کا ذکر ضروری ہے جو طلاق پر دلالت کرتا ہو ، مثلاً خاوند کے کلام **تخییر** کا لفظ مکرر ہو جیسے کہ یوں کہے **اختاری اختاری** ۔ یا دونوں میں سے کسی کے کلام میں لفظ **الاختیارۃ** کا ذکر ہو ، جیسے خاوند یوں کہے **اختاری اختیارۃ** اور اس کے جواب میں بیوی کہے **اخترت اختیارۃ**۔

مشیت : یعنی خاوند اپنی بیوی سے یوں کہے " **انت طالق ان شئت** " اگر تو چاہے تو تجھے طلاق ہے ۔ **مشیئت** اور **تخییر** کا ایک ہی حکم ہے کیونکہ دونوں لفظ تملیک طلاق ہیں ۔

مشیت اور تخییر کا باہمی فرق یہ ہے کہ مشیت والی صورت میں طلاق رجعی واقع ہوگی ، کیونکہ لفظ صریح کے ساتھ تفویض طلاق ہوئی ہے اور تخییر والی صورت میں طلاق بائن واقع ہوگی ، کیونکہ یہ الفاظ کنایہ میں سے ہے ۔

خاوند کا " **طلقی نفسک** " کہنا یعنی اپنے آپ کو طلاق دیدے ۔ فقہاء کے نزدیک تملیک ہے خواہ اس کو مشیت کے ساتھ مقید کیا ہو یا نہ کیا ہو اور اس لفظ کا اثر " **انت طالق ان شئت** " کی طرح مجلس تک ہی محدود رہے گا ۔ تبدیل مجلس کے بعد بیوی کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار نہ ہوگا ۔

توکیل بالطلاق کا حکم

وکیل بالطلاق اپنے موکل کی رائے کے مطابق عمل کرنے کا مقید و مکلف ہے۔ اگر وکیل بالطلاق اپنے موکل کی رائے سے تجاوز یا انحراف کرتا ہے تو اس کا تصرف موکل کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر موکل اجازت دے گا تو نافذ ہوگا ورنہ رد ہوجائے گا۔ اگر توکیل بالطلاق کسی معین زمانہ کے ساتھ مقید نہ ہو تو وکیل بالطلاق جب جی چاہے تب موکل کی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے، اور موکل اپنے وکیل بالطلاق کو جب چاہے تب معزول بھی کرسکتا ہے۔

وکیل بالطلاق کی حیثیت معبر و سفیر محض کی ہوتی ہے، لہذا حقوق طلاق (مہر مؤجل کی ادائگی۔ متعہ یا نفقہ عدت وغیرہ) کا مطالبہ وکیل سے درست نہ ہوگا، بلکہ براہ راست خاوند سے حقوق طلاق کا مطالبہ ہوگا۔

زوجہ یا غیر زوجہ کو تفویض بالطلاق کا حکم

خاوند کے حق میں تفویض لازم ہے، بایں طور کہ تفویض طلاق کے بعد خاوند اس سے رجوع نہیں کرسکتا اور عورت کو اس سپرد کردہ حق کے استعمال سے روک بھی نہیں سکتا اور اس کو فسخ بھی نہیں کرسکتا، کیونکہ خاوند نے تفویض کے ذریعہ بیوی وغیرہ کو طلاق کا مالک بنادیا اور کسی غیر کو مالک بنادینے کے بعد اس کی ولایت اس کی ملکیت سے زائل ہوجاتی ہے، لہذا رجوع، منع و فسخ کے ذریعہ ابطال کا مالک نہ ہوگا۔ نیز رجوع کا حق اس لئے بھی نہیں ہے کہ خاوند کے حق میں تفویض کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایقاع طلاق کو بیوی کی مشئیت پر معلق کر رہا ہے، اور تعلیق، یمین کے حکم میں ہوا کرتی ہے اور ایمان میں ان کے صدور کے بعد حق رجوع ممکن نہیں رہتا۔

مگر بیوی کے حق میں تفویض لازم نہیں، چنانچہ اس کو صراحتا یا دلالتا اس تفویض کو رد کردینے کا حق حاصل ہوگا، کیونکہ امر بالید تخییر ہے یعنی عورت کو خاوند کے ساتھ رہنے نہ رہنے میں سے ایک امر کو پسند کرنے کا اختیار ہے اور اختیار و لزوم باہم منافی ہیں۔

مفوضہ عورت کو صرف ایک مرتبہ اختیار کا حق ہے، کیونکہ خاوند کا بیوی سے " **امرک بیدک** " کہنا تکرار کا مقتضی نہیں۔ مگر یہ مقتضی تکرار لفظ اس کے ساتھ شامل کردیا جائے مثلا بیوی سے یوں کہا " **امرک بیدک کلما شئت** " جب جب تیرا جی چاہے تب تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے، اس صورت میں معاملہ اس کے ہاتھ

میں آجائے گا جب جب اس کا جی چاہے۔

عورت ایک مجلس میں اپنے اوپر ایک ہی طلاق واقع کر سکتی ہے۔ لہذا تین مجلسوں میں تین مرتبہ طلاق واقع کرنے سے وہ بائنہ ہوجائے گی۔ کیونکہ لفظ "**کلما**" تکرار افعال کا مقتضی ہے۔ لہذا تکرار مشیئت کے وقت تکرار تملیک کا بھی مقتضی ہوگا۔

تفویض کو کسی زمانہ کے ساتھ مقید کرنے نہ کرنے کا حکم

تفویض اگر مطلق ہو، اس میں کسی زمانہ کی قید نہ ہو تو عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق علم بالتفویض کی مجلس تک محدود رہے گا یعنی مجلس کے بدلنے سے پہلے تک اس کو ایقاع طلاق کا حق رہے گا۔

لیکن اگر مجلس بدل گئی یا عورت سے کسی ایسے فعل کا صدور ہوا جو مقتضائے تفویض سے اعراض پر دلالت کرتا ہو تو عورت کے ایقاع طلاق کا حق ساقط ہوجائے گا۔

اگر تفویض طلاق کسی زمانہ کے ساتھ مقید ہے، مثلاً "**امرک بیدک الیوم**" اور "**شھرا او سنۃ**" وغیرہ ایک مہینہ یا ایک سال تک تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے۔ تو یہ وقت مقید و مخصوص کے ختم ہونے تک عورت کو ایقاع کا حق حاصل رہے گا اس کے بعد نہیں۔

اگر تفویض طلاق کو کسی شرط پر معلق کیا، مثلاً یوں کہا "**اذا قدم زید فامرک بیدک**" جب زید آوے تب تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے تو زید کی آمد سے پہلے اس کو حق طلاق نہ ہوگا۔

وقت مخصوص و مقید گزر جانے کے بعد عورت کو وقوع شرط کا علم ہوا تو اب اس تفویض کے ذریعہ اس کو طلاق واقع کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

اگر تفویض ایسے الفاظ سے ہو جو تکرار کے مقتضی ہیں، مثلاً خاوند نے بیوی سے کہا "**امرک بیدک کلما شئت**" "جب چاہے تب تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں یا "**طلقی نفسک متی شئت**" "جب چاہے تب اپنے اوپر طلاق واقع کرلے۔

پس اس صورت میں طلاق دینے کا اختیار مجلس تخییر و تفویض تک محدود نہ رہے گا، بلکہ جس وقت چاہے وہ اپنے اوپر طلاق واقع کر سکتی ہے۔ (**در مختار و رد المحتار ج ۲ ص ۷۵۳ و بدائع الصنائع ج ۳ ص ۱۱۳۔ ۱۱۸۔ ۱۲۱۔ ۱۲۱ وغیرہ**)

الفاظ تفویض سے واقع شدہ طلاق کی تعداد و نوعیت

" **طلقی نفسک** " اپنے آپ کو طلاق دیدے ۔ " **طلقی نفسک کلما شئت** " جب جب چاہے اپنے اوپر طلاق واقع کرلے ۔ اس قسم کے الفاظ سے تفویض طلاق کی صورت میں بیوی اپنے اوپر بہ یک وقت ایک ساتھ تین طلاقیں نہیں واقع کرسکتی، کیونکہ خاوند نے طلاق صریح کی تصریح کے ساتھ تفویض کی ہے لہذا " **طلقی نفسک کلما شئت** " والی صورت میں اگر اس نے ایک ساتھ ہی اپنے اوپر تین طلاقیں واقع کیں تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس پر ایک بھی طلاق واقع نہ ہوگی اور صاحبین کے نزدیک ایک طلاق واقع ہوگی۔

اگر خاوند نے اپنی بیوی سے تین طلاقوں کی نیت سے یہ کہا " **امرک بیدک** " تیرا معاملہ تیرے ہاتھ ہے، اور بیوی نے اپنے اوپر تین طلاقیں واقع کرلیں تو اس پر تینوں طلاقیں پڑجائیں گی، اور اگر دو طلاقوں کی نیت سے یہ جملہ کہا تو امام زفر کے علاوہ امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے نزدیک ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔

الفاظ تفویض سے کس قسم اور کس نوع کی طلاق واقع ہوگی؟ اس میں تفصیل ہے ۔ اگر صریح لفظ طلاق کے ساتھ تفویض ہوئی تو طلاق رجعی واقع ہوگی، چنانچہ اگر خاوند نے بیوی سے کہا " **طلقی نفسک** " اپنے آپ کو طلاق دیدے اور اس نے جواب میں " طلقت نفسی " میں نے اپنے آپ کو طلاق دیدی کہا، تو ایک طلاق رجعی واقع ہوجائے گی۔

اور اگر یوں کہا کہ " **امرک بیدک فی تطلیقة**، طلاق کے سلسلہ میں تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے ۔ یا یوں کہا کہ " **اختاری تطلیقة** " اور اس نے " **اخترت نفسی** " کہا یعنی میں نے اپنے آپ کو پسند کرلیا، تو ایک طلاق رجعی واقع ہوگی کیونکہ صریح لفظ کے ساتھ تفویض ہوئی ہے ۔ " **المفید للبینونة اذا قرن بالتصریح صار رجعیا** " طلاق بائن واقع کرنے والا لفظ جب تصریح کے ساتھ ملایا جاوے تو طلاق رجعی واقع ہوتی ہے ۔

اگر تفویض طلاق بلفظ " **اختیار" یا "امر بالید** " کے ذریعہ ہو تو طلاق بائن ہوگی چنانچہ خاوند نے بیوی سے بنیت طلاق " **اختاری نفسک** " یا " **امرک بیدک** " اپنے آپ کو پسند کرلے یا تیرا معاملہ ہاتھ میں ہے " کہا، مگر تین طلاق کی نیت نہیں کی اور بیوی نے اس کے جواب میں " **اخترت نفسی** " میں نے خود کو پسند کرلیا یا " **طلقت نفسی** " میں نے خود کو طلاق دے دی کہا، تو عورت پر ایک طلاق بائن واقع ہوگی (**بدائع الصنائع ج ۳ ص ۱۱۷ فتح القدیر ج ۳ ص ۱۱۲ در مختار ج ۲ ص ۷۲۰ وغیرہ**)

تفویض طلاق اور اس کے احکام

احناف کے یہاں انشاء عقد نکاح کے مقارن ہوکر یا عقد نکاح کے بعد زوجیت برقرار رہنے کے زمانہ میں تفویض طلاق صحیح ہے۔

احناف کے یہاں تفویض مقارن عقد کے صحیح ہونے کے لئے زوجہ یا وکیل زوجہ کی جانب سے ایجاب مشروط کا صادر ہونا لازم و ضروری ہے، مثلا عورت کسی مرد سے یوں کہے " **تزوجتک علی ان الطلاق بیدی او متی شئت اور کلما شئت** " یعنی میں نے تجھ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ طلاق کا معاملہ میرے ہاتھ میں رہے گا۔ یا طلاق کا معاملہ میرے زیر اختیار رہے گا، جس وقت میں چاہوں۔ یاجب جب میں چاہوں۔ اور مرد نے اس کو قبول کرلیا۔

یعنی عورت کی جانب سے ایجاب مشروط ہے اور مرد اس مشروط ایجاب کو قبول کرلیتا ہے تو یہ تفویض شرعا معتبر اور صحیح قرار پائے گی۔

لیکن اگر مرد کی جانب سے ایجاب کا صدور ہوا اور مرد نے عورت سے یوں کہا " **تطلقین نفسک متی شئت** " میں نے تجھ سے اس شرط پر نکاح کیا تو جب چاہے اپنے اوپر طلاق واقع کرلے۔ اور عورت نے اس ایجاب کو قبول کرلیا تو اس صورت میں نکاح تو شرعا معتبر اور صحیح ہوگا، مگر یہ تفویض نہ ہوگی کیونکہ مرد نے عقد نکاح کی تکمیل سے پہلے عورت کو ایقاع طلاق کا مالک بنایا ہے، حالانکہ تکمیل عقد نکاح سے قبل خود خاوند کو طلاق دینے کا حق حاصل نہیں ہوتا اور کوئی شخص کسی کو کسی ایسی شی کا مالک نہیں بناسکتا جو خود اس کی ملکیت میں نہ ہو۔

جب عورت کے ایجاب مشروط اور مرد کے قبول سے تفویض بوقت عقد صحیح ہوجائے اور اس تفویض میں کسی معین زمانہ کی کوئی قید نہ ہو مثلا عورت نے ایجاب کے طور پر یوں کہا کہ " **تزوجتک علی ان طلاقی بیدی** " میں نے تجھ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ میرا معاملہ طلاق میرے ہاتھ میں رہے گا اور مرد نے قبلت (میں نے قبول کیا) کہہ کر اس ایجاب کو قبول کرلیا تو اس صورت میں عورت کا اختیار طلاق مجلس انشاء عقد نکاح تک محدود رہے گا بایں معنی کہ مجلس نکاح کے ختم ہونے کے بعد عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق نہ رہے گا۔

طلاق مع التفویض میں خاوند کا حق طلاق

تفویض بمعنی تملیک ہونے کی وجہ سے توکیل کے مشابہ ہے لہذا اپنی بیوی کو تفویض طلاق کے بعد بھی

خاوند کو طلاق دینے کا حق باقی رہے گا۔ جیسے کہ توکیل کے بعد موکل کو بذات خود موکل فیہ میں حق تصرف باقی رہتا ہے ۔

توکیل وتفویض کا باہمی فرق

توکیل و تفویض دونوں میں خاوند کا حق ایقاع طلاق ساقط و سلب نہیں ہوتا اس کے باوجود دونوں میں درج ذیل وجوہ فرق ہیں ۔

(۱) ایک مرتبہ تفویض صادر و صحیح ہوجانے کے بعد خاوند اس تفویض سے رجوع نہیں کرسکتا ، لیکن موکل فیہ میں وکیل کے تصرف سے پہلے موکل رجوع کرسکتا ہے یعنی وکیل کی وکالت کو منسوخ کرسکتا ہے ۔

(۲) تفویض کے اندر مفوض الیہ اپنی مشیت و اختیار سے عمل کرسکتا ہے ، لیکن توکیل میں وکیل اپنی مرضی و مشیت سے نہیں بلکہ موکل کی مرضی و مشیت کے مطابق عمل کرتا ہے ، کیونکہ وکیل کا ممثل اور نائب شمار کیا جاتا ہے ۔

(۳) تفویض مطلق ، مجلس تفویض تک مخصوص و مقید ہوا کرتی ہے ، بخلاف توکیل بالطلاق کے ، کیونکہ وکالت کے مطلق ہونے کی صورت میں وکیل بالطلاق مجلس میں نیز مجلس ختم ہونے کے بعد بھی طلاق دے سکتا ہے ۔

(۴) جنون زوج یعنی خاوند کے پاگل ہوجانے سے تفویض باطل نہیں ہوتی ، کیونکہ تفویض ، تعلیق کے حکم میں ہوا کرتی ہے ، لیکن توکیل بالطلاق خاوند کے پاگل ہوجانے کی وجہ سے باطل ہوجاتی ہے ، کیونکہ جنون کی وجہ سے خاوند میں اہلیت باقی نہیں رہتی اور وکیل موکل میں سے کسی کے اندر اہلیت ختم ہوجانے سے توکیل خود بہ خود باطل ہوجاتی ہے (**عنایۃ بھامش فتح القدیر ج ۳ ص ۱۰۰ و رد المحتار ج ۲ ص ۲۵۳**)

اشتراط فی النکاح

مولانا ظفر الاسلام صاحب *

شرط اول :

عقد نکاح کے تشکیل پانے کی شرطوں میں سے ایک اہم شرط نان و نفقہ بھی ہے جسے خداوند قدوس نے مختلف مقامات پر بیان فرمایا ہے ۔

(۱) **الرجال قوامون علی النساء بما فضل الله بعضهم علی بعض و بما انفقوا من اموالهم۔** مرد عورتوں پر قوام ہیں ۔ اس بناء پر اللہ نے ایک کو دوسرے کے مقابلہ میں کچھ فطری خصوصیات کی وجہ سے ترجیح دی ہے اور اسی بنا پر نان و نفقہ کی ذمہ داری مردوں پر ہے (۲) **و علی المولود له رزقهن و کسوتهن بالمعروف** " بچے کے باپ کو دستور کے مطابق اپنی عورتوں کو کھانا کپڑا دینا ہوگا ۔ (۳) " **علی الموسع قدره و علی المقتر قدره** " مالدار پر اس کی استطاعت کے مطابق اور غریب پر اس کی استطاعت کے مطابق نفقہ ہے ۔ حکیم بن معاویہ قشیری فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ سے پوچھا یا رسول اللہ **ما حق زوجة احدنا علیه ؟ قال ان تطعمها اذا طعمت و تکسوها اذا اکتسیت و لا تضرب الوجه** (المحلی لابن حزم ج ۹ ص ۵۰۱)

ایک دوسری روایت جابر بن عبد اللہ سے اس طرح پر ہے ۔

---

* استاذ حدیث دارالعلوم مئو ۔ یوپی

عن جابر بن عبد الله ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال فی خطبته فی عرفة فاتقو الله فی النساء فانکم اخذتموهن بامان الله و استحللتم فروجهن بکلمة الله تعالی و لکم علیهن ان لا یوطئن فرشکم احدا تکرهونه فان فعلن ذالک فاضربوهن غیر مبرح و لهن علیکم رزقهن و کسوتهن بالمعروف (المحلی ج ۹ ص ۵۰۱)

قاضی خاں لکھتے ہیں۔

فتجب علی الرجل نفقة امراته المسلمة و الذمیة و الفقیرة و الغنیة دخل بها او لم یدخل (فتاوی قاضی خاں ج ۱ ص ۱۹۲)

نیز حضور اکرم کے ارشاد **من استطاع منکم الباءة** میں استطاعت سے مراد استطاعت النکاح ہے **(فتاوی ابن تیمیه ج ۳۲ ص ۱۲)**

علامہ ابن رشد قرطبی تحریر فرماتے ہیں **فاما النفقة فاتفقوا علی وجوبها (بدایة المجتهد ج ۲ ص ۵۸**

خلاصہ کلام: نفقہ مرد پر واجب ہے بشرطیکہ نکاح صحیح ہو نکاح فاسد میں نفقہ واجب نہیں ہوتا (دیکھئے **در مختار مع الرد ج ۳ ص ۵۷۲)**

بہر حال نفقہ مقتضائے عقد سے ہے اور عقد نکاح ہی سے یہ مفہوم ہورہا ہے اس لئے عورت کی یہ شرط بے کار ہے علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں۔ **وجهه ان ذالک الشرط وعدمه سواء لان ذالک هوالواجب علیه بنفس العقد سواء شرطه اولا (در مختار ج ۳ ص ۵۸۲)**

شرط ثانی :

حضرت امام ابو حنیفہ نے شرائط کی دو قسمیں کی ہیں (۱) وہ جو مقارن للعقد ہو (۲) وہ جو معلق بالشرط ہو سوائے چند صورتوں کے، دونوں کے احکام تقریبا یکساں ہیں۔ حضرت امام احمد بن حنبل کے نزدیک دونوں کے حکم میں کوئی فرق نہیں خواہ یہ شرطیں صلب عقد میں لگادی گئی ہوں، یا پہلے سے زوجین کے درمیان طے پا چکی ہوں حضرت امام مالک کے نزدیک دونوں کے احکامات میں تفصیل ہے، مگر بیشتر صورتوں کے احکام میں موافقت ہے۔ حضرت امام شافعی کے نزدیک اگر نکاح کو مشروط پر معلق رکھا تو یہ نکاح فاسد ہوگا، بعض صورتوں میں جواز کا بھی قول ہے اور شرط مقارن للعقد میں تفصیل ہے۔ اب ہر ایک امام کے اقوال اور ان کے احکام بالتفصیل پیش ہیں۔

عقد نکاح کے وقت شرائط کے سلسلہ میں حضرت امام ابو حنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ وہ شرطیں اگر مقتضائے عقد سے نہ ہوں تو ایسی صورت میں شرط باطل ہوگی اور نکاح صحیح ہوگا اور اگر مقتضائے عقد سے ہو تو یہ شرط اصل عقد کے مفہوم میں داخل ہونے کی وجہ سے نافذ ہوجائی گی۔(**فتاوی لابن تیمیة ج ۳۲ ص ۱۰۸**)

حضرت امام احمد بن حنبل کا مذہب اور ان کا حکم یہ ہے (۱) وہ شرائط صحیحہ جن سے نکاح صحیح ہوجاتا ہے ۔(۲) وہ شرائط فاسدہ جن سے نکاح فاسد ہوجاتا ہے (۳) وہ شرائط جن سے نکاح تو صحیح ہوجاتا ہے مگر شرط باطل ہوجاتی ہے۔

سوال میں دی گئی شرط امام احمد بن حنبل کے مسلک کے مطابق قسم ثالث میں داخل ہے جس کی بنیاد پر نکاح تو صحیح ہو جائے گا اور شرط باطل ہو جائے گی۔(**کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة ج ۴ ص ۸۷۔ ۸۸**)

علامہ ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں۔

و یصح النکاح مع المهر المحرم و مع نفی المهر و هو الروایة الثانیة عن احمد اختارها کثیر من اصحابه (فتاوی ابن تیمیة ج ۳۲ ص ۱۵۸) یہی علامہ ابن قدامہ حنبلی تحریر فرماتے ہیں۔(**المغنی لابن قدامة ج ۷ ص ۲۵۰**)

حضرت امام مالک کے نزدیک شروط فی النکاح کی چار صورتیں ہیں (۱) تعلیق علی الشرط۔اس کا حکم یہ ہے کہ شرط کے پائے جانے کے بعد مشروط کا وجود ہوگا اسی لئے آگے لکھتے ہیں "**لم یضر**" (۲) **ان یشترط شرطا مقارنا للعقد مفسدا له** اس کا حکم یہ ہے کہ ان شروط فاسدہ میں سے کوئی شرط دخول سے پہلے پائی گئی تو نکاح فسخ ہوگا اور اگر بعد الدخول پائی جائے تو نکاح منعقد ہوجائے گا۔(۳) **ان یشترط شروطا لا تناقض العقد** اس سے نکاح تو صحیح ہو جائے گا مگر اس طرح کی شرطوں کا لگانا مکروہ ہے۔

(۴) **شروط یجب الوفاء بها و یکون لها خیار فسخ العقد**

حضرت امام شافعی کے نزدیک شرائط فی النکاح کی تفصیل اس طرح ہے۔

الشافعیة قالوا اذا علق النکاح علی شرط فسد العقد اما الشروط المقارنة للعقد علی قسمین (۱) شروط فاسدة لا یقتضیها العقد (۲) شروط صحیحة ۔ فالشروط الفاسدة تفسد العقد اما الشروط التی لا تفسد العقد فانها تصح و لا تفسد العقد ۔ فاذا

اشترطت فی صلب العقد فبان غیر ذالک صح العقد و کان بالخیار ان شاء قبل و ان شاء فسخ فاذا اشترطت هذه الشروط خارج العقد فانها لا یعمل بها (الفقه علی المذاهب الاربعة ج ۲ ص ۸۹) فالشروط الفاسدة تفسد العقد) سے **نکاح مع المهر المحرم و مع نفی المهر مستثنی** ہے اس کو علامہ ابن تیمیہ تحریر فرماتے ہیں **و یصح النکاح مع المهر المحرم و مع نفسی المهر هذا مذهب الشافعی (فتاوی ابن تیمیة ج ۳۲ ص ۱۵۸)**

مندرجہ بالا شرائط کے ذکر کرنے کے بعد یہ اچھی طرح معلوم ہوچکا ہوگا کہ صورت مسئولہ میں دی گئی یہ شرط شرط فاسد ہے جس کی بابت ائمہ اربعہ کی تفصیل یوں ہے ۔ حضرت امام ابو حنیفہ اور حضرت امام احمد بن حنبل کے نزدیک شروط فاسدہ باطل ہوں گی اور نکاح صحیح ہو جائے گا ۔ (**مغنی لابن قدامة ج ۸ ص ۷۲**) اور حضرت امام مالک کے نزدیک دخول کا اعتبار ہوگا، اس لئے اگر کوئی شرط دخول سے پہلے پائی گئی تو نکاح فسخ ہو جائے گا اور بعد الدخول منعقد ہوجائے گا ۔ اور مہر و نفقہ وغیرہ دینا ہوگا ۔ (**کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة ج ۲ ص ۸۸**)

حضرت امام شافعی کے نزدیک شروط فاسدہ کی بعض صورتیں یعنی **نکاح مع المهر المحرم و مع نفی المهر** صحیح ہیں نان و نفقہ کی نفی کو بھی اسی میں شامل کر لیا جائے گا ۔ جیسا کہ ابن قدامہ حنبلی کی درج شدہ عبارت سے بھی معلوم ہوگیا ہوگا، باقی صورتوں میں باطل ہے، نیز امام احمد سے بھی ایک روایت یہی ہے (فتاوی لابن تیمیہ ج **۳۲ ص ۱۵۸**) فتاوی تاتار خانیہ میں مذکور ہے ۔ **و اذا تزوجها علی ان لا مهر لها صح النکاح و وجب لها مهر المثل و فیه خلاف لمالک (ج ۳ ص ۸۷)** امام مالک کی دلیل یہ ہے کہ مہر ایک شرعی حق ہے جو شوہروں پر واجب ہے نیز عورت کی شرافت کا اظہار ہے " **ابانة لشرف المحل** " (**هداية ج ۲ ص ۳۰۳**) لیکن اگر دخول و عدم دخول کی شرط لگادی جائے جیسا کہ **کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة** کی عبارت سے مسالکی مذہب معلوم ہوچکا ہے تو امام مالک کے یہاں بھی بعد الدخول نکاح صحیح ہوجائے گا، اور فیہ خلاف المالک کا اطلاق ختم ہوجائے گا ۔ اس مفہوم کی وضاحت اس عبارت سے بھی ہورہی ہے **و حکی عن مالک انه ان کان بعد الدخول ثبت النکاح و ان کان قبله فسخ (المغنی لابن قدامة ج ۸ ص ۷۲)**

علامہ ابن حزم کی رائے ہے ۔

و کل نکاح عقد علی صداق فاسد او علی شرط فاسد مثل ان یؤجل و الی اجل مسمی او غیر مسمی الخ فهو نکاح مفسوخ ابدا فان کان الصداق الفاسد و الشروط الفاسدة انما

تعاقداها بعد صحة عقد النكاح خاليا من كل ذالک فالنكاح صحيح و يفسخ الصداق و يقتضى لها بمهر مثلها الا ان يتراضيا باقل او اكثر فذالک جائز و تبطل الشروط كلها(المحلى لابن حزم ج ۹ ص ۴۹۱) چنانچہ عبارت بالا سے معلوم ہوا کہ مہر فاسد یا شرط فاسد پر کیا ہوا نکاح قابل فسخ ہے لیکن اگر مہر فاسد یا شرط فاسد اس وقت لگائی گئی جب کہ نکاح صحیح ہوچکا تھا، تو ایسی صورت میں یہ بعد والی شرط قابل فسخ ہوگی اور نکاح صحیح ہوکر شوہر پر مہر مثل لازم ہوگا الا یہ کہ زوجین مہر مثل سے کم یا زیادہ پر راضی ہوجائیں اور ساری شرطیں باطل ہوجائیں گی۔ آگے اسی صفحہ پر اس کی دلیل حضور کا ارشاد:

"**كل شرط ليس فى كتاب الله فهو باطل**" اور "**من عمل عملا ليس عليه امرنا فهو رد**" پیش فرمائی ہے، نیز علامہ شامی فرماتے ہیں:

ما لو شرط شرطا فاسدا كما لو تزوجته على ان لا يطأها فانه يصح النكاح و يفسد الشرط "(رد المحتار مع در المختار ج ۲ ص ۱۳۱)

علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

و لان تسمية ماليس بمال بشرط فاسد و النكاح لا تبطله الشروط الفاسدة بخلاف البيع و الفرق ان الفساد فى البيع لمكان الربا و الربا لا يتحقق فى النكاح فيبطل الشرط و يبقى النكاح صحيحا(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۷۷)

نکاح میں ایسی چیز کو مہر قرار دینا جو مال نہ ہو شرط فاسد ہے اور یہ نکاح کو باطل نہیں کرتی بخلاف بیع کے۔ کیوں کہ دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ بیع میں فساد، ربا کی وجہ سے ہے اور نکاح میں ربا نہیں اس لئے نکاح میں یہ شرط باطل ہوگی اور عقد صحیح ہوگا۔

خلاصۂ کلام، شرط فاسد کے ساتھ کیا ہوا نکاح ائمہ اربعہ کے نزدیک صحیح ہے اور شرائط کے سلسلہ میں ائمہ کی آراء اس طرح پر ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک شرط فاسد مقارن للعقد منافی مقتضائے عقد باطل ہے۔ حنابلہ کے نزدیک بھی یہی حکم ہے۔ مالکیہ کے نزدیک وہ شرط لغو ہوگی۔ (**کتاب الفقه على المذاهب الاربعة ج ۲ ص ۸۸**) امام شافعی کے نزدیک یہ شرط صحیح ہوگی (**بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۷۷**) اس کی تائید اسی فصل کے ص ۲۷۸ کی عبارت سے بھی ہو رہی ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ ابن تیمیہ نے ائمہ کے اسی اختلاف کی طرف اپنی اس عبارت "**ثم هل يصح اذا احضاء الشرط الفاسد بعد ذالک؟ فيه نزاع**" سے اشارہ کیا ہے (**فتاوى ابن تيمية ج ۳۲ ص**

۱۵۷) بہر حال مذکورہ شرط پر کیا ہوا نکاح صحیح ہے اور شرط باطل ہے شوہر کو نفقہ دینا ہوگا جس وقت نفقہ کا وجوب ہوجائے ۔ کیونکہ نفقہ کا وجوب اس وقت ہوتا ہے جب عورت پر شوہر قابض ومتصرف ہوجائے ۔ (**البحر الرائق ج ۳ ص ۱۵۷**) نیز دیکھئے قاضی خاں (**ج ۱ ص ۱۹۳**)

شرط ثالث :

حضرت امام احمد بن حنبل کے نزدیک اس طرح کی شرطیں صحیح ہیں اور ان کا ایفاء لازم ہے اگر شوہر نے اسے پورا نہ کیا تو عورت کو فسخ کا حق حاصل ہوگا ۔ (**الفقه على المذاهب الاربعة ج ۴ ص ۸۷**) حضرت امام مالک کے نزدیک اس طرح کی شرط مکروہ ہے لیکن اس کا ایفاء مندوب ہے ، نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ۔ (**المذاهب الاربعة ج ۴ ص ۸۷، ۸۸**)

حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک شرط صحیح ہے اور عدم ایفاء کی صورت میں نکاح تو صحیح ہو جائے گا مگر مہر مثل دینا ہوگا ، جو مہر مسمی سے متجاوز نہ ہو ۔ (**هداية ج ۲ ص ۳۰۹**) صاحب ہدایہ نے فتح القدیر کی عبارت نقل فرمانے کے بعد تحریر کیا ہے کہ پہلی صورت میں مسمی ملے گا ، اس لئے کہ جس چیز کو مہر بنایا گیا تھا وہ مہر بننے کی صلاحیت رکھتا ہے چونکہ شرط کے اتمام کی وجہ سے عورت کی رضامندی ہوگئی اس لئے عورت کو مہر کامل ملے گا اور دوسری صورت میں چونکہ اس کی موجودگی میں دوسری عورت سے شادی نیز اس کا **اخراج من البلد** یعنی دونوں شرطیں مفقود ہو گئیں ، اس لئے عورت کی رضامندی نہیں ہوئی اور اسے اب مہر مثل ملے گا جو مہر مسمی سے متجاوز نہ ہو ۔ فتاوی تاتار خانیہ کی عبارت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے ۔

علامہ کاسانی حضرت امام شافعی کا مسلک بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :

و عنده تصح التسمية لانه يجوز اخذ العوض عن الطلاق و القصاص و كذالك اذا تزوجها على ان لا يخرجها من بلدها او على ان لا يتزوج عليها (**بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۷۸**) حضرت امام شافعی کے مسلک کے مطابق مذکورہ شرط ہی کو مہر بنایا جاسکتا ہے ان کے مسلک میں بہ نسبت دیگر ائمہ کے توسع زیادہ ہے ، لہذا مسئولہ شرط بدرجہ اولی صحیح ہوگی جس کا اتمام ضروری ہوگا ۔ علامہ ابن حزم کی رائے کے مطابق یہ شرط فاسد ہے اور نکاح قابل فسخ ہے ۔ (**المحلى لابن حزم ج ۹ ص ۳۹۱**) برخلاف اس کے علامہ ابن تیمیہ سے اس طرح کی شرطوں کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ یہ شرطیں صحیح ہیں عورت کو عدم ایفاء کی صورت میں حق فسخ حاصل ہے جیسا کہ حنابلہ کا مسلک بھی یہی ہے ۔ (**فتاوی ابن تیمیة ج ۳۲ ص ۱۶۲**)

خلاصۂ کلام: ان شرطوں کے لگانے سے صحت نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ان کا ایفاء ضروری ہے عدم ایفاء کی صورت میں احناف کے نزدیک مہر مثل جو مہر مسمی سے زائد نہ ہو لازم ہوگا، حنابلہ و شوافع کے نزدیک حق فسخ حاصل ہوگا نیز امام مالک کے مذہب میں مذاہب الاربعہ میں دئے گئے مالکی مسلک کے مطابق عورت کو حق فسخ حاصل ہوگا۔

(ج) اس طرح کی صورتیں تفویض طلاق کے نام سے فقہاء کے نزدیک موسوم ہیں۔ سوال کردہ تینوں شرطیں صحیح ہیں، مگر پہلی اور دوسری صورت کے صحیح و معتبر ہونے کی ایک ایک شرط ہے جسے **الحیلۃ الناجزۃ** میں **ص ۲۲ تا ۲۶** پر نقل کیا گیا ہے۔ اس کے الفاظ بعینہ درج ذیل ہیں۔

پہلی صورت کی شرط یہ ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت و نسبت موجود ہو مثلاً یہ لکھا جائے کہ اگر میں فلاں بنت فلاں کے ساتھ نکاح کروں اور پھر شرائط مندرجہ اقرار نامہ ہذا سے کسی شرط کے خلاف کروں تو مسماۃ مذکور کو اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا پھر کسی وقت چاہے تو اپنے اوپر طلاق بائن واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہوجائے، اگر اس میں اضافت الی النکاح نہ لکھی گئی تو یہ اقرارنامہ محض بے کار ہوگا اور اس کی رو سے عورت کو کسی قسم کا اختیار نہ ہوگا جیسا کہ **در مختار ج ۲ ص ۷۲** پر مرقوم ہے۔

صورت ثانی کی صحت کی شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو یعنی اولاً خود عورت (یا اس کا ولی یا وکیل یا قاضی نکاح خواں) عقد نکاح کے وقت یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسماۃ فلاں بنت فلاں کو) تیرے نکاح میں اس شرط پر دیدیا کہ اگر تم نے یہ کام کیا یا وہ کام کیا (جتنا شرطیں لگانا مقصود ہوں سب کو ذکر کر دیا جائے) تو اپنے معاملہ کا اختیار میرے (یا مسماۃ موصوف کے) ہاتھ میں ہوگا یعنی شرائط مذکورہ میں سے کسی ایک شرط کی خلاف ورزی پر بھی اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا پھر کسی وقت چاہوں (چاہے) تو اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس نکاح سے الگ کرسکوں گی (یا کر سکے گی) اس کے جواب میں مرد ناکح یوں کہے کہ میں نے قبول کر لیا، اس پر عورت کو اختیار ہوگا کہ جب وہ اپنے اوپر شرائط کے خلاف ظلم و مصیبت کو دیکھے تو اپنے آپ کو طلاق بائن دے کر اس شوہر کے نکاح سے نکل جائے یعنی اس طرح کہدے کہ میں اپنے اوپر طلاق بائن واقع کرتی ہوں۔ قاضی خاں تحریر فرماتے ہیں:

و ان ابتدات المراۃ فقالت زوجت نفسی منک علی انی طالق او علی ان یکون الامر بیدی اطلق نفسی کلما شئت فقال الزوج قبلت جاز النکاح و یقع الطلاق و کان الامر بیدھا، فتاوی قاضی خان ج ۱ ص ۱۵۵) صاحب بحر الرائق کی بھی یہی رائے ہے (**البحر الرائق ج ۳ ص ۳۱۸**)

خلاصہ کلام، اس صورت کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ ایجاب عورت کی طرف سے ہو اور اگر ایجاب مرد کی جانب سے ہوا اور لڑکی والے قبول کے ساتھ تفویض طلاق کی شرط لگادیں تو نکاح بلا کسی شرط کے صحیح ہوجائے گا اور شرط بالکل بے کار ہوجائے گی۔

جب ابتداء عورت کی جانب سے ہوگی تو یہ تفویض بعد النکاح ہوجائے گی کیونکہ جب شوہر نے عورت کے کلام کے بعد قبلت کہا تو گویا یہ جواب متضمن ہوا اس شرط کے اعادہ کو جو سوال میں موجود ہے، پس گویا شوہر نے یوں کہا کہ میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ تو مطلقہ ہے، یا میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ طلاق کا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے، لہذا مفوض بعد النکاح کے قبیل سے ہوگیا۔

دوسری صورت میں جب ابتداء شوہر کی جانب سے ہوگی تو طلاق اور تفویض دونوں قبل النکاح پائی گئیں جو صحیح نہیں۔

تیسری صورت یعنی عقد نکاح کے بعد مابین طرفین کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے یہ شکل بھی جائز ہے۔ مگر جب نکاح ہوچکا اور شرائط نامہ بعد میں تحریر کیا جارہا ہے کہ تو اب اس شرط کا ایفاء شوہر کی رضامندی پر منحصر ہے۔

چونکہ عورتوں میں قوت تحمل کی کمی ہے اس لئے ممکن ہے کہ طلاق کا وقوع تفویض طلاق کی صورت میں بکثرت ہوجائے اس سے بچنے کی ایک تدبیر الحیلۃ الناجزۃ میں ص (۹۴) پر مرقوم ہے کہ:

" شرائط نامہ میں بوقت نکاح عورت یا اس کا ولی یا قاضی اس طرح شرط لگادے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مساۃ فلاں بنت فلاں کو بعوض مہردین مبلغ تمہارے نکاح میں اس شرط پر دے دیا کہ جس وقت تم کو اس سے یا مجھے اس سے شدید تکلیف پہونچے گی جس کو فلاں فلاں اشخاص (اس جگہ مناسب ہے تراضی طرفین کے ساتھ کم از کم دس آدمیوں کے نام متعین کردئے جائیں) تسلیم کرلیں تو اس کے بعد ہر وقت معاملہ اس کے ہاتھ یا میرے ہاتھ میں ہوگا کہ اپنے آپ کو طلاق بائن دے کر اس نکاح سے علحدگی اختیار کرلے یا کرلوں "

شوہر کو تفویض طلاق کے بعد اس سے رجوع کرنے کا حق نہیں ہے کیونکہ اب تو طلاق کی مالک عورت ہوگی (درمختار ج ۲ ص ۷۴)

جبکہ عورت کو اس کے آبائی وطن سے باہر لے جانا اور نہ لے جانا زیادہ وقلت مہر کا باعث بن سکتا ہے، جیسا کہ فقہاء کے اقوال موجود ہیں تو وقوع طلاق و عدم طلاق کی شرط پر مہر میں کمی و زیادتی کو بدرجہ اولی سبب بنایا جاسکتا ہے، اس لئے صاحبین کے مسلک پر فتوی دیا جاسکتا ہے۔

جواب (۲) نکاح صحیح ہے ایفاء کی صورت میں مہر مسمی لازم ہوگا اور عدم ایفاء کی صورت میں مہر مثل (جو

تیس ہزار سے زیادہ اور پندرہ ہزار سے کم نہ ہو) لازم ہوگا ۔ یہی حضرت امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے ، صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں صحیح ہیں اور ہر دو صورت میں مہر مسمی لازم ہوگا ۔ جیسا کہ علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں ۔ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۸۵)

جواب (۳) یہ شرط مقتضاء عقد سے نہیں اس لئے باطل ہوگی اور نکاح صحیح ہوگا ۔ (**کتاب الفقہ علی المذاھب الاربعۃ ج ۴ ص ۸۵**) اس شرط کے ابطال کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عورتوں کی ملازمت سے جو مفاسد پیدا ہورہے ہیں وہ کسی پر مخفی نہیں ایسی عورتیں اپنے کو خود مختار سمجھنے لگتی ہیں ، نیز شوہر کی ماتحتی سے مستثنیٰ اسی کے ساتھ مرد کی قوامیت پر بھی زبردست حرف آتا ہے ، جیسا کہ آئے دن کا مشاہدہ ہے ۔

اشتراط فی النکاح

مولانا ابو سفیان اعظمی ٭

سوال (۱) بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا۔

شوہر کے ذمہ بیوی کا نفقہ واجب ہے، اس پر علماء کرام رحمہم اللہ کا اجماع ہے (**فتح القدیر ج ۲ ص ۱۹۳**) جب کتاب و سنت اور اجماع کی روشنی میں یہ ثابت ہے کہ بیوی کا نفقہ شوہر پر اس کی اپنی حیثیت کے اعتبار سے واجب ہے اور واجب و لازم کرنے والے اللہ رب العزت اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور اجماع بھی ساتھ ہی ہے، تو اب بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا، بلا وجہ ہے جب شریعت نے خود عورت کی رعایت ملحوظ رکھی ہے اور نکاح کے صحیح ہوجانے کے بعد خود نفقہ شوہر کے ذمہ لازم ہوجاتا ہے تو اس کی یہ شرط بے معنی ہے۔

(**۲**) شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان و نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا۔

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ولو امتنع عن الانفاق علیها مع الیسر لم یفرق و یبیع الحاکم ماله و یصرفه فی نفقتها فان لم یجد ماله یحبسه حتی ینفق علیها و لا یفسخ (فتح القدیر ج ۲ ص ۲۰۲ و کذا فی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۲ و کذا فی العینی ثم الهدایة ج ۲ ص ۳۷۲)

یعنی اگر شوہر مالدار ہوتے ہوئے اور قدرت کے باوجود اپنی بیوی کے نفقہ سے انکار کرے تو دونوں میں

٭ استاذ حدیث مفتاح العلوم مئو یوپی

تفریق نہیں کی جائے گی اور حاکم شوہر کے مال کو بیچ کر اس کی بیوی کے نفقہ میں خرچ کرے گا اگر حاکم مال نہ پاسکے تو شوہر کو قید کردے گا حتی کہ وہ بیوی کا نفقہ دے اور نکاح فسخ نہ ہوگا۔

اس سے ثابت ہوا کہ شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان و نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا یہ شرط فاسد ہے، لہذا اس شرط کے لگانے سے نفقہ نہیں ہوگا، کیونکہ اللہ رب العزت اور سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق یہ بیوی کا شوہر پر لازمی حق ہے تو شریعت کے لازم کردہ حق کے سلسلہ میں بندہ کو یہ حق نہیں ہے کہ یہ کہدے کہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا، بلکہ نفقہ کا معاملہ تو ایسا ہے کہ نکاح کے صحیح ہوجانے کے بعد ہی شوہر کے ذمہ واجب ہوجاتا ہے، گو کہ بیوی ابھی شوہر کے گھر رخصت ہوکر نہ آئی ہو، کیونکہ رخصتی کرانے کی ذمہ داری شوہر پر ہے تو اگر شوہر رخصتی کرا کر نہ لاوے تو شوہر قصور وار ہے نہ کہ بیوی، تو شوہر کے قصور سے بیوی کا حق نفقہ کیونکر ساقط ہوگا؟ چنانچہ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے تصریح کی ہے (دیکھئے **عنایۃ علی ھامش الفتح ج ۳ ص ۱۹۳۔ کذا فی رد المحتار ج ۲ ص ۲۲۲ و فی الدر۔ وبہ یفتی و اقرہ الشامی فی رد المحتار ج ۲ ص ۲۲۲ و کذا فی الکفایۃ فی ذیل الفتح ج ۳ ص ۱۹۳**)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ نکاح صحیح ہوجانے کے بعد سے ہی شوہر کے ذمہ عورت کا نفقہ واجب ہوجاتا ہے تو اب شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان و نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا، شرط فاسد ہے، اس شرط کے لگانے سے عورت کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا اور نہ ہو ہی سکتا ہے، بلکہ اس کے ذمہ واجب و لازم رہے گا۔ واللہ اعلم اور عقد نکاح منعقد ہوجائے گا اور منعقد ہونے کے بعد یہ شرط ساقط و غیر معتبر ہوگی بلکہ عورت کو نان و نفقہ دینا ضروری رہے گا۔

(۳) عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا۔

اللہ رب العزت نے مرد کو چار شادیوں کی اجازت دی ہے چنانچہ ارشاد ہے **فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی و ثلاث و رباع (النساء)** پس شادی کرو ان عورتوں سے جو حلال ہوں اور تمہیں پسند ہوں دو دو، تین تین، چار چار۔

غرض یہ ہے کہ مرد کے لئے ایک عورت سے زائد چار عورتوں تک نکاح کرنا یہ شریعت کی اجازت و رخصت ہے، اس میں مرد مختار ہے اپنا حال بہتر جانتا ہے تو جس میں خیر ہو وہ پہلو اختیار کرسکتا ہے، لہذا ایک عورت کی موجودگی میں دوسری عورت سے نکاح کے لئے پہلی بیوی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے، اس کی

اجازت کے بغیر دوسری شادی کرسکتا ہے ۔

چنانچہ فتاوی دارالعلوم میں ہے، یہ قول صحیح نہیں ہے کہ بدون اجازت پہلی بیوی کے دوسرا نکاح صحیح نہ ہوگا، بلکہ دوسرا نکاح درست ہے، پہلی زوجہ کے انکار کی وجہ سے اور راضی نہ ہونے سے دوسرا نکاح ناجائز نہیں ہے، البتہ دوسرے نکاح کے بعد یہ ضرور ہے کہ دو زوجہ کے حقوق پورے پورے ادا کرے اور برابری اور عدل کرے (ج ۷ ص ۵۱)

اس لئے عورت کا یہ شرط لگانا کہ اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا، لازم نہیں ہے اور اس سے عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ واللہ اعلم

(الف) عورت کا یہ شرط لگانا کہ اس کو اس کے آبائی وطن میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا؟۔

نفقہ کی طرح شوہر کے ذمہ اپنی عورت کے لئے سکنیٰ اور مکان و گھر دینا بھی واجب ہے، اس سلسلے میں شوہر کو اختیار ہے کہ جہاں چاہے رکھے اپنے آبائی وطن میں ہی رکھے یا سسرال یعنی عورت کے آبائی وطن میں رکھے یا ان کے سوا جہاں رکھنا مناسب سمجھے رکھ سکتا ہے، اس سلسلے میں ارشاد ربانی ہے " **لا تخرجوهن من بيوتهن** " (**الطلاق**) یعنی نہ نکالو ان کو ان کے گھروں سے، اس میں لفظ بیوتھن میں مکانات کو ان عورتوں کے بیوت فرما کر اس طرف اشارہ کیا کہ جب تک ان کا حق سکونت مرد کے ذمہ ہے، اس گھر میں اس کا حق ہے، اس میں سکونت کو بحال رکھنا کوئی احسان نہیں بلکہ ادا، واجب ہے۔ بیوی کے حقوق میں سے ایک حق سکنیٰ بھی ہے، اس آیت نے بتلادیا کہ یہ حق صرف طلاق دے دینے سے ختم نہیں ہوجاتا، بلکہ ایام عدت تک عورت کو اسی جگہ رہنے کا استحقاق ہے، اور ان کا گھر سے نکال دینا قبل اتمام عدت کے ظلم و حرام ہے، اسی طرح خود ان کے لئے باختیار خود ان گھروں سے نکل جانا بھی حرام ہے، اگرچہ شوہر بھی اس کی اجازت دیدے، کیونکہ ایام عدت اسی مکان میں گزارنا شوہر ہی کا حق نہیں بلکہ حق اللہ بھی ہے جو من جانب اللہ معتدہ پر لازم ہے (**معارف القرآن ج ۸ ص ۱۵۲**)

فقہاء کرام رضی اللہ عنہم نے بھی تصریح کی ہے (دیکھئے **وقاية ج ۲ ص ۱۳۹**) **تجب هي و الكسوة و السكنى على الزوج** یعنی روٹی، کپڑا اور مکان بیوی کے لئے شوہر کے ذمہ واجب ہے اور اس کا لازمی حق ہے۔ (دیکھئے **هداية ج ۲ ص ۲۱۷۔ عناية ج ۲ ص ۱۹۳**)۔ نکاح صحیح ہوجانے کے بعد شوہر کا اپنی عورت کی رخصتی کرانا شوہر کا حق ہے تو جب رخصتی کرانا شوہر کا حق ہوا تو رخصتی کرا کر جہاں مناسب سمجھے رکھ

سکتا ہے۔

(دیکھئے در مختار ج ۲ ص ۲۷۲) "**وکذا تجب لھا السکنی فی بیت خال من اھلہ و اھلھا**" یعنی شوہر پر عورت کے لئے واجب ہے اس کو رکھنا ایسے گھر میں جو شوہر اور عورت دونوں کے لوگوں سے خالی ہو۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا گھر دینا واجب ہے جس میں نہ شوہر کے لوگوں کی شرکت ہو اور نہ عورت کے لوگوں کی بلکہ وہ گھر عورت ہی کے لئے مخصوص ہو۔ علامہ شامی لکھتے ہیں۔

قالوا للزوج ان یسکن حیث احب و لکن بین جیران صالحین۔ مشائخ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ شوہر کے لئے جائز ہے کہ اپنی بیوی کو جہاں چاہے رکھے لیکن صالح پڑوسیوں کے درمیان رکھنا بہتر ہے (رد المحتار ج ۲ ص ۲۷۳)

علامہ شامی رحمہ اللہ نے بات بالکل صاف کردی کہ شوہر جہاں چاہے اپنی بیوی کو رکھ سکتا ہے۔ پس نکاح صحیح ہوجانے کے بعد شوہر جہاں بھی مناسب سمجھے اپنی بیوی کو رکھ سکتا ہے۔ لہذا عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد بیوی کو اس کے آبائی وطن میں ہی رکھے گا۔ وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا۔ شرط فاسد ہے۔ لازم الایفاء نہیں ہے۔ اس شرط کے پورا نہ کرنے سے عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ واللہ اعلم

عقد نکاح کے وقت عورت کا شرط لگانا کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا الخ؟

(۱) عقد نکاح کے وقت عورت کا یہ شرط لگانا کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا۔ یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا۔ اور شوہر اس شرط کو تسلیم کرتا ہے۔

عقد نکاح سے پہلے یہ شرائط طے ہوگئی ہوں اور اس تحریر پر طرفین کے دستخط ہوجائیں تو شرعا اس شرط کی حیثیت یہ ہے کہ درست ہے۔ اس کی وجہ سے عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا۔ (دیکھئے در مختار ج ۲ ص ۲۸۵) **نکحھا علی ان امرھا بیدھا صح** " یعنی مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اس عورت کی طرف سے اس شرط پر کہ طلاق واقع کرنے کا حق اس کے قبضہ میں رہے گا تو نکاح درست ہے۔

اس کی شرح میں علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ج ۲ ص ۲۸۵) **مقید بما اذا ابتدات المراۃ فقالت زوجت نفسی منک علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید او علی انی طالق فقال الزوج قبلت** "

یعنی مسئلہ اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ عورت ابتدا کرے کہ میں نے اپنی شادی آپ سے کرادی اس شرط پر کہ مجھ کو طلاق واقع کرنے کا حق میرے قبضہ میں ہوگا، میں جب جب چاہوں گی اپنے کو طلاق دے دوں گی۔ یا اس

شرط پر کہ میں مطلقہ ہوجاؤں گی اور شوہر نے عورت کی اس شرط کو منظور اور قبول کرلیا تو نکاح صحیح ہے اور اس کی وجہ سے عورت کو طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا۔

خلاصہ یہ ہے کہ عقد کے وقت عورت کا شرط لگانا کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا اور اس تحریر پر طرفین کے دستخط ہوجائیں تو شرعاً درست ہے۔

نکاح میں شرط کی تین صورتیں

آج سے بہت پہلے ہی حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے ان مسائل کو اپنی کتاب " **الحیلة الناجزة** " میں حل کردیا ہے، یہاں ان کو نقل کیا جاتا ہے جو بلاشبہ کافی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس کی تینوں صورتیں جائز ہیں: (۱) چاہے نکاح سے پیشتر لکھوایا جائے۔ (۲) چاہے عین وقت عقد زبان سے کہلوایا جائے۔ (۳) چاہے بعد میں لکھوایا جائے۔ مگر پہلی اور دوسری صورت کے صحیح و معتبر ہونے کے لئے ایک ایک شرط ہے۔ پہلی صورت میں شرط ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت ہو اور نسبت موجود ہو مثلاً یہ لکھا جائے کہ اگر میں فلاں بنت فلاں کے ساتھ نکاح کروں اور پھر شرائط مندرجہ اقرار نامہ ہذا میں سے کسی شرط کے خلاف کروں تو مساۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا پھر کسی وقت چاہے تو اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کرکے اس نکاح سے الگ ہوجائے۔ اگر اس میں اضافت الی النکاح نہیں لکھی گئی تو یہ اقرار نامہ محض بے کار ہوگا۔ اس کے رو سے عورت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہ ہوگا۔

دوسری صورت، عین ایجاب و قبول ہی میں زبانی شرائط مذکور ہوں، اس میں صحیح و معتبر ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو یعنی اولاً عورت کہے یا اس کا ولی یا وکیل۔

اور اگر ایسا نہ کہا گیا بلکہ ابتداء کلام (ایجاب) مرد کی جانب سے ہو اور لڑکی والے قبول کے ساتھ تفویض طلاق کی شرط لگادیں تو نکاح بلا کسی شرط کے صحیح ہوجائے گا اور شرط بالکل بے کار ہوجائے گی دیکھئے

(شامی ج ۲ ص ۶۹۲، عالمگیر ج ۷ ص ۲۷۳)۔

اور اگر ایجاب عورت ہی کی طرف سے ہو مگر شرط تفویض ذکر نہ کی گئی اور مرد نے قبول میں شرط تفویض کا اضافہ کردیا تب بھی تفویض صحیح ہوگئی لیکن چونکہ اس صورت میں صرف مرد کو اختیار ہے، خواہ وہ شرط بڑھائے یا نہ بڑھائے، عورت کی جانب سے جب ایجاب بلاشرط کے ہوچکا تو اس کے ہاتھ سے بات نکل چکی اس لئے جس عورت کا مقصد یہ ہو کہ اس کو طلاق لینے کا اختیار مل جاوے اس کے واسطے یہ صورت کافی نہیں بلکہ ایجاب میں

شرط لگانا ضروری ہے تاکہ مرد کو بلا شرط قبول کرنے کا حق ہی نہ رہے۔ (ص از **الحیلۃ الناجزۃ ص ۳۳ تا ۳۸**)

تفویض میں کچھ قیدیں بڑھانا:

چونکہ فطرتاً عورت ناقص العقل ہے اور صحیح الرائے قائم کرنے سے قاصر ہے۔ بنابریں تفویض طلاق کے نتیجہ ہونے کو بخوشی گوارا کرلیتا ہے اور ہدایت پر گمراہی کو ترجیح دیتا ہے، ایک شئی جائز کے بے جا استعمال کی نحوست کا نتیجہ ہے، جس کا مشاہدہ ہمارے معاشرہ میں بکثرت ہے۔

بنا بریں ایک مجلس میں تین طلاق دینا جو غیر مشروع ہے اور حرام ہے۔ گو تینوں طلاق واقع ہو جائے گی باجماع امت، اس فعل حرام کا بکثرت اقدام ہورہا ہے۔ لہذا طلاق کے غلط استعمال کو سیاسۃً اور سدا لباب **الفتنۃ** روکنے کے لئے اگر عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کی جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار روپئے اور اگر طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار روپئے ہوگا تو اس طرح مہر طے کرنا جائز ہوگا اور دونوں صورتوں میں متعین مہر ادا کرنا لازم ہوگا تاکہ ایک مجلس کی تین طلاق دینے کی کثرت کا حرام وغیرہ مشروع اقدام کا سد باب ہوسکے اور طلاق کے ساتھ تلاعب اور مذاق کے سلسلہ کا خاتمہ ہوسکے۔

اور اس غلط اقدام کی کثرت کو روکنے کے لئے صاحبین کے قول کو فتوی کے لئے اختیار کیا جاسکتا ہے۔

جیسا کہ اگر کسی نے اس شرط پر نکاح کیا کہ اگر عورت بدصورت ہوگی تو مہر ایک ہزار اور اگر خوبصورت ہوگی تو دو ہزار تو یہ دونوں شرطیں صحیح ہیں بالاتفاق ہمارے ائمہ ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے اور دونوں صورتوں میں متعین مہر باعتبار شرط شوہر کے ذمہ لازم ہوگا (دیکھئے **درمختار ج ۲ ص ۳۲۶۔ لو تزوجها علی الف ان کانت قبیحۃ وعلی الفین ان کانت جمیلۃ فانه یصح الشرطان اتفاقا فی الاصح**)

لیکن یہ یاد رہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینا بیک زبان گو حرام ہے مگر تینوں طلاق ہوجائیں گی اور عورت حرام ہوجائے گی اور بدون حلالہ شوہر اول کے پاس نکاح کر کے نہیں آسکتی۔

سوال ۷۔ نکاح کرتے وقت اس طرح مہر طے کرنا کہ اگر شوہر نے پہلی بیوی کے ہوتے ہوئے دوسری سے نکاح کرے گا تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا ورنہ پندرہ ہزار۔ تو ایسی صورت میں اگر شوہر شرط پوری کرے یعنی دوسری شادی نہ کرے تو مہر میں پندرہ ہزار دینا لازم ہوگا اور اگر شرط پوری نہ کی یعنی دوسری سے شادی کرلی تو بیس ہزار مہر دینے کی شرط معتبر و لازم العمل نہ ہوگی بلکہ ایسی صورت میں مہر مثل دینا لازم ہوگا۔

میں مصالح شرع کے ضائع ہونے کا خطرہ غالب ہے ، خصوصا موجودہ دور میں عورتیں بہت نڈر ہوتی جارہی ہیں اور بے پردہ چلنا پھرنا عام ہوتا جارہا ہے وہ مرد کو بنظر شہوت دیکھتی ہیں اور دکھاتی بھی ہیں اور مردوں کی طرف خود مائل بھی ہوتی ہیں اور مردوں کو مائل بھی کرتی ہیں، جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے " **مائلات ممیلات** " تفویض کے تیجہ میں موجودہ شوہر سے رشتہ زوجیت کو ختم کر کے وہ خود ہی مردوں کا انتخاب کرتی پھریں گی ۔ الغرض ان کو کہیں تشفی نہ ہوگی ان کا رشتہ زوجیت کہیں بھی دائم اور باقی نہیں رہ پائے گا ان پر " نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم " صادق آئے گا ۔

لہذا ان حالات کے پیش نظر اس تفویض مطلق کے ساتھ مزید احتیاط کے لئے کچھ قیدیں بڑھائی جاسکتی ہیں ، مثلا شوہر ظالم ہو یا نان و نفقہ بلا وجہ ادا نہیں کرتا نہ کپڑے کا نظم رکھتا ہے نہ مکان و گھر کا ، جو شوہر پر فرض ہے اور عورت قاضی کے دربار میں دعوی کرے ،قاضی دونوں کو طلب کر کے اگر عورت کا دعوی ثابت ہوجائے تو اس عورت کو حق تفویض سے کام لینے کی اجازت دیدے گا ۔

لیکن یہ قیدیں مفید مقصد ہوں اور بے جا تصرف کا سد باب کرنے والی ہوں ورنہ تو پھر عورتیں شتر بے مہار کی طرح آزاد ہوکر حاکم مطلق ہوکر کبھی بھی یہ کسی شوہر کو خاطر میں نہیں لاسکتیں ، اور ان قیدوں کا اضافہ سیاستہً اور سدا للباب ہونا چاہئے ۔

طلاق اصلاً حلال ہوتے ہوئے اللہ رب العزت کے نزدیک مبغوض و ناپسندیدہ چیز ہے ، جیسا کہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے " **ابغض الحلال الی اللہ الطلاق** " **(رواہ ابو داؤد)** لیکن چونکہ اصلاً حلال ہے ، بنابریں شریعت نے ناگزیر حالات میں اس کے استعمال کی اجازت مرحمت فرمائی ہے ، چنانچہ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے ، " **یایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن لعدتھن** " اے نبی علیہ السلام جب تم طلاق دو عورتوں کو تو دو ان کو طلاق کی عدت پر ۔

لیکن طلاق کے بے جا استعمال سے معاشرہ میں بڑی خرابیاں پیدا ہورہی ہیں یہاں تک کہ بعد میں شرمندگی آنے پر سوائے حلالہ کے کوئی صورت نظر نہیں آتی ، تو نفس کے واسطے راہ حق سے ہٹ کر زناکاری میں مبتلا

سوال ۳ ۔ عورت کی ملازمت اور شوہر کا اس کو اس سے منع کرنا ۔

عورت کے نکاح کے وقت اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگانا کہ شوہر انہیں لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا یا اگر آئندہ انہیں کوئی مناسب ملازمت ملے تو شوہر انہیں ملازمت کرنے سے نہیں روکے گا اور اس شرط کو عقد کے وقت شوہر قبول کرتا ہے ، چونکہ شرعا روٹی کپڑا اور مکان دینے کی ذمہ داری شوہر کے ذمہ ہے اور

فرض و لازم ہے ۔ اس ذمہ داری کی ادائیگی سے نہ تو سبکدوش ہوسکتا ہے اور نہ انکار کرسکتا ہے ۔ اگر شوہر محتاج و غریب ہے تب قاضی عورت سے کہے گا کہ شوہر کے نام پر قرض لو اور اس قرض کے ادا کرنے کی ذمہ داری شوہر کے سر ہوگی ۔ اور اگر بالفرض یہ صورت بھی ممکن نہ ہو تو قاضی بین الزوجین تفریق کرسکتا ہے اور دوسرے مرد سے اس کی شادی کراسکتا ہے اور یہ صورت ناممکن ہے کہ کوئی مرد قادر علی النفقہ مل ہی نہیں سکتا ۔ لہذا عدم قدرت کا مطلقا وہم نہ ہونا چاہئے ۔

تو جب صورت یہ ہے تو شوہر عورت کو ملازمت سے روک سکتا ہے تو عورت کا یہ شرط لگانا فاسد ہے اور شوہر کا عقد نکاح کے وقت شرط کو قبول کرنے کے باوجود بھی منع کرسکتا ہے ۔ شرعا اس شرط کی حیثیت لزوم کی نہیں ہے ۔ لہذا شوہر کے لئے اس شرط کی پابندی ضروری نہیں ۔ اور اگر شوہر نے اس شرط کو قبول کرلیا ہو تب بھی عورت کو سلسلہ ملازمت کے ختم کرنے کا حکم دے سکتا ہے اور ملازمت سے روک سکتا ہے اور عورت کے لئے شوہر کے اس حکم کی تعمیل ضروری ہوگی ۔ (دیکھئے ردالمحتار ج ۲ ص ۷۲۲) علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

" من البحر ان له منعها من الغزل و كل عمل و لوقابلة و مغسلة ... و انت خبير بانه اذا كان له منعها من ذالك فعصته و خرجت بلا اذنه كانت ناشزة مادامت خارجة و ان لم يمنعها لم تكن ناشزة "

یعنی شوہر کے لئے جائز ہے کہ بیوی کو دھاگا بٹنے سے اور ہر کام سے روکدے اگر دایہ گیری اور میت کو غسل دینے کا کام کرتی ہو تو اس سے بھی روک سکتا ہے ۔ اس کے بعد علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تم جانتے ہو اور باخبر ہو کہ جب شوہر کے لئے اپنی بیوی کو ان سب چیزوں سے روک دینا جائز ہے تو اگر شوہر کے روکنے کے باوجود شوہر کی نافرمانی کرے اور بغیر شوہر کی اجازت کے نکل کر چلی جائے تو وہ عورت ناشزہ و نافرمان ہوگی جب تک باہر رہے اور اگر شوہر روکا نہیں ہے تو ناشزہ نہ ہوگی ۔

معلوم ہوا کہ شوہر بیوی کو ہر کام کرنے سے روک سکتا ہے ۔ لہذا ملازمت سے بھی روک سکتا ہے ۔ اگر منع کرنے سے مانع نہیں تو ناشزہ ہوکر شوہر کے ذمہ سے اس کا نفقہ ساقط ہوجائے گا ۔ (دیکھئے درمختار ج ۲ ص ۵۷۲)

" وفى البحر منعها من الغزل و كل عمل و لو تبرعا لاجنبى و لوقابلة و مغسلة لتقدم حقه على فرض الكفاية و من مجلس العلم الا لنازلة امتنع زوجها من سؤالها "

یعنی صاحب بحر علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شوہر کے لئے جائز ہے کہ اپنی بیوی کو دھاگا بٹنے اور ہر

کام کرنے سے روک دے اگرچہ اجنبی کے لئے وہ کام بطور تبرع واحسان ہو، اگرچہ دایہ گیری اور میت کو غسل دینے کا کام ہو۔ کیونکہ شوہر کا حق فرض کفایہ پر مقدم ہے اور علم کی مجالس میں مسائل معلوم کرنے کے لئے جانے سے بھی شوہر بیوی کو روک سکتا ہے اس شرط سے کہ وضو و نماز کے مسائل کو یاد رکھتا ہو اور جانتا ہو تو شوہر سے وہ مسائل معلوم کر کے عمل کر سکتی ہے اور اس کے لئے جانا علم کی مجالس میں بلاوجہ و بغیر ضرورت ہے، لہذا شوہر اس کو روکنے کا حق رکھتا ہے، اور اگر شوہر کو علم نہ ہو تو اولی یہ ہے کہ کبھی کبھی حسب ضرورت عورت کو علم کی مجالس میں مسائل معلوم کرنے کے لئے اجازت دے دیگا، عام و مطلق اجازت نہیں دے گا، جیسا کہ علامہ شامی نے اس کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

فان لم تقع لها نازلة و ارادت الخروج لتتعلم مسائل الوضوء و الصلوة ان كان الزوج يحفظ ذالک و يعلمها له منعها و الا فالاولى ان ياذن لها احيانا ج ۲ ص ۲۲۵

یاد رہے علامہ شامی رحمہ اللہ نے شوہر کے عالم نہ ہونے کی صورت میں علم کی مجلس میں جانے کی اجازت دینے کی جو بات کہی ہے، وہ اولی کے لفظ سے تعبیر فرمایا گیا جس کا حاصل یہ ہے کہ اس صورت میں بھی منع کرنا چاہے تو منع کر سکتا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ یہ اجازت کبھی کبھی ہوگی عام اور مطلق نہ ہوگی، کہ ہر وقت مسئلہ معلوم کرنا ایک حیلہ غلط بن جائے گا کیونکہ شوہر خود معلوم کر سکتا ہے اور پھر بتا سکتا ہے، ہاں اگر عورت کو کوئی حادثہ پیش آگیا جس کے بارے میں عالم دین سے معلوم کرنا ضروری ہے اور شوہر اس کے پوچھنے سے انکار کرے تو اس صورت میں عورت کو جانے سے نہیں روکے گا۔

دیکھئے **رد المحتار ج ۲ ص ۲۲۵**

علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

" بل له ان يمنعها من الاعمال كلها المقتضية للكسب لانها مستغنية عنه لوجوب كفايتها عليه "

یعنی بلکہ شوہر کے لئے جائز ہے کہ اپنی بیوی کو ان تمام کاموں سے منع کر دے جو کمائی کرنے کے لئے اختیار کئے جاتے ہیں، کیونکہ بیوی کمائی کرنے سے بے نیاز ہے، کیونکہ شوہر پر بیوی کی کفایت واجب و لازم ہے شریعت نے عورت کے نان و نفقہ، کپڑا اور مکان دینے کو شوہر کے ذمہ فرض کیا ہے۔

الغرض ملازمت بھی کمائی کرنے ہی کے لئے ہوتی ہے اور ذریعہ معاش بنتی ہے، لہذا اس ملازمت کرنے سے بھی عورت کو منع کر سکتا ہے، آگے لکھتے ہیں۔

" والذی ینبغی تحریر ان یکون له منعها من کل عمل یؤدی الی تنقیص حقه او ضرره او الی خروجها من بیته . اما العمل الذی لا ضرر له فیه فلا وجه لمنعها منه خصوصا فی حال غیبته من بیته فان ترک المراة بلا عمل فی بیتها یؤدی الی وساوس النفس و الشیطان او الاشتغال بما لا یعنی من الاجانب و الجیران ."

اور جس کا لکھنا مناسب ہے کہ شوہر کے لئے جائز ہے کہ اپنی بیوی کو روک دے اور ایسے کام کرنے سے جس سے شوہر کے حق کا کم کرنا (مثلاً خدمت اور جماع اور اس کے دواعی و اسباب) یا شوہر کو ضرر (مثلاً شوہر پر غلبۂ شہوت اتنا شدید ہوا کہ عورت سے جماع نہ کرنے میں زنا میں مبتلا ہوجانے کا خطرہ) یا عورت کا شوہر کے گھر سے نکلنا لازم آتا ہے ۔

الغرض ملازمت کرنے میں تنقیص حق زوج اور ضرر بھی ہے اگر گھر سے نکلنا بھی ہے اور گھر سے نکلنا روز روشن کی طرح واضح ہے ۔ لہذا بیوی کو ملازمت کرنے سے روک سکتا ہے ۔ لہذا عورت عقد کے وقت ملازمت کی جو شرط لگائے وہ فاسد ہوگی، شوہر پر اس کی پابندی ضروری نہیں اور اگر عورت کی ملازمت کرنے کی شرط شوہر نے قبول کرلیا ہو تب بھی روک سکتا ہے اور عورت کو شوہر کے اس حکم کی تعمیل ضروری ہوگی ۔

علامہ شامی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں : اور وہ کام یا عمل جس میں شوہر کا کچھ بھی ضرر نقصان نہیں ہے تو شوہر کا اپنی بیوی کو ایسے کام سے روکنا بلاوجہ ہے خصوصاً شوہر گھر پر نہ ہو سفر میں گیا ہوا ہو (مراد اس طرح کے کام سے ، مثلاً گھریلو کام کاج جیسے گھر میں سلائی مشین یا پاور لوم ہو تو کپڑوں کی سلائی کرنا اور لوم چلانا وغیرہ) کیونکہ عورت کو اس کے گھر میں بلاکام کے چھوڑے رکھنا نفس اور شیطان کے وسوسے کی دعوت دیتا ہے کہ بے کار بیٹھی ہوئی نفسانی اور شیطانی خیالات کے سمندر میں غوطہ لگاتی رہے گی جس سے اس کی صحت متاثر ہوگی، اور بے کار بیٹھک ہوجائے گی اور کام سے کاہل ہوجائے گی ، یا اجنبیوں اور پڑوسیوں کے ساتھ لایعنی اور واہیات قصہ کہانیوں میں مشغول ہوکر اپنے کو بالکل معطل کردے گی جیسا کہ یہی مشاہدہ ہے لہذا عورت خود سے اندرون خانہ کام کاج کرتی ہے تو کرنے دینا چاہئے ۔ چھڑانا نہیں چاہئے کہ اس میں اس کے لئے ضرر ہے ۔

واللہ اعلم ۔

اشتراط فی النکاح

مفتی محمد جنید عالم ندوی قاسمی ٭

نکاح عبادت اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے، جس کا سلسلہ حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام سے جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔ بلکہ انشاء اللہ تعالی جنت میں بھی یہ سلسلہ جاری ہوگا ...... یہ مرد اور عورت کے درمیان انجام پانے والا قابل احترام عقد ہے۔ جس سے عائلی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ نکاح کے نتیجہ میں میاں بیوی دونوں پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور دونوں کو کچھ حقوق حاصل ہوتے ہیں، ان حقوق کی حفاظت میاں بیوی دونوں کے درمیان الفت و محبت پیدا ہونے اور اس رشتہ کو مستحکم و پائیدار بنانے کے لئے شریعت نے کچھ شرطیں عائد کی ہیں، جن کی رعایت کئے بغیر عائلی حقوق کا مکمل تحفظ نہ ہوسکے گا۔

اس سلسلہ میں اسلامک فقہ اکیڈمی کی طرف سے "اشتراط فی النکاح" کے عنوان سے سوالنامہ آیا ہے۔ جو قابل قدر ہے۔

شرط صحیح کی تعریف

شرط صحیح جمہور علماء و فقہاء کے نزدیک وہ شرط ہے جو مقتضاء عقد کا جزء ہو مثلاً ایسے مکان کی شرط لگائی جائے جو میاں بیوی دونوں کے لائق ہو۔ یا مقتضاء عقد کے لئے مؤکد ہو جیسے مہر کے لئے کفیل کی شرط لگادی جائے

٭ مفتی امارت شرعیہ، پھلواری شریف پٹنہ، بہار

کہ مہر کی ادائیگی کی ذمہ داری مثلاً لڑکے کے والد لے لیں، یا فلاں شخص اس کا ذمہ دار بن جائے ۔ یا اس کی ادائیگی کے وجوب پر کوئی دلیل یعنی کوئی نص یا عرف موجود ہو، مثلاً عورت یہ شرط لگادے کہ مہر کا کچھ جزو شوہر فوراً ادا کرے ۔ یہ سب شرط صحیح ہیں۔

گویا کہ چار چیزیں عقد صحیح کے تحت آتی ہیں۔

(الف) مقتضاء عقد کا جزء

(ب) مقتضاء عقد کے لئے مؤکد ہو۔

(ج) اس کے جواز پر کوئی نص ہو۔

(د) اس کی ادائیگی کے وجوب پر عرف ہو۔

الاحوال الشخصية للامام محمد ابو زهرة میں شروط صحیحہ کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے ۔

" القسم الثالث: الشروط الصحيحة . وهى عند الجمهور الشروط التى تكون جزءاً من العقد كاشتراط مسكن يليق بها وبه . او تكون مؤكدة لمقتضى العقد كاشتراط كفيل بالمهر او يقوم الدليل على وجوب الوفاء به من نص او عرف كاشتراط تعجيل جزء من المهر " (الاحوال الشخصية ١٥٩)

شرط فاسد کی تعریف

شروط صحیحہ کے خلاف جو شرط ہے وہ شرط فاسد ہے ۔ یعنی ایسی شرط جو نہ تو مقتضیات عقد میں سے ہے، نہ مقتضاء عقد کے لئے مؤکد ہے اور نہ ہی اس کی ادائیگی کے وجوب پر کوئی دلیل قائم ہے ۔ وہ شرط فاسد ہے ۔ جمہور فقہاء اور علماء کے نزدیک شرط فاسد کی یہی تعریف کی گئی ہے ۔

و القسم الثانى: قسم يلغى فيه الشرط . و يصح النكاح . وهو عند جمهور الفقهاء كل شرط لايكون من مقتضى العقد . و لا مؤكدا لمقتضاه و لم يقم دليل من الشارع على وجوب الوفاء به من نص او اثر او عرف مشهور فكل شرط لا يكون كذلك و لا يكون مؤقتا للصيغة يكون لاغيا يبطل و لا يؤثر فى صحة العقد.

هذا مسلك جمهور الفقهاء فى تعريف الشرط الفاسد الذى يلغى و لا يوثر فى العقد (حوالہ مذکور ١٥٨)

علامہ ابن الہمام شرح فتح القدیر میں شرط فاسد کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

" **هو اشتراط ماليس مقتضى العقد**۔ یعنی ایسی چیز کی شرط لگانا جو عقد کا مقتضا نہ ہو شرط فاسد ہے (**شرح فتح القدير۔ فصل في المحرمات ج ۳ ص ۲۵۰**)

شرط فاسد کی تعریف یہ بھی کی جاتی ہے کہ ایسی شرط جس کے نتیجہ میں امر مشروع سے ممانعت ہوتی ہو شرط فاسد ہے۔ مثلاً بیوی کو اپنے ساتھ سفر میں لے جانا یا کسی دوسری عورت سے نکاح کرنا امر مشروع ہے۔ اگر بوقت نکاح یہ شرط لگادی جائے کہ شوہر بیوی کو سفر میں نہیں لے جائے گا۔ یا دوسری عورت سے شادی نہیں کرے گا تو یہ شرط فاسد ہے۔ بنایہ میں ہے۔

" **و ان كان شرط عدم المسافرة او عدم التزوج فهو فاسد لان فيه المنع عن الامر المشروع (بناية مع الفتح ج ۲ ص ۷۷۲)**

کوئی ایسی شرط لگانا جس سے تحلیل حرام یا تحریم حلال لازم آئے شرط فاسد و باطل ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے۔ مسلمانوں کے درمیان صلح جائز ہے، البتہ ایسی صلح جائز نہیں ہے جس میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دیا جائے۔

" **الصلح جائز بين المسلمين زاد احمد الا صلحا حرم حلالا او احل حراما** "

بذل المجہود میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے تحریم حلال کی مثال یہ دی ہے کہ عورت شوہر سے یہ مصالحت کرے کہ وہ اس کو طلاق نہیں دے گا، یا اس کی زوجیت میں رہتے ہوئے دوسری عورت سے نکاح نہیں کرے گا یا اس کی سوکن کے پاس رات نہیں گزارے گا۔۔۔ اور تحلیل حرام کی مثال یہ دی ہے کہ ایسی باندی سے وطی کی مصالحت ہو جس سے وطی حلال نہیں ہے یا کسی کے مال کھانے پر مصالحت ہو جو اس کے لئے حلال نہیں ہے۔ اس طرح کی صلح اور اس طرح کی شرط شرعاً باطل ہے۔

و الصلح الذي يحرم الحلال كمصالحة الزوجة للزوج على ان لا يطلقها او لا يتزوج عليها او لا يبيت عند ضرتها ... والذي يحلل الحرام كان يصالحه على وطي امة لا يحل له وطؤها اوْ اكل مال لا يحل له او نحو ذلك (بذل المجهود ۱۵۔ ۲ ج ۲)

اسی طرح کوئی ایسی شرط لگانا جو مقتضیات عقد نکاح کے خلاف ہو شرط فاسد ہے۔ مثلاً یہ شرط لگادی جائے کہ کسی کو بھی ایک دوسرے سے انتفاع کا حق نہیں ہوگا۔ یا ان دونوں کے درمیان وراثت جاری نہیں ہوگی۔ یا بیوی کا مہر واجب نہیں ہوگا، یا بیوی شوہر کو مکان دے یا کچھ روپے دے، یا نکاح کسی متعین مدت کے لئے ہو۔ اس

طرح کی شرطیں مقتضیات عقد کے خلاف ہونے کی وجہ سے فاسد ہیں۔ صاحب ہدایہ نے جہاں پر نکاح مؤقت کا حکم بیان کرتے ہوئے امام زفرؒ کا قول صحت نکاح کا نقل کیا ہے۔ وہیں پر صاحب عنایہ نے امام زفرؒ کے قول کی وجہ ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

لان التوقيت شرط فاسد لكونه مخالفا لمقتضى عقد النكاح و النكاح لا يبطل بالشروط الفاسدة (عناية على هامش هداية ج ٣ ص ٢٢٩)

شرط فاسد کا حکم اور صحت نکاح پر اس کا اثر

تقریبا سبھی کتب فقہ معتبرہ اور متداولہ میں یہ صراحت موجود ہے کہ نکاح شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتا ہے۔ اگر نکاح شرط فاسد کے ساتھ کیا گیا تو شرط کا اعتبار نہیں ہوگا۔ البتہ اگر نکاح کو کسی شرط پر معلق کیا تو نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ مثلاً کسی شخص نے ایجاب کے بعد یہ کہا کہ میں نے قبول کیا اگر میرے والد چاہیں یا میرا لڑکا آجائے تو اس صورت میں نکاح ہی صحیح نہیں ہوگا۔

(و لكن لا يبطل) النكاح (بالشرط الفاسد و) انما (يبطل الشرط دونه) يعني لو عقد مع شرط فاسد لم يبطل النكاح بل الشرط بخلاف مالو علقه بالشرط (الدر المختار على هامش رد المحتار. فصل في المحرمات ج ٢ ص ٢٩٥)

کس طرح کی شرط پورا کرنا ضروری ہے اور کس طرح کی نہیں؟

جو شرطیں عقد نکاح میں لگائی جاتی ہیں ان کی کیا حیثیت ہے؟ اور صحت نکاح پر ان کا کیا اثر پڑتا ہے؟ ان کو پورا کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اس پر بہت ہی اچھی بحث علامہ ابن قدامہ حنبلی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "المغنی" میں کی ہے۔ انھوں نے تمام شرطوں کو تینوں قسموں میں تقسیم کرتے ہوئے ہر ایک کا حکم علیحدہ علیحدہ بیان کیا ہے۔ ان تینوں قسموں اور ان کے احکام کو مختصراً ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔

١۔ بعض وہ شرائط جو خود بھی باطل ہیں اور ان سے نکاح بھی باطل ہوجاتا ہے۔ مثلاً نکاح میں وقت کی تعیین و تحدید کی شرط یعنی بوقت نکاح ایجاب یا قبول میں یہ شرط لگادی جائے کہ اتنے یا اتنے سال کے لئے نکاح ہورہا ہے جیسا کہ نکاح متعہ یا نکاح مؤقت میں ہوتا ہے یا نکاح کو کسی شرط پر معلق کیا مثلاً یہ کہا کہ میں نے تم سے نکاح کیا اگر میری ماں راضی ہوجائے، یا فلاں شخص راضی ہوجائے یا نکاح میں خیار کی شرط لگادی جائے خواہ دونوں کے لئے یہ

شرط ہو یا ان میں سے کسی ایک کے لئے ۔ یہ سب شرطیں خود بھی باطل ہیں اور ان سے نکاح بھی باطل ہوجاتا ہے

فھذہ شروط باطلۃ فی نفسھا و یبطل بھا النکاح۔

۲۔ بعض وہ شرطیں ہیں جو مقتضیات عقد نکاح کے خلاف ہیں مثلاً شوہر نے یہ شرط لگادی کہ بیوی کا مہر اس پر نہیں ہوگا ۔ یا اس کا نفقہ نہیں دے گا یا اگر مہر دیدیا ہے تو اس کی واپسی کی شرط لگادی ، یا یہ شرط لگادی کہ دوسری بیویوں کی باری سے کم یا زیادہ اس کو دے گا ۔ یا ایک ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ اس کے پاس آئے گا یا دن میں اس کے پاس جائے گا رات میں نہیں یا یہ شرط لگادی کہ بیوی اس پر خرچ کرے یا اس کو کچھ دے ، یا بیوی نے یہ شرط لگادی کہ شوہر اس سے وطی نہیں کرے گا ، یا وہ عزل کرے گا ۔ یہ اور اس طرح کی دیگر شرطیں شرعاً باطل ہیں ۔ اس طرح کی شرطوں کے باطل ہونے کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں ۔ ایک تو یہ کہ یہ مقتضیات عقد کے خلاف ہیں اور دوسری وجہ یہ کہ ان کے ذریعہ عقد سے واجب ہونے والے حقوق عقد کے منعقد ہونے سے قبل ہی ساقط ہوجارہے ہیں ۔

" فھذہ الشروط کلھا باطلۃ فی نفسھا لانھا تنافی مقتضی العقد و لانھا تتضمن اسقاط حقوق تجب بالعقد قبل انعقادہ فلم یصح "

البتہ ان شرطوں کی وجہ سے نکاح باطل نہیں ہوگا بلکہ صحیح و منعقد ہوگا ۔ اس لئے کہ شرائط صحت نکاح میں سے نکاح کا شروط فاسدہ سے خالی ہونا نہیں ہے ۔ بلکہ یہ امر زائد ہے جس کی وجہ سے نکاح کی صحت پر اثر نہیں پڑے گا۔

۳۔ بعض وہ شرطیں ہیں جو نہ مقتضیات عقد نکاح میں سے ہیں اور نہ ہی مقتضیات عقد کے خلاف ہیں ۔ نہ مقتضیات عقد کے لئے مؤکد ہیں اور نہ ہی ان کے جواز پر کوئی دلیل قائم ہے ۔ البتہ ان کا فائدہ عورت کو پہنچتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی شکل میں نہیں پہونچتا ۔ مثلاً عورت یہ شرط لگادے کہ شوہر اس کو اس کے گھر یا اس کے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا ، یا اس کو سفر میں نہیں لے جائے گا ، یا اس کی زوجیت میں رہتے ہوئے دوسری عورت سے نکاح نہیں کرے گا ۔ یہ اور اس طرح کی شرطوں کو پورا کرنا امام احمد بن حنبلؒ حضرت عمر فاروقؓ اور دیگر بعض صحابہ اور تابعین کے نزدیک واجب ہے ۔ اور امام ابو حنیفہ ، امام مالک ، امام شافعی اور بعض صحابہ ، تابعین کے نزدیک اس طرح کی شرطیں فاسد ہیں ان کا اعتبار نہیں ہے ۔

علامہ ابن قدامہ نے دونوں طرف کے دلائل بھی پیش کئے ہیں اور دلائل پر نقد و جرح بھی کیا ہے ۔ پوری تفصیل کے لئے دیکھئے المغنی (**المغنی لابن قدامۃ ج ۶ ص ۵۴۸ تا ۵۵۱**)

پہلی دونوں صورتوں میں تو اتفاق ہے ۔ پہلی صورت میں بالاتفاق شرط بھی باطل اور نکاح بھی باطل ۔۔ اور

دوسری صورت میں نکاح صحیح اور شرط باطل ۔ البتہ تیسری صورت میں اختلاف ہے ۔ امام احمد بن حنبل اس شرط کے صحیح بلکہ اس کی ادئیگی کے وجوب کے قائل ہیں ۔ اور امام ابو حنیفہ ۔ امام مالک ۔ امام شافعی بلکہ جمہور اس کو فاسد قرار دیتے ہیں ۔ دلائل تو دونوں جانب ہیں اور کتابوں میں ہر ایک کے دلائل پر نقد و جرح بھی موجود ہے جس کی تفصیل کی گنجائش نہیں ہے ۔ جمہور کی رائے دلائل کی روشنی میں اصول عام کے تحت راجح معلوم ہوتی ہے اور عموماً عمل بھی جمہور ہی کے قول کے مطابق ہے اور اس پر عمل بھی آسان ہے ۔ اس لئے کہ اگر بیوی نے بوقت نکاح یہ شرط لگادی کہ شوہر سفر پر نہیں لے جاسکتا ہے اور شوہر لکھنؤ یا بمبئی یا سعودیہ عربیہ میں ملازمت کرتا ہے ۔ سال دو سال پر گھر آتا ہے ۔ شرط کے مطابق بیوی کو اپنے ساتھ نہیں لے جاسکتا ہے تو پھر دونوں کی ازدواجی زندگی خوشگوار کیسے رہ سکتی ہے ؟ اور مقاصد نکاح کیسے پورے ہوسکتے ہیں ؟

استاذ محمد مصطفی شبلی نے **احکام الاسرۃ فی الاسلام** میں امام صاحب کے مذہب کو راجح قرار دیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ مصر میں بھی اسی مذہب پر عمل جاری ہے ۔ " **و بھذا المذھب یجری العمل فی جمھوریۃ مصر العربیۃ لعدم وجود قانون یخالف ذلک** " (۱۵۵)

امام محمد ابو زہرہ نے بھی **الاحوال الشخصیۃ** میں بہت ہی زور دار انداز میں امام صاحب کے قول کو راجح قرار دیا ہے ۔

" اننا نری ان الاولی و الصالح ان تبقی الشروط فی الزواج خاضعۃ لمذھب ابی حنیفۃ اذ ھو مذھب جمھور الفقھاء ،، ولا ننالو جعلنا باب الشروط مفتوحا و الوفاء بھا لازما لاضطربت الحیاۃ الزوجیۃ ایما اضطراب " (الاحوال الشخصیۃ ۱۷۱ تا ۱۷۲)

کس طرح کی شرط کو پورا کرنا واجب ہے اور کس طرح کی شرط باطل ہے اس کا پورا کرنا واجب نہیں ہے ۔ اس سلسلہ میں دکتور وہبہ الزحیلی نے **الفقہ الاسلامی وادلتہ** میں مذاہب کی تفصیل بیان کی ہے ۔ مذہب حنفی کی جو تفصیل بیان کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے ۔

اگر شرط صحیح ہے ، تقاضہ عقد کے موافق ہے اور احکام شرع سے متعارض نہیں ہے تو اس کا پورا کرنا واجب ہے ۔ اور اگر شرط فاسد ہے ۔ مقتضاء عقد نکاح کے موافق نہیں ہے یا احکام شرع اس کی اجازت نہیں دیتے تو وہ شرعاً باطل ہے ۔ اس کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ اگر ایسی شرط ہے جس کی ممانعت از روئے شرع ہے تو اس کا پورا کرنا صحیح بھی نہیں ہے ۔ البتہ اس صورت میں نکاح صحیح ہوگا (**الفقہ الاسلامی و ادلتہ ص ۵۲**)

اس مختصر سی تمہیدی بحث کے بعد اب اصل سوالات کے جوابات دئے جارہے ہیں ۔ نکاح میں شرطیں

لگائی جاتی ہیں ان کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ان تینوں کے علیحدہ علیحدہ احکام درج کیے جاتے ہیں۔

نفس عقد نکاح سے واجب ہونے والی ذمہ داری کو شرط کی صورت میں ذکر کرنے کا حکم

پہلی صورت

ان شرائط کی ہے جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے بلکہ خود عقد نکاح سے عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو شرط کی صورت میں بوقت عقد نکاح ذکر کردیا گیا، مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا، یا اس کے ساتھ حسن معاشرت یا مہر کی شرط لگانا، یا شوہر کا یہ شرط لگانا کہ بیوی میرے گھر میں رہے گی میری اجازت کے بغیر گھر سے نہیں نکلے گی۔ اور شریعت کے حدود میں رہتے ہوئے میری اطاعت کرے گی، اطاعت نہ کرنے کی صورت میں مجھے تادیب کا حق ہوگا۔ یا یہ شرط لگانا کہ زوجین کے مابین وراثت جاری ہوگی۔ یہ اور اس طرح کی دیگر شرطیں اگر لگائی جائیں تو چونکہ خود نفس عقد نکاح ہی سے یہ چیزیں واجب ہیں شرط لگانے سے ان کا وجوب نہیں ہوا بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ شرط لگا کر ان حقوق کو مزید مؤکد کردیا، اس لئے ان شرائط کا پورا کرنا شرعاً واجب ہے۔ اس طرح کی شرطیں۔ شروط صحیحہ کے ذیل میں آتی ہیں۔

استاذ محمد مصطفیٰ شلبی نے **احکام الاسرۃ فی الاسلام** میں مذہب حنفی کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

"الشرط الصحيح هو الذى يقتضيه العقد، بان يكون موجبه حكما من احكام العقد او يؤكد مقتضى العقد او ورد به الشرع او جرى به عرف ... كاشتراط الزوجة على زوجها ان ينفق عليها او يعطيها مهرا او يحسن معاشرتها و كاشتراطه ان تدخل فى طاعته فهذه كلها يقتضيها العقد و ثابتة ولو لم يشترطها احدهما ... وحكم هذا الشرط . انه يجب الوفاء به (احكام الاسرة فى الاسلام ص ١٠٢ تا ١٥٥)

مقتضاء عقد نکاح کے خلاف لگائی گئی شرط کا حکم

دوسری صورت یہ ہے کہ نکاح کے وقت کوئی فریق ایسی شرط لگادے جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، مثلاً شوہر کا یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا، یا وہ بیوی کے ساتھ حسن

معاشرت نہیں کرے گا۔ یا دوسری بیویوں کے مقابلہ میں باری کم دے گا۔ یا بیویوں کے درمیان خوراک و پوشاک اور شب گزاری میں برابری قائم نہیں رکھ سکے گا۔ یا عورت کا یہ شرط لگانا کہ وہ شوہر کے گھر میں نہیں رہے گی۔ اس کی اجازت کے بغیر جب چاہے اس کے گھر سے جاسکتی ہے یا اس کی اطاعت نہیں کرے گی۔ یا وہ جو کچھ بھی کرے شوہر کو تنبیہ کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔ یا دونوں یہ شرط لگادیں کہ دونوں میں سے جس کا بھی انتقال پہلے ہوجائے دوسرا اس کے ترکہ کا وارث نہیں ہوگا۔ یا شوہر اس کے ساتھ وطی نہیں کرے گا۔ یہ اور اس طرح کی جو شرطیں لگائی جائیں ان کا حکم یہ ہے کہ چونکہ یہ مقتضیات عقد کے خلاف ہیں۔ نیز ان کے ذریعہ عقد نکاح سے واجب ہونے والے حقوق عقد کے منعقد ہونے سے قبل ہی ساقط ہوجارہے ہیں۔ اس لئے اس طرح کی شرطیں شرعاً باطل ہیں۔ ان پر عمل صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن قدامہ المغنی میں لکھتے ہیں:

" فهذه الشروط كلها باطلة في نفسها لانها تنافي مقتضى العقد و لانها تتضمن اسقاط حقوق تجب بالعقد قبل انعقاده فلم يصح " المغنى لابن قدامة ج ٦ ص ٥٥٠)

البتہ نکاح صحیح ہوگا۔ ان شروط کی وجہ سے نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اس لئے کہ شرائط صحت نکاح میں سے نکاح کا شروط فاسدہ سے خالی ہونا نہیں ہے۔ یہ امر زائد ہے جو صحت نکاح پر اثر انداز نہیں ہوسکتا ہے۔ بلکہ شرط ہی باطل ہوجاتی ہے الدر المختار على هامش رد المحتار ج ٢ ص ٢٩٥)

عنایہ میں ہے:

" النكاح لا يبطل بالشروط الفاسدة عناية على هامش شرح القدير ج ٣ ص ٣٥٠)

احکام الاسرة فی الاسلام میں شرط غیر صحیح کے سلسلہ میں احناف کے مذہب کو بیان کرتے ہوئے اس کا حکم ان الفاظ میں لکھا ہے۔

" وحكم هذا الشرط انه يلغو وحده لا اثر له في العقد بل يبقى العقد منه صحيحا لان القاعدة المقررة عندهم ان الزواج لايبطل بالشروط الفاسدة احكام الاسرة في الاسلام ص ١٥٥)

نئی ذمہ داری سے متعلق لگائی گئی شرط کا حکم

تیسری صورت یہ ہے کہ نکاح کے وقت کوئی فریق ایسی شرط عائد کرے جو نمبر (١) اور (٢) کے دائرہ میں نہیں آتی ہے، یعنی نہ تو مقتضاء عقد کے موافق ہے اور نہ ہی اس کے مخالف، بلکہ اس کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا۔ اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ

داری حاصل ہوتی ہے ۔ جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتی ۔ مثلا عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا ۔ یا بیوی کو اس کے آبائی وطن میں ہی رکھے گا ۔ اس کو وہاں سے نکال کر کسی دوسری جگہ نہیں لے جائے گا ۔ یا عورت یہ شرط لگادے کہ مہر کی ادائگی کے لئے شوہر کے والدین یا اس کے فلاں رشتہ دار کفیل بن جائیں ، یا اس کا یہ شرط لگانا کہ مہر کا اتنا حصہ فورا ادا کرنا ہوگا ۔ یہ اور اس طرح کی شرطیں جو (۱) اور (۲) کے ذیل میں نہیں آتی ہیں ۔ ان کا حکم یہ ہے کہ امام احمد بن حنبل کے قول کے مطابق اس طرح کی تمام شرطیں جائز ہیں اور ان کا پورا کرنا واجب ہے ۔ البتہ ایسی شرط لگانا جس کی ممانعت صراحتہً کتاب و سنت میں موجود ہے صحیح نہیں ہے ۔ جمہور علماء و فقہاء خصوصاً حنفیہ کے نزدیک ان میں سے وہ شرطیں جائز اور ان کا پورا کرنا واجب ہے ، جو مقتضاء عقد کے لئے مؤکد ہیں مثلا مہر یا نفقہ کی ادائگی کے لئے شوہر کے والد کو کفیل بنانا ، اس لئے کہ نفقہ اور مہر دونوں مقتضیات عقد میں سے ہیں اور کفیل بنانا اس کے لئے مؤکد ہے ۔ یا عرفا ثابت ہو، جیسے مہر کے کسی حصہ کو بطور مہر معجل ادا کرنے کی شرط ، یہ سب شرط صحیح کی تعریف میں داخل ہیں ۔

" **احکام الاسرۃ فی الاسلام** " میں شرط صحیح کی تعریف کرتے ہوئے ہر قید کی وضاحت مثال سے کی ہے ۔ چنانچہ مؤکد اور عرف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

وکاشتراط ولی المراۃ ان یکون والد الزوج کفیلا بالمھر و النفقۃ فان المھر و النفقۃ من مقتضیات العقد و اشتراط الکفالۃ بھما یؤکد حصولھما ... وکاشتراط الزوج ان یدفع لھا نصف المھر فقط قبل الدخول و کان عرف بلدھما جاریا بذلک (احکام الاسرۃ فی الاسلام ص ۱۵۵)

اور ان کا حکم ان الفاظ میں لکھا ہے ۔ " **وحکم ھذا الشرط انہ یجب الوفاء بہ** " (**احکام الاسرۃ فی الاسلام ص ۱۵۵**)

البتہ وہ شرطیں جن سے حلال کو حرام یا حرام کو حلال قرار دینا ، یا کسی امر مشروع سے ممانعت لازم آئے ، یا جن سے متعلق کتاب و سنت میں کوئی صراحت موجود نہ ہو وہ صحیح نہیں ہیں ۔ اور ان کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے ۔ بلکہ بعض صورتوں میں پورا کرنا جائز نہیں ہے ۔

ایک عورت کی زوجیت میں رہتے ہوئے دوسری عورت سے نکاح کرنا شرعا جائز ہے ۔ اسی طرح عورت کو اس کے گھر سے نکال کر دوسری جگہ لے جانا یا سفر میں اپنے ساتھ لے جانا بھی جائز و مشروع ہے ۔ عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کی زوجیت میں رہتے ہوئے دوسری عورت سے نکاح نہیں کرے گا یا اس کو اس کے آبائی

وطن سے باہر نہیں لے جائے گا۔ یہ امر مشروع سے روکنا ہے لہذا یہ شرط فاسد ہے۔ اس کا شرعا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ شوہر پر اس کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔ عنایہ میں ہے۔

قد تقدم ان النكاح لا يبطل بالشروط الفاسدة فاذا تزوج امراة على الف على ان لا يخرجها من البلدة (او على ان لا يتزوج عليها) او على ان يطلق فلانة فالنكاح صحيح و ان كان شرط عدم التزوج وعدم المسافرة و طلاق الضرة فاسداً لان فيه المنع عن الامر المشروع

" عناية على هامش فتح القدير ج ٣ ص ٣٥٠ باب المهر)

امام احمد بن حنبل کے نزدیک اس طرح کی شرط صحیح و درست ہے اور اس کا پورا کرنا شوہر پر ضروری ہے۔ البتہ جمہور کا قول راجح اور عمل کے اعتبار سے سہل ہے۔

تفویض طلاق

اس ضمن میں یہ بحث آتی ہے کہ عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگاتے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا اور شوہر اس شرط کو تسلیم کرتا ہے تو اس شرط کی شرعا کیا حیثیت ہے؟ کیا اس کی وجہ سے عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا؟ اور کیا شوہر اپنے اس حق طلاق کو تفویض کرنے کے بعد اس کو ختم کرنا چاہے تو کرسکتا ہے یا نہیں؟ کیا شوہر کو شرعا اس کا اختیار ہوگا؟

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ طلاق دینے کا اختیار شرعا شوہر کو ہے نہ کہ عورت کو، اور صاحب حق کو یہ اختیار ہے کہ اپنے حق کا استعمال خود کرے یا کسی کو نائب یا وکیل بنا کر اس کے ذریعہ کرائے، یا کسی کو اپنا حق سپرد کردے اور وہ اس کو استعمال میں لائے۔ شوہر کو بھی شرعا یہ اختیار ہے کہ حق طلاق کو خود استعمال کرے یا کسی کو اپنا نائب و وکیل بنادے اور اس کو طلاق دینے کا اختیار دیدے۔ نائب و وکیل کو اختیار ملنے کے بعد طلاق دینے کا حق ہے اور ان کی طرف سے اختیار کے مطابق دی گئی طلاق بھی واقع ہوگی۔ اسی طرح شوہر اگر اپنا حق طلاق بیوی کو تفویض کردے خواہ اپنی طرف سے از خود تفویض کرے، یا بیوی کے شرط لگانے پر اس کو قبول کرلے تفویض صحیح ہوگی اور بیوی کو طلاق دینے کا اختیار ہوگا۔ اور حق طلاق تفویض کرنے کے بعد شوہر کو اس سے رجوع کا اختیار نہیں ہوگا، اگر شوہر اس کو ختم کرنا چاہے تو بھی ختم نہیں کرسکتا۔ "المبسوط للسرخسی" میں ہے۔

" و اذا جعل الرجل امر امراته بيدها فالحكم فيه كالحكم في الخيار في سائر مسائل الباب المتقدم الا ان هذا صحيح قياسا و استحسانا لان الزوج مالك لامرها فانما يملكها بهذا اللفظ ما هو مملوك له فيصح منه و يلزمه حتى لا يملك الزوج الرجوع منه اعتبارا بايقاع الطلاق " (المبسوط للسرخسي ج ٣ ص ٢٧١ مطبوعة دار الفكر)

علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع میں اس مسئلہ پر اچھی بحث کی ہے۔ علامہ کاسانی لکھتے ہیں کہ شوہر جب حق

طلاق تفویض کردیتا ہے تو شوہر کی طرف سے تفویض لازم ہوجاتی ہے۔ اس کو اس حق سے رجوع، عورت کو منع کرنے یا اس کو ختم کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ۔

(الف) جس طرح کوئی شخص کسی کو اپنی کسی چیز کا مالک بنادے تو وہ شخص مالک ہوجاتا ہے اور اصل مالک کو رجوع کا اختیار باقی نہیں رہتا، اسی طرح جب شوہر نے اپنے حق طلاق کا مالک بیوی کو بنادیا تو بیوی طلاق کی مالکہ ہوگئی شوہر کو رجوع یا اس کو ختم کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

(ب) طلاق کے وجود کے بعد رجعت ممکن نہیں۔ اسی طرح جب تفویض طلاق کے ذریعہ شوہر نے طلاق کا اختیار بیوی کو دیدیا تو اب اس سے رجوع اور اس کو ختم کرنا ممکن نہیں ہے۔

(ج) تفویض طلاق میں درحقیقت طلاق کو عورت کی مشیت پر معلق کرنا ہے جو تعلیق طلاق کے مفہوم میں ہے۔ اور طلاق کو کسی چیز پر معلق کرنے کے بعد اپنے کلام سے رجوع اور تعلیق کو ختم کرنا ممکن نہیں ہے، اس لئے کہ تعلیق طلاق یمین کے معنی میں ہے اور یمین میں رجوع نہیں ہوسکتا ہے۔

" و اما بیان صفته فهو انه لازم من جانب الزوج حتی لا یملک الرجوع منه و لا نهی المراة عما جعل الیها و لا فسخ ذلک لانه ملکها الطلاق و من ملک غیره شیئا فقد زالت ولایته من الملک فلا یملک ابطاله بالرجوع و النهی و الفسخ ... ولان الطلاق بعد وجوده لا یحتمل الرجوع منه والفسخ کسائر التعلیقات المطلقة " (بدائع الصنائع ج ٢ ص ١٨٢٢)

ایک شبہ کا ازالہ

یہاں پر ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ صاحب بدائع نے تفویض طلاق میں رجوع کا اختیار نہ ملنے کی جو وجہ بیان کی ہے اس سے یہ واضح ہے کہ شوہر کو طلاق کی جو ملکیت حاصل تھی اس کو اس نے بیوی کی طرف منتقل کردیا اور جب اس نے اپنی ملکیت منتقل کردی تو اب اس کو خود طلاق دینے کا اختیار نہیں ہونا چاہئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شوہر طلاق کی ملکیت کو بیوی کی طرف بالکلیہ منتقل نہیں کرتا، بلکہ اپنی ملکیت میں بیوی کو بھی شریک کرلیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ تفویض کے دوران شوہر طلاق دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔

الاحوال الشخصیہ میں ہے کہ:

" ولیس معنی کون التفویض تملیکا ان ملکیة الزوج للطلاق قد انتقلت الی من فوضه ولم یعد هو مالکا۔ بل انه اشتراک له فیما یملکه من تصرف و لم یسلب حقه الاصیل فیه " (الاحوال الشخصیة ص ٣٢٢)

تفویض اور توکیل میں فرق

یہیں سے تفویض اور توکیل کے درمیان فرق بھی سمجھ میں آتا ہے کہ۔

(الف) توکیل میں مؤکل کو رجوع اور وکیل کو معزول کرنے کا اختیار ہے۔ تفویض میں رجوع اور معزول کرنے کا اختیار نہیں رہتا ہے۔

(ب) توکیل میں وکیل اپنے ارادہ و خواہش سے کام نہیں کرتا بلکہ مؤکل کے ارادہ اور خواہش کے مطابق کام کرتا ہے۔ اور تفویض میں مفوض الیہ (جس کے حوالہ معاملہ کیا گیا ہے) اپنی خواہش اور ارادہ کے مطابق کام کرتا ہے۔

(ج) اگر توکیل مطلق ہو تو وکیل کا اختیار مجلس تک محدود نہیں رہتا ہے اور اگر تفویض مطلق ہو تو مجلس تک اس کا اختیار محدود رہتا ہے۔ (حوالہ مذکور)

تفویض طلاق کے سلسلہ میں جو شرائط طے پاتی ہیں ان کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ عقد نکاح سے قبل شرائط طے ہوجائیں اور اس کی تحریر پر طرفین کے دستخط ہوجائیں۔

۲۔ عقد نکاح میں ہی ان شرائط کا ذکر کیا جائے۔ ایجاب مشروط ہو یا ایجاب مطلق اور قبول مشروط ہو۔

۳۔ عقد نکاح کے بعد طرفین کے مابین کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے۔

تینوں صورتوں کے احکام علیحدہ علیحدہ بیان کئے جارہے ہیں۔

پہلی صورت

پہلی صورت (جب کہ عقد نکاح سے قبل شرائط طے ہوں اور اس کی تحریر پر طرفین کے دستخط ہوجائیں شرعاً صحیح و درست ہے۔ اور اس کے مطابق عورت کو طلاق دینے کا اختیار ہوگا۔ البتہ اس صورت کے صحیح اور معتبر ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس میں نکاح یا تزوج کی طرف نسبت ہو، مثلاً یہ لکھا جائے کہ اگر فلاں بنت فلاں سے نکاح کروں اور پھر اقرار نامہ ہذا میں مذکورہ شرائط میں سے کسی شرط کے خلاف کروں تو مساۃ مذکورہ کو ایک طلاق بائن دے کر علیحدگی اختیار کرلینے کا اختیار ہوگا۔ وہ جس وقت چاہے طلاق دے سکتی ہے۔ اگر نکاح کی طرف نسبت نہیں ہوئی تو یہ اقرار نامہ بیکار ہوگا۔ اس کی رو سے کسی قسم کا اختیار عورت کو حاصل نہ ہوگا۔ اس لئے کہ تعلیق طلاق کے لئے یہ شرط ہے کہ بوقت تعلیق ملکیت موجود ہو۔ یا کم از کم سبب ملک یعنی نکاح یا تزوج کی طرف نسبت ہو ورنہ تعلیق لغو و بیکار ہے، یہی وجہ ہے کہ اجنبیہ عورت سے یہ کہنا کہ اگر تو نے زید کی زیارت کی تو تجھے طلاق ہے اور اس نے نکاح کے بعد زید کی زیارت کرلی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

درمختار میں ہے :

" (شرطه الملک) ․․ (کقوله لمنکوحته) او معتدته (ان ذهبت فانت طالق او الا ضافة اليه) ای الملک الحقیقی ․․ (کان) نکحت امراة او ان نکحتک فانت طالق ․․ (فلغا قوله لاجنبية ان زرت زیدا فانت طالق فنکحها فزارت (تنویر الابصار مع الدر المختار علی هامش رد المحتار ج ۲ ص ۲۹۴۔۲۹۵)

فتاوی ہندیہ میں ہے :

" ولا تصح اضافة الطلاق الا ان یکون الحالف مالکا او یضیفه الی ملک و الاضافة الی سبب الملک کالاضافة الی الملک فان قال لاجنبية ان دخلت الدار فانت طالق ثم نکحها فدخلت الدار لم تطلق کذا فی الکافی " (الفتاوی الهندية ج ۱ ص ۴۲۰۔ الفصل الثالث فی تعلیق الطلاق)

واضح رہے کہ اگر عقد نکاح سے قبل شرائط طے پاجائیں اور فریقین کے دستخط کابین نامہ پر نہ ہوں بلکہ نکاح کے بعد ان دونوں سے دستخط کرائے جائیں، تو یہ پہلی صورت میں داخل نہیں بلکہ اس کا شمار تیسری صورت میں ہے ۔ اس میں نکاح کی طرف اضافت ضروری نہیں ہے ۔

دوسری صورت

دوسری صورت جبکہ بوقت عقد نکاح ایجاب یا قبول میں شرائط طے ہوں ۔ ان کی چند صورتیں ہیں ۔

۱ ۔ ایجاب مرد کی طرف سے ہو اور قبول عورت کی طرف سے ۔

۲ ۔ ایجاب عورت کی جانب سے ہو اور قبول مرد کی جانب سے ۔

ان دونوں صورتوں میں سے ہر ایک کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ۔

۱ ۔ ایجاب مطلق ہو اور شرائط کا ذکر قبول میں ہو ۔

۲ ۔ شرائط کا ذکر ایجاب میں ہو اور قبول مطلق ہو ۔

اس طرح اس کی چار صورتیں بنتی ہیں ۔

الف ۔ ایجاب مرد کی طرف سے ہو اور قبول عورت کی طرف سے اور شرائط کا ذکر ایجاب میں ہو ۔

ب ۔ ایجاب مرد کی طرف سے ہو اور قبول عورت کی طرف سے اور شرائط کا ذکر قبول میں ہو ۔

ان دونوں صورتوں میں شرائط کا شرعا اعتبار نہیں ۔ ان شرائط کی بنیاد پر عورت کو کسی طرح کا اختیار حاصل

نہیں ہوگا۔

ج۔ ایجاب عورت کی طرف سے ہو اور قبول مرد کی طرف سے اور شرائط کا ذکر ایجاب ہی میں ہو۔ مثلا عورت کی طرف سے ایجاب اس طرح ہو کہ تم سے اس شرط پر نکاح کیا۔ یا اس شرط پر اپنے آپ کو تمہاری زوجیت میں دیا کہ فلاں فلاں شرط کی خلاف ورزی کرنے کی صورت میں عورت کو ایک طلاق بائن دینے کا اختیار ہوگا۔ جب چاہے وہ ایک طلاق بائن دے کر علحدگی اختیار کر سکتی ہے۔ مرد اس کو قبول کرلے تو اس صورت میں شرعا معتبر ہوگی اور کسی بھی شرط کی خلاف ورزی کی صورت میں عورت کو ایک طلاق بائن دے کر علیحدگی اختیار کرلینے کا شرعا حق ہوگا۔

د۔ ایجاب عورت کی طرف سے ہو اور قبول مرد کی طرف سے اور شرائط کا ذکر قبول میں نہ ہو۔ مثلا عورت پہلے یہ کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تمہاری زوجیت میں دیا (عورت کے کلام میں شرائط کا ذکر نہ ہو) اور مرد یہ کہے کہ میں نے قبول کیا اس شرط کے ساتھ کہ اگر فلاں فلاں شرط کی خلاف ورزی کروں تو تم کو ایک طلاق بائن دے کر مجھ سے علحدگی اختیار کرلینے کا حق ہوگا ۔۔۔ یہ صورت بھی شرعا صحیح و درست ہے۔ اس صورت میں بھی عورت کو کسی بھی شرط کی خلاف ورزی کرنے پر ایک طلاق بائن دے کر علحدگی اختیار کرلینے کا حق ہوگا۔ البتہ اس صورت میں جب کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو اور وہ ایجاب میں شرائط کا ذکر نہ کرے تو قبول میں مرد کو اختیار ہے چاہے تو قبول میں شرائط کا ذکر کر کے تفویض طلاق کرے یا نہ کرے اس لئے جو عورت احتیاط کی طالب ہے اس کو چاہئے کہ شرائط کا ذکر ایجاب میں ہی کردے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اگر ایجاب عورت کی جانب سے ہو تو شرائط کا اعتبار ہے۔ اور اگر مرد کی جانب سے ایجاب ہو تو شرائط کا اعتبار نہیں ہے۔ خواہ شرائط کا ذکر ایجاب میں ہو یا قبول میں۔ در مختار میں ہے۔

" نکحها على ان امرها بيدها صح (درمختار) (قوله صح) مقيد بما اذا ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسى منك على ان امرى بيدى اطلق نفسى كلما اريد او على انى طالق فقال الزوج قبلت اما لو بدا الزوج لا تطلق و لا يصير الامر بيدها كما فى البحر عن الخلاصة و البزازية " (رد المحتار قبيل فصل فى المشية ج ۲ ص ۴۸۵)

ان دونوں مسئلوں میں فرق کی وجہ فتاوی خانیہ میں یہ بیان کی گئی ہے کہ۔

اگر ایجاب مرد کی جانب سے ہو تو تفویض طلاق نکاح سے قبل ہوگی اس لئے کہ نکاح ایجاب اور قبول کے بعد تام ہوتا ہے اور مذکورہ صورت میں قبول سے قبل ہی تفویض ہوگی۔ لہذا یہ تفویض صحیح نہیں ہوگی۔ اور اگر ایجاب عورت کی جانب سے ہو تو تفویض نکاح کے بعد ہوگی۔ اس لئے کہ جواب میں سوال بھی شامل ہوتا ہے۔ جب شوہر نے عورت کے کلام کے بعد یہ کہا کہ میں نے قبول کیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے نکاح قبول

کرنے کے بعد یہ بھی قبول کیا کہ تمہارا معاملہ تمہارے حوالہ ہے ۔ تم جب چاہو طلاق دے سکتی ہو ۔ تو چونکہ اس صورت میں نکاح کے بعد تفویض ہوئی ہے اس لئے تفویض صحیح ہے ۔

" لان البداءة اذا كانت من الزوج كان الطلاق و التفويض قبل النكاح فلا يصح اما اذا كانت البداءة من قبل المراة يصير التفويض بعد النكاح لان الزوج لما قال بعد كلام المراة قبلت و الجواب يتضمن اعادة ما فى السوال صار كانه قال قبلت على انك او على ان يكون الامر بيدك فيصير مفوضا بعد النكاح " (الفتاوى الخانية على هامش الفتاوى الهندية فصل فى النكاح على الشرط ج ۱ ص ۳۷۹)

تیسری صورت جبکہ نکاح ہوجانے کے بعد شرائط طے ہوں اور بیوی کو طلاق دینے کا اختیار دیا جائے ۔ یہ صورت بلاکسی شرط کے صحیح و درست ہے ۔ اس صورت میں تفویض کے مطابق عورت کو طلاق دینے کا اختیار ہوگا۔

الاحوال الشخصیہ میں ہے ۔

" التفويض يصح قبل الزواج ، ويصح عند انشائه و لا يصح بعده عند الحنفية " (الاحوال الشخصية ص ۳۲۲)

تفویض کے سلسلہ میں چند مفید مشورے

شریعت نے طلاق کا اختیار شوہر کو دیا ہے ۔ تفویض کے نتیجہ میں یہ اختیار عورت کو بھی حاصل ہوجاتا ہے ۔ عورت تفویض کے مطابق طلاق دے سکتی ہے ۔ چونکہ عورت جذباتی ہوتی ہے ممکن ہے کہ فورا اپنے اختیار کا استعمال کرلے جس سے مصالح شرع اور مقاصد نکاح ضائع ہوجائیں ، اس لئے تفویض کے ساتھ احتیاطا کچھ ایسی قیدیں بڑھادینا مناسب ہے جو مفید مقصد ہوں ۔ اور جن سے بیجا تصرف کا سد باب ہوسکے ۔ تفویض کے سلسلہ میں درج ذیل مشورے دئے جارہے ہیں جن پر عمل فریقین کے حق میں مفید ہے ۔

۱۔ بہتر یہ کہ تفویض کے لئے نکاح سے قبل شرائط طے پاجائیں اور فریقین کے دستخط اس پر ہوجائیں ۔ لیکن اس صورت میں نکاح کی طرف نسبت ضروری ہے ۔ یا عورت کی جانب سے ایجاب ہو اور وہ اس میں تفویض کی شرط لگادے ۔ اگر عورت کی طرف سے ایجاب ہو اور وہ اس میں تفویض کی شرط نہ لگائے ۔ لیکن شوہر قبول کرتے وقت تفویض کی شرط ذکر کردے یا نکاح کے بعد شرائط طے پاجائیں جن کی رو سے عورت کو طلاق دینے کا حق

حاصل ہوجائے تو بھی درست ہے ۔ لیکن ان دونوں صورتوں میں شوہر کی مرضی پر ہے اگر وہ چاہے تو تفویض کی شرط ذکر کرے یا نہ کرے ۔ عورت کی طرف سے اگر ایجاب میں تفویض کی شرط نہ ہو تو شوہر کو تفویض کی شرط لگانے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے ۔

۲ ۔ تعلیق مذکور میں " اگر چاہے " کا لفظ استعمال نہیں کرنا چاہئے ۔ اس لئے کہ اس صورت میں تفویض خاص اسی مجلس کے ساتھ مقید و محدود رہے گی جس میں وہ شرائط واقع ہوں ۔ اس مجلس کے ختم ہوجانے کے بعد عورت کو طلاق دینے کا اختیار باقی نہ رہے گا اور اختیار کو اس قدر محدود کردینا مناسب نہیں ہے ۔ اسی طرح " جب کبھی چاہے " کا لفظ بھی نہیں بڑھانا چاہئے ۔ اس لئے کہ اس صورت میں عورت کو ہمیشہ کے لئے طلاق دینے کا اختیار رہے گا ۔ اور یہ مصلحت کے خلاف ہے ۔ اس لئے کوئی ایسا لفظ بڑھانا چاہئے جس سے نہ تو اختیار بالکل محدود ہوجائے ، اور نہ ہی ہمیشہ کے لئے اختیار حاصل ہوجائے ۔ مثلاً اس طرح کا جملہ ہو کہ اگر شوہر شرائط مذکورہ میں سے کسی بھی شرط کی خلاف ورزی کرے گا تو عورت کو اس مجلس میں یا اس کے بعد بھی ایک طلاق بائن دے کر علحدگی اختیار کرلینے کا حق ہوگا ۔

۳ ۔ چونکہ عورت ناقص العقل ہے ۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ طلاق دینے کا بالکلیہ اختیار عورت کو نہ دیا جائے بلکہ اس طرح کی قید بڑھادی جائے کہ اگر شوہر کی طرف سے عورت کو کوئی تکلیف شدید پہونچے جس کو فلاں فلاں اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی اس کی تصدیق کردیں تو عورت کو طلاق دینے کا اختیار ہوگا ۔ مناسب یہ ہے کہ دونوں طرف دس اشخاص کا نام دونوں کی باہمی رضامندی سے ذکر کردیا جائے ۔ مزید احتیاط کے لئے یہ قید بڑھادینا بھی مناسب ہے کہ اگر شوہر شرائط مذکورہ میں سے کسی شرط کی مخالفت کرے اور فلاں فلاں اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی علحدگی کو مناسب سمجھیں تو عورت کو چاہئے کہ اس صورت میں بھی طلاق دینے میں جلدی نہ کرے بلکہ تین باتوں کا ضرور التزام کرے ۔

اول یہ ہے کہ فوراً غصہ کے وقت اپنے اختیار سے کام نہ لے بلکہ ایک معتد بہ مدت تک غور و خوض کرے جس کی مدت ایک ہفتہ سے کم نہ ہو ۔ دوسرے یہ کہ اپنے خیر خواہوں سے مشورہ کرلے ۔

تیسرے یہ کہ سنت کے مطابق استخارہ کرے ۔ نماز پڑھ کر اللہ تعالی سے خوب دعا کرے ۔ استخارہ میں جو بات آئے اس پر عمل کرے ۔ اس کے سلسلہ میں بہت ہی اچھی اور مفید بحث حضرت تھانوی کی " **الحیلة الناجزة** " میں موجود ہے جس میں کابین نامہ بھی لکھ دیا گیا ہے ۔ جس کے مطابق تحریر تیار کرلینا بہتر ہے ۔

طلاق دینے کی صورت میں مہر کی زیادتی کی شرط

اشتراط فی النکاح کے ذیل میں ایک مسئلہ یہ آتا ہے کہ اگر بوقت عقد نکاح مہر اس طرح طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہوگا، یا اس طرح مہر طے پائے کہ اگر طلاق نہ دی تو دس ہزار اور اگر طلاق دی تو بیس ہزار اور تین طلاق دی تو مہر تیس ہزار ہوگا۔

تو کیا اس طرح مہر طے کرنا جائز اور معتبر ہوگا اور دونوں شکلوں میں مہر مسمی لازم ہوگا ؟

اس مسئلہ میں میرا خیال یہ ہے کہ اس طرح مہر طے کرنا جائز اور معتبر ہوگا اور دونوں شکلوں میں مہر مسمی لازم ہوگا اس لئے کہ۔

۱۔ طلاق ایک ناپسندیدہ عمل ہے جس کی اجازت ناگزیر حالات میں ہے۔ مختلف مراحل (اس کی تفصیل کتاب و سنت میں موجود ہے) سے گذرنے کے بعد بھی نباہ کی کوئی صورت نہ ہو تو ایک طلاق دینے کی اجازت ہے، اور وہ بھی اس طہر میں جس میں ہمبستری نہ کی ہو۔ ہمارے اس زمانہ میں چونکہ لڑکوں کی شادی آسانی و سہولت سے ہوجاتی ہے۔ لڑکیاں آسانی سے ملجاتی ہیں، لیکن لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ بڑا کٹھن اور دشوار گزار ہوتا ہے۔ جہیز کی لعنت نے مسئلہ کو بہت ہی سنگین بنادیا ہے ان حالات میں شوہر پر کوئی ایسی پابندی جس کے نتیجہ میں وہ طلاق دینے سے گریز کرے۔ فقہ سے قریب اور مقاصد شرع سے ہم آہنگ معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ نیز کتب فقہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر کی مشروعیت کا مقصد بھی طلاق کے بیجا استعمال سے بچنا ہے۔ یعنی شریعت نے مہر کو اس لئے مشروع کیا ہے تاکہ شوہر تھوڑی سی بات پر طلاق نہ دیدے۔ اگر مہر واجب نہ ہو تو شوہر تھوڑی سی ناراضگی کی صورت میں بھی رشتہ کو ختم کردے گا۔ علامہ کاسانی بدائع الصنائع میں اس کی مشروعیت کی حکمت پر بحث کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

" ولان ملك النكاح لم يشرع لعينه بل لمقاصد لاحصول لها الا بالدوام على النكاح و القرار عليه ولا يدوم الا بوجوب المهر بنفس العقد لما يجرى بين الزوجين من الاسباب التى تحمل الزوج على الطلاق من الوحشة و الخشونة فلو لم يجب المهر بنفس العقد لا يبالى الزوج عن ازالة هذا الملك بادنى خشونة تحدث بينهما لانه لايشق عليه ازالته لما لم يخف لزوم المهر فلا تحصل المقاصد المطلوبة من النكاح " (بدائع الصنائع ج ۳ ص ۱۳۷۲)

جب مہر کی مشروعیت کا مقصد طلاق کے بیجا استعمال سے بچنا ہے تو بوقت نکاح یہ شرط لگانا کہ طلاق دینے کی صورت میں شوہر پر مہر بیس ہزار اور طلاق نہ دینے کی صورت میں دس ہزار شرعاً درست ہونا چاہئے۔

۳۔ اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے فقہ کے اس مشہور جزئیہ سے بھی مدد لی جاسکتی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر بوقت نکاح مہر اس طرح طے پایا کہ اگر شوہر بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر لے گیا تو مہر دو ہزار اور اگر باہر نہیں لے گیا تو مہر ایک ہزار ہوگا۔ اس مسئلہ میں امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اگر شوہر نے شرط پوری کردی تو مہر ایک ہزار ہوگا اور اگر شرط پوری نہ کی تو مہر مثل لازم ہوگا۔ امام زفر فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں فاسد ہیں اور دونوں صورتوں میں مہر مثل لازم ہوگا جو ایک ہزار سے کم اور دو ہزار سے زائد نہ ہو۔ اور امام ابو یوسف اور امام محمد یہ فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں صحیح و درست ہیں۔ دونوں صورتوں میں مہر مسمی لازم ہوگا۔

" ولو تزوجها على الف ان اقام بها و على الفين ان اخرجها فان اقام بها فلها الالف و ان اخرجها فلها مهر المثل لا يزاد على الالفين و لا ينقص من الالف و هذا عند ابى حنيفة و قالا الشرطان جميعا جائز ان حتى كان لها الالف ان اقام بها و الالفان ان اخرجها وقال زفر الشرطان جميعا فاسدان۔ و يكون لها مهر مثلها لا ينقص من الف ولا يزاد على الفين (هداية على هامش شرح فتح القدير ج ۳ ص ۳۵۰۔۳۵۱ باب المهر)

اس مسئلہ میں اصول افتاء کی رو سے اگر صاحبین کے قول پر فتوی دیا جائے تو اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ حالات اور ضرورت کے پیش نظر صاحبین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے اور صاحبین کے قول پر عمل کرنا امام صاحب ہی کے قول پر سمجھا جائے گا۔ کتنے مسائل ہیں جن میں صاحبین نے حالات و ضرورت اور اپنے زمانہ کے عرف و عادت کی بنیاد پر امام صاحب کے قول کے خلاف فتوی دیا ہے، اور متاخرین فقہاء نے صاحبین کے قول کو راجح اور مفتی بہ قرار دیا ہے۔ انھیں مسائل میں سے مساقات و مزارعت۔ دلالی کی اجرت۔ حمام میں اجرت پر غسل کا جائز ہونا ہے۔

علامہ ابن عابدین شرح عقود رسم المفتی میں تحریر فرماتے ہیں۔

" و ان خالفه صاحباه فى ذلك فان كان اختلافهم اختلاف عصر و زمان كالقضاء بظاهر العدالة يا خذ بقول صاحبيه لتغيير احوال الناس و المزارعة و المعاملة و نحوها يختار قولهما لاجماع المتاخرين على ذالك ۔۔ لا يرجح قول صاحبيه او احدهما على قوله الالموجب وهو اما لضعف دليل الامام و اما للضرورة و التعامل كترجيح قولهما فى المزارعة و المعاملة و اما لان خلافهما له بسبب اختلاف العصر و الزمان و انه لو شاهد ما وقع فى عصرهما لوافقهما كعدم القضاء بظاهر العدالة (شرح عقود رسم المفتى ص ۲۰۔۲۱)

اس زمانہ میں جب کہ تین طلاق کی کثرت ہے، شراب اور تاڑی کے نشہ میں طلاق دینا عام ہے۔ طلاق کے بعد عورت مظلوم بن کر در در کی ٹھوکریں کھاتی رہتی ہے اور چھوٹے چھوٹے بچے بھی بے سہارا ہوجاتے ہیں۔ ان حالات میں تین طلاق کے انسداد کے لئے اگر صاحبین کے قول کو اختیار کرتے ہوئے مذکورہ دونوں شرطوں کو جائز اور واجب العمل قرار دیا جائے تو یہ جائز اور مقاصد شرع کے موافق ہوگا۔

دوسری عورت سے نکاح کی صورت میں زیادتی مہر کی شرط

البتہ اگر بوقت نکاح اس طرح مہر طے پائے کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا، اور اگر دوسری عورت نے نکاح نہیں کیا تو مہر پندرہ ہزار ہوگا۔ اس طرح کی شرط میرے خیال میں درست نہیں ہے اور اس شرط کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے۔ اگر اس طرح مہر طے پایا تو شرط پوری کرنے کی صورت میں مہر مسمی اور شرط پوری نہ کرنے کی صورت میں مہر مثل لازم آئے گا، جو پندرہ ہزار سے کم اور تیس ہزار سے زائد نہ ہو۔ اس لئے کہ اس طرح کی شرط مقتضاء عقد کے خلاف ہے۔ اور درحقیقت امر مشروع سے روکنا ہے جو شرط فاسد ہے اور اس سے قبل بیان لیا جاچکا ہے کہ شرط فاسد باطل ہوجاتی ہے، البتہ نکاح صحیح ہوتا ہے۔ نیز نہ تو مہر کی مشروعیت کا مقصد نکاح ثانی سے روکنا ہے اور نہ ہی اس مسئلہ میں صاحبین کے قول پر عمل کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ ہندوستان کے عرف میں دوسری شادی کرنی ہی معیوب ہے اس شرط کو جائز قرار دے کر اس کی شناعت وقباحت میں مزید اضافہ کردینا ہے۔

ملازمت سے نہ روکنے کی شرط

شوہر کا بیوی پر یہ حق ہے کہ اس کے گھر میں رہے اور گھر کے نظم ونسق کو سنبھالے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے یہ صراحت کردی ہے کہ اپنی بیوی کو ہر اس عمل سے روک سکتا ہے جس کے کرنے سے شوہر کے حقوق کی تنقیص ہورہی ہو یا اس کو ضرر ونقصان پہونچ رہا ہو یا اس عمل کے لئے شوہر کے گھر سے نکلنا پڑے۔

" فی البحر له منعها من الغزل وکل عمل ولو تبرعا لاجنبی (درمختار) قوله وکل عمل لو تبرعا (لاجنبی) و ینبغی عدم تخصیص الغزل بل له ان یمنعها من الاعمال کلها المقتضیة للکسب لانها مستغنیة عنه لوجوب کفایتها علیه و کذامن العمل تبرعا لاجنبی بالاولی … و الذی ینبغی تحریره ان یکون له منعها من کل عمل یودی الی تنقیص حقه او ضرره او الی خروجها من بیته (رد المحتار باب النفقات ج ۲ ص ۷۷۵)

شوہر کے گھر سے نکلنے اور ملازمت سے نہ روکنے کی شرط مقتضاء عقد کے خلاف ہونے کی وجہ سے شرط فاسد ہے ۔ لہذا اگر بوقت نکاح اس طرح کی شرط لگانے اور شوہر کے قبول کرنے کے بعد بھی شوہر اپنی بیوی کو ملازمت سے روک سکتا ہے بلکہ اگر ملازمت کے لئے گھر سے باہر جانے میں بے پردگی ہوتی ہو ۔ غیر محرم سے بلا حجاب بات کرنی پڑتی ہو ۔ شریعت کا قانون ٹوٹ رہا ہو تو شوہر پر ضروری ہے کہ اس طرح کی ملازمت سے روکے ۔

خاص طور سے اس زمانہ میں ملازمت کی اجازت دینے کا اندیشہ زیادہ ہے ۔ اس کے لئے بے حجاب جانا اور غیر محرم سے بے حجاب پوری آزادی اور بے تکلفی کے ساتھ باتیں کرنا عام ہے ۔ بلکہ عورتوں میں اس تصور کا پیدا ہوجانا کہ وہ بھی مردوں کی طرح ایک مخلوق ہیں وہ بھی مردوں کے شانہ بشانہ کام کرسکتی ہیں ۔ اس تصور نے عورتوں کو بالکل ننگا کردیا ہے جس کے برے نتائج سے اہل علم و بصیر بخوبی واقف ہیں ۔ لہذا اس وقت تو اس طرح کی ملازمت پر خاص پابندی ہونی چاہئے ۔

صاحب مبسوط نے المبسوط للسرخسی میں عورتوں کے نقصانات کو بیان کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ عورتیں کمانے سے عاجز ہیں ۔ اس لئے ان کا نفقہ شوہر یا والد دیگر رشتہ داروں پر ہے ۔ عورتوں کو کمانے کی اجازت دینے کے سلسلے میں انہوں نے بہت ہی سخت بات لکھی ہے ۔ ملاحظہ ہو ۔

صاحب مبسوط نے المبسوط للسرخسی میں عورتوں کے نقصانات کو بیان کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ عورتیں کمانے سے عاجز ہیں اس لئے ان کا نفقہ شوہر یا والد یا دیگر رشتہ داروں پر ہے ۔ عورتوں کو کمانے کی اجازت دینے کے سلسلہ میں انہوں نے بہت ہی سخت بات لکھی ہے ۔ ملاحظہ ہو ؛

عجز ظاهر عن الاكتساب وفى امرها بالاكتساب فتنة فان المرأة اذا امرت بالاكتساب اكتسبت بفرجها (المبسوط للسرخسي ج ٥ ص ١٨٥)

البتہ اگر پردہ کا سخت نظم ہو ، پردہ کے ساتھ جائیں اور پردہ کے ساتھ پڑھائیں ۔ بالغ لڑکوں کو نہ پڑھانا ہو یا ایسا کام نہ ہو جس میں غیر محرم سے بے حجاب بات کرنی پڑتی ہو تو اس صورت میں شوہر اگر چاہے تو ملازمت کی اجازت دے سکتا ہے ۔

" اما العمل الذى لا ضرر له فيه فلا وجه لمنعها منه " رد المحتار باب النفقات ج ٢ ص ٢٧٥)

هذا ما ظهر عندى والله تعالى اعلم و اتم

اشتراط فی النکاح

مولانا شمس پیرزادہ ☆

نکاح زوجین کے درمیان ایک پختہ عہد ہے، جس کو قرآن نے میثاق غلیظ سے تعبیر کیا ہے ۔

(**واخذن منکم میثاقا غلیظا** (نساء۔۲۱) "وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہے "

یہ عہد نہایت اہم ہے کیونکہ اس کے ساتھ حقوق اور ذمہ داریاں وابستہ ہیں، اسی طرح شارع نے نکاح میں عظیم مصلحتوں کو پیش نظر رکھا ہے، مثلاً یہ مصلحت کہ زوجین کے درمیان مودت کے تعلقات ہوں اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے، جب کہ ایک فریق دوسرے فریق کا استحصال نہ کرے، یعنی اس پر ناجائز دباؤ نہ ڈالے اور اس سے جبراً کوئی بات نہ منوائے ۔

شریعت نے مرد کو اختیارات دئے ہیں تاکہ وہ اپنی ذمہ داریاں بحسن و خوبی ادا کرے اور گھر کا نظم قائم رکھے، اگر وہ ان اختیارات کو آمرانہ (Arbiterary) طریقہ پر استعمال کرتا ہے تو یہ شریعت کے منشاء کے بالکل خلاف ہے، آمرانہ طریقہ پر استعمال کرنے سے مراد من مانے طریقہ پر استعمال کرنا ہے اور یہ عورت کے حق میں بڑی زیادتی ہے ۔ اگر مرد ان اختیارات کو معروف طریقہ پر اپنی صوابدید کے مطابق استعمال کرے تو ازدواجی زندگی میں تلخیاں پیدا نہیں ہوں گی ۔ اور اگر ہوجائیں تو ان کی ذمہ دار عورت ہی قرار پائے گی ۔

مہر کو لازم قرار دیا گیا ہے تاکہ ازدواجی تعلقات کا آغاز مرد کی طرف سے خلوص و محبت کے ہدیہ کے ساتھ

☆ صدر ادارہ دعوۃ القرآن، بمبئی ۔

ہو، نیز معاہدہ نکاح کی تقسویت کا باعث بنے ۔

ایک سے زائد نکاح کی اجازت اخلاقی پاکیزگی کو برقرار رکھنے کے لئے دی گئی ہے ۔ اور اس لئے بھی دی گئی ہے تاکہ ہنگامی طور پر جو معاشرتی مسائل پیدا ہوتے ہیں، ان کو حل کرنے میں معاون ہو لیکن یہ اجازت عدل کی شرط کے ساتھ مشروط ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام میں اصل حکم یک زوجگی ہی کا ہے ۔

شریعت نے مرد کو طلاق کا اختیار دے کر عورت کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں کی ہے، بلکہ ازدواجی زندگی کو جذباتی فیصلوں سے بچانے کا ممکن حد تک سامان کیا ہے اور مرد کی زیادتی کی صورت میں عورت کے لئے گلو خلاصی کی راہ بھی رکھی ہے ۔

اسلام نے ازدواجی مسائل کے حل کے لئے پر پیچ طریقہ اختیار کرنے سے گریز کیا ہے اور گھر کے مسائل کو گھر ہی میں حل کرنے کے لئے مناسب طریقے رائج کئے ہیں اور ضروری ہدایات دی ہیں ۔

نکاح کے ان مصالح کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان شرائط پر گفتگو کرنا ہے، جن سے نکاح کو مشروط کردیا گیا ہو ۔ یہ شرائط تین قسم کی ہوسکتی ہیں ۔

(۱)۔ ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو، اس کو شرط کی صورت میں عقد کے وقت ذکر کردیا جائے ۔ مثلاً بیوی کی طرف سے یہ شرط کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا ۔ ایسی شرط تحصیل حاصل ہے اور اس کا نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا، جو ذمہ داری شریعت نے مرد پر عائد کی ہے، اس کو پورا کرنے کا بہر حال وہ پابند ہے

(۲)۔ نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی کوئی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے عائد ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو مثلاً شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط عائد کرنا کہ بیوی کا نان و نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا ۔ شرعاً ایسی شرط باطل ہے مگر نکاح منعقد ہوجاتا ہے اور اس کا کوئی اثر عقد نکاح پر مرتب نہیں ہوتا ہے ۔ حدیث میں آتا ہے ۔

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم وان تشترط المراة طلاق اختها (بخاری کتاب الشروط) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے اس بات سے کہ کوئی عورت اپنی بہن کی طلاق کی شرط رکھے ۔ اور امام بخاری نے کتاب النکاح میں باب باندھا ہے :

الشروط التى لا تحل فى النكاح وقال ابن مسعود لا تشترط المراة طلاق اختها " وہ شرائط جو نکاح میں جائز نہیں ہیں ۔ اور ابن مسعود فرماتے ہیں کہ عورت اپنی بہن کی طلاق کی شرط (نکاح میں) نہ رکھے "

یعنی عورت اس شرط پر نکاح نہ کرے کہ شوہر اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دے۔ کنیز کے آزاد کردینے والے کو جو حق ولاء حاصل ہوتا ہے، اس کے خلاف جب ایک معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔

الولاء لمن اعتق وان اشترطوا مائة شرط (بخاری کتاب الشروط)

حق ولاء اس کا ہے جس نے کنیز کو آزاد کیا خواہ اس کا مالک سو شرطیں لگائے

یعنی جو شخص مال خرچ کرکے کسی کنیز کو آزاد کرے گا، حق ولاء (اس کنیز کی وراثت وغیرہ کا حق) اس کو حاصل ہوگا، خواہ اس کا آقا اپنے لئے حق ولاء کی شرط پر اسے آزاد کرے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنا مال خرچ کرکے کسی کنیز کو آزاد کرے، شریعت اس کے حق ولاء کو تسلیم کرتی ہے، لہذا اس کے خلاف جو شرط عائد کی جائے گی، وہ باطل ہوگی۔

اس سے یہ اصولی بات واضح ہوتی ہے کہ معاملات کے دو فریقوں کے درمیان شریعت نے جس کے جو حقوق مقرر کئے ہیں اگر ان میں سے کسی حق کے خلاف ایک فریق شرط عائد کرتا ہے تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ لہذا نکاح کے معاملہ میں بھی اگر ایک فریق ایسی شرط عائد کرتا ہے جو دوسرے فریق کے اس حق پر اثر انداز ہوتی ہے تو وہ کالعدم ہی سمجھی جائے گی اور نکاح منعقد ہو جائے گا۔

(۳)۔ نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط عائد کرنا جو (۱) اور (۲) میں سے کسی کے دائرہ میں نہیں آتی اور جس کے نتیجے میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی، مثلاً عورت کا یہ شرط عائد کرنا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا، یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا۔ وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا۔ اس مسئلہ پر سلف کے درمیان اختلاف ہے۔ مغنی میں ہے۔

" نکاح کی شرطوں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک وہ جس کو پورا کرنا لازم ہے، اور وہ ہے ایسی شرط جو منفعت اور فائدہ کی موجب ہو، مثلاً یہ شرط کہ شوہر بیوی کو اپنے گھر یا اپنے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا، یا اس کو ساتھ لے کر سفر نہیں کرے گا، یا اس کی موجودگی میں دوسری بیوی نہیں کرے گا، اور نہ لونڈی رکھے گا۔ ایسی شرط کا پورا کرنا لازم ہے اگر اسے پورا نہ کرے تو عورت کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے۔ یہ قول حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص، معاویہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ اور

شریح ، عمر بن عبد العزیز ، جابر بن زید ، طاؤس ، اوزاعی اور اسحاق کا بھی یہی قول ہے ۔ البتہ زہری ، قتادہ ، ہشام ابن عروہ ، مالک ، لیث ، ثوری ، شافعی ، ابن المنذر اور اصحاب الرائی نے اسے باطل قرار دیا ہے ۔ ابو حنیفہ اور شافعی فرماتے ہیں کہ اس صورت میں عقد ہوجاتا ہے لیکن مہر فاسد قرار پاتا ہے اور عورت کے لئے مہر مثل لازم آتا ہے ۔ ان حضرات کا استدلال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہے کہ ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہیں ہے وہ باطل ہے ، اگرچہ ایسی شرطیں سو ہوں ۔ اور یہ شرط کتاب الہی میں نہیں ہے ، کیونکہ شریعت اس کی متقاضی نہیں ہے ۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ، " مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں الا یہ کہ کوئی شرط ایسی ہو جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام قرار دیتی ہو ، اور یہ شرط حلال کو حرام ٹھہراتی ہے ، یعنی دوسری بیوی ، لونڈی اور سفر کی حلت کو حرمت میں بدل دیتی ہے ۔ اور اس لئے بھی کہ ایسی شرط عائد کرنے میں نہ عقد کی مصلحت ہے اور نہ اس کا تقاضا ہے اور نہ ہی وہ مروجہ اور نافذ العمل طور طریقوں پر مبنی ہے ، اس لئے ایسی شرط فاسد ہے اور یہ ایسا ہی ہے ، جیسے عورت یہ شرط لگائے کہ وہ اپنے کو شوہر کے حوالہ نہیں کرے گی "

(المغنی ۶ ـ ۵۴۸)

جو علماء ایسی شرائط کے جواز کے قائل ہیں ، ان کا سب سے بڑا استدلال اس حدیث سے ہے جس میں فرمایا گیا ہے ۔ " **احق الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج (بخاری کتاب الشرائط)** وہ شرائط پورے کئے جانے کی سب سے زیادہ مستحق ہیں جن کے ذریعہ تم نے عورتوں کو اپنے لئے حلال کرلیا ہے "

لیکن حدیث کے الفاظ " **مااستحللتم به الفروج** " (جن کے ذریعہ تم نے فروج کو حلال کرلیا ہے) اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ شروط سے مراد شریعت کی عائد کردہ وہ شرطیں ہیں جن کو قبول کرکے وہ نکاح کے بندھن میں بندھ جاتا ہے ۔ مثلاً مہر ، نفقہ ، حقوق کی ادائیگی ، حسن معاشرت وغیرہ ۔ فتح الباری میں ہے ۔

" خطابی کہتے ہیں کہ نکاح کی شرطیں مختلف ہیں ۔ بعض وہ ہیں جن کو پورا کرنے پر سب کا اتفاق ہے اور وہ ہیں اللہ کے دئے ہوئے احکام مثلاً معروف طریقہ پر عورت کو رکھنا یا خوبصورتی کے ساتھ اسے رخصت کرنا اور بعض حضرات نے اس حدیث کو اسی پر محمول کیا ہے " **(فتح الباری ج ۹ ص ۱۷۹)**

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ایک حدیث نقل کی ہے جو عورت کی اس شرط کو کہ وہ اس مرد کے بعد دوسرا نکاح نہیں کرے گی ، ناجائز قرار دیتی ہے ۔ لکھتے ہیں ۔

واخرج الطبرانی فی الصغیر باسناد حسن عن جابر ان النبی صلی الله علیه وسلم خطب ام مبشر بنت البراء بن معرور فقالت انی شرطت لزوجی ان لا اتزوج بعدہ فقال النبی

صلی اللہ علیه وسلم ان هذا لا یصح ۔(فتح الباری ج ۹ ص ۱۷۹)

"طبرانی نے الصغیر میں ایک حدیث نقل کی ہے، جس کی اسناد حسن ۔ حضرت جابر سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ام مبشر بنت براء بن معرور کو نکاح کا پیغام دیا تو اس نے کہا میری شرط ہے شوہر کے لئے یہ ہے کہ میں اس کے بعد نکاح نہیں کروں گی ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ درست نہیں ہے ۔"

اسی پر اس شرط کو قیاس کیا جاسکتا ہے کہ جو دوسرے نکاح کے بارے میں عورت کی طرف سے مرد پر عائد کی جائے ۔

حافظ ابن حجر نے امام شافعی کے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ۔

"اما شرط ینافی مقتضی النکاح کان لایقسم لها او لا یتسری علیها او لاینفق او نحو ذلک فلا یجب الوفاء به" ۔(فتح الباری ۹ ص ۱۷۹)

"ایسی شرط جو نکاح کے مقتضی (مقصد) کے منافی ہو، مثلاً یہ کہ اس کے لئے شب باشی کی باری مقرر نہیں کرے گا، یا یہ کہ اس کی موجودگی میں لونڈی نہیں رکھے گا، یا اس کا نفقہ ادا نہیں کرے گا، تو اس قسم کی شرطوں کو پورا کرنا واجب نہیں ہے ۔"

اس لئے ایسی شرطیں جو نکاح کے مقتضی کے خلاف ہوں اور جن سے شریعت کے عطا کردہ حقوق متاثر ہوتے ہوں، ان کو نہ جائز کہا جاسکتا ہے اور نہ ان کو پورا کرنا واجب قرار پاتا ہے ۔ البتہ بعض ایسی شرطیں ہوسکتی ہیں جو نکاح کے مقتضی کے خلاف بھی نہ ہوں اور جن کا مقصد کسی فریق کو تکلیف اور پریشانی میں مبتلا ہونے سے بچانا یا اس کے لئے اطمینان بخش زندگی گزارنے کا سامان کرنا ہے، مثلاً عورت کی طرف سے یہ شرط کہ مرد ملک سے باہر ملازمت کے لئے نہیں جائے گا، یا عورت کے لئے علیحدہ فلیٹ کا انتظام کرے گا، یہ اس کے لئے خادمہ رکھے گا تو ان شرطوں کا پورا کرنا اخلاقاً ضروری ہے ۔ اگر نہیں کرے گا تو عہد کی خلاف ورزی کا گناہ لازم آئے گا اور عورت کو اختیار ہوگا کہ وہ مرد سے طلاق کا مطالبہ کرے اور اسے پورا نہ کرنے کی صورت میں عدالت سے نکاح فسخ کرالے ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہے ۔

- "**مقاطع الحقوق عند الشروط**" ۔(البخاری ج ۹ ص ۱۷۸) "شروط کی پابندی حقوق کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہے ۔"

اس موقع پر معلومات کے لئے مسلم پرسنل لا کے کچھ اقتباسات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں ۔

" An agreement that the wife shall be at liberty to live with her parents has been held to be void."

(Muslim Law by Tyabji P. 57)

" _______Carrying the wife out of her native city_____ apparently against her desire. This apprehension surely can not effect the right of the parties in India and Pakistan, where the husband may not be able to carry her away without coming into conflict with the criminal law.

(Do P. 62)

" As a result of the cases it is submitted that a stipulation in a marriage contract that the husband shall not marry a second wife is enforceable."

(Do P. 64)

" In an Allahabad case the husband agreed to pay his wife maintenance within a specified time and in default the writing to operate as a divorce. It was held that on the husband's default the writing took effect as a valid divorce."

(Mulla's Principles of Mohammedan Law P. 325)

" An agreement, therefore, which provides for a certain maintenance to be given to the wife in the event of a future separation between them, is also void. If the marriage is dissolved by divorce, the wife is entitled to maintenance for the period mentioned in Sec. 279 and not for life, unless the agreement provides that it is for life."

(Do P. 304)

تفویض طلاق

عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا اور شوہر اس شرط کو تسلیم کرتا ہے تو اس شرط کی شرعاً کیا حیثیت ہے ؟ کیا اس کی وجہ سے عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا ؟ اور اگر شوہر نکاح کے وقت بیوی کو طلاق تفویض کرنے کے بعد اس تفویض طلاق کو ختم کرنا چاہتا ہے تو اس کا اختیار شوہر کو باقی رہتا ہے یا نہیں ؟

تفویض طلاق کی تشریح ڈاکٹر تنزیل الرحمن نے "مجموعہ قوانین اسلام" میں اس طرح کی ہے ۔

۔ تفویض طلاق (Delegation of the power of divorce) کے معنی ہیں "طلاق دینے کا اختیار اپنی زوجہ کے سپرد کرنا" چنانچہ عورت کا مرد سے نکاح کے وقت یہ شرط طے کرنا کہ وہ طلاق کی مختار ہے، شرعاً صحیح ہے ۔ اسی طرح شوہر کا اپنی زوجہ کو قیام نکاح کے دوران حق طلاق تفویض کرنا بھی جائز ہے ۔ ملک شام کے عائلی قانون کے تحت بھی شوہر کا یہ اختیار تسلیم کیا گیا ہے ۔

اگر زوجہ نے بوقت نکاح شوہر سے حق طلاق حاصل کر لیا ہو یا وہ نکاح کے بعد اس حق کی مالک بن گئی ہو تو وہ اس حق کو استعمال کر کے خود کو طلاق دے کر رشتہ زوجیت قطع کر سکتی ہے اور اس طلاق کا اسی طرح اعتبار کیا جائے گا جیسے کہ شوہر نے زوجہ کو وہ طلاق خود دی ہو ۔

تفویض یا تملیک طلاق کے بعد شوہر زوجہ کے اس حق کو فسخ نہیں کر سکتا ۔ کیونکہ تفویض کے بعد زوجہ اس اختیار کی بنفسہ مالک ہوجاتی ہے، خواہ اس حق کو استعمال کرے یا نہ کرے اور جب چاہے کرے ۔ البتہ اگر تفویض طلاق معین مدت کے لئے ہو اور وہ مدت گزر جائے تو عورت کا حق باطل اور بے اثر ہوجائے گا ۔

لیکن شوہر کے اپنی زوجہ کو حق طلاق تفویض کرنے کی صورت میں خود اس کا حق طلاق ساقط نہیں ہوگا ۔ چنانچہ اگر شوہر نے اپنی زوجہ کو حق طلاق تفویض کردیا اور پھر خود اس کو طلاق بائن دے دی تو عورت کا اختیار باطل اور غیر نافذ ہو جائے گا ۔

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تفویض سے ملکیت کیونکر پیدا ہوئی ؟ اور اگر ملکیت عورت کو حاصل ہوگئی تو پھر مرد کا حق طلاق کیونکر باقی رہا ؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ تفویض طلاق دراصل خیار طلاق ہے اور خیار دینا ایک فعل کے کرنے یا نہ کرنے کا مالک بنانا ہوتا ہے، کیونکہ مخیر (جس کو اختیار دیا گیا) اس فعل میں اپنی رائے سے تصرف کرتا ہے ۔ لہذا اگر شوہر اپنی زوجہ کو خیار طلاق تفویض کرتا ہے تو گویا وہ اپنی زوجہ کو یہ اختیار دیتا ہے کہ خود کو طلاق دے کر اس مرد کے رشتہ زوجیت سے علحدہ کر سکتی ہے ۔ اور ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ عورت مالکہ ہو کر (متصرف) ہے ۔ جس کا منشا یہ ہے کہ مرد کی اس ملکیت میں عورت بھی تصرف کر سکتی ہے جو اس مرد کے علاوہ ہے نہ کہ بجائے " (مجموعہ قوانین اسلام مطبوعہ پاکستان جلد دوم ص ۳۹۲۔۳۹۳) مسلم پرسنل لا میں اس مسئلہ کی وضاحت اس طرح ہے ۔

" Delegation of Power to divorce ________ Although the power to give divorce belongs primarily to the husbands, he may delegate the power to the wife or to a third person, either absolutely or conditionally, and either for a

particular period or permanently. The person to whom the power is delegated may then pronounce the divorce accordingly. A temporary delegation of the power is irrevocable, but a permanent delegation may be revoked."

(Mulla's Principles of Mohammedan Law P. 332)

Pakistan_______"A kabinnamah gave the wife the right to pronounce talak if prompt dower was not paid. A Pronouncement of divorce after demand held not against public policy and principles of Mohammedan Law. Such a divorce is known as talak by tafweez."

(Do P. 333)

"Stipulation by wife for right of divorce_________An agreement made, whether before or after marriage, by which it is provided that the wife should be at liberty to divorce herself in specified contigencies is valid, If the conditions are of a reasonable nature and are not opposed to the policy of the Mahomedan law, when such an agreement is made, the wife may, at any time after the happening of any of the contigencies, repudiate herself in the exercise of the power and a divorce will then take effect to the same extent as if a talak had been pronounced by the husband."

(Do P. 333)

"An agreement between husband and wife by which the husband authorizes the wife to divorce herself from him in the event of his marrying a second wife without her consent is valid."

(Do P. 334)

الحیلۃ الناجزۃ (مؤلفہ مولانا اشرف علی تھانوی و دیگر علماء) میں تفویض طلاق کو فقہ حنفی کی روشنی میں جائز قرار دیا گیا ہے اور کابین نامہ کے لئے نمونہ بھی پیش کر دیا گیا ہے ۔

ضروری اقتباسات

" اس قسم کا کابین نامہ لکھوانا (جس میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہو) اور بوقت ضرورت اس سے کام لینا شرعاً جائز ہے (اور اس اختیار دینے کو تفویض طلاق کہتے ہیں ۔ "

" اس کی تینوں صورتیں جائز ہیں ۔ چاہے نکاح سے پیشتر لکھوا لیا جاوے ، چاہے عین وقت عقد میں زبان سے کہلوالیا جائے ۔ چاہے بعد میں لکھوایا جائے " ۔ (**الحلیۃ الناجزۃ ص ۳۰، ۳۱**)

ساتھ ہی یہ مشورہ بھی دیا گیا ہے کہ

" چونکہ عورت ناقص العقل ہے ، اس لئے طلاق کو مطلقا اس کے ہاتھ میں دے دینا خطرہ سے خالی نہیں ۔ پس مناسب یہ ہے کہ تفویض میں کوئی قید مناسب بھی لگا دی جائے جس میں وہ خطرہ نہ رہے مثلاً یہ کہ نکاح کے وقت عورت کی طرف سے وہ خود یا اس کا ولی یا وکیل (یعنی قاضی نکاح خواں) یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسماۃ فلاں بنت فلاں کو تمہارے نکاح میں بمعاوضہ مہر ...... روپے ..... سکہ رائج الوقت کے اس شرط پر دے دیا کہ جس وقت اس کو تم سے کوئی تکلیف شدید پہنچے گی جس کو فلاں فلاں اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کرلیں (اس جگہ مناسب ہے کہ کم از کم دس آدمیوں کے نام تراضی طرفین سے متعین کردیے جائیں) تو اس کے بعد ہر وقت معاملہ میرے یا اس کے اختیار میں ہوگا کہ اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس نکاح سے علیحدگی اختیار کر لی جاوے ۔ اس صورت میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں اس وقت آئے گا جب تسلیم کردہ اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کرلیں کہ تکلیف شدیدہ ہے " (صفحہ ۳۵)

نیز یہ وضاحت بھی کردی گئی ہے کہ

" شوہر کو تفویض طلاق کے بعد اس تفویض سے رجوع کرنے کا حق نہیں رہتا ، بلکہ تفویض طلاق کے بعد عورت طلاق کی مالک ہوجاتی ہے " (صفحہ ۳۷)

اور ہدایہ میں ہے

وان قال لها طلقی نفسک متی شئت فلها ان تطلق نفسها فی المجلس و بعده

(**هداية ص ۱۹۷**)

" اگر شوہر نے بیوی سے کہا ، جب چاہو اپنے کو طلاق دے دو تو اس کو اختیار ہے کہ اس مجلس میں یا اس کے بعد اپنے کو طلاق دیدے ۔ "

علماء اور فقہاء کی یہ تصریحات تفویض طلاق کو جائز قرار دیتی ہیں ، لیکن تحقیقی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اس کی کوئی قوی دلیل ہمیں نہیں ملتی ، درحقیقت قرآن و سنت میں اس کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے اور جس آیت سے اس کے جواز پر استدلال کیا جاتا ہے ، اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی ۔ بنائے استدلال آیت تخییر ہے ، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد ہوا ہے ۔

یا ایھا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوۃ الدنیا و زینتھا فتعالین امتعکن و اسرحکن سراحا جمیلا (الاحزاب ۲۸)

"اے نبی! اپنی بیویوں سے کہہ دو۔ اگر تم دنیا کی زندگی۔ اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر خوبصورتی کے ساتھ رخصت کردوں"

فقہاء نے اس تخییر کو تفویض طلاق پر محمول کیا ہے، یعنی اس صورت میں عورت کو یہ اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے اوپر طلاق نافذ کرلے، جب کہ اس آیت میں اس کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔ آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ اپنی ازواج سے معلوم کر لیں کہ وہ دنیا کی زیب و زینت چاہتی ہیں یا اللہ اور اس کے رسول کو۔ اگر دنیا کی زیب و زینت چاہتی ہیں تو خوبصورتی کے ساتھ ان کو رخصت کر دیا جائے یعنی ان کی یہ مرضی معلوم ہونے کے بعد آپ انہیں طلاق دے دیں۔ اس سے یہ کہاں لازم آیا کہ اگر آپ کی ازواج دنیا کی زینت چاہتیں تو طلاق خود بخود واقع ہو جاتی۔ آیت میں طلاق کا کوئی لفظ استعمال نہیں ہوا ہے اور اس کے یہ الفاظ "**اسرحکن سراحا جمیلا**" میں خوبصورتی کے ساتھ رخصت کر دوں" صاف بتا رہے ہیں کہ آپ کے جدا کرنے سے وہ جدا ہو جائیں لہذا اس تخییر (اختیار) کو تفویض طلاق پر محمول کرنا صحیح نہیں"۔

چنانچہ حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔

لکن ظاھر الایۃ ان ذلک بمجردہ لایکون طلاقا بل لابد من انشاء الزوج الطلاق لان فیھا فتعالین امتعکن و اسرحکن ای بعد الاختیار و دلالۃ المنطوق مقدمۃ علی دلالۃ المفھوم (فتح الباری ج ۹ ص ۳۰۳)

"لیکن آیت تخییر کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ مجرد تخییر سے طلاق کا اختیار حاصل نہیں ہوتا بلکہ شوہر کے طلاق دینے ہی سے طلاق واقع ہو سکتی ہے، کیونکہ آیت میں فرمایا گیا ہے، آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کر رخصت کر دوں، جس کا مطلب یہ ہے کہ ازواج کے اس فیصلہ کے بعد (کہ وہ دنیا کی زینت کو ترجیح دیتی ہیں) انہیں رخصت کر دیا جاتے۔ اور الفاظ کی دلالت مفہوم کی دلالت پر مقدم ہے"

لہذا تفویض طلاق کا جواز آیت تخیر سے ثابت نہیں ہوتا۔

قرآن نے طلاق کا اختیار مرد ہی کو دیا ہے جیسا کہ ارشاد ہوا ہے۔

"**الذی بیدہ عقدۃ النکاح (البقرۃ۔ ۲۳۷)**" مرد جس کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے"

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ نکاح کی گرہ کھولنا یعنی طلاق کو جائز قرار دیا گیا ہے، وہاں اس اندیشہ

کا اظہار بھی کیا گیا ہے کہ

"چونکہ عورت ناقص العقل ہے اس لئے طلاق کو مطلقاً اس کے ہاتھ میں دے دینا خطرے سے خالی نہیں"

(الحیلة الناجزة ص ۳۲)

اور اس خطرہ سے بچنے کی صورت یہ پیش کی گئی ہے کہ کابین نامہ میں دس اشخاص کے نام پیش کئے جائیں جن میں کم از کم دو آدمی تسلیم کر لیں کہ عورت کو مرد کی طرف سے شدید تکلیف پہنچ رہی ہے تو عورت اپنے اوپر طلاق واقع کر سکتی ہے۔ مگر اس شرط کو عملاً پورا کرنا آسان نہیں ہے، اگر دو آدمی عورت کی بات کو صحیح تسلیم کر لیں اور تین آدمی اس کو صحیح تسلیم کرنے سے انکار کریں تو کیا صورت ہوگی۔ یہ دو آدمی صرف عورت کی بات سنیں گے یا مرد کی بھی۔ اگر صرف عورت کی بات سنیں گے تو یہ ایک طرفہ فیصلہ ہوگا اور اگر مرد کی بھی سنیں گے تو متضاد بیانات کی صورت میں گواہ وغیرہ کی ضرورت ہوگی۔ مطلب یہ ہے کہ پھر یہ مسئلہ دار القضاء کا بن جاتا ہے۔ اور اس صورت میں یہ شرط بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔

علاوہ ازیں ہماری نگاہ اس پہلو پر بھی ہونی چاہئے کہ موجودہ دور میں جو مسلمان اسلام کے عائلی قوانین سے مطمئن نہیں ہیں اور ان میں ترمیم کے درپے ہیں یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ نکاح کے موقع پر ایک کابین نامہ تیار کیا جائے جس میں مرد عورت کو یہ پیشگی اختیار دے کہ فلاں اور فلاں صورت میں عورت خود اپنے اوپر طلاق واقع کر سکتی ہے۔ تفویض طلاق کے اس حیلہ کو اختیار کر کے وہ مرد و زن میں مساوات کا اصول قائم کرنا چاہتے ہیں اس لئے اس کی ہرگز تائید نہیں کی جا سکتی۔

نکاح کا موقع مرد اور عورت کے درمیان خوشگوار تعلقات، پیدا کرنے کا ہوتا ہے اور تعلقات ایسی صورت میں خوشگوار ہو سکتے ہیں جب کہ باہمی اعتماد کی فضا ہو۔ ایسے موقع پر ناچاقی اور طلاق کا تصور ہی مرد اور عورت دونوں کی نفسیات پر برا اثر ڈالنے والا ہے اور جب عورت کی طرف سے شرائط کی بات آئے گی تو مرد بھی اپنی شرطیں پیش کرے گا، اس طرح دونوں کے ذہن پر اس کے خراب اثرات پڑیں گے۔ در اصل کابین نامہ کا تصور ہی باہمی اعتماد کو ٹھیس پہنچاتا ہے اور ان مصالح سے کسی طرح مناسبت نہیں رکھتا جو نکاح میں ملحوظ رکھے گئے ہیں

اگر متقدمین نے تفویض طلاق کی اجازت دی تھی تو اس کی حیثیت ایک فقہی جزئیہ کی تھی، جس سے اس وقت کے حالات میں کوئی بڑا مسئلہ پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن اس کو ایک کلیہ کی شکل دے کر موجودہ حالات میں اس کی عام اجازت دینا، کسی طرح صحیح نہیں۔ اسلام میں عزل کی اجازت ایک جزئیہ کی حیثیت سے موجود ہے، تو کیا

اس کو ایک کلیہ کی شکل دے کر برتھ کنٹرول اور فیملی پلاننگ جیسے منصوبے بنانے اور لوگوں کو اس کی ترغیب دینے کو جائز قرار دیا جا سکتا ہے ؟۔ اگر نہیں، تو تفویض طلاق کے بارے میں بھی ایک فقہی جزئیہ کو کلیہ کی شکل دینے اور کابین نامہ میں اسے درج کرانے کی ترغیب لوگوں کو نہیں دی جا سکتی ۔

سوال ۱۔ طلاق کی صورت میں مہر میں زیادتی کی شرط

اگر عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہے تو اس طرح مہر طے کرنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ یہ طریقہ اس معروف طریقے کے خلاف ہے، جو قرآن و سنت سے ثابت ہے، اور جس پر صحابہ کرام عمل پیرا رہے ہیں ۔ یہ گویا جرمانہ کی صورت ہے اور جرمانہ اس صورت میں تو صریح ظلم ہوگا، جب کہ مرد نے عورت کی زیادتیوں سے تنگ آکر اسے طلاق دی ہو ۔ رہا ایک مجلس میں تین طلاق دینے کا غیر مشروع اقدام تو جب یہ اقدام غیر مشروع ہے تو بیک وقت تین طلاقوں کا واقع ہونا بھی غیر مشروع ہے، لہذا اس تکلف کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی جو مذکورہ صورت میں بیان کی گئی ہے ۔

امام بخاری نے کتاب الشرائط میں باب باندھا ہے "**الشروط فی المهر عند عقد النكاح**" (نکاح کے وقت مہر میں شرطیں رکھنا) لیکن ان شرطوں سے مراد معروف شرطیں ہیں مثلاً یہ کہ مہر کس شکل میں ادا کیا جائے گا اور کب ۔ نہ یہ کہ مہر میں کسی شرط کی بنا پر کمی و بیشی کی جائے گی ۔

قرآن نے عورتوں کا مہر خوش دلی کے ساتھ ادا کرنے کا حکم دیا ہے ۔

وآتوا النساء صدقاتهن نحلة (النساء۔۴) " عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی سے عطیہ کے طور پر دو ۔ "

اور مہر میں جرمانہ کی صورت میں خوش دلی کے ساتھ عطیہ کے طور پر اسے دینے کی صورت برقرار نہیں رہتی، اس لئے مہر میں زیادتی کی شرط صحیح نہیں ۔

حنفی مسلک میں بھی امام زفر نے ان دونوں شرطوں کو فاسد کہا ہے جس میں عورت کا مہر اس کی سکونت کو برقرار رکھنے کی صورت میں ایک ہزار اور باہر لے جانے کی صورت میں دو ہزار طے کر دیا گیا ہو ۔

وقال زفر رحمه الله الشرطان جميعا فاسد ان يكون لها مهر مثلها لا ينقص من الف و لا يزاد على الفين (الهداية ج ۱ ص ۱۲۳)

"امام زفر رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں فاسد ہیں اور عورت کو مہر مثل ملے گا نہ ایک ہزار سے کم ملے اور نہ دو ہزار سے زیادہ"

ہماری سوسائٹی میں طلاق کا جو بے جا استعمال ہورہا ہے، اس کو روکنے کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا تو صحیح نہ ہوگا، جس سے نفس طلاق پر قدغن عائد ہوتی ہو یا طلاق کو قطع نظر اس بات کے کہ ضروری تھی یا نہیں، جرم قرار دے کر شوہر پر جرمانہ عائد کرتی ہو، البتہ اگر عدالت یا دارالقضاء عورت کے بیان سے مطمئن ہو کہ شوہر نے اس کو ناحق طلاق دی ہے تو اس پر مطلقہ کے لئے مکان مہیا کرنے یا ایک مدت تک مزید نفقہ ادا کرنے کی ذمہ داری ڈالی جاسکتی ہے کیونکہ موجودہ حالات میں کوئی مناسب تدبیر اختیار کرنا ضروری ہوگیا ہے۔ اس سلسلہ میں سوریہ (شام) کے قانون ازدواج سے مدد لی جاسکتی ہے جس میں طلاق تعسف کے بارے میں کہا گیا ہے۔

مادة ۱۱۷ - اذا طلق الرجل زوجته و تبين للقاضي ان الزوج متعسف في طلاقها دون ما سبب معقول و ان الزوجة سيصيبها بذلك بؤس و فاقة جاز للقاضي ان يحكم لها على مطلقها بحسب حالة ودرجة تعسفه بتعويض لا يتجاوز مبلغ نفقة سنة لا مثالها فوق نفقة العدة و للقاضي ان يجعل دفع هذا التعويض جملة او شهريا بحسب مقتضى الحال. (قانون الاحوال الشخصية ص ۳۲. الجمهورية السورية)

"دفعہ ۱۱۷ — اگر مرد بیوی کو طلاق دے اور قاضی پر واضح ہوجائے کہ شوہر نے کسی معقول وجہ کے بغیر طلاق دی ہے جس میں وہ زیادتی کا مرتکب ہوا ہے اور جس کی وجہ سے بیوی کو تنگی اور فاقہ سے دوچار ہونا پڑے گا تو قاضی کے لئے جائز ہوگا کہ وہ حالت اور جس درجہ کی زیادتی ہوئی ہے، اس کی مناسبت سے عورت کو معاوضہ دینے کا شوہر کو حکم دے جو اس حیثیت کی عورتوں کے ایک سال کے نفقہ سے زیادہ نہ ہو علاوہ عدت کے نفقہ کے۔ اور قاضی کو اختیار ہے کہ وہ حسب تقاضائے حال اس معاوضہ کو یک مشت یا ماہانہ ادا کرنے کا حکم دے۔"

شیخ عبد الوہاب خلاف فرماتے ہیں۔

"نصوص شرعیہ سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص بلا ضرورت طلاق دے تو شرعاً اس کی طلاق واقع ہوگی، لیکن وہ شخص گنہگار ہوگا اور اس کا گنہگار ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے شارع کے دئے ہوئے حق کا غلط استعمال کیا ہے۔ مشروع طریقہ پر اس کا استعمال اس نے نہیں کیا۔ اور جب اس کا گنہگار ہونا اس حق کے غلط استعمال کی دلیل ہے تو ہر طلاق دینے والا اپنے طلاق دینے کی بنا پر شرعاً گنہگار ہے، کیونکہ اس نے اس حق کا غلط

استعمال کیا۔ لہذا جب مطلقہ کو اس سے ضرر پہنچے تو اس ضرر کا معاوضہ دینا لازم ہے ۔ البتہ اگر اس نے اس سے گلو خلاصی حاصل کرنے کی ضرورت کے پیش نظر طلاق دی ہو، یا مطلقہ کو کوئی ضرر لاحق نہ ہوا ہو تو پھر معاوضہ دینا نہیں ہوگا " (الاحوال الشخصية للدكتور احمد الفندور ۳۵۲)

اور مصر کی عدالت نے ایک مقدمہ میں جس میں عورت نے دعوی کیا تھا کہ چونکہ اس کو مدرسہ کی ملازمت نکاح کی وجہ سے چھوڑنا پڑی اور شادی کو بھی تین مہینے گزرے تھے کہ شوہر نے طلاق دی جس کی وجہ سے اس کو کافی نقصان پہنچا ہے، یہ فیصلہ دیا کہ شوہر اپنی مطلقہ کو ایک ہزار گنی معاوضہ ادا کرے۔ (کتاب مذکور ص ۳۵۷)

سوال ۲۔ دوسری عورت سے نکاح کی صورت میں مہر میں اضافہ؟

اگر نکاح کرتے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا اور اگر اس کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس عورت کا مہر پندرہ ہزار ہوگا۔ تو ایسی صورت میں شریعت کے نزدیک دونوں شرطیں معتبر اور لازم العمل ہونگی یا نہیں؟ "

دونوں شرطیں شرعاً نہ معتبر ہوں گی اور نہ واجب العمل، کیونکہ دوسرا نکاح کرنا ہر حال میں جرم نہیں ہے کہ شوہر اس کا جرمانہ لازماً ادا کرے ۔ قرآن نے دوسری بیوی کرنے کی مشروط اجازت دی ہے اور اگر شوہر اس شرط کو پورا کرتا ہے تو وہ اپنی پہلی بیوی کو جرمانہ کیوں ادا کرے؟ مہر میں اس قسم کی شرطوں سے وہ مصالح فوت ہوجاتے ہیں جو سوال (۱) کے جواب میں اوپر بیان کئے گئے ۔

سوال ۳۔ عورت کو ملازمت سے نہ روکنے کی شرط

عورت اگر نکاح کے وقت یہ شرط پیش کرتی ہے کہ شوہر اسے لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا یا اگر آئندہ اسے کوئی مناسب ملازمت ملے تو اسے اس ملازمت سے نہیں روکے گا اور اس شرط کو شوہر عقد نکاح کے وقت قبول کرتا ہے تو اس شرط کی شرعاً کیا حیثیت ہوگی؟

موجودہ دور میں ملت کے مصالح اس بات کے متقاضی ہیں کہ عورتوں سے تعلیمی و طبی خدمات نیز دوسری ایسی خدمات جو عورتوں کے لئے مخصوص ہوں، عورتوں ہی سے لی جائیں، نیز انفرادی حالات بھی ایسے ہوسکتے ہیں کہ عورت ملازمت کرتے ہوئے اپنی گھریلو ذمہ داریاں ادا کرنے کے لئے کوئی مناسب انتظام کرسکتی ہے ۔

لہذا ملازمت کی شرط کو اگر شوہر نے قبول کر لیا ہے تو اس کی پابندی اس کے لئے ضروری ہے الا یہ کہ ملازمت میں شرعی حدود کا لحاظ نہ کیا جاسکے یا شوہر کو یا بچوں کو تکلیف پہنچتی ہو تو ایسی صورت میں شرط کی پابندی ضروری نہیں۔

اگر شوہر اس شرط کو قبول کرنے کے باوجود عورت کو سلسلہ ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے، یا نئی ملازمت کرنے سے روکتا ہے تو وہ اپنا معاملہ قاضی کے سامنے پیش کرسکتی ہے اور قاضی مناسب حال حکم دے سکتا ہے۔

کیا اشتراط فی النکاح شریعت میں پسندیدہ ہے ؟

نکاح میں شرطیں عائد کرنا، شرعاً کوئی پسندیدہ عمل نہیں ہے جس کی لوگوں کو ترغیب دی جائے، کیونکہ نہیں کہا جاسکتا کہ جس شرط کو شوہر نے قبول کرلیا ہے، اس کو شوہر نباہ سکے گا، اور حالات اس میں مانع نہیں ہوں گے۔ اگر حالات مساعد نہیں ہوئے تو دونوں کے درمیان نزاع پیدا ہوجائے گا۔ اس لئے امام مالک نے شروط کو مکروہ (ناپسندیدہ) کہا ہے۔

" والشروط ... بوجه عام .. مكروهة عند مالك رحمه الله. وقد جاء عنه انه نهى الناس ان يتزوجوا بالشروط. " (الاحوال الشخصية للدكتور احمد الغندور ص ۲۷۹)

" شرطیں ۔۔ بالعموم ۔۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مکروہ (ناپسندیدہ) ہیں۔ اور منقول ہے کہ وہ لوگوں کو شرطوں کے ساتھ نکاح کرنے سے منع کرتے تھے۔ "

موجودہ معاشرہ میں عورتوں کو وہ مقام حاصل نہیں ہورہا ہے جو اسلام انہیں دینا چاہتا ہے۔ ان کے حقوق بری طرح متاثر ہورہے ہیں، خاندان کا جہاں قدیم ڈھانچہ ہے، وہاں عام طور سے انہیں گھٹن کی زندگی گزارنے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے اور جہاں عورتیں مغربی تہذیب میں رنگی ہوئی ہیں، وہاں وہ نہ شوہر کو خاطر میں لاتی ہیں اور نہ شرعی حدود کا لحاظ کرتی ہیں۔ لہذا معاشرہ میں عائلی زندگی سے متعلق جو مسائل پیدا ہورہے ہیں، ان کا حل اشتراط فی النکاح یا کابین نامہ نہیں ہے بلکہ ایسی تدابیر کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے جو ایک طرف ان میں اللہ کے حضور جوابدہی کا احساس ابھارے، ان میں ایک دوسرے کے حقوق و فرائض کا شعور پیدا کرے، اور ناچاقی بالعموم جن وجوہ سے پیدا ہوتی ہے، ان سے بچنے کی صورتیں تجویز کرے، علاوہ ازیں قضائے شرعی کا ممکن حد تک انتظام

کیا جائے اور جن عورتوں کو ناحق طلاق (طلاق تعسف) دینے کی بناء پر ضرر پہنچ رہا ہو، ان کو ان کے شوہروں سے مناسب معاوضہ Compensation دلوانے کا عدالت اور قاضی کو اختیار دیا جائے، جس کے لئے ایکٹ بنانے کی سفارش کی جائے۔ اس قسم کی ٹھوس تدابیر اختیار کئے بغیر نہ معاشرتی اصلاح کا کام موثر طریقہ پر انجام پا سکتا ہے اور نہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کیا جاسکتا ہے۔

اشتراط فی النکاح

مولانا محفوظ الرحمن شاہین جمالی ٭

نکاح۔ انسان کی ہر دو اصناف مرد و عورت کی فطری ضرورت ہے۔ اور شریعت اسلامی میں اس ضرورت کی تکمیل کو بامعنی اور بامقصد بنانے کے لئے میاں بیوی پر کچھ ضابطے کی پابندیاں عائد کی گئی ہیں اور دونوں کو ان کے حقوق و فرائض بتائے گئے ہیں جن کی ادائیگی سے طرفین کی تعلقات میں خوشگواری اور استواری پیدا ہوتی ہے۔ اسلام میں نکاح صرف جنسی تسکین کے لئے مشروع نہیں کیا گیا ہے، بلکہ اس کے ذریعہ نسل انسانی کی بقا اور عفت و پاکدامنی کے تحفظ کو یقینی بنایا گیا ہے۔ اور مرد چونکہ عورت کے مقابلہ میں زیادہ قوی صنف ہے اور اس کے غلبہ سے صنف نازک کے حقوق متاثر ہونے کا اندیشہ ہوسکتا ہے اس لئے اس کو عورتوں سے کئی گنا زیادہ ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں، اور ان سے بطرز احسن عہدہ برآ ہونے کا پابند بنایا گیا ہے۔ ان ذمہ داریوں میں سے بعض شرعاً "لازمی ذمہ داریاں" ہیں جو طرفین کی رضامندی سے ساقط کرنے کے باوجود ساقط نہیں ہوسکتیں۔ اور بعض شرعاً "غیر لازمی ذمہ داریاں" ہیں جن کا اسقاط طرفین کی رضامندی سے معتبر ہوسکتا ہے۔ پہلی قسم کی ذمہ داریوں سے سبکدوشی کے لئے طرفین بوقت نکاح باہمی شرائط کی منظوری دیدیں تب بھی سبکدوشی نہیں ہوسکتی، بلکہ شرائط ہی کالعدم اور باطل ہوں گی۔

دوسری قسم کی ذمہ داریوں میں اضافہ اور اسقاط۔ اور باہمی شرائط کی منظوری شرعاً معتبر ہوتی ہے اور یہ طرفین کا حق خود اختیاری مانا گیا ہے۔

٭ شیخ الحدیث مدرسہ امداد الاسلام صدر بازار میرٹھ، یوپی

شرائط کی قسمیں اور ان کے احکام

دونوں قسم کی ذمہ داریوں سے متعلق کچھ شرائط اور احکام کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) عقد نکاح سے شوہر کے ذمہ بیوی کا نان و نفقہ شرعاً واجب ہوجاتا ہے جب عورت شوہر کے حق زوجیت کی ادائیگی کے لئے اس کے زیر کنٹرول ہو۔ اس صورت میں بوقت نکاح اگر اسقاط نفقہ کی شرط شوہر عائد کرے۔ یا بیوی پابندی نفقہ کی شرط شوہر پر لگائے تو ایسی شرط کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔ اور نان و نفقہ کی ادائیگی ہر حال میں شوہر کے ذمہ لازم ہوگی۔

(۲) شوہر کا ایسی ذمہ داری سے گریز کرنا جو شرعاً اس پر عائد ہوتی ہے، مثلاً نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ وہ بیوی کے نان نفقہ کا ذمہ دار نہیں ہوگا، بالکل باطل ہے، اور اگر بیوی نے اس کی منظوری بھی دیدی ہو تب بھی شوہر پر نفقہ زوجہ کی ادائیگی لازم ہوگی۔ شرط کی پابندی ضروری نہیں ہوگی۔ اور نکاح ہر حال صحیح ہوگا۔ کیونکہ شرط فاسد سے نکاح فاسد نہیں ہوتا۔ **النکاح لا یبطل بالشروط الفاسدة (حاشیة۔ هدایة ج ۲ ص ۳۲۷)**

قاضی خاں لکھتے ہیں۔

رجل تزوج امراة بالف علی ان لا ینفق علیها و مهر مثلها مأة کان لها الالف و النفقة۔

کسی شخص نے عورت سے ایک ہزار روپیہ مہر پر نکاح کیا بایں شرط کہ وہ عورت کا نفقہ نہیں دے گا، اور عورت کا مہر مثل ایک سو روپیہ ہو تب بھی عورت کو ایک ہزار روپیہ مہر اور نان و نفقہ ملے گا۔

(۳) نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی شرط لگانا جو مذکورہ دو صورتوں کے ذیل میں نہ آتی ہو، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا۔ وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا۔ شرعاً ایک جائز شرط ہے۔ اور شرعاً "غیر لازمی ذمہ داری" کے تحت داخل ہے لیکن فریقین کی منظوری کے بعد باختیار خود لازم الایفاء شرط ہے۔ تاہم اگر شوہر اس قسم کی شرط پوری نہ کرے تو اس سے صحت نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اور وفائے شرط کی صورت میں حسب شرط حکم لگایا جائے گا۔ لیکن اگر ایسی شرط پوری نہ کی گئی۔ تو اس جیسی عورت کے لئے جتنا مہر مناسب ہوتا ہو اتنا (مہر مثل) شوہر کے ذمہ لازم ہوگا۔ فتاوی قاضی خاں " میں ہے

اذا تزوج امراة و سمی لها شیئین احدهما مال و الآخر لیس بمال لکن لها فیه منفعة کطلاق الضرة و ان لا یخرجها من البلدة و نحو ذالک و لم یف بالشرط کان لها مہر المثل۔

(فتاوی قاضی خان ج ۱ ص ۱۷۲)

کسی شخص نے عورت سے نکاح دو ایسی چیزوں پر کیا جن میں سے ایک مال ہو اور دوسری چیز مال نہ ہو۔ لیکن اس میں عورت کا نفع ہو مثلاً یہ شرط کہ ہونے والا شوہر اس کی سوکن کو طلاق دیدے۔ یا یہ شرط کہ شوہر اس کو شہر سے باہر نہیں لے جائے گا۔ یا اس جیسی کوئی اور شرط ہو تو اگر شوہر شرط پوری نہ کرے تو اسے عورت کو مہر مثل دینا ہوگا۔

(۳) عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا۔ اور شوہر اس شرط کو تسلیم کرلے۔ تو عورت اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کی حقدار ہوگی۔ اور یہ صورت " تفویض طلاق " کے ذیل میں آئے گی۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شوہر اپنے حق طلاق کو عورت کے حوالے کردے اور اسے طلاق دینے یا نہ دینے میں با اختیار اور مالک بنادے۔

کیا تفویض طلاق واپس لی جاسکتی ہے ؟

تفویض طلاق چونکہ تملیک کی ایک قسم ہے توکیل نہیں ہے اس لئے شرط کی منظوری کے بعد شوہر کو تفویض طلاق ختم کرنے یا واپس لینے کا اختیار نہیں ہوگا

حضرت مولانا احسن نانوتوی تحریر فرماتے ہیں:

ولا یصح رجوع الزوج من التفویض لانہ تملیک لا توکیل

شوہر کا تفویض طلاق کو واپس لینا صحیح نہیں ہے کیونکہ تفویض تملیک (مالک بنادینا) ہے۔ توکیل (نمائندہ یا وارث بنانے) کے معنی میں نہیں۔ (کنز الدقائق ص ۱۲۲)

مولانا نانوتوی "کنز الدقائق" کے متن " **ولا یملک الرجوع** " کی تشریح کرتے ہوئے مزید وضاحت فرماتے ہیں:

ای لا یملک الزوج الرجوع من التفویض بانواعہ الثلاثۃ سواء کان بلفظ التخییر ۔او الامر بالید۔ او طلقی نفسک۔ لان فیہ معنی التعلیق۔ و باعتبار التملیک تقید بالمجلس و باعتبار التعلیق لم یصح الرجوع منہ۔ ولا عزلہا ولا نہیہا۔ لان التعلیق تصرف لازم فلا یصح الرجوع (کنوز الحقائق حاشیۃ کنز الدقائق ص ۱۲۲)

شوہر تفویض طلاق سے رجوع کرنے کا مالک نہیں ہوسکتا۔ خواہ یہ تفویض کے تینوں الفاظ میں سے کسی ایک کے ذریعہ واقع ہو جیسے (۱) تجھے اختیار ہے (۲) تیرا معاملہ تیرے ہاتھ ہے (۳) خود کو طلاق دے لے،اس لئے کہ تفویض میں تعلیق کے معنی بھی موجود ہیں (یعنی شوہر۔ عورت کے اختیار پر طلاق کو معلق کرتا ہے) اور باعتبار

تملیک عورت کو طلاق دینے کا اختیار مجلس تک ہی محدود رہے گا۔ اور باعتبار تعلیق اس تفویض سے رجوع صحیح نہیں۔ نیز عورت کو اس حق سے معزول کرنا اور روکنا بھی صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ تعلیق تصرف لازم (حسب منشاء اختیار کا استعمال) ہے لہذا رجوع درست نہیں۔

تفویض طلاق کی مدت

یہاں یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ عورت کا اختیار طلاق "تفویض مطلق" میں مجلس تفویض تک ہی محدود رہے گا۔ اور تبدیلی مجلس یا تبدیلی مجلس پر دلالت کرنے والے افعال سے یہ اختیار باقی نہ رہے گا۔ البتہ "تفویض موقت" میں اختیار طلاق وقت مقرر تک حسب شرط باقی رہے گا۔

شرائط کب معتبر ہوں گی۔

رہی یہ بات کہ نکاح بشرط تفویض طلاق۔ یا دیگر شرائط متعلقہ بالنکاح کس وقت معتبر ہوں گی؟ اس کی ممکنہ تین صورتیں ہیں۔

١۔ عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہوجائیں اور طرفین منظوری دیدیں یا اس تحریر پر دستخط کردیں۔

٢۔ عقد نکاح میں ان شرائط کا ذکر کیا جائے۔ ایجاب مشروط ہو یا ایجاب مطلق ہو۔ قبول مشروط ہو۔

٣۔ عقد نکاح کے بعد طرفین میں کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے اور اس پر دستخط کردیا جائے۔

اس سلسلے میں فقہاء کی عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ شرائط کی نوعیت کے اعتبار سے ان کے احکام میں فرق ہوگا۔

(الف) جن شرائط میں عورت کا نفع ہو اور وہ فعل زوج سے متعلق ہوں، تو وہ مذکورہ تینوں صورتوں میں معتبر ہوں گی۔ جیسے شہر یا آبائی وطن سے عورت کو باہر نہ جانے کی شرط۔

(ب) ایسی شرائط جو لازمی ذمہ داری سے گریز کے ہم معنی ہوں۔ جیسے عدم نفقہ، یا عدم مہر، یا عدم میراث کی شرطیں۔ تو یہ تینوں صورتوں میں باطل ہوں گی، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

من اشترط شرطا ليس في كتاب الله فهو باطل و ان اشترط مائة شرط۔ وشرط الله احق و اوثق (بخاری ص ٢٨٩ ج ١)

جو شخص ایسی شرط لگائے گا جو کتاب اللہ میں نہ ہو تو وہ باطل ہے اگرچہ ایک سو شرطیں لگائے۔ اور اللہ کی

شرط کو پورا کرنا زیادہ ضروری اور مناسب ہے۔

(ج) ایسی شرائط جو ملک نکاح کے ثبوت پر موقوف ہوں۔ اور تقاضائے عقد نکاح کے خلاف ہوں۔ جیسے طلاق۔ یا تفویض طلاق کی شرط۔ تو اس کا اعتبار صرف بعد النکاح ہوسکتا ہے۔ قبل النکاح یا بوقت نکاح ایسی شرطیں کالعدم ہوں گی۔ خواہ ایجاب مشروط ہو اور قبول مطلق ہو، یا ایجاب مطلق ہو اور قبول مشروط ہو۔ لیکن اس معاملہ کی ایک صورت ایسی ہے جس سے بظاہر ایسی شرط کا قبل النکاح معتبر ہونا معلوم ہوتا ہے، حالانکہ درحقیقت یہ بعد النکاح ہی معتبر ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ عند النکاح عورت کی طرف سے ایجاب مشروط ہو اور شوہر۔ قبول نکاح کرتے ہوئے اس شرط کو منظور کرے، تو یہ شرط بھی اس لئے معتبر ہوگی کہ اس کی منظوری فی الواقع بعد النکاح ہو رہی ہے۔

"فتاوی قاضی خاں" میں فصل فی النکاح علی الشرط کے ذیل میں اس مسئلہ کی تفصیل اس طرح نقل کی گئی ہے۔

رجل تزوج امراة علی انها طالق او علی ان امرها فی الطلاق بیدها ذکر محمد فی الجامع انه یجوز النکاح۔ و الطلاق باطل و لایکون الامر بیدها و ذکر فی الفتاوی عن الحسن بن زیاد اذا تزوج امراة علی انها طالق الی عشرة ایام او علی ان یکون الامر بیدها بعد عشرة ایام ان النکاح جائز و الطلاق باطل۔ و لا تملک امرها۔

وقال الفقیه ابو اللیث هذا اذا بدأ الزوج فقال تزوجتک علی انت طالق۔ و ان ابتدأت المراة فقالت زوجت نفسی منک علی انی طالق او علی ان یکون الامر بیدی۔ اطلق نفسی کلما شئت فقال الزوج قبلت جاز النکاح و یقع الطلاق و یکون الامر بیدها لان البدایة اذا کان من الزوج کان الطلاق و التفویض۔

قبل النکاح فلا یصح۔ و اما اذا کانت البدایة من قبل امراة یصیر التفویض بعد النکاح لان الزوج لما قال بعد کلام المراة قبلت و الجواب یتضمن اعادة مافی السوال فصار کانه قال قبلت علی انک طالق او علی ان یکون الامر بیدک فیصیر مفوضا بعد النکاح (فتاوی قاضی خاں ج ۱ ص ۱۵۵)

ایک شخص نے کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ اس کو طلاق ہے، یا اس شرط پر کیا کہ طلاق کے بارے میں طلاق کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہوگا، تو امام محمد نے جامع میں فرمایا کہ نکاح تو جائز ہوجائے گا، لیکن طلاق باطل ہوگی اور عورت کے ہاتھ میں طلاق کا اختیار نہیں رہے گا۔

اور فتاویٰ میں حسن بن زیاد سے مروی ہے کہ جب کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ دس دن کے اندر اس کو طلاق ہے یا اس شرط پر نکاح کیا کہ اس کو دس دنوں کے بعد طلاق دینے کا اختیار ہے ۔ تو نکاح جائز ہے اور طلاق باطل ہے اور عورت طلاق دینے کے اختیار کی مالک نہیں ہوگی۔

اور فقیہ ابو اللیث نے فرمایا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب شوہر نے شرط کی شروعات کی ہو اور یوں کہا ہو کہ میں نے تجھ سے نکاح اس شرط پر کیا کہ تجھے طلاق ہے ...۔ اور اگر عورت نے اپنی طرف سے شرط کی ابتداء کی ہو اور یوں کہا ہو کہ " میں نے اپنا نکاح تجھ سے کردیا اس شرط پر کہ مجھے طلاق ہے ، یا اس شرط پر کہ طلاق کا اختیار میرے ہاتھ میں ہوگا ۔ میں جب چاہوں خود کو طلاق دے ڈالوں " اور شوہر نے اس کے جواب میں کہا کہ میں نے قبول کیا تو نکاح جائز ہے اور طلاق واقع ہوجائے گی ۔ اور عورت کو طلاق دینے کا اختیار حاصل ہوگا ۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ جب شرط کی ابتداء شوہر کی طرف سے ہو تو طلاق اور اختیار طلاق کی سپردگی دونوں قبل النکاح ہوئی ۔ لہذا طلاق اور تفویض کی شرط صحیح نہیں ہوئی ۔

مگر جب شرط کی ابتداء عورت کی جانب سے ہو تو تفویض بعد النکاح ہوگی (بنا بریں تفویض صحیح ہوئی) اس کی وجہ یہ ہے کہ جب شوہر نے عورت کے کلام کے بعد قبلت کہا ۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جواب میں سوال میں مذکور چیز کا اعادہ شامل ہوتا ہے ، تو گویا یہ کلام ایسا ہوگیا جیسے شوہر نے کہا ہو کہ میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ تجھے طلاق ہے ، یا طلاق کا اختیار تیرے ہاتھ میں ہے تو اس صورت میں نکاح کی منظوری پہلے ہوئی اور شوہر اختیار طلاق کو عورت کے سپرد کرنے والا بعد النکاح قرار پایا " ۔

تفویض طلاق اور احتیاطی قیود

اس تفصیل سے ظاہر ہوا کہ شوہر کو قبل النکاح یا بوقت نکاح تفویض طلاق کا حق حاصل نہیں ہے وہ بعد النکاح ہی اپنی حق طلاق عورت کو سونپ سکتا ہے ۔ مگر اس صورت میں بھی عورت کی ذات سے سخت اندیشہ ہے کہ مصالح شرعیہ ضائع ہوجائیں ۔کیونکہ عورت فطری طور پر جذباتی ہوتی ہے اور طلاق کا اختیار حاصل کرنے کے بعد ذراسی بات پر وہ رشتہ نکاح کو توڑ سکتی ہے ، جیسا کہ یورپ کی عوتوں میں جنہیں قانونا حق طلاق حاصل ہے ۔ ۷۰ فیصد عورتوں کا شادی کے تین چار مہینوں کے بعد ہی شوہر سے علحدگی اختیار کرلینے کا رواج عام ہے اور اس سے ۳۸ فیصد بچوں میں ماں باپ کی مشترکہ شفقت و تربیت سے محرومی کے سبب خطرناک جرائم کے ارتکاب کا رجحان اور معاشی تنگی اور اخلاقی مسائل کا سلسلہ بڑھتا جارہا ہے ۔ موجودہ صورت حال کے پیش نظر مناسب یہی ہے کہ

تعویض طلاق کے دروازہ کو بند کردیا جائے اور تعویض طلاق کے ساتھ احتیاطی قیود کے اضافے کی کوئی راہ نہ ڈھونڈی جائے ورنہ اندیشہ ہے کہ احتیاطی قیود کے بطن سے ایسی مضرتیں پھوٹ پڑیں جو مصالح نکاح کو ضائع کردیں اور سد باب مشکل ہوجائے۔

مقدار مہر میں اضافہ کی شرط

رہ گیا یہ مسئلہ کہ شوہر کو طلاق کے بیجا استعمال سے روکنے کے لئے بوقت نکاح مہر کی تعیین مشروط طریقے پر کی جائے۔ مثلاً یہ شرط لگائی جائے کہ اگر شوہر تمام عمر طلاق نہ دے تو مہر پانچ ہزار اور اگر طلاق دے تو پندرہ ہزار تو یہ صورت میری نظر میں شرط باطل کی قبیل سے ہے۔ اس لئے کہ اس شرط کا مقصد شوہر کا طلاق دینے سے اختیار شرعی سے روکنا ہے جو منصوص طور پر اس کو حاصل ہے۔ لہذا ایسی شرط **من اشترط شرطا لیس فی کتاب الله فهو باطل** کے ذیل میں آتی ہے جو باطل اور غیر معتبر ہے۔ لہذا بصورت طلاق پندرہ ہزار کی ادائگی شوہر پر لازم نہیں ہوگی۔ بلکہ مہر مثل دینا ہوگا اس کے علاوہ یہ بھی واقعہ ہے کہ فریقین کے درمیان مزاج کی ناہمواری یا خود شوہر یا بیوی کی کسی ناقابل برداشت حرکت کے سبب طلاق ناگزیر ہوجاتی ہے۔ ایسی حالت میں شوہر پر بطور مہر بڑی رقم کی ادائگی کی شرط لگانا ظلم نہیں تو اور کیا ہے ؟

دو مشروط مقدار مہر

رہ گئی اشتراط فی النکاح کی یہ صورت کہ شوہر نے بوقت عقد نکاح دو مہروں کا ذکر کیا اور دونوں کو کسی اور شرط پر معلق کیا، مثلاً اس نے کہا، میری کوئی دوسری بیوی نہ ہو تو ایک ہزار روپیہ مہر اور اگر کوئی اور بیوی ہو تو دو ہزار مہر یا یوں کہا کہ اس کو وطن سے نہ نکالے تو ایک ہزار اور نکالے تو دو ہزار تو اس مسئلہ میں اگرچہ بعض نے دونوں شرطوں کو جائز رکھا ہے، اور حسب شرط مہر کو لازم قرار دیا ہے، لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک شرط ثانی جائز نہیں ہے پس یہ شرط پوری نہ کرنے پر مہر مثل دینا ہوگا، کیونکہ شرط معلق کا وجود بوقت عقد نا معلوم اور مجہول ہے اور امام زفر کے یہاں دونوں شرطیں ناجائز ہیں، کیونکہ ملک بضع کے بالمقابل دو بدلوں کا ذکر علی سبیل البدلیہ کیا گیا ہے، لہذا دونوں نا معلوم اور مجہول ہوگئے پس مہر مثل لازم ہے، امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے اور وہ اس شکل میں مہر مثل کو واجب قرار دیتے ہیں، اور امام مالک ان شرطوں پر سرے سے نکاح کو ہی فاسد کہتے ہیں اور حنابلہ بھی شرط پوری نہ کرنے پر فساد نکاح کا حکم لگاتے ہیں، (کذا فی کنوز الحقائق ص ۱۰۵) اور اسی جیسی دوسری شرط، مثلاً اگر

عورت بدصورت ہو تو ایک ہزار مہر اور خوبصورت ہو تو دو ہزار مہر، کی صورت میں اگرچہ دونوں شرطوں کے جواز کو بلا خلاف نقل کیا گیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں بھی امام صاحب اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہی ان کے اصولوں کے مطابق صحیح معلوم ہوتا ہے، جیسا کہ قاضی خاں ص ۱۵۵ ج ۱ زیلعی اور صاحب نہر الفائق کے کلام سے ظاہر ہے اور علامہ شامی نے بھی یہ تفصیلات ذکر کی ہے (رد المختار ص ۳۴۸ ج ۲) اور ابن الھمام نے تو بالکل صاف صاف یہ فرمایا ہے کہ - **و الاولی ان تجعل مسئلة القبيحة و الجميلة على الخلاف فقد نص فی نوادر ابن سماعة عن محمد على الخلاف فيهما (فتح القدير ص ۲۷۰ ج ۲)** اور زیادہ بہتر یہی ہے کہ خوبصورتی و بدصورتی والے مسئلہ میں صاحبین اور امام ابو حنیفہ کے درمیان اختلاف کو ثابت مانا جائے۔ کیونکہ نوادر ابن سماعہ میں امام محمد سے اس مسئلہ میں اختلاف صراحتاً منقول ہے۔

اس کے علاوہ واقعہ یہ ہے کہ امام صاحب کے قول کے خلاف اصحاب فتاوی نے کوئی فتوی صادر نہیں کیا۔ لہذا ترجیح انھیں کے قول کو حاصل ہوگی۔ اور اس مختلف فیہ مسئلہ کو مندرجہ ذیل مسئلہ کے لئے نظیر نہیں بنایا جائے گا۔

طلاق اور عدم طلاق کی شرط پر مخصوص مہر

بوقت عقد نکاح یہ شرط لگانا کہ اگر شوہر عورت کو طلاق دے تو مہر بیس ہزار روپیہ اور شوہر طلاق نہ دے تو دس ہزار روپیہ اور شرط کو جائز قرار دینا اور حسب شرط مہر کو لازم قرار دینا نہایت ہی مشکل ہے۔ پھر یہ مسئلہ چونکہ دونوں تسمیہ کو طلاق اور عدم طلاق پر معلق کرنے کی شرط سے تعلق رکھتا ہے جب کہ شرعاً شوہر کو طلاق دینے یا نہ دینے کا حق برابر درجہ میں حاصل ہے، لہذا بڑی رقم کے دباؤ سے اس کو اس حق سے دست بردار کرنے کے لئے ایسی شرط لگانا میرے نزدیک شرط باطل ہے، لہذا شوہر طلاق دیدے تو مہر مثل لازم ہوگا نہ کہ مشروط رقم برخلاف مذکورہ بالا صورت مسئلہ کے کہ اس میں شرط کا تعلق عورت کی منفعت اور شوہر کے حسن و معاشرت سے ہے اور اس میں شوہر کے کسی شرعی حق کو متاثر نہیں کیا گیا ہے پھر بھی اس میں امام اعظم کے نزدیک عدم وفائے شرط کی صورت میں مہر مثل لازم ہے تو زیر بحث مسئلہ میں جب اس کا حق متاثر ہوتا ہے بدرجہ اولی مہر مثل لازم ہوگا۔

طلاق کے بیجا استعمال پر پابندی کی صورتیں

میں سمجھتا ہوں کہ اگر شوہر کو طلاق کے بیجا استعمال سے روکنے کے لئے بوقت عقد نکاح کسی ایسے معاہدہ کا

پابند کیا جائے جس کے مطابق وہ عورت کو جلد بلاقصور طلاق دیدے، تو بطور متعہ ایک خطیر رقم کی ادائیگی اس کے ذمہ لازم قرار دی گئی ہو تو یہ صورت غالبا اذوق بالقرآن بھی ہوگی جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

و للمطلقات متاع بالمعروف حقا علی المتقین

اور طلاق شدہ عورتوں کے لئے معروف طریقہ پر متعہ دینا پرہیزگاروں پر لازم ہے اگرچہ حسب تصریحات فقہاء متعہ کی یہ صورت صرف مستحب درجہ میں ہے تاہم معاہدہ کے بعد اس کا لازم الوفاء ہونا ارشاد نبوی کے عین موافق ہوگا۔

احق الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج (فتح القدیر ج ۲ ص ۳۵۹)

شرطوں کا حق ہے کہ ان کو پورا کرو جس کے ذریعہ تم نے شرمگاہ کو حلال بنایا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بلا قصور عورت کو طلاق دینے پر شوہر کے لئے کوئی تادیبی سزا مقرر کی جائے، جیسا کہ حضرت عمر تین طلاق بیک وقت دینے والے پر درے لگایا کرتے تھے، اگرچہ ہندوستان کے حالات کے پیش نظر تادیبی سزا پر عمل کسی آزاد ادارہ یا اصطلاحی انجمنوں کے لئے سخت مشکل ہے، لیکن مسلم پرسنل لا بورڈ کے پلیٹ فارم سے دو طلاق دینے پر قانونا ایک سال یا چھ مہینے قید بامشقت کی سزا دلانے کی سفارش حکومت ہند سے کی جاسکتی ہے۔

نکاح ثانی کرنے اور نہ کرنے پر کم و بیش مہر کی شرط

اگر نکاح کرتے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا اور اگر دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا۔

تو اس مسئلہ میں بھی "نکاح کیا تو تیس ہزار" والی شرط غیر معتبر اور غیر لازم العمل ہے اگر شوہر نے دوسرا نکاح کرلیا تب بھی اس پر مہر مثل ہی لازم ہوگا، کیونکہ اصحاب فتاوی نے صاحبین کے قول پر فتوی نہیں دیا ہے۔ اور یہ چونکہ مسئلہ بھی مذکورہ بالا مسئلہ کی نظیر ہے، لہذا یہ بھی مابین الامام و الصاحبین مختلف فیہ رہے گا اور امام صاحب کے ہی قول پر فتوی دیا جائے گا، جیسا کہ مذکورہ بالا مسئلہ میں ارباب فتاوی نے دیا ہے۔

نکاح بشرط ملازمت

اگر نکاح کے وقت عورت اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگائے کہ شوہر انہیں لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا، یا اگر آئندہ اس کو کوئی مناسب ملازمت مل جائے تو شوہر ملازمت کرنے سے نہیں روکے گا، اور

شوہر اس شرط کو قبول کرتا ہے ۔ تو اس مسئلہ میں شرعی حکم یہ ہے کہ چونکہ عورت شادی کے بعد بحق شوہر محبوس ہوتی ہے ، اور قرآن حکیم کے مطابق شوہر حاکم اور بیوی محکوم ہے ، لہذا شرط منظور کرنے کے باوجود شوہر اپنی بیوی کو گی ملازمت سے دست بردار کرنے کا حق دار ہے ، اور نئی ملازمت کے کرنے سے روک سکتا ہے ۔

دوسری بات یہ بھی ہے کہ جب شوہر کے ذمہ بیوی کا نان و نفقہ شرعا واجب ہے تو بیوی کو ملازمت کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے ؟ پھر آجکل کے دور فتنہ میں جبکہ ملازمت دینے والے اداروں میں بے پردگی اور جاہلی فیشن عام ہے اور ملازم مرد و عورت کا اختلاط ترقی کی علامت سمجھا جاتا ہے ، عورت خود بے پردہ نہ ہو تو نیکر دھاری بے پردہ مردوں کا سامنا تو بہر حال کرنا ہی پڑتا ہے ، ان اداروں کا ایسا ہی حال ہے کہ جیسے فقہاء متقدمین کے زمانے میں حمام کا حال تھا جسے پبلک باتھ روم کہنا چاہئے اور ان حماموں میں بلا اجازت شوہر عورت کے آنے پر پابندی عائد کی گئی ہے ۔

لكن انما يباح اذا لم يكن فيه انسان مكشوف العورة و على ذالك فلا خلاف فى منعهن من دخوله للعلم بان كثيرا منهن مكشوفة العورة (فتح القدير ص ۳۳۷ ج ۲)

حماموں میں عورتوں کا جانا اس وقت مباح ہے جب اس میں کوئی آدمی بے پردہ نہ ہو ، اور اس بناء پر عورتوں کو ان میں جانے سے روکنے پر کوئی اختلاف نہیں ہے ، کیونکہ پتہ ہے کہ اکثر عورتیں وہاں بے پردہ ہوتی ہیں جو خود عورتوں کو ملازمت پر جانے کے لئے شرعی طور پر اس بات کی پابندی کرنی ہوگی کہ وہ زیب و زینت ترک کرکے ایسے لباس و پوشاک میں جائیں جو مردوں کے لئے جاذب نظر نہ ہو ۔

انما يباح بشرط عدم الزينة و تغيير الهيئة الى مالا يكون داعية الى نظر الرجال والاستمال له قال الله تعالى و لا تبرجن تبرج الجاهلية الاولى (فتح القدير ص ۳۳۷ ج ۲)

اور رسوم جاہلیت سے مزاج آشنا ادارے اس کو برداشت نہیں کرسکتے ، اس لئے ترک ملازمت ہی مناسب ہے ، البتہ اگر کسی گرل اسکول میں ملازمت ہو جہاں سارا نظام عورتوں کے ہاتھ میں ہو یا کوئی مدرسہ البنات ہو ، جہاں مردوں کے داخلہ پر پابندی ہو اور آنے جانے میں بے پردگی کے فتنے سے بچاؤ کا اہتمام ہو ، تو ایسی صورت میں قبول شرط کے بعد شوہر کو ملازمت سے روکنے کا کوئی حق نہیں ہوگا ۔

اس کی تائید فتاوی دار العلوم سے بھی ہوتی ہے ۔

سوال ۔ ایک عورت اس شرط پر نکاح کرنا چاہتی ہے کہ تین ماہ تک پردہ نہ کروں گی ۔

جواب ۔ نکاح کرنا جائز ہے عورت کی اس شرط پر کہ تین ماہ پردہ نہ کروں گی عمل نہ کیا جائے بعد نکاح کے وہ عورت شوہر کی محکوم ہوجائے گی اس کا کچھ اختیار نہ ہوگا ۔ (فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۷ ص ۲۷۰)

اشتراط فی النکاح

مولانا محمد مصطفی عبد القدوس ندوی ☆

عقد نکاح جائز تعلق استوار کرنے کا ذریعہ ہے۔ اس سے شریعت کا مقصد جہاں افزائش نسل ہے، وہیں یہ بھی ہے کہ دونوں شیر و شکر ہوکر باہم زندگی گزاریں۔ الفت و محبت کی روح پرور فضاء میں سانس لیں، دونوں ایک دوسرے کے نفع و نقصان کو اپنا نفع و نقصان تصور کریں، لیکن بسا اوقات اس مقصد کو بروئے کار لانے میں بعض اشیاء رخنہ انداز ہوتی ہیں۔ جنہیں پاٹنے کے لئے کچھ شرطیں لگائی جاتی ہیں۔ اب جائزہ یہ لینا ہے کہ عقد نکاح کے ساتھ عائد کردہ شرطیں کس حد تک شریعت کی نگاہ میں معتبر ہیں اور کس حد تک نہیں؟

اس طرح کی شرطیں مجموعی اعتبار سے چار طرح کی ہیں۔ (۱) مقتضیات عقد میں سے کسی کو مشروط کرنا (۲) مقصد نکاح سے گریز کی شرط لگانا (۳) ایسی شرط لگانا جو نکاح میں لازم نہیں ہے۔ (۴) ایسی شرط لگانا کہ جس سے عقد نکاح ہی باطل ہوجائے۔

تقاضاء عقد کے مطابق شرط

عقد نکاح میں ایسی شرط کا ذکر کرنا جس کی وجہ سے کسی فریق پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے، بلکہ وہ عقد نکاح کا تقاضاء ہے کہ اسے بروئے کار لایا جائے۔ اس طرح کی شرطوں کو پورا کرنا بالاتفاق ضروری ہے، (**المجموع شرح المهذب ۱۲/ ۳۳۷ و المدونة الکبری ۲/ ۱۵۰**)

القواعد النورانية الفقهية، ص ۲۱۳ میں ہے۔

☆ استاذ دارالعلوم سبیل السلام، حیدرآباد

قال ابن التیمیة فاما اذا اشرط ما یقصد بالعقد لم ینافی مقصوده۔ هذا القول هو الصحیح بدلالة السنة و الکتاب و الاجماع و الاختیار مع الاستصحاب و عدم الدلیل المنافی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ لکھتے ہیں: عقد میں مقصد نکاح کو مشروط کرنا درست ہے ۔ اس کی صحت پر کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع دال ہیں ۔ استصحاب حال کا بھی یہی تقاضا ہے اور اس کے مقابلہ میں کوئی منافی دلیل بھی نہیں ہے ۔

جیسے شب و روز میں وطی کرنے کی شرط، شوہر عورت کے نان و نفقہ اور رہائش کا انتظام کرے گا ۔ ہر چھ مہینے گزرنے پر ایک جوڑا پیرہن تن مہیا کرے گا ۔ موسم سرما میں گرم کپڑے دے گا، وغیرہ (**المجموع شرح المهذب ۱۷۔ ۳۳۷۔ الدر المختار ۱۔ ۲۸۵۔ ۷۸**۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی شرطوں کو پورا کرنے کی تلقین فرمائی، جن کی وجہ سے اجنبی عورت سے استمتاع حلال ہوجاتا ہے ۔

عن عقبة بن عامر عن النبی صلی الله علیه وسلم انه قال ، احق الشروط ان یوفی به ما استحللتم به الفروج ، البخاری باب الشروط فی النکاح ج ۲ ص ۷۷۲۔ مسلم باب الوفاء بالشروط فی النکاح ج ۱ ص ۲۵۵ الترمزی باب ماجاء فی الشروط عند عقدة النکاح ج ۱ ص ۲۱۳۔ النسائی باب الشروط فی النکاح ج ۲ ص ۸۷۔ ابن ماجه " باب الشروط فی النکاح ج ۱ص ۱۳۰۔ و اللفظ لمسلم و النسائی و ابن ماجه)

حضرت عقبہ بن عامر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا "سب سے زیادہ جو شرطیں قابل ایفاء ہیں وہ یہ ہیں جن کے ذریعہ تمہارے لئے شرمگاہ حلال ہوجاتی ہے ۔

علامہ کاسانی ایفاء شرط کے وجوب پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولان ذالک هو الواجب علیه بنفس العقد سواء شرطه اولا (رد المحتار و باب الشهادات)

اس لئے کہ یہ تو اس پر محض عقد ہی کی بنیاد پر واجب ہے، خواہ وہ عقد میں مشروط ہو یا نہ ہو ۔

مقصد نکاح سے گریز کی شرط

نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی شرط لگانا، جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، مثلاً شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا خورد و نوش، یا لباس و پوشاک یا مہر اس کے ذمہ نہیں ہوگا۔ یہ شرط لگائے کہ دونوں میں سے ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوگا، یا مرد یہ شرط لگائے کہ ہفتہ میں صرف ایک

رات، یا دن میں رات میں نہیں، یا جمعہ کے روز صرف رات میں شب باشی کرے گا، یا عورت یہ شرط لگائے کہ وہ اس سے ازدواجی تعلق قائم نہیں کرے گا، یا اگر کرے تو عزل کا پابند ہوگا، یا یہ شرط لگائے کہ وہ اس کی سوکن کو طلاق دیدے گا۔

اس طرح کی تمام شرطیں باطل ہیں، اور عقد نکاح درست ہے۔ یہ احناف اور حنابلہ کا مذہب ہے، اسی کے قائل اسحاق، ابو ثور اور طبری ہیں (**الخانیة بھامش الهندیة ج ۳ ص ۲۳۱۔ المبسوط ج ۵ ص ۹۵۔ رد المحتار ج ۲ ص ۳۳۱۔ مطلب فی النکاح الفاسد۔ المغنی ج ۷ ص ۲۷۔ بدایة المجتهد ج ۲ ص ۵۷**)

کیونکہ فاسد شرائط سے نکاح فاسد نہیں ہوتا ہے (**لان النکاح لا یبطل بالشروط الفاسدة۔ المبسوط ج ۵ ص ۹۵۔ الهدایة ج ۱ ص ۳۳۱۔ فتح القدیر ج ۳ ص ۱۱۰۔ المغنی ج ۷ ص ۲۷**)

ثلاث جد هن جد۔ و هزلهن جد۔ النکاح و الطلاق و الرجعة (رواه الترمذی عن ابی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال هذا حدیث حسن غریب۔ باب ماجاء فی الجد و الهزل فی الطلاق ج ۱ ص ۲۲۵)

تین چیزیں ایسی ہیں جن کا نفاذ ہر صورت عمل میں آجاتا ہے، خواہ سنجیدگی کی حالت میں ہو یا مزاح و مذاق کی صورت میں، وہ یہ ہیں، نکاح، طلاق، رجعت۔

شوافع قدرے تفصیل کرتے ہیں، کہ اگر فاسد شرط سے مقصد نکاح فوت نہ ہوتا ہو، تو شرط باطل اور عقد صحیح ہے جیسے کہ عورت یہ شرط لگائے کہ اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے جائے گا، یا مرد شرط لگائے کہ نان و نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا، اور اگر ایسی شرط ہو جس سے مقصد نکاح متاثر ہو رہا ہو، یا سرے سے فوت ہو رہا ہو، مثلاً عقد نکاح کے وقت عورت یہ کہے کہ وہ اس سے وطی نہیں کرے گا۔ یا رات میں ازدواجی تعلق قائم کرے گا، ایسی صورت میں عقد نکاح بھی باطل ہوجائے گا (**المجموع شرح المهذب ج ۱۷ ص ۳۳۷**)

مالکیہ کے نزدیک شرط فاسد سے عقد نکاح باطل ہوجاتا ہے اور مرد کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وطی سے پہلے نکاح فسخ کردے اور اگر اس نے دخول کرلیا تو عقد لازم ہوگیا اور شرط باطل (**الفقه السلامی و ادلة ج ۷ ص ۵۲ بحوالة القوانین الفقهیة ص ۲۱۸۔۲۲۰ شرح الصغیر ج ۲ ص ۳۸۲۔۳۸۲۔ ۵۹۵**)

اضافی شرط لگانا

نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط لگانا جس کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے، جو

غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے، جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہیں ہوتی، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا، یا بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا۔

نکاح بالاتفاق درست ہے، اختلاف ایفاء شرط لازم ہونے اور نہ ہونے میں ہے، حنفیہ، شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک مرد کے ذمہ شرط پورا کرنا واجب نہیں ہے (اسی کے قائل امام زہری، قتادہ، ہشام بن عروہ، لیث، ثوری اور ابن منذر ہیں (**المجموع شرح المهذب ج ۱۲ ص ۳۳۷۔ تحفة الفقهاء ج ۱ ص ۱۳۵۔ التاتار خانية ج ۳ ص ۱۰۰۔ المدونة الكبرى ج ۲ ص ۱۷۱۔ المغنى ج ۷ ص ۱۷۱**)

البتہ مالکیہ ایک شرط کا اضافہ کرتے ہیں کہ یہ حکم اس وقت ہے کہ جب اس شرط کے ساتھ یمین طلاق یا عتق شامل نہ ہو، ورنہ شوہر کے ذمہ ایفاء شرط ضروری ہوگا۔ المدونۃ الکبری ج **۲ ص ۱۷۱**، اس کے برخلاف حنابلہ کے نزدیک مطلق شرط پورا کرنا شوہر کے ذمہ ضروری ہے اور اگر شوہر مشروط کو بروئے کار نہیں لاتا ہے یا شرط کے خلاف عمل کرتا ہے، تو عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا (**المغنى ج ۷ ص ۱۷، بداية المجتهد ج ۲ ص ۵۹۔ القواعد النورانية الفقهية ص ۲۱۲**)

علامہ ابن قدامہ رقم فرماتے ہیں:

مايلزم الوفاء به هو ما يعود اليها نفعه و فائدته مثل ان يشترط لها ان لا يخرجها من دارها فهذا يلزم الوفاء لها به فان لم يفعل فلها فسخ النكاح (المغنى ج ۷ ص ۱۷)

واجب الایفاء شرط اسے کہتے ہیں، جس کا فائدہ عورت کو پہونچے، جیسے عورت یہ شرط لگائے کہ اس کو مرد اپنے آبائی وطن سے باہر کسی اور جگہ نہ لے جائے گا۔ تو شوہر کے ذمہ ایسی شرط کو بروئے کار لانا ضروری ہے، اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔

اسی طرح حضرت عمر، سعد بن ابی وقاص، معاویہ، عمرو بن العاص سے مروی ہے، یہی قول حضرت شریح عمر بن عبد العزیز جابر بن زید طاؤس، اوزاعی اور اسحاق کا بھی ہے۔ (**المغنى ج ۷ ص ۱۷۔ بداية المجتهد ج ۲ ص ۹۵۔ القواعد النورانية الفقهية ص ۲۱۲۔ ۲۲۹**)

قائلین کی دلیلیں

حنابلہ اور دیگر علماء جو واجب الایفاء کے قائل ہیں، ان کی دلیلیں حسب ذیل ہیں:

۱۔ یا ایها الذین آمنوا اوفو بالعقود (المائدة۔۱)

اسی طرح وہ تمام آیتیں اور احادیث استدلال میں پیش کرتے ہیں، جو ایفاء عہد پر دلالت کرتی ہیں۔ (دیکھئے القواعد النورانیة الفقهیة ص ۲۱۲۔ ۲۱۹)

۲۔ عن عقبة بن عامر ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال۔ احق الشروط ان یوفی به ما استحللتم به الفروج (مسلم " باب الوفاء بالشروط فی النکاح " ج۱ ص ۳۵۵)

حضرت عقبہ بن عامر سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جو شرطیں سب سے زیادہ قابل ایفاء ہیں وہ یہ ہیں جن کے ذریعہ تمہارے لئے شرمگاہیں حلال ہوجاتی ہیں۔

۳۔ المسلمون علی شروطهم (البیهقی کتاب الوقف باب الصدقة علی ما شرط الواقف الخ " ج۲ ص ۱۲۲)

مسلمان اپنے شرطوں پر قائم رہتا ہے

۴۔ روی عبد الرزاق عن عبد الرحمان بن غنم قال۔ شهدت عمر بن الخطاب و اختصم الیه فی امراة شرط لها زوجها ان لا یخرجها من دارها فقال عمر لها شرطها " (المصنف لعبد الرزاق " باب الشرط فی النکاح " ج۲ ص ۲۲۷)

امام عبد الرزاق نے عبد الرحمان بن غنم کے واسطے سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ میں حضرت عمر بن خطاب کے پاس موجود تھا، ان کے پاس ایک عورت کے متعلق مقدمہ آیا کہ اس کے شوہر نے (عقد نکاح کے وقت) شرط لگائی کہ اسے اس کے آبائی گھر سے باہر نہیں لے جائے گا، حضرت عمر نے فرمایا۔ عورت کے لئے سکونت شرط کے مطابق ہے۔

علامہ ابن قدامہ اپنے مذہب کی نمائندگی کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں:

۵۔ ولانه شرط لها فیه منفعة و مقصود لا یمنع المقصود من الزواج فکان لازما کما لو شرطت علیه زیادة المهر او غیر نقد البلد (المغنی ج ۷ ص ۷۱)

اس وجہ سے کہ اس شرط میں عورت کا فائدہ ہے، مقصد نکاح کے لئے حارج بھی نہیں ہے، لهذا یہ شرط لازم ہوگی، جس طرح عورت مرد پر زیادتی مہر کی شرط لگائے، یا مروجہ سکہ کے علاوہ مہر کو مشروط کرے۔

۶۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ عقود، معاملات اور شروط میں اصل صحت ہے، لہذا شوہر کے ذمہ

عائد کردہ شرائط کی پابندی ضروری ہوگی ۔

وہ رقم فرماتے ہیں :

و اذا کان جنس الوفاء و رعاية العهد ماموراً به، علم ان الاصل صحة العقود و الشروط اذ لامعنى للتصحيح الا ماترتب عليه اثره. وحصل به مقصوده و مقصود العقد هو الوفاء به فاذا كان الشارع قد امر مقصود المعهود . دل على ان الاصل فيها الصحة و الاباحة اه (القواعد النورانية الفقهية ص ۲۱۹)

جب جنس وعدہ پورا کرنا اور ایفاء عہد کا حکم دیا گیا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ اصل عقود و شروط کا صحیح ہونا ہے ، صحیح ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ اس کا اثر ظاہر ہو ، اور مقصد پورا ہو ، اور عقد کا مقصد ایفاء شرط ہے ، کیونکہ شارع کا عہد و پیمان کے مقصد کو بروئے کار لانے کا حکم دینا ، دلیل اس بات کی ہے کہ اس میں اصل اباحت اور درستگی ہے ۔

مانعین کی دلیلیں

شوافع ، احناف اور جو حضرات شرط کو پورا کرنا ضروری قرار نہیں دیتے ہیں ، ان کی دلیلیں حسب ذیل ہیں :

۱ . ماكان من شرط ليس في كتاب الله فهو باطل و ان كان مائة شرط (البيهقي عن عائشة كتاب الشركة " باب الشرط في الشركة وغيرها " ج ۷ ص ۷۹)

وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے ، گرچہ سو ہی شرطیں کیوں نہ ہو ۔

اور مذکورہ شرط کتاب اللہ میں نہیں ہے ، اس لئے یہ مقتضائے عقد کے خلاف ہے ۔

۲ . المسلمون على شروطهم الا شرطا احل حراما او حرم حلالا (المصدر السابق عن كثير بن عبد الله المزني عن ابيه عن جده ج ۷ ص ۷۹)

مسلمان شرائط کے پابند ہیں ، مگر ایسی شرط جو حرام کو حلال قرار دے ، یا حلال کو حرام بتائے ۔
مذکورہ شرطیں حلال و مباح کو حرام قرار دیتی ہیں ، جیسے دوسری شادی کرنا ، بیوی کے ساتھ سفر کرنا (تبیین الحقائق ج ۲ ص ۱۳۹) حلال و مباح ہے ، لیکن مشروط کی صورت میں حرام ہوجاتے ہیں ۔

۳ . وقد روى ابو بكر البزاز عن محمد بن عبد الرحمان السلماني عن ابيه عن ابن عمر قال . قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الناس على شروطهم ما وافق الحق . وهذه الاسانيد و ان كان واحد منها ضعيفا . فاجتماعها من يشد بعضها بعضا (القواعد النورانية الفقهية ص

۲۲۰ طبع بیروت)

ابو بکر بزاز محمد بن عبد الرحمان سلمانی اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں، وہ ابن عمر سے روایت کرتے ہیں، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لوگ اپنے ان شرائط کے پابند ہیں، جو حق کے موافق ہو، اس حدیث کی سند میں ایک راوی ضعیف ہیں، لیکن مختلف طریقوں سے مروی ہے، جن میں بعض بعض کے لئے باعث تقویت ہے۔

۲۔ اور چونکہ اس طرح کی شرطیں نہ مصلحت نکاح میں سے ہیں اور نہ مقاصد عقد اور اس کے مقتضیات میں سے ہیں

دونوں فریقوں کے دلائل پر ایک نظر

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دونوں فریقوں کے دلائل پر ایک ناقدانہ نگاہ ڈالی جائے تاکہ صحیح نتیجہ اخذ کیا جاسکے۔ سب سے پہلے مانعین کی دلیلوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔ پہلی حدیث **ماکان من شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل** (المغنی ج ۷۔ ص ۷۱) کی تاویل علامہ ابن قدامہ کرتے ہیں:

ای لیس فی حکم اللہ وشرعه و هذا مشروع (حوالہ سابق)

یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی شریعت میں نہ ہو اور یہ مشروع ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس سے واضح الفاظ میں تاویل کی ہے، وہ رقمطراز ہیں:

من اشترط امرا لیس فی حکم اللہ و لا فی کتابه بواسطة فھو باطل۔ لانه لا بد ان یکون المشروط مما یباح فعله بدون الشرط۔ حتی یصح اشتراطه و یجب بالشرط ... فاذا شرط الرجل ان لا یسافر بزوجة۔ فھذا المشروط فی کتاب اللہ لان کتاب اللہ یبیح ان لا یسافر بھا۔ فاذا شرط عدم السفر شرط مشروطا مباحا فی کتاب اللہ فمضمون الحدیث، ان المشروط اذا لم یکن من الافعال المباحة او یقال۔ لیس فی کتاب اللہ ای لیس فی کتاب اللہ نفیه (القواعد النورانیة الفقھیة ص ۲۲۹)

کوئی شخص ایسی شرط لگائے جو اللہ کے حکم میں اور اس کی کتاب میں راست یا بالواسطہ ذکر نہ ہو، تو وہ باطل ہے، مشروط کے لئے ضروری ہے کہ وہ مباح کے قبیل سے ہو بغیر شرط کے، یہاں تک کہ اس کی شرط لگانا صحیح ہو اور لازم ہوجائے ۔۔۔ جب یہ شرط لگائی جائے کہ مرد اپنی بیوی کے ہمراہ سفر نہیں کرے گا، یہ شرط کتاب اللہ میں موجود ہے، کیونکہ کتاب اللہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیوی کے ہمراہ سفر نہ کرنا جائز ہے، لہذا جب یہ شرط لگائی کہ شوہر اسے سفر میں نہ لے جائے گا، تو یہ مشروط مباح ہے اور کتاب اللہ میں موجود ہے، حدیث کا مضمون یہ ہے کہ

جب مشروط مباح افعال میں سے نہ ہو، یا یہ کہا جائے کہ "**لیس فی کتاب اللہ**" یعنی اللہ کی کتاب میں اس کی نفی نہ کی گئی ہو۔

علامہ ابن تیمیہ کے کہنے کا حاصل یہ ہے کہ حدیث میں حرام کردہ اشیاء کی نفی ہے کہ ان میں سے مشروط نہ ہو جیسے خنزیر وغیرہ، لہذا جو مباح چیزیں ہیں ان کی نفی حدیث میں نہیں ہے، پس جب مباح مشروط ہو تو اس کو پورا کرنا ضروری ہوگا۔

۳۔ یہ کہنا کہ یہ شرط حلال کو حرام کرتی ہے، اور حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے، اور اس کے اتمام سے روکا گیا ہے؟ اس کا جواب شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی مذکورہ تصریحات سے مل جاتا ہے۔

نیز علامہ ابن قدامہ نے ان الفاظ میں جواب تحریر فرمایا ہے:

وقولهم - ان هذا يحرم الحلال قلنا - لا يحرم حلالا و انما يثبت للمراة خيار الفسخ ان لم يف لها به (المغنى ج ۷ ص ۱۷)

ان کا یہ قول کہ یہ حلال کو حرام قرار دیتی ہے، ہم کہیں گے کہ حلال کو حرام نہیں کر رہی ہے، پس عورت کو فسخ نکاح کا خیار حاصل ہوگا، اگر شوہر اس شرط کو بجا نہیں لاتا ہے۔

۴۔ یہ کہنا کہ یہ شرط مصلحت نکاح کے مغائر ہے، ہمیں تسلیم نہیں ہے، بلکہ یہ شرط عائد کرنا عقد نکاح کے مطابق ہے، اس کے مقصد و مصلحت کے مغائر نہیں ہے۔

علامہ ابن قدامہ کے الفاظ میں:

قلنا لا نسلم ذالک فانه مصلحة المراة و ماكان من مصلحة العاقد كان من مصلحة عقده و شرط غير نقد البلد (حوالہ سابق)

ہم کہتے ہیں کہ یہ ہمیں تسلیم نہیں ہے، کیونکہ اس میں عورت کی مصلحت شامل ہے اور جو عاقدین کی مصلحت میں سے ہے وہ عقد نکاح کی مصلحت ہے، جیسے مہر میں غیر مروج سکہ کی شرط لگانا۔

۵۔ ابن رشد قرطبی نے حنابلہ کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے ایک اصول کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

والحديثان صحيحان خرجهما البخارى و مسلم - الا ان المشهور عند الاصوليين القضاء بالخصوص على العموم (بداية المجتهد ج ۲ ص ۵۹)

دونوں حدیثیں متفق علیہ ہیں، لیکن اصولیین کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ عموم کے خلاف خصوص کا فیصلہ ہوتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ دونوں فریق کا استدلال صحیح ہے، لیکن اصولی طور پر حنابلہ کے قول کو ترجیح حاصل ہوتی ہے کیونکہ شوافع و احناف کا استدلال عام ہے اور حنابلہ کا مستدل خاص ہے۔

۱۔ ۲۔ ۳۔ اب ہم قائلین کی دلیلوں کا جائزہ لیتے ہیں، ان کا مستدل وہ تمام آیتیں ہیں، جن میں مطلق ایفاء عہد کا ذکر ہے، حدیث پاک "**المسلمون علی شروطهم**" "**احق الشروط ان یوفی به الخ**" اس طرح دیگر احادیث مقید ہیں، جب ایسی شرطیں ہوں جو حلال کو حلال ہی قرار دیتی ہوں تو کیا انہیں بروئے کار لانا ضروری ہے؟ اس سلسلہ میں یہ مذکورہ احادیث خاموش ہیں، دوسری حدیث میں اس طرف واضح الفاظ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا:

"**المسلمون علی شروطهم الا شرطا احل حراما او حرم حلالا**"

مسلمان اپنے عہد و میثاق کے پابند ہیں، ہاں اگر ایسی شرط و پیمان ہو جو حرام کو حلال، یا حلال کو حرام قرار دیتی ہو، تو اس کے پابند نہیں ہیں۔

دبستان فقہ شافعی کے ممتاز فقیہ و محدث امام نووی حنابلہ کے مستدل احادیث کا محمل امام شافعی اور دوسرے علماء کے حوالہ سے رقم فرماتے ہیں:

احق الشروط ان یوفی به ما استحللتم به الفروج ۔ قال الشافعی و اکثر العلماء ان هذا محمول علی شروط لا تنافی مقتضی النکاح ۔ بل تکون من مقتضیاته و مقاصده کاشتراط العشرة بالمعروف و الا نفاق علیها (شرح مسلم للنووی ج ۱ ص ۴۵۵)

آپ کا ارشاد مبارک "جو شرطیں سب سے زیادہ قابل ایفاء ہیں، وہ یہ ہیں جن کے ذریعہ تمہارے لئے شرمگاہیں حلال ہوتی ہیں" امام شافعی اور اکثر دیگر علماء نے فرمایا، یہ محمول ہے ان شرائط پر جو تقاضاء عقد نکاح کے منافی نہ ہو، بلکہ مقاصد نکاح اور مقتضیات عقد میں سے ہو، جیسے عورت کے ساتھ حسن و خوبی کے ساتھ رہنے کی شرط عائد کرنا، اور اس کے اوپر خرچ کرنے کی شرط لگانا۔

اس توضیح کی تائید شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔

وہ لکھتے ہیں:

ماكان من شرط ليس في كتاب الله فهو باطل فكل شرط ليس في القرآن و لا في الحديث و لا في الاجماع فليس في كتاب الله بخلاف ماكان في السنة او في الاجماع فانه في كتاب الله بواسطة دلالة على اتباع السنة و الاجماع (القواعد النورانية الفقهية ص ۲۰۹)

جو شرط کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے۔ یعنی ہر وہ شرط جو قرآن مجید، سنت رسول، اور اجماع سے ثابت نہ ہو وہ کتاب اللہ میں شامل ہے، چونکہ اتباع سنت اور اجماع پر قرآن کی دلالت صریح ہے۔

۲۔ جہاں تک حضرت عمر کے اثر کی بات ہے تو وہ حدیث موقوف ہے اور وہ حدیث مرفوع صحیح کے مقابلہ میں مرجوح ہے، کیونکہ دلیلوں کے تعارض کے وقت قوی تر کو ترجیح حاصل ہوتی ہے (**الحموی ج ۱ ص ۱۹۷**)

ابن رشد قرطبی نے جو اصولیین کے حوالہ سے "**القضا بالخصوص على العموم**" نقل کیا ہے، یہ ضابطہ حنابلہ کے خلاف شوافع و احناف کی تائید کرتا ہے کیونکہ "**المسلمون على شروطهم**" "**احق الشروط ان يوفى الخ**" "عام ہے" دوسری حدیث جس میں "**الاشرطا احل حراما**" اور "**الناس على شروطهم ما وافق الحق**" "منصوص ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا کہنا ہے کہ اصل درستگی ہے، یہ بجا ہے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کیا مطلق؟ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن قدامہ بھی مطلق کے قائل نہیں ہیں (**القواعد النورانية الفقهية ص ۲۲۹۔ المغنی ج ۷ ص ۲۳**) معلوم ہوا، مقید، اور وہ یہ کہ اس کی دلیل معارض نہ ہو، یہ اس وقت ہوگا جب کہ مقصد نکاح مشروط ہو، نہ کہ مصالح نکاح کے خلاف ہو۔

مذکورہ تجزیہ و محاکمہ سے نتیجہ برآمد یہ ہوتا ہے کہ احناف و شوافع کی رائے اصول شرع، روح اسلام اور دلائل شرعیہ سے قریب تر ہے، اور حنابلہ کی رائے میں عورتوں کے لئے گنجائش ہے، خصوصاً ہند و پاک کی موجودہ حالت میں عورتوں کے لئے دوسری شادی ایک مشکل مسئلہ ہے، بلکہ یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے، اسی طرح بسا اوقات شوہر آبائی وطن سے کہیں اور ذریعہ معاش کے لئے جاتا ہے۔ تبدیلی مکان سے ان میں بھی تبدیلی آجاتی ہے، اور عورت کو معلقہ چھوڑ دیتے ہیں، کبھی وہیں بود و باش اختیار کرلیتے ہیں،

تفویض طلاق کا حکم

۱۔ تفویض طلاق کی تینوں قسمیں شوہر کی طرف سے لازم ہیں، اسے اپنے قول سے رجوع کا حق ساقط ہوجاتا ہے۔ (**فتح القدير ج ۳ ص ۲۱۲۔ الدر المختار و رد المحتار ج ۳ ص ۳۳۲**) اس کے قائل شافعیہ بھی ہیں (**الفقه الاسلامی و ادلته نقلا عن مغني المحتاج۔ ج ۳ ص ۲۸۵۔ ۲۸۷**)

۲ ۔ شوہر کو شرعاً یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ عورت کو اپنے ارادہ سے باز رکھے یا وہ اسے فسخ کردے کیونکہ طلاق کا مالک بنادینے کے بعد اس کی ولایت ملکیت طلاق سے ختم ہوگئی (**بدائع ج ۳ ص ۱۱۳**) حنابلہ کا اس میں اختلاف ہے، ان کے نزدیک شوہر اپنے قول سے رجوع کرسکتا ہے، اور عورت کے قبول کرلے سے پہلے فسخ بھی کرسکتا ہے، کیونکہ ان کے نزدیک تفویض طلاق دراصل توکیل ہے۔ اس میں بیوی اور غیر شخص کی تفریق نہیں ہے۔ (**المغنی ج ۷ ص ۳۰۸**) جیسا کہ احناف کے نزدیک ہے۔

۳ ۔ تفویض مطلق (وقت و زمانے سے خالی ہو) میں انتہاء مجلس اگر عورت مجلس میں ہے، اور اگر غائب ہے، تو جس مجلس میں اسے تفویض طلاق کی اطلاع ملی، تو اس کے انتہاء تک عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا۔ صاحب ہدایہ رقم فرماتے ہیں:

المخيرة لها المجلس باجماع الصحابة و لانه تمليك الفعل منها و التمليكات تقتضى جوابا فى المجلس كما فى البيع (هداية ج ۲ ص ۳۱۰ باب تفويض الطلاق)

ایسی عورت جسے اپنے اوپر طلاق دینے کا اختیار دے دیا گیا ہے۔ اسے مجلس ہی میں اپنے اوپر ایقاع طلاق کا اختیار ہوگا، اس پر صحابہ کا اجماع ہے، اس لئے کہ عورت کو طلاق کا مالک بنانا ہے اور کسی چیز کے مالک بنانے کا اقتضاء یہ ہے کہ اس کا جواب مجلس ہی میں دیا جائے۔ جیسا کہ بیع میں ہوتا ہے۔

۴ ۔ اگر تفویض طلاق وقت کے ساتھ مقید ہو، جیسے مرد کہتا ہے " **امرک بیدک اذا شئت** " تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے، جیسے تم چاہو، تو اس عورت کو مجلس اور مجلس کے بعد بھی جب چاہے اپنے اوپر طلاق واقع کرسکتی ہے، اختیار ہوگا (**بدائع ص ج ۳ ص ۱۱۵**)

۵ ۔ اگر تفویض متعین زمانہ کے ساتھ مقید ہو تو عورت کو پورے وقت میں حق طلاق حاصل ہوگا، اگر آبائی وطن واپسی کو سوچتے بھی نہیں ہیں، جس سے عورت کے حقوق متاثر ہوتے ہیں، یہاں اسلامی سلطنت بھی نہیں ہے کہ اس کی تادیب و سرزنش کی جاسکے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ احناف کے اصول استحسان کو اختیار کرتے ہوئے حنابلہ کے مذہب پر فتوی دیا جائے یا پھر تعلیق بالشرط کے اصول سے مدد لی جائے، جس کے تحت مذکورہ فتنہ کا سد باب بھی ممکن ہے۔ اس کی دو صورتیں ہوں گی، اول یہ کہ خود عورت تعلیق بالشرط کے ساتھ حق طلاق حاصل کرے، مثلاً یوں کہے " اگر میں نے تم سے شادی کی تو مجھے طلاق دینے کا حق حاصل ہوگا، اگر تم نے دوسری شادی کی " دوسری صورت یہ ہے کہ عورت یوں کہے کہ اگر میں نے تم سے شادی کی تو فلاں شخص کو حق طلاق حاصل ہوگا، اگر تم نے دوسری شادی کی، مرد قبول کرلیتا ہے۔ اب شادی کے بعد عورت یا فلاں شخص کا

حق طلاق دوسری شادی کرنے پر معلق ہوگا (دیکھئے **الھدایۃ ج ۲ ص ۳۸۶ ۔ الھندیۃ ج ۱ ص ۳۱۵ ۔ الدر المختار بھامش الرد ج ۲ ص ۳۵۱**) فرق اتنا ہوگا کہ شوہر کو پہلی صورت میں رجوع کا حق حاصل نہیں ہوگا، یہاں تک کہ وہ دوسری شادی کرے ۔ اور عورت کو اس کا علم ہوجائے ، تو وہ اسی مجلس میں چاہے شوہر کو اختیار کرکے یا اپنے کو طلاق دے لے ، دوسری صورت میں شوہر کو رجوع کا حق ہوگا ، کیونکہ یہ توکیل طلاق ہے ، اور عورت کو تفویض طلاق تملیک ہے ' **العینی ج ۲ ص ۱۷۲ ۔ الھدایۃ ج ۲ ص ۳۸۱**) جیسا کہ مفصل بحث تفویض طلاق کے ذیل میں آرہی ہے ۔ ہمارے خیال میں استحسان کا اصول اپنانے کے بجائے تعلیق بالشرط اختیار کیا جائے۔

تفویض طلاق (ج)

تفویض " **جعل الامر بالید** " (**تقریرات الرافعی ص ۲۲۰ رد المحتار ج ۳**) " **او تملیک الفعل منھا** " ۔ کا نام ہے ، یعنی شوہر کا بیوی کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا مالک بنانے کا نام تفویض ہے ، تفویض طلاق کی بابت فقہاجتنے بھی کلمات استعمال کرتے ہیں ، وہ مجموعی طور پر تین حصوں میں منقسم ہیں ۔ **الامر بالید** (طلاق کا اختیار دینا) **التخییر** (طلاق دینے کا اختیار دینا) اور **المشیئۃ** (اس کی چاہت پر طلاق موقوف کرنا) یہ تینوں ہی اقسام عورت کو طلاق کا مالک بناتے ہیں ، اور اسے اختیار حاصل ہوتا ہے ، چاہے تو وہ اپنی ذات پر طلاق واقع کرلے یا شوہر کو اختیار کرے اور باہم دیگر شیر و شکر ہوکر زندگی بسر کرے ۔

بالفرض اسے تفویض طلاق کا علم نہیں ہوسکا ۔ یہاں تک پورا وقت گزر گیا تو اب عورت کو حق طلاق حاصل نہیں ہوگا ، جیسے مرد کہے " **امرک بیدک یوما** " (تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ایک دن ہے) یا کہے " **امرک بیدک الیوم** " (آج تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے) پہلی صورت میں تفویض طلاق کے وقت سے لے کر چوبیس گھنٹے تک عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا ، دوسری صورت میں شوہر کے تکلم کے وقت سے لے کر دن کے بقیہ حصوں میں حق طلاق رہے گا ، پھر ساقط ہوجائے گا ۔

۲ ۔ تفویض معلق مشروط ہو ، اس کی تین صورتیں ہوتی ہیں :

۱ ۔ وقت و زمانہ سے خالی ہو جیسے " **اذا قدم فلان فامرک بیدک** " یعنی جب فلاں شخص آئے گا تو تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہوگا ۔ فلاں شخص آیا عورت کو اس کی آمد کا علم جس مجلس میں ہوا ، اسی میں اسے حق طلاق ہے ، اس مجلس کے برخواست ہونے کے بعد ساقط ہوجائے گا ۔

۲ ۔ مطلق وقت کے ساتھ مقید ہو جیسے " **اذاقدم فلان فامرک بیدک متی شئت** " جب فلاں آدمی آئے

گا تو تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہوگا جب تم چاہو ، فلاں شخص کی آمد کی خبر جس مجلس میں ملی ، اسی حد تک حق طلاق نہیں ہوگا ، بلکہ دوسری مجلس میں بھی حق طلاق ہوگا ۔

۳ ۔ متعین وقت و زمانہ کے ساتھ تفویض معلق ہو جیسے " **اذا قدم فلان فامرک بیدک یوماً** " جب فلاں شخص آئے گا تو تمہارا معاملہ ہاتھ میں ایک دن ہوگا ، اور اس نے **اذا قدم فلان فامرک بیدک الیوم** کہا یعنی جب فلاں شخص آئے گا تو تمہارا معاملہ تمہارے ہاتھ میں دن کے بقیہ حصہ میں ہوگا (**تلخیص از بدائع ج ۳ ص ۱۱۳ ۔ ۱۱۲ ۔ التاتار خانیة ج ۳ ص ۳۳۰ ۔ البزازیة بهامش الهندیة ج ۲ ص ۲۸ ۔ الدر المختار و رد المحتار ج ۳ ص ۳۲۷ ۔ ۳۲۹**)

نکاح میں شرط کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں ۔

۱ ۔ عقد نکاح سے پہلے شرط طے ہوجائیں ، اور اس تحریر پر دستخط طرفین ہوجائے ۔

۲ ۔ عقد نکاح میں ہی ان شرائط کا ذکر کیا جائے ، ایجاب مشروط ہو یا ایجاب مطلق ہو اور قبول مشروط ہو ۔

۳ ۔ عقد نکاح کے بعد مابین طرفین کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے ۔

عقد نکاح سے قبل شرائط کی حیثیت

اتنی بات مسلم ہے کہ نکاح سے قبل طلاق لغو ہے ، کیونکہ طلاق کا محل نکاح ہے ، لیکن جب طلاق کی نسبت نکاح کی جانب کی جائے تو نکاح کے بعد واقع ہوجاتی ہے (**الدر المختار و رد المحتار ج ۳ ص ۳۲۲**) یہی مالکیہ و حنفیہ کا مذہب ہے ، حضرت عمر بن الخطاب ، ابن مسعود ، ابن عمر ، ابو بکر ، عمرو بن حزم ، ابو بکر ، عبد الرحمان ، شریح ، زہری ، سعید بن المسیب ، نخعی ، شعبی ، مکحول ، سالم بن عبد اللہ ، عطاء ، حماد بن ابی سلیمان ، اوزاعی ، قاسم ، عمر بن عبد العزیز اور ابن ابی لیلی کا قول یہی ہے ، امام شافعی اور احمد کا اختلاف ہے ، چوں کہ احادیث دونوں طرح کی ہیں ، اور صحابہ کے آثار بھی متعارض ہیں ، علامہ عینی اور علامہ ابن الہمام نے اس پر سیر حاصل بحث کی ہیں اور احادیث پر کلام کیا ہے ، امام شافعی کی مستدل احادیث کا ناقدانہ جائزہ لیا ہے اور مختلف وجوہات کی بنا پر ضعیف قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو ، عینی شرح ہدایہ ج ۲ ص ۲۹۲ ۔ ۲۹۵ ۔ **فتح القدیر ج ۳ ص ۳۲۲ ۔ ۳۲۳**) صاحب ہدایہ اور علامہ عینی نے لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نکاح سے قبل عدم طلاق والی حدیثیں تنجیز پر موقوف ہیں (یہی شعبی ، زہری وغیرہ ۔ (جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے) سے منقول ہے اور ہم بھی نکاح سے قبل فوری طلاق کے قائل نہیں ، بلکہ طلاق نکاح کے

ساتھ مشروط کے قائل ہیں اور اس کی نفی حدیث میں نہیں ہے (**عینی ج ۱ ص ۲۹۵۔ ھدایۃ ج ۲ ص ۳۸۵** ممتاز فقیہ برہان الدین مرغینانی رقم فرماتے ہیں:

ان ھذا تصرف یمین لوجود الشرط و الجزاء فلا یشترط لصحۃ قیام الملک فی الحال لان الوقوع عند الشرط و الملک متیقن بہ عندہ (ھدایۃ ج ۲ ص ۳۸۵)

یہ قسم ہے جو کہ شرط و جزاء کے وجود پر موقوف ہے ، لہذا اس کی صحت کے لئے فوری ملکیت کا پایا جانا ضروری نہیں ہے ۔ کیونکہ اس یمین کا وقوع شرط کے پائے جانے کے وقت ہوگا اور اس وقت ملکیت کا وجود یقینی ہے ۔

مثلاً کوئی شخص کسی عورت سے کہتا ہے **ان تزوجتک فانت طالق** یعنی اگر میں تم سے شادی کروں تو تمھیں طلاق ہے ، یا یوں کہے کہ **کل امراۃ اتزوجھا فھی طالق** یعنی ہر وہ عورت جس سے میں شادی کروں وہ طلاق والی ہے ، تو شرط نکاح پائے جانے کے وقت طلاق واقع ہوجائے گی (دیکھئے **ھدایۃ ج ۲ ص ۳۸۵**) ٹھیک اسی طرح سے تفویض طلاق ملک نکاح کے ساتھ معلق ہو تو عقد نکاح کے بعد تفویض طلاق کا تحقق ہوجائے گا ، مذکورہ تفصیلات کے ساتھ عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا ، مثلاً کوئی شخص اجنبیہ سے یوں کہے ، اگر میں نے تم سے شادی کی تو تمھارا معاملہ تمھارے ہاتھ میں ہوگا ۔ چونکہ تفویض طلاق ملک نکاح کے ساتھ مشروط ہے ، لہذا شرط کے پائے جانے کے بعد تفویض طلاق پایا جائے گا ، یا عورت کہے ۔ اگر میں نے اپنی ذات کی شادی کرائی تو میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا یا عورت ناحق مارنے کے ساتھ مقید کرکے بولتی ہے ، یا دوسری شادی کو مشروط کرکے بولتی ہے ۔ اگر میں نے اپنی ذات کی شادی تم سے کرائی تو میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا ، جب تم مجھے ناحق مارو گے یا تم دوسری شادی کرو گے ، اگر وہ حاضر ہے ۔ یا غائب ہے تو جس مجلس میں نکاح منعقد ہونے کی خبر ملی ، اس کے اختتام تک حق طلاق رہے گا ۔ دوسری صورت میں ناحق مارنے یا دوسری شادی کرنے کی خبر جس مجلس میں ملی ، اس کے اختتام تک حق طلاق حاصل ہوگا ، ہاں اگر زمانہ کے ساتھ مقید کرکے بولی کہ اگر میں نے اپنی ذات کی تم سے شادی کرائی تو میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ایک دن ہوگا ۔ اگر تم نے مجھے ناحق مارا یا دوسری شادی کی ، ایسی صورت میں عورت کو ناحق مارنے کے وقت سے یا دوسری شادی کرنے کی اطلاع ملنے کے وقت سے لے کر چوبیس گھنٹے تک حق طلاق حاصل ہوگا ، اس اثناء میں جب چاہے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا ، اگر عورت نے یوں کہا ، اگر میں نے اپنی ذات کی شادی تم سے کرائی تو میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا جب جب تم ناحق مارو گے ، یا دوسری شادی کرو گے ، ایسی صورت میں شوہر جب بھی ناحق مارے گا ، یا دوسری

شادی کرے گا تو عورت کو حق طلاق حاصل ہوگا، یہاں تک کہ موجودہ ملک نکاح کی تین تعیین مکمل ہوجائے، اس لئے کہ جب جب عربی کے "کلما" کے معنی میں ہے، جو عموم و تکرار پر دلالت کرتا ہے۔ برخلاف "اگر" "جب" عربی کے "ان" "اذا" کہ ہم معنی ہیں عموم و تکرار پر دلالت نہیں کرتے ہیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ھدایۃ ج ۲ ص ۳۸۲۔ ھندیۃ ج ۱ ص ۲۱۵۔ در مختار بھامش الرد ج ۳ ص ۷۵۲)

عقد نکاح میں شرائط ذکر کرنا (ج "۲")

عقد نکاح کے وقت طلاق مشروط ہونے کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ شوہر کی جانب سے ابتداء ہو کہ اس نے عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ طلاق کا معاملہ اس کے ہاتھ میں ہوگا، یا یہ کہ اس نے عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ اسے طلاق ہے، دونوں ہی صورتوں میں صحیح قول کے مطابق نکاح درست ہوجائے گا اور شرط باطل ہوگی، ایسا ہی امام محمد نے جامع میں ذکر کیا ہے، امام حسن بن زیاد بھی اسی کے قائل ہیں اور ابو اللیث نے اسی کو ترجیح دی ہے، کیوں کہ تفویض طلاق اور طلاق ملکیت نکاح سے پہلے پائی گئی، اور یہ باطل ہے (الخانیۃ بھامش الھندیۃ ج ۳ ص ۳۷۹)

۲۔ عورت شرط لگائے کہ میں نے اپنے آپ کی شادی تم سے اس شرط پر کی کہ میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا، جب چاہوں اپنے اوپر طلاق واقع کروں، یا جب جب چاہوں اپنے اوپر طلاق واقع کروں، شوہر نے اسے قبول کرلیا، تو حق طلاق عورت کو حاصل ہوگا، کیونکہ اس صورت میں ملکیت نکاح کے بعد تفویض طلاق ہورہا ہے، کیونکہ مشہور قاعدہ ہے "السوال معاد فی الجواب" (الاشباہ لابن نجیم ص ۱۷۷۔ ط۔ دار الفکر)

خانیہ میں ہے:

لان الزوج لما قال بعد کلام المراۃ قبلت الجواب یتضمن اعادۃ ما فی السوال۔ صار کانہ قال قبلت علی ان یکون الامر بیدک فیصیر مفوضا بعد النکاح (الخانیۃ بھامش الھندیۃ ج ۳ ص ۳۷۹ نیز دیکھئے الدر المختار و رد المحتار ج ۳ ص ۳۷۹)

کیونکہ شوہر نے عورت کے کلام کے بعد "قبلت" میں نے قبول کیا کہا، اصول یہ ہے کہ جواب سوال کے مضمون کو شامل ہوتا ہے، لہذا گویا کہ اس نے یہ کہا "میں نے عقد قبول کیا اس شرط پر کہ معاملہ (طلاق) تمہارے ہاتھ میں ہوگا" بس یہاں تفویض طلاق نکاح کے بعد پایا گیا۔

مذکورہ تفویض طلاق کے اصول کے مطابق عورت کو پہلی صورت - جب چاہوں بمعنی اذا اردت۔ متی

ادمت " میں حق طلاق انشاء عقد کی مجلس تک محدود ہوگا دوسری صورت " جب چاہوں بمعنی کلما ارید " میں عقد کی مجلس اور اس کے بعد جب چاہے وہ اپنے اوپر طلاق واقع کر سکتی ہے ۔ لیکن پہلی صورت میں ایک ہی بار طلاق دینے کا اختیار ہوگا اور دوسری صورت میں اس ملکیت نکاح کی تین طلاق تک دے سکتی ہے ، جیسا کہ تفصیل سے ذکر کیا جاچکا ہے ۔

طلاق کے بے جا استعمال سے روکنے کے تدبیر

اگر عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہے ۔

دوسرا نکاح نہ کرنے کی شرط

اگر نکاح کرتے وقت اس طرح مہر طے کیا کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا ، اور اگر کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا ۔

مذکورہ بالا دونوں صورتوں میں بلا اختلاف نکاح درست ہے ۔ اس لئے کہ شرط فاسد سے نکاح باطل نہیں ہوتا (**النکاح لا يبطل بالشرط الفاسد**) (**المبسوط ج ٥ ص ٩٥ ۔ الهدايه ج ٢ ص ٣٣١ ۔ فتح القدير ج ٣ ص ١١١**) سوال یہ کہ شرط کو پورا کرنا ضروری ہے یا نہیں ؟ حنابلہ کے نزدیک ضروری ہے ، اسی کے قائل سید سابق بھی ہیں (**فقه السنة ج ٢ ص ١١٢**) شوافع اور احناف کے نزدیک ضروری نہیں ہے ، جیسا کہ تفصیل سے گزر چکا ہے ۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر شوہر نے شرط کے خلاف کیا تو کیا متعین مہر لازم ہوگا ، یا مہر مثل ؟

امام زفر کے نزدیک دونوں شرطیں فاسد ہیں ، اور مہر مثل لازم ہوگا ، امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک دونوں شرطیں درست ہیں اور شرط کے تحت مہر مسمی لازم ہوگا ، امام ابو حنیفہ کے نزدیک شرط کو بروئے کار لانے کی صورت میں مہر مسمی اور شرط کی خلاف ورزی کی حالت میں مہر مثل لازم ہوگا (ملاحظہ ہو **بدائع ج ٢ ص ٢٨٥ ۔ السراجية ص ٣٩ ۔ المبسوط ج ٥ ص ٩٠ ۔ التاتار خانية ج ٣ ص ١٠**) لہذا دریافت کی صورت میں اگر شوہر نے عورت کو طلاق نہیں دی تو اس کو مہر دس ہزار ملے گا ، اور اگر اس نے طلاق دے دی تو عورت کو مہر مثل ملے گا ۔ البتہ مہر مثل مسمی سے زیادہ نہیں ہونا چاہئے (دیکھئے **المبسوط ج ٥ ص ٩٠**) دوسری صورت میں اگر

شوہر منکوحہ کی موجودگی میں دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو منکوحہ کو پندرہ ہزار ملے گا اوراگر اس کے عقد میں رہتے ہوئے دوسری سے نکاح کرلیا تو مہر مثل ہوگا تاتارخانیہ میں امام صاحب اور صاحبین کے اختلاف کی اساس و بنیاد پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ لکھا ہے:

هذه المسئلة بناء على ان الموجب الاصلي في باب النكاح عند ابي حنيفة مهر المثل.و انما يصار الى المسمى عند صحة التسمية.من كل وجه و عند هما الموجب الاصلي يصار المسمى الى مهر المثل عند فساد التسمية من وكل وجه (التاتار خانية ج ٣ ص.١ نوع منه في الشروط في المهر" ملاحظہ ہو۔ **تبيين الحقائق ج ٢ ص ١٥٠ . فتح القدير و مع العناية و حاشيه چلپی ج ٣ ص ٢٣١)**

اس مسئلہ کی اساس یہ ہے کہ نکاح کے باب میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک اصل مہر مثل واجب ہے ، لہذا مقرر مہر کی درستگی کے وقت مسمّٰی لازم ہوگا ، اور صاحبین کے نزدیک اصل مہر مسمی واجب ہے ، لہذا مہر مثل اس وقت لازم ہوگا ، جب کہ مہر مسمی ہر اعتبار سے باطل ہو۔

ہمارے خیال میں امام صاحب کا قول معتدل معلوم ہوتا ہے ، جس کی تائید احناف کے اصول سے ہوتی ہے ، علامہ زیلعی اپنے نقطہ نظر کو واضح کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں:

لان احد التسميتين منجزة و الاخرى معلقة . فلا يجتمع في الحال التسميتان . فاذا اخرجها فقد اجتمعتا فتفسدان . وهذا لان المعلق لا يوجد قبل شرطه . و المنجز لاينعدم بوجود المعلق فيتحقق الاجتماع عند وجود الشرط لا قبله (تبيين الحقائق ج ٢ ص ١٣٩)

دونوں مہر مسمی میں سے ایک فوری ہے اور ایک معلق ہے دونوں بیک وقت جمع نہیں ہوسکتے ، لہذا جب شوہر عورت کو باہر سفر میں لے گیا ، تو دونوں مسمی کا اجتماع ہوگیا ، لہذا دونوں باطل ہوگئے ، اس لئے کہ جس شئ کو کسی چیز کے وجود پر موقوف کیا جاتا ہے ، اس کے پائے جانے سے پہلے وہ نہیں پائی جاسکتی ، معلق کے پائے جانے سے فوری لازم شئ معدوم نہیں ہوتی ، لہذا شرط کے پائے جانے کے وقت دونوں مہر مسمی کا اجتماع لازم آئے گا ، نہ کہ اس کے وجود سے قبل۔

اور چونکہ عورت نے دوسری شادی نہ کرنے کی شرط لگائی ہے ، اور یہ ایسی شرط ہے جو عقد نکاح کے مقتضی کے خلاف ہے ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا : " **فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى و ثلاث و رباع " (العناية مع الفتح ج ٣ ص ٢٣١)** پس دوسری شادی نہ کرنے کی شرط لگانا ایک مشروع چیز سے روکنا ہے شارح ہدایہ اکمل الدین بابرتی رقمطراز ہیں:

فالنكاح صحيح و ان كان شرط عدم التزوج و عدم المسافرة وطلاق الضرة فاسدا لان فيه المنع عن الامر المشروع (حواله سابق)

نکاح درست ہے گرچہ شرط فاسد لگائی گئی ہے کہ دوسری عورت سے شادی نہ کرنا، ہمراہ سفر میں نہ لے جانا، سوکن کو طلاق دینا، اس لئے کہ اس شرط میں امر مشروع سے روکنا لازم آتا ہے۔

اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ مقتضاء عقد کے خلاف عائد کردہ شرط کا پورا کرنا شوہر کے ذمہ لازم نہیں، بلکہ شرط باطل ہوجائے گی اور عقد نکاح درست ہوگا، اس سے یہ معلوم ہوا کہ جب شرط باطل ہوگئی تو پہلا مہر فوری نجزا متعین ہوگیا۔

پھر امام صاحب کا قول کہ اصل مہر واجب مہر مثل ہے، ظاہر حال کے موافق ہے، لھذا مہر مثل کے بجائے مقرر مہر اس وقت درست ہوگا جب کہ وہ ہر اعتبار سے درست ہو، چنانچہ صاحب ہدایہ نے ایک جگہ اس طرف اشارہ فرمایا ہے:

والظاهر شاهد لمن يشهد له مهر المثل لانه هو الموجب الا صلى في باب النكاح (هداية مع الفتح ج ۳ ص ۲۵۱)

ظاہر حال اس شخص کے موافق ہے جو کہ مہر مثل کی شہادت دے رہا ہے، اس لئے کہ نکاح کے بیان میں اصل واجب مہر، مہر مثل ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ صاحب ہدایہ کے نزدیک امام صاحب کا قول راجح ہے، اسی طرف امام زیلعی کا بھی رجحان معلوم ہوتا ہے (دیکھئے **الحقائق** ج ۲ ص ۱۳۹) اور ———————— صاحبین کی اسے میں لوگوں کے لئے کشائش ہے۔

نکاح کے بعد شرائط نامہ تحریر کرنا (ج "۳")

عقد نکاح کے بعد دوران زوجیت تفویض طلاق خواہ وہ تحریری شکل میں ہو یا زبانی بلا اختلاف درست ہے، چنانچہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا تمہارے اختیار میں تین طلاق ہے، اس شرط پر کہ تم اپنا مہر معاف کردو "**امر لاث تعليقات بيدك ان ابراتني من مهرك**" عورت نے جواب میں کہا مجھے طلاق کا وکیل بنادو، مرد نے اس سے کہا ٹھیک ہے تم میری وکیل ہو، تم اپنے آپ کو طلاق دے لو، عورت مجلس سے اٹھ کھڑی ہوئی، طلاق کا اختیار ساقط ہوگیا، اگر وہ اب اپنے اوپر طلاق واقع کرتی ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی، اس لئے کہ عورت کو طلاق کا

وکیل بنانا دراصل طلاق کا مالک بنانا ہے اور تملیک میں حق طلاق مجلس ہی تک رہتا ہے ، وہاں اگر مجلس ہی میں اپنے اوپر طلاق واقع کرتی ہے ، تو واقع ہوجائے گی بشرطیکہ وہ پہلے مہر معاف کردے ، اگر اس نے مہر معاف نہیں کیا تو طلاق واقع نہیں ہوگی ، کیونکہ تفویض طلاق مہر سے برائت پر متعلق ہے (**الخانية بهامش الهندية ج ٣ ص ٥٢١**)

مزید تفصیل تفویض طلاق کے ذیل میں گذر چکی ہے ، پیچھے رجوع ہوں ۔

عورت کا ملازمت سے سبکدوش نہ ہونے کی شرط (٣)

ہر میدان میں جہاں مرد سبقت لے جانے میں کوشاں نظر آتے ہیں ، وہیں عورتیں بھی مسابقت کے میدان میں دکھائی دیتی ہیں ، خاص طور پر جب سے عورتوں کے حقوق کی آواز فضا میں گونجنی شروع ہوئی ہے ، اور عورتوں کو مرد کے مساوی ملازمتیں ملنے لگیں ، تو ان میں اعلی تعلیم کا رواج تیزی سے بڑھنے لگا ، جس کے نتیجہ میں آج حکومت کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے ، جس میں ایک ورکر بھی عورت نہ ہو ، افسوس تو یہ ہے کہ فوج میں بھی بھرتی ہورہی ہیں ، جب کہ اس کے لئے عورت کی خلقت نہیں ہوئی ، اس کا اثر مسلم خواتین پر پڑنا ناگزیر تھا ، کیونکہ انسان جس ماحول میں نشو و نما پاتا ہے تو اس کا اثر غیر شعوری طور پر ضرور قبول کرتا ہے ، جس کے نتیجہ میں آج بہتیرے مسلمان عورتیں بر سر روزگار ہیں ، اور جو نہیں ہیں وہ بھی ملازمت حاصل کرنے کے لئے تگ و دو کر رہی ہیں ، ایسی عورتیں اگر نکاح کے وقت اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگاتی ہیں کہ شوہر انہیں لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا یا اگر آئندہ انہیں کوئی مناسب ملازمت ملے تو شوہر انہیں ملازمت سے نہیں روکے گا اور اس شرط کو ہونیوالا شوہر عقد نکاح کے وقت قبول کرتا ہے ۔

شرعی نقطہ نظر سے شوہر پر ایسی شرط کو پورا کرنا لازم نہیں ہے ، کیونکہ یہ شرط مقصد نکاح کے خلاف ہے لہذا عقد نکاح درست ہوگا ، اور شرط باطل ہوجائے گی ، یہ احناف (ملاحظہ ہو **المبسوط ج ٥ ص ٩٥ . الخانية بهامش الهندية ج ٣ ص ٣٣١**) اور شوافع کا مذہب ہے (دیکھئے **الفقه الاسلامي و ادلته ج ٧ ص ٩٣**) حنابلہ اور مالکیہ کے نزدیک شرط درست ہے ، البتہ حنابلہ مشروط کو بروئے کار لانا ضروری قرار دیتے ہیں ، اور مالکیہ مشروط کو عملی جامہ پہنانے کو ناپسند کرتے ہیں (دیکھئے حوالہ سابق)

پس اگر شوہر عورت سے مطالبہ کرے کہ وہ ملازمت سے سبکدوش ہوجائے یا یہ کہ وہ ملازمت حاصل کرنے کی سعی ترک کردے ، تو عورت پر حکم کی تعمیل واجب ہے ، ورنہ وہ ناشزہ و نافرمان متصور ہوگی ، اور شوہر پر اس کا

نفقہ لازم نہیں ہوگا، کیونکہ شوہر کی اجازت کے بغیر ملازمت پر جانے سے شوہر کا حق متاثر ہورہا ہے، اسی بنیاد پر فقہاء لکھتے ہیں کہ عورت کے لئے روا نہیں ہے کہ وہ شیر خوار بچے کو اجرت پر لے اور دودھ پلائے، اگرچہ وہ گھر سے باہر نہیں جائے گی، لیکن اسے بچے کی نگہداشت و نگہبانی میں وقت صرف کرنا ہوگا، اور بدن کا تکان ہوگا جس کی وجہ سے شوہر کا حقہ اس سے متمتع نہیں ہوسکتا، بلکہ فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر دوسرے شوہر سے بچہ ہو، تو بھی عورت کو دودھ پلانے سے روکا جائے گا (**الدر المختار و رد المحتار ج ٣ ص ٥٧٧**) اس کی علت پر علامہ شامی روشنی ڈالتے ہوئے رقم طراز ہیں:

لان فی الارضاع و السهر تتعب و ذالک ینقص جمالها وجمالها حق الزوج فکان له ان یمنعها (رد المحتار ج ٣ ص ٥٧٧)

کیونکہ دودھ پلانے اور شب بیداری میں تکان ہوگا جس کی وجہ سے اس کے حسن و جمال میں منفی اثر مرتب ہوگا، اور حسن و خوبصورتی شوہر کا حق ہے، لهذا اسے اختیار ہے کہ عورت کو اس عمل سے باز رکھے۔

نیز کافی کے حوالہ سے لکھا ہے:

وللزوج ان یمنع امراته مما یوجب خللا فی حقه (حوالہ سابق)

شوہر کے لئے روا ہے کہ عورت کو ایسے کام سے روکے جس سے اس کا حق متاثر ہورہا ہو۔

لہذا مذکورہ صورت میں شوہر کے لئے شرط کی تکمیل واجب نہیں، بلکہ اسے حق حاصل ہے کہ عورت سے ملازمت سے سبکدوشی کا مطالبہ کرے، یا اگر وہ ملازمت کی تلاش میں ہے تو اسے باز رکھے، اگر عورت اپنے عمل سے باز نہیں آئی تو نافرمان سمجھی جائے گی، اور شوہر کے ذمہ سے اس کا نفقہ ساقط ہوجائے گا، اس لئے کہ ملازمت کے لئے آمد و رفت میں نقصانات اور فتنے الگ ہیں اور مرد کا بھی جو حق احتباس ہے وہ مفقود ہورہا ہے۔

اشتراط فی النکاح

مولانا محمد طیب الرحمان صاحب

اشتراط فی النکاح کے بارے میں سوالات کے جوابات ذیل میں قلمبند کر رہا ہوں **واللہ ھو الموفق للصدق و الصواب۔** عقد نکاح کے ساتھ عائد کردہ شرطوں کو تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے، ان تینوں قسم کی شرائط کے بارے میں شریعت کا حکم مع الدلائل ذیل میں مرقوم ہے۔

(۱) ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو، اس کو اگر شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کردیا جائے تو یہ شرعا جائز ہے، مثلا بیوی کا یہ شرط لگانا کہ شوہر کو اس کے ساتھ نیک زندگی گزارنا ہوگا۔ اس کا نفقہ، سکنی شوہر کے ذمہ ہوگا، ایسا ہی زوج کا یہ شرط لگانا کہ بیوی ان کی اجازت کے علاوہ ان کے گھر سے نہ نکلے۔ نفل روزہ نہ رکھے۔ ان کے مال و اسباب میں تصرف نہ کرے اور اس جیسی شرائط۔

لما فی المشکوۃ عن عقبۃ بن عامر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احق الشروط ان توفوا بہ ما استحللتم بہ الفروج (متفق علیہ) و فی مرقات المفاتیح (ج ۲ ص ۲۱۱) قال القاضی المراد بالشروط ھھنا المھر لانہ المشروط فی مقابلۃ البضع وقیل جمیع ماتستحقہ المراۃ بمقتضی الزوجیۃ من المھر والنفقۃ وحسن المعاشرۃ فان الزوج التزمھا بالعقد فکانھا شرطت فیہ وقیل کل ما شرط الزوج ترغیبا للمراۃ فی النکاح مالم یکن محظورا قال النووی رحمہ اللہ قال الشافعی اکثر العلماء علی ان ھذا محمول علی شرط لا

٭ امیر شریعت آسام، ہیلا کندی، آسام

ینافی مقتضی النکاح و یکون من مقاصدہ کاشتراط العشرۃ بالمعروف و الانفاق علیها و کسوتها و سکناها و من جانب المراۃ ان لا تخرج من بیتہ الا باذنہ و لا تصوم تطوعا بغیر اذنہ و لا تاذن غیرہ فی بیتہ الا باذنہ و لا تتصرف فی متاعہ الا برضاہ و نحو ذالک وفی کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعۃ۔(ج ۲ ص ۸۰) فالشروط التی یقتضیها العقد کان یشترط خلولها من الموانع الشرعیۃ فلو قال لها تزوجتک علی ان لا تکونی زوجۃ للغیر او علی ان لا تکونی فی عدتہ او علی ان لا خیار لک او نحو ذالک مما یتوقف علیہ صحۃ العقد فانہ صحیح نافذ بطبیعتہ وکذا اذا اشترطت علیہ ان یکون کفوا الخ۔

(۲) نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی کوئی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز کرنا ہو۔ مثلا شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان و نفقہ اس کے ذمہ نہ ہوگا۔ ایسی شرط لگانا شرعا جائز نہیں ہے۔ البتہ ایسی شرط لگانے سے عقد نکاح پر کوئی اثر مرتب نہ ہوگا۔ بلکہ نکاح بدستور منعقد ہو جائے گا۔ ایسی شرط کی پابندی متعلقہ فریق کے لئے ضروری نہیں ہوگی، بلکہ شرط لغو ہوگی اور اس پر عمل نہ کیا جائے گا۔

کما قاضی خان (ج ۱ ص ۳۳۱) رجل تزوج امراۃ علی الف درهم علی ان لا ترثہ و لا یرثها جاز النکاح و یتوارثان ولیس لها الا الف درهم کان مهر مثلها اقل من ذلک او اکثر الخ و فی فتاوی عالمگیری (ج ۱ ص ۳۹) رجل تزوج امراۃ بالف علی ان لا ینفق علیها و مهر مثلها ماۃ کان لها الالف و النفقۃ کذا فی فتاوی قاضی خان وفی مرقات المفاتیح (ج ۲ ص ۲۱۱) و اما شرط یخالف مقتضاہ کشرط ان لا یقسم لها و لا یتسری علیها و لا ینفق و لا یسافر بها و نحو ذالک فلا یجب الوفاء بہ بل یکون لغوا و یصح النکاح بمهر المثل الخ و فی کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعۃ (ج ۲ ص ۸۰) و اما الشروط التی لا یقتضیها العقد کان یقول لها تزوجتک علی ان احللک لمطلقۃ ثلاثا او یقول لها تزوجتک علی ان یکون امرک بیدک او علی ان تطلقی نفسک متی اردت و نحو ذالک۔ فان مثل هذہ الشروط تلغو و لا یعمل بها و یصح العقد الخ

(۳) عقد نکاح کے وقت کوئی فریق اگر ایسی شرط لگائے جو عقد نکاح سے عائد ہونے والی ذمہ داریوں کے قبیل سے نہیں ہے اور نہ اس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز کرنا ہے۔ بلکہ اس کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی اور ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی۔ مثلا عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر

کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا، ایسی شرط لگانے سے عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہ پڑے گا، البتہ یہ شرط لازم الایفاء نہیں ہے، بلکہ ایک وعدہ کے درجہ میں ہے جس کو پورا کرنا بھی اس کے لئے ضروری ہے، کیونکہ وعدہ کے خلاف کرنا حرام ہے۔

كما فى بدائع الصنائع (ج ٢ ص ٢٨٥) وقال ان ما شرط الزوج من طلاق المراة و ترك الخروج من البلد لا يلزمه فى الحكم لان ذالك وعد وعد لها فلا يكلف به الخ و فيه فى (ج ٢ ص ٢٧٧) و النكاح لا تبطله الشروط الفاسدة بخلاف البيع و الفرق ان الفساد فى باب البيع لمكان الربا و الربا لا يتحقق فى النكاح فيبطل الشرط ويبقى النكاح صحيحا الخ وفى العناية على الهداية (ج ٢ ص ٢٥٨) " تحت قوله و اذا تزوجها على الف على ان لا يخرجها من البلدة " قد تقدم ان النكاح لا يبطل بالشروط الفاسدة فاذا تزوج امراة على الف على ان لا يخرجها من البلدة او على ان لا يتزوج عليها او على ان يطلق فلانة فالنكاح صحيح و ان كان شرط عدم التزوج و عدم المسافرة و طلاق الضرة فاسد لان فيه المنع عن الامر المشروع الخ۔ و فى الاشباه و النظائر (ج ٢ ص ٢٥٢) الخلف فى الوعد حرام كذا فى اضحية الذخيرة الخ۔

(ج) عقد نکاح کے وقت اگر عورت کی طرف سے ایجاب ہو اور عورت یہ شرط لگائے کہ اس کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، اور شوہر اس شرط کو تسلیم کرتے ہوئے قبول کرے تو یہ شرعاً جائز ہے، اور اس شرط کی وجہ سے عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا لیکن ایجاب اگر شوہر کی طرف سے ہو تو شرط بے کار ہوگی اور عورت کو طلاق کا اختیار نہ ہوگا، نکاح کے وقت اگر شوہر بیوی کو طلاق کا حق تفویض کرے تو بعد میں اس تفویض طلاق کو ختم کرنے کا اختیار ان کو نہ رہے گا۔

كما فى فتاوى قاضى خاں (ج ١ ص ٣٣٩) و ان ابتدات المراة فقالت زوجت نفسى منك على انى طالق او على ان يكون الامر بيدى اطلق نفسى كلما شئت فقال الزوج قبلت جاز النكاح و يقع الطلاق و يكون الامر بيدها الخ۔ و فى فتاوى عالمگيرى (ج ص ١١٢) و ان خافت المراة ان لا يطلقها المحلل فقالت زوجتك نفسى على ان امرى بيدى اطلق نفسى كلما اردت فقبل جاز النكاح و صار الامر بيدها كذا فى التبيين الخ۔ و فى كتاب الفقه على المذاهب الاربعة (ج ٣ ص ٣٢٨) و يختلف كل من التوكيل و التفويض فى عدة احكام منها ان الزوج المفوض لا يملك الرجوع بعد التفويض الخ۔ و فى رد المحتار (ج ٢ ص ٢٥٥) " تحت قوله

فلم یصح رجوعہ " تفریع علی کونہ لیس توکیلا فان الوکالۃ غیر لازمۃ فلو کان توکیلا لصح عزلھا قال فی البحر عن جامع الفصولین تفویض الطلاق الیھا قیل ھو وکالۃ یملک عزلھا و الاصح انہ لا یملک الخ۔

نکاح میں شرط کی تین صورتوں کے احکام

(۱) عقد نکاح سے پہلے اگر شرائط طے ہوجائیں اور اس کی تحریر پر طرفین کے دستخط ہوجائیں تو اس کے معتبر ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت موجود ہو، مثلاً یہ شرط طے کی جاوے اور زوج کی طرف سے لکھا جاوے کہ فلاں بنت فلاں کے ساتھ میں اگر نکاح کروں تو ان کو فلاں فلاں شکلوں میں اپنے اوپر طلاق بائن کرنے کا حق ہوگا تو ایسی صورت میں اس شرط کی وجہ سے عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا، اور اگر اس میں اضافت الی النکاح نہ ہوئے تو اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا اور اس کی وجہ سے عورت کو طلاق کا اختیار حاصل نہ ہوگا، کیونکہ عقد نکاح سے پہلے زوج کو طلاق کی ملکیت نہیں ہوتی اور ملکیت سے پہلے تفویض نہیں ہوسکتی۔

کما فی الدر المختار (ج ۲ ص ۲۸۷) و شرطہ الملک الخ۔ او الاضافۃ الیہ الخ۔ کان نکحت امراۃ او ان نکحتک فانت طالق و کذا کل امراۃ الخ و فی رد المحتار (تحت قولہ او الاضافۃ الیہ) بان یکون معلقا بالملک کما مثل و کقولہ ان صرت زوجۃ لی او بسبب الملک کالنکاح ای التزوج الخ (و تحت قولہ او ان نکحتک) لا فرق بین کونھا اجنبیۃ معتدۃ کما فی البحر (قولہ و کذا کل امراۃ) ای اذا قال کل امراۃ تزوجھا طالق الخ۔

(۲) عقد نکاح کے وقت اگر شرائط کا ذکر کیا جائے اور مشروط ایجاب ہووے اور وہ عورت کی طرف سے ہووے تو قبول مطلق ہو یا مشروط یعنی شوہر چاہے یہ کہے کہ میں نے قبول کیا، اور چاہے یوں کہے کہ میں نے شرائط کے ساتھ قبول کیا، دونوں صورتوں میں شرط معتبر ہوگی اور عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا۔ عورت کی طرف سے شرط تفویض کو ذکر نہ کرتے ہوئے اگر مطلق ایجاب ہووے اور شوہر کی طرف سے شرط تفویض کو اضافہ کرتے ہوئے مشروط قبول ہووے تو بھی تفویض صحیح ہوگی اور عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا، لیکن ایجاب اگر شوہر کی طرف سے ہووے اور وہ ایجاب کے وقت شرط لگائے اور عورت اس شرط کو تسلیم کرتے ہوئے قبول کرے تو شرعاً اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا اور عورت کو طلاق کا اختیار نہ ہوگا، کیونکہ ابتداء اگر زوج کی طرف سے ہووے تو تفویض نکاح کے تمام ہونے کے پہلے ہوگا اور یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ شوہر اس وقت طلاق کا مالک ہی نہیں

ہے لیکن ابتداء اگر عورت کی طرف سے ہووے تو تفویض نکاح کے بعد ہوگا اور زوج عورت کے مشروط ایجاب کے بعد جب قبول کرتا ہے تو زوج کے قبلت کہنے کا مطلب یہ ہوگا کہ میں اس شرط پر قبول کرتا ہوں کہ تجھے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، چونکہ جواب مافی السوال کے اعادہ کا متضمن ہوتا ہے، پس تفویض بعد النکاح ہوگا لہذا عورت کو طلاق کا اختیار حاصل ہوگا،

لما فی فتاوی قاضی خان (ج ۱ ص ۳۲۹) رجل تزوج امراة على انها طالق او على ان امرها فی الطلاق بيدها. ذكر محمد فی الجامع انه يجوز النكاح و الطلاق باطل و لايكون الامر بيدها و ذكر فی الفتاوى عن الحسن بن زياد. اذا تزوج امراة على انها طالق الى عشرة ايام او على ان يكون الامر بيدها بعد عشرة ايام ان النكاح جائز و الطلاق باطل و لا تملك امرها و قال الفقيه ابو الليث هذا اذا بدا الزوج فقال تزوجتك على انك طالق و ان ابتدات المراة فقالت زوجت نفسى منك على انى طالق او على ان يكون الامر بيدى اطلق نفسى كلما شئت فقال الزوج قبلت جاز النكاح و يقع الطلاق و يكون الامر بيدها لان البداة اذا كانت من الزوج كان الطلاق و التفويض قبل النكاح فلا يصح. اما اذا كانت البداءة من قبل المراة يصير التفويض بعد النكاح لان الزوج لما قال بعد كلام المراة قبلت و الجواب يتضمن اعادة ما فی السوال صار كانه قال قبلت على انك طالق او على ان يكون الامر بيدك فيصير مفوضا بعد النكاح الخ. وفی كتاب الفقه على المذاهب الاربعة (ج ۴ ص ۸۱) اذا اشترط الرجل الطلاق للمراة كان قال لها تزوجتك على ان تطلقى نفسك كان الشرط فاسدا بخلاف ما اذا اشترطت هى ان يكون الطلاق بيدها فان الشرط يكون صحيحا و يعمل به الخ. و فی رد المحتار (ج ۲ ص ۳۷۹) ذكر الشارح فی آخر باب الامر باليد نكحها على ان امرها بيدها صح الخ. لكن ذكر فی البحر هناك ان هذا لو ابتدات المراة فقالت زوجت نفسى على ان امرى بيدى اطلق نفسى كلما اريد او على انى طالق فقال قبلت وقع الطلاق و صار الامر بيدها اما لو بدأ لا تطلق و لا يصير الامر بيدها الخ'

(۳) عقد نکاح کے بعد مابین طرفین اگر کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے تو وہ معتبر ہے کیونکہ ایسی صورت میں اس کے معتبر ہونے کی راہ میں کوئی مانع نہیں۔

شریعت نے طلاق کا اختیار شوہر کے ہاتھ میں رکھا ہے تفویض کے نتیجہ میں یہ اختیار عورت کی طرف منتقل ہوجاتا ہے جس سے مصالح شرع کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، کیونکہ عورت اکثر ناقص العقل ہے اور ان

میں صبر کا مادہ بھی مرد کی نسبت سے کم ہے، اس لئے ان کی طرف سے طلاق کے بیجا استعمال کا احتمال غالب ہے۔ اس لئے مصالح شرع کی حفاظت کے لئے تفویض میں ایسی کوئی قید بڑھانا مناسب ہے جس سے طلاق کے بیجا استعمال کا سد باب ہوسکے اور وہ جانبین کے لئے مفید بھی ہوسکے، مثلاً تراضی طرفین سے مناسب سمجھ کر چند اشخاص کے نام متعین کردیا جائے پھر شرائط کو ذکر کرتے ہوئے زوج یہ لکھے کہ مذکورہ شرائط میں سے کسی شرط کے خلاف اگر ان کی طرف سے ہووے اور اس خلاف شرط ہونے کو مذکورہ اشخاص میں سے کم سے کم دو شخص تسلیم کریں تو عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا، مزید احتیاط کے لئے یہ قید بھی بڑھائی جاسکتی ہے کہ وہ دونوں شخص درپیش حالات میں عورت کے لئے طلاق کو اختیار کرنا مناسب بھی قرار دیں۔ ایسی قید لگانے سے تسلیم کردہ اشخاص میں سے کم سے کم دو شخص کے تسلیم کرنے اور مناسب سمجھنے کے علاوہ عورت کے ہاتھ میں طلاق کا اختیار نہ آئے گا۔ یہاں مناسب یہ ہے کہ شرائط نامہ میں کم از کم دس آدمیوں کے نام تراضی طرفین سے متعین کر کے لکھ دئے جائیں کیونکہ دو چار کا نام لکھنے میں ممکن ہے کہ بوقت ضرورت ان میں سے کوئی بھی موجود نہ رہے اور زیادہ آدمیوں میں یہ احتمال بعید ہے' **كما صرحه فى حاشية الحيلة الناجزة**۔ ہندوستان کے جن علاقوں میں قاضی شرعی موجود ہیں وہاں یہ صورت بھی اختیار کی جاسکتی ہے کہ وہاں یہ قید بڑھائی جاوے کہ شوہر کی طرف سے خلاف شرط ہونا اگر قاضی شرعی تسلیم کریں اور درپیش حالات میں قاضی شرعی عورت کے لئے طلاق کو اختیار کرنا مناسب قرار دیں تو عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا۔

كما فى كتاب الفقه على المذاهب الاربعة (ج ٢ ص ٣٢٨) اما لو كان الطلاق بيد المراة فانها لا تبالى بايقاعه عند سورة الغضب اذ ليس امامها من التكاليف ما يحول بينها و بين ايقاع الطلاق بل ربما زينت لها سورة الغضب ايقاع الطلاق الخ۔ ان المراة مهما اوتيت من حكمة فانها سريعة التاثر بطبيعتها فليس لها من الجلد و الصبر مثل ما للرجال فلو كان الطلاق بيدها فانها تستعمله اسوأ استعمال الخ وفى فتح القدير (ج ٣ ص ٢٢) و امامها سنة فمنها ثبوت التخلص به من المكاره الدينية و الدنيوية و منها جعله بيد الرجال دون النساء لاختصاصهن بنقصان العقل و غلبة الهوى و من ذالك ساء اختيارهن الخ۔

(۱) عقد نکاح کے وقت اگر اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے گیا تو مہر ایک ہزار ہوگا اور اگر بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر لے گیا تو اس کا مہر دو ہزار ہوگا۔ اس مسئلہ میں صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں درست قرار پاتی ہیں اور ہر دو صورت میں مہر مسمی لازم ہوتا ہے،

اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک پہلی صورت میں مہر مسمی لازم ہوتا ہے اور دوسری صورت میں مہر مسمی کا اعتبار نہیں ہوتا ہے بلکہ دوسری شرط پائے جانے کی صورت میں مہر مثل لازم ہوتا ہے، بشرطیکہ وہ اقل مسمی سے کم نہ ہوگا اور اکثر مسمی سے زیادہ نہ ہوگا اور اس مسئلہ کی نظیر وہ صورت بھی ہوگی کہ اگر نکاح کے وقت اس طرح مہر طے ہو کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہے اور اگر اس نے طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار تو ایسی صورت میں بھی صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں مہر مسمی لازم ہوگا ، امام صاحب کے نزدیک اگر شوہر نے بیوی کو طلاق نہ دی تو مہر مسمی لازم ہوگا اور اگر طلاق دی تو مہر مسمی کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ مہر مثل لازم ہوگا بشرطیکہ وہ مہر مسمی کے اقل سے کم نہ ہو اور اکثر مسمی سے متجاوز نہ ہو۔

اب کسی مسئلہ میں اگر امام صاحب اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہووے تو امام صاحب کے قول کی ترجیح ہوتی ہے۔ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ طلاق کے غلط استعمال سے خاص طور پر ایک ساتھ تین طلاق دینے سے بڑی خرابیاں پیدا ہورہی ہیں جس سے مرد و عورت اور خاندان سب ہی متاثر ہوتے ہیں، لہذا طلاق دینے کے ایسے غیر مشروع اقدام کو روکنے کی ضرورت ہے، لیکن عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ مہر کی مقدار زیادہ یا کم کرنے سے طلاق کے غیر مشروع اقدام میں کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، اس لئے احقر کے خیال میں طلاق کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے امام صاحب کے قول سے عدول کرتے ہوئے صاحبین کے قول کو فتوی کے لئے اختیار کرنے کی کوئی وجہ نہیں نکلتی۔

كما فى العالمگيرى (ج ۱ ص ۳۰۷) لو تزوج امراة على الف ان لم يكن له امراة و على الفين ان كانت له امراة او تزوجها على الف ان لم يخرجها من بلدها و على الفين ان اخرجها منها او تزوجها على الف ان كانت مولاة و على الفين ان كانت عربية و ما اشبه ذالك فلا شك ان النكاح جائز و اما المهر فالشرط الاول جائز بلا خلاف فان وقع الوفاء به فلها ما سمى على ذالك الشرط و ان لم يقع الوفاء به فلها مهر مثلها لا ينقص من الاقل و لا يزاد على الاكثر و هذا قول ابى حنيفة رحمه الله. و قال ابو يوسف و محمد رحمهم الله. الشرطان جائزان كذا فى البدائع الخ. و فى العناية على شرح الهداية (ج ۲ ص ۳۵۸) و لهما ان ذكر كل واحد من الشرطين مفيد فيصحان جميعا و لابى حنيفة رحمه الله ان الشرط الاول قد صح لعدم الجهالة فيه فيتعلق العقد به ثم لم يصح الشرط الثانى لان الجهالة نشات منه و لم يفسد النكاح و طولب بالفرق بين هذه المسئلة و بين ما اذا تزوجها على الفين ان كانت جميلة و على الف ان كانت قبيحة حيث يصح فيها الشرطان جميعا بالاتفاق و المسئلة فى فتاوى الولو الجى

وغیرہ و اجیب بان فی الاولی وجدت المخاطرة فی التسمیة الثانیة لانها لا تدری ان الزوج یخرجها او لا! و فی المسئلة الثانیة لا مخاطرة لان المراة اما جمیلة فی نفس الامر و اما قبیحة غیر ان الزوج لا یعرفها و جهلها بصفتها لا یوجب المخاطرة فیصح الشرطان جمیعا الخ۔ و فی الدر المختار (ج ۱ ص ۲۷) ان ما اتفق علیه اصحابنا فی الروایات الظاهرة یفتی به قطعا و اختلف فیما اختلفوا فیه و الاصح کما فی السراجیة و غیرها انه یفتی بقول الامام علی الاطلاق ثم یقول الثانی ثم یقول الثالث الخ۔ و فی رد المحتار (تحت قوله و الاصح کما فی السراجیة) اقول عبارتها ثم الفتوی علی الاطلاق علی قول ابی حنیفة فی جانب و صاحباه فی جانب فالمفتی بالخیار و الاول اصح اذا لم یکن المفتی مجتهدا الخ۔

(۲) اگر نکاح کرتے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا اور اگر اس کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا، تو ایسی صورت میں بھی صاحبین کے قول کی بناء پر دونوں شرطیں معتبر اور لازم العمل ہوں گی، لیکن امام ابو حنیفہ کے قول کی بناء پر اگر اس عورت کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو شرط معتبر اور لازم العمل ہوگی اور اگر کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو شرط معتبر نہ ہوگی بلکہ مہر مثل واجب ہوگا بشرطیکہ اقل مسمی سے کم نہ ہو اور اکثر سے زائد نہ ہو، اور حسب قواعد فقہیہ امام صاحب کے قول کو ترجیح ہوگی " **و الادلة مذکورة فی المسئلة السابقة۔**

(۳) عورت اگر کسی ملازمت میں لگی ہوئی ہووے، یا ملازمت حاصل کرنے کے لئے جد و جہد میں لگی ہوئی ہووے اور نکاح کے وقت اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگائے کہ انہیں لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا، یا اگر آیندہ انہیں کوئی مناسب ملازمت ملے تو انہیں ملازمت کرنے سے نہیں روکے گا، اور اس شرط کو ہونے والا شوہر عقد نکاح کے وقت قبول کرتا ہے تو یہ شرط ایک وعدہ کے خلاف درجہ میں ہوگی کیونکہ یہ شرط شرائط مباحہ کے قبیل سے ہے شرط قبول کرنے کی وجہ سے وہ واجب الایفاء ہے کیونکہ وعدہ کے خلاف کرنا حرام ہے البتہ کسی مانع شدید سے کوئی شخص ایفاء عہد نہ کرسکے تو اس میں گناہ نہیں ہے۔ البتہ عورت اگر ملازمت کی وجہ سے حقوق زوجیت ادا نہ کرسکے یا ملازمت کی وجہ سے حدود شرعیہ کو تجاوز کرنا پڑے تو ایسی صورت میں شوہر کے لئے اس شرط کی پابندی ضروری نہیں ہوگی، بلکہ شوہر اگر عورت کو سلسلہ ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے تو عورت کے لئے شوہر کے حکم کی تعمیل ضروری ہوگی، ایسا ہی عورت جس نئی ملازمت سے وابستہ ہونا چاہتی ہے اس سے حدود شرعیہ سے

تجاوز کرنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے شوہر انہیں ایسی نئی ملازمت سے وابستہ ہونے سے روکتا ہے، تو عورت کے لئے اس کے حکم کی تعمیل ضروری ہوگی۔

كما فى الكوكب الدرى (تحت قوله باب فى الشرط عند عقدة النكاح ان احق الشروط ان يوفى بها) ظاهره ان الشروط يوفى بها مالم يقع منافية لعقد الزوجية فاما اذا شرط ما ينافيه كما اذا شرط لها ان لا يخرجها من بيتها فهذا ينافى عقدة الزواج الخ. و الحاصل ان الشروط ثلاثة اصناف مايوجبه الزواج من غير اشتراط كالنفقة لها و السكنى فهذا يجب الايفاء به و ان لم يشترط و ما ينافى كتاب الله و نص رسول فهذا لا يجوز العمل بها و ان اشترط و ما ليس من القسمين فهى مباحة اتيانها و تركها فهذه يجب الايفاء بها اذا اشترط و ان لم يشترط لا الخ. و فى الدر المختار (ج ٥ ص ٣٣٥) و ينظر من الاجنبية و لو كافرة مجتبى الى وجهها و كفيها للضرورة قيل و القدم و الذراع اذا آجرت نفسها للخبز. تاتار خانية. و فى رد المحتار (تحت قوله اذا آجرت نفسها للخبز) اى و نحوه من الطبخ و غسل الثياب قال الاتقانى و عن ابى يوسف انه يباح النظر الى ساعدها و مرفقها للحاجة الى ابدائها اذا آجرت نفسها للطبخ و الخبز الخ. وفى الدر المختار (ج ٥ ص ٢٢) وله فى نكاح ظاهر فسخها مطلقا شانه اجارتها اولا وفى رد المحتار (ج ٥ ص ٢٥) اى سواء كانت الاجارة تشين الزوج اى تعيبه بان كان وجيها بين الناس او لا لما ان له أن يمنعها من الخروج و ان يمنع الصبى الدخول عليها و لان الارضاع و السهر بالليل يضعفها و يذهب جمالها فكان له المنع كما يمنعها من الصيام تطوعا. زيلعى. فقط هذا ما حضر لى

و الله اعلم

اشتراط فی النکاح

مفتی عزیز الرحمان فتحپوری ٭

حضرات فقہاء کرام نے نکاح کی یہ تعریف کی ہے کہ نکاح ایک ایسے عقد کا نام ہے جو ملک متعہ کا فائدہ دے یعنی مرد کے لئے اس عورت سے استمتاع جائز ہوجائے جس کے ساتھ نکاح سے کوئی (شرعی) مانع نہ ہو۔ اس موقعہ پر صاحب درمختار کے الفاظ یہ ہیں "**هو عند الفقهاء عقد لغير ملك المتعة او حل استمتاع الرجال من امراة لم يمنع من نكاح مانع شرعي**" اور نکاح کے لئے شریعت نے کچھ شرائط مقرر کئے ہیں جن کی پابندی بہر صورت لازم ہوتی ہے۔ مثلاً ایک یہی شرط کہ جس عورت سے نکاح کیا جارہا ہے وہ محرمات میں سے نہ ہو نہ ہی دوسرا کوئی شرعی مانع پایا جاتا ہو۔ عقد نکاح کے لئے بھی شرائط و ارکان ہیں یعنی گواہوں کا ہونا اور ایجاب و قبول ان تمام کا لحاظ کرتے ہوئے جب عقد نکاح کیا جائے تو نکاح لازم ہوجاتا ہے جس کا فائدہ یہ ہے کہ اب تک جو محض اجنبی تھے، اب ان کے لئے قانونی طور پر ایک دوسرے سے استمتاع جائز ہوگیا لیکن، مقصود محض استمتاع کے جواز میں منحصر نہیں ہے بلکہ نکاح کے مستقل شرعی مصالح ہیں۔ جیسے عفت و عصمت کا تحفظ اور بد کرداری سے حفاظت، بقائے نسل انسانی وغیرہ، پھر چونکہ نکاح کے بعد کی زندگی زوجین کے لئے دائمی رفاقت کا تقاضا کرتی ہے اور سماجی و شرعی ہر اعتبار سے وہ ایک جان دو قالب ہوکر زندگی گزارنا شروع کرتے ہیں، اس لئے شریعت نے ایک کے دوسرے پر جو حقوق دیئے ہیں اور ہر ایک کی جو ذمے داریاں ہیں ان کی تفصیل بھی بتادی ہے۔ شریعت

٭ بمبئی

نے جس کی جو ذمے داریاں متعین کردی ہیں ان کی پابندی ہر صورت ضروری ہے، اسی طرح ایک پر دوسرے کے جو شرعی حقوق ہیں ان میں کوئی کمی بھی نہیں کی جاسکتی، اس تمہید کی روشنی میں عقد نکاح کے وقت جو شرائط عائد کئے جائیں ان کے متعلق بدیہی طور پر یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ (۱) ایسے شرائط جس کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں بلکہ عقد نکاح سے عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو بصورت شرط ذکر کردیا گیا ہے اس سے صورتحال میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں پیدا ہوتی، لہذا ایسی شرائط اگر ذکر بھی کر دی جائیں تو کوئی سوال پیدا نہ ہوگا، شرائط کی دوسری قسم (۲) یعنی نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی کوئی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو ایسی شرط قابل قبول نہیں ہوا کرتی۔ حضرات فقہاء نے مسئلہ خلع میں اس صورت میں جب کہ عورت نفقہ عدت اور سکنیٰ کے عوض خلع حاصل کرلے یہ تصریح کی ہے کہ سکنیٰ چونکہ حق شرع ہے اس لئے وہ ساقط نہ ہوگا۔ **لا السکنی لانها حق الشرع** (در مختار) اس سے بطور اصول یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ شرائط جو حق شرعی یا حق ثابت بالشرع پر اثر انداز ہوں نکاح کے وقت کوئی بھی فریق انہیں عائد کرے ان کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ چنانچہ اگر اس طرح اس شرط پر کیا جائے کہ شوہر کے ذمہ میں کوئی مہر لازم نہ ہوگا تو فقہاء لکھتے ہیں کہ اس صورت میں بھی عورت مہر مثل پائے گی۔ در مختار میں ہے

و کذا یجب مهر المثل فیما اذا لم یسم مهرا او نفی ان وطئ الزوج او مات الخ و فی شرحه (قوله او نفی) بان تزوجها علی ان لا مهر لها اه (شامی ج ۲ ص ۳۲)

اس سے سوال کا جواب بھی معلوم ہوگیا کہ ایسی شروط انعقاد نکاح میں قطعاً اثر انداز نہ ہوں گی یعنی نکاح تو منعقد ہوجائے گا لیکن یہ شرائط باطل قرار پائیں گے۔

(۳) تیسری قسم یعنی ایسی مشروط جو (۱) اور (۲) میں سے کسی کے دائرہ میں نہیں آتیں بلکہ ان کے نتیجے میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوجاتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا، بیشتر ان کی حیثیت ایک وعدے کی ہے ان شرائط کی کئی قسمیں کی جاسکتی ہیں، مثلاً یہ شروط یا تو عورت کے لئے مفید ہوں گی یا شوہر کے لئے، کسی اجنبی کے لئے مفید ہونگی یا کسی کے حق میں مضر ہوں گی، پھر یہ تمام شرائط یا تو نفس عقد سے حاصل ہوں گی یا زوج (یا زوجہ) کے فعل پر موقوف ہوں گی۔

وحاصل المسئلة علی وجوه لان الشرط اما نافع لها او لاجنبی او ضار فکل اما حاصل بمجرد النکاح او متوقف علی فعل الزوج الخ۔

ان کے ساتھ مہر کا ذکر بھی ہو مثلاً ایک ہزار پر نکاح اس شرط کے ساتھ کہ شوہر اسے دوسرے شہر نہ لے

جائے گا (**نکحها بالف على ان لا يخرجها من البلد او لا يتزوج عليها**) اس صورت کا ذکر کرتے ہوئے مزید تفصیل کے ساتھ علامہ شامی نے بحر کے حوالہ سے جملہ دو سو اٹھاسی (۲۸۸) اقسام نقل کی ہیں " **فهى مائتان و ثمانية و ثمانون هذا خلاصة ما فى البحر** " اقسام میں جو خلاف شرع ہوں گی وہ تو بالکل باطل ہوں گی باقی کی حیثیت ایک وعدے کی ہے، اگر کسی کو ان سے ضرر نہیں پہونچتا اور شوہر انھیں پورا کرتا ہے تو کوئی حرج نہیں لیکن یہ شرائط پوری نہ کی جائیں تو بھی نکاح پر اثر انداز نہ ہوں گی (بشرطیکہ انھیں طلاق سے مشروط نہ کیا گیا ہو) البتہ اگر نفس عقد میں انہیں مہر کے ساتھ ملحق کیا گیا ہے تو عورت مہر مثل کی حقدار قرار دی جائے گی تاہم شرائط کی یہ جملہ اقسام نفس عقد پر کسی طرح اثر انداز نہ ہوں گی، نکاح بہر حال صحیح مانا جائے گا۔

(ج) شرعا طلاق کا حق شوہر کو ہے بموجب حدیث نبوی "**الطلاق لمن اخذ الساق**" شریعت نے عورتوں کی نفسیات کو دیکھتے ہوئے انھیں یہ حق نہیں دیا جو لوگ انسانی مزاجوں سے واقفیت رکھتے ہیں اور جنہوں نے عورتوں اور مردوں کی ذہنی اور مزاجی کیفیات کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہے ان پر یہ بخوبی واضح ہے کہ اگر طلاق کا حق عورت کو دیا گیا ہوتا تو معاشرہ میں آج طلاق کا جو تناسب ہے یہ بیسیوں گنا زیادہ ہوتا۔ لہذا شرع اسلامی نے عورت کو یہ حق اسی لئے نہیں دیا تاکہ مصالح نکاح کے فوت ہونے کا اندیشہ قوی تر نہ ہوجائے، تاہم شوہر کو یہ اختیار حاصل ہوجاتا ہے کہ شوہر کے دیئے ہوئے اختیار کے مطابق اپنے اوپر طلاق واقع کرلے پھر عورت کا یہ اختیار عارضی بھی ہوسکتا ہے اور دائمی بھی۔ فقہاء نے اسے تفویض طلاق، امر بالید اور مشیت بالطلاق وغیرہ عنوانات کے تحت بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ یہ اختیار جو شوہر عورت کو دیتا ہے عقد نکاح میں بھی مشروط ہوسکتا ہے، اور بعد میں بھی جب شوہر چاہے یہ حق اسے تفویض کرسکتا ہے۔ فساد زمانہ کے مد نظر اگر ایسی کوئی شرط لگائی جائے یا کابین نامہ تحریر ہو تو اس میں احتیاط کے تمام پہلوؤں کو مد نظر رکھا جانا ضروری ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے الحیلۃ الناجزۃ میں تفویض طلاق بوقت نکاح کے عنوان سے اس مسئلے کے تمام پہلوؤں پر تفصیلی گفتگو کرتے ہوئے مناسب مشورے بھی دئے ہیں تاکہ نکاح کے مصالح بھی فوت نہ ہونے پائیں اور ضرورت بھی پوری ہوجائے، اس موقعہ پر سب سے پہلے تو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ یہ تفویض طلاق کے سلسلے کی تحریر جسے الحیلۃ الناجزۃ میں کابین نامہ کا عنوان دیا گیا ہے اس کے تحریر کئے جانے کی تین صورتیں ہیں (۱) کابین نامہ نکاح سے پہلے لکھوا لیا جائے (۲) عین وقت عقد میں زبان سے کہلوا لیا جائے (۳) نکاح کے بعد تحریر کیا جائے۔ پہلی صورت میں یعنی کابین نامہ نکاح سے پہلے لکھا جائے (اور ایجاب و قبول میں بطور شرط اس کا زبانی کوئی تذکرہ نہ ہو) اس کے معتبر اور مفید ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت ہو۔ مثلاً یہ کہ اگر میں فلانہ بنت فلاں سے نکاح کرو اور پھر شرائط مندرجہ اقرار نامہ ہذا میں سے کسی شرط کی خلاف ورزی کروں تو مسماۃ مذکورہ کو یہ

اختیار حاصل ہوگا الخ۔ اگر اس میں اضافت الی النکاح نہ ہو تو بموجب حدیث نبوی طلاق قبل الملک یہ اقرار نامہ بے کار محض ہوگا، " **كما فى التنوير فلغا قوله لاجنبية ان زوجت زيدا فانت طالق** " دوسری صورت یہ ہی کہ عین ایجاب و قبول میں زبانی شرائط مذکور ہوں، اس کے صحیح اور معتبر ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو یعنی پہلے عورت یا اس کا ولی یا وکیل عقد نکاح کے وقت یہ کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا فلاں بنت فلاں کو تیرے نکاح میں اس شرط پر دے دیا کہ اگر تم نے یہ کیا، یا یہ نہ کیا تو اپنے معاملہ کا اختیار مجھے، یا مسماۃ فلاں کو ہوگا الخ۔ اس کے جواب میں شوہر یہ کہے کہ میں نے قبول کیا، یہ صورت اختیار کرنے کے بعد حسب شرط عورت کو طلاق کا اختیار حاصل ہوجائے گا، اس کے برخلاف اگر ایجاب مرد کی جانب سے بغیر کسی شرط کے ہوا اور لڑکی یا اس کے ولی یا وکیل نے قبول کے ساتھ تفویض طلاق کی شرط لگادی تو نکاح بلا کسی شرط کے صحیح ہو جائے گا اور یہ شرط لغو ہوگی (**بحواله شامى ج ٢ ص ٩٦**) حضرت تھانوی نے فقیہ ابو اللیث کے حوالے سے ان دونوں صورتوں کا فرق بھی بیان فرما دیا ہے، اہل علم الحیلۃ الناجزۃ میں پوری تفصیل دیکھ سکتے ہیں۔

تیسری صورت یہ تھی کہ نکاح کے بعد کوئی اقرار نامہ اس قسم کا شوہر سے لکھوا لیا جائے یہ صورت بھی بالکل صحیح اور درست ہے۔ حضرت تھانوی فرماتے ہیں کہ مصائب کے وقت خلاصی کی اصل تدبیر پہلی یا دوسری ہی صورت اختیار کرنا ہے، اور ان میں بھی آسان صورت جس میں عوام کے مغالطہ میں پڑنے کا اندیشہ نہیں وہ صرف پہلی ہی صورت ہے کہ عقد سے پہلے ہی کابین نامہ لکھوالیا جائے۔ مگر اس میں اضافت الی النکاح ضرور ہونا چاہئے۔ اگر اس طرح عقد نکاح کے وقت یہ شرط عائد کردی گئی اور شوہر نے اسے تسلیم کرلیا تو شرعا یہ شرط معتبر ہوگی اور شرط کے مطابق عورت کو طلاق کا اختیار حاصل ہوجائے گا، البتہ نوعیت اس اختیار کی الفاظ شرط کے مطابق ہوگی۔ تفویض طلاق کے بعد شوہر کو اس سے رجوع کا حق باقی نہیں رہتا الحیلۃ الناجزۃ میں بحوالہ در مختار منقول ہے کہ:

ولا يملك الزوج الرجوع منه اى من التفويض بانواعه الثلاثة لما فيه معنى التعليق قال الشامى قوله الثلاثة اى التخيير والامر باليد والمشيئة اه

عورتوں کی نفسیات اور مزاجی کیفیت کے لحاظ سے طلاق کو مطلقا اس کے ہاتھ میں دے دینا خطرے سے خالی نہیں ہے۔ اس لئے تفویض میں مناسب قیود کا اضافہ بھی کردینا چاہئے جس سے یہ خطرہ نہ رہے، مثلا یہ کہ عورت یا اس کا ولی یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو، یا مسماۃ فلاں کو اس شرط پر نکاح میں دے دیا کہ جس وقت تم سے کوئی شدید تکلیف پہونچے، یا فلاں فلاں شرائط کی خلاف ورزی ہو جس کو فلاں فلاں اشخاص میں سے کم از کم دس آدمی تسلیم کرلیں تو اس کے بعد مسماۃ کو ہر وقت یہ اختیار ہوگا کہ اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر نکاح سے علحدگی اختیار کرلے۔ اس صورت میں طلاق کا اختیار عورت کو اس وقت حاصل ہوگا جب نامزد کردہ افراد میں سے کم از کم دو

آدمی یہ تسلیم کرلیں کہ شرط کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔ عورت کو اس کے باوجود جلد بازی نہ کرنی چاہئے کہ پہلے سنت کے موافق استخارہ کرلے اور اپنے خیر خواہوں سے ضروری مشورہ بھی کرے۔

اس تعلیق میں اگر یہ الفاظ استعمال کئے گئے کہ شرط کی خلاف ورزی تسلیم کر لئے جانے کی صورت میں عورت اگر چاہے تو خود پر طلاق واقع کر کے نکاح سے علحدگی اختیار کرلے تو یہ تفویض خاص اس مجلس کے ساتھ مقید ہوجائے گی، جس میں شرط واقع ہوئی ہے، اس کے بعد عورت کو یہ اختیار نہ رہے گا، اسی طرح اگر یہ کہا گیا کہ عورت جب کبھی چاہے تو خود پر طلاق واقع کرلے، اس صورت میں ہمیشہ کے لئے اسے یہ اختیار حاصل ہوجائے گا اور مصلحت نکاح کے پیش نظر نہ تو اختیار کو اتنا وسیع کردینا مناسب ہے نہ ہی اتنا محدود کردینا۔ مفید مطلب یہ ہے کہ صرف مجلس شرط کے ساتھ خاص ہو کر رہ جائے، اس لئے مناسب یہ ہے کہ ایسے الفاظ استعمال ہوں کہ صرف ایک ہی مرتبہ طلاق دینے کا اختیار حاصل ہو، لیکن اس مجلس کے ساتھ مقید نہ ہو، مثلاً ایک ماہ تک کی مدت ذکر کر دی جائے تاکہ عورت اس مدت میں مشورے اور غور و فکر وغیرہ کر کے صحیح فیصلہ کرسکے۔ سوال کی یہ شق کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور نہ دی تو دس ہزار ہوگا۔ اس کی نظیر وہی مسئلہ ہے جس کا حوالہ سوالنامے میں درج ہے فقہاء کے الفاظ میں یہ "**تسمیۃ المھر علی تقدیر وغیرھا علی تقدیر**" کی صورت ہے جس کا حکم یہ ہے کہ اگر شرط پوری کی تو عورت کو اقل مسمی ملے گا لیکن شرط پوری نہ کرنے کی صورت میں اسے مہر مثل دیا جائے گا مگر اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر مہر مثل اکثر رقم سے بھی زیادہ ہے تو اکثر مسمی سے زیادہ نہ ملے گا اور اگر اقل سے بھی کم ہے تو عورت اقل مسمی بہر حال پائے گی۔ پیش کردہ مثال میں اس کی تطبیق یوں ہی کہ اگر شوہر نے طلاق نہ دی تو عورت کو دس ہزار مہر ملے گا لیکن اگر طلاق دیدی تو بجائے بیس ہزار کے وہ مہر مثل کی حقدار ہوگی، مہر مثل کی مقدار میں یہاں تین احتمال ہیں، ایک یہ ہے کہ وہ بھی بیس ہزار یا اس سے کم مگر دس سے زیادہ یا دس ہزار ہو، ان صورتوں میں جو بھی مہر مثل ہے عورت اس کی حقدار ہوگی، لیکن مہر مثل دس ہزار سے کم ہے تو اس صورت میں دس ہزار جس پر دونوں متفق ہیں وہ دلایا جائے گا اور اگر بیس ہزار سے زیادہ ہو تو چونکہ عورت بیس پر راضی ہے، اس لئے بیس ہزار ہی دلائیں گے۔ صاحبین رحمہما اللہ کے قول کے مطابق دونوں شرطیں جائز ہیں تاہم قدیم فقہاء نے اس قول کو فتوی کے لئے راجح نہیں سمجھا، لیکن موجودہ حالات میں اگر ضرورت متقاضی ہو تو اہل علم اتفاق رائے کے بعد اس کو اختیار کرلیں اس کی بھی اصولی گنجائش ہے، یہی حکم دوسری عورت سے نکاح والی صورت کا بھی ہے یہ تمام تفصیلات اس میں بھی جاری ہوسکتی ہیں۔ علامہ شامی نے اس کے بعد ہی **بالغین علی انھا جمیلۃ و بالف علی انھا قبیحۃ** کی تردید کو علی قول الامام بھی درست بتایا ہے۔ **لقلۃ الجھالۃ** اس سے معلوم ہوا کہ قول امام کی بنیاد تردید نہیں ہے اور اگر ایسی کوئی خاص وجہ نہ پائی

جائے تو تردید کی صورت میں بھی ذکر کردہ مہر کے بھی خلاف ہوگا اور یہ **تغییر احکام بتغیر الزمان** کے قبیل سے ہوگا۔

سوال (۳) یعنی نکاح کے وقت عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر انہیں ملازمت سے نہیں روکے گا۔ شوہر اگر اس شرط کو قبول بھی کرلے تو اس کی حیثیت ایک وعدے کی ہوگی اور آئندہ حالات کے مطابق اسے بہر صورت یہ حق حاصل ہوگا کہ جب چاہے عورت کو ملازمت وغیرہ سے روک دے اور جب شوہر روک دے تو عورت پر اس حکم کی تعمیل بھی لازم ہوگی، ورنہ وہ حق نفقہ سے بعض صورتوں میں بر بنائے نشوز محروم قرار دی جاسکتی ہے۔

اشتراط فی النکاح

مولانا ابو الحسن علی صاحب ٭

شرائط کے سلسلہ میں اس حدیث شریف سے بنیادی رہنمائی ملتی ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"**کل صلح جائز بین المسلمین الا صلحا احل حراما او حرم حلالا و المسلمون عند شروطهم الا شرطا احل حراما او حرم حلالا۔**"

"مسلمانوں کے درمیان ہر طرح کی مصالحت جائز ہے بجز اس صلح کے جس میں کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام ٹھہرایا گیا ہو، اور مسلمانوں کو اپنی مانی ہوئی شرطوں پر قائم رہنا چاہئے بجز ان شرائط کے جن کے ذریعہ کسی حرام کو حلال یا حلال کو حرام قرار دیا گیا ہو۔ (**معارف القرآن ج ۲۔ ص ۵۷۲۔ فتح القدیر ج ۳۔ ص ۳۵۱**)

فتح القدیر میں ایک روایت شرائط نکاح کے سلسلہ میں بھی ہے **احق الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج** (**فتح القدیر ج ۳ ص ۳۵۰**)

احادیث مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر عقد و شرط جس سے شریعت نے نہیں روکا یا بالفاظ دیگر کسی حلال کی حرمت یا حرام کی حلت ثابت نہ ہوتی ہو وہ جائز ہے، اور ان کا ایفاء ضروری ہے۔ اور اگر وہ شرط حرام کردہ اشیاء کو شامل ہو (چاہے اس کی حرمت کتاب اللہ کی نص خاص یا عام سے ہو یا سنت رسول سے ہو) وہ شرط منہی عنہ ہوگی، اور اس کا ارتکاب حرام ہوگا۔

٭ شیخ الحدیث دارالعلوم ماٹلی والا بھروچ گجرات

معاوضہ مالیہ کے اعتبار سے شروط تین اقسام پر ہیں (۱) صحیح شرط، وہ شرط بھی صحیح ہے اور عقد بھی صحیح ہے، یہ وہ شرائط ہیں کہ عقد خود ان کا تقاضہ کرے، یا عقد کے مناسب ہو یا اس سلسلہ میں شرعی حکم وارد ہو یا عرف جاری ہو۔ (معتبر شرائط کے ساتھ)

(۲) شرط فاسد، وہ شرط بھی فاسد ہے اور عقد بھی فاسد، یہ وہ شرائط ہیں، جس میں متعاقدین میں سے ایک کا نفع ہو یا ان کے علاوہ کسی مستحق کا نفع ہو۔ اور وہ ماقبل کی شرط کے مطابق نہ ہو۔

(۳) وہ شرط جو خود تو باطل ہو لیکن عقد صحیح ہوجاتا ہو۔ یہ وہ شروط ہیں جس میں اہل استحقاق کے علاوہ کا نفع ہو۔ یہ حکم معاوضات مالیہ کا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اول شرط و عقد دونوں صحیح ہیں (۲) ثانی عقد بھی فاسد اور شرط بھی فاسد ہے (۳) شرط باطل اور عقد صحیح ہوگا۔ یہ وہ شروط ہیں۔ جو صلب عقد (عقد سے مقارن) میں ہوں۔

معاوضات غیر مالیہ

نکاح، خلع وغیرہ میں فاسد شرط سے فساد کا اثر نہیں ہوتا اور فاسد شرط اس کو باطل نہیں کرتی۔ بلکہ شرط باطل اور عقد صحیح ہوجاتا ہے۔

شرط جائز وہ شرط کہ عقد بھی اس کا تقاضا کرے اور صراحت نہ کرے تو بھی وہ واجب ہوتی ہو جیسے ثمن کی ادائیگی پر مبیع مشتری کے سپرد کرنے کی شرط اور عورت کا شوہر پر اپنے نفقہ کی ذمہ داری اور مہر کی ادائیگی کی شرط لگانا **(الالتزامات فی الشرع الاسلامی ص ۲۰۹۔۲۱۱)**

سوال میں مذکور اول شرط اسی شرط جائز کی قبیل سے ہے۔ لہذا ان شروط کی وجہ سے عقد میں کوئی فساد لازم نہیں آئے گا۔ شرط ثانی و ثالث قاعدہ کے اعتبار سے فساد کو متضمن ہونے کی وجہ سے فاسد و غیر معتبر ہیں۔ لیکن تعلیق و تفویض طلاق کی شرط فقہائے کرام نے احادیث شریفہ کی روشنی میں معتبر اور صحیح قرار دی ہے، لہذا یہ شرطیں تفویض اور تعلیق کی شرطوں کے ساتھ معتبر ہوں گی۔ اسی طرح مہر کی شرطیں جن کا ذکر بعد والے سوال میں ہے کہ وہ بھی (کچھ شرائط کے ساتھ) معتبر ہے۔ اس کے علاوہ خیار شرط، خیار رویت اور خیار عیب میں سے کسی کے واسطے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا، بلکہ نکاح جائز اور شرط باطل ہے۔ اسی طرح اگر خوبصورتی یا بکارت یا ثیابت یا پاؤں کی تندرستی یا شہری ہونا یا اپنے باپ کی پسندیدگی کی شرط لگائی تو نکاح جائز اور شرط ثابت ہوگی۔

البتہ کفو ہونا، عنین اور خصی کا اختیار بلا شرط حاصل ہوتا ہے۔ **(عین الهداية ج ۲ ص ۱۷)** نیز دیکھئے **(عالمگیری ۱۔ ۲۷۳۔ المبسوط ۵۔ ۹۳)**

شرائط اور صلح کے سلسلہ میں یہ بات بھی ملحوظ رکھنے کی ہے کہ عورت اگر اپنے بعض حقوق کا مطالبہ نہ کرنے پر صلح کرلے تو یہ صلح عورت کے ان حقوق کو قطعی طور پر ختم کردے گی جو بوقت صلح شوہر کے ذمہ عائد ہوچکے ہیں، جیسے دین مہر کہ وہ صلح سے پہلے واجب الاداء ہوچکا ہے، لہذا اس کے معاف کرنے پر وہ ساقط ہوجائے گا۔ عورت کو بعد میں مطالبہ کا حق باقی نہیں رہے گا۔ لیکن جو حقوق ایسے ہیں کہ بوقت صلح ان کی ادائیگی شوہر پر واجب ہی نہ تھی، مثلاً آئندہ زمانے کا نان و نفقہ یا حق شب باشی جس کا وجود آئندہ زمانے میں ہوگا، ان کے ترک پر اگر صلح ہوگئی تو عورت کا حق ہمیشہ کے لئے ختم نہیں ہوگا، بلکہ جب اس کا دل چاہے گا اپنے حق کو وصول کرلے گی۔ (**معارف القرآن ج ۲ ص ۵۷۵)۔ و تفسیر ماجدی ج ۲ ص ۱۲۹)**

عقد نکاح کے وقت عورت کا اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق طلب کرنا۔ اور شوہر کا اس کو تسلیم کرنا، عورت کو اختیار دینا ہے۔ حضرات فقہاء کرام نے تفویض طلاق کے عنوان سے اس کی مختلف شکلیں اور جزئیات تحریر فرمائی ہیں۔ صاحب ہدایہ اور شراح ہدایہ نے تفویض طلاق کے خیار پر حضرات صحابہ کرام کا اجماع نقل کیا ہے، نصب الرایہ میں صاحب ہدایہ کے **قول روی ان الصحابة اجمعوا علی ان المخیرة لها الخیار مادامت فی مجلسها** پر گفتگو فرماتے ہوئے لکھا ہے۔

قلت فیه عن ابن مسعود و جابر و عمر و عثمان و عبد الله بن عمر و بن العاص۔ فحدیث ابن مسعود رواه عبد الرزاق فی مصنفه اخبرنا معمر عن ابن نجیم عن مجاهد ان ابن مسعود قال اذا ملکها امرها فتفرقا قبل ان تقضی بشئی فلا امر لها انتهی

ومن طریق عبد الرزاق رواه الطبرانی فی معجمه قال البیهقی فیه انقطاع بین مجاهد و ابن مسعود۔

حضرت جابر کی روایت بھی عبد الرزاق نے روایت لی ہے۔

حدیث عمر و عثمان کو ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق نے اپنے اپنے مصنف میں نقل کیا ہے، حدیث عبد اللہ بن عمرو بن عاص کو ابن ابی شیبہ نے نقل کیا۔ اس میں حجاج ابن ارطاة ضعیف ہے۔ ابن ابی شیبہ نے اسی طرح مجاہد، جابر ابن زید، شعبی، نخعی، عطاء اور طاؤس سے تخریج کی ہے۔ (**نصب الرایة فی تخریج احادیث الهدایة ملخصا ۲۳۹ ۔ ۲۳۰ ج ۲)**

سوال نامہ میں مذکورہ تینوں شکلیں جائز ہیں (۱) چاہے عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہوں (۲) چاہے عقد کے وقت ہوں (۳) چاہے عقد نکاح کے بعد شرائط نامہ تحریر ہو۔

شکل اول : اور اس کے صحیح اور معتبر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس میں طلاق کی اضافت ملک کی طرف ہو۔ اگر اضافت الی النکاح نہیں ہوئی تو شرائط کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور یہ شرائط نامہ لغو ثابت ہوکر صرف وعدہ کی حیثیت رکھے گا۔ جس کا ایفاء ضروری نہیں ہے۔ دیکھئے قدوری ۲ ۱۷۔ **الالتزامات فی الشرع الاسلامی** (۳۔۲)

شکل ثانی : عقد نکاح کے وقت ہی زبانی یا تحریری شرائط مذکور ہوں۔ تو اس کے معتبر ہونے کی شرط یہ ہے کہ عورت کی جانب سے ایجاب ہو۔ (عورت یا اس کا ولی یا وکیل) عقد نکاح کے وقت یہ کہے کہ میں نے اپنے آپ کو/بنت فلاں کو آپ کے نکاح میں (مذکورہ شرائط کے ساتھ) دیا اور مذکورہ شرائط میں سے کسی ایک کی خلاف ورزی کی شکل میں مجھے اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا کسی وقت اپنے آپ کو طلاق بائن دے کر نکاح سے الگ کرسکوں۔ اس کے جواب میں مرد یہ کہے کہ میں نے قبول کرلیا، تو پھر عورت کو شرائط کے مطابق اختیار حاصل ہوگا اور اگر ایجاب مرد کی جانب سے ہو اور لڑکی والے قبول کے ساتھ تفویض طلاق کی شرط لگائیں تو نکاح بلا شرط کے صحیح ہوجائے گا۔ اور شرط لغو ہوجائے گی۔ فتاوی قاضی خان میں ہے :

رجل تزوج امراة علی انها طالق او علی ان امرها فی الطلاق بیدها ذکر محمد فی الجامع انه یجوز النکاح والطلاق باطل و لا یکون الامر بیدها.

فقیہ ابو للیث فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت ہے جب کہ ایجاب مرد کی جانب سے ہو اور یہ کہا ہو " **تزوجتک علی انک طالق** " اور اگر ابتداء عورت کی جانب سے ہو اور وہ یہ کہے " **زوجت نفسی منک علی انی طالق او علی ان یکون الامر بیدی اطلق نفسی کلما شئت** " اور شوہر نے جواب میں کہا کہ میں نے قبول کیا تو نکاح جائز ہے ، اور طلاق واقع ہوگی اور امر عورت کے اختیار میں ہوگا۔

کیوں کہ جب ابتداء شوہر کی جانب سے ہوئی تو طلاق و تفویض نکاح سے پہلے ہوئی ، لہذا یہ صحیح نہیں ہوئی۔ اور جب ابتداء عورت کی جانب سے ہوگی تو تفویض نکاح کے بعد ہوئی۔ کیوں کہ جب شوہر نے عورت کے کلام کے بعد " **قبلت** " کہا یا اس طرح کہا **قبلت علی انک طالق او علی ان یکون الامر بیدک** تو نکاح کے بعد تفویض کرنے والا ہوا ، کیوں کہ جواب سوال میں مذکور مضمون کے اعادہ کو متضمن ہوتا ہے :

(**و الجواب یتضمن اعادة ما فی السوال) وکذا المولی اذا زوج امته من عبده الخ** (**فتاوی قاضی خان علی هامش الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۳۲۹**) شامی میں در مختار کی عبارت **نکحها علی ان امرها بیدها صح** پر گفتگو کرتے ہوئے علامہ شامی فرماتے ہیں یہ اس صورت کے ساتھ مقید ہے کہ عورت ابتداء

کرتے ہوئے **زوجت منک علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید او علی انی طالق** کے اور شوہر " **قبلت** " کہے اور اگر شوہر ابتداء کرے تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ اور نہ عورت کو اختیار ہوگا۔ **کما فی البحر من الخلاصة و البزازیة شامی ۲۔ ۵۷۲** اور **۲۔ ۲۹۹** کے تحت **قول صاحب درالمختار قال زوجنی ابنتک علی ان امرھا بیدک لم یکن الامر لانه تفویض قبل النکاح وفی ۲۔ ۲۲۲ تحت قول الدر لا یقع طلاق المولی علی امراۃ عبدہ و کذا فی الهندیة ۱۔ ۳۰۷** عورت کی طرف سے ایجاب کے ساتھ شرط تفویض ذکر کرنا ضروری ہے، تاکہ مرد کو بلا شرط قبول کرنے کا حق ہی نہ رہے۔

شکل ثالث: عقد نکاح کے بعد شوہر سے شرائط طے ہوں، یہ بھی درست ہے۔ عورت ناقص العقل ہے، اس لئے مطلقا اس کے ہاتھ میں طلاق کا اختیار دینا خطرے سے خالی نہیں، لہذا مناسب یہ ہے کہ تفویض میں کوئی مناسب قید بھی لگائی جائے جس میں وہ خطرہ باقی نہ رہے۔ مثلا نکاح کے وقت عورت یا اس کے وکیل کی جانب سے یہ شرط لگائی جائے کہ جب تمہاری طرف سے عورت کو شدید تکلیف پہونچے جس کو فلاں فلاں آٹھ دس سنجیدہ آدمی تسلیم کرلیں اور وہ طلاق کو مناسب بھی سمجھیں تو اس وقت یہ معاملہ عورت یا وکیل کے اختیار میں ہوگا کہ اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس نکاح سے علحدگی اختیار کرلے، اس صورت میں عورت کو طلاق کا اختیار اس وقت ہوگا جب کہ مذکورہ اشخاص تکلیف شدیدہ کو تسلیم کرلیں، اس کے بعد بھی عورت کو چاہئے کہ طلاق واقع کرنے میں جلدی نہ کرے، کیونکہ جلدی کرنا شرعا ناپسندیدہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو عورت بلاضرورت اپنے خاوند سے طلاق مانگے، اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔

اطمینان کے ساتھ سوچ سمجھ کر کام لے، غصہ کے وقت فوری اقدام نہ کرے، بلکہ کچھ مدت تک غور و فکر کرے اور اپنے خاندان کے بڑوں سے مشورہ کرے، سنت کے مطابق استخارہ کرے اور بہتر فیصلہ کی دعا کرتی رہے، اس طرح احتیاط کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ شوہر شرائط نامہ میں یہ بھی لکھوائے کہ خلاف شرط تسلیم ہوجانے کے بعد عورت کو ایک ماہ تک اختیار نہ ہوگا، پھر کسی وقت چاہے یعنی ایک ماہ کے بعد اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کر کے علحدگی کا اختیار ہوگا۔ اور جب کبھی کسی شرط کے خلاف ہو تو ہر بار ایک ایک ماہ کے لئے اختیار و شرائط حاصل نہیں ہوں گے۔ مذکورہ شرط میں اگر چاہے کا لفظ استعمال نہ کرے ورنہ اسی مجلس کے ساتھ مقید ہوجائے گی، مجلس کے اختتام کے بعد عورت کو طلاق کا اختیار باقی نہ رہے گا۔ اسی طرح لفظ جب کبھی چاہے بھی شرط میں استعمال نہ کرے۔ ورنہ ہمیشہ کے لئے (اعادہ نکاح کے بعد بھی) عورت کو طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا۔ جب تک تین طلاق مکمل نہ ہوجاوے، لہذا ایسے الفاظ استعمال کرے جن سے نہ تو تفویض مقید بالمجلس ہوجاوے اور نہ اتنی وسعت ہوجائے کہ عورت کو تین طلاق واقع کرنے کا اختیار مل جاوے۔ بہتر یہ ہے کہ شرائط نامہ علماء کرام کے پاس لکھوایا جائے یا ان

سے تصحیح کرلی جاوے ۔ اسی طرح قانون داں یا سرکاری وکیل کو بھی بتایا جاوے کہ قانونی پیچیدگی نہ ہو۔

شوہر کو تفویض کے بعد اس سے رجوع کرنے کا حق نہیں رہتا بلکہ تفویض کے بعد عورت طلاق کی مالک ہوجاتی ہے، اس لئے عورت کو اختیار دینے سے پہلے مرد کو غور وفکر اور اہل علم وفہم سے مشورہ کرلینا ضروری ہے تاکہ بعد میں پریشانی نہ ہو۔ عالمگیری میں ہے:

ولیس للزوج ان یرجع فی ذلک ولا ینھاھا مما جعل الیھا و لا یفسخ (١١۔ ٣٨٧) نیز دیکھئے **درمختار ٢۔ ٥٢٨ البحر الرائق ٣۔ ٣٢٢**)

جواب (٢) مہر کی شرطیں طلاق کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے طلاق کی اور عدم طلاق کی صورت میں مہر کی کمی زیادتی کی شرط لگانے کے سلسلے میں فقہ کی کتابوں میں بہت کچھ مسائل مذکور ہیں، جس میں امام صاحب، صاحبین اور امام زفر کے مختلف اقوال اور دلائل ہیں، اس کو کتاب الاجارہ کے ایک مسئلہ پر قیاس کیا ہے جس میں موجر مستاجر سے یہ کہے کہ اگر تو آج یہ کپڑا سئیے تو ایک درہم ملے گا اور اگر کل سیئے تو آدھا درہم ملے گا، تو امام صاحب کے نزدیک آج کی شرط کے مطابق آج ایک درہم اور کل آدھا نہیں، بلکہ اجر مثل دیا جائے گا جو آدھے درہم سے کم نہ ہو اور ایک سے زیادہ نہ ہو، صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں صحیح، امام زفرؒ کے نزدیک دونوں شرطیں فاسد ہوں گی۔

اولاً نکاح کے مسئلہ کو ذکر کرنا مناسب ہے۔ ابن ہمام نے صاحب ھدایہ کا قول:

واذا تزوجھا علی الف ان لا یخرجھا من البلدۃ او علی ان لا یتزوج علیھا اخری فان وفی بالشرط فلھا المسمی وان تزوج علیھا اخری او اخرجھا فلھا مھر مثلھا۔ ولو تزوجھا علی الف ان اقام و علی الفین ان اخرجھا فان اقام بھا فلھا الالف و ان اخرجھا فلھا مھر المثل لا یزاد علی الفین ولا ینقص من الالف (**ھدایۃ اولین ص ٣٢٩**) نقل کرکے اس کی دو صورتیں نکالی ہیں۔

(١) عورت کے لئے مہر مقرر کیا جاوے اور اس کے ساتھ ایسی شرطیں لگائیں جس میں عورت کا فائدہ ہو، جیسے اس کو شہر سے نہ نکالے یا اس کے ہوتے ہوئے دوسری عورت سے شادی نہ کرے یا اس کی سوکن کو طلاق دیدے۔

(٢) دوسری صورت یہ کہ ایک تقدیر پر اتنا مہر اور دوسری تقدیر پر اتنا مہر ہو۔ **ولو تزوجھا علی الف ان اقام بھا و علی الفین ان اخرجھا** (**ص ٣٢٩ ھدایۃ اولین**) اول شکل کا حکم کتاب میں ظاہر ہے کہ اگر شوہر شرط پر عمل کرے تو عورت کے لئے مہر مسمی ہوگا اور عدم ایفاء شرط کی شکل میں اس کو مہر مثل ملے گا۔ اگر مہر مثل مسمی کے بقدر یا اس سے کم ہو تو اب دوسری کسی چیز کی مستحق نہیں ہوگی۔

دوسری شکل کا حکم یہ ہے کہ اول صورت پر عمل کیا تو عورت کو ہزار ملے گا اور اگر صورت ثانیہ پر عمل کیا تو عورت کو مہر مثل ملے گا، جو دو ہزار سے زیادہ اور ایک ہزار سے کم نہ ہو۔ **فان اقام بها فلها الف۔ و ان اخرجها فلها مهر المثل لا يزاد على الالفين و لا ينقص من الالف و هذا عند ابى حنفية۔**
صاحبین فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں جائز ہیں۔ شرط کے مطابق مہر لازم ہوگا۔

امام زفر فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں فاسد ہیں، لہذا عورت کو مہر مثل ملے گا، جو ہزار سے کم نہ ہو اور دو ہزار سے زیادہ نہ ہو۔ امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ اولیٰ تسمیہ میں کوئی خطرہ نہیں ہے، بلکہ وہ بلا شرط ہے، بخلاف دوسرے تسمیہ کے کہ وہ معلق ہے، پس جب اس کی شرط پائی گئی اس طرح کہ شوہر نے اس کو شہر سے نکالا تو عورت کے لئے مسمی ثابت ہوا اور وہ اول مسمی ثابت تھا، کیونکہ تنجیزی کلام شرطیہ کلام کے وجود کو ختم نہیں کرتا، پس جب معلق اپنے شرط کے وجود سے پایا گیا تو دو تسمیئے جمع ہوگئے، لہذا مہر مثل واجب ہوگا جہالت کی وجہ سے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ دونوں معلق ہیں، لہذا ہر تقدیر پر مسمی واحد کے علاوہ نہیں پایا گیا

امام زفر فرماتے ہیں کہ اس جگہ شرطیہ کلام ہے ہی نہیں، بلکہ تنجیزی کلام ہے اور مال کا ذکر تو ترغیب کے لئے ہے نہ کہ شرط کے لئے، پس دو تسمیئے جمع ہو کر جہالت کی وجہ سے فاسد ہوگئے۔ **فتح القدير ٣۔ ٣٥٧۔ البحر الرائق ٣۔ ٣** ١٧٧ اجارہ کی عبارت یہ ہے کہ **ان خطته اليوم فلك درهم و ان خطته غدا فلك نصف درهم۔**

امام زفر کی دلیل سلائی ایک چیز ہے اور اس کے مقابلے میں دو عوض بطور بدل کے ہوگئے، لہذا مجہول ہوگئی۔ آج کا دن عجلت کے لئے اور کل کا آرام و راحت کے لئے ذکر کیا ہے، آج کے دن آج کا اور کل کا بھی آج سے ہی ثابت ہوگا۔ لہذا دو تسمیئے کی دو الگ نوع ہوگئیں۔ دو تسمیئے کا اجتماع نہیں ہوا۔

امام صاحب کے نزدیک کل کی تعلیق آج کی میعاد نہیں۔ ورنہ عقد فاسد ہوجاتا ہے۔ اس لئے کہ وقت اور کام دونوں جمع ہوتے ہیں۔ وقت کے لحاظ سے اجر خاص اور کام کے لحاظ سے اجیر مشترک لامحالہ میعاد مقصود نہیں ہے تو آج کی شرط میں دو تسمیئے جمع نہیں ہوئے، بلکہ کل کے روز میں جمع ہوئے تو آج کی شرط صحیح اور کل کی شرط فاسد ہوگی، مگر کام کی اجرت اجرت مثل دی جائے گی (**عین الهدایه ج ٣ ص ٧٣١**)

علامہ کاسانی فرماتے ہیں:

و لابى حنيفة انه اجتمع فى اليوم الثانى بدلان متفاوتان فى القدر۔ لان البدل المذكور فى اليوم الاول جعل مشروطا فى اليوم الثانى بدليل انه لو لم يذكر اليوم الثانى بدلا آخر و عمل

فی الیوم الثانی یستحق المسمی فی الاول فلو لم یجعل المذکور من البدل فی الیوم الاول مشروطا فی الثانی لما استحق المسمی و اذا اجتمع بدلان فی الیوم الثانی صار کانہ قال فی الیوم الثانی فلک درھم او نصف درھم۔ فکان الاجر مجھولا فوجب فساد العقد۔ ابن سماعہ کی نوادر میں دوسری ایک روایت امام ابو یوسف سے ہے اس میں امام صاحب نے دوسرے دن اجر مثل فرمایا۔ لیکن مزید یہ عبارت ہے۔ **لا یزاد علی نصف درھم** قدوری نے اس روایت کو ہی الصحیحۃ فرمایا۔ **بدائع الصنائع ۲۔ ۱۸۲۔۱۸۷**

عنایہ اور فتح القدیر میں بھی امام صاحب کی جو دلیل ذکر کی گئی ہے، اس کا حاصل بدائع ہی کی طرح سے ہے، امام زفر کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے :

ولنا انہ سمی فی الیوم الاول عملا معلوما و بدلا معلوما و فساد الشرط الثانی لا یؤثر فی الشرط الاول کمن عقد اجارۃ صحیحۃ و اجارۃ فاسدۃ۔ اما الیوم الثانی فوجہ قول ابی یوسف و محمد علی نحو ماذکر نا فی الیوم الاول انہ سمی فی الیوم الثانی عملا معلوما و بدلا معلوما کما فی الاول فلا معنی لفساد العقد فیہ کما لا یفسد فی الیوم الاول عنایۃ مع فتح القدیر ج ۷ ص ۲۰۹۔۲۱۰

فریقین کے دلائل پر نظر کرتے ہیں تو قوت میں دونوں کے دلائل قوی ہیں، لیکن مسئلہ فساد و عدم فساد کا ہے، اس لحاظ سے تو امام صاحب کے قول کو ترجیح ہونی چاہئے، دوسری طرف لوگوں کی ضرورت و حاجت اور سد ذرائع کے طور پر صاحبین کے قول میں آسانی ہے، علامہ شامی رسم المفتی میں امام صاحب و صاحبین کے اختلاف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

وقیل بالتخییر فی فتواہ ان خالف الامام صاحباہ وقیل من دلیلہ اقوی رجع و ذا الصفت ذی اجتھاد الاصح

اگر صاحبین امام صاحب کے مخالف ہیں اور دلیل و جواب میں بھی اتفاق ہے تو حضرت عبد اللہ بن مبارک کے قول کے مطابق امام صاحب کے قول کو ترجیح دی جائے گی اور حاوی میں اس قول کو تصحیح والا قرار دیا ہے کہ قوت دلیل کا اعتبار ہوگا (مفتی مجتہد کے لئے) آگے تین اقوال ذکر کرتے ہیں۔ الاول

اتباع قول الامام بلا تخییر الثانی التخییر مطلقا الثالث وھو الاصح التفصیل بین المجتھد وغیرہ و بہ جزم قاضی خان۔

آگے ایک اور قول نقل کرتے ہیں.

لا یرجح قول صاحبیه او احدهما علی قوله الا بموجب وهو اما لضعف دلیل الامام و اما للضرورة و التعامل کترجیح قولهما فی المضارعة و المعاملات و اما لان خلافهما له بسبب اختلاف العصر و الزمان (ص۲۰ رسم المفتی).

البتہ صاحبین کے قول پر فتوی دینے میں احتیاط کی ضرورت ہے، جیسے کہ علامہ شامی ابن ہمام کے متعلق ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لکن هو اهل للنظر فی الدلیل من لیس باهل للنظر فیه فعلیه الافتاء بقول الامام اہلیت سے مراد یہ ہے کہ اقوال ائمہ کے درمیان تمیز کرنے والا اور بعض کو بعض پر ترجیح دینے کی صلاحیت والا ہو۔

آخر میں فیصلہ کن بات بیان کرتے ہیں اور جب ہم دلائل میں تمیز نہیں کرسکتے اور مشائخ کے رتبے تک پہونچے تو ضروری ہے کہ سلف کے اقوال پر عمل کرتے ہوئے انھوں نے جس قول پر فتوی نقل کیا ہے، اس کو مان لیں۔

و انظر الی ماقدمناه من قول العلامة قاسم ان المجتهدین لم ینقدوا حتی نظروا فی المختلف و رجحوا و صححوا الی ان قال فعلینا اتباع الراجح و العمل به کما لو افتوا فی حیاتهم (رسم المفتی ص ۲۳)

شراح ہدایہ میں سے تمام نے فریقین کی دلیل کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ لیکن کسی نے بھی دونوں میں سے کسی قول کو قطعی طور پر راجح نہیں قرار دیا، ابن ھمام کی عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں صاحبین کے دلائل بھی وقیع ہیں، اگرچہ صراحۃ انھوں نے بھی کسی کے قول کو راجح نہیں قرار دیا ہے۔

قدوری کی شرح اللباب میں اجارہ والا مسئلہ ذکر کر کے لکھا ہے:

قال فی التصحیح و اعتمدوا قول الامام فی الخلافیات المذکورة المحبوبی و النسفی و صدر الشریعة و ابو الفضل۔

البتہ نکاح والے مسئلہ میں وہ بھی ساکت ہیں، اس لیے بہتر یہ ہے کہ علم و بصیرت والے فقہائے کرام شورائی طریقہ سے مسئلہ کے **مالها و ماعلیها فریقین** کے دلائل اور صاحبین کے قول پر فتوی دینے کی صورت میں متوقع مضرات سے قطعی طور پر بچایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس پر غور کر کے اور ضرورت کا تحقق ہورہا ہے یا نہیں؟ اس پر غور کر کے فیصلہ کرلیں۔

سوال (۳) سرکاری ملازمت میں اکثر عورتوں کو اجنبی مردوں سے اختلاط اور غیر شرعی امور انجام دینے ہوتے

ہیں، اس لئے یہ شروط فاسدہ میں سے شمار ہوںگی، جن کا ایفاء لازم نہیں ہے، البتہ اگر کوئی ایسی ملازمت مل جائے جس میں اجنبی مردوں سے اختلاط اور غیر شرعی امور سے اجتناب ممکن ہو اور شوہر نے اسی ملازمت کی شرط قبول کرلی ہو تو پھر شوہر پر اس کا ایفاء واجب ہوگا۔

لیکن ایسی ملازمت شاذ و نادر ہی ہوگی جس میں غیر مردوں سے اختلاط نہ ہو۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ اس قسم کی شروط سے اجتناب ہی کیا جائے ایک شادی شدہ عورت کو شرعاً ملازمت کی ضرورت بھی نہیں ہے، اس لئے کہ اس کی ضروریات و اخراجات کا بوجھ شریعت نے شوہر کے ذمہ لازم کردیا ہے۔ لہٰذا اگر شوہر عورت کو ملازمت سے روک دے تو عورت کے ذمہ لازم ہے کہ وہ اس کی اطاعت کرے۔ منکوحہ عورت کے لئے ملازمت غیر ضروری امور میں سے ہے جس کا مقصد آرائش و آسائش کی تکمیل ہے نہ کہ ضرورت کی تکمیل۔ اسی لئے اس باب میں عورت کے لیے شرعاً شوہر کی اطاعت ضروری ہے۔ اور اگر شوہر نے بوقت عقد شرط قبول بھی کرلیا ہو تو اس کے ذمہ اس کا ایفاء ضروری نہیں ہے۔ بلکہ اس کا فرض ہے کہ عورت کو غیر شرعی امور کے ارتکاب سے روک دے۔

هذا ما عندي و العلم عند الله.

اشتراط فی النکاح کا مسئلہ

مولانا انیس الرحمان قاسمی ☆

شریعت نے معاہدات و معاملات میں شرائط کے ایفاء کو ضروری قرار دیا ہے ۔ اللہ تعالی نے وفاء عہد کو ایمان والوں کی صفت قرار دیا ہے ۔ فرمایا ہے :

و الموفون بعهدهم اذا عاهدوا۔ (سورة بقرة ۔ آیت ١٧٧) اور جب عہد کرتے ہیں تو اپنے عہد کو پورا کرنے والے ہیں ۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :

المؤمنون على شروطهم الا شرطا احل حراما او حرم حلالا ۔ (صحيح البخاری) قال الخطابی فی شرح الحديث، شروط فی النكاح مختلفة فمنها ما يجب الوفاء به اتفاقا و هو ما امر الله به من امساک بمعروف او تسريح باحسان۔ و عليه حمل بعضهم هذا الحديث و بمن قال بهذا القول الشافعی فی المشهور عنه قال ابن حجر الحديث عندهم محمول على الشروط التی لا تنافی مقتضی النكاح بل يكون من مقتضياته و مقاصده كاشتراط العشرة بالمعروف و الانفاق و الكسوة و السكنی و لا يقصر فی شئی من حقها من قسمة و نحوها (معالم السنة ۔ ٥٥)

مومن اپنے شرائط پر رہتا ہے الا یہ کہ ایسی شرط ہو جو حلال کو حرام کردے یا حرام کو حلال ۔

☆ نائب قاضی امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ پھلواری شریف پٹنہ ، و رکن مجلس اساسی اسلامک فقہ اکیڈمی ، دہلی

اس حدیث میں ایمان والوں کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ وہ جب کسی معاہدہ و معاملہ میں کسی شرط کا التزام کرتے ہیں تو اس کی پابندی کرتے ہیں، الا یہ کہ وہ شرط ایسی ہو جس سے حلال حرام ہوجاتا ہو یا حرام حلال ہوجاتا ہو تو پھر اس کی پابندی نہیں کرنی ہے۔ اس کے علاوہ نکاح کے بارے میں فرمایا ہے :

ان احق الشروط ان توفوا بها ما استحللتم به الفروج (**صحیح البخاری**)۔ تمام شرطوں میں ایفاء کے اعتبار سے اہم شرطیں وہ ہیں جن کی وجہ سے استمتاع حلال ہوتا ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نکاح میں جو شرائط طے ہوں ان کی پابندی ضروری ہے لیکن یہ مطلق نہیں ہے بلکہ اگر کسی شرط سے حکم شریعت کی خلاف ورزی ہوتی ہے یا وہ اس کے مقتضی کے خلاف ہے تو ایسی شرط فاسد و غلط ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ **کل شرط لیس فی کتاب اللہ فهو باطل** (۲)۔

اس لیے دونوں طرح کی احادیث کی وجہ سے فقہاء اسلام کے اس اتفاق کے باوجود کہ نکاح میں شرط کی گنجائش ہے، یہ مسئلہ اجتہادی رہا ہے کہ کس نوعیت کی شرائط صحیح ہیں اور کس طرح کی باطل ہیں۔

شرط صحیح

شرائط تقییدیہ کی تین قسمیں ہیں۔ شرط صحیح، شرط فاسد، شرط باطل۔

شرط صحیح میں معاملہ کے ارکان و شرعی شروط و احکام کی خلاف ورزی نہیں ہوتی بلکہ اس کے مقتضی کے مناسب ہوتی ہے، چنانچہ شرط صحیح کے ضابطہ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کا ضابطہ یہ ہے کہ۔

۱۔ عقد کرتے وقت محل عقد کے ساتھ کسی صفت کا اشتراط ہو۔

۲۔ یا ایسی شرط ہو جس کا عقد تقاضہ کرتا ہے۔

۳۔ یا اس کے مقتضی کے مناسب ہو۔

۴۔ یا شریعت میں ہی وہ شرط منقول ہو۔

۵۔ یا ایسی شرط ہو جس کے بارے میں لوگوں کا تعامل ہو (دیکھئے البدائع ۵۔۱۷۱ مطبوعہ الجمالیہ)

قسم اول کی مثال

شرط صحیح میں اگر محل عقد کے ساتھ کسی صفت قائم کا اشتراط نکاح میں ہو اور وہ صفت ایسی ہو جس کی وجہ سے ازدواجی زندگی میں خلل پڑتا ہو اور ایک دوسرے کے حقوق متاثر ہوتے ہوں تو ایسی شرط کا اعتبار کیا جائے،

جیسے نکاح میں عورت نے یہ شرط لگائی کہ اس کا ہونے والا شوہر جنون، جذام، جب، وعنت، برص یا ایڈز میں مبتلا نہ ہو۔ اگر مبتلا ہوگا تو اسے نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔

فتاوی تاتار خانیہ میں ہے :

و کذلک لا یثبت للمراة الخیار عند ابی حنیفة و ابی یوسف و عند محمد یثبت لھا الخیار فی العیوب الخمسة اذا کان علی صفة لا تطیق المقام معه۔

و فی المضمرات تنظر ان کان فی العیب کالجنون الحادث و المرض و نحوھما فھو و العنه سواء فینتظر حولا و ان کان الجنون اصلیا او به مرض لا یرجی بر، ه فھو و الجب سواء و ھی بالخیار ان شاء ت رضیت بالمقام معه و ان شاء ت رفعت الامر الی الحاکم حتی یفرق بینھما (الفتاوی التاتار خانیة ۲۔۵۹۹)

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک عورت کو خیار حاصل نہ ہوگا۔ البتہ امام محمد کہتے ہیں کہ عیوب خمسہ اگر ایسے ہوں کہ ان کی موجودگی میں بیوی شوہر کے ساتھ ٹھیک سے نہیں رہ سکتی ہے تو اسے خیار حاصل ہوگا۔

اور مضمرات میں ہے کہ دیکھا جائے گا اگر عیب جیسے جنون حادث ہے یا ایسا مرض ہے تو یہ اور نامردی برابر ہیں۔ اس صورت میں ایک سال کی مہلت دی جائے گی۔ اور اگر جنون اصلی ہے یا ایسا مرض ہے جس سے شفاء کی امید نہیں ہے تو یہ اور جب یعنی مقطوع الذکر۔ برابر ہیں، اس صورت میں عورت کو اختیار ہوگا کہ وہ چاہے تو اس کے ساتھ رہے اور اگر چاہے تو قاضی کے پاس اپنا معاملہ پیش کر کے تفریق کرالے۔

لیکن ان امراض کے علاوہ اگر کسی نے اندھا پن یا بہرا پن بڑھاپا یا فالج وغیرہ سے سلامت ہونے کی شرط لگائی تو فقہاء احناف اس صورت میں "خیار" کو تسلیم نہیں کرتے ہیں۔

قال و اذا شرط احدھما السلامة لصاحبه عن العمی و الشلل و الزمانة فوجد بخلاف ذلک لا یثبت لھا الخیار و کذلک لو شرط احدھما علی صاحبه صفة الجمال (الفتاوی التاتار خانیة ۲۔۵۹۹)

مرد و عورت میں سے کسی نے یہ شرط لگائی کہ دوسرا اندھا پن یا فالج یا بڑھاپے میں مبتلا نہ ہو اور نکاح کے بعد یہ عیب پایا تو اختیار نہ ملے گا، اسی طرح اگر خوبصورتی کی شرط لگائی اور اس کے برخلاف پایا تو بھی خیار نہ ہوگا۔

دوسری قسم کی مثال

یعنی عقد نکاح میں ایسی شرط لگائی جائے جس کا عقد تقاضہ کرتا ہے اور اس سے کوئی نئی ذمہ داری فریقین پر نہیں آتی ہے، جیسے نکاح کی وجہ سے بیوی کا نفقہ سکنی و کسوہ، اسی طرح حق زوجیت یا دو زوجگی کی صورت میں انصاف یہ سارے حقوق بیوی کو ملتے ہیں، اب اگر عورت نکاح کے عقد میں ان سرائط کا اضافہ کرتی ہے تو اس اضافہ سے نکاح پر کوئی غلط اثر مرتب نہ ہوگا اور نہ ہی اس سے کوئی نئی چیز اسے حاصل ہوگی۔

و فی الخانية، رجل تزوج امراة على ان ينفق عليها فی كل شهر مائة دينار قال ابو حنيفة النكاح جائز و لها نفقة مثلها بالمعروف (ايضا ۲۰۲۲)

کسی مرد نے کسی عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ وہ مرد عورت کو ہر ماہ ایک سو دینار نفقہ دے گا تو اس صورت میں امام ابو حنیفہ کہتے ہیں کہ نکاح جائز ہے اور عورت کو معروف طریقہ پر نفقہ ملے گا۔

تیسری قسم کی مثال

یعنی ایسی شرط جس کا عقد تقاضہ تو نہیں کرتا مگر اس کے مقتضی کے مناسب ہے جیسے کسی عورت سے نکاح کرتے وقت مرد نے یہ شرط لگائی کہ اگر عورت خوبصورت ہوگی تو دو ہزار مہر ہوگا اور اگر بدصورت ہوگی تو ایک ہزار مہر ہوگا تو یہ شرط صحیح ہوگی۔ اس لئے کہ مہر مقتضاء عقد ہے اور یہ شرط اس کے مناسب ہے خلاف نہیں ہے۔

قال اذا تزوج امراة على الف ان كانت قبيحة و على الفين ان كانت جميلة فلها الفان و ان كانت قبيحة فلها الف و هذا بلا خلاف (الفتاوى التاتار خانية ۲۰۷۰۳)

چوتھی قسم کی مثال

یعنی ایسی شرط عائد کی جائے جو شریعت میں منقول ہو مگر اس کے ذکر سے مقصود تاکید ہوتی ہے، جیسے عورت سے نکاح کی یہ شرط ہے کہ وہ کسی کے نکاح میں نہ ہو اور نہ ہی وہ عدت میں ہو، پس اگر شوہر نے عقد نکاح میں ایسی شرط لگائی تو یہ شرط صحیح ہوگی، کیونکہ یہ شرط خود نکاح کے انعقاد کے لئے ضروری ہے یا مہر کو ایک ماہ میں ادا کرنے کی شرط لگائی تو اس کی ادائیگی ضروری ہوگی اور اس صورت میں بیوی کو اپنے نفس کو روکنے کا حق ہوگا۔

(رد المحتار ۱۲۵/۴ وغیرہ)

پانچویں قسم کی مثال

عقد نکاح میں بیوی نے متعین مہر کے بارے میں یہ شرط لگائی کہ عرف کے مطابق مہر ادا کرنا ہوگا اور اس کے شہر کا عرف یہ ہے کہ ایک تہائی یا دو تہائی مہر کی رقم رخصتی سے پہلے دی جاتی ہے تو اس کے مطابق عمل کرنا ہوگا۔

قال: (او) اخذ (قدر ما يعجل لمثلها عرفا) به يعنى لان المعروف كالمشروط (ان لم يؤجل) او يعجل كله فكما شرط.

قال الشامى: قلت و المتعارف فى زماننا فى مصر و الشام تعجيل الثلثين و تاجيل الثلث (رد المحتار مع الدر المختار ۳۔ ۱۲۲)

شرط فاسد

اگر فریقین نے ایسی شرط عائد کی جو:

۱۔ کسی امر محظور و ممنوع پر مشتمل ہے۔

۲۔ یا اس میں دھوکہ (غرر غیر یسیر) ہے۔

۳۔ یا اس کا تقاضہ نہ تو عقد کرتا ہے اور نہ ہی مقتضا کے مناسب ہے اور نہ ہی اس کی موافقت میں شرع یا عرف ہے تو ایسی شرط فاسد ہے۔

شرط اول کی مثال

جیسے نکاح جو حقیقت میں ایسا معاہدہ ہے جس میں ابدیت ہے پس اگر کوئی نکاح مؤقت کرے جیسے مرد یہ کہے کہ: **اتزوجك عشرة ايام۔**

اور عورت قبول کرلے تو یہ نکاح فاسد ہوجائے گا، اس لئے کہ اس نے دس دن کی قید لگا کر نکاح کی ابدیت کو ختم کردیا ہے۔

و اما الثانى فهو ان يقول اتزوجك عشرة ايام و نحو ذلك و انه فاسد عند اصحابنا الثلاثة و قال زفر النكاح جائز و هو مؤبد و الشرط باطل (البدائع ۳۔ ۱۳۷)۔

یا اس شرط پر شادی کی کہ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کا وارث نہ ہوگا تو شرط باطل ہوجائے گی۔

رجل تزوج امراة على الف على ان لاترثه و لا يرثها جاز النكاح و يتوارثان وليس لها

الف درهم کان مهر مثلها اقل من ذلک او اکثر (الفتاوی التاتار خانیۃ ٣۔٢٠٢)

شرط دوم کی مثال

اگر کسی مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور ایجاب کو کسی شخص کے تسلیم و رضا پر موقوف کیا، جیسے یہ کہا میں نے تم سے نکاح کیا اگر فلاں شخص راضی ہوجائے اور وہ شخص وہاں موجود نہیں ہے تو نکاح جائز نہ ہوگا اس لئے کہ ایجاب میں غرر و مخاطرت ہے۔

اذا قال لامراۃ قد تزوجتک بالف درهم ان رضی فلان الیوم فان کان فلان حاضرا فقال رضیت جاز النکاح استحسانا و ان کان غیر حاضر لم یجز ... جعل الایجاب مخاطرۃ (الفتاوی التاتار خانیۃ ٢۔٥٩٩)۔

شرط باطل

فقہاء احناف شرائط شرعیہ میں سے ان شرائط کو جو صلب عقد میں داخل ہوتے ہیں ان کی خلاف ورزی کو باطل سے تعبیر کرتے ہیں، جیسے بیع میں بدلین میں سے کوئی ایک خمر و خنزیر ہو تو بیع باطل ہوجاتی ہے اسی طرح نکاح میں یہ شرط ہے کہ فریقین میں سے کوئی ایک دوسرے کے لئے محرم موبد نہ ہو، اس لئے اگر کسی نے محرم خاتون سے نکاح کرلیا تو نکاح باطل ہوجائے گا (رد المحتار ٣ ١٣٢)

فاسد و باطل کے درمیان فرق

فاسد اور باطل کے درمیان احکام و آثار کے ترتب میں فرق ہوتا ہے۔ اگر عقد باطل ہوتا ہے تو اس کا وجود و عدم برابر ہوتا ہے۔

الظاهر ان المراد بالباطل ماوجوده کعدمه لذا لا یثبت النسب و لا العدۃ فی نکاح المحارم ایضا (ایضا)

جب کہ نکاح فاسد میں مجامعت سے مہر مثل بھی واجب ہوتا ہے، عدت بھی واجب ہوتی ہے اور نسب بھی ثابت ہوتا ہے۔

قال فی تنویر الابصار و یجب مهر المثل فی نکاح فاسد بالوطء لا بغیره ... و

تجب العدة بعد الوطء من وقت التفريق و يثبت النسب (حواله سابق ۳/ ۱۳۱ تا ۱۳۲)۔

فقہاء احناف میں بعض حضرات نے نکاح کے باب میں باطل اور فاسد کے درمیان کسی فرق کے ہونے سے انکار کیا ہے، لیکن قول صحیح یہ ہے کہ عدت کے درمیان فرق ہے ۔

رد المحتار میں ہے :

قوله فلا عدة فی باطل فیه انه لا فرق بین الفاسد و الباطل فی النکاح بخلاف البیع کما فی نکاح الفتح و المنظومة المحبیة لکن فی البحر عن المجتبی کل نکاح اختلف العلماء فی جوازہ کالنکاح بلا شهود فالدخول فیه موجب للعدة اما نکاح منکوحة الغیر و معتدته فالدخول فیه لا یوجب العدة ان علم انها للغیر لانه لم یقل احد بجوازہ فلم ینعقد اصلا فعلی هذا یفرق بین فاسده و باطله فی العدة و لهذا یجب الحد مع العلم بالحرمة لکونها زنا کما فی القنیة و غیرها۔ (رد المحتار ۳/ ۵۱۶)

نکاح فاسد اور شرط فاسد کے درمیان فرق

جیسا کہ میں نے ذکر کیا کہ نکاح کی صحت کے لئے شریعت نے جو شرائط مقرر کی ہیں ان کو "شرائط شرعیہ" کہتے ہیں۔ اگر ان شرائط صحت میں سے کوئی شرط نہیں پائی جائے تو نکاح فاسد ہوجائے گا، جیسے نکاح میں گواہوں کا ہونا شرط ہے اگر کوئی بغیر گواہ نکاح کرے تو نکاح فاسد ہوجائے گا۔

نکاح فاسد کی تعریف کرتے ہوئے صاحب در مختار لکھتے ہیں:

وهو الذی فقد شرطا من شرائط الصحة کشهود (الدر المختار مع رد المحتار ۳/ ۱۳۱)

اس کے برخلاف اگر کسی نے عقد نکاح میں جب کہ شرائط صحت پائی جاتی ہوں ایسی شرط لگائی جو فاسد ہے تو نکاح صحیح ہوگا اور شرط فاسد ہوجائے گی، جیسے کوئی خاتون اس شرط پر نکاح کرے کہ شوہر اس سے جماع نہ کرے گا تو نکاح صحیح ہوگا اور شرط فاسد ہوگی، اس پر عمل ضروری نہ ہوگا۔

علامہ ابن عابدین لکھتے ہیں:

بخلاف ما لو شرط شرطا فاسدا کما لو تزوجته علی ان لا یطأها یصح النکاح و یفسد الشرط۔ (رد المحتار ۳/ ۱۳۱)

اور بنایہ میں شرط فاسد کی مثالوں کو واضح کرتے ہوئے کہا گیا ہے :

و الثانی، ما یبطل فیه الشرط و یصح النکاح مثل ان یشترط ان لا یکون لها مهرا و لا ینفق علیها و ان لا یطا ها او یعزل عنها او لا یکون عندها فی الجمعة الا یوما او لیلة او شرط لها النهار دون اللیل او شرط علیها ان تنفق علیه او تعطیه شیئا من مالها فهذه الشروط کلها باطلة لانها تنافی مقتضی العقد و النکاح صحیح فی الصور کلها لانه لا یبطل بالشروط الفاسدة (البنایة علی شرح الهدایة ٢-٢٢٥)

اس سے واضح ہوگیا کہ عقد نکاح میں کسی فریق کا ایسی شرائط عائد کرنا جس کا مقصد نکاح سے ہونے والی ذمہ داری سے گریز ہو، جیسے یہ شرط کہ شوہر عورت کا نفقہ نہ دے گا یا اس سے تعلق زوجیت قائم نہ کرے گا یا عزل کرے گا، یا یہ کہ اس کے پاس صرف دن کو رہے گا، یا ہفتہ میں ایک دن رہے گا، یا یہ کہ بیوی اسے کوئی چیز دے گی، یہ تمام شرائط مقتضائے عقد کے خلاف ہیں اس لئے ان پر عمل ضروری نہیں ہوگا، ان کی حیثیت عقد میں شرط باطل کی ہے ۔ یہ مسلک امام ابو حنیفہ کا ہے ان کے نزدیک عورت کی طرف سے عقد نکاح میں اگر ایسی کوئی شرط لگائی جائے کہ اس کی موجودگی میں اگر شوہر دوسری عورت سے شادی کرے گا، یا اسے شہر سے کہیں اور لے جائے گا، تو اس کا مہر دو ہزار ہوگا، اور اگر دوسری شادی نہیں کرے گا، یا دوسرے شہر میں نہ لے جائے گا تو مہر ایک ہزار ہوگا ۔ اس صورت میں شرط پوری کرنے پر عورت دو ہزار مہر نہیں پائے گی، مہر مثل پائے گی جو نہ ایک ہزار سے کم ہوگا اور نہ دو ہزار سے زائد ہوگا ۔ البتہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک ایسی شرط جائز ہے ۔

بنایہ میں ہے :

ولو تزجها علی الف ان اقام بها یعنی فی بلدها و علی الفین ان اخرجها یعنی من بلدها فان اقام فلها الف و ان اخرجها فلها مهر مثلها لا یزاد علی الفین و لا ینقص من الالف و هذا الحکم عند ابی حنیفة و قالا الشرطان جائزان حتی کان لها الالف ان اقام بها و الالفان ان اخرجها من بلدها (ایضا ٢-٢٢٢)

موجودہ حالات میں جب کہ عورتوں پر مختلف قسم کے ازدواجی زندگی میں مظالم ہو رہے ہیں صاحبین کے قول کو اختیار کرنا مناسب ہے ۔

عورت کی طرف سے ملازمت میں رہنے کی شرط

موجودہ دور کے معاشرتی و اقتصادی مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ پیش آرہا ہے کہ مختلف ممالک میں مسلمان عورتیں حصول تعلیم کے بعد ملازمتوں سے وابستہ ہوجاتی ہیں یا وابستہ ہونے کی جدو جہد میں لگی رہتی ہیں، ایسی

عورتیں اگر نکاح کے وقت یہ شرط لگاتی ہیں کہ شوہر انہیں لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا، اور اس شرط کو عقد نکاح میں مرد قبول بھی کر لیتا ہے، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کی پابندی شوہر کے لئے ضروری ہوگی یا نہیں اور اگر شوہر اس شرط کو قبول کر لینے کے باوجود عورت کو سلسلہ ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے، یا نئی ملازمت سے روکتا ہے تو عورت کے لے شوہر کے اس حکم کی تعمیل ضروری ہوگی یا نہیں؟

ہماری رائے میں یہ شروط بھی شروط فاسدہ میں داخل ہے اس لئے کہ یہ مقتضاء عقد کے خلاف ہے اس سے شوہر کے حق احتباس زوجہ کو نقصان ہوتا ہے، چنانچہ فقہاء احناف نے ان عورتوں کے لئے جو دایہ یا مردہ عورتوں کو غسل دینے کا کام کرتی ہیں اور یہ فرض کفایہ بھی ہے، بغیر شوہر کی اجازت کے اس کام کے لئے گھر سے نکلنے کو منع کیا ہے۔ علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں۔

له ان يمنع امراته من الغزل و لاتتطوع للصلوة و الصوم بغير اذن الزوج كذا في الظهيرية و ينبغي عدم تخصيص الغزل بل له ان يمنعها من الاعمال كلها المقتضية للكسب لانها مستغنية عنه لوجوب كفايتها عليه (البحر الرائق ۳/۱۷۹)

ان للزوج ان يمنع القابلة و الغاسلة من الخروج لان في الخروج اضرارا به و هي محبوسة لحقه و حقه مقدم على فرض الكفاية بخلاف الحج الفرض لان حقه لايقدم على الفرض المعين (ايضا ۳/۱۹۵)

عورت کا عقد نکاح میں حق طلاق کی شرط لگانا

شریعت نے طلاق کا اختیار مرد کو دیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔

يا ايها النبي اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن. (سورة الطلاق ۱) نیز سورہ بقرہ آیت ۲۲۷۔ ۲۳۱ میں طلاق کا اختیار مرد کو دیا گیا ہے۔ لیکن یہ حق مرد اپنے علاوہ کسی دوسرے کو دے سکتا ہے اور اس میں نائب بنا سکتا ہے، اس لئے اگر عورت عقد نکاح میں خاص الفاظ کے ساتھ اس حق طلاق کو تفویض کی صورت میں حاصل کرنا چاہے تو کر سکتی ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ یہ حق مطلق نہ دیا جائے بلکہ کچھ خاص شرائط پر دیا جائے۔

اشتراط فی النکاح

مولانا محمد ثناء الهدیٰ قاسمی ٭

عائلی زندگی کے آغاز کے لئے نکاح، مرد عورت کے درمیان ایک ایسا عقد ہے، جس سے دو اجنبی نفوس میں مودت و محبت کا ایک نیا باب کھلتا ہے، اور وہ اس طرح یک جان دو قالب ہوجاتے ہیں کہ ایک کی خوشی دوسرے کو مسرور و شاداں اور ایک کا رنج دوسرے کو رنجیدہ اور پریشان کردیتا ہے، عام طور سے یہ قربت ایجاب و قبول کے مراحل طے کرتے ہی پیدا ہوجاتی ہے اور دونوں اعتماد کی فضا میں سانس لینے لگتے ہیں۔ نکاح کے بعد یہ انقلاب ایسا عظیم اور متحیر کن ہوتا ہے کہ عقل انسانی اور شعور کی پہونچ وہاں تک نہیں ہوپاتی کہ یک بیک وہ کون سی قوت اور کیسا کنکشن ہے جو دل کی دنیا کو جوڑ دیتا ہے۔

لیکن کبھی کبھی بعض خارجی حالات اور شیطان کی کارستانیوں کی وجہ سے اس درجہ قربت اور اعتماد پیدا نہیں ہو پاتا جو نکاح کا لازمہ ہے، بلکہ نکاح کے قبل ہی فریقین شکوک و شبہات اور بے اعتمادی کے شکار ہوتے ہیں، اور اندیشہ ہوتا ہے کہ نکاح کے بعد عائلی زندگی پر بھی اس کے مہیب سائے پڑیں گے ایسے میں ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ نکاح کو کچھ شرطوں کے ساتھ مشروط کردیا جائے تاکہ مخالف حالات پیدا ہونے کی صورت میں "**امساک بالمعروف**" نا ممکن ہو تو "**تسریح بالاحسان**" عمل میں آجائے اور ایک دوسرے کے استحصال سے بچا جاسکے۔

شرط صحیح

یہ شرائط عام طور سے دو قسم کے ہوتے ہیں، پہلی قسم ان شرائط کی ہے جو عقد نکاح کے متقاضی ہونے

٭ استاذ مدرسہ احمدیہ ابابکر پور، ویشالی، بہار

مقتضی کے حصول کو یقینی بنانے، نص کے وارد ہونے یا عرف کے جاری ہونے کی وجہ سے لگائے گئے ہوں، فقہاء کی اصطلاح میں اسے شرط صحیح کہتے ہیں۔

" مذهب الحنفية الشرط الصحيح هو الذى يقتضيه العقد بان يكون موجبه حكما من احكام العقد او يؤكد مقتضى العقد او ورد به الشرع او جرى به عرف " (احكام الاسرة فى الاسلام ص ۱۵) ... " والشرط غير الصحيح، ماليس واحدا من تلك الانواع و ان كان فيه مصلحة لاحد العاقدين " (ص ۱۵۵) جیسے :

۱۔ زوجہ کا شرط لگانا کہ شوہر اس کا نفقہ برداشت کرے گا، مہر دے گا، حسن سلوک سے پیش آئے گا، اس کے حقوق میں کمی نہیں کرے گا، دوسری بیوی کی طرح اس کی باری مقرر کرے گا، یا شوہر کا شرط لگانا کہ بیوی اس کی اجازت کے بغیر گھر سے نہیں نکلے گی، اس کی نافرمانی نہیں کرے گی، نفلی روزے اس کی اجازت کے بغیر نہیں رکھے گی، کسی کو اس کی اجازت کے بغیر گھر میں آنے نہ دے گی، اس کے سامان میں بغیر اس کی مرضی کے تصرف نہیں کرے گی وغیرہ۔

۲۔ یا یہ شرط لگانا کہ مہر اور نفقہ کے کفیل شوہر کے والدین ہوں گے۔

۳۔ اسی طرح شوہر کا شرط لگانا کہ عائلی زندگی کے دشوار گزار ہونے کی صورت میں اسے طلاق کا حق ہوگا، یا عورت کا تفویض طلاق یا امر بالید کی شرط کے ساتھ نکاح کرنا۔

۴۔ یا عورت کا شرط لگانا کہ دخول سے قبل نصف مہر ادا کر دینا ہوگا، جب اس علاقہ کا رواج بھی ایسا ہو۔ یہ ساری صورتیں علی الترتیب عقد نکاح کے متقاضی ہونے، مقتضی کے حصول کو یقینی بنانے، نص کے وارد ہونے اور عرف کے قبیل کی ہیں، اس لیے یہ شرائط صحیح ہیں اور ان کا ایفاء ضروری ہے۔

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے :

" **واوفوا بالعهد ان العهد كان مسئولا** " (بنی اسرائیل ۳۴) اور عہد (مشروع) کو پورا کرو (ایسے) عہد کی باز پرس ہوگی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
وہ شرائط جن کا پورا کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے، وہ ہے جن پر تم نے نکاح کیا ہو"

علامہ نووی اس حدیث کے ذیل میں لکھتے ہیں :

قال الشافعى و اكثر العلماء ان هذا محمول على شرط لا تنافى مقتضى النكاح بل تكون

من مقتضياته و مقاصده (شرح المسلم للنووی ج ۱ ص ۴۵۵)"

ایک دوسری حدیث میں ہے

احق ما اوفيتم من الشروط ان توفوا به الفروج (بخاری ج ۳ ص ۴۷۷)

فتح الباری میں ہے۔

قال الخطابی، الشروط فی النکاح مختلفة فمنها ما يجب الوفا اتفاقا وهو ما امر الله به من امساک بمعروف او تسريح باحسان و عليه حمل بعضهم هذا الحديث (فتح الباری)

خطابی کہتے ہیں نکاح کی مختلف شرطیں ہیں، ان میں سے جن کا ایفا بالاتفاق ضروری ہے وہ ایسی شرطیں ہیں جن کا اللہ نے حکم دیا ہے یعنی "**امساک بالمعروف**" اور "**تسريح بالاحسان**" اور اسی پر بعضوں نے اس حدیث کو محمول کیا ہے

شرط فاسد

دوسری قسم ان شرائط کی ہے جو نہ تو عقد نکاح سے میل کھاتے ہیں اور نہ ہی شرع و عرف اس کی اجازت دیتے ہیں۔ ایسے شرائط کا مقصد بالعموم نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز یا متعاقدین میں سے کسی فریق پر ایسی پابندی لگانا یا ایسے حق کا حصول ہوتا ہے، جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں ممکن نہیں تھا۔ مثلاً یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان نفقہ شوہر کے ذمہ نہیں ہوگا، وہ مہر ادا نہیں کرے گا، مرنے کی صورت میں بیوی وارث نہیں ہوگی، یا عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا، یا بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے جائے گا وغیرہ۔ اس قبیل کے شرائط فاسد ہیں۔ اس لیے لغو قرار پائیں گے ان کا ایفاء ضروری نہیں ہوگا اور نہ ہی عدم ایفاء کی صورت میں کوئی اثر عقد نکاح پر پڑے گا۔ ترمذی میں ہے:

" روی عن علی بن طالب انه قال شرط الله قبل شرطها كانه رای للزوج ان يخرجها و ان كانت اشترطت على زوجها ان لا يخرجها و ذهب بعض اهل العلم الى هذا و هو قول سفيان الثوری و بعض اهل الكوفة (ترمذی، باب ما جاء فی الشرط عند عقدة النكاح)

حضرت علی بن ابی طالب نے ارشاد فرمایا۔ اللہ نے اس کی شرط سے پہلے شرط لگادی، گویا اس نے زوج کے لئے یہ گنجائش رکھی ہے کہ وہ اسے باہر لے جائے گا، اگرچہ اس نے شوہر پر شرط لگائی ہو کہ وہ اسے باہر نہیں لے جائے گا۔ بعض اہل علم کی یہی رائے ہے اور یہی قول سفیان ثوری اور بعض اہل کوفہ کا ہے۔

علامہ نووی نے لکھا ہے :

" و اما شرط یخالف مقتضاہ کشرط ان لا یقسم لها و لایتسری علیها و لا ینفق علیها و لا یسافر بها۔ نحو ذالک فلا یجب الوفاء به بل یلغوا الشرط و یصح النکاح بمهر المثل لقوله صلی الله علیه وسلم کل شرط لیس فی کتاب الله فهو باطل " (مسلم ج ۱ ص ۲۵۵)

ایسی شرط جو نکاح کے مقتضی کے خلاف ہو جیسے یہ شرط کہ اس کے لئے باری مقرر نہیں کرے گا، اس سے ہم بستر نہیں ہوگا، اس کو نفقہ نہیں دے گا اور اس کے ساتھ سفر نہیں کرے گا وغیرہ وغیرہ۔ تو اس طرح کی شرط کو پورا کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ شرط لغو ہوجائے گی اور نکاح مہر مثل کے ساتھ صحیح ہوجائے گا، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہیں باطل ہے۔

در مختار میں ہے :

" ولکن لا یبطل النکاح بالشرط و انما یبطل الشرط دونه یعنی لو عقد مع شرط فاسد لم یبطل النکاح بل الشرط " (در مختار علی هامش رد المحتار کتاب النکاح۔ فصل فی المحرمات ج ۲ ص ۳۵)

نکاح شرط فاسد سے باطل نہیں ہوگا، شرط باطل ہوگی یعنی اگر کسی نے شرط فاسد کے ساتھ عقد کیا تو نکاح باطل نہیں ہوگا، شرط باطل ہوجائے گی۔

شامی میں ہے :

" بخلاف مالوشرط فاسدا کما لو تزوجته علی ان لا یطأها فانه یصح النکاح و یفسد الشرط۔ (شامی ج ۲ ص ۳۵۰) بخلاف اس صورت کے جب شرط فاسد لگادے، مثلاً اس شرط پر نکاح کرے کہ اس کا شوہر اس سے وطی نہیں کرے گا تو نکاح صحیح ہوگا اور شرط فاسد ہوگی۔

عالمگیری میں ہے :

" ولا یثبت فی النکاح خیار الرویة و العیب و الشرط (الی قوله) حتی انه اذا فعل ذالک فالنکاح جائز و الشرط باطل۔ (عالمگیری ج ۱ ص ۲۵۵)

نکاح میں خیار رویت، عیب اور شرط ثابت نہیں ہوتا، اسی لیے اگر ایسا کرلیا تو نکاح جائز ہے اور شرط باطل۔

" احکام الاسرة فی الاسلام " میں ہے :

" وحكم هذا الشرط انه يلغو وحده ولا اثر في العقد بل يبقى العقد معه صحيحا لان القاعدة المقررة عندهم ان الزواج لا يبطل بالشروط الفاسدة " (احكام الاسرة في الإسلام، محمد مصطفى شبلي ص ۱۵۵)

اس قسم کے شرائط کا حکم یہ ہے کہ صرف شرط لغو ہوتی ہے اور عقد پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا بلکہ عقد ان شرائط کے ساتھ بھی صحیح ہوتا ہے، اس لیے کہ فقہاء کا اصول ہے کہ نکاح شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتا۔

الاحکام الشرعیہ میں ہے:

" و اما ان كان الشرط المقترن بالعقد فاسدا فلا يتقيد العقد به ولا يلزم الوفاء به باتفاق الفقهاء ... و مذهب الحنفية في ذالک ان الشرط الفاسد مهما كان لا يوجب فساد العقد و انها يلغى الشرط وحده و يبقى العقد صحيحا تترتب عليه احكامه و آثاره "(الاحكام الشرعية للاحوال الشخصية، زكي الدين شعبان ص ۱۱۰)

فقہاء کا اتفاق ہے کہ عقد نکاح شرط فاسد سے مشروط ہو تو عقد اس سے مقید نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کا ایفا ضروری ہوگا، اور اس باب میں حنفی مذہب یہ ہے کہ شرط فاسد جہاں کہیں بھی ہو، اس سے فساد عقد لازم نہیں آتا، صرف شرط باطل ہوتی ہے، عقد باقی رہتا اور اس پر عقد کے احکام و اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

تقریر ترمذی میں حضرت شیخ الہند کا ارشاد ہے:

" فعند الشافعي اذا لم يعمل بعد النكاح حسب شرطه يظهر الخلل في النكاح و عندنا لا يضر في النكاح وهو قائم على حاله كما هو مذهب علي رضي الله عنه " (تقرير ترمذي باب ماجاء في النكاح بالشروط)

حضرت شافعی کے نزدیک اگر نکاح کے بعد شرط کے مطابق عمل نہیں کیا گیا تو نکاح میں خلل واقع ہوگا، ہمارے نزدیک نکاح میں اثر نہیں ہوگا اور وہ علی حالہ قائم رہے گا، جیسا کہ حضرت علی کا مذہب ہے۔

دیگر مذاہب پر ایک نظر

یہ ساری تفصیل احناف کے مذہب کے مطابق ہے۔ امام شافعی کا اختلاف بھی اوپر مذکور ہوا، رہ گئے مالکیہ اور حنابلہ، تو ان کے نزدیک تھوڑا فرق ہے، مالکیہ شرط صحیح کی دو قسم مکروہ اور غیر مکروہ کرتے ہیں، غیر مکروہ وہ شرائط ہیں جو عقد کے موجبات میں ہوں جیسے مرد کا شرط لگانا کہ عورت اس کی اطاعت کرے گی، بغیر اجازت گھر سے

باہر نہیں جائے گی وغیرہ اور شرط صحیح مکروہ وہ ہے جو عقد کے مقتضی کے منافی نہ ہو، مثلاً عورت کا شرط لگانا کہ دوسری شادی نہیں کرے گا، سفر میں نہیں لے جائے گا وغیرہ، اس کے علاوہ جو شرائط ہیں، وہ ان کے یہاں بھی فاسد ہیں۔

حنابلہ کے یہاں نکاح سے، متعلق شرائط کی دو ہی قسمیں ہیں، شرط صحیح اور غیر صحیح، غیر صحیح پر وہ شرط فاسد اور باطل کا اطلاق کرتے ہیں، ان کے یہاں شرط صحیح کے لیے ضروری ہے کہ عقد کے مقاصد کی تکمیل میں مخل نہ ہو، شرع میں ممانعت نہ آئی ہو اور متعاقدین میں سے کسی کو فائدہ پہونچتا ہو، اور شرط غیر صحیح وہ ہے جو مقتضائے عقد کے منافی یا شریعت میں جس کی ممانعت آئی ہو۔

اس طرح یہ بات صاف ہوجاتی ہے کہ تمام ائمہ ان شرائط کی صحت پر متفق ہیں جو مقتضائے عقد ہیں اور اس پر بھی متفق ہیں کہ وہ شرائط جو عقد کے مقاصد کی تکمیل میں مخل، مقتضائے عقد کے منافی اور نص کے خلاف ہوں، فاسد ہیں، البتہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ جو شرائط مقتضائے عقد نہ ہوں اور وہ مقاصد زواج کے خلاف بھی نہ ہوں۔ جیسے عورت کا شرط لگانا کہ مرد دوسری شادی نہیں کرے گا یا اس کے وطن سے باہر نہیں لے جائے گا وغیرہ۔ اس صورت میں حنابلہ اسے شرط صحیح قرار دے کر اس کا ایفاء لازم کہتے ہیں، اور مالکیہ کے یہاں چونکہ یہ شرط صحیح مکروہ ہے اس لئے ایفاء واجب تو نہیں البتہ مستحب ہے۔ ان حضرات کی تائید حضرت عمر کے اس قول سے ہوتی ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ جب مرد نے عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ اس کو وطن سے باہر نہیں لے جائے گا تو اب عورت کی رضامندی کے بغیر شوہر اس کو نہیں لے جاسکتا۔

" اذا تزوج الرجل امراة و شرط لها ان لا يخرجها من مصرها فليس له ان يخرجها

(ترمذی باب ما جاء فی الشرط عند عقدة النكاح ج ۱ ص ۱۳) امام ترمذی نے یہی مذہب امام شافعی اسحاق اور امام احمد کا بیان کیا ہے اور ابن تیمیہ نے حضرت عمرو بن العاص قاضی شریح اور امام اوزاعی سے یہی نقل کیا ہے۔ معاصر بزرگوں میں مفتی عبد الرحیم صاحب لاجپوری کا رجحان بھی اسی طرف معلوم ہوتا ہے، لکھتے ہیں:

"ہاں! شرط قبول کرنے کے باوجود عورت کو راضی کر کے بلاسکتا ہے؟ جبر نہیں کرسکتا، لڑکی جانا نہ چاہے تو خط و کتابت اور خرچ بند کر کے اس کو پریشان کرنا ناجائز ہے۔ **(فتاوی رحیمیہ ج ۳ کتاب النکاح ص ۱۲۹)**

نکاح پر شرط فاسد کے اثرات

جیسا کہ پہلے مذکور ہوا، احناف کے یہاں شرط فاسد سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور صحیح یا فاسد کے عدم ایفاء

سے عورت کو فسخ کا اختیار نہیں حاصل ہوتا ہے ، کیونکہ عدم ایفاء سے زیادہ سے زیادہ شارط کی رضا فوت ہوتی ہے جو عقد نکاح میں مؤثر نہیں ، احکام الاسرۃ میں ہے :

" فان لم یوف به من التزمه لا یثبت الخیار لشارطه فی فسخ العقد لان فوت هذا الشرط و ان کان مفوتا لرضاء شارطه بالعقد الا انه لا یؤثر فی العقد لان الرضاء عندهم لیس شرطا فی صحة العقد لتصحیحهم زواج المکره ولیس له رضا هکذا (احکام الاسرة فی الاسلام ص١٥٥)

" اگر نہیں پورا کیا جس کو لازم قرار دیا تھا تو شارط کے لئے فسخ عقد کا اختیار ثابت نہیں ہوگا اس لیے کہ اس شرط کا فوت ہونا اگرچہ شارط کے رضا کو فوت کردیتا ہے ، لیکن یہ عقد میں مؤثر نہیں ہے اس لیے کہ ان کے نزدیک صحت عقد کے لئے رضامندی شرط نہیں ہے ، یہی وجہ ہے کہ وہ مکرہ کے نکاح کو صحیح قرار دیتے ہیں ، حالانکہ اس کی رضامندی نہیں ہوتی ہے ۔"

بعض اہل علم نے احناف کے مذہب کو ان احادیث کے مخالف قرار دیا ہے ، جس میں شرائط اور وعدہ کے ایفاء پر زور دیا گیا ہے ، اس سلسلے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے کہ حدیث کی مراد کیا ہے ، اس سے قطع نظر واقعہ یہ ہے کہ حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے کہ اگر کسی نے وعدہ وفا نہیں کیا تو نکاح ٹوٹ جائے گا ، باطل ہوگا ، یا عورت کو فسخ کا اختیار حاصل ہوگا ، تقریر ترمذی میں ہے :

" ولکن اذا لم یوف به فهل یضر نکاحه ام لا فلا بحث عنه فی الحدیث بل الحدیث ساکتا عنه " (تقریر ترمذی ۔ شیخ الهند باب ماجاء فی النکاح بالشرط)

لیکن اگر اس شرط کو پورا نہ کرے تو اس سے نکاح کو ضرر پہونچے گا یا نہیں ، تو اس حدیث میں اس سے کوئی بحث نہیں ہے ، بلکہ خاموش ہے ۔

امام مالک کے یہاں شرط فاسد سے نکاح باطل ہوجاتا ہے ، اور اگر دخول کی نوبت نہیں آئی ہے تو فسخ کرنا ضروری ہے ، دخول کے بعد عقد باقی رہے گا ، شرط باطل ہوگی اور مہر مسمی کی جگہ مہر مثل واجب ہوگا " الاحکام الشرعیہ " میں ہے :

" و مذهب المالکیة فی ذالک هو بطلان العقد بالشرط الفاسد و وجوب فسخه ما دام الرجل لم یدخل بالمراة واذا دخل بها مضی العقد و الغی الشرط و بطل المسمی و وجب للمراة مهر المثل " (الاحکام الشرعیة للاحوال الشخصیة ص ١١٠)

اس سلسلے میں مالکیہ کا مذہب شرط فاسد سے عقد کے بطلان کا ہے، اور جب تک مرد اس عورت سے دخول نہ کرے نکاح کا فسخ واجب ہے۔ اگر دخول کرلیا تو عقد نافذ ہوجائے گا اور شرط لغو ہوجائے گی۔ مسمی باطل ہوکر عورت کو مہر مثل ملے گا۔

تعلیق طلاق کی شرط

اشتراط فی النکاح میں ایک اہم بحث تعلیق طلاق اور تفویض طلاق کی ہے۔ احناف کے یہاں دونوں شرطیں معتبر اور صحیح ہیں، لہذا اگر کسی نے اس شرط پر نکاح کیا کہ " **كل امرأة يتزوج بها تكون طالقا** " تو طلاق واقع ہوجائے گی، شرط باطل نہیں ہوگی، البتہ اس قسم کے شرائط سے اسلام کے تعدد ازدواج کی خلاف ورزی ہوگی، اس لئے اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی جاسکتی، فتاوی رشیدیہ میں اس قسم کے ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے۔ " یہ نکاح شرعا صحیح اور معتبر ہے، اس تعلیق سے نکاح میں فساد نہیں آتا اور یہ تعلیق بھی شرعا معتبر ہے، اگر اس شرط پر نکاح کیا تو خاوند کے دوسرے نکاح کرنے سے اس پر طلاق پڑجائے گی۔ مگر چونکہ اصل مسئلہ شرعیہ یہ ہے کہ مرد کو بشرط اقامت عدل بین الازواج و تحمل نان و نفقہ چار تک زوجات درست ہیں۔ اس لیے ایسی شرط رائج کرنا، ہرگز اصول شریعت کے سزاوار و مطابق نہیں۔

قال الله تعالى۔ " الرجال قوامون على النساء بما فضل اللّه بعضهم على بعض و بما انفقوا من اموالهم" وقال عز اسمه "فانكحوا ماطاب لكم من النساء مثنى و ثلث و رباع "

اقل درجات امر اباحت ہے، پس اس میں اشتراط مذکور کو رواج و شائع کرنا۔ بے شک اس اباحت کی مخالفت اور حکمت شرعیہ تعدد ازدواج کو روکنا ہے، بلکہ بعض اوقات بسبب بعض ضرورت کے نکاح ثانی کی سخت احتیاج ہوتی ہے، حالانکہ نکاح ثانی سنت ہے اور بشرط عدم خشیۃ میل و اقامت عدل و امن از جور موجب نفع ہے، اور نیز مقتضائے شریعت " **تزوجوا الولود الودود فانی مكاثر بكم الامم** " پر عمل ان وجوہ سے بوجہ ان اشتراط کے موقوف کرنے میں سعی مناسب ہے " (**فتاوى رشيدية كامل ص ۳۸۵**)

انہیں وجوہ سے امام شافعی کے نزدیک یہ شرط غیر لازم ہے، امام احمد کی بھی یہی رائے ہے، البتہ ان کے یہاں نکاح ثانی کی صورت میں معاملہ عورت کے اختیار میں چلا جاتا ہے، چاہے تو وہ اس کے ساتھ رہے اور چاہے تو علحدگی اختیار کرے، امام ابن تیمیہ نے اسے اعدل الاقوال قرار دیا ہے۔

" و الثالث وهو اعدل الاقوال انه لا يقع به الطلاق و لا عتاق لكن لامرأته ما شرط لها: فان شئت ان تقيم معه و ان شائت ان تفارقه وهذا اوسط الاقوال (فتاوى ابن تيمية ج ۳۲)

اور تیسرا قول جو تمام اقوال میں زیادہ قرین انصاف ہے، یہ ہے کہ اس سے نہ طلاق واقع ہوگی اور نہ عتاق، لیکن عورت کے لئے وہی ہے جو اس نے شرط لگائی تھی، اس لئے وہ چاہے تو اس کے ساتھ رہے چاہے تو جدائیگی اختیار کرے یہ متوسط قول ہے۔

تفویض طلاق کی شرط

یہی حکم تفویض طلاق کا بھی ہے، عورت نے نکاح کے وقت یہ شرط لگادی کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا اور شوہر نے اسے قبول کرلیا تو طلاق کا حق عورت کی طرف منتقل ہوجائے گا۔ حضرت تھانوی نے الحیلۃ الناجزۃ میں لکھا ہے۔

"نکاح مذکور میں کچھ شرائط خاوند سے منظور کرائی گئی ہیں، اس کے جواز میں حنفیہ کو کلام نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے اسی صورت کو نکاح معلق میں داخل کرکے شبہ کیا ہے۔ مگر حقیقت میں یہ نکاح معلق نہیں، بلکہ نکاح منجز ہے جو تفویض معلق کے ساتھ مشروط ہے، نکاح معلق وہ ہے کہ اس وقت نکاح ہی نہ ہو، جیسے عورت یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تیرے نکاح میں دے دیا، اگر میرا باپ راضی ہو یا مرد یوں کہے کہ میں نے قبول کرلیا، اگر میرا باپ راضی ہو، تو اس صورت میں نکاح نہیں ہوتا اور اگر اصل نکاح معلق نہ کیا جاوے، بلکہ اس کے ساتھ کوئی شرط زائد لگادی جائے تو اس طرح نکاح ہوجاتا ہے، جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ مجلس عقد میں نکاح اسی وقت ہورہا ہے، مگر اس کے ساتھ ایک شرط ہے جس کو شوہر سے منوایا جاتا ہے" **الحیلة الناجزة۔ص ١٢٧)**

تفویض طلاق کی یہ شرط اگر نکاح سے پہلے لگائی گئی تو اس میں اضافت الی النکاح ضروری ہے اور فریقین کے اتفاق کے بعد عین عقد نکاح میں اس کا ذکر کرنا ضروری نہیں ہے، کیونکہ نیت متعـددہ مقارنہ کی طرح ہی ہوا کرتی ہے، البتہ پہلے اتفاق ہوگیا تھا لیکن ابھی ایجاب و قبول نہیں ہوا تھا کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہوگیا، ایسی صورت میں عین عقد نکاح کے وقت بھی شرائط کا ذکر کرنا ضروری ہوگا، اور اگر معاملات شرائط پہلے سے طے نہیں تھے اور عین عقد نکاح کے وقت شرائط لگائے جارہے ہیں تو ضروری ہے کہ ایجاب عورت، اس کے وکیل یا ولی کی جانب سے مع شرط ہو اور مرد اسے قبول کرلے، اگر معاملہ اس کے برعکس بایں طور طے ہوا کہ مرد نے ایجاب بلا شرط کیا اور عورت یا اس کے ولی نے شرائط کے ساتھ قبول کیا تو یہ شرط لغو ہوجائے گی اور نکاح منعقد ہوجائے گا۔

شامی میں ہے:

" صح مقيد بما اذابتدات المراة فقالت زوجت نفسي منك على ان امرى بيدى اطلق

نفسی کلما ارید او علی انی طالق فقال الزوج قبلت۔ اما لو بداء الزوج لا تطلق و لا یصیر الامر بیدھا کما فی البحر عن الخلاصۃ و البزازیۃ (شامی ج ۲ ص ۷۹) ١١/١١

نکاح مقید اس صورت میں صحیح ہے، جب عورت ایجاب کرے اور کہے کہ میں نے اپنا نکاح تجھ سے اس شرط پر کیا کہ میرا معاملہ میرے اختیار میں ہوگا، جب چاہوں اپنے اوپر طلاق واقع کرلوں یا مطلقہ ہوجاؤں اور شوہر نے قبول کرلیا، لیکن اگر شوہر نے ایجاب کیا، تو وہ نہ مطلقہ ہوگی اور نہ ہی اسے اختیار حاصل ہوگا، جیسا کہ بحر میں خلاصہ اور بزازیہ سے نقل کیا ہے۔

فقیہ ابواللیث دونوں صورتوں میں فرق کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

" لان البداۃ اذا کانت من الزوج کان الطلاق و التفویض قبل النکاح فلا یصح اما اذا کانت من المرأۃ یصیر التفویض بعد النکاح لان الزوج لما قال بعد کلام المراۃ قبلت و الجواب یتضمن اعادۃ ما فی السوال صار کانہ قال قبلت علی انک طالق او علی ان یکون الامر بیدک فیصیر مفوضا بعد النکاح " (شامی کتاب الطلاق ج ۲ ص ۷۹۹)

اس لئے کہ ابتدا جب زوج کی طرف سے ہوگی تو طلاق و تفویض نکاح سے قبل ہوگی، اس لئے (یہ صورت) صحیح نہیں ہوگی، لیکن اگر ابتداء عورت کی طرف سے ہو تو تفویض نکاح کے بعد ہوگی اس لئے کہ جب شوہر نے عورت کے کلام کے بعد قبلت کہا اور جواب اعادہ سوال کو متضمن ہوتا ہے تو گویا اس نے یہ کہا کہ میں نے اس شرط پر قبول کیا کہ تو مطلقہ ہوجائے، یا اختیار تیرے ہاتھ میں رہے، تو یہ تفویض بعد النکاح ہوگی جو صحیح ہے۔

البتہ اگر عورت کے مطلق ایجاب کے بعد شوہر نے مشروط قبول کیا تو نکاح مشروط بتفویض طلاق ہوگا لیکن اس صورت میں مرد کے اختیار میں ہوگا، چاہے تو شرط لگا کر قبول کرے یا مطلق قبول کرکے نکاح منعقد کرلے۔ عقد نکاح کے بعد بھی طرفین کی مرضی سے اس قسم کے شرط پر اتفاق کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کی حیثیت شرط کے بجائے معاہدہ کی ہوگی، پھر طلاق کا حق چونکہ مرد کو حاصل ہے، اس لیے یہ شوہر کی مرضی پر منحصر ہوگا کہ وہ اس قسم کا کوئی معاہدہ بیوی سے کرے یا نہ کرے۔

یہاں یہ بات خاص طور سے یاد رکھنی چاہئے کہ طلاق اصلاً مرد کا حق ہے اور شریعت نے انتہائی حکمت و مصلحت کے تحت یہ حق اسے دیا ہے۔ اس لئے تفویض طلاق کی شرط اسلامی مزاج کے خلاف ہے۔ اس سے گریز افضل ہے۔ اعتماد کی فضا بحال کرنے کے لئے اگر اس شرط کا لگانا ضروری ہو تو بھی اس کی حوصلہ افزائی کسی درجہ میں نہیں ہونی چاہئے، کیونکہ خدشہ ہے کہ عورتیں اپنی مخصوص افتاد طبع، جذباتیت، جلد بازی اور نقصان عقل کی

وجہ سے اس حق کا زیادہ غلط استعمال کریں گی، ایسے میں عورت پریشانی اور پشیمانی میں تو مبتلا ہوگی، سماج پر بھی اس کے مضر اثرات پڑیں گے ۔ ان خدشات کے پیش نظر بہتر معلوم ہوتا ہے کہ تفویض طلاق کی شرط کے ساتھ مزید درج ذیل قیود کا بھی اضافہ کردے ۔

۱۔ عورت اپنے اس حق کا استعمال غصہ و جذبات کی حالت میں نہیں کر سکے گی ۔

۲۔ یہ حق اس طہر میں استعمال کرے گی جس میں جماع نہ کیا گیا ہو ۔

۳۔ صرف ایک طلاق بائن کی مجاز ہوگی ۔

۴۔ یہ حق اعزاء و اقرباء سے مشورہ کے بغیر استعمال نہیں کرے گی ۔

۵۔ حق کے استعمال کے پہلے شوہر کو مہر سے بری کردے گی ۔ بحرالرائق میں ہے ۔

" وقال لها امر ثلاث تطليقات بيدك ان ابراتنی من مهرک (الی قوله) ان قدمت الابراء وقع و ان لم تبرئه من المهر لا يقع لان التوكيل كان بشرط الابراء (بحر الرائق ج ۳ ص ۳۱۹)

شوہر نے کہا کہ تین طلاق کا اختیار تجھ کو ہے ، بشرطیکہ تو مجھے اپنے مہر سے بری کردے ۔ اگر اس نے پہلے بری کردیا تو طلاق واقع ہوجائے گی اور اگر اس کو مہر سے بری نہیں کیا تو واقع نہیں ہوگی ، کیونکہ توکیل ابراء کی شرط سے مشروط ہے ۔

تفویض کے بعد رجوع

اگر شوہر تفویض کے بعد عورت کو اس حق کے استعمال سے روکنا چاہے یا رجوع کرنا چاہے تو اس کا حق نہیں ہوگا ، عالمگیری میں ہے ۔

" وليس للزوج ان يرجع فی ذالک و لا ينهاها عما جعل اليها و لا يفسخ كذافی الجوهرة (عالمگیری ج ۲ ص ۷۵) شوہر کو اس سلسلے میں رجوع کا یا جو کچھ تفویض کیا ہے ، اس سے روکنے اور فسخ کا اختیار نہیں ہے ۔

در مختار میں ہے :

" ولا يملك الزوج الرجوع عنه ای ان التفويض بانواعه الثلثة لما فيه من معنى التعليق " (**شامی (انواع ثلاثة)** میں (**اختيار، مشيئة، امر باليد**) کی تفویض کے بعد معنی تعلیق کی وجہ سے شوہر رجوع

کا مالک نہیں ہوگا۔

ہدایہ میں ہے :

" **وان قال طلقی نفسک فلیس له ان یرجع منه لان فیه معنی الیمین لانه تعلیق الطلاق بتطلیقها والیمین تصرف لازم** " (**هدایة ج ۲ ص ۳۷۱**) " اگر " **طلقی نفسک** " کہا تو اس سے رجوع کا حق اسے نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس میں یمین کا معنی ہے، اور اس لئے بھی کہ یہ عورت کے طلاق دینے پر طلاق کی تعلیق ہے اور یمین تصرف لازم ہے۔

ہدایہ میں ہے :

" **ولو قال لها انت طالق اذا شئت او اذا ماشئت او متی ما شئت فردت الامر لم یکن ردا ولا یقتصر علی المجلس** (**ایضا ج ۲ ص ۳۷۳**) اور اگر بیوی سے کہا " **انت طالق اذا شئت** " یا " **اذا ما شئت** " یا " **متی شئت** " پھر اس نے معاملہ واپس لے لیا تو یہ رد نہیں ہوگا اور نہ ہی مجلس تک محدود رہے گا۔

مہر مشروط سے متعلق مسائل

اشتراط فی النکاح کی ایک شکل یہ ہے کہ مہر مشروط مقرر کیا جائے۔ مثلاً عقد نکاح کے وقت مہر اس طرح طے پائے کہ اگر مرد کے پاس دوسری منکوحہ ہو تو دو ہزار ورنہ ایک ہزار مہر ہوگا، یا یہ کہے کہ آبائی وطن میں رکھا تو ایک ہزار اور باہر لے گیا تو دو ہزار، یا اس عورت کے رہتے نکاح کسی اور عورت سے کیا تو مہر تیس ہزار ورنہ پندرہ ہزار، یا یہ طے کرے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دیا تو مہر بیس ہزار ورنہ دس ہزار ہوگا، ان تمام صورتوں میں نکاح جائز ہے، فتاوی تاتار خانیہ میں ہے۔

" **إذا تزوجها علی الف ان لم تکن له امرأة وعلی الفین إن کانت له امرأة او علی الف إن لم یخرجها من البلدة وعلی الفین إن أخرجها فالنکاح جائز** " (**فتاوی تاتار خانیة ج ۳ ص ۱۰۱**)

اگر اس طرح نکاح کیا کہ اگر اس کی دوسری بیوی نہ ہو تو مہر ایک ہزار اور اگر دوسری بیوی ہو تو مہر دو ہزار، یا کہا کہ اگر اسے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا تو مہر ایک ہزار اور اگر لے جائے گا تو دو ہزار، ان صورتوں میں نکاح جائز ہے۔

بدایۃ المجتہد میں ہے :

" **و اختلفوا فی الرجل ینکح المراۃ علی ان الصداق الف ان لم یکن لہ زوجۃ و ان کانت لہ زوجۃ فالصداق الفان. فقال الجمھور بجوازہ** " (**بدایۃ المجتھد ج ۲ ص ۲۲**) فقہاء کی اس آدمی کے بارے میں، مختلف آراء ہیں، جس نے کسی عورت سے اس شرط کے ساتھ نکاح کیا کہ اگر پہلے سے اس کی بیوی نہ ہو تو مہر ایک ہزار اور اگر بیوی ہو تو مہر دو ہزار، جمہور اس کے جواز کے قائل ہیں۔

البتہ اختلاف اس بات میں ہے کہ ایسی شرطوں میں واجب کیا ہوگا؟ امام زفر مطلقاً مہر مثل کے قائل ہیں اور وہ دونوں شرطوں کو لغو اور فاسد قرار دیتے ہیں، امام ابو حنیفہ کے نزدیک پہلی شرط درست ہے اور شرط کے پائے جانے پر مہر مسمی واجب ہوگا، اور خلاف ورزی کی صورت میں مہر مثل جو ایک ہزار سے کم اور دو ہزار سے زائد نہیں ہوگا، صاحبین کی رائے ہے کہ دونوں شرطیں واجب العمل ہیں اور ہر صورت مہر مسمی ہی واجب ہوگا اور امام شافعی اور ابو ثور کے نزدیک ہر حال میں مہر مثل واجب ہوگا۔ اور اگر طلاق قبل الدخول کی نوبت آئی تو ابو ثور کے نزدیک صرف متعہ دینا ہوگا، ہدایہ میں ہے:

" **ولو تزوجھا علی الف ان اقام بھا و علی الفین ان اخرجھا فان اقام بھا فلھا الالف و ان اخرجھا فلھا مھر المثل لا یزاد علی الفین و لا ینقص علی الف و ھذا عند ابی حنیفۃ و قالا الشرطان جمیعا جائزان حتی کان لھا الالف ان اقام بھا و الالفان ان اخرجھا و قال زفر الشرطان جمیعا فاسدان و یکون لھا مھر مثلھا لا ینقص من الف و لا یزاد علی الفین** " (**ھدایۃ ج ۲ ص ۳۰۹**) اگر ایک ہزار پر نکاح کیا اس شرط کے ساتھ کہ اس کے ساتھ رہے گا اور دو ہزار پر اگر اس کو باہر لے جائے گا، ایسے میں اگر اسے باہر لے گیا تو مہر مثل ملے گا جو دو ہزار سے زیادہ اور ایک ہزار سے کم نہ ہوگا، یہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے، صاحبین فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں جائز ہیں، چنانچہ اگر اس کے ساتھ قیام کرے گا تو ایک ہزار اور باہر لے گیا تو دو ہزار ملے گا، امام زفر فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں فاسد ہیں اور اس کو مہر مثل ملے گا جو ہزار سے کم اور دو ہزار سے زائد نہ ہوگا۔

بدایۃ المجتھد میں ہے:

" **و اختلفوا فی الواجب فی ذالک فقال قوم الشرط جائز و لھا من الصداق بحسب ما اشترط و قالت طائفۃ ولھا مھر المثل۔ وھو قول الشافعی و بہ قال ابو ثور۔ الا انہ قال ان طلقھا قبل الدخول لم یکن لھا الا المتعۃ** " (**بدایۃ المجتھد ج ۲ ص ۲۲**) اور اس صورت میں مہر واجب کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، کچھ لوگ کہتے ہیں کہ شرط جائز ہے اور اس کو شرط کے مطابق مہر ملے گا،

اور ایک جماعت کہتی ہے کہ اس کو مہر مثل ملے گا۔ یہ قول امام شافعی اور ابو ثور کا ہے ،البتہ ابو ثور کہتے ہیں کہ اگر دخول سے قبل طلاق دیدے تو اس کو صرف متعہ ملے گا۔

صاحب ہدایہ نے امام ابو حنیفہ کے مذہب کی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

" فان وفی بالشرط فلها المسمی لانه صلح مهرا و قد تم رضاها به و ان تزوج علیها اخری و اخرجها فلها مهر مثلها لانه مسمی مالها فیه نفع فعند فواته ینعدم رضاها بالالف فیکمل مهر مثلها " ابدایة ج ۲ ص ۳۰۹ اگر شرط پوری کردی تو اس کو مقررہ مہر ملے گا، اس لیے کہ اس میں مہر بننے کی صلاحیت ہے اور اس پر اس کی رضامندی تام ہے اور اگر اس کے ساتھ دوسرا نکاح کرلیا اور اسے باہر لے گیا تو اسے مہر مثل ملے گا، اس لئے کہ اس نے ایسی چیز متعین کی ہے جس میں عورت کا نفع ہے اور اس کے فوت ہونے کی صورت میں اس کی رضامندی فوت ہوجائے گی، پس اسے مکمل مہر مثل ملے گا۔

یہ اس مسئلہ کی فقہی تفصیلات تھیں ، جہاں تک فتوی اور عمل کی بات ہے تو آج کے حالات میں جب طلاق کا غلط اور بے جا استعمال کثرت سے ہونے لگا ہے، صاحبین کے مذہب پر فتوی اور عمل احوط اور انسب معلوم ہوتا ہے ۔یعنی مہر مشروط میں دونوں شرطیں معتبر اور لازم العمل ہوں گی۔

ملازمت سے متعلق شرائط

چونکہ کسب معاش عام حالات میں عورت کے فرائض میں نہیں ہے ۔ اسلام نے اس کے نفقہ کی ذمہ داری شوہر پر ڈال کر اسے تدبیر منزل کے لئے خاص کردیا ہے، اس لئے اس قسم کے شرائط اسلامی مزاج کے خلاف اور شرط فاسد ہیں (جس کا حکم پہلے تفصیل سے گزر چکا ہے) اس لئے نکاح صحیح ہوگا، شرط لغو ہوگی اور شوہر کو شرط قبول کرنے کے باوجود ملازمت ختم کرنے کا حکم دینے یا نئی ملازمت سے روکنے کا اختیار باقی رہے گا اور اس سلسلے میں شوہر کے حکم کی تعمیل ضروری ہوگی۔

هذا ما عندی و الله تعالی اعلم و علمه اتم و احکم

نکاح میں مقرر کی ہوئی شرطوں کے شرعی احکام

مفتی محمد زید *

بخاری شریف کی روایت ہے **احق الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج (عمدة القاری کتاب الشروط ج ۱۱ ص ۲۷۱)**

اور مسلم شریف کی روایت ہے **ان احق الشروط ان یوفی بها ما استحللتم به الفروج (مسلم شریف کتاب النکاح ص ۴۵۵)**

دونوں حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ "شرطوں میں پوری کرنے کے اعتبار سے زیادہ لائق وہ شرط ہے جس کے ذریعہ تم شرمگاہوں کو حلال کرتے ہو"۔

الفاظ کے فرق کے ساتھ اس مضمون کی اور بھی روایات وارد ہوئی ہیں (**فتح الباری ج ۹ ص ۱۲۵**) حافظ ابن حجر فتح الباری میں اور علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی فتح الملہم میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں۔

المراد فی الحدیث الشروط الجائزة لا المنهی عنها ... لان الشروط الفاسدة لا یحل الوفاء بها (فتح الباری ج ۹ ص ۱۲۵۔ فتح الملهم ج ۲ ص ۳۷۱)

۔ یعنی حدیث پاک میں جن شرائط کے پورا کرنے کا حکم آیا ہے ان سے جائز شرطیں مراد ہیں، ممنوع

---

* استاذ جامعہ عربیہ اسلامیہ ہتھورا، باندہ، یوپی

شرطیں مراد نہیں۔ کیونکہ فاسد شرطوں کا پورا کرنا درست نہیں "

امام نووی شرح مسلم میں اور ملا علی قاری شرح مشکوۃ میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں۔

قال الشافعی و اکثر العلماء ان ھذا محمول علی شروط لا تنافی مقتضی النکاح بل تکون من مقتضیاته و مقاصده کاشتراط کسوتھا و سکناھا بالمعروف ... و اما شرط یخالف مقتضاه کشرط ان لا یقسم لھا و لا ینفق علیھا و لا یسافر بھا و نحو ذالک فلا یجب الوفاء به بل یلغو الشرط و یصح النکاح بمھر المثل لقوله صلی الله علیه وسلم کل شرط لیس فی کتاب الله فھو باطل و قال احمد و جماعة یجب الوفاء بالشرط مطلقا الخ (شرح مسلم للنووی ج ۱ ص ۴۵۵۔ مرقاۃ باب اعلان النکاح ج ۲ ص ۲۱۱)

"حضرت امام شافعی اور اکثر علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ان شرائط پر محمول ہے جو عقد نکاح کے تقاضوں کے خلاف نہ ہوں بلکہ اس کے مقاصد و تقاضوں کے موافق ہوں، مثلاً کسوہ و سکنیٰ کی شرط۔ رہ گئی وہ شرطیں جو عقد کے تقاضے کے خلاف ہوں مثلاً یہ شرط لگانا کہ عورت کو نفقہ نہ دے گا، اس کے لئے باری مقرر نہ کرے گا، اس کے ساتھ کبھی سفر نہ کرے گا، اور ان جیسی شرطیں تو ان کا پورا کرنا واجب نہیں بلکہ شرط لغو اور نکاح مہر مثل کے ساتھ درست ہوگا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے " **کل شرط لیس فی کتاب الله فھو باطل** " ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہ ہو باطل ہے۔ اور امام احمد اور ایک جماعت کا رجحان اس حدیث کی وجہ سے یہ ہے کہ مطلقاً ہر قسم کی شرطوں کا پورا کرنا واجب ہے۔"

شرطوں کی تین قسمیں

شراح حدیث نے نکاح میں مقرر کی ہوئی شرطوں کی تین قسمیں فرمائیں ہیں۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں، شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نے اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک میں تحریر فرمایا ہے۔

قال الخطابی الشروط فی النکاح مختلفة فمنھا ما یجب الوفاء به اتفاقا وھو ما امر الله من امساک بمعروف او تسریح باحسان و علیه حمل بعضھم الحدیث " احق ما اوفیتم " و منھا ما لا یوفی به اتفاقا کسوال طلاق اختھا۔ و منھا ما اختلف فیه کاشتراط ان لا یتزوج علیھا او لا ینقلھا من منزلھا الی منزله (فتح الباری ج ۹ ص ۱۷۵۔ اوجز المسالک شرح موطا

مالک ج ۲ ص ۳۲۰)

" خطابی فرماتے ہیں کہ نکاح میں جو شرطیں مقرر کی جاتی ہیں، وہ مختلف قسم کی ہیں، ان میں سے بعض تو وہ ہیں جن کا پورا کرنا بالاتفاق ضروری ہے اور وہ ایسی شرطیں ہیں جن کا اللہ نے حکم دیا ہے، مثلاً بیوی کو بھلائی کے ساتھ رکھنا، حسن سلوک کرنا، چھوڑنے کی نوبت آئے تو احسان کے ساتھ چھوڑنا۔ بعض علماء نے اس حدیث کا مصداق بھی اسی قسم کی شرطوں کو قرار دیا ہے۔ اور بعض قسمیں وہ ہیں جن کا بالاتفاق پورا کرنا درست نہیں، مثلاً اپنی سوکن کو طلاق دینے کی شرط، اور بعض شرطیں ایسی ہیں جن میں اختلاف ہے، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ اس کے ہوتے ہوئے دوسرا نکاح نہ کرے گا۔ یا اس کو اس کے گھر سے نہ لے جائے گا۔

ابن قدامہ نے بھی المغنی میں نکاح میں عائد کردہ شرطوں کی تین قسمیں فرمائی ہیں، لیکن وہ اس سے کچھ مختلف ہیں، فرماتے ہیں۔

شرطیں تین قسم کی ہیں

(۱) ایک تو وہ جن کا پورا کرنا ضروری ہے، حتیٰ کہ شرط پوری نہ ہونے کی صورت میں امام احمد کے نزدیک عورت کو فسخ نکاح کا بھی حق ہوگا (ابن تیمیہ نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے، فرماتے ہیں **متی لم یوف بھذہ الشروط فلھا فسخ النکاح** (**کتاب النساء لابن تیمیہ ص ۲۳۰**) اور وہ اس قسم کی شرطیں ہوتی ہیں جن کا نفع خود عورت کو ہوتا ہے، مثلاً یہ شرط کہ اس کے ہوتے ہوئے دوسرا نکاح نہ کرے گا، یا اس کو اس کے گھر سے نہ نکالے گا۔

(۲) دوسری شرطیں ہیں جو مقتضائے عقد کے خلاف اور حقوق زوجیت کے منافی ہوں، مثلاً شوہر کا یہ شرط لگانا کہ عورت کو مہر یا نفقہ نہ دے گا یا عورت کا شرط لگانا کہ شوہر اس سے جماع نہ کرے گا۔ ایسی شرطیں باطل ہوتی ہیں اور نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

(۳) تیسری وہ شرطیں جو بالکل باطل ہیں، جن سے نکاح بھی منعقد نہیں ہوتا۔ مثلاً نکاح متعہ، نکاح موقت

"قال الموفق ان الشروط تنقسم اقساما ثلاثة احدھا مایلزم الوفاء بہ وھو مایعود الیہ نفعہ و فائدتہ مثل ان یشترط لھا ان لا یخرجھا من بلدھا او من وادھا .... (قسم الثانی ما یبطل الشرط و یصح العقد مثل ان یشترط ان لا مھر لھا۔ او لا ینفق علیھا او تشترط علیہ ان لا یطأھا ... فھذہ الشروط کلھا باطلۃ فی نفسھا لانھا تنافی مقتضی العقد۔ القسم الثالث ما یبطل النکاح من اصلہ مثل ان یشترط تاقیت النکاح الخ (المغنی ج ۷ ص ۲۵۰۔ ۲۵۱ بیروت لبنان)

پہلی قسم کا حکم اور جائز شرطیں

مذکورہ بالا تفصیلات سے واضح ہوگیا کہ نکاح میں لگائی ہوئی شرطوں کی مختلف قسمیں ہیں اور ہر ایک کا حکم علیحدہ ہے، جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

پہلی یعنی ایسی شرطیں جو عقد نکاح کے تقاضے کے مطابق یا اس کے حقوق میں داخل ہوں، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر کو نفقہ دینا لازم ہوگا یا شوہر کا یہ شرط لگانا کہ عورت کو اس کے ساتھ رہنا ہوگا یہ شرط بالاتفاق درست بلکہ ضروری اور واجب العمل ہے۔ اس میں مزید دلائل کی بھی حاجت نہیں اور حافظ ابن حجر علامہ عینی کی تصریح کے مطابق محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک "حدیث" **احق الشروط بالوفاء شروط النکاح** " یعنی پورا کرنے کے اعتبار سے زیادہ لائق اعتبار نکاح کی شرطیں ہیں یعنی نکاح کی شرطوں کا پورا کرنا ضروری ہے" محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک اس حدیث میں اسی قسم کی شرطیں مراد ہیں جو عقد نکاح کے مطابق اور حقوق نکاح میں داخل ہوں **و علیہ حمل بعضہم ھذا الحدیث " احق ما اوفیتم " (فتح الباری ج ۹ ص ۱۲۵۔ عمدۃ القاری ج ۱۷ ص ۳۳۵ کتاب النکاح)**

دوسری قسم کا حکم اور ناجائز شرطیں

دوسری قسم یعنی نکاح میں ذکر کردہ ایسی شرطیں (۱) جو عقد نکاح کے تقاضوں کے خلاف ہوں (۲) یا حقوق زوجیت کے منافی ہوں (۳) یا شرعاً منھی عنہ ہوں، ایسی شرطیں لگانا جمہور علماء اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں اور نہ ہی ان کا پورا کرنا ضروری ہے اور اس قسم کی شرط لگانے سے نکاح کی صحت میں کوئی فرق نہ پڑے گا مثلاً شوہر کا یہ شرط لگانا کہ عورت کو سکنیٰ کا استحقاق نہ ہوگا، یا عورت کا یہ شرط مقرر کرنا کہ شوہر کو اس سے جماع کا حق نہ ہوگا، یا عورت کا یہ شرط لگانا کہ پہلی بیوی کو طلاق دے دے۔

یہ ساری شرطیں فاسد، باطل، شرعاً منھی عنہ ہیں۔ پہلی مثال مقتضاء عقد کے خلاف ہونے کی ہے۔ دوسری مثال حقوق زوجیت کے منافی ہونے کی ہے۔ تیسری مثال شرعاً منھی عنہ ہونے کی ہے **قال العینی کذلک (لا یجوز و انہا لا یوفی بہ) الشروط التی تنافی موجب العقد کاشتراط ان یطلقہا او لا ینفق علیہا (عمدۃ القاری ج ۱۱ ص ۲۳۱۔ کتاب الشروط)**

وفی العنایۃ شرح ھدایۃ اذا تزوج امرأۃ علی ان یطلق فلانۃ فالنکاح صحیح و ان کان شرط طلاق الضرۃ فاسدۃ (عنایۃ شرح ھدایۃ علی ھامش فتح القدیر ج ۳ ص ۲۳۱)

یہ ساری شرطیں لغو اور باطل اس وجہ سے ہیں کہ کتاب اللہ کے موافق نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "**كل شرط ليس فى كتاب الله فهو باطل** یعنی ہر ایسی شرط جو کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے" حافظ ابن حجر فتح الباری میں اور علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی فتح الملہم شرح مسلم میں تحریر فرماتے ہیں۔

وقد اجمعوا على انها لو اشترطت عليه ان لا يطاها لم يجب الوفاء بذلك الشرط ... و الوطء و الاسكان و غيرهما من حقوق الزوج اذا اشترط عليه اسقاط شئى منها كان شرطا ليس فى كتاب الله فيبطل (فتح البارى ج ۹ ص ۱۲۵ فتح الملهم ج ۲ ص ۳۲۱)۔ وقد ابطل الشارع كل شرط ليس فى كتاب الله (عمدة القارى ج ۱۲ ص ۳۳۵)

"امت کا اس پر اتفاق ہے کہ عورت نے شوہر سے اگر یہ شرط مقرر کی ہے کہ وہ اس سے وطی نہ کرے گا اس شرط کا پورا کرنا واجب نہیں۔ وطی کرنا اور عورت کو سکنی دینا اور اس کے علاوہ دوسرے حقوق زوجیت جب ان کے ساقط کرنے کی شرط مقرر کی جائے گی تو یہ ایسی شرط ہوگی جو کتاب اللہ میں نہیں ہے، لہذا باطل ہوگی۔ شارع نے ہر ایسی شرط کو باطل قرار دیا ہے جو کتاب اللہ میں نہ ہو"

لیکن امام احمد کا نقطہ نظر یہ ہے کہ مقتضاء عقد کے خلاف بھی جو شرائط باہمی رضامندی سے طے ہوجائیں، حدیث کے عموم کی وجہ سے وہ بھی واجب الایفاء اور واجب العمل ہیں، امام نووی ملا علی قاری نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

و قال احمد و جماعة يجب الوفاء بالشرط مطلقا لحديث ان احق الشروط الخ (شرح مسلم للنووى ج ۲۵۵۔ مرقاة ۲۱۱ ج ۲) حتی کہ مقتضاء عقد کے خلاف مقررہ شرطوں کے پورا نہ ہونے کی صورت میں عورت کو فسخ النکاح کا بھی حق ہوگا۔ ابن تیمیہ نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے **قال ابن تيمية متى لم يوف بهذه الشروط فتزوج و تسرى فلها فسخ النكاح (كتاب النساء لابن تيمية ص ۲۷۹)**

اور ابن قدامہ نے بھی المغنی میں اس کی تصریح فرمائی ہے **مثل ان يشترط لها ... ان لا يتزوج عليها فبهذا يلزم الوفاء لها فان لم يفعل فلها فسخ النكاح (المغنى ج ۷ ص ۳۵۰)** اور یہ مسلک امام احمد بن حنبل کا ہے، اسی طرح ابو الخطاب کے نزدیک سابقہ بیوی (سوکن) کو طلاق دینے کی شرط بھی واجب العمل ہوجاتی ہے، حالانکہ جمہور کے نزدیک شرعاً منہی عنہ ہونے کی وجہ سے یہ شرط باطل ہے۔ **فان شرطت عليه ان يطلق ضرتها لم يصح الشرط لنهيه صلى الله عليه وسلم ان اشترط المراة طلاق اختها و قال ابو الخطاب هو شرط لازم لا ينافى العقد و لها فيه فائدة فاشبه لو شرطت عليه ان لا يتزوجها**

(اوجز المسالک شرح موطا مالک ج ۲ ص ۳۲۲)

الغرض جمہور علماء بلکہ حافظ ابن حجر کی تصریح کے مطابق متفق علیہ مسئلہ یہی ہے کہ مقتضائے عقد کے خلاف جو شرطیں مقرر کی جائیں یا ایسی شرطیں جو حقوق زوجیت کے منافی ہوں وہ لغو اور باطل ہیں۔ اور نکاح کی صحت پر ان شرائط کا کوئی اثر نہ ہوگا یعنی شرط باطل اور نکاح درست ہوگا۔ واللہ اعلم

تیسری قسم کا حکم اور مباح شرطیں:

حافظ ابن حجر اور امام خطابی کے بیان کے مطابق نکاح میں عائد کردہ شرطوں کی تیسری قسم مختلف فیہ ہے۔ یعنی ایسی شرطیں جو نہ تو عقد نکاح کے تقاضوں کے مطابق ہوں اور نہ ہی مقتضائے عقد کے خلاف، حقوق زوجیت کے منافی ہوں اور وہ ہیں مباح شرطیں مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ اس کے گھر سے اس کو نہ لے جائے گا یا اس کے ہوتے ہوئے دوسرا نکاح نہ کرے گا یہ مباح شرطیں ہیں۔

اس کے حکم میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ شارح بخاری علامہ عینی عمدۃ القاری میں تحریر فرماتے ہیں۔

و اختلف العلماء فی الرجل یتزوج المراۃ و یشترط لها ان لا یخرج من دارها اولا یتزوج علیها او نحو ذلک من الشروط المباحۃ علی قولین احدهما انه یلزمه الوفاء بذلک ذکر عبد الرزاق و ابن عبد المنذر عن عمر بن الخطاب ان رجلا شرط لزوجته ان لا یخرجها فقال عمر لها شرطها و قال عمرو بن العاص اری ان یفی لها شرطها وروی من مثلها عن طاؤس و جابر بن زید و هو قول الاوزاعی و احمد و اسحاق و استحسنه بعض المتأخرین والثانی ان یؤمر الزوج بتقوی الله و الوفاء بالشروط و لا یحکم علیه بذالک حکما فان ابی الا الخروج لها کان احق الناس باهله۔ الیه ذهب عطاء و الشعبی و سعید بن المسیب و النخعی و ابن سیرین و هوقول مالک و ابی حنیفۃ و اللیث والثوری و الشافعی (عمدۃ القاری ج ۱۲ ص ۳۲۵)

"اس سلسلے میں علماء کا اختلاف ہے کہ ایک شخص کسی عورت سے نکاح کرتا ہے اور شرط لگاتا ہے کہ عورت کو اس کے گھر سے نہ لے جائے گا یا اس کے ہوتے ہوئے دوسری عورت سے نکاح نہ کرے گا یا اور اس جیسی مباح شرطیں، اس سلسلہ میں علماء کے دو قول ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس قسم کی مباح شرطوں کا پورا کرنا ضروری ہے۔ عبد الرزاق ابن منذر نے حضرت عمر بن الخطاب سے نقل کیا ہے کہ ایک مرد نے بیوی سے نکاح میں یہ شرط مقرر کی تھی کہ اس کے گھر سے اس کو نہ نکالے گا حضرت عمر نے فرمایا عورت کو اس شرط کے مطالبہ کا حق ہے۔ عمرو بن عاص فرماتے ہیں کہ میری رائے ہے کہ عورت کی شرط کو پورا کیا جائے گا۔ طاؤس، جابر بن زید،

اوزاعی، احمد، اسحاق سے بھی اسی طرح منقول ہے اور بعض متاخرین نے اس کو پسند و اختیار فرمایا ہے۔

اس کے بالمقابل دوسرا قول یہ ہے کہ تقویٰ کی رو سے تو شوہر کو اس قسم کی مباح شرطوں کو پورا کرنے کا حکم دیا جائے گا، لیکن قضاء کے طور پر اس کو حکم نہ دیا جائے گا، اگر شوہر عورت کو لے ہی جانا چاہتا ہے تو اپنے اہل کا وہ زیادہ حقدار ہے یعنی لے جاسکتا ہے، عطاء، شعبی، سعید بن المسیب، نخعی ابن سیرین کی یہی رائے ہے۔ اور امام مالک، شافعی اور ابو حنیفہ، لیث اور ثوری کا بھی یہی مسلک ہے"

شرعی دلائل کا مقتضی

مذکورہ بالا تصریح کے مطابق علماء کی ایک جماعت کے نزدیک مباح شرطوں کا پورا کرنا بھی ضروری ہے، امام احمد کا مسلک بھی یہی ہے اور بعض احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں یہ بھی منقول ہے کہ اس شرط کے ساتھ نکاح ہونے کی صورت میں کہ " عورت کو اس کے گھر سے نہ نکالا جائے گا، آپ نے اس شرط کا اعتبار کیا اور شوہر پر اس کو لازمی قرار دیا"

لیکن امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں اور یہی مسلک امام مالک، امام شافعی کا بھی ہے کہ اس قسم کی مباح شرطیں شوہر پر واجب الایفاء نہیں۔ البتہ چونکہ ہر شرط وعدہ کو متضمن ہوتی ہے اور شرط بھی ایک وعدہ ہے اور ایفاء وعدہ کا حکم دیا گیا ہے، لہٰذا دیانتاً شوہر پر لازم ہے کہ **فیما بینہ و بین اللہ حتی الامکان** اپنی شرط پر قائم رہے لقولہ تعالیٰ **و اوفوا بالعھد** الخ لیکن قاضی شرعی وجوبی طور پر اس کو حکم نہیں دے سکتا، اگر شوہر کسی وجہ سے اس شرط کے خلاف بھی کرتا ہے تو شرعاً اس کو اس کا حق بھی ہے۔ گو بلا ضرورت ایسا کرنے میں وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا **لقولہ تعالیٰ ان العھد کان مسؤلا** لیکن اس کی وجہ سے عورت کو اپنی شرط پر قائم رہنے اور شوہر کی بات نہ ماننے کا حق نہیں۔ یہ مسلک ہے امام صاحب کا جس کا حاصل یہ ہے کہ قضاءً" تو مباح شرطوں کا پورا کرنا ضروری نہیں، البتہ دیانتاً واجب ہے اور جن ضرورتوں کی بناء پر وعدہ خلافی جائز ہوجاتی ہے اگر اس ضرورت کی بنا پر شوہر وعدہ خلافی کرتا ہے تو پھر دیانتاً بھی اجازت ہوگی۔

امام صاحب کے مسلک کی واضح دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کی روایت ہے جس کو سند جید کے ساتھ حافظ ابن حجر نے نقل کیا ہے۔

روی ابن وھب باسناد جید ... ان رجلا تزوج امراۃ فشرط لھا ان لا یخرجھا من دارھا فارتفعوا الی عمر فوضع الشرط و قال المرأۃ مع زوجھا (فتح الباری ج ۹ ص ۲۵ عمدۃ القاری ج

۱۷ ص ۳۳۵)

"ابن وهب نے جید سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور شرط یہ مقرر کی کہ اس کے گھر سے اس کو نہ نکالے گا، مسئلہ حضرت عمر کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپ نے شرط کو تو برطرف فرمایا اور فرمایا کہ عورت اپنے شوہر کے ساتھ ہی رہے گی"

علامہ عینی نے ابو عبیدہ کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے چونکہ روایات مختلف قسم کی منقول ہیں، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو شرط کا حق ہے اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو شرط کا حق نہیں ہے اور حضرت علی سے بھی ایک روایت میں یہی منقول ہے، اس لئے بعد کے لوگوں میں یعنی تابعین میں بھی اختلاف ہوگیا، بعض نے قول اول کو اختیار کیا اور بعض نے ثانی کو۔

(زاد ابو عبیدة و لم یلزمها الشرط و عن علی مثله. قال ابو عبیدة تضادت الروایة عن عمر رضی الله عنه و اختلف فیه التابعون و من بعدهم" (عمدة القاری ج ۱۲ ص ۳۳۵)

تطبیق کی ایک شکل یہ ہو سکتی ہے کہ دیانتاً واجب قرار دیا جائے اور قضاءً واجب نہ کہا جائے اور اسی کے مطابق مختلف روایات کو محمول کیا جائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے صحابہ سے منقول ہے کہ انہوں نے بھی مباح شرط کو شوہر کے ذمہ لازم اور واجب الایفاء قرار نہیں دیا، البتہ وعدہ ہونے کی حیثیت سے اس کی رعایت کرنے کو بہتر فرمایا ہے۔

مؤطا مالک میں ہے۔

" مالک انه بلغه ان سعید بن المسیب سئل عن امراة تشترط علی زوجها انه لا یخرج بها من بلدها فقال سعید بن المسیب یخرج بها ان شاء قال مالک و الامر عندنا انه اذا شرط الرجل للمراة و ان کان ذلک الشرط عند عقدة النکاح ان لا نکح علیک ان ذلک لیس بشئی "۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ ان کو یہ حدیث پہنچی کہ سعید بن المسیب سے ایسی عورت کے متعلق سوال کیا گیا جس نے شوہر سے شرط مقرر کر رکھی تھی کہ اس کے شہر سے اس کو نہ لے جائے گا، آپ نے فرمایا شوہر چاہے تو لے جاسکتا ہے، امام مالک فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک بھی مسئلہ ایسا ہی ہے، شوہر نے اگر یہ شرط لگادی کہ اس کے ہوتے ہوئے دوسرا نکاح نہ کرے گا اگرچہ یہ شرط نفس عقد میں شامل ہو تب بھی یہ شرط ایسی ہے جس کا ہونا نہ ہونا برابر ہے یعنی اس کا کچھ بھی اثر نہ ہوگا۔

اور امام مالک فرماتے ہیں کہ کسی عورت سے نکاح اس شرط پر کیا کہ اس کو مسجد جانے سے نہ روکے گا تو

مناسب یہی ہے کہ شرط کو پورا کردے (بشرطیکہ کوئی مفسدہ نہ ہو) لیکن اس کے مطابق فیصلہ نہ کیا جائے گا (اوجز المسالک شرح مؤطا مالک ج ۲ ص ۳۲۱) قاضی باجی فرماتے ہیں ان سب کا مطلب یہ ہے کہ حکما تو شوہر پر لازم نہیں لیکن ایفاء وعدہ ہونے کی حیثیت سے شوہر کو اس کا حکم دیا جائے گا۔ **و معنی ذالک انه لا یلزمه بالحکم و اما علی الوفاء من الشروط فانه مامور به (ایضا اوجز شرح موطاء ج ۲ ص ۳۲۱)** ابن حبیب نے امام مالک سے اس قسم کی شرطوں کی بابت نقل فرمایا ہے کہ ایسی مباح شرطوں کا پورا کرنا مستحب ہے، شوہر پر لازم و واجب نہیں۔

قال ابن حبیب وقد استحب مالک وغیره من اهل العلم ان لها بما شرط و ان ذلک غیر لازم للزوج (اوجز ج ۲ ص ۳۲۱)

(۳) تیسری روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے جس کو ابن ابی شیبہ نے اور عبد الرزاق نے نقل کیا ہے کہ حضرت علی کی خدمت میں ایک شخص کا قضیہ پیش ہوا، جس نے عورت سے نکاح کیا اور شرط یہ مقرر کی تھی کہ وہ اپنے گھر پر رہے گی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس شرط کا قطعا اعتبار نہیں فرمایا اور فرمایا کہ اللہ کی شرط عورت کی شرط سے پہلے ہے اور اللہ کی شرط یہ ہے **اسکنوهن من حیث سکنتم** جہاں تم رہو وہیں اپنی عورتوں کو رکھو۔

اخرج ابن ابی شیبة و عبد الرزاق عن عباد بن عبد الله قال رفع الی علی رجل تزوج امراة و شرط لها دارها فقال علی شرط الله قبل شرطها او قبل شرطه و لم یرلها شیئا و شرط الله قوله تعالی اسکنوهن من حیث سکنتم (او جز شرح موطاء ج ۲ ص ۳۲۲)

مذکورہ بالا روایات جو حضرت عمر، حضرت سعید بن المسیب اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہیں، ان سے واضح طور پر امام ابو حنیفہ کا مسلک ثابت ہوتا ہے۔ اور امام صاحب کا قول روایات کے عین موافق ہے کہ نکاح میں ذکر کردہ مباح شرطیں شوہر پر لازم العمل نہیں، البتہ وعدہ ہونے کی حیثیت سے ان کا پورا کرنا حتی الامکان مطلوب ہے۔ یعنی قضاءً واجب نہیں دیانتاً واجب ہے۔

حضرت امام مالک کا بھی یہی مسلک ہے جیسا کہ ماقبل میں تفصیل سے گزرا۔ اور امام ترمذی کے بیان کے مطابق امام شافعی (امام احمد) کے ساتھ ہیں، یعنی ان کے نزدیک شرط واجب العمل ہے، لیکن یہ نسبت صحیح نہیں۔ درست بات وہ ہے جو حافظ ابن حجر کے کلام سے معلوم ہوتی ہے کہ امام شافعی امام مالک کے ساتھ ہیں، علامہ عینی نے بھی امام شافعی کا مسلک احناف و مالکیہ کے موافق نقل فرمایا ہے۔ (**فتح الباری ج ۹ ص ۲۱۸ باب الشروط فی النکاح۔ درس ترمذی مولانا تقی عثمانی ج ۳ ص ۲۱۳ عمدة القاری ج ۱۲ ص ۳۳۵**)

نکاح تمام قسم کی شرطوں سے خالی ہونا چاہئے

نکاح میں شرط مقرر کرنے سے متعلق دو قسم کے احکام ہیں۔ ایک تو شرط لگانے کے بعد کا حکم، اس کے متعلق جو تفصیلات تھیں وہ ماقبل میں مذکور ہوئیں۔ دوسرا حکم نفس شرط سے متعلق ہے کہ اس قسم کی مباح شرطوں کے ساتھ نکاح کو مشروط کرنا درست بھی ہے یا نہیں؟ کیونکہ کسی شرط کے واجب العمل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس شرط کا مقرر کرنا بھی درست تھا، نصوص میں غور کرنے اور محققین کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کو تمام قسم کی شرطوں سے خالی ہونا چاہئے۔ نکاح بغیر کسی قید و شرط کے مطلق ہونا چاہئے۔ سنت متوارثہ یہی ہے اس سے عدول کرنا سنت متوارثہ کے خلاف ہے الا یہ کہ ایسی کوئی شرط ہو جو خود مقتضائے عقد کے مطابق ہو اور محدثین کی ایک جماعت کے نزدیک ان احادیث کا مصداق یہی شرطیں ہیں جن کے بارے میں مقرر کردہ شرطوں کے پورا کرنے کی تاکید آئی ہے (**فتح الباری ج ۹ ص ۱۲۵**)

(۱) بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحتا اس نوع کی شرطوں کو ناپسند فرمایا، طبرانی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی راویت ہے جس میں ایک عورت کے اسی نوع کی شرط لگانے کا ذکر ہے۔ اس عورت نے اپنے شوہر سے شرط کر رکھی تھی کہ آپ کے بعد نکاح نہ کروں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو رد فرمایا

اخرج الطبرانی فی الصغیر باسناد حسن عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب ام مبشر بنت البراء بن معرور فقالت انی شرطت لزوجی ان لا اتزوج بعدہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان ھذا لا یصلح (فتح الملھم ج ۲ ص ۲۷۱۔ اوجز شرح مؤطا ج ۲ ص ۳۲۲)

اس سلسلہ میں امام مالک نے بڑی عمدہ بات تحریر فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں۔

انی لاکرہ ان ینکح علی مثل ھذا احد ان لا یخرجھا من بلدھا و لا یمنعھا من حج و لا عمرۃ و لا یمنعھا من داخل یدخل علیھا قال فاذا کان ھکذا فھو لا یملکھا اذا ملکا تاما و لا یستباح البضع الا بملک تام (اوجز المسالک شرح مؤطا مالک ج ۲ ص ۳۳۱)

۔ میں اس کو مکروہ سمجھتا ہوں کہ اس شرط کے ساتھ کوئی نکاح کرے مثلاً یہ کہ عورت کو اس کے شہر سے نہ لے جائے گا، حج، عمرہ سے اس کو منع نہ کرے گا، جو اس کے پاس آنا چاہتا ہے اس پر پابندی نہ لگائے گا، اگر اس قسم کی شرطیں لگائی گئیں تو شوہر کو عورت پر ملک تام حاصل نہ ہوگی۔ اور ملک بضع کی اباحت ملک تام ہی کے ذریعہ

ہوتی ہے"

آگے یہاں تک فرماتے ہیں کہ میں عرصہ سے چاہ رہا ہوں کہ شرطوں کے ساتھ نکاح کرنے پر پابندی لگادوں اور یہ کہ جس کو نکاح کرنا ہو مرد کی دینداری اور اس کی امانت داری پر نکاح کرے اور یہ کہ اس کے متعلق اعلان لکھا جائے اور بازاروں میں اس کی منادی کرادی جائے "

(قال مالک و لقد اشرت منذ زمان ان انهی الناس ان یتزوجوا بالشروط و ان لا یتزوجوا الا علی دین الرجل و امانته و انه کتب بذلک کتابا و صیح به فی الاسواق (اوجز شرح مؤطا ج ۲ ص ۳۲۱)

اس سے معلوم ہوا کہ نکاح تو بغیر کسی شرط کے مطلق ہونا چاہئے ۔ اور نکاح کو شرائط کے ساتھ مشروط کرنا سنت متوارثہ کے خلاف ہے ۔ اور عقل و قیاس کا بھی یہی مقتضی ہے کہ اس قسم کی مباح شرطیں لگانا مناسب نہیں، کیونکہ عورت ہر طرح سے مرد کے تابع و مغلوب ہے ۔ اللہ نے مرد کو عورت کا حاکم بنایا ہے ۔ سفر و حضر میں عورت شوہر کی نیت کے تابع ، نفل نماز ، روزہ میں مرد کی اجازت کی محتاج ، مرد کے ہر جائز امر کے امتثال کا اس کو حکم ہے، پہاڑوں تک منتقل کردینے کی بات آنے پر اس کو سر تسلیم خم کرلینے کا حکم حدیث میں آیا ہے ۔ پھر کہاں کی یہ مباح شرطیں اور کیا فائدہ ان شرطوں سے ؟ اگر شرطیں مقرر بھی کرلی جائیں اور شوہر اس کی خلاف ورزی کرے تو وعدہ خلافی کی وجہ سے وہ بھی گنہگار اور اطاعت نہ کرنے کی وجہ سے عورت بھی نافرمان ۔ پھر ایسی شرط لگانے سے کیا فائدہ جو دونوں کے حق میں مضر ثابت ہوسکتی ہو ۔ البتہ ضرر سے بچنے کے لئے کبھی ضرورت پیش آتی ہے کہ نکاح میں تفویض یعنی عورت کو خود طلاق واقع کرلینے کی شرط مقرر کر لی جائے ۔ اگر ضرورت داعی ہے تو شرعا اس کی اجازت ہے، اس کی تفصیل آگے آرہی ہے ۔

نکاح میں تفویض یعنی عورت کو خود طلاق واقع کرلینے کی شرط لگانے کا حکم

صلا تو شریعت نے شوہر ہی کو یہ اختیار دیا ہے کہ بوقت ضرورت اپنی بیوی کو طلاق دے ۔ لیکن ساتھ ہی اس کی بھی اجازت دی ہے کہ خود طلاق نہ دے کر کسی دوسرے کو طلاق کا اختیار دے دے ۔ جس میں عورت بھی داخل ہے ۔ حتی کہ مرد اگر اپنی بیوی کو طلاق واقع کرلینے کا اختیار دیدے تو یہ بہت صحیح ، عقل و نقل کے موافق ہے ۔

(و اذا جعل الرجل امر امراته بیدها فالحکم فیه کالحکم فی الخیار الا ان هذا صحیح قیاسا و استحسانا لان الزوج مالک لامرها فانما یملکها بهذا اللفظ ماهو مملوک له فیصح

منه و یلزم حتی لا یملک الزوج الرجوع منه (مبسوط سرخسی ج ۶ ص ۲۲۱) ۱۵/۱۱

شمس الائمہ سرخسی نے مبسوط میں تصریح فرمائی ہے کہ مرد نے جب طلاق کو عورت کے ہاتھ میں دے دیا تو یہ قیاس و استحسان کی رو سے بالکل صحیح ہے، کیونکہ شوہر طلاق کا مالک تھا، اگر اپنے مملوک حق کا وہ کسی کو مالک بنادے تو بالکل صحیح اور لازم ہوجائے گا حتی کہ شوہر کو اس سے رجوع کا بھی حق نہ ہوگا (**بحر الرائق ج ۳ ص ۳۱۰**)

اور شوہر کے یہ اختیار دینے کے بعد عورت کو یہ اختیار حاصل ہوجانا ایسا اتفاقی مسئلہ ہے کہ صحابہ میں اس مسئلہ میں سارے لوگ متفق تھے اور متعدد صحابہ سے اس سلسلہ میں روایات منقول ہیں۔

روی ان الصحابة اجمعوا علی المخیرة لها الخیار مادامت فی مجلسها قلت فیه عن ابن مسعود و جابروعمر و عثمان و عبد الله بن عمرو بن العاص (نصب الرایة ج ۳ ص ۲۲۹ اعلاء السنن ج ۱۸ ص ۱۹۸، درایة ص ۲۲۷)

اس لئے ہمارے فقہاء حضرات فرماتے ہیں کہ طلاق جو اصلاً شوہر کا حق ہے اگر عورت کے حوالہ کردے تو عورت بھی اس حق کو استعمال کرسکتی ہے، فقہی اصطلاح میں اس کو تفویض کہتے ہیں۔ پھر یہ تفویض طلاق جس درجہ کی اور جن الفاظ کے ساتھ ہوگی بحیثیت لغت ان کا لحاظ ضروری ہوگا، اگر تفویض مطلق بغیر کسی قید کے ہے تو علی الفور اختیار ہوگا اور مجلس تک محدود ہوگا۔ اور اگر تفویض معلق اور کسی قید کے ساتھ مشروط ہے تو جب بھی شرط پائی جائے گی عورت کو طلاق واقع کرلینے کا اختیار ہوگا ورنہ نہیں۔ پھر اگر کسی ضرورت کی وجہ سے (یعنی ضرر سے بچنے کی وجہ سے) اس تفویض طلاق کو عقد نکاح کے وقت مشروط کردیا جائے یعنی نکاح ہی اس شرط پر ہو کہ اگر یہ شرط پائی گئی (جس میں عورت کا ضرر ہو) تو اس کو طلاق واقع کرلینے کا حق ہوگا تو اس کی بھی گنجائش ہے، کتب فقہ و فتاوی میں اس کی واضح تصریحات موجود ہیں۔

(۱) درمختار میں ہے۔ **نکحها علی ان امرها بیدها صح (در مختار شامی قبیل فصل المشیه من کتاب الطلاق)** یعنی کسی مرد نے اس شرط کے ساتھ کسی عورت سے نکاح کیا کہ طلاق کا اختیار اسی کو رہے گا تو یہ نکاح صحیح ہے۔

(۲) عالمگیری میں بھی واضح تصریح موجود ہے کہ کسی عورت نے اس شرط کے ساتھ نکاح کیا کہ طلاق کا اختیار مجھ کو ہے جب چاہوں گی طلاق واقع کرلوں گی، اس طرح بھی نکاح درست ہے اور اس میں کچھ تفصیل بھی ہے جو انشاء اللہ آئندہ آئے گی۔

تقول المراۃ للمحلل زوجت نفسی منک علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید ثم یقبل الزوج فیصیر الامر بیدھا تطلق نفسھا کلما ارادت (عالمگیری ج ۲ ص ۳۹۲ کتاب الحیل)

(۳) اکابر علماء وفقہاء نے بھی اس کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔ (امداد الاحکام ج ۲ ص ۳۹۳۔ امداد المفتین فتاوی مفتی محمد شفیع صاحب ۱۰۳۷ الحیلۃ الناجزۃ)

تفویض کے بعد شوہر کا حق رجوع باقی نہیں رہتا

شمس الائمہ سرخسی کی تصریح کے مطابق تفویض کے بعد شوہر کو حق رجوع باقی نہیں رہتا حتی لا یملک الزوج الرجوع منہ (مبسوط سرخسی ج ۲ ص ۲۲۱) عالمگیری میں ہے۔

لیس للزوج ان یرجع فی ذلک و لا فیما مما جعل الیھا (عالمگیری ج ۲ ص ۷۵)

در مختار شامی میں ہے و لا یملک الرجوع منہ ای من التفویض (در مختار شامی کتاب الطلاق فصل فی المشیۃ)

ان سب کا حاصل یہ ہے کہ تفویض کے بعد یعنی شوہر کا اپنی بیوی کو طلاق کا اختیار دے دینے کے بعد رجوع کا حق باقی نہیں رہتا۔ اکابر علماء و فقہاء نے بھی اس کی تصریح فرمائی ہے۔

تفویض کی مختلف صورتیں اور ان کے شرعی احکام

پہلی صورت اور اس کی شرط

س کی کل تین صورتیں جائز ہیں، پہلی صورت یہ ہے کہ عقد نکاح سے پہلے شرائط باہمی رضامندی سے طے ہوجائیں اور فریقین کے اس پر دستخط ہوں۔ اس کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت و نسبت بھی موجود ہو مثلاً معاہدہ میں اس طرح لکھا جائے کہ "اگر میں فلانہ بنت فلاں کے ساتھ نکاح کروں اور پھر شرائط مندرجہ اقرار نامہ ہذا میں سے کسی شرط کے خلاف کروں تو مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ اس وقت یا پھر کسی وقت چاہے تو اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہوجائے"

اگر اس میں اضافت الی النکاح نہ لکھی گئی تو یہ اقرار نامہ محض بے کار ہوگا۔ اس کی رو سے عورت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہ ہوگا۔

لما فی تنویر الابصار باب التعلیق و شرطه الملک ... اوالاضافة کان نکحتک فانت طالق - و فی العالمگیریة الفصل الثالث من کتاب الشروط ... و الثانی تعلیق التفویض بالشرط ـ (الحیلة الناجزة ص ۳۱ بتسہیل ـ)

دوسری صورت اور اس کے شرائط

دوسری صورت یہ ہے کہ ضمن ایجاب و قبول میں ان شرائط کا ذکر کیا جائے خواہ ایجاب مشروط ہو یا ایجاب مطلق اور قبول مشروط ہو۔

اس کے صحیح اور معتبر ہونے کی شرط صاحب در مختار نے یہ لکھی ہے کہ اس میں ابتداء یعنی ایجاب عورت کی جانب سے (جس میں شرط اور تفویض کا ذکر ہو) اور قبول مرد کی جانب سے ہونا چاہئے اگر اس کے برعکس ہوا یعنی ایجاب مرد کی جانب سے اور قبول عورت کی جانب سے تو اگرچہ شرط اور تفویض کا ذکر کردیں تب بھی یہ شرط لغو قرار پائے گی اور نکاح بلا کسی شرط کے درست ہوگا۔

نکحها علی ان امرها بیدها صح قال الشامی مقید بما اذا ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسی منک علی ان امری بیدی .. اما لو بدأ الزوج لا تطلق و لا یصیر الامر بیدها کما فی البحر (شامی)

علامہ شامی نے اس کی وجہ بھی لکھی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مرد کی جانب سے ایجاب ہونے کی صورت میں تفویض قبل نکاح ہوگی اور یہ صحیح نہیں (شامی کتاب الطلاق تحت قوله و لا یقع طلاق المولی علی امراة عبده ج ۲ ص ۷۹۹ الحیلة الناجزة ص ۳۳)

لیکن مرد کی جانب سے ایجاب اگر اس طرح ہو کہ "میں نے تجھ سے نکاح کیا اس شرط کے ساتھ کہ تجھ سے نکاح کرنے کے بعد تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہوگا" اور عورت نے اس کو قبول کرلیا تب بھی یہ صورت جائز ہے اور نکاح کے بعد عورت کو تفویض یعنی خود طلاق واقع کرلینے کا اختیار ہوگا فتاوی عالمگیری میں اس کی تصریح موجود ہے۔

(حیلة اخری ان یقول الزوج المحلل للمراة تزوجتک علی ان امرک بیدک بعد ما تزوجتک و طلقی نفسک کلما تریدین فقالت المراة قبلت یصیر الامر بیدها ایضا (عالمگیری کتاب الحیل ج ۲ ص ۳۹۲)

تیسری صورت اور زبردستی اقرار نامہ لکھوانے کا حکم

تیسری صورت یہ ہے کہ نکاح کے بعد کوئی اقرار نامہ شوہر کی جانب سے لکھوایا جائے، جس میں عورت کو حق تفویض دیا گیا ہو۔ یہ صورت بھی بلاشبہ درست ہے۔ اور مذکورہ بالا شرائط میں سے کوئی شرط بھی اس صورت میں لازم نہیں۔ حتیٰ کہ شوہر کی رضامندی بھی شرط نہیں یعنی اگر اس طرح کا اقرار نامہ جبر و اکراہ کے ساتھ شوہر سے لکھوا لیا گیا تب بھی عورت کو یہ حق حاصل ہوجائے گا۔ جیسا کہ فتاویٰ خانیہ کی عبارت سے مستفاد ہوتا ہے، وہ عبارت یہ ہے۔

" لسلطان اذا اکرہ رجلا لیوکله بطلاق امراته فقال الرجل مخالفة الضرب و الحبس انت و کیلی فطلق الوکیل امراته فقال الرجل لم ارد بقولی انت وکیلی بالطلاق لا یصدق و تطلق امراته لان کلام الرجل جوابا لکلام السلطان و کلنی بطلاق امراتک (خانیة علی هامش عالمگیری ج ۳ ص ۲۸ کتاب الوکالة)

" بادشاہ نے جب کسی شخص کو مجبور کردیا کہ اپنی عورت کو طلاق دینے کا اس کو وکیل بنادے، چنانچہ اس شخص نے ضرب و قید کے ڈر سے کہہ دیا کہ آپ میرے وکیل ہیں، پس وکیل نے اس کی بیوی کو طلاق دے دی اب وہ شخص کہتا ہے کہ میں نے وکالت سے وکیل بالطلاق مراد نہیں لیا تو اس کی بات نہ مانی جائے گی، اور طلاق واقع ہوجائے گی کیونکہ مرد کا کلام سلطان کے اس کلام کا جواب ہے کہ مجھ کو اپنی عورت کے طلاق کا وکیل بنادو "

اس سے معلوم ہوا کہ بالجبر بھی اگر شوہر سے یہ حق حاصل کرلیا جائے تب بھی یہ حق حاصل ہوتا ہے اور طلاق واقع کرلینے کی صورت میں طلاق بھی واقع ہوجاتی ہے۔ تفویض و توکیل رسالہ کا ایک ہی حکم ہے، فقہاء نے واضح الفاظ میں تصریح فرمائی ہے کہ اگر طلاق دینے یا اس کا وکیل بنانے پر کسی کو مجبور کیا گیا اور اس نے طلاق دے دی یا وکیل بنادیا تو بھی درست ہے۔

و ان اکرہ علی طلاق او عتاق او توکیل بهما ففعل ای اعتق عبده او طلق امراته او وکل بهما فاعتق الوکیل او طلق نفسه لان الاکراہ لا ینافی الاهلیة (مجمع الانهر شرح ملتقی الابحر ج ۲ ص ۲۳۲ کتاب الاکراہ) کیونکہ اس میں رضامندی شرط نہیں فاما العتق و الطلاق فلا یشترط فیهما الرضا (بحر الرائق ج ۸ ص ۷۵)

تفویض و اختیار کی تحدید

تفویض کے بعد عورت کو یہ اختیار کب تک باقی رہے گا آیا شوہر اس اختیار کو ختم کرسکتا ہے یا نہیں اور

عورت اس اختیار کو کب تک استعمال کرنے کی مجاز ہے ؟ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل تفصیل ہے ۔

(۱) تفویض کے بعد شوہر کو حق رجوع باقی نہیں رہتا، جس کی تفصیل اور فقہی عبارات ماقبل میں گذر چکیں ۔

(۲) دوسرے یہ کہ عورت کب تک اس اختیار کو استعمال کر سکتی ہے ، اس کے لئے ان الفاظ کو دیکھنا چاہئے جن الفاظ سے عورت کو تفویض کی گئی ہے یا جن الفاظ سے عورت نے اپنے لئے اس حق کو باقی رکھا ہے ۔ اگر وہ الفاظ اور صیغے عام نہیں ہیں ، مثلاً اس طرح شرط مقرر کی کہ اگر شوہر نے ایسی حرکت کی تو عورت کو اختیار ہوگا اس صورت میں تو عورت کو صرف ایک ہی مرتبہ طلاق واقع کر کے شوہر سے علحدگی کا حق ہوگا ، اور جس مجلس میں عورت کو خلاف شرط کا علم ہو اسی مجلس تک اختیار ہوگا ۔ اس وقت خاموشی یا رضا مندی ظاہر کرنے کے بعد یا مجلس ختم ہوجانے کے بعد اس کا اختیار باطل ہو جائے گا ۔ اور اگر تفویض عام صیغوں کے ساتھ ہوئی تھی اس طرح کہ جب جب ایسا ہو ، جب بھی شوہر ایسی حرکت کرے ، عورت کو طلاق واقع کرلینے کا اختیار ہوگا ، ایسی صورت میں عورت کا اختیار ایک مرتبہ کے ساتھ یا اس مجلس تک محدود نہ ہوگا ، بلکہ خلاف شرط جب بھی کوئی امر پایا جائے گا ، عورت کو طلاق واقع کرلینے کا اختیار ہوگا ۔ کتب فقہ شامی بحر وغیرہ میں اس کی تصریحات موجود ہیں ۔

احتیاطی تدابیر

لیکن اس کے باوجود عورت چونکہ ناقص العقل ہے ، اس لئے طلاق کو اس کے ہاتھ میں دے دینا خطرہ سے خالی نہیں ، اس لئے مناسب ہے کہ ضرر سے حفاظت کے لئے تفویض تو کی جائے ، لیکن اس میں مناسب قیدیں بھی لگادی جائیں تاکہ عورت اس کا غلط استعمال نہ کرسکے ، اور وہ یہ کہ مثلاً نکاح کے وقت عورت کی طرف سے اس کا وکیل یا ولی یا خود عورت یا قاضی نکاح خواں ، اس طرح کہے کہ میں نے مسماۃ ۔۔ فلانہ بنت فلاں کو تمہارے نکاح میں اس شرط پر دیا کہ جس وقت اس کو تم سے شدید تکلیف پہونچے گی ، یا عورت کو حق تلفی اور ظلم کی شکایت ہوگی ، جس کو فلاں فلاں اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کرلیں اور وہ دونوں آدمی طلاق کو مناسب کہیں تو اس کے بعد ہر وقت معاملہ اس کے اختیار میں ہوگا کہ اپنے آپ کو ایک طلاق بائن واقع کر کے نکاح سے علحدگی اختیار کرلے اور اس جگہ مناسب ہے کہ اختیار عورت کو اس وقت ہوگا جب کہ یہ تسلیم کردہ اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کرلیں کہ واقعی عورت شدید تکلیف میں ہے ۔ مرد ظالم ہے اور طلاق مناسب ہے اور اس کے بعد بھی عورت کو چاہئے کہ استخارہ ، مشورہ ، اور دعاء اور انجام کو سوچنے کے بعد انشراح کے ساتھ اس حق کو استعمال کرے ورنہ کبھی بعد میں افسوس کرنا پڑتا ہے ۔ (الحیلۃ الناجزۃ مختصراً ص ۳۵)

تعلیق و تردید کے ساتھ مہر متعین کرنے کا شرعی حکم

فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ کسی شخص کا عورت سے اس شرط کے ساتھ نکاح کرنا کہ اگر عورت کو اس کے شہر سے نہ لے جائے گا تو ایک ہزار مہر اور اگر اس کے شہر سے لے جائے گا تو دو ہزار مہر ہوگا۔ اس طرح مہر مقرر کرنے کی صورت میں نکاح تو بہرحال درست ہوگا، البتہ امام صاحب کے نزدیک مہر کی بابت پہلی شرط معتبر اور دوسری شرط فاسد ہے یعنی اگر شوہر اپنی شرط پر قائم رہا تو ایک ہزار مہر ہوگا ورنہ دوسری صورت میں شرط کا اعتبار نہ کرتے ہوئے مہر مثل لازم ہوگا۔

لیکن صاحبین کے نزدیک دونوں ہی شرطیں جائز ہیں یعنی اگر شرط کے خلاف کیا تو دو ہزار مہر لازم ہوگا۔ عام طور پر فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

اذا تزوجها على الف ان لم تكن له امراة و على الفين ان كانت له امراة او على الف ان لم يخرجها من البلدة و على الفين ان اخرجها فالنكاح جائز و المعتبر فى المهر الشرط الاول ان وفى به فلها المسمى على ذلك الشرط و ان لم يف فلها مهر المثل لا ينقص من الاقل و لايزاد على الاكثر . و قال ابو يوسف و محمد الشرطان جائزان (فتاوى تاتار خانية ج ٣ ص ١٠١. عالمگیری ج ١ ص ٣٠٧ بدائع ج ٢ ص ٢٨٧. بحر ج ٣ ص ١٥٩ مبسوط ج ٥ ص ٩٠)

امام صاحب کے مسلک کی توضیح اور غلط فہمی کا ازالہ

مشہور تو یہی ہے کہ اس مسئلہ میں امام صاحب کے نزدیک جس مہر کا ذکر پہلے کیا گیا ہو وہی تسمیہ صحیح ہے اور دوسری شق کا مقرر کردہ مہر معتبر نہیں بلکہ اس صورت میں مہر مثل لازم ہوگا۔ لیکن یہاں پر یہ بات غور کرنے کی ہے کہ امام صاحب کے نزدیک شق اول کا تسمیہ کیوں معتبر اور شق ثانی کا غیر معتبر ہوتا ہے، خواہ اول ہو یا ثانی اس سے کوئی واسطہ نہیں۔ محقق ابن ہمام فتح القدیر میں امام صاحب کے مسلک کی دلیل بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

وجه قول ابى حنيفة انه لا خطر فى التسمية الاولى بل هى منجزة بخلاف الثانية فهى معلقة (فتح القدير ج ٣ ص ٢٣٣)

"امام صاحب کے قول کی وجہ یہ ہے کہ پہلے تسمیہ میں یعنی شق اول میں جو مہر مقرر ہوا ہے اس میں کوئی خطرہ نہیں کیونکہ وہ منجز ہے اس لئے یہ معتبر ہے، بخلاف شق ثانی کے کہ وہ معلق ہے اس لئے غیر معتبر ہے"

اس سے معلوم ہوا کہ وہ مہر جو تعلیق کے ساتھ مقرر ہو وہ صحیح نہیں اور جو تنجیز کی صورت میں ہو وہ صحیح ہے خواہ اول ہو یا ثانی۔

فقیہ النفس ابن نجیم بحرالرائق میں تحریر فرماتے ہیں۔

"تسمیہ اولی کی صحت کا مدار صرف اس پر ہے کہ وہ منجز ہے معلق نہیں، اور یہ صرف اسی صورت میں منطبق ہوتا ہے جبکہ شوہر نے یہ کہا کہ اگر عورت کے شہر میں مقیم رہا تو ایک ہزار، لیکن اس صورت میں جب کہ شوہر نے کہا کہ اگر منکوحہ کی سوکن کو طلاق دیدے تو ایک ہزار اور اگر طلاق نہ دے تو دو ہزار مہر پر نکاح ہوگا، اس صورت میں حکم مختلف ہوگا یعنی پہلی صورت کا تسمیہ فاسد اور دوسرا صحیح ہوگا، کیونکہ اس صورت میں طلاق نہ دینا یہ تنجیز ہے۔ لہذا پہلا تسمیہ فاسد اور دوسرا صحیح ہوگا"

(اعلم ان قولهم هنا بصحة التسمية الاولى فقط بناء على انها منجزة ... الى قوله و اما على نحو الف ان طلق ضرتها و على الفين ان لم يطلق فعلى العكس لان المنجز الآن عدم الطلاق فينبغى فساد الاولى و صحة الثانية (بحر الرائق ج ۳ ص ۱۷۲) اس تفصیل کے پیش نظر علی الاطلاق یہ کہنا درست نہیں کہ امام صاحب کے نزدیک جس مہر کا ذکر پہلے ہو وہ صحیح اور دوسرا فاسد ہوگا بلکہ درست یہ ہے کہ جو تسمیہ بصورت تنجیز ہو وہ درست ہوگا اور جو بصورت تعلیق ہو وہ درست نہ ہوگا۔

صورت مسئولہ کا حکم

لہذا صورت مسئولہ میں اگر شوہر نے اس شرط پر نکاح کیا کہ اگر بیوی کو وہ طلاق دے گا تو مہر بیس ہزار ہوگا اور اگر طلاق نہ دی تو دس ہزار ہوگا۔ اس صورت میں چونکہ پہلی مہر معلق ہے اور دوسری صورت میں منجز ہے اس لئے پہلا مہر درست نہ ہوگا اور دوسرا صحیح ہوگا" **فافهم و تدبر** "یہ مسلک امام صاحب کا ہے۔ امام صاحب کے مسلک کے مطابق اگر کوئی صورت مفید مطلب ہو سکتی ہو تو اس کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

صاحبین کا مسلک

البتہ صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں معتبر اور دونوں صورتوں میں مہر کا تسمیہ درست ہے۔ لیکن ہمارے تمام فقہاء نے اس مسئلہ میں امام صاحب کے مسلک کو راجح قرار دیا ہے جیسا کہ کتب فقہ کی ترتیب بیان سے واضح ہے۔ نیز دلائل کے اعتبار سے بھی امام صاحب کے مسلک کو قوی تر قرار دیا ہے اور صاحبین کے مسلک کو مرجوح

قرار دیا ہے ۔ اس لئے اصحاب ترجیح کی ترجیح یا دلائل کی قوت کے پیش نظر تو صاحبین کا مسلک اختیار کرنے کی اجازت نہیں ، البتہ ضرورت کی وجہ سے جب ضعیف قول نیز دیگر مذاہب پر فتوی دینے کی اجازت ہے تو صاحبین کے مسلک پر بدرجہ اولی ہونا چاہئے ، لیکن وہ ضرورت واقعی ضرورت بھی ہو ، اس کی بناء صحیح ہو ، اور وہ ضرورت صاحبین کے مسلک کو اختیار کرنے سے پوری بھی ہوتی ہو ، غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کی بنیاد پر صاحبین کے مسلک کو اختیار کرنا بے سود ہے ، جس کی تفصیل یہ ہے ۔

صاحبین کے مسلک کو اختیار کرنا مسئلہ کا حل نہیں

ضرورت کو اگر تسلیم بھی کرلیا جائے تب بھی اس ضرورت کی وجہ سے صاحبین کے مسلک کو اختیار کرنا بے سود اور خلاف عقل و نقل ہے ، کیونکہ اس مسلک کو اختیار کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ مہر کی کثرت کی وجہ سے شوہر طلاق نہ دے سکے ، اور یہ نظریہ کہ مہر اس قدر زیادہ کردو تا کہ شوہر طلاق دینے کی ہمت نہ کرسکے شرعا بھی مردود ہے اور عقلا بھی ۔ کیونکہ شریعت نے خود بعض حالات میں طلاق کو تجویز کیا ہے ۔ حقوق کی ادائیگی نہ کرسکنے کی صورت میں شوہر کو طلاق دینے ہی کا شرعی حکم ہے ، لہٰذا بالقصد ایسی تدبیر اختیار کرنا جس سے کہ طلاق کا دروازہ ہی گویا بند کردیا جائے یہ درست نہیں ، کیونکہ یہ تو تغییر مشروع کے مرادف ہے ، اور عقلی اعتبار سے بھی اگر دیکھا جائے تب بھی یہ تدبیر غیر مفید بلکہ مضر ہے ، کیونکہ بسا اوقات طلاق لینے کی واقعی ضرورت پیش آتی ہے اور مہر کی زیادتی کی وجہ سے شوہر طلاق نہیں دیتا ، اور ظلم پر ظلم کرتا رہتا ہے ، نیز اس طرح مہر کی کثرت عموما شوہروں کے طلاق دینے سے مانع بھی نہیں بنتیں ۔ طلاق دینے پر جب آمادہ ہوتے ہیں تو مہر کی قلت و کثرت کا ان کو خیال بھی نہیں ہوتا ۔

الغرض طلاق نہ دینے کے خطرہ سے مہر کی زیادتی کا تصور ہی سرے سے غلط ہے ، کیونکہ بسا اوقات باہمی نباہ نہ ہونے کی وجہ سے طلاق دینا ہی شوہر بیوی دونوں کے حق میں مفید ہوتا ہے ۔

اس سلسلہ میں حضرت تھانوی کی ایک تحریر بھی ملاحظہ ہو ۔

حضرت تھانوی کی رائے

۔ بعض عقلمند مہر کی زیادتی میں یہ مصلحت سمجھتے ہیں کہ چھوڑ نہ سکے گا ۔ اگر مہر کم ہو تو شوہر پر کوئی بار نہیں پڑتا ۔ اور اس کو امر سے کوئی مانع نہیں ہوتا کہ اس کو چھوڑ کر دوسری کرلے اور مہر کی کثرت میں ذرا رکاوٹ رہتی ہے ، یہ عذر بالکل لغو ہے جن کو چھوڑنا ہوتا ہے وہ چھوڑ ہی دیتے ہیں خواہ کچھ بھی ہو ، دوسرے نہ چھوڑ سکنا ہر جگہ تو

مصلحت نہیں ہے (کیونکہ) جو لوگ مہر کے مطالبہ کے خوف سے نہیں چھوڑتے وہ چھوڑنے سے بدتر کردیتے ہیں یعنی تطلیق کی جگہ تعلیق عمل میں لاتے ہیں کہ نکاح سے نہیں نکلتے مگر حقوق بھی ادا نہیں کرتے ان کا کوئی کیا کرلیتا ہے۔ جس کے دل میں خدا کا خوف نہ ہو تو اس کو کوئی چیز کسی امر سے نہیں روک سکتی۔ (**اصلاح انقلاب للتھانوی ج ۱ ص ۱۳۵۔ اسلامی شادی ص ۱۶۷۔ مطبوعہ پاکستان**)

حضرت گنگوہی کا فتوی

حضرت گنگوہی اس شرط کے ساتھ نکاح کرنے کو کہ "اگر یہ مرد دوسرا نکاح کرے گا تو اس دوسری عورت کو طلاق" اس شرط کے ساتھ نکاح کرنے کی بابت ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"چونکہ اصل مسئلہ شرعیہ یہ ہے کہ مرد کو بشرط (استطاعت) چار تک زوجات درست ہیں اس لئے ایسی شرط رائج کرنا ہرگز اصول شریعت کے سزاوار و مطابق نہیں۔ **فانکحوا ما طاب لکم الایۃ** (نص صریح ہے جس کا) اقل درجہ اباحت ہے پس اس میں اشتراط مذکورہ کو رواج و شائع کرنا بیشک اس اباحت کی مخالفت اور حکمت شرعیہ تعدد ازواج کو روکنا ہے، بلکہ بعض اوقات بعض ضرورت کے سبب نکاح ثانی کی سخت احتیاج ہوجاتی ہے، لہذا اس قسم کی شرطوں کے موقوف کرنے کی سعی مناسب ہے۔ اور جس مسلمان حاکم کی ریاست میں اس کا شیوع ہو اس کو چاہئے کہ اس کے ختم کرنے کی کوشش کرے" (**فتاوی رشیدیہ ص ۳۸۲**)

جس طریقہ سے شریعت نے ہر مرد کو چار عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے نکاح ثانی و ثالث کو مباح قرار دیا ہے اور اس کے خلاف کی شرط لگانا، اس کی سعی کرنا، امر اباحت کی مخالفت نیز تغییر مشروع اور اصول شرع کے خلاف ہے، اسی طرح یہاں بھی سمجھئے کہ جب شریعت نے شوہر کو ضرورت کے وقت طلاق دینے کی اجازت دی ہے اور طلاق دینا ایک امر مباح ہے' (**صرح بہ فی البحر و الفتح**) اس کے خلاف ایسی کوئی تدبیر اختیار کرنا (جیسا کہ صاحبین کا مسلک اختیار کر کے قصداً کیا جارہا ہے) کہ شوہر طلاق کا اقدام نہ کرسکے یہ تدبیر و سعی بھی امر مباح کی مخالفت، تغییر مشروع اور اصول شرع و مزاج شریعت کے خلاف ہے۔ اس کا رواج دینا بھی قطعاً درست نہ ہوگا۔

اور یہ تاویل بے سود ہے کہ سعی و تدبیر اس طلاق کی بندش ہے جو ناجائز اور غیر مشروع ہو، کیونکہ اس تدبیر کے بعد مشروع صورتوں میں بھی طلاق دینے میں رکاوٹ ہوگی۔

اور صاحبین کا جو مسلک ہے وہ اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے۔ صاحبین نے دونوں شرطوں کو جائز قرار دیا ہے اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس طرح مہر مقرر کرنے کی صورت میں دونوں شقوں میں حسب شرط مہر مسمی

ہی لازم ہوگا، مہر مثل کسی صورت میں لازم نہ ہوگا۔ یہی مقصود ہے اس مسئلہ کا، باقی یہ ہے کہ اس طرح کی شرط لگانا یا اس طرح مہر مقرر کرنا کہ طلاق دے گا تو اتنا مہر ورنہ اتنا اس طرح شرط مقرر کرنے کا فی نفسہ حکم کیا ہے۔ یہاں پر اس سے کوئی تعرض نہیں، اس کا شرعی حکم وہی ہے جو ماقبل میں مذکور ہوا۔

الغرض چونکہ جس بنیاد پر صاحبین کے مسلک کو اختیار کیا جارہا ہے وہ بنیاد عقلاً و نقلاً مردود ہے، لہذا صورت مسئولہ میں صاحبین کے مسلک کو اختیار کرنے کی اجازت نہیں۔ واللہ اعلم

مناسب حیلہ اور مفید تدبیر

لیکن اگر کسی کے نزدیک اس کی واقعی ضرورت و افادیت مسلم ہو تو اس کے لئے ایک حیلہ ہے جس کو ہمارے فقہاء نے تحریر فرمایا ہے۔ عالمگیری میں بھی منقول ہے وہ یہ کہ عورت شوہر سے اس طرح نکاح کرے کہ میں اتنے مہر پر اس شرط کے ساتھ نکاح کرتی ہوں (اور اس شرط کو ذکر کردے جو اس کو منظور ہے) مثلاً یہ کہ مجھ کو طلاق نہ دے یا میرے ہوتے ہوتے کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے اور اگر اس شرط کے خلاف کیا تو بجائے مہر مسمی کے مہر مثل لازم ہوگا اور مہر مثل کی تعیین بھی کردے کہ مہر مثل اتنا ہوگا (جو شوہر پر ثقیل ہوگا) اور شوہر اس کا اقرار بھی کرلے، اس صورت کو فقہاء نے جائز قرار دیا ہے۔ خلاف شرط ہونے کی صورت میں شوہر پر مہر مثل لازم ہوگا اور چونکہ وہ کثیر مقدار میں ہوگا لہذا شوہر اس شرط کے خلاف کی جرأت نہ کرسکے گا۔ فتاوی عالمگیری میں یہ حیلہ موجود ہے۔

رجل اراد ان یتزوج امراة فخافت المراة ان یخرجها من تلک البلدة او خافت ان یتزوج علیها فارادت التوثق منه بغیر یمین فالحیلة ان تزوجه نفسها علی مهر مسمی علی ان لا یخرجها من البلدة و ان اخرجها من البلدة فلها تمام مهر مثلها و یقر الزوج ان مهر مثل نسائها کذا و کذا بشئی اکثر من هذا مما یثقل علی الزوج ... عالمگیری کتاب الحیل ج ۲ ص ۳۹۲۔

ضرورت کے وقت ضرورت کی حد تک اس کو اختیار کیا جاسکتا ہے لیکن ایسے امور کا رواج دینا شریعت کی مراد کے خلاف بلکہ تغیر مشروع کے مرادف ہوگا۔ واللہ اعلم۔

بیوی کو ملازمت سے نہ روکنے کی شرط پر نکاح کرنا

(۱) فقہاء و محدثین نے تصریح فرمائی ہے کہ نکاح میں عائد کردہ وہ شرطیں جو مقتضاء عقد کے خلاف، حقوق زوجیت کے منافی، یا کسی غیر مشروع امر پر مشتمل ہوں ایسی شرطیں، باطل اور ان کا پورا کرنا واجب نہیں بلکہ بعض

صورتوں میں جائز نہیں۔ اس قسم کی تصریحات ماقبل میں تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہیں۔ **(عینی شرح بخاری ج ۱۱ ص ۲۲۱۔ فتح الباری ج ۹ ص ۱۳۵)**

(۲) اور عقد نکاح کے تقاضے اور اس کے حقوق میں یہ بھی داخل ہے کہ شوہر کو بیوی پر ملک تام حاصل ہو جہاں شوہر رہے عورت کو ساتھ رکھے۔ ایسی کوئی شرط لگانا جس سے ملک تام حاصل نہ ہو عقد نکاح کے تقاضوں کے خلاف اور حقوق زوجیت کے منافی ہے۔

عقد نکاح کے ساتھ عائد کی جانے والی شرطیں اور ان کا حکم

مولانا نور الحق رحمانی ☆

شرائط کا مسئلہ عقود و معاملات کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ دونوں کے سلسلے میں فقہاء کے اقوال یکساں ہیں۔ اس سلسلے میں پہلا نقطۂ نظر یہ ہے کہ عقود اور شرائط میں اصل حرمت اور ممانعت ہے۔ عقود اور شرائط کی صرف وہ صورتیں جائز ہیں جن کی حلت و اباحت کتاب و سنت کے نصوص سے ثابت ہیں۔ باقی وہ عقود و شروط جن کی حرمت منصوص ہے، یا جن کے بارے میں نصوص خاموش ہیں وہ تمام ازروئے شرع حرام ہیں۔ اس سلسلہ میں دوسرا قول یہ ہے کہ عقود و شرائط میں اصل اباحت اور حلت ہے، الا یہ کہ حرمت و بطلان پر کوئی شرعی دلیل قائم ہوجائے۔ تیسرا مسلک ان دونوں انتہاؤں کے بیچ میں ہے۔

اہل ظاہر کا مسلک

اصحاب ظاہر چونکہ نصوص کے ظاہر پر عمل کرتے ہیں، نہ وہ احکام کی علتوں سے بحث کرتے ہیں نہ قیاس کا ان کے نزدیک اعتبار ہے، اس بنا پر ان کے نزدیک عقود و معاملات اور شرائط کی صرف وہ صورتیں جائز قرار پائیں گی جن کی اباحت منصوص ہے۔ لہذا اگر صلب عقد میں کسی ایسی شرط کا تذکرہ کیا گیا جس کا ذکر کتاب و سنت میں نہیں ہے تو عقد باطل قرار پائے گا۔ وہ صرف ان سات شرائط کو صحیح اور لازم قرار دیتے ہیں جن کا ذکر کتاب و سنت

☆ استاذ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ، بہار

کے نصوص میں وارد ہے (۱) یعنی خرید و فروخت میں رہن کی شرط (۲) خرید و فروخت میں اگر ثمن زر حقیقی سونا اور چاندی ہو تو ثمن کی ادائیگی کو ایک مقررہ مدت تک مؤخر کرنے کی شرط (۳) ثمن کو مدت کی قطعی تعیین کے بغیر محض خوشحال ہونے تک ادا کرنے کی شرط، (۴) خرید و فروخت میں فریقین کا باہمی رضامندی سے مبیع یا ثمن کی صفات میں سے کسی خاص صفت کی شرط لگانا، (۵) خرید و فروخت میں فریقین یا دونوں میں سے کسی ایک کی طرف سے تین دنوں کے خیار کی شرط جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبان بن منقذ کو جنھیں خرید و فروخت میں نقصان ہوتا تھا خیار شرط کی تعلیم دی تھی اور فرمایا تھا: **اذا تبایعت فقل لا خلابة ثم انک بالخیار ثلاثة ایام؛ مسلم کتاب البیوع؛** (۶) کھجور کے درخت کی تابیر (مطلب یہ ہے کہ کھجور کی شاخوں میں پھول آجانے کے بعد مادہ کھجور کے خوشوں کو پھاڑ کر اس میں کھجور کے خوشوں کا پھول ڈالتے ہیں۔ ایسا کرنے سے پھل زیادہ ہوتا ہے) کے بعد اسے فروخت کرنے کی صورت میں خریدار کا یہ شرط لگانا کہ درخت کا پھل میرا ہوگا، کیونکہ حدیث میں اس کی اجازت آئی ہے۔ اگر یہ شرط نہ لگائی جائے مطلق درخت کی بیع ہو تو اصولی طور پر اس کا پھل بائع کا ہوتا ہے (۷) غلام کی بیع کی صورت میں خریدار کا یہ شرط لگانا کہ غلام کا مال میرا ہوگا، جب کہ شرط نہ لگانے کی صورت میں فروخت شدہ غلام کا مال مالک کا قرار پاتا ہے۔

عن عبد اللہ بن عمر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول، من ابتاع نخلا بعد ان تؤبر فثمرتها للذی باعها الا ان یشترط المبتاع و من ابتاع عبدا فماله للذی باعه الا ان یشترط المبتاع؛ مسلم کتاب البیوع باب من باع نخلا علیها تمر (موسوعة السنة صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۱۷۳)

ان سات شرائط کے علاوہ اگر متعاقدین بوقت عقد کوئی اور شرط لگائیں تو شرط بھی باطل اور عقد بھی باطل ہوگا۔ ہاں اگر شرط فاسد ختم کردی گئی تو پھر عقد صحیح ہوجائے گا (دیکھئے **المحلی لابن حزم ج ۸ ص ۲۱۲-۲۲۰**)

اہل ظاہر کا استدلال حدیث بریرہ سے ہے جو بخاری میں کتاب العتق میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: وہ فرماتی ہیں کہ بریرہ جو مکاتبہ (باندی) تھیں وہ ان کے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ آپ مجھے خرید کر آزاد فرمادیجئے، حضرت عائشہ نے فرمایا ٹھیک ہے، تو حضرت بریرہ نے کہا کہ وہ لوگ مجھے اس شرط پر فروخت کریں گے کہ میری ولاء انھیں حاصل ہو (آزاد شدہ غلام اور باندی کے انتقال کے وقت شرعی وارث اصحاب فرائض اور عصبہ وغیرہ نہ ہو تو ان کا ترکہ آزاد کرنے والے مالک کا ہوتا ہے اس کو ولاء کہا جاتا ہے) تو حضرت عائشہ نے فرمایا کہ پھر تو مجھے اس کی ضرورت نہیں۔ چنانچہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سنی، یا انھیں اس کی اطلاع ہوئی تو

انھوں نے حضرت عائشہ سے دریافت فرمایا تو حضرت عائشہ نے حضرت بریرہ کی بات ان سے نقل کی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تو اسے خرید لے اور آزاد کردے اور ان کے مالک جو شرط لگانا چاہیں انھیں لگانے دے۔ چنانچہ حضرت عائشہ نے انھیں خرید کر آزاد کردیا۔ بریرہ کے مالک نے ولاء کی شرط لگائی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ولاء تو آزاد کرنے والے کا حق ہے خواہ بیچنے والے سو شرطیں ہی کیوں نہ لگائیں، **الولاء لمن اعتق وان اشترطوا مائة شرط (بخاری)**

اور بخاری شریف کی دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسم نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ تم بریرہ کو خرید لو اور اس کے مالک اپنے لئے ولاء کی شرط لگائیں تو ان کی یہ شرط منظور کرلو۔ ولاء تو آزاد کرنے والے ہی کا حق ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ نے ایسا ہی کیا پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ کچھ لوگوں کی یہ کیا حالت ہے کہ وہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں۔ ہر ایسی شرط جو کتاب اللہ میں نہیں وہ باطل ہے چاہے سو شرطیں کیوں نہ ہوں۔ اللہ کا فیصلہ ہی برحق ہے اور اللہ کی شرط ہی قابل اعتماد و اعتبار ہے، اور ولاء تو آزاد کرنے والے کا حق ہے (**بخاری کتاب العتق**)

علامہ ابن حزم اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بائع کا اپنے سے ولاء کی شرط لگانا مباح تھا ممنوع نہیں تھا، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ بریرہ کے مالک لوگ جو شرط لگانا چاہتے ہیں انھیں لگانے دو۔ یہ بات حضور جبھی فرماسکتے ہیں جبکہ یہ شرط مباح ہو کیونکہ آپ نہ کسی امر باطل کو مباح قرار دے سکتے ہیں اور نہ کسی کو دھوکہ دے سکتے ہیں پھر اللہ تعالی نے اس شرط کو منسوخ فرمایا کیونکہ آنحضور نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ شرط باطل ہے اور بطور قاعدہ کلیہ کے فرمایا کہ (**ماکان من شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل**) اس سے معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث میں منصوص شرائط کے علاوہ ہر شرط باطل ہے،اور قرآن کریم کی وہ آیات اور احادیث جن میں تکمیل شرط اور ایفائے عہد پر زور دیا گیا ہے ان کے بارے میں علامہ ابن حزم یہ فرماتے ہیں کہ ان سے استدلال کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ وہ آیات اپنے عموم پر نہیں ہیں، کیونکہ قرآن نے معاصی اور اللہ تعالی کی ممنوع کردہ چیزوں سے اجتناب کا حکم دیا ہے۔ اب اگر کوئی شخص کوئی ایسا معاہدہ کرے جو از روئے شرع حرام ہے تو اس کا پورا کرنا حرام ہے،اور حدیث بخاری سے معلوم ہوا کہ جو شرط کتاب اللہ میں مذکور نہیں وہ باطل ہے اور باطل حرام ہے لہذا اگر کسی شرط حرام پر معاہدہ ہوجائے تو اس کا پورا کرنا جائز نہ ہوگا، وہ معاملہ ہی باطل قرار پائے گا۔

لیکن علامہ ابن حزم کا (**ماکان من شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل،** جو شرط کتاب اللہ میں مذکور نہیں وہ باطل ہے) سے یہ استدلال کرنا کہ کتاب و سنت کے نصوص جن شرائط کے ذکر سے خاموش ہیں اس حدیث کی رو سے وہ سب باطل ہیں، صحیح نہیں، کیونکہ اسی حدیث سے اس کی وضاحت ہوجاتی ہے کہ کتاب اللہ میں جو شرط مذکور نہیں اس سے مراد بائع کا اپنے لئے ولاء کی شرط لگانا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو " **ماکان من شرط لیس فی کتاب اللہ** " قرار دیا اور ظاہر ہے کہ بائع کا اپنے لئے ولاء کی شرط لگانا شرط باطل ہے کیونکہ ولاء شرعاً آزاد کرنے والے کا حق ہے نہ کہ بائع کا اور شرط باطل غیر معتبر ہوتی ہے، اسی بنا پر آنحضور نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ تم بریرہ کو خرید کر آزاد کردو۔ وہ لوگ اپنے لئے ولاء کی شرط لگائیں تو لگانے دو (اس کا شرعاً اعتبار نہیں) ولاء تو آزاد کرنے والے کا حق ہے۔ **الولاء لمن اعتق** پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ میں موجود نہ ہونے والی شرط سے وہ شرط مراد ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہے نہ کہ وہ شرط جس سے کتاب اللہ خاموش ہے۔ اسی پر آپ نے نکیر فرمائی اور ایسی شرطیں لگانے سے منع فرمایا۔ اس لئے یہ کہنا کہ ولاء کی شرط لگانا مباح تھا، صحیح نہیں۔ حدیث کا یہ ٹکڑا کہ **خذیہ و اشترطی الولاء فانما الولاء لمن اعتق** اس کی صریح طور پر تردید کر رہا ہے، اور اس سے صاف طور پر معلوم ہورہا ہے کہ اپنے لئے ولاء کی شرط لگانا شرط باطل ہے، وہ لغو قرار پائے گا اور عقد بیع پر اس کا کوئی اثر مرتب نہ ہوگا۔

اہل ظاہر کے اس قول کی رو سے عقود و شرائط کا دائرہ بالکل تنگ ہوجاتا ہے ظاہر ہے کہ یہ قول اسلامی شریعت کی وسعت و سماحت، یسر و سہولت، کمال و جامعیت، اس کی نرمی اور لچک اور ہر دور کا ساتھ دینے اور لوگوں کی مشکلات و مسائل کو حل کرنے کی بھرپور صلاحیت سے میل نہیں کھاتا، انسانی زندگی تغیر پذیر ہے۔ زمانہ کی ترقیات، اور نئی ایجادات کے نتیجے میں لوگوں کی ضروریات میں بھی دن بدن اضافہ ہورہا ہے۔ اور لوگوں کے درمیان تعامل کی نئی نئی صورتیں پیدا ہورہی ہیں۔ اگر اہل ظاہر کے قول پر عمل کیا جائے تو عقود و معاملات کی ان تمام صورتوں کو باطل قرار دینا ہوگا جن کا اس وقت رواج ہے اور جن کی انسانوں کو ضرورت ہے۔ اس کے نتیجے میں لوگ دین سے دور ہوں گے اور شریعت کی طرف سے ان کا اعتماد مجروح ہوگا اور وہ یہ سمجھیں گے کہ اس دین میں زمانہ کی ترقیات کا ساتھ دینے اور لوگوں کی ضروریات پوری کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس میں کمال اور ابدیت کی شان ہے، اور یہ انسانوں کی جملہ ضروریات و مشکلات کو حل کرنے کی صلاحیت سے بھرپور ہے۔

اسی طرح شریعت نے جو عقود و معاملات میں شرط کا اعتبار کیا ہے اس کے پیچھے یہ حکمت کار فرما ہے کہ کبھی انسان کا کوئی خاص نشانہ اور مقصد ہوتا ہے، اس کی کوئی مصلحت اور منفعت ہوتی ہے اور غیر مشروط عقد کی صورت

میں اس کا حصول ممکن نہیں ہوتا، اور بوقت عقد، شرط کے ذریعہ انسان اپنے اس مقصد کو حاصل کرسکتا ہے۔ اب اگر ان تمام شرائط کو باطل اور غیر معتبر قرار دیا جائے جن کا ذکر شرعی نصوص میں موجود نہیں تو لوگوں کو حرج اور تنگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اللہ تعالی کی کسی امر میں خاموشی بھی بر بنائے رحمت ہے اس لئے علی الاطلاق ایسے تمام امور کو حرام قرار نہیں دیا جاسکتا۔

حنابلہ کا مسلک

اس کے برخلاف حنابلہ اور علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم کا مسلک ہے علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ عبادات میں تو اصل بطلان ہے یہاں تک کہ ان کے ماموربہ ہونے پر کوئی دلیل شرعی قائم ہوجائے، اور عقود و معاملات جائز ہوتی ہیں۔ یا اس کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اسے اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے جائے گا یا اس کے رہتے ہوئے دوسرا نکاح نہیں کرے گا یا یہ کہ شوہر اسے ملازمت کرنے دے گا یا لگی ہوئی ملازمت کو نہیں چھڑائے گا، یا گھر سے باہر کوئی پیشہ اختیار کرنے کی اجازت دے گا وغیرہ یا شوہر کا یہ شرط لگانا کہ بیوی تعلیم یافتہ ہو، خوبصورت ہو، یا باکرہ ہو یا ان عیوب سے پاک ہو جن کی بنیاد پر فسخ نکاح کا اختیار حاصل نہیں ہوتا، مثلاً بیوی اندھی نہ ہو، کانی نہ ہو، گونگی بہری لنگڑی لولی نہ ہو وغیرہ۔ یہ تمام شرائط ان کے نزدیک صحیح اور لازم الایفاء ہیں، اور شرط فوت ہونے کی صورت میں شرط لگانے والے فریق کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوگا۔ وہ کہتے ہیں کہ جو شرط شریعت کی طرف سے ممنوع نہیں ہے نہ نکاح کے اصل مقصود کے خلاف ہے تو وہ شرعاً جائز ہے، اور جب شرط کی حیثیت سے اسے قبول کرلیا گیا تو اس کی پابندی کا تو خاص طور پر تاکیدی حکم دیا گیا ہے، جیسا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور شرائط کے سلسلے میں اصل صحت اور اباحت ہے الا یہ کہ اس کے بطلان اور حرمت پر کوئی شرعی دلیل قائم ہوجائے (اعلام الموقعین ج ۱ ص ۳۸۲)

اس قول کی رو سے شرائط کے سلسلے میں اصل اباحت ہے لہذا ان کے نزدیک وہ تمام شرائط جائز ہیں جن کی حرمت کے سلسلے میں کوئی شرعی حکم موجود نہیں۔ ان کا استدلال کتاب و سنت کے ان عام نصوص سے ہے جن میں عہد و میثاق اور عقود و شروط کی پابندی کا حکم دیا گیا ہے اور غدر و خیانت اور نقض عہد سے منع کیا گیا، جن کا ہم نے شروع میں تذکرہ کیا مثلاً **یا ایھا الذین آمنوا اوفوا بالعقود (المائدۃ)** اور "**المسلمون عند شروطھم**" وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ اس قول کی رو سے عقود اور شرائط کے سلسلے میں بڑا توسع اور بڑی آزادی پیدا ہوجاتی ہے۔ اور عقد نکاح کے سلسلے میں اس کا خطرہ پیدا ہوجاتا ہے کہ وہ عاقدین کے ارادے سے متاثر ہو اور اس

کا وہ تقدس ختم ہوجائے جو شرعاً اسے حاصل ہے ۔ حنابلہ کے نزدیک شرط صحیح وہ ہے جو مقتضائے عقد کے مطابق ہو یا مقتضائے عقد کے مطابق تو نہ ہو لیکن اس میں عاقدین میں سے کسی کی منفعت ہو بشرطیکہ اس سے نکاح کے اصل مقصود میں خلل واقع نہ ہو اور نہ وہ شرعاً ممنوع ہو ، مثلاً عورت کی طرف سے یہ شرط لگایا جانا کہ شوہر اس کی ضروریات کی کفالت کرے گا ، اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا ، کہ یہ چیزیں عقد نکاح ہی کی رو سے شوہر پر کا ارشاد ہے ۔ **ان احق الشروط ان توفوابها ما استحللتم به الفروج** ۔ اسی طرح وہ حضرت عمر فاروق کے اثر سے استدلال کرتے ہیں کہ ان کے عہد میں ایک شخص نے اس شرط پر نکاح کیا کہ وہ بیوی کو اس کے گھر سے باہر نہ لے جائے گا پھر کچھ عرصہ کے بعد اس نے بیوی کو منتقل کرنا چاہا تو بیوی رضامند نہ ہوئی مقدمہ حضرت عمر کی عدالت میں پیش ہوا اور آپ نے اس پر اس شرط کی پابندی کو لازم قرار دیتے ہوئے فرمایا:

مقاطع الحقوق عند الشروط (البخاری کتاب النکاح باب الشروط فی النکاح باب ۵۲ موسوعة السنة)

علامہ ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں ۔

باب الشروط فی النکاح وهی قسمان صحیح مثل اشتراط زیادة فی المهر او ان لا یخرجها من دارها او بلدها او لا یتزوج علیها ولا یتسری ۔ فهذا صحیح لازم ان فی به و الا فلها الفسخ (المغنی ج ۳ ص ۲۳۹)

اور شرط غیر صحیح یا شرط فاسد ان کے نزدیک وہ ہے ، جس کے بارے میں شریعت کی طرف سے نہی وارد ہو یا جو نکاح کے اصل مقصود کے خلاف ہو یا جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو ، پھر اس کی دو قسمیں ہیں ، ایک وہ کہ شرط باطل ہوجاتی ہے اور نکاح صحیح رہتا ہے مثلاً ایسی شرط جس کے بارے میں شریعت میں نہی وارد ہو مثلاً بیوی کی طرف سے یہ شرط لگایا جانا کہ شوہر اپنی پہلی بیوی کو طلاق دیدے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے ، یا شوہر کی طرف سے یہ شرط لگایا جانا کہ وہ اسے کوئی مہر نہیں دے گا ، یا اس کا نفقہ اس کے ذمہ نہ ہوگا وغیرہ ، کہ یہ دونوں شرطیں قرآن کی نص کے خلاف ہیں ۔ قرآن نے مہر کی ادائیگی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا " **وآتوا النساء صدقاتهن نحلة** " (النساء ، ۴) عورتوں کو ان کا مہر خوشی کے ساتھ دیدو ، اور نفقہ کے بارے میں حکم ہے " **و علی المولود له رزقهن و کسوتهن بالمعروف** " (البقرة) بچے کے باپ پر بیویوں کا روزینہ اولاد کا کپڑا بھلے طریقہ پر دینا واجب ہے ۔ یا یہ شرط لگانا کہ شوہر بیوی سے صحبت نہ کرے ، یا یہ کہ انہیں اس نکاح سے کوئی اولاد نہ ہو ، کیونکہ یہ ایسی شرط ہے جو نکاح کے بنیادی مقاصد کے خلاف ہے کیونکہ نکاح کا بنیادی مقصد جنسی تسکین اور حصول اولاد ہے ۔ اس قسم کی شرطوں کا حکم یہ ہے کہ یہ باطل ہوجائے گی اور

نکاح کی صحت پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ ابن قدامہ لکھتے ہیں۔

القسم الثانی، ما یبطل الشرط و یصح العقد مثل ان یشترط ان لا مهرلها و ان لا ینفق علیها او ان اصدقها رجع علیها۔ ان تشترط ان لا یطأها او یعزل عنها او یقسم لها اقل من قسم صاحبتها او اکثر فهذه الشروط کلها باطلة فی نفسها لانها تنافی مقتضی العقد ولانه تتضمن اسقاط حق تجب بالعقد قبل انعقاده فلم یصح کما لو اسقط الشفیع شفعته قبل البیع۔ فاما العقد فی نفسه فیصح (المغنی ج ۲ ص ۵۵۰)

(۱) دوسری وہ شرطیں ہیں جو عقد نکاح ہی کو باطل کردیتی ہیں، مثلاً ہر وہ شرط جس سے نکاح مؤقت قرار پاتا ہو اور وہ نکاح متعہ ہے، یا متعین وقت میں طلاق دینے کی شرط یا کسی شرط پر نکاح کو معلق کرنا مثلاً لڑکی کا ولی کہے کہ میں نے اس لڑکی کا نکاح تم سے کردیا بشرطیکہ اس کی ماں راضی ہو یا فلاں شخص راضی ہو یا نکاح میں خیار کی شرطیں عاقدین کے لئے یا کسی اور کے لئے، اسی طرح نکاح شغار جس میں بیوی کا مہر دوسری عورت کی شادی قرار پاتی ہے۔ یہ تمام شرطیں خود باطل ہیں اور نکاح کو بھی باطل کردیتی ہیں۔ (دیکھئے **المغنی ج ۵ ص ۵۵۱**)

جمہور فقہاء کے نزدیک شرط صحیح کی تعریف

احناف، شوافع اور مالکیہ کا مسلک عقود و شروط کے سلسلے میں قدرے اعتدال پر مبنی ہے، نہ اس میں اہل ظاہر کی طرح حد سے زیادہ تنگی ہے نہ حنابلہ کی طرح حد سے زیادہ توسع۔ اس سلسلے میں اصل تو ان کے یہاں حظر و ممانعت ہی ہے اور اس کی بنیاد وہ حدیث ہے جس میں بیع اور شرط سے منع کیا گیا ہے (**نهی رسول الله صلی الله علیه وسلم عن بیع و شرط** (**المستدرک للحاکم**) لیکن وہ اس سے ان شرائط کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں جو مقتضائے عقد کے مطابق ہوں یا مقتضائے عقد کو مؤکد کرنے والی ہوں، یا جن کے بارے میں کوئی نص وارد ہو یا جن کا عرف میں رواج ہو۔ یہ ائمہ چونکہ احکام کی علتوں سے بحث کرتے ہیں اور قیاس اور عرف کے اصول پر ان کا عمل ہے اس لئے وہ نہی کی علت وقوع نزاع کو قرار دے کر ان شرائط کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں، جن سے نص خاموش ہے اور عرف کی بنیاد پر نزاع کا احتمال باقی نہیں رہتا۔ درمختار کتاب البیوع میں شرط صحیح کی تعریف اس طرح کی گئی ہے۔

فیصح البیع بشرط یقتضیه العقد کشرط الملک للمشتری ... اولا یقتضیه لکن یلائمه کشرط رهن معلوم و کفیل حاضر ... او جری العرف به کبیع نعل ... علی ان یحذوه البائع او

یشرکہ (الدر المختار ج ۵ ص ۸۶۔ ۸۷)

الاصل الجامع فی فساد العقد بسبب شرط لا یقتضیه العقد ولا یلائمه وفیه نفع لاحدهما او فیه نفع المبیع هو من اهل الاستحقاق للنفع بان یکون آدمیا ... ولم یجر العرف به ولم یرد الشرع بجوازه۔ اما لوجری العرف به کبیع نعل مع شرط تشریکه او ورد الشرع به کخیار شرط فلا فساد (حوالہ سابق ص ۸۴۔ ۸۵)

مذکورہ بالا عبارتوں کی روشنی میں احناف کے نزدیک شرط صحیح کی تعریف یہ نکلتی ہے کہ ہر وہ شرط جو مقتضائے عقد کے مطابق ہو، یا مقتضائے عقد کو مؤکد کرنے والی ہو، یا جس کے بارے میں کوئی شرعی نص وارد ہو یا جس کا عرفا رواج ہو، وہ شرط صحیح ہے۔ اور جو شرط ان چاروں قسموں کے سوا ہو یعنی جو نہ مقتضائے عقد کے مطابق ہو نہ مقتضائے عقد کو ثابت کرنے والی ہو۔ نہ اس کے سلسلے میں کوئی نص شرعی ہو، نہ عرف میں اس کا رواج ہو وہ شرط فاسد ہے۔

مقتضائے عقد کے مطابق ہونے کا مطلب یہ کہ خود عقد نکاح کے نتیجہ میں جو احکام فریقین پر عائد ہوتے ہیں بوقت نکاح اسی کو شرط کی صورت میں ذکر کیا جائے، مثلا بیوی کی طرف سے مہر اور نفقہ کی شرط یا مناسب رہائش کی شرط یا حسن معاشرت کی شرط یا شوہر کی طرف سے یہ شرط کہ بیوی اس کی اطاعت کرے گی، اس کے گھربار کی دیکھ ریکھ کرے گی، اس کے حکم کے بغیر گھر سے باہر نہیں جائے گی، اور نافرمانی کی صورت میں شوہر کو اس کی تادیب کا حق ہوگا کہ یہ تمام چیزیں خود عقد نکاح کے احکام کے طور پر ثابت ہوتی ہیں۔

اور مقتضائے عقد کے مناسب اور ان کو مؤکد کرنے والی شرطیں، مثلا عورت کی طرف سے مہر اور نفقہ کے لئے کسی کو ضامن اور کفیل مقرر کرنے کی شرط کہ مہر و نفقہ کا وجوب تو عقد نکاح کی بنیاد پر ہوتا ہے، لیکن کفالت کی شرط سے ان کا حصول آسان اور مؤکد ہوجائے گا۔ یا مثلا بیوی کی طرف سے یہ شرط کہ وہ اسے اپنے گھر والوں سے علحدہ کمرہ میں رکھے گا۔

اور کسی ایسی چیز کی شرط لگانا جس کی شریعت میں دلیل موجود ہو اور جو شرعی لحاظ سے مباح ہو، مثلا شوہر کا یہ شرط لگانا کہ اگر زوجین کے درمیان ازدواجی تعلقات خوشگوار نہ رہے تو اسے طلاق کا حق ہوگا۔ یا بیوی کا یہ شرط لگانا کہ فلاں فلاں صورت میں اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا۔ کہ یہ دونوں نہ مقتضائے عقد کے مطابق ہیں نہ اس کے مقتضی کو مؤکد کرنے والی ہیں لیکن شریعت میں اس کی اجازت موجود ہے کہ ازدواجی تعلقات کے خراب ہونے کی صورت میں شریعت نے مرد کو طلاق کا اور عورت کو خلع اور فسخ نکاح کے ذریعہ رہائی حاصل کرنے

کا حق دیا ہے ۔

اور کوئی ایسی شرط لگانا جس کا عرف میں رواج اور لوگوں میں تعامل ہو ، مثلاً شوہر کا یہ شرط لگانا کہ وہ صرف نصف مہر فوری طور پر ادا کردے گا اور باقی مہر مؤجل ہوگا ، یا بیوی کا یہ شرط لگانا کہ وہ نصف مہر فوری طور پر وصول کرے گی ، جب کہ اس علاقے میں ایسا ہی رواج ہو ۔

یہ تمام شرطیں صحیح اور لازم الایفاء ہیں ، لیکن اگر ان کا التزام کرنے والے فریق نے ان کی خلاف ورزی کی تو شرط لگانے والے فریق کو شریعت کے مقررہ ضابطوں کے مطابق چارہ جوئی کا حق تو حاصل ہوگا لیکن فسخ نکاح کا اختیار نہ ہوگا ۔ کیونکہ احناف کے نزدیک نکاح کی صحت کے لئے محض ایجاب و قبول کا صادر ہونا ضروری ہے ۔ فریقین کی رضامندی ضروری نہیں ہے ، اس بنا پر ان کے نزدیک مکرہ کا نکاح بھی منعقد ہوجاتا ہے حالانکہ مکرہ کی رضامندی تو ابتداً ہی نہیں ہے اور جب نکاح رضا مندی کے بغیر ابتداً ہی منعقد ہوجاتا ہے تو بقاء بدرجہ اولی منعقد ہوگا ۔ احناف کا استدلال اس حدیث سے ہے ، جس میں نکاح ، طلاق اور عتاق کے ہزل اور مذاق کو بھی سنجیدگی پر محمول کیا گیا ہے

(ثلاث جدھن جدو ھزلھن جد . النکاح و الطلاق والرجعة (مشکوۃ عن ابی ھریرۃ ج ۵ ص ۲۸۳ باب الخلع و الطلاق)

خلاصہ یہ ہے کہ احناف کے نزدیک شرط صحیح کی خلاف ورزی کی صورت میں فریق ثانی کو فسخ نکاح کا اختیار نہ ہوگا ۔

شرط فاسد اور اس کا حکم

شرط فاسد وہ ہے جو مقتضائے عقد کے منافی اور احکام شرع کی رو سے ناجائز ہو ، لیکن اس میں فریقین میں سے کسی ایک کی منفعت ہو اور شریعت میں اس کے جواز کی کوئی دلیل وارد نہ ہو اور نہ لوگوں کے درمیان اس کا تعامل ہو ، مثلاً شوہر کا یہ شرط لگانا کہ وہ بیوی کو مہر نہ دے گا ، یا اس کا نان و نفقہ اس کے ذمہ نہ ہوگا ۔ یا یہ کہ بیوی ہی گھر کے اخراجات کی کفالت کرے گی یا دونوں کے مسلمان ہونے کی صورت میں یہ شرط لگانا کہ مرنے کے بعد وہ ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے یا بیوی کا یہ شرط لگانا کہ وہ اسے اپنی دوسری بیویوں پر نان و نفقہ اور باری کی تقسیم میں فوقیت دے گا ، یا یہ کہ وہ شوہر کی اجازت کے بغیر اپنی مرضی سے جہاں چاہے گی جائے گی ، یا یہ کہ وہ اس کے رہتے ہوئے دوسری شادی نہیں کرے گا ۔ یا اس کو اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے جائے گا ، یا ملازمت کرنے دے گا وغیرہ ۔

اور اس نوعیت کی شرطوں کا حکم یہ ہے کہ وہ باطل ہوجائیں گی اور عقد نکاح پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑے گا

بلکہ عقد صحیح رہے گا۔ جمہور فقہاء کا مسلک اس سلسلے میں یہی ہے۔ اور اس کی دلیل حدیث بریرہ ہے جو پہلے گزر چکی اور جس میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا تھا (**خذیها و اشترطی الولاء فان الولاء لمن اعتق (بخاری کتاب الشروط)**

حضرت بریرہ کے مالکوں نے انھیں حضرت عائشہ کے ہاتھ فروخت کرتے وقت ان کی ولاء کی شرط اپنے لئے لگائی تھی جو شرط فاسد تھی، حضرت عائشہ نے آنحضور کے حکم کے مطابق ان کی یہ شرط قبول فرمالی تھی، پھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کو باطل اور بیع کو نافذ قرار دیا۔ معلوم ہوا کہ عقد شرط سے فاسد نہیں ہوتا۔

شرط کی صحت اور عدم صحت کے سلسلے میں مذکورہ بالا مسلک احناف کا ہے، اور تقریباً یہی مسلک شوافع اور مالکیہ یعنی جمہور فقہاء کا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ وہ شرط صحیح کی دو قسمیں قرار دیتے ہیں (۱) شرط صحیح غیر مکروہ (۲) شرط صحیح مکروہ۔ اس دوسری قسم میں وہ درج ذیل شرائط کو داخل کرتے ہیں، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ وہ اس کے رہتے ہوتے دوسری شادی نہیں کرے گا، اسے اس کے آبائی وطن سے باہر نہ لے جائے گا وغیرہ۔ اور ان شرائط کی تکمیل کو وہ مستحب قرار دیتے ہیں، لازم قرار نہیں دیتے اور جمہور ہی کی طرح شرط کی خلاف ورزی کی صورت میں فریق ثانی کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں دیتے، اس طرح نتیجہ کے لحاظ سے وہ جمہور کے ساتھ ہیں۔

اور شرط صحیح غیر مکروہ میں وہ درج ذیل شرائط کو داخل کرتے ہیں، مثلاً مرد کا یہ شرط لگانا کہ عورت ان عیوب سے پاک ہو جن کی بناء پر فسخ نکاح کا اختیار حاصل نہیں ہوتا، مثلاً ہاتھ پیر اور قوت سماعت و بصارت کا صحیح سالم ہونا، یا عورت کا تعلیم یافتہ اور خوبصورت ہونا وغیرہ، اور شرط کے فوت ہونے کی صورت میں وہ فریق ثانی کو فسخ نکاح کا اختیار دیتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل اور جمہور ائمہ کے نقطہ نظر میں فرق یہ ہے کہ امام احمد نکاح کے ساتھ عائد کی جانے والی شرطوں میں اصل صحت کو قرار دیتے ہیں جب تک کہ کوئی شرعی دلیل اس کے بطلان اور فساد پر قائم نہ ہوجائے، اور جمہور ائمہ فرماتے ہیں کہ اصل شرط میں عدم الزام ہے جب تک کہ الزام کو ثابت کرنے والی کوئی شرعی دلیل (نص یا قیاس یا عرف) نہ پائی جائے، توگویا محل اختلاف وہ شرائط ہیں جن کی صحت یا عدم صحت کے سلسلے میں کوئی خاص دلیل نہیں۔ امام احمد انھیں صحیح قرار دیتے ہیں اور جمہور فقہاء انہیں لغو قرار دیتے ہیں۔

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں سوالنامہ میں مذکور تینوں قسموں کی شرائط کا حکم درج ذیل ہوگا:

(۱) بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا، اس نوعیت کی شرطیں جن کے ذریعہ کسی فریق پر

کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داریاں فریقین پر عائد ہوتی ہیں انھیں کا شرائط کی صورت میں ذکر کیا جانا، مقتضائے عقد کے ذیل میں آتی ہیں، اس لئے وہ باتفاق ائمہ شرائط صحیحہ اور لازم الایفاء ہیں، لیکن ان کا یہ ذکر کرنا نہ کرنا دونوں برابر ہے ۔ اور شرط کی خلاف ورزی کی صورت میں فریق ثانی کو فسخ نکاح کا اختیار نہ ہوگا، بلکہ ازدواجی حقوق کی عدم ادائیگی کی صورت میں شریعت نے زوجین میں سے ہر ایک کو دوسرے کے خلاف جس کارروائی اور چارہ جوئی کا حق دیا ہے شریعت کے مقررہ ضابطوں کے مطابق انھیں اس کا حق حاصل ہوگا۔

(۲) بوقت نکاح شوہر کا یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان و نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا، اس نوعیت کی شرطیں جن کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو یا اللہ تعالی کے واجب کردہ کسی حق کو ساقط کرنا اور حکم شرعی کو بدلنا ہو مقتضائے عقد اور احکام شرع کے خلاف ہونے کی وجہ سے بالاتفاق شرائط فاسدہ کے ذیل میں آتی ہیں، اس لئے باطل قرار پائیں گی، لیکن نکاح کی صحت کے لئے مانع نہیں بنیں گی ۔ اگر شوہر نے نان و نفقہ کی نفی کی ہے تو بھی نان و نفقہ واجب ہوگا اور مہر کی نفی کی ہے تو دخول یا موت کے بعد مہر مثل واجب ہوگا اور اگر خلوت صحیحہ سے قبل طلاق ہوگئی تو متعہ واجب ہوگا (اللہ تعالی کا ارشاد ہے : **لاجناح عليكم ان طلقتم النساء مالم تمسوهن او تفرضوا لهن فريضة و متعوهن (البقرة ٥۔٢٣٦)**

و ان تزوجها و لم يسم لها مهرا او تزوجها على ان لا مهر لها فلها مهر مثلها ان دخل بها او مات عنها (الهداية باب المهر ج ٢ ص ٣٢٢)

(۳) بوقت نکاح عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا، یہ احناف اور شوافع کے نزدیک شروط فاسدہ کے ذیل میں آتی ہیں، کیونکہ ان میں شوہر کے ان حقوق کو ساقط کرنا ہے جنھیں شریعت نے اسے عطا کیا، اور اسے ایک امر مشروع سے روکنا ہے کیونکہ شریعت نے مرد کو ایک سے زیادہ چار تک شادیوں کی اجازت دی ہے (**فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى و ثلاث و رباع (النساء۔ ٣)** اسی طرح بیوی کو اپنے ساتھ رکھنے کا حق دیا ہے **اسكنوهن من حيث سكنتم من وجدكم (الطلاق۔ ٦)** نکاح کے مصالح میں جنسی تسکین اور گھر کی تنظیم کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اور ان مقاصد کا حصول پوری طرح جب ہی ممکن ہے جب کہ بیوی شوہر کے ساتھ ہو ورنہ نکاح کے یہ مقاصد متاثر ہوں گے، اس لئے بیوی کی طرف سے ایسی شرطوں کا عائد کیا جانا شرط فاسد ہے، اس لئے شوہر پر اس کی تعمیل واجب نہ ہوگی، البتہ ان کے ذکر سے عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، عقد صحیح رہے گا اور شرط فاسد ہوجائے گی۔

امام مالک کے نزدیک یہ دونوں شرطیں صحیحہ مکروہہ میں داخل ہیں کیونکہ وہ نکاح کے اصل مقصود کے منافی نہیں، نہ ان کے ذریعہ احکام شرعیہ میں سے کسی حکم کو ساقط کرنا لازم آتا ہے بلکہ یہ شوہر کا حق ہے اور شوہر کو اپنے حق سے دست بردار ہونے کا اختیار ہے۔ لیکن چونکہ ان کی وجہ سے شوہر پر تنگی لازم آتی ہے اس لئے وہ مکروہ ہیں۔ اس طرح کی شرط کا حکم ان کے نزدیک یہ ہے کہ وہ اصل عقد کے ساتھ لاحق ہوجائیں گی، لیکن شرط قبول کرنے والے فریق پر اس کی تعمیل واجب نہ ہوگی شوہر پر اس کی تعمیل مستحب ہوگی اور خلاف ورزی کی صورت میں بیوی کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل نہ ہوگا، اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک جیسا کہ پہلے بھی مذکور ہوا یہ شرطیں شرائط صحیحہ کے ذیل میں آتی ہیں، چونکہ ان میں عورت کی منفعت ہے اور یہ نکاح کے اصل مقصود کے منافی نہیں ہیں، اس لئے شوہر پر ان کی تعمیل واجب ہوگی اور خلاف ورزی کی صورت میں بیوی کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوگا۔

اور اگر کوئی ایسی شرط لگائی گئی جو ازروئے شرع ممنوع ہے اور جس سے دوسرے کو ضرر لاحق ہوتا ہے، مثلاً بیوی کی طرف سے اپنی سوکن کو طلاق دینے کی شرط، تو باتفاق ائمہ یہ شرط فاسد ہے لہذا یہ لغو ہوجائے گی اور بلا ضرورت طلاق دینا علی حالہ حرام رہے گا۔

احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ نکاح میں شرائط کو جمہور ائمہ کے مسلک کے تابع رکھا جائے تا کہ عقد نکاح انتشار سے محفوظ رہ سکے، اور لوگ ازدواجی زندگی کو اپنی خواہشات کے تابع نہ بنائیں۔ اگر اس سلسلے میں امام احمد کے مسلک کو اختیار کیا جائے جس میں بے حد توسع ہے تو اس بات کا خطرہ ہے کہ نکاح عاقدین کے تابع ہوجائے اور اس کا تقدس ختم ہوجائے جو شریعت نے اسے عطا کیا ہے۔ اور اس کی حیثیت بھی یورپ اور امریکہ کے ملکوں میں انجام پانے والے شہری نکاح کی سی ہوجائے، جو وقتی جذبات و خواہشات کی بنیاد پر وجود میں آتا ہے اور عارضی غصہ کی بنیاد پر ختم ہوجاتا ہے۔

(ج) عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، اور شوہر اس شرط کو تسلیم کرتا ہے تو فقہ حنفی کی رو سے یہ شرط صحیح قرار پائے گی۔ اور اس کی وجہ سے عورت کو مذکورہ صورتوں میں طلاق کا اختیار حاصل ہوجائے گا۔ شریعت نے زوجین میں سے ہر ایک کے لئے بوقت ضرورت قید نکاح سے آزادی حاصل کرنے کی سہولت رکھی ہے، شوہر طلاق کے ذریعہ اپنے اس حق کو براہ راست استعمال کرسکتا ہے، اور بیوی خلع اور فسخ کے ذریعہ یعنی شوہر اور قاضی کے واسطہ سے، نیز شریعت نے جس طرح شوہر کو بطور خود طلاق کے استعمال کا حق دیا ہے اسی طرح اس حق کو دوسرے کے سپرد کرنے، اور طلاق دینے کے لئے کسی کو وکیل بنانے کا حق بھی دیا ہے۔ لہذا اگر شوہر بوقت نکاح بیوی کو یہ

اختیار تفویض کردے ، یا بیوی کی طرف سے عائد کردہ شرط کی بنیاد پر کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا ، اس کی یہ شرط قبول کرلے تو اس کی بنیاد پر بیوی کو حسب تصریح مخصوص حالات میں یا مطلقاً اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہوجائے گا ۔ اور اگر بعد میں چل کر شوہر اس تفویض طلاق کو ختم کرنا چاہے تو اسے اس کا اختیار باقی نہیں رہے گا ۔ درمختار میں ہے **نکحها علی ان امرها بیدها صح** (الدر المختار ج ۳ ص ۳۲۹)

علامہ شامی اس کی شرح میں فرماتے ہیں :

(**قوله صح**) **مقید بما اذا ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسی منک علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید او علی انی طالق فقال الزوج قبلت . اما بدأ الزوج لا تطلق و لا یصیر الامر بیدها کما فی البحر عن الخلاصة البزازیة** (حاشیة رد المحتار علی الدر ج ۳ ص ۳۲۹)

نکاح میں شرط کی تین صورتیں ہیں

(۱) عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہوجائیں اور اس کی تحریر پر دستخط طرفین سے ہوجائیں ۔ اس صورت میں بیوی کی طرف حق طلاق کے منتقل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ شوہر شرائط نامہ میں اس بات کی صراحت کردے کہ اگر میں فلاں بنت فلاں سے نکاح کروں تو فلاں فلاں صورتوں میں اسے اپنے اوپر طلاق بائن واقع کرنے کا اختیار ہوگا ۔ اگر شرائط نامہ میں نکاح کی طرف نسبت نہ کی گئی تو پھر اس کا اختیار نہ ہوگا ۔

(۲) اور اگر عقد نکاح ہی میں ان شرائط کا ذکر کیا جائے تو بھی صحیح ہے بشرطیکہ عورت کی طرف سے ایجاب مشروط ہو ، مثلاً عورت یوں کہے کہ میں نے تم سے اس شرط پر نکاح کیا کہ فلاں فلاں صورتوں میں مجھے اپنے اوپر طلاق بائن واقع کرنے کا اختیار ہوگا اور اس کے جواب میں مرد کہے میں نے قبول کیا تو یہ تفویض صحیح ہوگی ، اور شرائط نامہ کے مطابق عورت کو اپنے اوپر طلاق بائن واقع کرنے کا اختیار حاصل ہوگا ۔

اور اگر عورت کی طرف سے ایجاب مطلق ہو اور مرد قبول میں شرط تفویض کا اضافہ کردے تب بھی تفویض درست ہوگی ۔ لیکن اگر عورت کی طرف سے ایجاب مطلق ہو تو معاملہ اس کے ہاتھ سے نکل جائے گا ، اب شوہر کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو شرط کا اضافہ کرے یا نہ کرے ۔ بالفرض اگر اس نے شرط تفویض کا اضافہ نہ کیا تو پھر عورت کو طلاق کا اختیار حاصل نہ ہوگا ۔

(۳) اگر عقد نکاح کے بعد مابین طرفین کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے جس کی رو سے مخصوص صورتوں میں ، یا مطلقاً طلاق کا اختیار بیوی کی طرف منتقل ہوتا ہو اور اس پر فریقین کے دستخط ہوجائیں تو بھی یہ تفویض درست ہوگی ، اور حسب شرائط بیوی کو طلاق کا اختیار حاصل ہوجائے گا ۔

یہ حکم تو فتوی اور مسئلہ کی رو سے ہوا، لیکن جہاں تک مصلحت اور احتیاط کی بات ہے تو اس کا تقاضہ یہ ہے کہ تفویض طلاق کی اس صورت کو رواج نہ دیا جائے، کیونکہ اس سے مصالح شرع اور مقاصد نکاح کے ضائع ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔ صنف نازک کی زود رنجی، سریع الانفعالی اور ناعاقبت اندیشی ایک مسلمہ حقیقت ہے جس کی طرف حدیث میں بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ اسی بناء پر شریعت نے اسے براہ راست طلاق کے استعمال کا حق نہیں دیا ہے۔ آج صورت حال یہ ہے کہ ہمارا مسلم معاشرہ جہالت اور ناخواندگی کا شکار ہے، دین سے دوری اور احکام شرع سے ناواقفیت عام ہے، شراب اور نشہ خوری کا بھی کسی درجے میں رواج ہے، لوگوں کی اخلاقی و روحانی تربیت کا کوئی موثر اور قابل ذکر نظام نہیں۔ جس کی بنا پر بہت سے مرد حق طلاق کا بیجا استعمال کرتے ہیں۔ اور اشتعال اور جذبات میں آکر ایک ساتھ تینوں طلاقیں دے ڈالتے ہیں، جس کی وجہ سے بہت سی معاشرتی خرابیاں رونما ہوتی ہیں۔ اور بہت سی مسلم خواتین، اور ان کے معصوم بچوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ایسی صورت میں اگر بوقت نکاح شرط کے ذریعہ طلاق کا حق عورت کو تفویض کیا جائے اور اس نوعیت کا مشروط نکاح سماج میں رواج پذیر ہوجائے تو حالات زیادہ سنگین ہوجائیں گے، اور طلاق کے واقعات میں خاصا اضافہ ہوجائے گا۔ اس لئے مصلحت کا تقاضا یہ ہے کہ اس طرح کے مشروط نکاح کو ہرگز رواج نہ دیا جائے ورنہ مصالح نکاح بری طرح متاثر ہوں گے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے "**الحیلۃ الناجزۃ**" میں تفویض طلاق بوقت نکاح کی جو تجویز پیش فرمائی ہے وہ ہندوستان کے سابقہ حالات کے پیش نظر تھی جب کہ ہندوستان میں انگریز سامراج کے تسلط کے بعد کہیں بھی اسلامی دارالقضاء اور مسلم قاضی کا نظام نہیں تھا اور مسلم خواتین کو بوقت ضرورت قید نکاح سے آزادی حاصل کرنے کے لئے بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

آج کل عورتوں کو نکاح کے بعد جس قدر پریشانیوں کا سامنا ہوتا ہے محتاج بیان نہیں، کبھی مرد ظلم اور بے رخی سے پیش آتا ہے، نہ نان و نفقہ دیتا ہے نہ طلاق دیتا ہے، کبھی بال بچوں سے بے فکر ہوکر پردیس چلا جاتا ہے اور لاپتہ ہوجاتا ہے، کبھی نامرد نکلتا ہے، بعض دفعہ یتیم لڑکی کا نکاح چچا وغیرہ نامناسب جگہ کردیتے ہیں اور لڑکی ناپسند کرتی ہے، بعض دفعہ مرد کو جنون کا مرض ہوجاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

اگر ہندوستان میں قاضی شرعی کا وجود ہوتا تو اس قسم کی سب پریشانیوں کا علاج سہل تھا۔ مگر اب جب کہ قاضی شرع موجود نہیں عورتوں کو سخت مصیبت کا سامنا ہوتا ہے۔ (**الحیلۃ الناجزۃ ص ۳۰**)

ظاہر ہے کہ ہندوستان میں اب یہ صورت حال نہیں ہے، بہار و اڑیسہ میں تقریبا پچھتر سالوں سے امارت شرعیہ قائم ہے اور اس کے تحت دار القضاء کا مضبوط نظام چل رہا ہے۔ ان دونوں صوبوں کے تمام اہم اور مرکزی

مقامات میں دارالقضاء قائم ہے جس کی وجہ سے مسلم خواتین کو ایسی ضرورت کی بنیاد پر فسخ نکاح کی سہولت حاصل ہوجاتی ہے۔ بہار و اڑیسہ کے علاوہ دہلی، بنگال، آسام، آندھرا پردیش اور کرناٹک وغیرہ میں شرعی دارالقضاء قائم ہیں۔ جس کی وجہ سے اب عورتوں کو فسخ نکاح کے لئے پریشانیوں کا سامنا کرنا نہیں پڑتا۔ ضرورت ہے کہ اس نظام کو مزید وسعت دی جائے اور مسلمانوں کے ہر مرکزی شہر اور مقام میں دارالقضاء قائم کیا جائے۔ آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ جو ہندوستانی مسلمانوں کا سب سے مؤثر، قابل اعتماد اور ہر مسلک اور جماعت کی نمائندہ تنظیم ہے اس کے ذمہ داروں نے اس ضرورت کا احساس کیا اور اپنے سابقہ اجلاس منعقدہ جے پور راجستھان میں تمام اہم اور مرکزی مقامات میں دار القضاء کے قیام کی تجویز منظور کی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس تجویز کو عملی جامہ پہنایا جائے اور بورڈ کے ساتھ اس سلسلے میں تعاون کیا جائے، تا کہ یہ مبارک کام پایۂ تکمیل کو پہنچ سکے اور مسلمانوں کے عائلی معاملات و مقدمات شرعی دارالقضاء اور اسلامی شریعت کی روشنی میں فیصل کئے جائیں۔ اور ہر علاقہ کی مسلم خواتین کو بوقت ضرورت فسخ نکاح کی سہولت حاصل ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کی مذکورہ تجویز ہندوستان کے گذشتہ حالات کے پیش نظر تھی، لیکن اب جب کہ ہندوستان کے مختلف صوبوں اور علاقوں میں نظام قضاء اور قاضی شرعی کا وجود ہے تو ان پریشانیوں کا علاج سہل ہے، اس لئے اب اس کی کوئی ضرورت نہیں کہ بوقت نکاح بذریعہ شرط عورتوں کو طلاق کا حق تفویض کرکے طلاق کے واقعات میں اضافہ کیا جائے۔ اور مصالح شرع کے ضائع ہونے اور مقاصد نکاح کے فوت ہونے کا خطرہ مول لیا جائے۔

اور اگر کسی جگہ کے مخصوص حالات اور متوقع خطرات کی بنیاد کچھ نجی معاملات اور استثنائی کیسز میں اس طرح کی ضرورت محسوس ہوتو احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ طلاق کا اختیار عورت کے سپرد نہ کیا جائے بلکہ اس کے خاندان کے کسی سنجیدہ اور قابل اعتماد فرد یا افراد کے سپرد کیا جائے تا کہ وہ غور و فکر کے بعد اور مصلحت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کا استعمال کریں۔ یا پھر اس صورت پر عمل کیا جائے جو حضرت تھانوی نے اس سلسلے میں ضروری مشورہ کے تحت ذکر کیا ہے یعنی یہ کہ شرط کے ساتھ تراضی طرفین سے کم از کم دس آدمی کے نام متعین کردئے جائیں کہ ان میں سے کم از کم دو آدمی طلاق کی ضرورت کو تسلیم کرلیں تو عورت کو طلاق بائن واقع کرنے کا اختیار حاصل ہو۔ لیکن اس صورت کو عام نہ کیا جائے ورنہ مصالح شرع فوت ہوں گے۔

اور دوسرے ائمہ کے نزدیک چونکہ نکاح سے قبل تعلیق طلاق، یا تفویض طلاق صحیح نہیں خواہ اس کی اضافت اور نسبت نکاح ہی کی طرف کیوں نہ ہو، اس لئے مذکورہ تین صورتوں میں سے پہلی دو صورتوں میں جبکہ نکاح سے قبل شرائط طے ہوجائیں اور اس کی تحریر پر طرفین کے دستخط ہوجائیں یا عقد نکاح ہی میں ان شرائط کا ذکر کیا جائے،

ان دونوں صورتوں میں تفویض طلاق صحیح نہ ہوگی، ہاں اگر عقد نکاح کے بعد باہمی رضا مندی سے طرفین کے مابین کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے تو یہ تفویض صحیح ہوگی۔

طلاق کے بیجا استعمال کو روکنے کے لئے اگر سوالنامہ میں مذکورہ صورت پر عمل کیا جائے اور عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار، تا کہ شوہر مہر کی خطیر رقم سے بچنے کے لئے ایک مجلس میں تین طلاق دینے کا غیر مشروع اقدام نہ کرے، اس طرح مہر طے کرنا عاجز کے خیال میں جائز اور معتبر ہوگا۔ جیسا کہ بیوی کو اس کے آبائی وطن میں رکھنے کی صورت میں مہر ایک ہزار اور باہر لے جانے کی صورت میں دو ہزار مقرر کیا جائے، تو صاحبین کے نزدیک دونوں تسمیے صحیح قرار پاتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ کے قول کی بنیاد پر تو اس کا کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا کیونکہ دوسرا تسمیہ باطل قرار پائے گا، البتہ صاحبین کے قول کی رو سے دونوں تسمیئے صحیح ہوں گے۔ اور ضرورت کی بنیاد پر صاحبین کے قول پر فتوی دیا جاسکتا ہے۔ بیجا طلاق کی روک تھام کے لئے یہ صورت کوئی زیادہ مؤثر تو نظر نہیں آتی، کیونکہ جاہل لوگ غصہ اور جذبات میں آکر جس طرح طلاق دیتے ہیں اس میں اس کی توقع کم ہی کی جاسکتی ہے کہ وہ مہر کی خطیر رقم سے بچنے کے لئے طلاق دینے سے باز رہیں گے۔ البتہ ممکن ہے کہ یہ صورت کسی درجے میں طلاق کے غلط استعمال کو روکنے میں مؤثر ثابت ہو۔ جب کہ اس میں اس کا بھی خطرہ ہے کہ طلاق مشکل ہوجائے۔ اور لوگ مہر کے خطرے سے بچنے کے لئے واقعی ضرورت کی بنیاد پر بھی طلاق کے استعمال سے باز رہیں، اور عورت کالمعلقہ ہوکر رہ جائے۔ دوسرے یہ کہ مہر کی زیادتی شرعی نقطہ نظر سے پسندیدہ نہیں۔ جیسا کہ صحیح حدیث " ان اعظم النکاح برکۃ ایسرہ مؤنۃ (مشکوۃ عن عائشۃ کتاب النکاح ج ۲ ص ۲۶۸) " وغیرہ سے پتہ چلتا ہے، بہر حال مہر مقرر کرنے میں اگر منفعت اور مصلحت کا پہلو ہے تو دوسری طرف مضرت اور مفسدہ کا پہلو بھی ہے۔ فیصلہ میں ان دونوں پہلوؤں پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ ان دونوں میں سے جونسا پہلو غالب ہوگا حکم اسی کے تابع ہوگا۔

جواب سوال (۲)

مہر طے کرنے کی یہ صورت کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا، اور اگر اس کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا، مذکورہ بالا اصول اور تفصیلات کی روشنی میں درست معلوم

ہوتی ہے ۔ اس لئے صاحبین کے قول کی بنیاد پر دونوں شرطوں کو معتبر اور لازم العمل ہونا چاہئے ۔

بوقت نکاح عورت کی جانب سے ملازمت اختیار کرنے کی شرط

جواب سوال (۳) بوقت نکاح عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اسے لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا، یا اگر آئندہ اسے کوئی مناسب ملازمت ملے تو شوہر اسے ملازمت کرنے سے نہیں روکے گا، احناف اور شوافع کے نزدیک شرط فاسد ہے ۔ جیسا کہ دوسرا نکاح نہ کرنے اور آبائی وطن سے باہر نہ لے جانے کی شرط، کیونکہ بیوی محبوس بحق زوج ہے، نکاح کے نتیجہ میں شریعت نے اس پر یہ ذمہ داری ڈالی ہے کہ وہ اپنے اوقات کو شوہر، خاندان اور گھر کے مصالح کے لئے فارغ رکھے ۔ اور اسی کے عوض میں شریعت نے اس کا نفقہ شوہر پر واجب کیا ہے، تا کہ وہ کسب معاش کی فکر سے آزاد اور اس کی گرانبار اور جاں گسل ذمہ داری سے فارغ ہوکر یکسوئی سے اپنی ازدواجی زندگی کے فرائض ادا کرے، کیونکہ فقہ کا مشہور قاعدہ ہے کہ جو شخص کسی غیر کے کام میں مصروف ہو اس کا نفقہ اس غیر پر واجب ہوتا ہے اسی بنا پر قاضی، مفتی، صدقات کی وصولی پر مامور عاملین اور حکومت کے ملازمین کا نفقہ بیت المال اور حکومت پر واجب ہوتا ہے ۔

لان النفقة جزاء الاحتباس وكل من كان محبوسا بحق مقصود لغيره كانت نفقته عليه اصله القاضى والعامل فى الصدقات (الهداية باب النفقة ج ۲ ص)

اور ملازمت یا کسی ایسے پیشہ کو اختیار کرنے سے جس کے لئے اسے گھر سے باہر جانا پڑے تو شوہر کا حق متاثر ہوگا، اس لئے اسے اس سے روکنے کا حق ہے، فقہاء نے تصریح کی ہے کہ شوہر بیوی کو ہر ایسے کام سے روک سکتا ہے جس سے اس کا حق احتباس متاثر ہوتا ہو، یا اسے کوئی ضرر پہنچتا ہو، یا جس کے لئے عورت کو گھر سے باہر جانا پڑتا ہو، علامہ شامی لکھتے ہیں ۔

و الذى ينبغى تحريره ان يكون له منعها من كل عمل يودى الى تنقيص حقه او ضرره او الى خروجها من بيته (حاشية رد المحتار على الدر ج ۳ ص ۲۰۳)

اس میں صرف اس قدر استثناء ہے کہ اگر وہ لڑکیوں کو اور عورتوں کو باہر جاکر دینی تعلیم دیتی ہے، نماز روزہ، وضو غسل اور طہارت وغیرہ کے ضروری مسائل بتلاتی ہے اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا معقول ذریعہ ان کی تعلیم کا نہیں ہے ۔ یا خود ان مسائل کو سیکھنے کے لئے اسے باہر جانا پڑتا ہے ۔ اور گھر میں رہ کر دینی علم اور مسائل کی جانکاری کی کوئی معقول صورت نہیں ہے ۔ یا کوئی ایسا شرعی مسئلہ پیش آگیا ہے جو شوہر خود سے یا کسی اور سے پوچھ

کر نہیں بتا سکتا تو ایسی صورت میں وہ باہر جا سکتی ہے اور شوہر کو اسے روکنا نہیں چاہئے، صاحب در مختار لکھتے ہیں:

وفی البحر له منعها من الغزل و كل عمل ولو تبرعا لاجنبی ولو قابلة او مغسلة لتقدم حقه على فرض الكفاية . و من مجلس العلم الا لنازلة و امتنع زوجها من سوالها (الدر المختار مع حاشية رد المحتار ج ۳ ص ۲۰۳)

ہاں گھر میں رہ کر سلائی کڑھائی، بنائی، دستکاری، کتابت، مضمون نگاری، تصنیف و تالیف اور عورتوں اور بچوں کی تعلیم وغیرہ کر سکتی ہے۔ کیونکہ اگر گھر میں وہ اس نوعیت کے کام کاج میں مصروف نہ ہو تو شیطانی وسوسوں کا شکار ہونے اور پڑوسیوں اور اجنبی لوگوں کے ساتھ لایعنی کاموں میں مشغول ہوجانے کا اندیشہ ہے۔

اما العمل الذی لا ضرر له فيه فلا وجه لمنعها عنه خصوصا فی حال غيبته من بيته. فان ترك العمل بلا عمل فی بيتها يودی الى وساوس النفس و الشيطان. او الاشتغال بمالا يعنی مع الاجانب و الجيران (حاشية رد المحتار ج ۳ ص ۲۰۳)

خلاصہ یہ کہ عورت کی طرف سے ملازمت کی شرط لگانا شرط فاسد ہے، اس لئے لغو قرار پائے گی اور اگر شوہر بوقت نکاح اس شرط کو قبول بھی کرلے تب بھی اس پر اس کی پابندی لازم نہ ہوگی۔ اور اگر شوہر اس شرط کو قبول کرنے کے بعد بیوی کو سلسلہ ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے، یا نئی ملازمت کرنے سے روکتا ہے تو بیوی کے لئے شوہر کے حکم کی تعمیل ضروری ہوگی۔ تعمیل نہ کرنے کی صورت میں نافرمان شمار ہوگی اور نشوز کی بنیاد پر اس کا نفقہ ساقط ہوجائے گا۔

امام مالک کے نزدیک عورت کی طرف سے ملازمت کی شرط شرط صحیح مکروہ ہے، اس لئے وہ اصل عقد کے ساتھ لاحق ہوجائے گی، لیکن شوہر پر اس کی تعمیل مستحب ہوگی لازم نہ ہوگی، اور شرط کی خلاف ورزی کی صورت میں بیوی کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل نہ ہوگا۔

اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک چونکہ اس میں عورت کی منفعت ہے اور مرد کو اپنے حق سے دستبردار ہونے کا حق ہے، اس لئے یہ شرط صحیح ہے لہذا شوہر پر اس کی پابندی لازم ہوگی، اور شرائط کی خلاف ورزی کی صورت میں فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔

هذا ما عندی و الله اعلم بالصواب

مشروط نکاح کے چند بنیادی احکام

مولانا آل مصطفیٰ مصباحی ٭

الجواب (۱) ایسی ذمہ داری جو عقد نکاح کی وجہ سے شریعت طاہرہ نے کسی فریق پر عائد کی ہے، اگر اسی کو عقد نکاح کے وقت شرط کی صورت میں ذکر کردیا گیا۔ مثلاً بیوی نے شوہر پر نفقہ دینے کی شرط لگادی، تو اس سے عقد نکاح پر کوئی منفی اثر مرتب نہ ہوگا، البتہ ایسی شرط لگانا بے سود ہے۔ کیونکہ شریعت نے نکاح کے نتیجہ میں جو حقوق شوہر کے ذمے لازم کردئے ہیں، عقد نکاح میں وہ مشروط ہوں یا نہ ہو، بہر صورت شوہر پر ان کی ادائیگی لازم ہوگی۔ نکاح صحیح کے بعد عورت کی جانب سے تسلیم نفس ہوجائے، تو شوہر پر عورت کا نفقہ واجب ہوجاتا ہے۔ عقد نکاح کے وقت اس کی شرط لگائی جائے یا نہ لگائی جائے، تنویر الابصار و در مختار میں ہے۔

(۱) النفقة تجب للزوجة بنكاح صحيح على زوجها لانها جزاء الاحتباس وكل محبوس لمنفعة غيره يلزمه نفقته (ج ۲ ص ۲۹۹)

نکاح صحیح کے بعد شوہر پر بیوی کا نفقہ واجب ہے، کیونکہ نفقہ عورت کو اپنے قابو میں رکھنے کا بدل ہے۔ اور جو بھی غیر کی منفعت کے لئے اس کے قابو میں ہو۔ تو قابو حاصل کرنے والے پر محبوس کا نفقہ واجب ہوتا ہے۔

عورت بیمار ہو جب بھی اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہوتا ہے۔

مبسوط میں ہے:

٭ استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی، مئو، یوپی

(۲) و نفقة المرأة واجبة وان مرضت من قبل انها مسلمة نفسها الى الزوج فى بيته و لا فعل منها فى المرض لتصير به مفوتة مع انه لم يفوت ما هو المقصود من الاستئناس و غيره و لا معتبر بمقصود الجماع فى حق النفقة (۵ ص ۱۹۲)

عورت کا نفقہ واجب ہے اگرچہ وہ پہلے سے مریضہ ہو کہ عورت اپنے آپ کو شوہر کے گھر میں سپرد کر رہی ہے اور بیمار ہونے میں اس کا کوئی دخل نہیں کہ اسے شوہر کے حق کو ضائع کرنے والی کہا جائے اس کے باوجود انسیت حاصل کرنے اور اس کے علاوہ دیگر مقاصد ختم نہیں ہوتے ۔ اور حق نفقہ میں مقصد جماع کا کوئی اعتبار نہیں ۔

اسی طرح عقد نکاح سے شوہر پر مہر لازم ہوجاتا ہے ۔ خواہ بیوی عقد نکاح کے وقت یہ شرط لگائے کہ اس کا مہر شوہر کے ذمہ ہوگا، خواہ نہ لگائے ۔ اگر دس درہم یا دس درہم سے کم مقرر ہوا ہے تو دس درہم واجب ہوگا اور اگر دس سے زیادہ مقرر کیا ہے تو مقرر کردہ واجب ہوگا، درمختار میں ہے ۔

و تجب العشرة ان سماها و دونها و يجب الاكثر منها ان سمى الاكثر منها و يتاكد عند وطى و خلوة صحت او موت احدهما (ج ۲ ص ۳۰۸ (درمختار)

دس درہم یا اس سے کم مہر مقرر کیا تو دس دراہم واجب ہوگا ۔ اور اگر دس سے زیادہ مقرر کیا تو دس سے زیادہ، اور وطی یا خلوت صحیحہ یا کسی ایک کی موت سے مہر مؤکد ہوتا ہے ۔

بلکہ اگر مہر کا ذکر نہ بھی ہوا جب بھی واجب ہوگا ۔ اس صورت میں مہر مثل واجب ہوگا ۔

ہدایہ میں ہے :

و ان تزوجها و لم يسم مهرا فلها مهر مثلها (هداية ج ۲ ص ۳۲۳ كتاب النكاح)

اگر عورت سے شادی کی اور مہر مقرر نہ ہوا تو مہر مثل واجب ہوگا ۔

خلاصہ یہ کہ شرعی اعتبار سے اس قسم کی شرط لگانا ایک کار عبث ہے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب (۴ ۔ الف) نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی شرط لگانا جس سے کسی شرعی ذمہ داری سے گریز مقصود ہو، شرط فاسد ہے، لیکن اس سے نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں ہوتا ۔ بلکہ نکاح منعقد ہوجاتا ہے اور شرط باطل قرار پاتی اور متعلقہ فریق پر اس شرط کی پابندی ضروری نہیں اس کے ذمے شرط لگانے کی صورت میں جو ذمہ داری شرعاً عائد تھی وہ اب بھی باقی رہے گی، مثلاً شوہر اگر عقد نکاح کے وقت یہ شرط لگاتا ہے کہ بیوی کا نان و نفقہ اس کے ذمے نہ ہوگا ۔ اس شرط کی وجہ سے شوہر اپنی ذمہ داری سے سبکدوش نہیں ہوسکتا ۔ بلکہ اپنی صورت وجوب میں نان و نفقہ واجب ہوگا ۔ گو کہ عورت اپنے اس حق کو ساقط کرنے اور اپنے بری الذمہ ہونے پر راضی ہوجائے ۔ فقہاء

حفظام نے اس کی ایک اہم وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ صورت وجوب سے قبل اسقاط وجوب کی ہوگی جو صحیح نہیں۔ فتاوی عالمگیری میں ہے۔

" المرأة اذا برأت الزوج من النفقة بان قالت انت برئ من نفقتی ابدا ماکنت امرأتک فان لم یفرض القاضی لها النفقة فالبرأة باطلة و ان کان فرض لها القاضی کل شهر عشرة دراهم یصح الابراء من النفقة الشهر الاول و لم یصح من نفقة ما سوا ذالک الشهر " (عالمگیری ج ۲ ص ۱۲۷)

عورت اگر اپنے شوہر کو نفقہ سے بری الذمہ کردے۔ مثلاً یہ کہدے کہ تو میرے نفقہ سے اس وقت تک بری ہے جب تک میں تیری زوجیت میں ہوں۔ تو اگر قاضی نے عورت کا نفقہ متعین نہیں کیا ہے تو یہ برأت باطل ہے اور اگر قاضی نے عورت کے لئے ہر ماہ مثلاً دس درہم نفقہ مقرر کردیا ہے تو پہلے مہینہ سے برأت درست ہوگی بقیہ مہینوں سے برأت درست نہ ہوگی۔

بدائع الصنائع میں علامہ کاسانی حنفی وضاحت فرماتے ہیں:

" ولو ابرأته مما تقبل من النفقة المفروضة لم یصح الابراء لانها تجب شیئا فشیئا علی حسب حدوث الزمان فکان الابراء منها اسقاط الواجب قبل الوجوب وقبل وجود سبب الوجوب ایضا وهو حق الحبس لانه لا یتجدد بتجدد الزمان فلم یصح " (ج ۲ ص ۲۹ بدائع الصنائع)

اگر عورت شوہر کو ذمہ میں لازم ہونے والے نفقہ سے بری کردے تو یہ بری کرنا صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ نفقہ تجدد زمان کے اعتبار سے تھوڑا لازم ہوتا رہتا ہے۔ تو اس نفقہ سے بری کرنا۔ وجوب سے قبل نیز سبب وجوب (یعنی حق حبس) کے موجود ہونے سے قبل واجب کو ساقط کرنا ہوگا جو صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ حق حبس تجدد زمان سے متجدد نہیں ہوتا۔

عقود میں ان جیسی شرطوں کی طرف حدیث میں بھی اشارہ کیا گیا ہے۔

ما بال اقوام یشترطون بشروط لیست فی کتاب الله من اشترط شرطا لیس فی کتاب الله فهو رد وان کانت مائة شرط۔ شرط الله احق و اوثق۔ والله تعالی اعلم

الجواب (۳۔ب) عقد نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی شرط لگانا جو نہ تو نکاح سے عائد ہونے والی شرعی ذمہ داریوں کے دائرے میں آتی ہو۔ اور نہ ہی کسی شرعی ذمہ داری سے گریز مقصود ہو۔ بلکہ اس شرط کے نتیجے میں

زوجین ہی میں سے کسی کو ایسا حق ملتا ہو جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں نہیں ملتا، تو اس قسم کی شرط کا حکم یہ ہے کہ شرعاً اس کا پورا کرنا متعلقہ فریق پر لازم نہیں۔ یہ محض ایک وعدہ ہے جس کا پورا کرنا بہتر، مگر شرعاً اس پر جبر نہیں اور نہ ہی عقد نکاح کے وقت اس قسم کی شرط لگانے سے اس کی صحت پر کوئی اثر پڑتا ہے۔ کیونکہ یہ ضابطہ اپنی جگہ مسلم ہے کہ شروط فاسدہ سے نکاح فاسد نہیں ہوتا۔ بلکہ خود شرطیں باطل و کالعدم ہوجاتی ہیں۔

در مختار میں ہے:

" لا یبطل النکاح بالشرط الفاسد و انما یبطل الشرط دونه یعنی لو عقد مع شرط فاسد لم یبطل النکاح " (ج ۲ ص ۳۷۰)

شرط فاسد سے نکاح باطل نہیں ہوتا بلکہ شرط ہی باطل ہوجاتی ہے یعنی اگر شرط فاسد کے ساتھ عقد ہو تو نکاح باطل نہ ہوگا۔

لہذا اگر (مثلاً) عورت یہ شرط لگاتی ہے کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا۔ تو اس طرح کی شرط محض ایک وعدہ ہے، جو شوہر کے لئے لازم الایفاء نہیں، وہ پورا کردے تو ٹھیک ورنہ اس پر شرعاً یہ جبر نہیں کیا جاسکتا کہ تم اسے پورا کرو۔

بدائع الصنائع میں ہے:

" ان شرط الزوج من طلاق المراة و ترک الخروج من البلاد لا یلزمه فی الحکم لان ذالک وعد وعدلها و لا یکلف به " (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۳۰)

اگر شوہر (عقد نکاح) میں سابقہ بیوی کو طلاق دینے اور عورت کو شہر کے باہر نہ لے جانے کی شرط لگادے تو حکم شرعی یہ ہے کہ شوہر پر ان شرطوں کا پورا کرنا لازم نہیں، کیونکہ یہ محض ایک وعدہ ہے جو عورت سے کیا گیا ہے تو اس کو پورا کرنے کا مکلف نہیں بنایا جاسکتا۔

بیوی کو اپنے پاس رکھنا حق شوہر بھی ہے اور حق شرع بھی، ارشاد ہے **" و اسکنوهن من حیث سکنتم "** شوہر کے یہ وعدہ کرنے سے کہ بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا۔ شوہر کا یہ حق ختم نہیں ہوجاتا۔ شوہر اس حق کو خود ساقط بھی نہیں کرسکتا اس لئے یہ معاہدہ بے کار ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الجواب۔ (ج) عقد نکاح کے وقت اگر عورت شرط لگادے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا۔ یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا۔ اور شوہر اس شرط کو تسلیم کرتا ہے تو یہ شرط عند الشرع قابل

قبول ہے۔ اور اس کی وجہ سے عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

"قالت المراة تزوجتک علی ان یکون الامر بیدی اطلق نفسی کلما شئت. فقال الزوج قبلت جاز النکاح و یقع الطلاق و یکون الامر بیدها" (عالمگیری ج ۲ ص ۲ کتاب النکاح)

عورت نے کہا کہ میں نے تم سے اس شرط پر شادی کی کہ طلاق کا معاملہ میرے اختیار میں ہوگا۔ جب میں چاہوں اپنے کو طلاق دے لوں گی۔ شوہر نے کہا میں نے قبول کیا تو نکاح درست ہوگا اور طلاق واقع ہوجائے گی، اور عورت کو یہ حق ہوگا کہ وہ اپنے کو طلاق دے۔

شوہر نے جب اپنی بیوی کو بوقت نکاح طلاق کا حق تفویض کردیا۔ تو اب وہ اس تفویض طلاق کو ختم نہیں کرسکتا۔ جن عمومی صورتوں کے ساتھ یا خصوصی صور و مواقع میں حق طلاق تفویض کیا گیا ہے شوہر اس سے گریز نہیں کرسکتا۔ اور نہ ہی اس حق کو ختم کرسکتا ہے۔

جوہرہ نیرہ میں ہے:

ان قال لها طلقی نفسک فلیس له ان یرجع عنه" (جوہرة نیرة ج ۲ ص ۱۰۲) اگر عورت سے کہا کہ تو اپنے آپ کو طلاق دیدے تو شوہر اس تفویض سے رجوع نہیں کرسکتا۔

اگر عورت سے کہا کہ تو اپنے آپ کو طلاق دے دے تو شوہر کو اس قول سے رجوع کا حق نہ ہوگا۔ لیکن اس طرح کی شرطوں سے مصلح شرع کے ضائع ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔ عورت اپنی عقل کی کمی اور سرعت غضب کے باعث جب چاہے گی اپنے اوپر طلاق دے ڈالے گی جس سے ازدواجی زندگی ایک بڑا خطرہ بن کر رہ جائے گی۔ اس لئے اگر شوہر اپنی عورت کو طلاق کا حق تفویض کرتا ہے تو مزید احتیاط کے لئے مندرجہ ذیل قیدیں بڑھائے۔ تاکہ حتی الوسع فتنوں کا سد باب ہو۔ اور پریشانیوں سے محفوظ رہے۔ (۱) شوہر تفویض طلاق میں وقت مقرر کردے۔ (۲) تفویض طلاق میں لفظ کنایہ استعمال کرے۔ مثلاً تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے۔ یا تجھے اختیار ہے۔ اور طلاق کی نیت نہ کرے۔ (۳) یا شوہر یہ لفظ کہے کہ تو اپنے کو طلاق دیدے۔ یا تجھے اپنی طلاق کا اختیار ہے اور اس سے طلاق رجعی کی نیت کرے۔ واللہ تعالی اعلم

طلاق نہ دینے کے ساتھ مشروط مہر

الجواب۔ عقد نکاح کے وقت اگر اس طرح مہر طے کرے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا

مہر بیس ہزار اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہے ۔ تو یہ مہر طے کرنا جائز اور معتبر تو ہے لیکن مہر مسمی صرف ایک صورت میں لازم ہوگا ۔ وہ صورت ہے کہ اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کو مہر مسمی دینا ہوگا، اور اگر اس نے طلاق دی تو مہر مثل واجب ہوگا ۔ جو ایک ہزار سے کم اور دو ہزار سے زائد نہ ہوگا ۔ یہ امام اعظم کا مذہب ہے ۔

صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں صحیح ہیں، جب کہ امام زفر کے نزدیک دونوں شرطیں فاسد ہیں ۔ اس کی تائید فقہ کے ان جزئیات سے ہوتی ہے ۔

اذا تزوجها علیٰ الفین ان لم تكن له امراة و على الفين ان كانت له امراة او على الف ان لم يخرجها من البلدة الخ

عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ اس کی زوجیت میں اگر کوئی عورت نہ ہوگی تو مہر ایک ہزار اور اگر ہوگی تو دو ہزار ۔ یا اس شرط پر شادی کی کہ اگر شوہر عورت کو اس کے آبائی وطن سے نہ نکالے گا ۔ تو مہر ایک ہزار ۔ اور اگر نکالے گا تو مہر دو ہزار، تو ایسی صورت میں نکاح صحیح ہوجائے گا ۔ اور مہر میں اعتبار پہلی شرط کا ہے ۔ اگر شوہر نے اسے پوری کردی تو مہر مسمی لازم ہوگا اور اگر پوری نہ کی تو مہر مثل لازم ہوگا جو نہ تو مہر مسمی کی اقل مقدار سے کم کی جائے گی اور نہ ہی مہر مسمی کی اکثر مقدار سے متجاوز ہوگی ۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں درست ہیں اور ہدایہ میں ہے کہ امام زفر کے نزدیک دونوں شرطیں فاسد ہیں ۔ اور عورت کو ہر صورت مہر مثل ملے گا ۔ جو نہ تو ایک ہزار سے کم ہوگا ۔ اور نہ ہی دو ہزار سے زائد ۔ اگر عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ اگر وہ بدصورت ہوگی تو مہر ایک ہزار ۔ اور اگر خوبصورت ہوگی تو دو ہزار، تو اگر عورت خوبصورت ہو تو اسے دو ہزار ملے گا ۔ اور اگر بدصورت ہو تو ایک ہزار اور اس پر سب کا اتفاق ہے ۔ دونوں مسئلوں میں فرق یہ ہے کہ عورت کو شہر سے باہر نکالنے نہ نکالنے والے مسئلے میں مخاطرت (خطرہ میں ڈالنا) دوسرے تسمیہ میں ہے ۔ کیونکہ عورت کو یہ علم نہیں کہ شوہر اس کو نکالے گا یا نہ نکالے گا اور خوبصورت و بد صورت والے مسئلے میں مخاطرت بالکلیہ ہے ہی نہیں ۔ کیونکہ عورت ایک ہی صفت پر ہوگی ہاں شوہر کو اس کی معرفت حاصل نہیں ۔ تو اس کی جہالت باعث خطر نہیں

(فتاوی تاتارخانیۃ ج ۳ ص ۱۰۱۔۱۰۲ کتاب النکاح)

فتح القدیر میں ہے :

(قوله و اذا تزوجها الخ (للمسئلة صورتان الاولى ان يسمى لها مهر او يشترط لها معه مالها فيه نفع كان لا يخرجها من البلد الخ)

مسئلے کی دو صورتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ عورت کے لئے مہر مقرر کیا جائے۔ اور اس کے لئے عقد نکاح میں ایسی شرط لگائی جائے جس میں عورت کا نفع ہو۔ مثلاً یہ کہ عورت کو اس کے آبائی وطن سے نہ نکالے گا۔ یا اس کے ہوتے ہوئے دوسرے شادی نہ کرے گا۔ یا مروت کرنے میں تکلف سے کام نہ لے گا یا اس کے سوکن کو طلاق دے گا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عورت کے لئے ایک تقدیر پر ایک مہر مقرر کیا جائے۔ اور دوسری تقدیر پر دوسرا مہر۔ پہلی صورت کا حکم تو کتاب ہدایہ سے ظاہر ہے، یعنی اگر شوہر نے شرط پوری کردی تو عورت کو مقررہ مہر ملے گا۔ ورنہ تو مہر مثل ملے گا تو اگر اس کا مہر مثل مسمی کے برابر ہو یا اس سے کم تو عورت دوسری چیز کی مستحق نہ ہوگی۔ اور دوسری صورت، مثلاً اس نے عورت سے شادی کی کہ اگر اسے اس کے شہر ہی میں رکھے گا تو مہر ایک ہزار۔ یا مروت میں تکلف نہ کرے گا یا اس کی سوتن کو طلاق دے دے گا، یا اس شرط پر کہ عورت آزاد کردہ ہو یا عجمی ہو یا ثیب ہو اور دو ہزار تک اس کے مخالف شکل میں ہے۔ کہ اگر شوہر نے پہلی شرط کو پورا کردیا یا عورت عجمی ہے یا اس کے مثل، تو عورت کو ایک ہزار ملے گا۔ ورنہ مہر مثل جو دو ہزار سے زائد نہ ہوگا۔ اور ایک ہزار سے کم نہیں۔ یہ قول امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ کا ہے (**فتح القدير ج ۳ ص ۲۳۱**)

مسئلہ دائرہ میں صاحبین کے قول پر فتوی نہیں دیا جاسکتا

جب تک قول امام کے ترک پر کوئی ضرورت داعیہ نہ ہو، مفتی پر مطلقاً قول امام پر فتوی دینا واجب ہے۔ قاضی پر عموماً قول امام کے مطابق فیصلہ کرنا واجب ہے۔

البحر الرائق میں ہے:

يجب علينا الافتاء بقول الامام و ان افتى المشائخ بخلافه

امام اعظم کے قول پر فتوی دینا ہم پر واجب ہے گو کہ مشائخ اس کے خلاف فتوی دیں۔

درمختار کتاب القضایا میں ہے:

ياخذ القاضى كالمفتى بقول ابى حنيفة على الاطلاق ثم بقول ابى يوسف ثم بقول محمد ثم بقول زفر و الحسن ابن زياد و هو الاصح "

قاضی، مفتی کی طرح مطلقاً قول امام کے مطابق فیصلہ کرے گا، پھر امام ابو یوسف کے قول کے مطابق، پھر امام محمد کے قول کے مطابق، پھر امام زفر کے قول کے مطابق اور حسن ابن زیاد کے قول کے مطابق، یہی صحیح ترین قول ہے۔

پھر جب کہ مسئلہ دائرہ میں علماء محققین و مدققین نے قول امام ہی پر جزم و اعتماد فرمایا بلکہ متون میں امام اعظم ہی کا مذہب بیان فرمایا گیا۔ شروع میں جہاں قول صاحبین ذکر کیا گیا ہے ۔ وہیں دلائل سے امام اعظم ہی کے قول کو ترجیح دی گئی ہے ۔ تو ثابت ہوا کہ قول امام مرجح معتمد، محقق و منقح ہے ۔ جب تک اسباب ستہ (ضرورت، دفع حرج تعامل، دینی ضروری مصلحت کی تحصیل، عرف ۔ کسی فساد مظنون بظن غالب یا موجودہ کا ازالہ) میں سے کوئی سبب محقق نہ ہوجائے ۔ رہا طلاق کے واقعات کو روکنے کے لئے صاحبین کے قول پر فتوی و عمل تو یہ بے بنیاد ہے :

اولا ۔ حالات زمانہ سے باخبر ہر شخص جانتا ہے کہ طلاق کے واقعات کے قلت یا کثرت کے ساتھ رونما ہونے کا مدار مہر کی کمی یا زیادتی نہیں ہوتی، تجربہ شاہد ہے کہ ہمارے علاقہ کٹیہار و پورنیہ میں مہر کی مقدار خاصی ہوتی ہے ۔ متوسط طبقے والوں کے یہاں بھی مہر کی مقدار لاکھ سے عموماً کم نہیں ہوتی ۔ ایسے حالات میں ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ طلاق کے واقعات ہی رونما نہ ہوں یا تو یکا دکا، لیکن واقعات شاہد ہیں کہ مہر کی قلت و کثرت کا جہلاء پر کوئی اثر نہیں پڑتا ۔ وہ ایک مجلس میں تین طلاق بلکہ دس بیس سو طلاق دینے سے بھی نہیں ہچکچاتے ۔

ثانیا ۔ شوہر اگر ایسی شرط کو پوری کرتا ہے جس میں عورت کا نفع ہے تو اسے مہر مسمی کا ملنا ائمہ ثلثہ کا متفقہ مسئلہ ہے ۔ رہی دوسری صورت کہ وہ شرط پوری نہ کرے تو امام اعظم کے نزدیک مہر مثل واجب ہوتا ہے، لیکن اس شرط کے ساتھ کہ وہ مہر مسمی سے متجاوز نہ ہو ۔ ایسی صورت حال میں اگر مہر کی مالیت پر غور کیا جائے تو باعتبار مالیت دونوں مکاتب فکر کبھی تو ایک ہوں گے ۔ مثلا مہر مسمی دو ہزار ہو اور مہر مثل ڈھائی ہزار تو امام اعظم کے نزدیک بھی دو ہی ہزار واجب ہوگا ۔ البتہ اس صورت میں تفاوت ہوگا جب مہر مثل مہر مسمی سے کم ہو ۔ لیکن عام طور پر مہر مسمی اور مہر مثل میں کوئی زیادہ تفاوت نہیں ہوتا ۔ بہر حال دوسری صورت میں تسمیہ کی صحت طلاق کے قلیل الوقوع ہونے کا مدار نہیں ۔ لہذا قول امام سے عدول بھی جائز نہیں ۔ واللہ تعالی اعلم ۔

الجواب (۲) ۔ صورت مذکورہ میں اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو مہر مسمی (پندرہ ہزار) واجب ہوگا ۔ اور اگر دوسرے سے نکاح کرلیا تو مہر مثل واجب ہوگا ۔

در مختار میں ہے :

نکحها بالف على ان لا يخرجها من البلد او لا يتزوج عليها او نكحها على الف ان اقام بها و على الفين ان اخرجها فان وفى بما شرطه فى الصورة الاولى و (اقام) بها فى الثانية

(فلها الالف) لرضاها به (و الا) يوف ولم يقسم (فمهر المثل) لفوت رضاها بفوات النفع (و) لكن (لا يزاد) المهر في المسئلة الاخيرة على الفين و لا ينقص من الف لا تفاقهما على ذالك

اس شرط کے ساتھ نکاح کیا کہ اگر عورت کو اس کے شہر سے باہر نہ لے جائے گا۔ یا اس کے ہوتے ہوئے دوسری عورت سے شادی نہ کرے گا تو مہر ایک ہزار، یا اس شرط کے ساتھ نکاح کیا کہ اگر عورت کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا تو مہر ایک ہزار اور اگر باہر لے جائے گا تو دو ہزار۔ پہلی صورت میں اگر شرط پوری کر دی اور دوسری صورت میں عورت کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھا تو عورت کو ایک ہزار مہر دینا ہوگا۔ کیونکہ عورت اس سے راضی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

ملازمت کی شرط

الجواب:۔ عورت کی جائز ملازمت کے تعلق سے شوہر کی مذکورہ بالا شرط محض ایک وعدہ ہے جسے پورا کرنا اچھا مگر واجب نہیں۔ اور نہ ہی شوہر پر اس کی پابندی لازم ہے، عورت کو اپنے گھر میں رکھنا حق شوہر بھی ہے اور حق شرع بھی۔ جسے شوہر خود بھی ساقط نہیں کر سکتا۔ کما مر، لہذا اس شرط کو منظور کرنے کے باوجود اگر شوہر عورت کو سلسلۂ ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے یا نئی ملازمت کرنے سے روکتا ہے تو عورت کے لئے شوہر کے اس حکم کی تعمیل ضروری ہوگی۔

واللہ تعالیٰ اعلم

نکاح میں شرائط مقرر کرنے کا شرعی حکم

مفتی نسیم احمد قاسمی ☆

اسلام کی نگاہ میں رشتہ نکاح مرد و عورت کے مابین انجام پانے والا قابل احترام معاہدہ ہے ۔ جس کے ذریعہ انسان کی عائلی زندگی کا آغاز ہوتا ہے ۔ عقد نکاح کے ذریعہ دو اجنبی مرد و عورت ایک ساتھ محبت و مودت اور الفت و تعلق اور باہمی اعتماد و سکون کی فضاء میں زندگی گزارتے ہیں ۔ اسلام نے عقد نکاح کے ذریعہ دو اجنبی مرد و عورت کے باہمی تعلق اور ملاپ کو اللہ تعالی کی "نشانیوں" میں سے ایک نشانی قرار دیا ہے ۔ بیوی کو شوہر کے لئے چین و سکون کا ذریعہ قرار دیا ہے ۔ نکاح کے بعد میاں بیوی جائز طریقہ پر اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کرتے ہیں ، دونوں کے ملاپ سے توالد و تناسل کا سلسلہ جاری ہوتا ہے ، جو نسل انسانی کی بقاء کا واحد ذریعہ ہے ۔ اسلام کی نگاہ میں نکاح کا مقصد محض حصول لذت ، خواہشات نفسائی کی تکمیل نہیں ہے ، بلکہ اس کا سب سے بڑا مقصد میاں بیوی کی عصمت و پاکدامنی ہے ۔ قران کریم میں "**محصنین غیر مسافحین**" سے نکاح کے مقصد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ۔ اسلام عقد نکاح کو پائیدار اور مستحکم دیکھنا چاہتا ہے ۔ یہ رشتہ محض واقعی نہ ہو ۔

اسلام میں معاہدہ اور ایفاء عہد کی بڑی اہمیت ہے ۔ قرآن میں ایفاء عہد کو مومن کا "وصف خصوصی" قرار دیا گیا ہے ۔ قرآن میں اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ۔

اے ایمان والو ، عہد پورا کرو ۔

نکاح میں ایسی شرطیں لگانا ، جن سے رشتہ نکاح میں پائیداری اور استحکام پیدا ہو ۔ مقصد نکاح کے عین مطابق ہے اور ایسی شرطوں کی تکمیل کا حکم خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ۔ بخاری شریف کی روایت

☆ دینی اسلامک فقہ اکیڈمی ، دہلی

ہے کہ:

"تمہارے لئے ان شرائط کی تکمیل زیادہ ضروری ہے جن کے ذریعہ تم عورتوں کی عصمتوں کو اپنے لئے حلال کرتے ہو"۔

عقد نکاح میں میاں بیوی کی طرف سے ایسی شرطیں لگانا جن کے لگانے کی وجہ سے فریقین میں سے کسی کو نفع اور فائدہ پہونچتا ہو۔ اور یہ شرائط عقد سے پہلے یا ایجاب و قبول سے متصل ہوں، (عقد نکاح کی تکمیل کے بعد مقرر کی جانے والی شرطوں کا اعتبار نہیں ہے) تو اس سلسلہ میں ائمہ مذاہب کے یہاں حسب ذیل تفصیلات ملتی ہیں۔

۱۔ فقہ حنفی میں شرائط کی قسمیں اور ان کے احکام

فقہاء احناف کے اقوال اور ان کی کتابوں کے مطالعہ سے شرائط کی حسب ذیل صورتیں نکلتی ہیں:

۱۔ نکاح میں میاں بیوی کا ایسی شرائط پر اتفاق کرلینا جو شریعت اسلامی کی رو سے صحیح اور درست ہوں۔ مقتضائے عقد کے مناسب اور احکام شریعت کے منافی نہ ہوں۔ ایسی شرائط مقرر کرنے کی صورت میں ان کو پورا کرنا ضروری ہوگا مثلاً نکاح کے وقت بیوی کا اپنے شوہر پر یہ شرط لگانا کہ شوہر اسے اپنے گھر والوں سے علحدہ رہائشی مکان دے، جس میں وہ اپنے سامانوں کو محفوظ رکھ سکے، اور خود رہ سکے، یا یہ کہ شوہر کسی طویل سفر میں اپنی رفاقت پر مجھے میرے گھر والوں کی اجازت کے بغیر مجبور نہیں کرے گا اور یا یہ کہ اپنا نکاح مہر مثل پر کرے گی۔ ان تمام صورتوں میں شرائط کی تکمیل درست ہوگی۔

۲۔ ایسی شرائط مقرر کرنا جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری اور حق عائد نہیں ہوتا ہو، بلکہ خود عقد نکاح سے جو حق اور ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو۔ اسی کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کردیا گیا ہو۔ مثلاً عورت کا بوقت نکاح یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کے ساتھ حسن معاشرت سے پیش آئے گا۔ یا مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نان و نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا۔

ایسی شرائط کی تکمیل شریعت اسلامی کا مقصد و منشاء ہے۔ شرائط کے ذریعہ اس میں پائیداری اور استحکام پیدا کردیا گیا ہے۔ ایسی شرطوں کا پورا کرنا بھی ضروری ہے۔

۳۔ فاسد شرطیں مقرر کرنا درست نہیں ہیں۔ فاسد سے مراد وہ شرطیں ہیں جو عقد نکاح سے میل نہ کھاتی ہوں یا شریعت اسلامی ان کی اجازت نہ دیتی ہو۔

ایسی شرائط کا حکم یہ ہے کہ اشتراط کی صورت میں صرف شرائط باطل ہوں گی، عقد نکاح اپنی جگہ پر درست

اور صحیح رہے گا، جیسے عورت کا اپنی ہونے والی سوکن کے طلاق دینے کی شرط لگانا۔ (رد المحتار ج ۲ ص ۳۲۵۔ المبسوط للسرخسی ج ۵ ص ۹۱۔۹۰۔ بدائع الصنائع ج ۲ ص ۸۲۔ ۲۸۲)

۲۔ شرائط کے سلسلہ میں مالکیہ کا مسلک

مالکیہ کے نزدیک شرائط مقرر کرنے کی دو صورتیں ہیں۔

۱۔ شرائط صحیحہ مقرر کرنا۔ ۲۔ شرائط فاسدہ مقرر کرنا۔

۱۔ شرائط صحیحہ کی بھی دو قسمیں ہیں۔

الف۔ مکروہ ب۔ غیر مکروہ

۱۔ شرائط صحیحہ غیر مکروہ سے مراد وہ شرائط ہیں جو مقتضائے عقد سے مناسبت اور میل رکھتی ہوں۔ جیسے بیوی کو اس کا نان و نفقہ دینے کی شرط۔ یا یہ شرط لگانا کہ بیوی اپنے شوہر کی اطاعت کرے گی، یا شوہر کی طرف سے یہ شرط لگانا کہ بیوی اس کے گھر سے اس کی رضا مندی اور اجازت کے بغیر نہیں نکلے گی، یا شوہر کی جانب سے یہ شرط لگانا کہ عورت کا ان عیوب سے بھی پاک ہونا ضروری ہے، جن کے ذریعہ فسخ نکاح جائز نہیں ہوتا ہے جیسے اندھا پن، گونگا پن، بہرا پن وغیرہ۔

۲۔ شرائط صحیحہ مکروھہ سے مراد وہ شرطیں ہیں جو عقد نکاح سے متعلق ہوتی ہیں۔ ان شرائط کا مقصد صرف شوہر پر تنگی کرنا ہوتا ہے۔ جیسے بیوی کو اس کے شہر سے نہ نکالنے کی شرط۔ یا بیوی کو اپنے ساتھ سفر پر نہ جانے کی شرط یا اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرنے کی شرط۔

۲۔ شرائط فاسدہ سے مراد وہ شرطیں ہیں جو مقتضائے عقد اور مقصد عقد کے مخالف اور منافی ہوں، جیسے ایک بیوی کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کے اور اس کی سوکن کے درمیان قسم (باری) مقرر نہیں کرے گا یا نکاح کے وقت عورت کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہونے کے بجائے اس کے شوہر کے باپ یا ولی کے ذمہ واجب ہوگا (بدایة المجتهد ج ۲ ص ۵۸۔ مواهب الجلیل من ادلة الخلیل لاحمد بن احمد المختار ج ۳ ص ۳۳)

۳۔ شرائط کے باب میں شافعیہ کی رائے

شافعیہ کے نزدیک شرائط کی دو قسمیں ہیں

۱۔ شرائط صحیحہ ۲۔ اور شرائط فاسدہ

۱۔ شرائط صحیحہ سے مراد وہ شرطیں ہیں جو مقتضائے عقد کے موافق ہوں۔ جیسے عورت کی جانب سے شوہر ایک بیوی کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا، یا یہ شرط لگانا کہ عورت کے لئے نفقہ نہیں ہوگا۔ یا بیوی کی طرف سے یہ شرط لگانا کہ شوہر اسے اس کے شہر سے نہیں ہٹائے گا۔ اس قسم کی شرائط کا حکم یہ ہے کہ ان تمام صورتوں میں نکاح شرعاً درست ہوجائے گا، اور شرط شرعاً فاسد اور لغو قرار پائے گی، البتہ اگر عقد نکاح میں کسی فریق کی طرف سے ایسی شرط لگائی جائے جو نکاح کے مقصد اصلی کو فوت کرنے والی ہو تو پھر اس صورت میں نکاح ہی درست نہیں ہوگا۔ جیسے یہ شرط لگانا کہ شوہر اپنی بیوی کے ساتھ ہمبستری نہیں کرے گا، یا یہ کہ شوہر سال بھر میں صرف ایک بار بیوی سے صحبت کرے گا، یا یہ شرط لگانا کہ شوہر اسے طلاق دیدے گا۔ وغیرہ وغیرہ

فقہ شافعی کی مشہور کتاب زاد المحتاج بشرح المنہاج میں ہے:

"نکاح میں خیار کی شرط لگانے سے نکاح ہی ختم ہوجاتا ہے۔ اور مہر کی صورت میں خیار کی شرط لگانے سے صحیح مسلک کے مطابق مہر درست نہیں ہوگا، البتہ نکاح صحیح قرار پائے گا۔

اور اگر وہ شرطیں مقتضائے عقد کے مخالف ہوں اور نکاح کے مقصود اصلی میں خلل ڈالنے والی نہ ہوں، جیسے یہ شرط لگانا کہ ایک بیوی کی موجودگی میں دوسری عورت سے نکاح نہیں کرے گا۔ یا یہ کہ عورت نفقہ کی مستحق نہیں ہوگی۔ تو ان تمام صورتوں میں مہر کی درستگی کے ساتھ نکاح بھی درست قرار پائے گا، صرف شروط فاسد قرار پائیں گی۔ اور اگر وہ شرط مقصود میں بھی خلل ڈالنے والی ہو، جیسے یہ شرط لگانا کہ عورت سے اس کا شوہر ہمبستری نہیں کرے گا یا یہ کہ شوہر اسے طلاق دیدے گا تو اس صورت میں نکاح باطل قرار پائے گا (زاد المحتاج بشرح المنہاج ج ۳ ص ۲۸۸۔ کتاب الام ج ۲ ص ۱۸۲)

۲۔ حنابلہ کے نزدیک شرائط کی قسمیں اور ان کے احکام

حنابلہ کے نزدیک شرائط کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ شرائط صحیحہ ان سے مراد وہ شرطیں ہیں جو مقتضائے عقد کے موافق ہوں، یا وہ شرطیں جو مقتضائے عقد کے مخالف ہوں، مگر ان شرائط کے لگانے میں زوجین میں سے کسی کا فائدہ ہو۔ اور شریعت اسلامی نے اس قسم کی شرطوں کے لگانے سے ممانعت نہ کی ہو، اور نہ وہ شرطیں مقصد نکاح میں خلل ڈالنے والی ہوں، جیسے بیوی کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کا نفقہ اور اخراجات ادا کرے گا۔ یا یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا اور

حسن معاشرت سے پیش آئے گا۔ یا یہ شرط لگانا کہ اس کی موجودگی میں اس کا شوہر دوسری عورت سے شادی نہیں کرے گا، یا اس کی طرف سے یہ شرط لگانا کہ شوہر اسے اس کے میکہ اور شہر سے نہیں نکالے گا، اور نہ اسے اپنے ساتھ طویل سفر کرنے پر مجبور کرے گا۔ یا مرد کا عورت کے بارے میں یہ شرط لگانا کہ وہ صاحب حسن و جمال ہو، تعلیم یافتہ ہو۔ یا یہ شرط لگانا کہ ان عیوب سے پاک ہو جن کی وجہ سے فسخ نکاح کا اختیار حاصل نہیں ہوتا ہے۔ جیسے اندھا پن، گونگا پن، بہرا پن وغیرہ۔

اس قسم کی شرطوں کا حکم یہ ہے کہ ان شرطوں کو پورا کرنا ضروری ہے۔ اس کی دلیل جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ۔

ان احق الشروط ان توفوا به مااستحللتم به الفروج (نیل الاوطار ج ۲ ص ۱۳۷)

اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے۔

" المسلمون علی شروطهم (سبل السلام ج ۳ ص ۵۹)

۲۔ شرائط فاسدہ۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ وہ شرائط جو مقتضائے عقد کے مخالف ہوں۔ جیسے مرد کا بوقت نکاح یہ شرط لگانا کہ عورت مستحق مہر نہیں ہوگی یا یہ شرط لگانا کہ شوہر پر اس کا نفقہ واجب نہیں ہوگا۔ یا بیوی کی طرف سے یہ شرط لگائی جائے کہ شوہر اس کے ساتھ صحبت نہیں کرے گا۔ یا عزل کرے گا۔ یا اس کے لئے اس کی سوکن سے زیادہ یا کم باری مقرر کرے گا، یا یہ کہ عورت اپنا خرچ خود ہی برداشت کرے گی، یا عورت یہ شرط لگائے کہ شوہر اس کی سوکن کو طلاق دیدے گا۔ اس قسم کی تمام شرطوں کا حکم یہ ہے کہ شرائط باطل ہوں گی اور عقد نکاح صحیح رہے گا۔

۲۔ دوسری قسم کی وہ شرطیں ہیں جو نکاح کے بطلان کا تقاضا کرتی ہیں، جیسے نکاح مؤقت، متعہ، یا یہ شرط لگانا کہ شوہر اپنی بیوی کو مقررہ وقت پر طلاق دیدے گا، اس قسم کی شرطوں کا حکم یہ ہے کہ شرطیں بھی باطل ہوں گی، اور ان کی وجہ سے نکاح بھی باطل قرار پائے گا۔

سوال نامہ کا جواب

ایسی شرائط جن کے ذریعہ نکاح کے فریقین میں سے کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو، اسی کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کردیا گیا ہو مثلا بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہوگا یا یہ کہ شوہر اس کے ساتھ حسن معاشرت سے پیش آئے گا۔ ایسی شرائط کے معتبر ہونے کے بارے میں حضرات امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام محمد بن ادریس، شافعی اور امام احمد

بن حنبل کا اتفاق ہے ۔ ایسی شرائط کا ایفاء فریقین پر واجب ہے ۔ علامہ صدیق بن حسن قنوجی نے اپنی کتاب "الروضة الندیة " میں لکھا ہے :

" ویجب علی الزوج الوفاء بشرط المرأة لحدیث عقبة بن عامر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم " احق الشروط ان یوفی به ما استحللتم به الفروج وهو فی الصحیحین و غیر هما قلت و هو قول اکثر اهل العلم " (الروضة الندیة ج ۲ ص ۳۱-۳۰)

۲ ۔ نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی کوئی شرط لگانا، جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو مثلاً شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان و نفقہ اس پر واجب نہیں ہوگا ۔ تو ایسی شرطوں کے بارے میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ ایسی شرطیں فاسد ہیں ۔ البتہ فقہ حنفی کی رو سے ایسی شرائط مقرر کرنے کی صورت میں صرف شرائط فاسد ہوں گی اور نکاح اپنی جگہ صحیح اور درست رہے گا ۔ مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک بھی شرط فاسد ہوگی اور نکاح اپنی جگہ پر درست رہے گا ۔ فقہ شافعی میں یہ تفصیل ہے ۔

" شرائط فاسدہ سے مراد وہ شرطیں ہیں، جن کا شریعت اسلامی نے حکم نہیں دیا اور وہ شرطیں مقتضائے عقد کے خلاف ہوں ۔ جیسے یہ شرط لگانا کہ اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا یا یہ کہ اس عورت کے لئے نفقہ نہیں ہوگا ۔ اس قسم کی شرائط کا حکم یہ ہے کہ نکاح صحیح ہوجائے گا ۔ اور شرط فاسد قرار پائیگی ۔ البتہ اگر ایسی شرط لگائی جائے جو نکاح کے مقصد اصلی کو فوت کرنے والی ہو تو پھر ایسی شرط لگانے کی صورت میں نکاح ہی درست نہیں ہوگا جیسے یہ شرط لگانا کہ شوہر ہمبستری نہیں کرے گا ۔ یا یہ کہ سال بھر میں صرف ایک مرتبہ ہمبستری کرے گا، یا یہ شرط لگانا کہ شوہر اپنی بیوی کو طلاق دیدے گا، ایسی شرائط مقرر کرنے کی صورت میں حضرت امام شافعی کے نزدیک نکاح ہی درست نہیں ہوگا ۔ فقہ شافعی کی معروف کتاب "زاد المحتاج بشرح المنہاج " میں ہے :

" وان خالف ولم یخل لمقصوده الاصلی کشرط ان لا یتزوج علیها او لانفقة لها صح النکاح وفسد الشروط و المهر صح و ان اخل کان لا یطأ او یطلق بطل النکاح (زاد المحتاج بشرح المنهاج ج ۳ ص ۲۸۸)

اور مغنی المحتاج میں ہے :

" (وان اخل) الشرط بمقصود النکاح الاصلی کان شرط ان لایطاها الزوج اصلا و ان لا یطأها الامرة واحده مثلا فی السنة او ان لا یطاها الا لیلا فقط او نهارا او ان یطلقها ولو بعد الوطی بطل النکاح لانه ینافی مقصود العقد فابطله " (مغنی المحتاج ج ۳ ص ۲۲۸-۲۲۷)

صاحب بذل المجہود نے شرائط فاسدہ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

" الصلح الذی یحرم الحلال کمصالحۃ الزوجۃ للزوج علی ان لا یطلقھا اولا یتزوج علیھا او لایبیت عند ضرتھا و الذی یحلل الحرام کان یصالحہ علی وطی امۃ لا یحل لہ وطؤھا (بذل المجہود ج ۱۵ ص ۲۷۷)

۳ ۔ تیسری قسم کی شرط لگانا جن کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا، اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں نہ ہوتی ہو، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا، یا بیوی کو اس کے میکہ میں ہی رکھے گا یا اسے اس کے شہر سے نہیں نکالے گا۔ ایسی شرائط کے بارے میں فقہاء اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ ایسی شرطوں کے لگانے سے نفس نکاح کے جواز پر کوئی اثر نہیں پڑے گا نکاح درست رہے گا۔ البتہ ایسی شرائط واجب الایفاء ہوں گی یا نہیں؟ اس بارے میں ائمہ میں اختلاف ہے، اور یہ اختلاف بہت قدیم ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک چونکہ صرف وہ شرطیں معتبر ہیں جو مقتضائے عقد کے موافق ہوں اور مخالف شرع نہ ہوں یہ حضرات ایسی شرطوں کو مقتضائے عقد کے خلاف ہونے کی وجہ سے معتبر نہیں مانتے ہیں۔ اگر ایسی شرطیں مقرر کی گئیں تو شوہر پر ان شرطوں کا ایفاء واجب نہیں ہوگا۔ **مواھب الجلیل** میں حضرت امام مالک کی یہ رائے نقل کی گئی ہے

" فان الذی اری منہ مافی الموطا عن مالک انہ بلغہ ان سعید بن المسیب سئل عن المراۃ تشترط علی زوجھا انہ لا یخرج بھا من بلدھا قال سعید یخرج بھا ان شاء قال مالک۔ فالامر عندنا انہ اشترط الرجل للمراۃ و انہ کان ذالک الشرط عند عقدۃ النکاح ان لا انکح علیک و لا اتسری ان ذالک لیس بشئی الا ان یکون فی ذالک یمین بطلاق او عتاقۃ فیجب علیہ و یلزمہ " (مواھب الجیل من ادلۃ خلیل لاحمد بن احمد ج ۳ ص ۲۳)

زاد المحتاج میں ہے:

" وان خالف و لم یخل بمقصودہ الاصلی کشرط ان لا یتزوج علیھا او لا نفقۃ لھا صح النکاح و فسد الشروط و المھر صح (زاد المحتاج بشرح المنھاج ج ۳ ص ۲۸۸)

ان ائمہ حضرات نے اپنے مسلک پر درج ذیل احادیث رسول سے استدلال کیا ہے۔

" کل شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل و ان کان مائۃ شرط "

"المسلمون عل شروطهم الا شرطا احل حراما او حرم حلالا"

ان حضرات کے استدلال کا حال یہ ہے کہ مذکورہ بالا شرائط لگا کر ایسی چیزوں کو حرام قرار دے دیا جاتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال اور مباح قرار دیا ہے، جیسے مرد کے لئے دوسری بیوی کرنا، بیوی کے ساتھ سفر کرنا، بیوی کو اپنے ساتھ رکھنا وغیرہ۔ شرط کے ذریعہ مباح کو حرام کرلیا جاتا ہے، اس لئے ایسی شرطوں کا اعتبار نہیں ہوگا۔

اس سلسلہ میں فقہ حنبلی میں کافی توسع پائی جاتی ہے۔ ایسی شرط لگانے کی صورت میں حنابلہ کے نزدیک مطلقا شوہر پر اس شرط کا ایفاء واجب اور لازم ہوگا، اور شرط کے عدم ایفاء کی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا، فقہ حنبلی کے ترجمان علامہ ابن قدامہ حنبلی نے لکھا ہے کہ:

"مایلزم الوفاء به وهو ما یعود الیها نفعه و فائدته مثل ان یشترط لها ان لا یخرجها من دارها. فهذا یلزم الوفاء فان لم یفعل فلها فسخ النکاح (المغنی لابن قدامة ج ۷ ص ۷۱)

المقنع میں ہے:

هی قسمان صحیح مثل اشتراط زیادة فی المهر او نقد معین او ان لا یخرجها من دارها او بلدها. او لا یتزوج علیها و لا یتسری فهذا صحیح لازم ان وفی به و الا فلها الفسخ (المقنع ج ۳ ص ۳۹-۴۲)

فقہا نے ایسی شرطوں کے واجب الایفاء ہونے پر قرآن کریم کی ان آیات اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات سے استدلال کیا ہے جن میں اہل ایمان کو ایفاء عہد کا حکم دیا گیا ہے۔ اور عہد شکنی سے منع کیا گیا ہے۔ راقم الحروف کا ذاتی رجحان یہ ہے کہ اشتراط فی النکاح کے سلسلہ میں موجودہ دور کے مسائل کو حل کرنے کے لئے فقہ حنبلی سے فائدہ اٹھانا درست ہوگا۔

واضح رہے کہ صرف وہ شرطیں معتبر ہوں گی جو بوقت نکاح عقد نکاح میں ذکر کی جائیں یا عقد نکاح سے پہلے فریقین کے باہمی مشورہ سے طے ہوجائیں۔ نکاح ہوجانے کے بعد لکھے گئے شرائط نامہ کا اعتبار نہیں ہوگا۔

تفویض طلاق کا حکم:

قرآن کریم میں طلاق کی نسبت مرد کی طرف کی گئی ہے۔ اور طلاق دینے والا "مرد کو کہا گیا ہے اور مرد ہی کے بارے میں کہا گیا ہے کہ " بیده عقدة النکاح " شریعت اسلامی کی رو سے طلاق کا حق شوہر کو حاصل ہے۔ البتہ شوہر اپنے اس حق کو کسی اجنبی شخص کی طرف بھی منتقل کرسکتا ہے۔ جس کو فقہ کی اصطلاح میں "توکیل" کہا جاتا

ہے۔ اور خود اپنی بیوی کو بھی یہ حق طلاق منتقل کر سکتا ہے۔ جس کو فقہ و شریعت کی اصطلاح میں "تفویض طلاق" کہا جاتا ہے۔ تفویض قبل النکاح بھی ہو سکتی ہے۔ اور نکاح کے بعد بھی۔البتہ قبل النکاح تفویض کی صورت میں یہ ضروری ہوگا کہ تفویض طلاق کی نسبت نکاح کی جانب ہو مثلاً یہ کہے کہ میں نے تم سے نکاح کیا تو تم کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا۔

توکیل اور تفویض میں فرق یہ ہے کہ شوہر جب چاہے اپنے وکیل کو معزول کر کے اس سے حق طلاق کو واپس لے سکتا ہے۔ البتہ عورت کو حق طلاق دے دینے کے بعد شوہر کو اسے واپس لینے کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ میرے نزدیک عورت کو موجودہ دور میں علی الاطلاق "حق طلاق" دینا مفاسد سے خالی نہیں ہے۔ عورت اس کا بے جا اور غلط استعمال کرنے لگے گی۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ اسے مشروط طور پر حق طلاق دیا جائے اور شرائط کے تحقق اور عدم تحقق کی نسبت مقامی دارالقضاء یا اہل علم و فقہ کا فیصلہ معتبر مانا جائے۔ مثلاً کابین نامہ میں شوہر کی طرف سے یہ عبارت لکھی جائے کہ:

" اگر میں نے اپنی بیوی کے حقوق ادا نہیں کئے۔ یا میری طرف سے فلاں فلاں --- شرطوں کی خلاف ورزی ہوئی۔ اور شرائط کی خلاف ورزی کا تحقق عند القضاء یا عند العلماء ہوجائے تو میری بیوی بنت زید کو ایک طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا"

دو طرح کا مہر مقرر کرنا

طلاق کے بے جا استعمال کو روکنے کے لئے ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ عقد نکاح کے وقت مہر اس طرح طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر مثلاً ۲۰ ہزار ہوگا اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہوگا۔ یا مثلاً یہ کہ شوہر نے دوسرا نکاح کیا تو عورت کا مہر ۲۵ ہزار ہوگا، اور اگر دوسرا نکاح نہیں کیا تو عورت کا مہر ۱۵ ہزار ہوگا۔ اس طرح مہر کی تعلیق میں حضرت امام ابو حنیفہ اور صاحبین کا اختلاف ہے صاحبین کے نزدیک مہر مسمی لازم ہوتا ہے۔ اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک مہر مثل۔ اس کی نظیر فقہ میں یہ ہے کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر نکاح کے وقت مہر اس طرح طے ہو کہ شوہر بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں نکالے گا تو مہر ایک ہزار ہوگا اور اگر بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر لے گیا تو اس کا مہر دو ہزار ہوگا۔ اس مسئلہ میں حضرات صاحبین امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک دونوں شرطیں درست ہوتی ہیں اور ہر دو صورتوں میں متعین کیا ہوا مہر (مہر مسمی) لازم ہوتا ہے اور دوسری صورت میں ذکر کردہ مہر کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، بلکہ

دوسری شرط پائی جانے کی صورت میں مہر مثل لازم ہوتا ہے ۔اور حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک جس مہر کا پہلے ذکر کیا گیا ہے اس کا تسمیہ درست قرار پاتا ہے اور پہلی شرط پائی جانے کی صورت میں متعین کردہ، مہر مثل، لازم ہوتا ہے ۔ بشرطیکہ وہ مہر مسمی سے متجاوز نہ ہو۔

اس سلسلہ میں ضرورت و حاجت کی بنیاد پر صاحبین کی رائے کو اختیار کیا جاسکتا ہے ، اور سوالنامہ میں ذکر کردہ طریقہ کے مطابق مہر کی دو مقدار طے کرنا درست قرار پائے گا۔

عورت کے لئے نکاح میں ملازمت کی شرط لگانا

اسلام نے عورتوں پر مالی ذمہ داری نہیں ڈالی ہے ، اور اپنی اور اپنی اولاد کی کفالت و پرورش کے لئے اسے کمانے کا مکلف نہیں بنایا ہے ۔ اسلام نے گھر کی تمام ذمہ داریاں مرد کے ذمہ کی ہیں ۔ اور اندرون خانہ کی ذمہ داریاں ، بچوں کی پرورش ، شوہر کے مال کی نگہداشت اور گھر کے ماحول کو سنوارنے کی ذمہ داری عورت پر ڈالی ہے ۔ قرآن میں کہا گیا ہے " **وقرن فی بیوتکن** " اسی طرح مردوں کے بارے میں کہا گیا کہ " **الرجال قوامون علی النساء بما فضل الله بعضهم علی بعض و بما أنفقوا من اموالهم** " اگر عورت بھی کسب میں مشغول ہوجائے تو شوہر کا حق احتباس جس کی بنیاد پر عورت کا نفقہ شوہر پر واجب کیا گیا ہے ، متاثر ہوگا ۔ اور ہر وہ کام جس کی انجام دہی کے لئے عورت کو گھر کی چار دیواری سے باہر جانا پڑے ، اور عورت کے باہر کے کاموں میں مصروف رہنے کی وجہ سے شوہر کا حق متاثر ہوتا ہو یا اسے ضرر لاحق ہوتا ہو تو شوہر کو ایسے کام سے اپنی بیوی کو روکنے کا حق حاصل ہوگا ۔

حاشیہ ردالمحتار میں ہے :

" **والذی ینبغی تحریره ان یکون له منعها من کل عمل یودی الی تنقیص حقه او ضرره او الی خروجها من بیته اما الذی لا ضرر له فیه فلا وجه لمنعها منه خصوصا فی حال غیبته من بیته الخ (حاشیة رد المحتار ج ۳ ص ۲۰۳)**

اس سلسلہ میں راقم الحروف کا ذاتی رجحان یہ ہے کہ اگر عقد نکاح کے وقت عورت کی طرف سے ملازمت کی شرط لگا دی گئی تو شرط فاسد قرار پائے گی اور نکاح درست قرار پائے گا اور شوہر پر اس شرط کا ایفاء لازم نہیں ہوگا ، جب چاہے وہ اس سے رجوع کرسکتا ہے ۔ البتہ بعض مخصوص حالات میں جب کہ شوہر کاہل اور نکما ہو ، کماتا نہ ہو ، اور عورت کو مالی پریشانی لاحق ہو تو ایسی صورت میں فقہ حنبلی کے مطابق عمل کی گنجائش ہوگی ۔

18/11

مشروط نکاح

مولانا ولی اللہ قاسمی ٭

" شرط " (بسکون الراء) کا معنی کسی چیز کو لازم اور ضروری قرار دینا ہے ، جمع شروط ہے ، شریطہ بھی اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے ، جمع شرائط ہے (لسان العرب ج ۷ ص ۳۲۹۔ القاموس المحیط ۸۷۹) شرط کی اصطلاحی تعریف بھی قریب قریب یہی ہے ۔

علامہ حموی تحریر کرتے ہیں :

الشرط هو التزام امر لم يوجد فى امر قد وجد بصيغة مخصوصة (غمز عيون البصائر ج ۱ ص ۲۲۵)

شیخ زرقاء لکھتے ہیں :

فالشرط او الشريطة هو كل امر ربط به غيره عدما لا وجودا وهو خارج عن ماهيته اى ان عدم الشرط يستلزم الامر المشروط له ـ اما وجود الشرط فلا يلزم وجود المشروط (المدخل ج ۱ ص ۳۰۲ ـ ۳۰۳)

شرط یا شرائط وہ معاملہ ہے جس کے ساتھ باعتبار عدم کسی دوسرے معاملہ کو مربوط کردیا گیا ہو نہ کہ باعتبار وجود اور وہ اس کی ماہیت سے خارج ہو ، یعنی جس بات کے لئے شرط عائد کی گئی ہے اس کے پائے جانے کے لئے شرط کا پایا جانا ضروری ہے ۔ البتہ شرط کے پائے جانے کی وجہ سے اس کا پایا جانا ضروری نہیں ۔

٭ دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد

غرضیکہ شرط کی وجہ سے دوسرے فریق پر کچھ ایسی ذمہ داریاں عائد ہوجاتی ہیں جو اس پر واجب اور ضروری نہ تھیں، تاہم شریعت نے اس سلسلہ میں فریقین کو بالکل آزاد نہیں چھوڑا کہ وہ معاملہ کو جس طرح سے چاہیں طے کرلیں، بلکہ معاملہ کی روح اور مقصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے نیز دونوں کی فطرت و صلاحیت کے پیش نظر ایک گونہ پابندی لگادی ہے، تا کہ کمزور فریق کا استحصال نہ ہوسکے اور اس کی مجبوری سے بے جا فائدہ اٹھانے پر بند لگایا جاسکے، اس اعتبار سے عقد نکاح میں لگائی جانے والی شرطیں تین طرح کی ہیں۔

۱۔ وہ فرائض و ذمہ داریاں جو خود عقد نکاح کی وجہ سے عائد ہورہی تھیں انہیں کو شرط کی شکل میں ذکر کردیا جائے، مثلاً عورت یہ شرط لگائے کہ شوہر رکھ رکھاؤ اور برتاؤ میں اس کے ساتھ عمدہ سلوک کرے گا، اس قسم کی شرطیں بہ اتفاق معتبر ہیں۔ اگر بصورت شرط نہ بھی ذکر کیا جاتا جب بھی ضروری ہوتا، ہاں شرط لگادینے کی وجہ سے مزید تاکید پیدا ہوجائے گی۔

خطابی لکھتے ہیں:

فمنها ما يجب الوفاء به اتفاقا وهو ما امر الله به من امساك بمعروف او تسريح باحسان

(فتح الباری ج ۹ ص ۲۱۷)

بعض شرائط وہ ہیں جنھیں بہ اتفاق پورا کرنا ضروری ہے، یہ وہ ہیں جن کے بجالانے کا اللہ تعالی نے حکم دیا ہے، مثلاً دستور کے مطابق نباہ کرنا یا بخیر خوبی تعلق ازدواجی ختم کرلینا۔

۲۔ وہ شرائط جن کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، بالاتفاق ناقابل عمل ہیں، مثلاً یہ شرط لگانا کہ شوہر نفقہ کا ذمہ دار نہ ہوگا۔

فتح الملک میں ہے:

او يشترط ان لا مهر لها او لا نفقة لها فهذه الشروط كلها باطلة اتفاقا (فتح الملك المعبود ج ۳ ص ۳۲)

یا شرط لگادے کہ عورت کے لئے مہر یا نفقہ نہیں ہے تو یہ تمام شرطیں بہ اتفاق باطل ہیں۔

مگر کیا اس شرط کی وجہ سے عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر پڑے گا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء کے درمیان قدرے اختلاف ہے، احناف کا نقطہ نظر یہ ہے کہ نکاح شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا گو شرط کو عقد کے ساتھ بیان کیا گیا ہو۔ مالکیہ کہتے ہیں کہ شرط فاسد کی وجہ سے نکاح فاسد ہوجاتا ہے لیکن اگر اس کے باوجود یکجائی ہوجائے تو عقد نکاح صحیح اور شرط باطل ہے۔ شوافع اور حنابلہ کے یہاں تفصیل ہے، کچھ فاسد شرطوں کی وجہ سے وہ نکاح کو

بھی فاسد قرار دیتے ہیں اور بعض فاسد شرطوں کے باوجود نکاح کو جائز قرار دیتے ہیں ۔ (**الفقه الاسلامی ج ۷ ص ۵۳**)

۳ ۔ وہ شرطیں جو مذکورہ دونوں قسموں میں شامل نہیں ، بلکہ مباح اور جائز ہیں ، لیکن اس کی وجہ سے ایک فریق پر ایسی پابندی عائد ہوجاتی ہے ، جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہیں ہوتی ، مثلاً عورت یہ شرط لگادے کہ شوہر اس کو لے کر سفر میں نہیں جائے گا ، اس کے ہوتے ہوئے دوسری شادی نہیں کرے گا ، یا اس کو اپنے والدین ہی کے گھر میں رہنے دے گا ، سسرال جانے پر مجبور نہیں کرے گا وغیرہ ۔ اس سلسلہ میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے ۔ احناف کے نقطہ نظر کی ترجمانی کرتے ہوئے علامہ کشمیری رقم طراز ہیں ۔

والشروط التی لاتنافی النکاح جائزة و توفی دیانة لا تلزم قضاء (العرف الشذی مع الترمذی ج ۱ ص ۲۱۶)

جو شرطیں نکاح کے منافی نہ ہوں جائز ہیں ۔ دیانتاً اس کو پورا کیا جائے گا ، لیکن بطور قضاء لازم نہیں ، شوافع میں ابو عبید کی بھی یہی رائے ہے وہ لکھتے ہیں :

والذی ناخذ به انا نامره بالوفاء بشرطه من غیر ان یحکم علیه (فتح الباری ج ۹ ص ۲۷۳)

ہمارا عمل اس پر ہے کہ شرط کے بجالانے کا حکم دیتے ہیں ، لیکن (بصورت دیگر) ہم اس کے خلاف فیصلہ نہیں کریں گے ۔

علامہ عینی نے امام ابو حنیفہ کے ساتھ امام شافعی اور امام مالک کا بھی یہی مذہب نقل کیا ہے ، وہ فرماتے ہیں ۔

و الثانی ان یؤمر الزوج بتقوی الله و الوفاء بالشرط ولا یحکم بذالک حکما ۔۔ وهو قول مالک و ابی حنیفة و الشافعی (عمدة القاری ج ۲۰ ص ۱۳۰)

دوسری رائے یہ ہے کہ شوہر کو اللہ سے ڈرنے اور شرط کے مطابق عمل کرنے کا حکم دیا جائے ، لیکن اس پر فیصلہ کو مسلط نہ کیا جائے ۔ یہی امام مالک ، ابو حنیفہ اور شافعی کا مسلک ہے ۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس قول کی نسبت امام مالک و شافعی کی طرف درست نہیں ۔ نووی نے امام شافعی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ شرط لغو ہے اور نکاح مہر مثل کے ساتھ درست ہے (**شرح نووی علی مسلم ج ۱ ص ۲۵۵**) امام مالک کہتے ہیں کہ یہ شرط کراہت سے خالی نہیں ، اس کی تکمیل صرف مستحب ہے (**الفقه الاسلامی ج ۷ ص ۶۰**)

بہرکیف یہ تینوں حضرات اس پر متفق ہیں کہ عورت کو اس کی وجہ سے فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق حاصل

نہیں ہوگا، ابراہیم نخعی، حسن بصری، ابن سیرین، ربیعہ، ابو الزناد، لیث، اور سفیان ثوری کی یہی رائے اور مسلک ہے، اس کے بالمقابل حضرت عمر، سعد بن ابی وقاص، عمرو بن العاص اور حضرت معاویہ فرماتے ہیں کہ شرط کو پورا کرنا واجب اور ضروری ہے، عدم تعمیل کی صورت میں عورت فسخ نکاح کا مطالبہ کرسکتی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود کی طرف بھی یہ رائے منسوب ہے، حضرت عمر بن عبد العزیز، جابر بن زید، طاؤس، ابو الشعثاء، اوزاعی، امام احمد بن حنبل اسحاق بن راہویہ اور بعض مالکیہ کا بھی یہی خیال اور مذہب ہے (**دیکھئے مصنف عبد الرزاق ج ۲ ص ۱۳۔ ۲۲۳۔ مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۲ ص ۲۰۱۔ ۱۹۹۔ فتح الباری ج ۹ ص ۲۷۳۔ عمدۃ القاری ج ۲۰ ص ۱۳۰ المغنی ج ۷ ص ۷۲۔ ۷۱۔ فقہ السنہ ج ۲ ص ۸۲۔ ۱۸۱۔ و بعض المالکیۃ سار و امسارهم۔ امام احمد بن حنبل ص ۳۲۲ لابی زہرۃ**) حال کے محققین علماء اور فقہ سے دلچسپی رکھنے والوں میں استاذ ابو زہرہ، شیخ مصطفی زرقا، وہبہ زحیلی اسی خیال کے حامی و مؤید ہیں (دیکھئے امام احمد بن حنبل۔ **۳۵۱۔ المدخل ج ۱ ص ۲۸۲۔ الفقہ الاسلامی و ادلتہ ج ۷ ص ۷۰**)

فریق اول کے دلائل

جو حضرات شرط کو لازم اور ضروری نہیں سمجھتے یا اس کی وجہ سے فسخ کا حق نہیں دیتے، وہ درج ذیل احادیث و آثار سے استدلال کرتے ہیں۔

۱۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

المسلمون على شروطهم الاشر طا احل حراما او حرم حلالا (رواہ ابو داؤد۔ ابن ماجہ۔ و الترمزی و قال حسن صحیح)

مسلمان شرائط کے مطابق عمل کریں گے مگر وہ شرط جو کسی حلال کو حرام کرے یا حرام کو حلال کردے۔

طریقہ استدلال یہ ہے کہ چونکہ شرط لگانے کی وجہ سے ایک حلال چیز، یعنی دوسری شادی، یا ساتھ میں سفر وغیرہ حرام ہوجاتی ہے، اس لئے ایسی شرط حدیث کی رو سے ناقابل وفاء ہے۔

۲۔ ایک ایسے ہی شرط کے موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ **مابال رجال يشترطون شروطا ليست في كتاب الله ماكان من شرط ليس في كتاب الله فهو باطل و ان كان مائة شرط قضاء الله احق و شرط الله اوثق (رواہ البخاری۔ کتاب العتق)**

" لوگوں کو کیا ہوگیا ہے ؟ کہ وہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جو اللہ کی کتاب میں نہیں ، ہر وہ شرط جو اللہ کی کتاب میں نہ ہو ، وہ باطل ہے گو وہ سو شرطیں ہوں ، اللہ کے فیصلے کا حق زیادہ ہے اور اللہ کی شرط زیادہ قابل اعتماد ہے۔"

معلوم ہوا کہ جو شرطیں اللہ کی کتاب اور اس کے مقتضی کے مطابق نہیں ، وہ باطل ہیں ۔ مذکورہ شرائط بھی اسی قبیل کی ہیں ، کیونکہ قرآن نے اس سلسلہ میں کوئی پابندی نہیں لگائی ہے ، جب کہ شرط سے شوہر کو پابند ہونا پڑتا ہے ۔

۳ ۔ حضرت علی سے اس عورت کے متعلق دریافت کیا گیا جس نے عقد کے وقت اپنے میکے میں رہنے کی شرط لگادی تھی تو آپ نے فرمایا کہ شوہر کو وہاں سے لے جانے کا حق حاصل ہے ، کیونکہ اللہ کی شرط عورت کی شرط پر مقدم ہے ۔ **شرط اللہ قبل شرطها (دیکھئے مصنف عبد الرزاق ج ۲ ص ۲۳۱ ۔ مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۲۰۱ المحلی ج ۹ ص ۱۲۵ ترمذی ج ۱ ص ۲۱۲)**

۴ ۔ چونکہ شرط عقد کی مصلحت اور تقاضا کے موافق و مطابق نہیں ، اس لئے لازم وفاء نہیں ۔

۵ ۔ ابن وہب " بہ سند جید " روایت کرتے ہیں کہ عورت نے نکاح کے وقت یہ شرط لگادی تھی کہ وہ میکے میں ہی رہے گی ، بعد میں شوہر نے وہاں سے لے جانا چاہا ۔ مقدمہ حضرت عمر کی عدالت میں پیش ہوا ، آپ نے شرط کا کوئی اعتبار نہیں کیا اور فیصلہ کیا کہ عورت شوہر کے ساتھ رہے گی ، وہ جہاں لے جانا چاہتا ہے ، لے جاسکتا ہے (**فتح الباری ج ۹ ص ۲۷۷**)

۶ ۔ حدیث " **ان احق الشروط ان یوفی بها ما استحللتم بها الفروج** " میں شرط سے مراد مہر ہے ، یا وہ ذمہ داریاں ہیں جو عقد نکاح کی وجہ سے خود لازم اور ضروری ہوجاتی ہیں ۔

چنانچہ قاضی خاں لکھتے ہیں :

المراد بالشروط هنا المهر لانه المشروط فی مقابلة البضع ۔ وقیل جمیع ماتستحقه المرأة بمقتضی الزوجیة من المهر و النفقة و حسن المعاشرة فان الزوج التزمها بالعقد فکانها شرطت فیه (مرقات ج ۳ ص ۴۲۱)

" شرط " سے مراد یہاں مہر ہے ، اس " بضع " کے مقابلہ میں وہی مشروط ہے ۔ اور کہا گیا ہے کہ مراد وہ تمام چیزیں ہیں ، جس کی بیوی ہونے کی بنیاد پر عورت حقدار ہے ، یعنی مہر ، نفقہ اور حسن معاشرت ، کیونکہ شوہر نے عقد کی وجہ سے اسے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے گویا عورت نے عقد میں اس کی شرط لگادی ہے ۔

دوسرے فریق کے دلائل

جو حضرات شرط کی تکمیل کو لازم اور ضروری سمجھتے ہیں اور عدم تعمیل کی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا حق دیتے ہیں، ان کے دلائل یہ ہیں۔

یا ایھا الذین آمنوا اوفو بالعقود (سورۃ مائدۃ۔۱)

آیت میں "عقود" سے مراد عہد اور وعدے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عباس، مجاہد، ابن جریج، ابو عبیدہ اور دیگر لوگوں سے آیت کی یہی تفسیر منقول ہے۔ اور ظاہر ہے کہ شرط بھی ایک عہد اور وعدہ ہی ہے۔

چنانچہ جصاص رازی لکھتے ہیں:

وکذالک کل شرط شرطہ انسان علی نفسہ فی شئی فی المستقبل فھو عقد (احکام القرآن ج ۳ ص ۲۸۳)

اور ایسے ہی ہر وہ شرط جو انسان کسی چیز میں اپنے اوپر لگالے وہ "عقد" ہے۔ آگے اس آیت کے تحت وہ لکھتے ہیں کہ انسان جو شرط قبول کرلے، اس کو پورا کرنا واجب اور ضروری ہے، انھیں کے الفاظ ہیں۔

وھو فی ایجاب الوفاء بجمیع مایشرط الانسان علی نفسہ مالم تقم دلالۃ تخصصہ (حوالہ سابق ج ۳ ص ۲۸۶)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام شرطوں کو، جو انسان اپنے اوپر لگائے، پورا کرنا واجب ہے جب تک کہ تخصیص کی کوئی دلیل نہ ہو۔

واوفوا بالعھد ان العھد کان مسؤلا (الاسراء ۳۲)

اور عہد کو پورا کرو کہ اس کے متعلق پوچھا جائے گا۔

یہ عہد عام ہے کہ اللہ سے کیا گیا ہو یا بندے سے، گو وہ کافر ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ ارشاد ہے:

الا الذین عاھدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئا و لم یظاھروا علیکم احدا فاتموا الیھم عھدھم الی مدتھم ان اللہ یحب المتقین (التوبۃ ۷)

سوائے ان مشرکوں کے جن سے تمھارا معاہدہ ہے، اور انھوں نے اس میں کوئی کوتاہی نہیں کی، اور تمھارے خلاف کسی دوسرے کی مدد نہیں کی تو معین مدت تک اس معاہدہ کی پابندی کرو، واقعی اللہ تعالی ڈرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔

اسی طرح کی بہت سی آیتیں ہیں، جس میں وفاء عہد کا حکم دیا گیا ہے، اور بدعہدی پر وعید سنائی گئی ہے، شرط بھی ایک طرح سے عہد ہی ہے، لہذا اس کو پورا کرنا واجب اور ضروری ہے۔

۲۔ حدیث میں بدعہدی نفاق کی علامت بتلائی گئی ہے، بہت سی ایسی حدیثیں ہیں جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خلاف عہد کرنے کی مذمت بیان فرمائی، سخت قسم کی وعیدوں سے خبردار کیا ہے۔

۳۔ نکاح کے معاملہ میں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بصراحت فرمایا کہ:

احق الشروط ان توفوا بہ ما استحللتم بہ الفروج (بخاری و مسلم وغیرہ)

پابندی کے لائق سب سے زیادہ وہی شرطیں ہیں جن کے ذریعہ تم نے شرمگاہوں کو حلال کیا ہے۔

معلوم ہوا کہ دیگر شرطوں کی بہ نسبت عقد نکاح میں لگائی جانے والی شرط زیادہ لائق وفاء ہے۔

۴۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

الناس علی شروطھم ما وافقت الحق

لوگ اپنی شرطوں پر ہیں جب تک کہ وہ حق کے مطابق ہوں۔

یہ حدیث متعدد سندوں سے مروی ہے، جن میں بعض راوی ضعیف بھی ہیں۔ مگر مختلف سندوں کی وجہ سے تقویت پیدا ہوجاتی ہے، نیز اسی معنی میں دیگر صحیح حدیثیں بھی موجود ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شرائط شریعت کے منشاء و مقصد کے خلاف نہ ہوں، وہ جائز ہیں، لوگوں کو اس کی پابندی لازم اور ضروری ہے۔

۵۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر فیصلہ فرمایا کہ شوہر کے لئے شرط کو پورا کرنا ضروری ہے ورنہ عورت کو فسخ کا حق حاصل ہوگا، شوہر نے اعتراض کیا کہ پھر مردوں کے حق طلاق کا کیا حاصل؟ "**اذا تطلیقنا**" حضرت عمر نے جواب میں یہ قانونی جملہ ارشاد فرمایا "**مقاطع الحقوق عند الشروط**"

۶۔ قرآن پاک سے یہ ثابت ہے کہ معاملات میں اصل بنیاد "رضا" ہے، لہذا جس شرط پر فریقین راضی ہوں، اور عقد کے مقصد و مقتضی کے منافی نہ ہوں، نیز اس کی وجہ سے شریعت کے متعین کردہ حدود نہ ٹوٹتے ہوں تو وہ جائز اور لازم الایفاء ہے۔

۷۔ معاملات میں اصل "اباحت" ہے، اس پر تقریباً تمام فقہاء کا اتفاق ہے، صرف ظاہریہ "حظر" کے قائل ہیں (دیکھئے **مبداء الرضا فی العقود - ۱۱۸۲**) اس اعتبار سے بھی وہ شرطیں جن سے شارع نے منع نہ کیا ہو جائز ہوں گی۔

۸ ۔ عبادات میں اصل "حظر" ہے کہ صرف وہی چیزیں لازم و ضروری ہوں گی جسے شریعت نے فرض و واجب قرار دیا ہے ، اپنی طرف سے کسی چیز کو فرض و واجب قرار دینا درست اور صحیح نہیں ، لیکن اس کے باوجود عبادات میں " **نذر** " کی شکل میں شرط لگانے کی اجازت دی گئی ہے کہ جو چیز ذمہ میں واجب نہ ہو اسے واجب کرے ، جب عبادات جس میں اصل حظر ہے ، میں شرط کی اجازت ہے اور اس کو پورا کرنا لازم و ضروری ہے تو معاملات جس میں اصل اباحت ہے ۔ میں بدرجہ اولی اس کی تکمیل لازم و ضروی ہوگی ۔

۹ ۔ یہ شرطیں ایسی ہیں جس میں عورت کا فائدہ ہے اور مقصد نکاح کے منافی بھی نہیں ، لہذا جس طرح سے زیادتی مہر کی شرط لازم ہے ، اسی طرح سے یہ شرائط بھی ضروی اور لازم ہیں ۔ (یہ تمام تر تفصیلات فتاوی کبری ج ۳ ص **۳۲۹ و مابعده لابن تیمیة ۔ اعلام الموقعین ج ۳ ص ۲ ۔ ۲۰۶ ۔ المغنی ج ۷ ص ۷ ۔ ۷۱** سے ماخوذ ہیں)

دلائل کا ایک جائزہ

حقیقت یہ ہے کہ فریق اول کی طرف سے جو دلائل پیش کئے گئے ہیں ، ان میں حضرت علی کے اثر کے علاوہ کوئی صریح نہیں ہے ، حدیث " **المسلمون علی شروطهم الاشرطا احل حراما او حرم حلالا** " کو ہی لے لیجئے ، یقینی طور پر شرط کی وجہ سے حلال چیز حرام نہیں ہوتی ، بلکہ اس کا کرنا اب بھی جائز ہے ۔ اس شرط کے خلاف کرنے کے لئے ابھی بھی دروازہ کھلا ہوا ہے ، البتہ اس کا کرنا لازم اور ضروری ہوجاتا ہے ۔ اور اس کے خلاف کرنے کی وجہ سے عقد کو ختم کردینے کا حق ملتا ہے ، کسی مباح کو لازم و ضروری قرار دے لینا اور ہے اور اس کو حرام کرلینا اور ، ان دونوں میں نمایاں فرق ہے ۔ ابن قدامہ اپنے مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

قلنا لا یحرم الحلال و انما یثبت للمراة خیار الفسخ (المغنی ج ۷ ص ۷۱)

ہم کہتے ہیں کہ شرط کی وجہ سے کوئی حلال حرام نہیں ہوتا ، ہاں عورت کو فسخ نکاح کا اختیار ملتا ہے ۔

فقہ حنبلی کی کتابوں میں صراحت ہے کہ شوہر کے لئے شرط کے مطابق عمل کرنا صرف سنت ہے ، جن لوگوں نے واجب و لازم لکھا ہے تو وہ اس معنی کر ہے کہ عورت کو اس کی وجہ سے فسخ کا حق حاصل ہوگا ، چنانچہ " اقناع " میں ہے ۔

فهذا صحیح لازم للزوج بمعنی ثبوت الخیار لها بعد مه و لا یجب الوفاء به بل یسن (الاقناع ج ۳ ص ۱۹۰)

تو یہ شرط صحیح ہے اور شوہر کے لیے لازم ہے بایں معنی کہ شرط پوری نہ کرنے کی صورت میں عورت کو اختیار ہوگا، اور شرط کو پورا کرنا واجب نہیں، بلکہ مسنون ہے۔

رہ گئی دوسری حدیث تو وہ بھی مفید مطلب نہیں، اس لئے کہ " **کل شرط لیس فی کتاب اللہ** " سے مراد وہ شرطیں ہیں جو قواعد شریعت اور اس کے مقاصد کے خلاف ہوں، علماء محققین نے حدیث کی یہی تشریح کی ہے۔

چنانچہ علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

وقال القرطبی لیس فی کتاب اللہ ای لیس مشروعا فیہ تاصیلا و لا تفصیلا، و منھا ما اصل اصلہ کدلالۃ الکتاب علی اصلیۃ السنۃ و الاجماع و القیاس (فیض القدیر ج ۵ ص ۲۷ للمناوی۔ رقم الحدیث ۲۳۱۳)

قرطبی نے کہا کہ **لیس فی کتاب اللہ** (اللہ کی کتاب میں نہ ہو) سے مراد وہ شرطیں ہیں جو باعتبار اصل اور نہ باعتبار مشروع ہو اور ان میں کچھ وہ ہیں جو اصل کی اصل ہیں، مثلاً کتاب اللہ کی دلالت سنت، اجماع، اور قیاس کے اصل ہونے پر۔

مذکورہ حدیث جس پس منظر میں کہی گئی ہے، وہ بھی اسی توجیہ کی تائید کرتی ہے کہ حضرت بریرہ ایک باندی تھیں، حضرت عائشہ نے چاہا کہ انہیں ان کے مالک سے خرید کر آزاد کردیں، وہ بیچنے پر راضی تو ہوگئے، لیکن شرط لگادی کہ "حق ولا" انہی کو ملے گا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس صورت حال کی اطلاع ملی تو آپ نے اس شرط کو لغو قرار دیا، کیونکہ یہ شرط مقصد شریعت کے خلاف ہے۔ "حق ولاء" سے شریعت کا مقصد یہ ہے کہ لوگ زیادہ سے زیادہ غلاموں کی آزادی کی طرف راغب ہوں، اگر فروخت کے باوجود بھی یہ حق ملتا رہے تو مقصد ہی باقی نہیں رہے گا۔ لوگوں کی توجہ آزادی سے ہٹ کر فروختگی پر مبذول ہوجائے گی، کیونکہ اس صورت میں دوہرے فائدہ کا امکان ہے۔ غلام کی قیمت تو ملے گی ہی شرط لگا کر حق ولاء کو بھی محفوظ کرلیں گے۔ اور انسان اپنے مفاد کا حریص ہوا کرتا ہے۔ لہذا ہر وہ شرط جو مقصد شریعت اور اس کے تقاضا سے متصادم ہو، وہ نا درست ہے۔ رہے وہ شرائط جن کی وجہ سے مقصد شریعت متاثر نہیں ہوتا، صحیح اور درست ہیں۔

رہا یہ کہنا کہ مقصد عقد کے مطابق نہیں، تو یہ بھی محل نظر ہے کیونکہ جس سے کسی ایک فریق کی مصلحت وابستہ ہو، لازمی طور سے وہ مقصد عقد کے منافی نہیں بلکہ بسا اوقات وہ مصلحت عقد کے مطابق ہوا کرتا ہے، جیسا کہ مذکورہ شرائط میں ہے۔ آخر عقد کی وجہ سے ہر فریق پر کچھ ذمہ داریاں تو عائد ہوتی ہیں، اس کی آزادیوں پر کچھ

پابندی لگتی ہی ہے تو اگر وہ مزید اپنی خوشی سے کچھ پابندیاں عائد کرلیتا ہے تو وہ مقصد عقد کے خلاف کیسے ہے ؟

حدیث " **ان احق الشروط** " کی یہ توجیہ کرنا کہ اس سے مراد مہر یا وہ ذمہ داریاں ہیں جو عقد نکاح کی وجہ سے عائد ہوتی ہیں ظاہر حدیث اور اس کے سیاق و سباق کے خلاف ہے ، چنانچہ ابن دقیق العید شافعی فرماتے ہیں :

تلک الامور لاتوثر الشروط فی ایجابها فلا تشتد الحاجة الی تعلیق الحکم باشتراطها و سیاق الحدیث یقتضی خلاف ذالک لان لفظ احق الشروط یقتضی ان یکون بعض الشروط یقتضی الوفاء بها و بعضها اشد اقتضاء و الشروط هی مقتضی العقد مستویة فی وجوب الوفاء بها (فتح الباری ج ۹ ص ۲۷۲)

ان حقوق کے واجب ہونے میں شرطیں موثر نہیں ہیں ، لہذا کسی حکم کو شرط لگا کر ان پر معلق کرنے کی ضرورت نہیں ، اور حدیث کے سیاق سے بھی اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ لفظ " **احق الشروط** " کا تقاضا ہے کہ بعض شرطیں وفاء کی مقتضی ہیں اور بعض زیادہ ، اور وہ شرطیں جو عقد کے مقتضا میں شامل ہوں ، وہ وجوب وفاء میں برابر ہیں ۔

دوسرے فریق کی طرف سے پیش کردہ دلائل میں بھی صحابہ کرام کے اقوال کے علاوہ کوئی صریح نہیں ہے ، نیز حضرت عمر سے منقول روایتوں میں تضاد ہے ، دونوں روایتیں صحیح ہیں ، ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا مشکل ہے ۔ حضرت سعد بن ابی وقاص ، عبد اللہ بن مسعود [illegible] بن [illegible] اور حضرت معاویہ سے مروی اقوال صحیح اور صریح ہیں ۔ بقیہ جو دلائل ذکر کئے جاتے ہیں ان سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ وفاء عہد لازمی اور ضروری ہے ، یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس کی وجہ سے عقد کو فسخ اور ختم بھی کیا جاسکتا ہے ۔ اس لئے اس سلسلہ میں احناف کے نقطہ نظر کی جو ترجمانی علامہ عینی و کشمیری نے کی ہے ، وہی قرآن و حدیث سے زیادہ قریب ہے ، تاہم موجودہ دور جو اخلاقی بگاڑ اور فساد سے عبارت ہے ، لوگوں کی نگاہوں میں وفاء عہد کی کوئی حیثیت اور وقعت نہیں ، جائز و ناجائز کی کوئی پرواہ نہیں ، ضرورت ہے کہ امام احمد بن حنبل کی رائے کو جو بہت سے صحابہ کرام کا مذہب و مسلک ہے ، اختیار کرلیا جائے یا عورتوں " تفویض " کی حیثیت سے متعارف کرایا جائے کہ وہ عقد کے وقت یہ کہدیں کہ اگر شوہر اس شرط کی خلاف ورزی کرے گا تو انہیں اس رشتہ کو ختم کرنے کا حق حاصل ہوگا ۔

تفویض طلاق

اللہ نے طلاق کا اختیار مرد کو دیا ہے ، تاہم اگر وہ چاہے تو اس حق کو بیوی کے سپرد کرسکتا ہے جسے اصطلاح میں تفویض کہتے ہیں (**الفقه الاسلامی و ادلته ج ۷ ص ۳۱۲**) " تفویض " کی مختلف صورتیں ہیں ، کبھی وقت شرط وغیرہ کی کوئی تحدید نہیں ہوتی ، مطلقا کہہ دیا جاتا ہے کہ (**امرک بیدک** ، معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے ۔ اس

صورت میں عورت کو اپنے آپ کو طلاق دینے کا اختیار صرف مجلس تک باقی رہے گا۔ مجلس کے بدل جانے سے یہ اختیار ختم ہوجائے گا۔ لیکن اگر یہ کہہ دے کہ "معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے جب بھی تو چاہے" (**امرک بیدک متی شئت او اذا شئت**) اس صورت میں پوری زندگی عورت کو یہ اختیار حاصل رہے گا، تا آنکہ وہ خود ہی اس اختیار کو ختم کردے۔ اگر اختیار کے لئے کوئی مدت متعین کردیتا ہے، مثلاً "آج کے دن تجھے اپنے اوپر طلاق دینے کا اختیار ہے" تو مکمل ایک دن تک یہ اختیار برقرار رہے گا۔ اگر مشروط تفویض ہو، مثلاً "فلاں آگیا تو تیرا معاملہ تیرے اختیار میں ہے" تو اس کی بھی وہی صورتیں اور احکام ہیں جو مذکور ہوئیں (یہ تفصیل بدائع ج ۲ ص ۱۱۲۔ ۱۱۳ سے ماخوذ ہے)

الفاظ تفویض

"تفویض" میں استعمال کئے جانے والے الفاظ تین طرح کے ہیں، جن کے احکام باہم مختلف ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ "معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے" (**امرک بیدک**)

۲۔ اپنے آپ کو اختیار کرلے (**اختاری نفسک**)

۳۔ تجھے طلاق اگر تو چاہے (**انت طالق ان شئت**)

پہلے دونوں الفاظ کے ذریعہ سے طلاق پڑنے کے لئے ضروری ہے کہ شوہر ان الفاظ کے تکلم سے طلاق کی نیت کرے یا کوئی قرینہ موجود ہو، کیونکہ طلاق کے لئے یہ کنائی الفاظ ہیں، جن میں نیت یا قرینہ کا ہونا ضروری ہے۔ ان دونوں میں باہم فرق صرف اس قدر ہے کہ پہلے میں اگر شوہر ایک طلاق کی نیت کرتا ہے تو ایک طلاق کا حق حاصل ہوگا، اگر تین کی نیت کرتا ہے تو تین کا لیکن دوسرے میں تین کی نیت درست نہیں، نیز دوسرے میں شوہر کے الفاظ میں یا عورت کے جواب میں "نفس" یا "طلاق" کا تذکرہ ضروری ہے، مثلاً شوہر کہتا ہے "اختیار کرلے" (اختاری) بیوی جواب میں کہتی ہے (**اخترت نفسی**) میں نے اپنے آپ کو اختیار کیا اگر لفظ "اختیاری" شوہر دو مرتبہ کہہ دے یا دونوں میں سے کوئی لفظ "اختیارۃ" کا استعمال کرے تو بھی کافی ہے۔

تیسری صورت میں نیت کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ یہاں صراحتاً طلاق کا لفظ ہے۔ نیز اگر صرف ایک طلاق کا تذکرہ ہو تو اس سے واقع ہونے والی طلاق رجعی ہوگی، جب کہ پہلی دونوں صورتوں میں طلاق بائن۔ (دیکھئے الفقہ الاسلامی و ادلتہ ج ۷ ص ۳۱۲۔ ۳۱۵)

تفویض کب درست ہے؟

"تفویض" عقد کے وقت بھی درست ہے اور عقد کے بعد بھی، لیکن عقد کے وقت تفویض کے درست ہونے کے لئے ضروری ہے کہ یہ مطالبہ عورت کی طرف سے ہو اور شوہر اسے قبول کرلے، مثلاً مرد "ایجاب" کرتا ہے عورت جواب میں کہتی ہے کہ میں اس شرط پر قبول کرتی ہوں کہ طلاق کا اختیار میرے ہاتھ میں رہے گا اور مرد اس کو مان لیتا ہے، اگر مرد ایجاب بایں طور کرتا ہے کہ میں تم سے شادی اس شرط پر کرتا ہوں کہ طلاق کا اختیار تمہارے ہاتھ میں رہے گا اور عورت قبول کرلیتی ہے، تو یہ درست نہیں، علامہ ابن عابدین شامی دونوں کے فرق کی وضاحت فقیہ ابواللیث کے حوالے سے ان الفاظ میں کرتے ہیں:

اما لو بدأ الزوج لا تطلق و لا يصير الامر بيدها بين الفقيه ابو الليث الفرق بين الصورتين فقال لان البداءة اذا كانت من الزوج كان الطلاق و التفويض قبل النكاح فلا يصح اما اذا كانت من المرأة يصير التفويض بعد النكاح لان الزوج لما قال بعد كلام المرأة قبلت و الجواب يتضمن اعادة مافي السوال صار كانه قبلت على انك طالق او على ان يكون الامر بيدك فيصير مفوضا بعد النكاح (رد المحتار ج ۳ ص ۲۲۲ مطبوعه ایم سعید کمپنی۔ پاکستان)

اگر شوہر ابتداء کرتا ہے تو طلاق واقع نہیں ہوگی اور اختیار عورت کے ہاتھ میں نہیں ہوگا، فقیہ ابو اللیث ان دونوں صورتوں میں فرق بیان کرتے ہیں کہ ابتداء جب شوہر کی طرف سے ہو تو یہ طلاق اور تفویض نکاح سے پہلے ہے، لہذا درست نہیں، اور جب ابتداء عورت کی طرف سے ہو تو یہ تفویض نکاح کے بعد ہے، اس لئے کہ جب مرد نے عورت کے کلام کے بعد کہا قبلت (میں نے قبول کیا) اور جواب میں سوال ملحوظ ہوا کرتا ہے تو گویا کہ اس نے کہا کہ میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ تجھ پر طلاق ہو، یا اس پر کہ معاملہ تیرے اختیار میں ہو، تو یہ معاملہ نکاح کے بعد عورت کے اختیار میں ہوگا۔

اگر عقد سے پہلے ہی تفویض کی شرط طے ہوجائے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ شوہر ابھی اس کا مالک ہی نہیں ہوا ہے تو جس چیز کا خود مالک نہیں دوسرے کو کیسے مالک بناسکتا ہے؟ البتہ اگر "تفویض" اس طرح ہو کہ اگر میں نے اس عورت سے نکاح کیا تو اپنے طلاق کی مختار ہوگی تو یہ درست ہے۔ کیونکہ یہ تفویض طلاق ہی کی طرح ہے جس طرح نکاح سے پہلے "طلاق اضافی" درست ہے۔ ایسے ہی "تفویض اضافی" بھی درست ہے۔

حضرت تھانوی لکھتے ہیں:

"اس کی تینوں صورتیں جائز ہیں، چاہے نکاح سے پیشتر لکھوا لیا جائے، چاہے عین وقت عقد زبان سے کہلوا لیا جائے، چاہے بعد میں لکھوا لیا جائے، مگر پہلی اور دوسری صورت کے صحیح اور معتبر ہونے کے لئے ایک شرط ہے، پہلی صورت یہ کہ کابین نامہ نکاح سے پہلے لکھا جاوے اس کے معتبر اور مفید ہونے کے لیے یہ شرط ہے اس میں نکاح کی طرف اضافت اور نسبت موجود ہو مثلاً یہ لکھا جائے کہ اگر میں فلاں بنت فلاں کے ساتھ نکاح کروں اور پھر شرائط مندرجہ اقرار نامہ ہذا میں سے کسی شرط کے خلاف کروں تو مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا پھر اور کسی وقت چاہے تو اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہوجائے، اگر اس میں **اضافت الی النکاح** نہ لکھی گئی تو یہ اقرار نامہ محض بیکار ہوگا، اس کی رو سے عورت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہ ہوگا۔ دوسری صورت یہ کہ عین ایجاب و قبول ہی میں زبانی شرائط مذکور ہوں، اس کے صحیح اور معتبر ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو" (**الحیلۃ الناجزۃ۔۷۱**)

مشروط تفویض

عورتوں کی فہم و ذہانت، عقلمندی و ہوشمندی نیز فطری جلد بازی کے پیش نظر مناسب ہے کہ مطلق تفویض نہ کی جائے بلکہ احتیاطاً کچھ قیود و شرائط کا لگا دینا بہتر ہے۔ اسی فطری کمزوری کے پیش نظر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے "تخییر" کے موقع پر حضرت عائشہ سے فرمایا، عائشہ! فیصلہ میں جلد بازی نہ کرنا اپنے والدین سے مشورہ کے بغیر کوئی اقدام نہ کرنا، ایک موقع پر ازواج مطہرات نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معاشی تنگی کی شکایت کی اور مطالبہ کیا کہ ہمارے نان نفقہ میں کچھ توسع سے کام لیا جائے اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی **یا ایھا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیاۃ الدنیا و زینتھا فتعالین امتعکن و اسرحکھن سراحا جمیلا**۔ اس آیت میں ازواج مطہرات کو اختیار دیا گیا کہ وہ موجودہ حالت یعنی معاشی عسرت و تنگی کے ساتھ آپ کی زوجیت میں رہنا قبول کریں یا پھر طلاق کے ساتھ آزاد ہوجائیں اس کو تخییر کہا جاتا ہے (دیکھئے معارف القرآن ج ۷ **ص** ۱۲۷) لہذا تفویض کے ساتھ احتیاط کے لئے مزید کچھ شرطیں بڑھائی جاسکتی ہیں، مثلاً یہ کہ طلاق کا اختیار اسی وقت ہوگا جب کہ عورت کے والدین بھی اسی پر راضی ہوں وغیرہ حضرت تھانوی لکھتے ہیں:

چونکہ عورت ناقص العقل ہے، اس لئے طلاق کو مطلقاً اس کے ہاتھ میں دینا خطرہ سے خالی نہیں، پس مناسب ہے کہ تفویض میں کوئی قید مناسب بھی لگادی جائے جس میں خطرہ نہ رہے۔ مثلاً نکاح کے وقت عورت کی طرف سے وہ خود یا اس کا ولی یا وکیل (یعنی قاضی نکاح خواں) یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسماۃ بنت فلاں کو تمہارے نکاح میں اس شرط پر دیا کہ جس وقت اس کو تم سے کوئی تکلیف شدید پہونچے گی، جس کو فلاں

فلاں اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کرلیں ۔۔ تو اس کے بعد ہر معاملہ میرے یا اس کے اختیار میں ہوگا کہ اپنے آپ کو طلاق بائن دے کر اس نکاح سے علاحدگی اختیار کرلی جائے ۔ اس صورت میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں اس وقت آئے گا جب کہ تسلیم کردہ اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کرلیں کہ تکلیف شدید ہے (حیلۃ ناجزۃ۔۲۳)

کیا شرط کے ساتھ تفویض نکاح مشروط نکاح ہے ؟

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ بشرط تفویض نکاح مشروط نکاح ہے ۔ حالانکہ مشروط نکاح میں احناف کے نقطہ نظر کے مطابق شرط لازم نہیں بلکہ شرط فاسد ہے اور اس وجہ سے عقد فسخ نہیں ہوگا ، جب کہ تفویض کے شرط کے ساتھ نکاح میں عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ملتا ہے ۔ ڈاکٹر مصطفی سباعی کی دور رس نگاہوں نے اسے محسوس کیا اور انہوں نے وضاحت کی کہ بشرط تفویض نکاح مشروط نکاح نہیں ان کے الفاظ میں :

وهم يخرجونه لا على انه من قبيل الشرط حتى يكون فاسدا على قاعدتهم بل على ان الزوج قدملكها حقا يملكه بعد العقد متى يشاء فله ان يجعل بتمليكها هذا الحق عند العقد وليس فى هذا ما ينافى قواعد العامة (العراة بين الفقه و القانون)

وہ لوگ اس کی تخریج اس طور پر کرتے ہیں کہ یہ شرط کے قبیل سے نہیں ہے کہ ان کے قاعدہ اور اصول کے مطابق فاسد ہو ، بلکہ شوہر نے ایک حق کا عورت کو مالک بنادیا ، جسے وہ نکاح کے بعد جب چاہے مالک بناسکتا ہے ۔ لہذا اسے جائز ہے کہ عورت کو اس حق کا مالک عقد کے وقت بنادے ۔ اس میں کوئی ایسی بات نہیں جو قواعد عامہ کے منافی ہو ۔

مشروط مہر

طلاق اس لئے مشروع ہے کہ زندگی کی راہ میں اگر کبھی باہم مل کر چلنا دشوار ہوجائے اور اس ناگزیر حالت کو انگیز کرنا مشکل ہوجائے تو اس ناخوشگوار زندگی سے بہتر ہے کہ طلاق کے ذریعہ علحدگی اختیار کرلی جائے ۔ اگر " **امساک بمعروف** " پر عمل آوری متعذر ہوجائے تو " **تسریح باحسان** " کی ڈگر اپنا لی جائے ، گویا کہ طلاق ایک "آخری راستہ " ہے ، اس لئے اسے حدیث میں (**ابغض المباحات**) کہا گیا ہے ، مگر آج صورت حال یہ ہے کہ اسے بچے کا کھلونا سمجھ لیا گیا ہے ۔ جب تک جی چاہے کھیلتا ہے طبیعت میں ذرا سی کبیدگی پیدا ہوئی توڑ کر پھینک دے ، غلطی گو مرد کی ہو مگر سزا تو ہر صورت عورت کو ملتی ہے ، خاص کر ہندوستان کے پس منظر میں جہاں طلاق شدہ عورت کی شادی ایک مسئلہ ہے ۔۔ لہذا طلاق کے اس بے جا استعمال کو روکنے کے لیے شرعی حدود

میں رہ کر جو بھی تدبیر اختیار کی جائے اس کی حوصلہ افزائی ہونی چاہئے ۔

طلاق کے بے جا استعمال کو روکنے کی ایک تدبیر یہ بھی ہے کہ عقد کے وقت شرط لگا دی جائے کہ اگر شوہر طلاق دے گا تو مہر مثلاً بیس ہزار ہے اور اگر طلاق نہ دی تو دس ہزار ہے ۔ ایسی صورت میں طلاق دینے کی صورت میں امام ابو حنیفہ کے نقطہ نظر کے مطابق مہر مثل ہے ۔ اور امام ابو یوسف و محمد کی رائے کے مطابق معین کردہ مہر یعنی بیس ہزار لازم ہے ۔

چنانچہ سرخسی رقم طراز ہیں:

ولو تزوجها علی الف درهم ان لم تکن له امراة و علی الفی درهم ان کانت له امراة و علی الف درهم ان لم یخرجها من الکوفة و علی الفین ان اخرجها .. فعند ابی حنیفة المذکور اولا صحیح فی الوجهین و الثانی فاسد حتی اذا طلقها قبل الدخول بها فلها نصف المذکور اولا ۔ و ان دخل بها فان وفی بالشرط فلها الالف و ان لم یوف لها بالشرط فلها مهر مثلها لا یجاوز بها الفی درهم .. و عند ابی یوسف و محمد الشرطان جائزان علی ما اشترطا (المبسوط ج ۵ ص ۱۰۹)

اگر کوئی نکاح اس طور پر کرے کہ اس کی کوئی بیوی نہ ہو تو ایک ہزار درہم ہے ۔ اور اگر ہو تو دو ہزار یا اگر "کوفہ" سے نہ جائے تو ایک ہزار اور بصورت دیگر دو ہزار ۔ تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک دونوں صورتوں میں پہلے جس مہر کا تذکرہ کیا ہے وہ صحیح ہے اور دوسرا فاسد ہے یہاں تک اگر یکجائی سے پہلے طلاق دیدے تو جس مہر کا تذکرہ پہلے ہوا ہے اس کا آدھا مہر ادا کرے ۔ اور اگر یکجائی ہوجائے اور شرط کو بھی پورا کردے تو ایک ہزار مہر ہے، اور اگر شرط کے مطابق عمل نہ کرے تو اس عورت کے لئے مہر مثل ہے بایں طور کہ اس کی مقدار دو ہزار سے زیادہ نہ ہو ۔ اور ابو یوسف و محمد کے نزدیک دونوں شرطیں معاہدہ کے مطابق جائز ہیں ۔

گرچہ اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ کی رائے امام ابو یوسف و محمد سے مختلف ہے ۔ لیکن دلیل کے اعتبار سے صاحبین کی رائے قوی ہے ۔ نیز حالات کا تقاضا بھی یہی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ احناف نے امام ابو یوسف و محمد ہی کے مذہب کو اختیار کیا ہے ۔

محی الدین عبد الحمید لکھتے ہیں:

تزوجتک بمائة ان طلقت امرأتی فلانة و بمائتین ان لم اطلقها ففی هذه الحالة خلاف

بین علماء المذهب۔ فذهب ابو یوسف و محمد الی ان تصح التسمیتان و یصح الشرطان۔ و عمل بکل شرط عند تحققه و هو المختار فی المذهب (الاحوال الشخصیہ، ۱۵۵)

اگر میں نے اپنی فلانہ بیوی کو طلاق دے دی تو تجھ سے سو درہم پر نکاح کرتا ہوں اور اگر طلاق نہ دی تو دو سو پر۔اس سلسلہ میں علماء کے درمیان اختلاف ہے امام ابو یوسف اور محمد کا مسلک یہ ہے کہ دونوں طرح کی تعیین اور دونوں شرطیں صحیح ہیں اور ہر شرط پر اس کے تحقق کے وقت عمل کیا جائے گا۔ یہی مذہب مختار ہے ۔

طلاق ہی کی طرح دوسری شادی کا مسئلہ ہے کہ اگر عقد میں یہ شرط لگادی جائے کہ اگر مرد نے اس عورت کے ہوتے ہوئے دوسری شادی کی تو مہر بیس ہزار ہوگا بصورت دیگر دس ہزار۔ تو ایسی صورت میں امام ابو یوسف و محمد کے مسلک کے مطابق دونوں شرطیں معتبر ہوں گی، اور دونوں صورتوں میں متعین کردہ مہر لازم آئے گا۔

واضح رہے کہ ان دونوں مسئلوں میں امام ابو یوسف و محمد کی رائے پر فتوی دیتے وقت کچھ شرائط کا اضافہ بھی ضروری ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے جس مقصد کے تحت اسلام نے طلاق یا تعدد ازدواج کی اجازت دی ہے، وہ مقصد ہی فوت ہوجائے، شرط کی وجہ سے مرد بالکل بند ہوکر رہ جائے گا اور ناگزیر ضرورت کے وقت بھی رقم ادا نہ کرنے کی پوزیشن میں ہونے کی وجہ سے طلاق نہ دے سکے، زندگی بالکل تلخ اور اجیرن بن کر رہ جائے، طرح طرح کی خرابیاں اور بگاڑ پیدا ہوں جس کو ختم کرنے کے لئے شریعت نے طلاق کی اجازت دی ہے ۔

ملازمت پیشہ عورت

"مشروط نکاح" کے ذیل میں یہ تفصیل گذر چکی ہے کہ مباح شرطوں کے بارے میں امام شافعی کا نقطہ نظر یہ ہے کہ شرط لازم نہیں، احناف کے نزدیک یہ ایک وعدہ ہے، دیانۃً اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کو نباہے، اس کے مطابق عمل کرے، اگر شوہر ایسا نہیں کرتا تو اسے مجبور نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اس کی وجہ سے عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔ کاسانی رقم طراز ہیں:

وقال ان ماشرط الزوج من طلاق المراۃ و ترک الخروج من البلدۃ لا یلزمه فی الحکم لان ذالک وعد وعدلها فلا یکلف به (بدائع ج ۲ ص ۲۸۵)

شوہر کا یہ شرط لگانا کہ وہ اپنی دوسری بیوی کو طلاق دے گا یا اس عورت کو اس کے شہر سے نہیں لے جائے گا تو یہ قضاءً لازم نہیں، اس لئے کہ یہ ایک وعدہ ہے جو شوہر نے اس سے کیا ہے، لہذا اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

آئندہ کوئی مناسب ملازمت ملے تو اس سے منع نہیں کرے گا، اور اس شرط کو شوہر قبول کرلیتا ہے اس کے باوجود اسے روکنے کا حق ہے، اور عورت کے لئے شوہر کے حکم کی تعمیل ضروری ہوگی، اگر عورت شوہر کی رضامندی کے بغیر ملازمت پر لگی رہی تو "ناشزہ" سمجھی جائے گی اور نفقہ کی حقدار نہیں ہوگی (دیکھئے **الفقہ الاسلامی و ادلتہ ج ۷ ص ۹۲، کتاب النفقہ**) چنانچہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں۔

و اذا اسلمت نفسها بالنهار دون الليل و على عكسه لا تستحق النفقة لان التسليم ناقص قلت و بهذا عرف جواب واقعة فى زماننا بانه اذا تزوج من المحترفات التى تكون عامة النهار فى الكار خانة و الليل مع الزوج لانفقة لها (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۸۰)

اگر عورت صرف دن میں شوہر کے ساتھ رہے اور رات میں رفاقت نہ ہو یا اس کے برعکس، تو وہ نفقہ کی مستحق نہ ہوگی، اس لیے کہ سپردگی ناقص ہے، اس سے ہمارے دور کے اس مسئلہ کا حل بھی نکل آیا جب کہ شادی کسی پیشہ سے متعلق عورت کے ساتھ ہو جو دن اکثر کارخانہ میں گزارتی ہے اور رات شوہر کے ساتھ بسر کرتی ہے، اس کے لئے نفقہ نہیں ہے۔

امام احمد کے مسلک کے مطابق شوہر کے لئے شرط کی تعمیل ضروری ہے، اسے روکنے اور منع کرنے کا حق نہیں، اگر سلسلۂ ملازمت کو ختم کرنے پر مجبور کرتا ہے تو عورت فسخ نکاح کا مطالبہ کرسکتی ہے، اور بلا اجازت ملازمت کرتے ہوئے بھی "ناشزہ" نہیں سمجھی جائے گی، اور نان و نفقہ کی مستحق ہوگی، وہبہ زحیلی ان کی ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وصحح الحنابلة ايضا هذا الشرط و اوجبوا الوفاء به فلا يكون للزوج ان يمنع المراة من العمل ولو منعها لا تكون ناشزة (الفقه الاسلامى ج ۷ ص ۹۲)

حنابلہ نے اس شرط کو بھی صحیح قرار دیا اور اس شرط پر وفا کو لازم گردانا، لہذا شوہر کو یہ حق نہیں کہ وہ عورت کو کام کرنے سے روک دے اور اگر روک لگادے تو وہ "نافرمان" نہیں سمجھی جائے گی۔

اشتراط فی النکاح

قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی کی روشنی میں

مولانا اختر امام عادل *

نکاح انسانی زندگی کا اہم ترین رشتہ ہے، اس کے تقدس و عظمت پر قرآن و حدیث کے بے شمار نصوص موجود ہیں، نکاح کے ذریعہ دو اجنبی شخص ایک دوسرے سے حد درجہ قریب اور دو نامانوس دل باہم انتہائی مانوس ہوجاتے ہیں، اس طرح نکاح زندگی کی وہ منزل ہے جہاں سے مرد و عورت کی رفاقت کا دور شروع ہوتا ہے، یہیں سے انسان باہمی محبت و اعتماد کا سلیقہ سیکھتا ہے، اس بقائے باہم کے تحفظ دوام کے لئے اسلام نے بہت سے ایسے حدود و قیود مقرر کردئے ہیں، جن سے ایک مکمل اور خوشگوار زندگی بسر کی جاسکتی ہے۔ الگ سے کچھ کرنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی، لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حالات کی ناسازگاری یا معاشرتی فساد کی بنا پر کچھ طبیعتوں میں منفی رجحانات پیدا ہوجاتے ہیں۔ جن سے بسا اوقات نکاح جیسا محبوب و مرغوب رشتہ بھی محفوظ نہیں رہ پاتا، یہی وہ موقعہ ہے جب مرد و عورت کو اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے نکاح میں رائج و متداول حدود و شرائط کے علاوہ اپنے طور پر الگ سے کچھ شرطیں لگانے کی ضرورت پیش آتی ہے، جس کو اصطلاحی طور پر "**اشتراط فی النکاح**" کہا جاتا ہے۔

یہ کوئی آج کا نیا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ ہر دور میں اس طرح کے مسائل پیش آتے رہے ہیں۔ اور علماء و فقہا حالات کے لحاظ سے جواب دیتے رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ فقہ کی بنیادی اور مستند کتابوں میں سے بہت کم ایسی کتابیں ہوں گی جن میں یہ مسئلہ مذکور نہ ہو، بعض کتابوں میں تو باقاعدہ باب اور فصل کے تحت اس مسئلہ کو بیان

---

* استاذ فقہ دارالعلوم حیدر آباد

کیا گیا ہے جس سے اس موضوع کی اہمیت و عمومیت کا اندازہ ہوتا ہے ۔

موضوع سے متعلق قرآن و حدیث کے نصوص

اس موضوع پر فقہی گفتگو کرنے سے پہلے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں ایک عمومی انداز کی نظر اس مسئلہ پر ڈال لیں ۔

قرآن و حدیث میں ایفاء عہد اور تکمیل شرائط پر بہت زور دیا گیا ہے ، خواہ وہ معاہدہ نکاح کے سلسلے میں کیا گیا ہو ، یا کسی اور معاملہ میں ، قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہے ۔

یایها الذین آمنوا اوفوا بالعقود (مائده ۔۱) اے ایمان والو : معاہدات پورے کرو ۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا گیا ہے ۔

" ولا تجعلوا الله عرضة لایمانکم ان تبروا و تتقوا وتصلحوا بین الناس و الله سمیع علیم " (بقره ۔۲۲۴)

اور اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ کہ تم بھلائی نہ کرو اور پرہیز گاری نہ کرو اور لوگوں کے درمیان صلح نہ کرو اللہ سننے والا جاننے والا ہے ۔

احادیث میں یہ مسئلہ کچھ اور وضاحت سے آیا ہے ، جس میں حق و ناحق اور جائز و ناجائز کی تفصیل موجود ہے ۔

ایک روایت ہے کہ :

آیة المنافق ثلث .. اذا وعد اخلف ، الحدیث ۔ متفق علیه (مشکوۃ ص ۱۷)

منافق کی پہچان تین چیزیں ہیں ، ان میں ایک یہ ہے کہ جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے ایک دوسرے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

لا ایمان لمن لا امانة له و لا دین لمن لا عهد له رواه البیهقی (مشکوۃ شریف ص ۱۵)

اس شخص کا ایمان مکمل نہیں جس کو امانت کا خیال نہیں ، اور اس شخص کا دین مکمل نہیں جس کو عہد کا پاس و لحاظ نہیں ۔

حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

المسلمون على شروطهم الا شرطا احل حراما او حرم حلالا رواه الترمذی (مشکوۃ ص ۲۵۲)

مسلمانوں کو اپنی شرطوں پر قائم رہنا ضروری ہے الا یہ کہ شرط ایسی ہو جو حرام کو حلال یا حلال کو حرام کردے۔
بخاری و مسلم میں ایک روایت ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے ۔

وکل شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل ان کان مائۃ شرط (مشکوۃ ص ۲۲۹)

ہر وہ شرط جو اللہ کی کتاب کے موافق نہ ہو وہ باطل ہے اگرچہ سو شرطیں ہی کیوں نہ لگادی گئی ہوں۔

یہ تمام احادیث تو عمومی شرائط کے متعلق ہیں، بعض ایسی احادیث بھی موجود ہیں جو مسئلہ زیر بحث سے براہ راست تعلق رکھتی ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ محدثین نے کتاب النکاح یا کتاب الشروط میں ان احادیث کو مستقل باب کے تحت ذکر کیا ہے ۔

امام بخاری نے کتاب النکاح میں دو باب قائم کئے ہیں ۔

(۱) ایک ہے ۔ " **باب الشروط فی النکاح** " اور اس کے تحت یہ روایت ذکر کی ہے ۔

احق ما اوفیتم من الشروط ان توفوا ما استحللتم به الفروج (بخاری شریف ج ۲ ص ۷۷۳)

سب سے زیادہ مستحق ایفاء وہ شرطیں ہیں جن کے ذریعہ تم شرمگاہیں حلال کرتے ہو، (یعنی جو شرطیں بوقت نکاح طے کرتے ہو)

(۲) دوسرا باب قائم کیا ہے " باب الشروط التی لا تحل فی النکاح " (یعنی وہ شرطیں جو نکاح کے وقت لگانا جائز نہیں) اس کے تحت ترجمۃ الباب میں حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کا یہ اثر نقل کیا ہے ۔ **لا تشترط المرأۃ طلاق اختھا**۔ یعنی عورت بوقت نکاح اپنی سوکن کی طلاق کی شرط نہ لگائے ۔

اس کے بعد حضرت ابو ہریرۃؓ کے حوالے سے یہ مسند روایت نقل کی ہے ۔

عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال لا یحل لامرأۃ ان تسال طلاق اختھا لتستفرغ صحفتھا فانما لھا ما قدر لھا (بخاری شریف ج ۲ ص ۷۷۳)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنی سوکن کی طلاق کا مطالبہ کرے تاکہ اس کا پیالہ اپنے لئے فارغ کرلے، حالانکہ اس کو اتنا ہی ملے گا جو اس کے لئے خدا کی طرف سے طے ہوچکا ہے ۔ (پھر ایسی لاحاصل کوشش سے فائدہ؟)

امام بخاری نے کتاب الشروط میں بھی ان دونوں روایتوں کو اسی مفہوم و مطلب کے دو جداگانہ بابوں کے تحت ذکر کیا ہے ۔ ایک باب ہے " **باب الشروط فی المهر عند عقدة النكاح** " اور اس کے تحت پہلی روایت نقل کی ہے ۔ اور دوسرا باب قائم کیا ہے " **باب مالایجوز من الشروط فی النكاح** " اور اس کے تحت دوسری روایت ذکر کی ہے (بخاری شریف ج ۱ ص ۳۷۶)

ان روایات سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ بوقت نکاح جو شرائط مقرر کی جاتی ہیں وہ سب کی سب قابل اعتبار نہیں ہوتیں ، بلکہ صرف ان شرائط کا اعتبار کیا جائے گا اور ان کی تکمیل متعلقہ فریق پر لازم ہوگی جو شریعت کے موافق اور مقتضائے عقد کے مطابق ہوں ، جو شرطیں شریعت یا مقتضائے عقد کے خلاف ہوں وہ ناقابل اعتبار ہیں ۔ ان کی تکمیل کسی پر لازم نہیں بلکہ بعض شکلوں میں تو ان کی تکمیل جائز بھی نہیں ۔ بخاری کے مشہور شارح علامہ قسطلانی شرح بخاری میں لکھتے ہیں :

و المراد شروط لاتنافی مقتضی عقد النكاح بل تكون من مقاصده كشروط العشرة بالمعروف و ان لا يقصر شئی من حقوقها اما شرط يخالف مقتضاه كشرط ان لا يتسری عليها و لا يسافر بها فلا يجب الوفاء به بل يلغو الشرط و يصح النكاح بمهر المثل (ارشاد الساری شرح البخاری للقسطلانی ج ۲ ص ۱۲۳ ، ج ۷ ص ۱۲۲)

یعنی اس سے مراد ایسی شرطیں ہیں جو مقتضائے عقد کے خلاف نہ ہوں ، بلکہ مقاصد نکاح میں شامل ہوں ۔ مثلاً حسن سلوک کی شرط یا کسی قسم کی حق تلفی نہ کرنے کی شرط وغیرہ ، اور جو شرطیں مقتضائے عقد کے خلاف ہوں مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کے رہتے ہوئے کسی باندی سے صحبت نہیں کرے گا ، یا اس کو سفر میں نہیں لے جائے گا وغیرہ ۔ تو ایسی شرطیں پوری کرنا واجب نہیں ، بلکہ یہ لغو ہیں ۔ البتہ نکاح صحیح ہے اور شوہر کو مہر مسمی کے بجائے مہر مثل دینا ہوگا ۔

" اشتراط فی النکاح " فقہاء کے یہاں

جب یہ مسئلہ فقہاء کے یہاں آیا ، تو اس نے مستقل شکل اختیار کرلی ، فقہاء نے اس پر تفصیلی بحثیں کیں ، اور اس کی مختلف قسموں کے بارے میں اظہار خیال کیا ۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس مسئلہ پر ائمہ اربعہ کے مذاہب پر ایک نظر ڈال لیں ۔ تاکہ اس کا اندازہ ہوسکے کہ فقہاء نے اس مسئلہ کو کتنی اہمیت دی ہے ؟ اور مختلف مکاتب فکر کے فقہاء نے کس کس نقطہ نظر سے اس پر غور کیا ہے ؟

نکاح کے وقت جو شرطیں لگائی جاتی ہیں حنابلہ کے نزدیک بنیادی طور پر ان کی دو قسمیں ہیں

(۱) شروط صحیحہ (۲) شروط فاسدہ، پھر شروط فاسدہ کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) وہ شروط فاسدہ جو عقد نکاح کو فاسد کردیتی ہیں (۲) دوسرے وہ شروط فاسدہ جو نکاح کو فاسد نہیں کرتیں بلکہ خود ہی باطل ہوجاتی ہیں۔

(۱) شروط صحیحہ سے مراد ایسی شرطیں ہیں جو مقتضائے عقد کے موافق نہ ہوں تو مخالف بھی نہ ہوں، اور ان سے فریقین میں سے کسی فریق کا جائز مفاد وابستہ ہو، مثلاً بوقت نکاح عورت شرط لگائے کہ اس کے رہتے ہوئے شوہر دوسری شادی نہ کرے گا۔ یا اس کے آبائی مکان یا وطن سے نکال کر کہیں دوسری جگہ نہ لے جائے گا۔ یا اس کے اپنے اہل خاندان سے میل جول پر پابندی نہ لگائے گا۔ یا مہر مقررہ کے علاوہ مزید کچھ رقم ادا کرے گا وغیرہ۔ حنابلہ کے نزدیک ان شرطوں کا حکم یہ ہے کہ اس طرح کا معاہدہ درست ہے۔ اور معاہدہ قبول کرلینے کے بعد شوہر پر اس کی تکمیل واجب ہے۔ اگر شوہر اس سے راہ فرار اختیار کرے تو عورت کو فسخ نکاح کا اختیار ہوگا، اور اس کے لئے کوئی مدت مقرر نہیں جب بھی عورت چاہے فسخ نکاح کا مطالبہ کرسکتی ہے۔

اسی طرح شوہر شرط لگائے کہ عورت باکرہ یا خوبصورت ہونی چاہئے، اور نکاح کے بعد معاملہ برعکس ہو تو شوہر کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔ (**الفقہ علی المذاهب الاربعة ج ۴ ص ۸۷**)

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے اس خیال کو بہت سے صحابہ اور تابعین کی طرف بھی منسوب کیا ہے۔ مثلا صحابہ میں حضرت عمر ابن الخطاب، حضرت سعد ابن وقاص، حضرت معاویہ، حضرت عمرو ابن العاص، اور تابعین میں حضرت شریح، عمر ابن عبدالعزیز، جابر ابن زید، طاؤس، امام اوزاعی، اور اسحاق وغیرہ، اور بہت سے لوگوں کا اختلاف بھی نقل کیا ہے، مثلا زہری، قتادہ، ہشام ابن عروہ، امام مالک، لیث، ثوری، امام شافعی، ابن المنذر، اور امام ابو حنیفہ۔ ان میں امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک ان شرطوں کی عدم تکمیل کی صورت میں مہر مسمی فاسد ہوگا، نکاح فاسد نہ ہوگا، اور نہ فسخ نکاح کا اختیار ہوگا، ان دو حضرات کے علاوہ بقیہ دوسرے حضرات کے نزدیک یہ شرطیں ہی سرے سے فاسد ہیں، ان کا کوئی اعتبار نہیں (المغنی ج ۷ **ص ۴۴۸**)

(۲) شرائط فاسدہ کی دوسری قسم جو عقد نکاح کو ہی فاسد کردیتی ہے، اس میں عموما وہ شرطیں آتی ہیں جو توقیت نکاح یا شغار کا مفہوم پیدا کرتی ہوں، مثلا شرط لگانا کہ یہ نکاح صرف ایک ماہ کے لئے ہے۔ یا ایک ماہ کے بعد عورت خود طلاق لے لے گی، یا کسی غیر یقینی شرط پر نکاح کو معلق کیا جائے، مثلا ماں باپ، یا کسی اجنبی کی رضا مندی پر اس کو موقوف کردیا جائے، اور یہ لوگ مجلس عقد میں حاضر نہ ہوں، یا بضع ہی کو طرفین سے مہر مقرر

کیا جائے ۔ جس کو اصطلاح میں نکاح شغار کہا جاتا ہے ۔ ان تمام شکلوں میں یہ شرطیں بھی باطل ہیں اور نکاح بھی ۔
(الفقه علی المذاهب الاربعة ج ۴ ص ۸۷، والمغنی ج ۷ ص ۲۵۱)

(۳) تیسری قسم ان شرائط فاسدہ کی ہیں جو بجائے خود تو باطل ہیں ۔ مگر نکاح کی صحت پر ان سے کوئی اثر نہیں پڑتا اس سے مراد وہ شرطیں ہیں جو مقتضائے نکاح کے منافی ہوں ۔ مثلاً یہ شرط لگائی جائے کہ عورت کو مہر نہیں ملے گا ۔ یا نفقہ نہیں دیا جائے گا ۔ یا یہ شرط کہ شوہر عورت سے وطی نہ کرے گا ۔ یا عزل کرے گا ۔ یا نوبت کے اندر دوسری سوکنوں کے مقابلے میں اس کے ساتھ امتیازی سلوک برتے گا ، یا یہ کہ عورت یا مرد کو شرط خیار دیا جائے ۔ یا عورت شرط لگائے کہ گرمی کی چھٹیاں گزارنے کے لئے اس کو تفریحی مقامات پر پہنچانا ہوگا وغیرہ ۔ یہ تمام وہ شرطیں ہیں جو مقصد نکاح کے خلاف ہیں ۔ اس لئے یہ فاسد ہیں ۔ ان کی تکمیل متعلقہ فریق پر لازم نہیں ۔ البتہ نکاح صحیح رہے گا ۔ اس لئے کہ یہ تمام وہ چیزیں ہیں جو عقد کے خلاف خارجی حیثیت رکھتی ہیں ۔ ان کے ذکر یا عدم ذکر یا مجہول و معلوم ہونے سے نکاح کی داخلی حیثیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا ۔

واضح رہے کہ خواہ یہ شرطیں عین بوقت نکاح مقرر ہوئی ہوں ۔ یا عقد سے پہلے ، حنابلہ کے نزدیک دونوں شکلوں کا حکم برابر ہے (**الفقه علی المذاهب الاربعة ج ۴ ص ۸۷-۸۸**)

شافعیہ :

فقہاء شافعیہ نے آئندہ زندگی سے متعلق شرطوں کی دو قسمیں کی ہیں ۔

۱ ۔ شروط فاسدہ ۔ ۲ ۔ شروط صحیحہ ۔

(۱) شروط فاسدہ سے مراد ایسی شرطیں ہیں جو صحت نکاح کے لئے مانع ہوں ۔ ان سے نکاح فاسد ہوجاتا ہے ۔ مثلاً کسی عورت نے بوقت نکاح شرط لگائی کہ اس سے شوہر بالکلیہ وطی نہ کرے گا تو نکاح فاسد ہے ۔ البتہ یہی شرط اگر خود شوہر لگائے تو نکاح درست ہے ۔ کیونکہ وطی شوہر کا حق ہے ۔ اس لئے وہ اپنا حق ساقط کرسکتا ہے ۔ یا اس کی دوسری مثال ۔ مرد نے شرط لگائی کہ عورت معتدہ یا کسی دوسرے شخص کی حاملہ ہونی چاہئے ۔ تو یہ شرط فاسد ہے جو نکاح کو بھی فاسد کردیتی ہے ۔

(۲) شروط صحیحہ سے مراد عورت یا مرد میں کسی ایسے وصف کی شرط لگانا جو صحت نکاح کے لئے مانع نہ ہو ۔ جیسے عورت کے لئے حسن و جمال ۔ یا باکرہ یا گندمی رنگ ہونے کی شرط لگانا ، صحت نکاح کے لئے مانع نہیں ہے ۔ اس لئے ایسی شرطیں لگانا درست ہے ۔ اور معاہدہ کے بعد ان کی رعایت کرنا ضروری ہے ، ورنہ فریق ثانی کو

اختیار ہوگا کہ نکاح کو باقی رکھے یا فسخ کردے۔

لیکن یہ ساری تفصیل اس وقت ہے جب کہ بوقت نکاح شرطیں لگائی گئی ہوں، اگر عقد کے بعد اس طرح کی کوئی شرط لگائی جائے تو اس کا اعتبار نہیں، ان پر عمل کرنا بحیثیت عاقد نکاح ضروری نہیں (**الفقہ علی المذاھب الاربعۃ ج ۴ ص ۸۹**)

مالکیہ :

وہ شرائط جن پر نکاح تو معلق نہ ہو البتہ بوقت عقد وہ کسی فریق پر عائد کی جائیں، تاکہ دوسرا فریق اپنے مفاد کا تحفظ کرسکے، اس میں دو طرح کی شرطیں آتی ہیں۔

۱۔ کچھ شرطیں ایسی ہیں جو نکاح پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ ۲۔ اور کچھ جو اثر انداز نہیں ہوتیں۔ جو شرطیں نکاح پر اثر انداز ہوتی ہیں، اثر اندازی کی نوعیت کے لحاظ سے ان کی بھی کئی صورتیں ہیں۔

۱۔ ایک صورت یہ ہے کہ مرد عورت میں سے کسی ایک کو یا دونوں ہی کو یا کسی تیسرے غیر متعلق شخص کو دو تین دن کے لئے نکاح کے معاملہ میں خیار شرط دیا جائے، تو یہ صحیح نہیں، اور دخول سے قبل عقد فسخ کرنا ضروری ہے، لیکن دخول کے بعد فسخ نہیں کیا جائے گا، اور عورت کو مہر مسمی ملے گا، مہر مقرر نہ ہونے کی صورت میں عورت مہر مثل کی حقدار ہوگی۔

البتہ مالکیہ کے یہاں مفتی بہ قول کے مطابق خیار مجلس کی شرط لگانے سے نکاح پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عورت کا ولی شوہر سے کہے کہ فلاں وقت مقرر تک مہر حوالہ کردو ورنہ رشتہ نکاح قائم نہیں رہے گا، اور شوہر نے اس شرط کو قبول بھی کرلیا، تو اس صورت میں اگر وقت مقررہ تک شوہر مہر دین پیش نہ کرسکا تو خواہ دخول ہوگیا ہو یا نہ ہوا ہو۔ دونوں شکلوں میں نکاح فسخ کردیا جائے گا، اور اگر وقت پر پیش کردے تو دخول سے پہلے پہلے تو یہ عقد شرط فاسد کی بنا پر قابل فسخ ہے۔ لیکن دخول کے بعد فسخ کرنے کی ضرورت نہیں۔

۳۔ ایک شکل یہ ہے کہ بالکل مقتضائے عقد کے خلاف شرطیں لگائی جائیں، مثلاً شوہر کا یہ شرط لگانا کہ نکاح کے بعد عورت کی سوکنوں کے درمیان انصاف کا معاملہ نہیں کروں گا، یا یہ کہ اس کے پاس ایک شب بھی نہیں گزاروں گا، یا صرف دن گزارنے کی شرط لگائے، یا وراثت یا نفقہ سے محروم کرنے کی شرط لگائے، یہ تمام شرطیں مقتضائے عقد کے خلاف ہیں، اور دخول سے پہلے پہلے عقد قابل فسخ ہے، البتہ دخول کے بعد فسخ

نہیں کیا جائے گا، شرطیں لغو قرار پائیں گی، اور شوہر پر مہر مثل واجب ہوگا۔

(۳) تیسری قسم یہ ہے کہ ایسی شرطیں لگائی جائیں، جو عقد نکاح کے منافی نہ ہوں، مثلاً عورت یہ شرط لگائے کہ اس کے رہتے ہوئے کسی دوسری عورت سے شادی نہ کرے گا، یا اس کے فلاں مقام سے نکال کر کہیں اور نہیں لے جائے گا وغیرہ، ان شرطوں سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ ایسی شرطیں لگانا مکروہ ہے، لیکن اگر باہمی رضامندی سے ان میں سے کسی شرط پر اتفاق ہوجائے تو ان کو پورا کرنا مستحب ہے۔

(۴) چوتھی قسم میں وہ شرطیں آتی ہیں جو اگر بوقت نکاح طے ہوجائیں تو ان کی تکمیل متعلقہ فریق پر لازمی ہوگی ورنہ فریق ثانی کو فسخ نکاح کا اختیار ہوگا، مثلاً شوہر نے عورت کے بینا ہونے، یا باکرہ یا خوبصورت ہونے کی شرط لگائی اور واقعہ اس کے برعکس نکلے تو اس صورت میں اس کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا (**الفقہ علی المذاهب الاربعۃ ج ۴ ص ۸۸-۸۹**)

حنفیہ :

فقہاء حنفیہ کے یہاں اس موضوع پر کافی اور وافی تفصیل ملتی ہے۔ انھوں نے بڑی دقت نظری، اور ہمہ گیری کے ساتھ اس پر بحثیں کی ہیں، ان کے یہاں جزئیات کی کثرت کے باوجود اصولی طور پر ان میں شدید ارتباط پایا جاتا ہے، فقہاء احناف کے نزدیک اشتراط فی النکاح کو ابتدائی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) ایک اشتراط وہ ہے جس کا تعلق نکاح سے ہے (۲) اور دوسرا وہ جس کا تعلق مہر سے ہے (**فتح القدیر ج ۳ ص ۲۳۲**) دونوں کے لئے جداگانہ ضابطے اور احکام ہیں۔

نکاح سے متعلق شرطیں

جو شرطیں نکاح سے متعلق ہیں ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔

(۱) ایک یہ ہے کہ نکاح کو کسی شرط پر معلق کیا جائے (۲) دوسرے یہ کہ نکاح تو کسی شرط پر معلق نہ ہو،

البتہ بوقت نکاح فریقین میں سے کوئی فریق کچھ شرطیں لگائے اور باہمی رضامندی سے ان پر اتفاق ہوجائے۔

ان میں پہلی قسم کا تعلق عین عقد نکاح سے ہے، جس میں خود وجود نکاح متاثر ہوتا ہے، جب کہ دوسری قسم کا تعلق عین عقد نکاح سے نہیں بلکہ نکاح کے بعد والی زندگی سے ہے، یعنی نکاح ہونے کے بعد فلاں فلاں شرطوں پر کاربند ہونا ہوگا۔

قسم اول یہاں زیر بحث نہیں

قسم ثانی بوقت نکاح شرطیں لگانا، دوسری قسم کہ نکاح کسی شرط پر معلق نہ ہو۔ البتہ بوقت نکاح کچھ شرطیں لگائی جائیں، اس کی تین شکلیں ممکن ہیں (جیسا کہ سوالنامہ میں مذکور ہے) اور تینوں کے الگ الگ احکام ہیں۔

شکل اول:

ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو اس کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کر دیا گیا ہو مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا۔ یا اس کو مہر ملنا چاہئے۔ یا یہ کہ شوہر اس کے ساتھ حسن سلوک کرے گا۔ یا شوہر کا یہ شرط لگانا کہ عورت صرف میری ہی بیوی رہے گی۔ یا یہ کہ عورت کو خیار حاصل نہ ہوگا وغیرہ۔
ان تمام مثالوں میں حکم بالکل ظاہر ہے کہ نکاح بھی درست ہے اور جو ذمہ داریاں میاں بیوی پر عقد نکاح کی بنا پر آتی ہیں ان کی ادائیگی بھی لازم ہے۔ (**الفقہ علی المذاهب الاربعۃ ج ۲ ص ۸۵۔ البحر الرائق ج ۳ ص ۱۲۱۔ شامی ج ۲ ص ۵<۳ القسطلانی ج ۲ ص ۱۲۳۔ ۱۲۲**)

شکل ثانی:

دوسری شکل یہ ہے کہ نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو۔ یا ایسی شرط لگانا جو مقصد نکاح کے منافی ہو۔ جس سے شریعت کا نظام نکاح متاثر ہوسکتا ہو یا جس سے کسی فریق کا بے جا استحصال مقصود ہو۔ مثلاً شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان نفقہ اس کے ذمہ نہ ہوگا۔ یا کہ عورت کو میرے مرنے کے بعد وراثت نہیں ملے گی۔ اس طرح عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر کو میری وراثت سے حصہ نہیں ملے گا۔ یا شوہر کو ہر ماہ سو دینار یا بیس ہزار روپے (مثلاً) کا نفقہ دینا ہوگا، جبکہ دونوں کی حیثیت اتنی نہیں۔ اس قسم کی شرطیں لغو ہیں، اور فریقین پر صرف وہی واجب ہے جو شریعت مطہرہ واجب کرتی ہے۔ عورت نفقہ کی مستحق ہوگی جس کی وہ لائق ہوگی، قانونی طور پر دونوں ایک دوسرے کے وارث بھی ہوں گے۔ (**القسطلانی شرح البخاری ج ۲ ص ۱۲۳**)

رجل تزوج امراة بالف على ان لاينفق عليها و مهر مثلها مائة كان لها الالف و النفقة

(**عالمگیری ج ۱ ص ۳۵۰**)

(ایک آدمی نے کسی عورت سے ہزار روپے کے مہر پر شادی کی بشرطیکہ اسے نفقہ نہیں ملے گا اور اس عورت کا مہر مثل سو (۱۰۰) روپے ہو، تو اس کو مقررہ مہر ایک ہزار روپیہ، اور نفقہ دونوں ملیں گے)

رجل تزوج امرأة على ان ينفق عليها فى كل شهر مائة دينار قال ابو حنيفة النكاح جائز ولها نفقة مثلها بالمعروف۔ رجل تزوج امراة على الف درهم على ان لا ترثه ولا يرثها جاز النكاح و يتوارثان وليس لها الا الف درهم كان مهر مثلها اقل من ذلك او اكثر (فتاوى قاضى خان على حاشية فتاوى عالمگیری ج ۱ ص ۳۳۱ فصل فى النكاح على الشرط)

(ایک آدمی نے کسی عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ ہر مہینے اس کو سو (۱۰۰) دینار نفقہ دے گا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک نکاح تو جائز ہے اور اس کو نفقہ مثل معروف طور پر ملے گا، اسی طرح ایک آدمی نے شادی کی ایک ہزار درہم کے عوض اس شرط پر کہ عورت اس کی اور وہ عورت کا وارث نہ ہوگا، تو نکاح جائز ہے، اور دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، اور عورت کو ایک ہزار مہر مقرر سے زیادہ نہ ملے گا، خواہ اس کا مہر مثل اس سے کم ہو یا زیادہ)

عورت کے لئے خیار طلاق

اسی قسم میں نکاح کے بعد عورت کے لئے خیار طلاق کا مسئلہ بھی آتا ہے۔ اس کی دو شکلیں ہیں (۱) ایک شکل یہ ہے کہ اس قسم کی شرط کی پیش کش مرد کی جانب سے ہو (۲) دوسرے یہ کہ شرط عورت کی طرف سے لگائی جائے، اور مرد اس کو قبول کرے۔

(۱) اگر بوقت عقد خیار طلاق کی پیشکش خود مرد کرتا ہے تو یہ درست نہیں (۲) البتہ اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا، یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، اور مرد اس کو قبول کرے تو درست ہے، اور عورت کو خیار طلاق حاصل ہوجائے گا، اور اگر معاہدہ تابید کے ساتھ ہوا ہو تو مرد کو یہ حق طلاق ختم کرنے کا اختیار نہ ہوگا (البنایة ج ۲ ص ۵۰۵۔۵۷۳)

ان دونوں شکلوں میں فرق کی وجہ دو ہیں۔

(۱) ایک وجہ جس کو علامہ عبدالرحمان الجزیری نے بیان کیا ہے یہ ہے کہ طلاق دینے کا اختیار شریعت نے مرد کو دیا ہے، عورت کو نہیں اب اگر یہ اختیار عورت کے حوالہ کردیا جائے تو قلب موضوع لازم آئے گا، ہاں بعض حالات ایسے ہوتے ہیں جن میں عورت کو اپنے حقوق و مفادات کے تحفظ کے لئے اس طرح کی شرطیں

لگائی پڑتی ہیں، ان حالات میں عورت اس کی پیش کش کر سکتی ہے، کیونکہ اس کو اس کی ضرورت ہے، اس وقت مرد اگر چاہے تو اس کو قبول کر سکتا ہے، لیکن مرد خود ہی خیار طلاق کے اصول کو الٹنا چاہے، جس کی اس کو خود ضرورت نہیں اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی (**الفقه على المذاهب الاربعة ج ۲ ص ۸۵**)

(۲) اس کی دوسری اور اصل وجہ یہ ہے کہ اصول کے مطابق مرد عورت کو نکاح کے بعد ہی طلاق تفویض کر سکتا ہے نکاح سے قبل نہیں، تو جس شکل میں مرد از خود بوقت نکاح تفویض طلاق کی پیش کش کرے گا، تو یہ تفویض نکاح سے قبل قرار پائے گی، اس لئے کہ عقد اس وقت تمام ہوگا جب ایجاب وقبول دونوں ہوجائیں، اور اس صورت میں بوقت تفویض صرف مرد کی جانب سے ایجاب ہوا، عورت کی طرف سے قبول کا مرحلہ باقی ہے، اس لئے یہ تفویض قبل الطلاق ہوگی، جو باطل ہے، البتہ اگر عورت ایجاب نکاح کرتے ہوئے خیار طلاق کا مطالبہ کرے، اور مرد ایجاب کو قبول کرتے ہوئے اس کی فرمائش کو منظور کرلے، تو یہ تفویض طلاق کے تمام ہونے کے بعد قرار پائے گی جو قاعدہ کی رو سے درست ہے۔ (**فتاوى قاضى خان ج ۱ ص ۳۲۹۔ فتاوى عالمگيرى ج ۱ ص ۳۷۳**)

نکاح میں ملازمت کی شرط

اعلیٰ تعلیم یافتہ عورتیں اگر نکاح کے وقت اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگائیں کہ شوہر انہیں ملازمت سے نہیں روکے گا، یا اگر آئندہ انہیں کوئی مناسب ملازمت ملے، تو شوہر انہیں ملازمت کرنے سے نہیں روکے گا، اور اس شرط کو ہونے والا شوہر قبول کرلے۔

تو اس صورت میں مسئلہ کی دو شکلیں بن سکتی ہیں، ایک شکل تو یہ ہے کہ جس ملازمت کی شرط لگارہی ہے، اگر وہ ملازمت شرعی طور پر درست ہو، اور عورت حدود شرعیہ میں رہتے ہوئے اس کو انجام دے سکتی ہو، اور دینے کا عہد کرے، تو مرد پر ضروری ہے کہ وہ اپنے معاہدہ کا پاس رکھے اور عورت کے شرط کی تکمیل کرے، اس لئے کہ یہ شرط فاسد نہیں بلکہ شرط صحیح ہے، لیکن اگر ملازمت غیر شرعی ہو یا عورت کے لئے حدود شرعیہ کی رعایت مشکل ہو، یا وہ آزاد رہنا چاہتی ہو، تو اس شرط کو اگر مرد قبول بھی کرلے تو اس کی تکمیل واجب کیا جائز بھی نہیں۔

واشار بما ذكره الى ان المنفعة المشروط لها مما يباح لها الانتفاع به لانه لو شرط لها مع المسمى مالا يباح الانتفاع به شرعا كالخمر والخنزير فان كان المسمى عشرة فصاعدا اوجب

لها و بطل الحرام و لا یکمل مهر المثل لان المسلم لا ینتفع بالحرام فلا یجب عوض بفواته کذا فی غایة البیان (البحر الرائق ج ۳ ص ۱۷۰)

(اس سے اس کا اشارہ ملتا ہے کہ جس منفعت کی شرط لگائی گئی ہو وہ جائز ہونی چاہیئے ۔ اگر ناجائز ہو مثلاً خمر خنزیر کو مشروط کرے ، تو مہر کی مشروع مقدار ہونے کی صورت میں صرف مہر مسمی ملے گا ، اور حرام کا اسے حق نہ ہوگا ، مہر مثل نہ ملے گا ، اس لئے کہ مسلمان کے لئے حرام سے انتفاع جائز نہیں ، پس اس کے فوت نہ ہونے کی صورت میں الگ سے معاوضہ دینا لازم نہیں)

قسم ثالث ۔ نکاح کے وقت خارجی شرائط

تیسری قسم یہ ہے کہ نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط عائد کرنا جو پہلی اور دوسری قسم کے دائرے میں نہ آتی ہو ، اس کے نتیجے میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہو ، جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا ، اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہو جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی ہو ، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا ۔ یا اس کو اپنے آبائی وطن سے باہر نکال کر نہیں لے جائے گا ، یا اس طرح کی کوئی اور شرط لگانا جس کا تعلق عقد نکاح سے نہ ہو ۔

صاحب البحر الرائق نے اس قسم کے تحت نوع بنوع شرائط کے لحاظ سے جو مختلف شکلیں پیدا ہوتی ہیں ۔ ان کا بہترین اور جامع احاطہ کیا ہے ، انہوں نے (۲۸۸) صورتیں فرض کی ہیں ، ان کی عبارت یہ ہے ۔

وقد یقال ان هذه المسئلة علی وجوه ثلاثة لان الشرط اما ان یکون نافعا لها او لا جنبی او ضارا و کل منها اما ان یکون الوفاء حاصلا بمجرد النکاح او متوقفا علی فعل الزوج فهی ستة وکل من الستة اما ان یکون مهر المثل اکثر من المسمی او اقل او مساویا وکل من الثمانیة عشر اما ان یکون قبل الدخول او بعده وکل من الستة و الثلاثین اما ان یباح الانتفاع بالشرط اولا وکل من الاثنین والسبعین اما ان یشترط علیه رد شئی الیه او لا وکل من المائة و الاربعة و الاربعین اما ان یحصل الوفاء بالشرط اولا فهی مائتان و ثمانیة و ثمانون فلیتامل (البحر الرائق ج ۳ ص ۱۷۱)

یعنی ابتدائی طور پر اس مسئلہ کی تین شکلیں ہیں (۱) جو شرط نکاح طے ہوئی ہے اس سے نفع عورت کو پہونچے گا (۲) یا کسی غیر متعلق شخص کو پہونچے گا (۳) یا کسی کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگی ۔ پھر ان تینوں میں

سے ہر ایک کی دو، دو شکلیں ہیں (۱) وہ شرط عقد نکاح کے نتیجے میں بطور خود پوری کرنی ہوگی (۲) یا شوہر کے جداگانہ فعل پر موقوف ہے۔ اس طرح چھ شکلیں تیار ہوتی ہیں۔ پھر ان چھ میں سے ہر ایک کی تین تین شکلیں ہیں (۱) مقررہ مہر، مہر مثل سے زیادہ ہے (۲) یا کم ہے (۳) یا برابر ہے، اس طرح اٹھارہ شکلیں بنتی ہیں، پھر ان میں سے ہر ایک کی دو دو شکلیں ہیں۔

(۱) نکاح کے بعد دخول ہوا (۲) یا نہیں، اس طرح چھتیس (۳۶) شکلیں تیار ہوجاتی ہیں، پھر ان میں بھی ہر ایک کی دو دو شکلیں ہیں (۱) شرط انتفاع شرعی طور پر جائز ہے (۲) یا نہیں، اس طرح بہتر (۷۲) صورتیں ہوجاتی ہیں، پھر ان میں بھی ہر ایک کی دو دو شکلیں ہیں (۱) شوہر کے لئے عورت کی طرف سے کسی شئی کی واپسی مشروط ہے (۲) یا نہیں، اس طرح ایک سو چوالیس (۱۴۴) صورتیں بنتی ہیں، پھر ان میں سے بھی ہر ایک کی دو دو شکلیں (۱) شوہر نے شرط پوری کی (۲) یا نہیں، اس طرح کل دو سو اٹھاسی ۲۸۸ شکلیں بن جاتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہ ساری صورتیں جائز نہیں ہوسکتی ہیں، ان کے لئے کچھ ایسے حدود و قیود اور شرائط لگانے ہوں گے، جن کی روشنی میں کسی بھی صورت کے جواز و عدم جواز کا فیصلہ کیا جاسکے، تو غور کرنے سے یہاں دو مرحلے سمجھ میں آتے ہیں (۱) ایک مرحلہ بوقت عقد شرط لگانے کا ہے (۲) دوسرا مرحلہ ان کی تکمیل و عدم تکمیل، اور اس سے پیدا ہونے والے نتیجے کا ہے۔

پہلا مرحلہ

پہلے مرحلے میں کسی بھی صورت کے جواز کے لئے بنیادی طور پر یہ شرطیں لگائی جاسکتی ہیں، (۱) ایسی شرطیں نہ لگائی گئی ہوں جن سے کسی کا نقصان یا حق تلفی لازم آئے، یا کسی کو مشقت سے دوچار ہونا پڑے، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ ہونے والا شوہر اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے، اس طرح کی شرط لگانا بالکل گناہ ہے، حدیث پہلے نقل کی جاچکی ہے۔

" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کسی عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنی بہن کی طلاق کا مطالبہ کرے، تاکہ اس کا ظرف اپنے لئے خالی کرلے، اس لئے کہ ہر عورت کو وہی ملے گا جو اس کے لئے مقدر ہے " (بخاری شریف ج ۲ ص ۷۷۲)

اسی طرح یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کو عورت کے آبائی مکان یا وطن سے منتقل کرکے کہیں اور نہیں لے جائے گا، اس لئے کہ اس میں شوہر پر غیر شرعی جبر ہے، اسی لئے فقہا نے اس کو شروط فاسدہ میں شمار کیا ہے، علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں۔

و النكاح لا تبطله الشروط الفاسدة كما اذا تزوجها على ان يطلقها و على ان لا ينقلها من منزلها و نحو ذلك (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۷۸)

چند صفحات کے بعد یہ عبارت ہے ۔

وقال ان ما شرط الزوج من طلاق المراة و ترک الخروج من البلد لا يلزمه في الحكم ان ذلک وعدلها فلا يكلف به (بدائع ج ۲ ص ۲۸۵)

خلاصہ ان دونوں عبارتوں کا یہ ہے کہ سوکن کو طلاق دینے کی شرط ۔ یا آبائی مکان یا وطن سے باہر نہ لے جانے کی شرط ، شروط فاسدہ میں سے ہیں ۔ اس لئے اگر اس طرح کی شرطیں لگا بھی دی گئیں تو یہ محض وعدہ ہوگا ۔ عقد نکاح کی بناء پر ان کی تکمیل کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا ۔

(۲) دوسری بنیادی شرط یہ ہے کہ امر مشروط شرعی اعتبار سے ناجائز نہ ہو ۔ مثلا عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کے رہتے ہوئے کسی دوسری عورت سے شادی نہیں کرے گا ۔ تو یہ شرعاً ناجائز ہے ، اس لئے کہ شریعت مطہرہ نے جب مرد کو چار شادیوں تک کی اجازت دی ہے ، تو عورت کا شرط لگا کر اس سے روکنا درست نہیں (**فتح القدير ج ۳ ص ۲۳۲ و الكفاية ج ۳ ص ۲۳۲**)

اگرچہ علامہ ابن قدامہ نے المغنی میں اس خیال پر معقول نقد کیا ہے ۔ لیکن بہر حال حنفیہ کا نقطۂ نظر یہی ہے "(**المغنی ج ۷ ص ۴۴۹**)

دوسرا مرحلہ

دوسرا مرحلہ شرائط کی تکمیل کا ہے ، اگر مذکورہ مشروط صورتوں میں سے کوئی صورت وجود میں آجائے تو کیا شوہر کو ان شرائط کی تکمیل کرنی چاہئے یا نہیں ؟ اور اگر شوہر ان کی تکمیل نہ کرے تو اس کے کیا اثرات مرتب ہوں گے ؟ ان کی تعیین و تحدید کے لئے درج ذیل شرائط مقرر کئے جاسکتے ہیں ۔

(۱) شرط شرعی طور پر قابل انتفاع ہو ۔

(۲) اس شرط سے عورت کا یا اس کے کسی قریبی رشتہ دار کا نفع متعلق ہو ، غیر متعلق شخص کا نہیں ۔

(۳) نکاح کے وقت مہر شرعی مقرر کیا گیا ہو ۔

(۴) عورت کا مہر مثل ، مہر مقررہ سے زیادہ ہو

(۵) امر مشروط محض عقد نکاح کی بناپر لازم نہ ہوتا ہو، بلکہ شوہر کا جداگانہ عزم و عمل اس میں لزوم پیدا کرتا ہو۔

(۶) عورت کی طرف سے شوہر کے لئے کسی شیٔ کی واپسی مشروط نہ ہو (ماخوذ از فتاوی شامی ج ۲ ص ۳۷۵ و البحر ج ۳ ص ۱۷۱)

اگر کسی مشروط صورت میں مذکورہ تمام شرائط پائی جاتی ہوں، تو معاہدہ ہوجانے کے بعد شوہر کو مقررہ شرائط کی تکمیل کرنی چاہئے ۔ اگر وہ بوقت نکاح طے شدہ شرائط کی تکمیل کرے گا تو عورت کو صرف مہر مسمی ملے گا، بصورت دیگر عورت کو مہر مسمی لینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا بلکہ پورا مہر مثل شوہر کو دینا ہوگا، اس لئے کہ وہ اپنے مہر مثل سے کم مقدار پر اس صورت میں راضی ہوئی تھی، جب اس کی شرطوں کی تکمیل کی جائے، تکمیل نہ ہونے کی صورت میں مہر مقررہ پر وہ راضی نہیں ہوگی، اس لئے مہر مثل دینا ہوگا جو نکاح میں اولی طور پر لازم ہوتا ہے۔

مثلاً عورت نے نکاح کے وقت شرط لگائی کہ شوہر اس کے آبائی وطن سے نکال کر کہیں اور نہیں لے جائے گا، یا شوہر اس کو کچھ ہدیہ تحفہ دے گا، یا مشکل کاموں کا پابند نہ کرے گا، وغیرہ۔ اور عورت کا مہر اس کے مہر مثل کے مقابلے میں کم ہے، تو شرط پوری ہونے کی شکل میں تو عورت کو مہر مقررہ ہی ملے گا، لیکن شرط پوری نہ ہونے کی صورت میں شوہر کو مہر مثل دینا ہوگا۔

لیکن اگر مذکورہ شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی کسی صورت مشروطہ سے مفقود ہوجائے تو، یا شوہر پر مقررہ شرائط کی تکمیل ہی ضروری نہ ہوگی یا یہ کہ تکمیل نہ ہونے کی صورت میں بھی عورت کو مہر مقرر ہی ملے گا، مہر مثل نہیں۔ شامی کی درج ذیل عبارت سے مذکورہ بالا باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

ضابطها ان یسمی لها قدرا و مهر مثلها اکثر منه و یشترط منفعة لها او لابیها او لذی رحم محرم منها و کانت المنفعة مباحة الانتفاع متوقفة علی فعل الزوج لا حاصلة بمجرد النکاح ولم یشترط علیها رد شئی له وذلک کان تزوجها بالف علی ان لا یخرجها من البلد او علی ان یکرمها او یهدی لها هدیة ... فلو المنفعة لاجنبی ولم یوف فلیس لها الا المسمی لانها لیست منفعة مقصودة لاحد المتعاقدین (شامی ج ۲ ص ۳۷۵۔ کذا فی البحر الرائق ج ۳ ص ۱۷۱)

مہر سے متعلق شرطیں

فقہاء احناف کے نزدیک اشتراط فی النکاح کا دوسرا بنیادی حصہ مہر سے متعلق ہے جس کو فتح القدیر اور کئی کتب فقہ میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے ۔

للمسئلة صورتان الاولى ان يسمى لها مهرا و يشترط لها معه مالها فيه نفع ... و الثانية ان يسمى لها مهرا على تقدير و آخر على تقدير آخر (فتح القدير ج ۳ ص ۳۳۲. الكفاية ج ۳ ص ۳۳۲)

یعنی مسئلہ کی دو صورتیں ہیں ، ایک یہ ہے کہ بوقت نکاح تعیین مہر کے ساتھ کچھ مفید شرطیں بھی لگائی جائیں (جس کے تفصیلی احکام بیان کئے گئے ہیں) دوسری صورت یہ ہے کہ عورت کے لئے مہر معلق مقرر کیا جائے یعنی اگر شرط پوری ہوگی تو مہر کی مقدار یہ ہوگی ، اور پوری نہ ہوگی تو مقدار یہ ہوگی ۔

عورت اس شرط پر شادی کرے کہ اگر ہونے والا شوہر اس کو اس کے آبائی وطن سے نہ نکالے گا ، تو مہر ایک ہزار ہوگا ، ورنہ دو ہزار ، یا یہ شرط کہ اگر شوہر اس کے رہتے ہوئے دوسری شادی نہ کرے گا تو ایک ہزار مہر ہوگا ورنہ دو ہزار وغیرہ ۔ ان مثالوں میں مہر کی مقدار معین نہیں ہے ، بلکہ وہ موقوف ہے شرط کی تکمیل پر ، اس طرح مہر کے تسمیہ میں جہالت پائی جاتی ہے ، ظاہر ہے کہ اس جہالت کا اثر نکاح کی صحت پر نہیں پڑے گا ، البتہ مہر کا مسئلہ اس سے ضرور متاثر ہوگا ، وہ اس طرح کے اس مسئلہ کی بھی دو صورتیں ہیں ۔

(۱) امر مشروط یقین کے ساتھ بآسانی معلوم ہوسکتا ہے (۲) یا محتمل ہے ۔

(۱) اگر امر مشروط یقین کے ساتھ بآسانی معلوم ہوسکتا ہے ، مثلاً بوقت نکاح مرد نے یہ شرط لگائی کہ اگر عورت خوبصورت ہوگی تو مہر دو ہزار ہوگا ، اور بدصورت ہوگی تو ایک ہزار ، تو یہ مہر بھی معلق ہے ، مگر خوبصورتی و بدصورتی پہلی ملاقات ہی سے یا دوسرے ذرائع سے معلوم ہوسکتی ہے ، اور اس میں کوئی مشکل نہیں ، اس لئے کہ اس صورت میں شرط کے دونوں رخ بالاجماع درست ہیں ، یعنی اگر عورت بدصورت نکلی تو مہر ایک ہزار پائے گی اور اگر خوبصورت نکلی تو دو ہزار پائے گی ۔ **(فتاوی تاتار خانیة ج ۳ ص ۱۰۱۔۱۰۲)**

اگرچہ کفایہ ، قاضی خاں ، اور کئی کتب فقہ میں نوادر ابن سماعہ کے حوالہ سے امام محمد کی روایت یہ نقل کی گئی ہے کہ اس صورت میں صاحبین اور امام ابو حنیفہ کا اختلاف ہے ، یعنی صاحبین کے یہاں دونوں شرطیں جائز ہیں ، مگر امام صاحب کے نزدیک بدصورتی کی حالت میں ایک ہزار مہر تو درست ہے ، لیکن اگر عورت خوبصورت ثابت ہوئی تو دوسری شرط یعنی دو ہزار والی فاسد ہے ، اور عورت کو اس کے بجائے مہر مثل ملے گا ، اور اس کو قیاس کیا ہے

ایک دوسرے جزئیے پر وہ یہ کہ شرط لگائی کہ اگر عورت باندی ہو تو مہر ایک ہزار ہوگا ورنہ دو ہزار، تو اس شکل میں امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ثابت ہے، جب کہ یہاں بھی حسن و قبح کی طرح عورت بالیقین ایک ہی حالت پر ہے۔ **(الکفایۃ ج ۳ ص ۲۳۲۔ قاضی خاں ج ۱ ص ۲۳۰)**

لیکن علامہ ابن نجیم مصری نے سماعہ کی اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے۔ اور کہا ہے کہ حسن و قبح کے مسئلہ کو آزادی و غلامی کے مسئلہ پر قیاس کرنا غلط ہے۔ اس لئے کہ آزادی و غلامی کے جزئیے میں اگرچہ عورت بالیقین ایک حالت پر ہوتی ہے، مگر اس کا پتہ لگنا اتنا آسان نہیں ہوتا، اس کے بر خلاف عورت کے حسن و قبح کا پتہ چلنا بہت آسان ہے، اس بنا پر اس میں جہالت اتنی فحش نہیں ہے کہ تسمیہ مہر کو باطل قرار دیا جائے، اور اسی لئے امام صاحب بھی راجح قول کے مطابق صاحبین کے ساتھ اتفاق رکھتے ہیں۔

واجاب فی البحر بان المراۃ و ان کانت فی الکل علی صفۃ واحدۃ لکن الجھالۃ قویۃ فی الحریۃ وعدمھا لانھا لیست امرا مشاھدا ولذا لو وقع التنازع احتیج الی اثباتھا فکان فیھا مخاطرۃ معنی بخلاف الجمال و القبح فانہ امر مشاھد فجھالتہ یسیرۃ لزوالھا بلا مشقۃ (شامی ج ۲ ص ۳۷۷)

فما فی نوادر ابن سماعۃ من الخلاف ضعیف (البحر رائق ج ۳ ص ۱۷۲)

دونوں عبارتوں کا مفہوم اوپر آچکا ہے۔

(۷) اور اگر امر مشروط یقین کے ساتھ بآسانی معلوم نہ ہوسکتا ہو بلکہ محتمل ہو، مثلاً عورت کو آبائی وطن سے باہر نہ لے جانے کی شرط، یا شوہر کے دوسری شادی نہ کرنے کی شرط، اس کی فی الحال کیا ضمانت ہے اور نہ کوئی یقینی علم ہے، اس لئے مہر کی دو مقداروں میں سے اقل ترین مقدار (مثلاً ایک ہزار روپیہ) پر تو بہر حال فریقین متفق ہیں، اور اس حد تک خاص جہالت نہیں ہے۔ البتہ (ایک ہزار سے فاضل) زائد مقدار موقوف ہے شرط کی تکمیل پر، جس کا نہ علم ہے نہ ضمانت، اس لئے جہالت کی بنا پر فاضل مقدار کا جو تسمیہ کیا گیا ہے وہ باطل قرار پائے گا، اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر شرط کی تکمیل شوہر نہ کرسکے تو مہر مسمیٰ کے بجائے اس کو مہر مثل دینا ہوگا۔ البتہ صاحبین کے نزدیک مہر کی دونوں مقداریں درست ہیں اور تکمیل شرط کی صورت میں ایک مقدار اور عدم تکمیل کی صورت میں دوسری مقدار واجب ہوگی **(البنایۃ ج ۲ ص ۲۲۲، بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۸۰)**

استدلالی اعتبار سے تو امام صاحب ہی کا قول مضبوط معلوم ہوتا ہے، مگر موجودہ حالات میں سہولت یا مصلحت

کی خاطر یا بالعموم اس جہالت کے مفضی الی النزاع نہ ہونے کی بناء پر صاحبین کے قول پر بھی عمل کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

خلاصہ جوابات

(۱) ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ان کو پورا کرنا واجب ہوگا (البحر الرائق ج ۳ ص ۱۷۱۔ شامی ج ۲ ص ۳۷۵)

(۲) نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی کوئی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، باطل ہے، البتہ نکاح درست رہے گا (عالمگیری ج ۱ ص ۳۰۹۔ فتاوی قاضی خاں ج ۱ ص ۳۳۱)

(۳) نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط عائد کرنا کہ اس کے نتیجے میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا، اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے، جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی ہو اس طرح کی شرطیں لگانی تو نہیں چاہئے (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۸۵) لیکن اگر لگادی جائیں تو درج ذیل شرائط پائے جانے کی صورت میں اس کی تکمیل کرنی ہوگی اور عدم تکمیل کی صورت میں عورت مہر مسمی کے بجائے مہر مثل پانے کی حقدار ہوگی۔

(۱) شرط شرعی طور پر قابل انتفاع ہو۔

(۲) اس شرط سے عورت یا اس کے قریبی رشتہ دار کا نفع متعلق ہو، غیر متعلق شخص کا نہیں۔

(۳) نکاح کے وقت مہر شرعی مقرر کیا گیا ہو۔

(۴) عورت کا مہر مثل اس کے مہر مقررہ سے زیادہ ہو۔

(۵) امر مشروط محض عقد نکاح کی بناء پر لازم نہ آتا ہو بلکہ شوہر کے جداگانہ عزم و عمل پر موقوف ہو۔

(۶) عورت کی طرف سے شوہر کے لئے کسی شئی کی واپسی مشروط نہ ہو (شامی ج ۲ ص ۳۷۵ و البحر ج ۳ ص ۱۷۱)

(الف) اس کا جواب نمبر (۲) میں گزرا۔

(ب) اس کا جواب نمبر (۳) میں گزرا۔

(ج) شرط شرعاً معتبر ہے (عالمگیری ج ۱ ص ۲۷۳) اور اگر شرط مؤبد طور پر لگائی گئی ہو تو شوہر کو عورت کا حق طلاق ختم کرنے کا اختیار نہ ہوگا (البنایۃ ج ۲ ص ۵۰۵ ج۔ص ۵۲۳)

نکاح میں شرط کی تین صورتیں ہیں۔

(۱) عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہوجائیں اور اس کی تحریر پر طرفین کا دستخط ہوجائے

(۲) عقد نکاح میں ہی ان شرائط کا ذکر کیا جائے ، ایجاب مشروط ہو یا ایجاب مطلق ہو اور قبول مشروط

(۳) عقد نکاح کے بعد مابین طرفین کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے۔

شرائط کے سلسلے میں اس قسم کی تفصیل مجھے حنفیہ کے یہاں نہیں ملی ، البتہ شافعیہ اور حنابلہ کے یہاں بعض اشارے ملتے ہیں۔ مثلاً حنابلہ کے مسلک کے ذیل میں "الفقہ علی المذاهب الاربعۃ" میں یہ عبارت ملتی ہے۔

وتعتبر هذه الشروط سواء كانت فی صلب العقد او اتفقا عليها قبله (ج ۲ ص ۸۸)

یعنی ان شرائط کا ہر صورت اعتبار کیا جائے گا ، خواہ صلب عقد میں ان پر اتفاق ہو یا عقد سے پہلے ، اسی طرح شافعیہ کے یہاں بعض شکلوں میں اس تعلق سے کچھ ذکر ملتا ہے ، شافعیہ کے نزدیک شرائط کا اعتبار اس وقت ہے جب کہ بوقت عقد ان پر اتفاق ہوا ہو۔ عقد سے خارج خواہ پہلے ہو یا بعد میں طے ہونے والی شرائط کا ان کے نزدیک اعتبار نہیں۔

فاذا اشترطت هذه الشروط خارج العقد فانه لا يعمل بها (الفقه على المذاهب الاربعة ج ۲ ص ۸۹)

حنفیہ کے اصول کے مطابق اگر غور کیا جائے تو شرائط کا اثر نکاح پر تو بہر حال نہیں پڑتا اب محض اس کی تکمیل کی بات رہ جاتی ہے تو حدیث پاک۔

احق ما اوفيتم من الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج (بخاری شریف ج ۲ ص ۷۷۴)

پورا کرنے کے سب سے زیادہ لائق وہ شرطیں ہیں جن کے ذریعہ تم شرمگاہیں حلال کرتے ہو۔

اس کا تقاضا یہ ہے کہ ایسے تو ہر معاہدہ اگر جائز ہو ، اور قلب موضوع لازم نہ آتا ہو ، تو واجب التکمیل ہے۔ لیکن وہ شرطیں جو بوقت نکاح طے کی جائیں ، وہ دوسرے معاہدات و شرائط کے مقابلے میں زیادہ اہمیت رکھتی ہیں اور ان کو پورا کرنا بدرجہ اولی ضروری ہے ۔ ورنہ انسان گنہ گار ہوگا۔

نکاح کے وقت تفویض طلاق کی صورت میں قلب موضوع لازم آنے اور مصالح شرع کے ضائع ہونے کا اندیشہ بالیقین ہے، اسی لئے فقہاء نے یہ شرط لگائی ہے کہ اس کا آغاز مرد کی جانب سے ہونا جائز نہیں، اس کے علاوہ دوسری مزید احتیاطی قیدیں بھی بڑھائی جاسکتی ہیں، مثلاً عورت کو خیار طلاق مؤبد طور پر نہ دیا جائے۔ بلکہ وقت مقرر کے لئے دیا جائے یا یہ کہ بعض محدود شکلوں میں دیا جائے اور اگر شوہر چاہے تو اس خیار کو اپنی مشیت کے ساتھ مشروط بھی کرسکتا ہے، تاکہ عورت اس اختیار کا بیجا استعمال نہ کرسکے وغیرہ۔

دلائل کے لحاظ سے تو فقہاء کے نزدیک امام صاحب کا موقف ہی زیادہ مضبوط ہے، مگر حالات کی بنا پر اگر صاحبین کے مسلک پر فتوی دیا جائے تو اس کی بھی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ اس صورت کا جواب بھی وہی ہے جو پہلی صورت میں گزرا۔

ملازمت شرعی ہو، اور عورت شرعی حدود میں رہ کر اس کو انجام دے سکتی ہو، تو شوہر کو اپنے معاہدے پر عمل کرنا ہوگا، لیکن اگر ملازمت شرعی نہ ہو، یا عورت شرعی حدود میں رہ کر اس کو انجام نہ دے سکتی ہو، تو یہ معاہدہ لغو ہے اس پر عمل کرنا واجب تو درکنار جائز بھی نہیں (کما فی البحر ج ۳ ص ۱۷۰)

مشروط نکاح اور اس کے احکام

مفتی اقبال احمد کانپوری ☆

نکاح کے بعد مرد و عورت دونوں ایک نئی زندگی کا آغاز کرتے ہیں، زوجین کی ملی جلی زندگی میں حق تعالی نے شوہر کو منتظم اور نگراں قرار دیا ہے، اور عورت کو اس کا تابع اور زیر اثر، تاکہ خاندانی معاشرہ کا نظم برقرار رہے، ہر ایک حاکم بن کر طوائف الملوکی کی راہ نہ اپنا سکے، اور شیرازہ بکھرنے سے محفوظ رہے اللہ تبارک و تعالی کا ارشاد ہے۔

الرجال قوامون على النساء (سورة النساء، پ ۵) مرد، عورتوں پر حاکم ہیں۔

مذکورہ اصل کا تقاضا تو یہی ہے کہ عورت شوہر کے پاور میں رہے، نکاح میں شروط کا اضافہ کر کے مرد کو کمزور اور بے وزن نہ بنادیا جائے گویا نکاح کا شروط سے خالی ہونا ہی نکاح کی اصل روح ہے حتی کہ امام مالک رحمہ اللہ علیہ نے مشروط نکاح کو مکروہ قرار دیا ہے اور مشورہ دیا کہ ایسا نہ کریں ایسا کرنا مقاصد نکاح میں خلل انداز ہوگا۔

انی لاکره ان ینکح على مثل هذا احدان لا یخرجها من بلدها ولا یمنعها من حج و لا عمرة قال فاذا كان هكذا فهو لا یملكها ملكا تاما و لا یستباح البضع الا بملك تام الخ (او جز شرح مؤطا امام مالک ص ۳۲۱ ج ۲) بیشک میں مکروہ سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص اس طور پر نکاح کرے کہ عورت کو وہ شہر سے نہ باہر لے جائے گا یا اس کو حج و عمرہ سے نہ روکے گا کیونکہ جب عورت کی یہ شرطیں ہونگی تو عورت پر ملکیت تامہ مرد کو نہ ہوگی حالانکہ ملک بضع میں مرد کو ملکیت تامہ کے ساتھ اجازت ہوتی ہے۔

البتہ بعض مواقع میں حالات کے پیش نظر شروط مقرر کرنا معاشرہ کی ایک ضرورت بھی ہے جس کا خصوصا اس

☆ استاذ مدرسہ مظہر العلوم، بیکن گنج، کانپور یوپی

زمانہ میں انکار نہیں کیا جاسکتا اسی لئے شروط کے اقسام اور احکام فقہاء نے ذکر کئے ہیں تاکہ موقعہ پر وہ مسائل پیش نظر رہیں جس کی کچھ تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے ۔

قال الخطابی الشروط فی النکاح مختلفة فمنها ما یجب الوفاء به اتفاقا وهو ما امر الله من امساک بمعروف او تسریح باحسان۔

و منها مالا یوفی به اتفاقا کسوال طلاق اختها و منها ما اختلف فیه کاشتراط ان لا یتزوج علیها اولا ینقلها من منزلها الی منزله (فتح الباری ج ۹ ص ۱۲۵)

نکاح میں ذکر کی جانے والی شرطیں مختلف طرح کی ہوتی ہیں ان میں سے (۱) بعض وہ ہوتی ہیں جن کا پورا کرنا بالاتفاق واجب ہے مثلاً مامور بہ چیزیں (شرائط میں ہوں) " **امساک بالمعروف** " یا بھلے طریقے سے چھوڑ دینا (۲) بعض شرائط وہ ہیں جن کو بالاتفاق نہیں پورا کیا جاسکتا مثلاً نکاح، طلاق کی شرط کے ساتھ۔ (۳) بعض شرائط میں اختلاف ہے کہ پورا کرنا واجب ہے یا نہیں، مثلاً منکوحہ رہتے ہوئے دوسرے سے نکاح نہ کرے یا اس کو اس کے گھر سے کہیں اور اپنے گھر منتقل نہ کرے وغیرہ شرائط لگانا۔

شرائط کا ایک عمومی حکم

نکاح میں ذکر کی جانے والی شرط کی تین قسمیں ہیں جن کا حکم علاحدہ علاحدہ ذکر کیا جاتا ہے لیکن ان تینوں کے درمیان جو مشترک حکم ہے وہ یہ ہے کہ کسی بھی شرط کے لگانے سے عقد نکاح میں کچھ فرق نہیں پڑتا (الا یہ کہ فسخ نکاح یا طلاق کے اختیار سے متعلق کوئی شرط عورت کو حاصل ہو جس کی تفصیل تفویض طلاق کے تحت آرہی ہے) کیونکہ نکاح ان معاملات میں سے ہے جس میں تعلیق و اشتراط، نکاح کے فساد و بطلان میں مؤثر نہیں ہوتے اس لئے کسی شرط کے ساتھ نکاح کرنے سے نکاح ہوجاتا ہے (خواہ وہ شرط مناسب ہو یا عقد کے لئے نامناسب ہو) شرط نکاح کے حق میں لغو قرار پاتی ہے۔ البتہ وہ شروط از قبیل عہود ہوتی ہیں، جہاں ایفاء وعدہ واجب ہے وہاں ان شروط کا پورا کرنا واجب ہوگا ورنہ حرام شرط ناجائز کام کے وعدہ کی طرح واجب الترک قرار پائے گی۔ بہر حال دونوں صورتوں میں نکاح اپنی تمامتر صحت کے ساتھ باقی رہے گا۔ فتاوی دارالعلوم میں ہے۔ " مشروط نکاح درست ہے اگرچہ شرط پوری نہ کرے، اگرچہ شوہر کو (جائز) شرائط پوری کرنا ضروری تھا مگر پورا نہ کرنے سے نکاح میں کچھ فرق نہیں پڑتا " (فتاوی دارالعلوم ج ۷ ص ۱۰۸)

و لا يثبت في النكاح خيار الرؤية و العيب و الشرط. حتى انه فعل ذلك فالنكاح جائز و الشرط باطل الخ (عالمگیری ج ۱ ص ۷۵۵)

ولكن لا يبطل النكاح بالشرط الفاسد و انما يبطل الشرط (شامی ج ۲ ص ۲۹۲)

مالا يبطل بالشروط الفاسدة النكاح الخ (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۸۷)

نکاح میں خیار رویت، عیب و خیار شرط ثابت نہیں ہوتے حتی کہ اگر کوئی خیار شرط وغیرہ لگائے تو نکاح جائز اور شرط باطل ہے (عالمگیری)

اور نکاح شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتا بلکہ خود شرط باطل رہتی ہے (شامی)

جو معاملات شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتے ان میں نکاح بھی ہے (بحر الرائق)

جیسا کہ ذکر کیا گیا نکاح میں شروط مؤثر نہیں ہوتیں، البتہ شروط کا پورا کرنا نہ کرنا یہ شرطوں کے جائز ناجائز ہونے پر مبنی ہے، موافق اور جائز شرط کا پورا کرنا واجب ہوتا ہے خلاف شرع شرط کا پورا کرنا کسی بھی طرح واجب نہیں بلکہ ناجائز ہے، اس اصول کے پیش نظر تینوں قسموں کی شرط کا حکم معلوم ہوجاتا ہے، اور وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

شرط کی پہلی قسم

یعنی ایسی شرائط نکاح میں ذکر کرنا جس میں کسی نئی چیز کا مطالبہ نہیں ہوتا بلکہ شرائط میں ذکر کردہ چیزیں بلاشرط بھی نکاح کے حقوق میں شامل اور شمار کی جاتی ہیں یا وہ عقد نکاح کے تقاضے کے عین مطابق ہیں ایسی شروط بلاشبہ واجب الایفاء ہیں اور ایسی شرائط کے مذکور ہونے نہ ہونے کا اس میں کوئی دخل نہیں کیونکہ ان شرائط میں وہ چیزیں مذکور ہیں جو اگر مذکور نہ بھی ہوتیں تو بھی ان کے مطابق ہی تعمیل واجب تھی، گویا شرائط کا ذکر تحصیل حاصل ہے البتہ تاکید و تذکیر جیسے فوائد اس سے حاصل ہوں گے۔ ان شرائط کی خلاف ورزی سے جب کہ تفصیل سے ذکر کیا گیا نکاح میں فرق نہیں پڑتا الا یہ کہ شرائط میں فسخ نکاح کا اختیار عورت نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہو جس کی بحث تفویض طلاق کے تحت آرہی ہے۔

دوسری قسم

یعنی ناجائز شروط نکاح میں ذکر کرنا جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے شرائط (۱) جو مقتضائے عقد کے خلاف ہوں مثلاً رہائش و سکنیٰ کا حق عورت کو نہ ہوگا، یا ایسے (۲) شرائط جو حقوق زوجیت کے خلاف ہوں مثلاً عورت

یہ شرط لگائے کہ جماع و استمتاع کا حق مرد کو نہ ہوگا یا کوئی ایسے (۳) شرائط نکاح میں عائد کرنا جو شرعاً ممنوع و منہی عنہ ہوں، مثلاً نکاح اس شرط پر ہو کہ مرد اس کو طلاق دے دے گا۔ اس قسم کی ناجائز شروط کے ساتھ جو نکاح منعقد ہوگا اس کا حکم یہ ہے کہ شرطوں کے فاسد و ناجائز ہونے سے نکاح میں تو فرق نہیں پڑتا ساتھ ہی ان شرائط پر عمل بھی جائز نہیں۔ بلکہ خلاف شرع ہونے کی وجہ سے ایسے شرائط کی مخالفت ضروری ہے اس لئے اس قسم کی شروط لغو و کالعدم قرار دی جاتی ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

ماكان من شرط ليس فى كتاب الله فهو باطل (متفق عليه)

جو شرط کتاب اللہ (کے موافق) میں نہ ہو وہ باطل ہے (بخاری و مسلم)

فتح الملہم شرح مسلم میں ہے۔

وقد اجمعوا على انها لو اشترطت عليه ان لا يطاء ها لم يجب الوفاء بذالك الشرط (ج ۲ ص ۳۷۶)

اس بات پر اتفاق ہے کہ عورت نے اگر نکاح میں صحبت نہ کرنے کی شرط مرد سے طے کی تو اس شرط کا ایفاء واجب نہیں ہے (فتح الملہم)

لا يبطل النكاح بالشرط الفاسد و انما يبطل الشرط (شامى)

نکاح شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتا اور شرط باطل و لغو ہوجاتی ہے (شامی)

شرط کی تیسری قسم

یعنی مباح شرائط جن کے ذریعہ وہ مقاصد مطلوب ہوتے ہیں جو نفس عقد سے حاصل نہیں ہوتے اور وہ شرائط و مقاصد خلاف شرع بھی نہیں ہیں، اسی لئے ان کو مباح شرائط سے تعبیر کیا ہے، بہر حال ایسے شرائط کا مشہور حکم یہ ہے کہ باہمی رضا سے اگر یہ شرائط عقد نکاح کے وقت طے پاجائیں تو ان کا ایفاء واجب ہے۔ حدیث شریف میں اس قسم کے شرائط کی تکمیل کو واجب قرار دیا ہے۔ شرط نہ پورا کرنے پر اگر عورت نے فسخ کا اختیار لیا ہے تو اس کا استعمال کر سکتی ہے، ورنہ شرط کی خلاف ورزی کی صورت میں نکاح میں فرق نہیں پڑتا، البتہ شرط کی خلاف ورزی کا گناہ ہوگا۔

احق الشروط بالوفاء شروط النكاح (فتح البارى ج ۹ ص ۱۷۵)

جو شرطیں ایفاء کے زیادہ لائق ہیں ان میں اولین شرائط نکاح ہیں۔

اذا تزوج الرجل امراة و شرط لها .. ان لا یخرجها من مصرها فلیس له ان یخرجها
(ترمذی ج ۱ ص ۱۳۲)

حضرت فاروق اعظم کا ارشاد ہے کہ جب مرد عورت سے نکاح کرے اور عورت کے لئے کوئی شرط لگائے۔ مثلاً اس کو اس کے شہر سے نہ نکالے گا تو اب مرد کے لئے اجازت نہیں ہے کہ عورت کو باہر لے جاسکے۔

المسلمون عند شروطهم ما وافق الحق (الحدیث) (تفسیر مظهری)

جو شرطیں حق کے موافق ہوں مسلمان ایسی شرطوں کے پابند ہوں گے۔

احق الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج (رواه البخاری)

جو شرطیں زیادہ لائق وفاء ہیں، وہ ہیں جن کے ذریعہ رشتے حلال ہوتے ہیں۔

فتاوی دار العلوم میں بعنوان "مشروط نکاح درست ہے اگرچہ شرط پوری نہ کرے" کے تحت ہے، الجواب۔ اگرچہ شوہر کو دیانتاً شرائط کا پورا کرنا ضروری تھا مگر پورا نہ کرنے سے نکاح میں کچھ فرق نہیں آتا۔ فقط **واللہ تعالی اعلم ص ۱۰۸)**

مشروط نکاح کا مصداق

شرائط نکاح کے ضمن میں یہ بات ذہن نشین رہنی ضروری ہے کہ مشروط نکاح کا مصداق وہی نکاح ہوگا جس میں شرائط کا ذکر نفس عقد نکاح ہی میں شامل ہو اگر قبل النکاح یا بعد النکاح شرائط طے کئے گئے تو وہ نکاح کے شرائط نہ ہوں گے ان پر شرائط نکاح کا اطلاق مجازاً ہوگا، حقیقتاً وہ نکاح مشروط نہ ہوگا بلکہ ان کے لئے وعدہ اور عہد کا لفظ زیادہ موزوں ہوگا، اس لئے نکاح میں اگر کوئی ایسی شرط عائد کی جائے جس کی خلاف ورزی سے عورت فسخ چاہتی ہو تو اس کی صراحت نکاح کے وقت ہی عورت کی طرف سے ہونی ضروری ہے پھر مرد کا اس کو قبول کے وقت منظور کرنا بھی ضروری ہے اور اگر نکاح کے وقت شرائط نہ ذکر ہوں بلکہ قبل النکاح شرائط طے کئے جائیں تو ان شرائط میں نکاح کی طرف نسبت ہونی ضروری ہے یعنی اس طرح طے کرلینا کہ اگر ہمارا نکاح اس سے ہو تو بعد نکاح مرد پر یہ لازم یا بعد نکاح عورت کو یہ اختیار ہوگا وغیرہ وغیرہ، اگر قبل النکاح شرائط میں نسبت الی النکاح نہ ہوئی تو وہ شرائط لغو ہوں گی، عورت کو حق فسخ حاصل نہ ہوگا، البتہ بعد النکاح شرائط معتبر ہوں گے۔

کفایت المفتی میں ہے۔

سوال: لڑکی والے نکاح نامہ میں نوکر سے یہ شرطیں لکھواتے ہیں کہ اتنا نفقہ ماہوار دیا جائے اور مرد

عورت پر ظلم نہ کرے اور اگر اس کے خلاف ہوگا تو عورت کو اختیار ہے کہ وہ مرد کو چھوڑ دے، یا اس طرح کہ اگر اس کے خلاف ہو تو عورت کو طلاق ہے، دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا طلاق نامہ کی یہ شرطیں صحیح ہیں؟ اور کیا ان کی رو سے خلاف شرط ہونے پر عورت خاوند کو چھوڑ سکتی ہے؟ یا اس پر طلاق واقع ہو سکتی ہے؟

جواب: ۔ طلاق کو کسی شرط پر معلق کرنا، یا عورت کو کسی شرط پر طلاق اپنے اوپر ڈال لینے کا اختیار دینا، یہ دونوں باتیں جائز اور صحیح ہیں۔ لیکن دونوں میں یہ شرط ہے کہ جس عورت کو طلاق دینے کا ذکر ہے وہ اس تعلیق و تفویض کے وقت منکوحہ ہو یا طلاق کی اضافت نکاح کی جانب ہو، مثلاً یوں کہے کہ اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو اسے طلاق ہے پس یہ نکاح نامے جن میں شروط مذکورہ فی السوال لکھی جاتی ہیں۔ اگر عقد نکاح سے یعنی ایجاب و قبول سے پہلے لکھے گئے تو بالکل بے کار ہیں، ان کی رو سے نہ عورت کو طلاق ڈالنے کا اختیار حاصل ہوتا ہے اور نہ خلاف شرط ہونے کی صورت میں اس پر طلاق واقع ہو سکتی ہے۔ کیونکہ بوقت تحریر نکاح نامہ نہ وہ منکوحہ تھی نہ اضافت الی النکاح پائی گئی۔

و لا تصح اضافة الطلاق الا ان يكون الحالف مالكا او يضيفه الى ملك الى قوله فان قال لاجنبية ان دخلت الدار فانت طالق ثم تزوجها فدخلت الدار لم تطلق لان الحالف ليس بمالك و ما اضافه الى الملك و سببه ولا بد من واحد منهما (هداية) والله اعلم (كفايت المفتى ص ۲۵۸ جلد ششم)

عورت کی ملازمت کی شرط

نکاح میں ذکر کردہ شرط کی اقسام اور ان کی نوعیت واضح ہونے کے بعد عورت کی ملازمت کی شرط کا حکم بھی خود بخود واضح ہو جاتا ہے ۔ شریعت نے عورت پر من حیث المسلم جو شرعی پابندیاں پردہ وغیرہ کے قبیل کی عائد کی ہیں وہ باہر کی ملازمت کی صورت میں عموماً نہیں ہو سکتیں، نیز عورت پر من حیث الزوجہ جو حقوق ہیں وہ بھی ملازمت کی صورت میں عموماً بری طرح پامال ہو جاتے ہیں، مثلاً علامہ کاسانی وغیرہ نے جو نکاح کا حکم بیان کیا اس کی روشنی میں یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ ملازمت کی شرط اصل نکاح کے تقاضہ کے خلاف ہے لہٰذا یہ شرط فاسد کی طرح ہے اگر عورت یہ شرط لگائے تو مرد اس کا پابند نہ ہوگا اور یہ شرط لغو قرار پائے گی اور نکاح بدستور باقی رہے گا، البتہ ملازمت اگر ایسی ہو کہ مقاصد نکاح میں واقعی خلل نہ ہو تو ملازمت کی یہ شرط جواز کے دائرہ میں آئے گی اور شوہر کے لئے واجب العمل ہوگی۔ بدائع الصنائع میں ہے ۔

و منها ای حکم النکاح ملک الحبس و القید هو صیرورتها ممنوعة من الخروج و البروز لقوله تعالی اسکنوهن و الامر بالاسکان نهی عن الخروج و البروز و لانها لو لم تکن ممنوعة عن الخروج والبروز لاختل السکن والنسب لان ذلک مما یریب الزوج و یحمله علی نفی النسب و للزوج ان یطالبها بالوطئی متی شاء (بدائع ج ۲ ص ۳۳۱)

نکاح کا حکم مرد کا حبس و قید کا مالک ہونا ہے۔ یعنی عورت خروج اور باہر آنے سے رکی رہے گی۔ کیونکہ اللہ پاک کا ارشاد ہے " **اسکنوهن** " اسکان کے حکم کا مطلب عورت کو باہر نکلنے اور ظاہر ہونے سے روکنا ہے اور اگر عورت پر باہر نکلنے پر پابندی نہ ہو تو رہائش میں خلل واقع ہوگا نیز نسب میں خلل کا خطرہ ہے اس لئے کہ مرد کو شبہات ہوں گے اور نسب کے انکار پر خلل واقع ہوگا۔ نیز شوہر کو عورت سے جب چاہے صحبت کے مطالبہ کا حق ہے جو عورت کے باہر رہنے سے پورا نہیں ہوسکتا۔

نکاح میں تفویض طلاق کی شرط

اصولی طور پر طلاق کا اختیار شریعت نے مرد کے حوالہ کیا ہے۔ اس لئے کہ عورت کی نرم طبیعت، جلد متاثر ہوجانے والا مزاج اور زود رنجی و عاجلانہ اقدام والے ذہن کی بنا پر عورت کو اگر اختیار ہوتا تو طلاق آئے دن کا کھلونا اور نکاح بازیچہ اطفال بن جاتا۔ نیز نکاح کے مقاصد میں خلل واقع ہوتا اور معاشرتی زندگی جس میں ذمہ دار کی حیثیت مرد کو حاصل تھی وہ غلام بن کر رہ جاتا۔ ان سب امور کے پیش نظر طلاق کا اختیار اصلاً مرد کے ہاتھ دیدیا گیا ہے۔ عورت کو صرف خلع اور ظلم کے مواقع میں قانونی چارہ جوئی کا حق دیا گیا ہے۔

لیکن اگر مرد مصالح کی بنیاد پر اپنے اس حق طلاق کا اختیار عورت کے حوالہ کردے تو اس کی بھی اجازت ہے۔ اسی طرح اگر عورت نکاح اس شرط پر کرے کہ مرد طلاق کا حق اس کے سپرد کردے تو مرد کی اجازت کے بعد عورت بھی طلاق کی مالک بن سکتی ہے۔ جب مرد طلاق کا اختیار عورت کے سپرد کردے تو اب مرد طلاق کا مالک نہیں رہ جاتا ہے۔ مرد طلاق کا اختیار زبانی طور پر بھی عورت کو دے سکتا ہے اور تحریری شکل میں ہونا بہتر ہے جیسا کہ شادی کے موقعہ پر قبول نامہ مرتب کرکے شوہر سے اس پر دستخط کرائے جاتے ہیں۔ طلاق کا اختیار اگر شوہر متعین مدت تک کے لئے دے تو عورت اس متعینہ مدت کی پابند ہوگی۔ متعینہ مدت گذر جانے کے بعد اختیار ساقط ہوجائے گا۔ اسی طرح اگر کسی خاص حالت و مواقع کے لئے اختیار سپرد کیا ہے تو اس موقعہ ہی تک اختیار محدود رہے گا۔

نکحها علی ان امرها بیدها صح (در مختار)

عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ طلاق کا معاملہ عورت کے حوالہ ہے تو صحیح ہے۔

ولیس للزوج ان یرجع فی ذالک و لا ینهاها عما جعل الیها (عالمگیری ج ۱ ص ۳۸۷)

اور شوہر کو اس دئے ہوئے اختیار سے رجوع کا حق نہیں ہے اور نہ اس اختیار کے استعمال سے وہ عورت کو روک سکتا ہے۔

و اما الموقت بشهر مثلا فلا یبطل بذالک مادام الوقت باقیا (شامی ج ۲ ص ۷۵۲)

البتہ خیار موقت مثلا ایک مہینہ تک کا اختیار تو مہینہ اور موقت مدت تک باطل نہ ہوگا (پھر اختیار ختم ہوجائے گا)

جیسا کہ ذکر کیا گیا بعد تفویض رجوع کا حق مرد کو نہیں ہے، لیکن اگر مرد طلاق کا حق پھر اپنے ہاتھ لینا چاہے تو اس کی شکل فقہاء نے یہ لکھی ہے کہ عورت کو منائے اگر وہ اپنے اختیار سے دستبردار ہوکر پھر اس کو مالک بنادے تو مرد دوبارہ مالک بن جائے گا اسی طرح اگر مرد عورت کو کچھ مال وغیرہ دے کر یہ حق دوبارہ حاصل کرلے تو بھی حق طلاق واپس آجائے گا، لیکن اس کے لئے عورت کو مال دینا لینا رشوت کے حکم میں ہے جس کا گناہ بھی ہوگا، اور اس لئے مال دینا واجب نہیں ہے۔ تاکہ رشوت نہ لازم آئے۔

لو خیرها ثم جعل لها شیئا لتختاره فاختاره لم یقع (بحر ج ۳ ص ۳۱۱)

و لا یجب المال لانه رشوة (ایضا)

اگر عورت کو اختیار دے دیا پھر عورت کو کچھ دیا تاکہ وہ اختیار مرد کے حوالہ کردے چنانچہ پھر عورت نے اختیار مرد کو دیدیا تو اب عورت طلاق واقع نہیں کرسکتی البتہ مال کی ادائے گی واجب نہیں اس لئے کہ یہ رشورت ہے۔

اگر کسی ضرورت کی بنا پر مرد سے تفویض طلاق یا توکیل طلاق ناگزیر ہو اور بعد نکاح زبردستی تفویض طلاق یا توکیل طلاق کا اختیار لیا گیا تو بھی عورت کو اختیار حاصل ہوجائے گا اگرچہ شوہر کی رضا نہیں ہے کیونکہ طلاق بغیر رضامندی کے بھی واقع ہوجاتی ہے۔

فاما العتق و الطلاق فلا یشترط فیها الرضاء (بحر ج ۸ ص ۷۵)

بہر حال وقوع طلاق و عتاق میں رضاء شرط نہیں ہے

تفویض طلاق سے متعلق مسائل کا احاطہ نہ مقصود ہے نہ یہاں گنجائش، البتہ زیر بحث مسئلہ میں تفویض کی ان

صورتوں پر شرائط کی تفصیل ضروری ہے جو تفویض قبل النکاح یا بوقت نکاح یا بعد نکاح مرد کی طرف سے عورت کے لئے ہوں۔

تفویض قبل النکاح

عقد نکاح سے پہلے ہی اگر مرد طلاق کا اختیار زبانی یا تحریری عورت کے سپرد کردے۔ یا نکاح سے قبل اس طرح کے شرائط طے ہوجائیں کہ جس میں عورت کو طلاق کا مالک بنادیا گیا ہو اوراس میں فریقین زبانی طور پر متفق ہوں یا تحریری دستخط ہوجائیں تو یہ شکل اس شرط کے ساتھ درست ہوگی کہ ان شرائط یا گفتگو میں (جس میں وہ مرد طلاق کا مالک و مختار نکاح سے قبل ہی عورت کو بنارہا ہے) نکاح کی طرف اضافت و نسبت ہو اگر اس میں اضافت الی النکاح نہ ہوئی تو یہ اقرار نامہ یا معاہدہ محض بے کار ہوگا اور عورت کو کوئی اختیار حاصل نہ ہوگا اضافت الی النکاح کی یہ صورت ہوگی کہ " اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو بعد نکاح، طلاق کا اختیار تمھیں کو ہوگا " یا " جب میرا تم سے نکاح ہوجائے تو بعد نکاح اگر میں ان شرائط کی خلاف ورزی کروں تو تم کو طلاق اپنے اوپر واقع کرنے کا اختیار ہوگا " اس طرح کی قید معاہدہ یا شرائط نامہ میں (قبل النکاح کی صورت میں) ہونا ضروری ہے۔

وشرطه الملک او الاضافة کان نکحتک فانت طالق (باب التعلیق در مختار)

طلاق وغیرہ کے لئے شرط ملکیت نکاح، یا نکاح کی طرف اضافت و نسبت ہے جیسا کہ اگر میں نکاح کروں تو طلاق وغیرہ۔

کفایت المفتی میں ایک سوال کے جواب میں ہے:

جواب: یہ تعلیق اگر قبل النکاح واقع ہوئی جب تو لغو ہے کیونکہ اس وقت تک منکوحہ پر اسے ملک استمتاع حاصل نہیں تھی اور اس تعلیق میں اضافت الی الملک بھی نہیں ہے، ہاں اگر اس طرح تعلیق کی گئی ہو کہ اگر میں تجھ سے نکاح کروں اور پھر کچھ ماہ تک نفقہ نہ دوں تو تجھ پر طلاق ہے تو تعلیق صحیح ہوجائے گی، اسی طرح اگر بعد النکاح یہ تعلیق واقع کی گئی ہو تو بعد وجود شرائط عورت پر طلاق پڑے گی (**کفایت المفتی ج ۲ ص ۲۲۹**)

قال لاجنبیة مادمت فی نکاحی فکل امراة اتزوجها فهی طالق ثم تزوجها فتزوج علیها امراة لا یقع ولو قال ان تزوجتک مادمت فی نکاحی فکل امراة اتزوجها و المسئلة بحالها. یقع. کذا فی الوجیز. (عالمگیری)

اگر کسی نے غیر منکوحہ اجنبی عورت سے یہ کہا کہ جب تک تو میرے نکاح میں ہے پس جس عورت سے میں تم پر نکاح کروں اس کو طلاق پھر اجنبیہ سے نکاح ہوا اور اس پر ایک عورت سے نکاح کرلیا تو طلاق نہ ہوگی، اور

اگر یہ کہا تھا اجنبیہ سے کہ اگر میں تم سے نکاح کروں تو جب تک تم نکاح میں رہوگی پس جس عورت سے میں نکاح کروں تو اس کو طلاق پھر مذکورہ صورت نکاح کی پیش آئی تو طلاق واقع ہوجائے گی۔

تفویض بوقت نکاح

اگر عین ایجاب و قبول میں ان شرائط کا ذکر کیا جائے جس کے نتیجہ میں عورت کو تفویض طلاق حاصل ہوتو اس صورت میں خواہ ایجاب مشروط ہو یا ایجاب مطلق اور قبول مشروط ہو یہ تفویض و اختیار کی شکل جب ہی درست ہوگی جب کہ ان شرائط و تفویض کے مطالبہ کی ابتداء عورت کی جانب سے ہو جس میں وہ شرائط تفویض کا ذکر کرے اور قبول مرد کی جانب سے ہو، اگر اس کے برعکس ہوا تو درست نہیں کیونکہ مرد کی جانب سے تفویض ہوئی تو وہ قبل نکاح ہوجائے گی جو صحیح نہیں۔

نكحها على ان امرها بيدها صح (در مختار) قوله صح مقيد بما اذا ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسي منك على ان امري بيدي اطلق نفسي كلما اريد او على اني طالق فقال الزوج قبلت اما لو بدأ الزوج لا تطلق و لا يصير الامر بيدها كما في البحر عن الخلاصة (در مختار مع الشامي ص ٥٧٦ " على هامش عالمگيري ص ٣٢٩)

عورت سے نکاح اس شرط پر ہوا کہ طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں ہوگا تو یہ صحیح ہے، البتہ قید اس میں یہ ہے کہ اس شرط کی ابتداء عورت کی طرف سے ہو پس عورت یہ کہے کہ میں نے اپنا نکاح تجھ سے کیا اس شرط پر کہ میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا جب میں چاہوں گی اپنے کو طلاق واقع کرلوں گی پھر شوہر نے اس کو قبول کرلیا تو یہ صحیح ہے، لیکن اگر شوہر نے آغاز کیا تو طلاق کا اختیار عورت کو نہ ہوگا۔

البتہ اگر مرد کی جانب سے ایجاب اس طرح ہو کہ "میں نے تجھ سے نکاح اس شرط کے ساتھ کیا کہ تجھ سے نکاح کے بعد تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہوگا، تو درست ہے"۔

حيلة اخرى ان يقول الزوج المحلل للمراة تزوجتك على ان امرك بيدك بعد ما تزوجتك و طلقي نفسك كلما تريدين فقالت المراة قبلت يصير الامر بيدها. (عالمگيري كتاب الحيل ج ٢ ص ٣٩٢) (فتاوى خانية ص ٣٣٠)

احتیاطی تدبیر

تفویض طلاق کے مسئلہ میں ایک احتیاطی تدبیر یہ کرنی چاہئے کہ چونکہ عورت کے اندر قوت فیصلہ کمزور ہوتی

ہے اور زود رنجی جیسی صفات غالب، اس لئے قوی اندیشہ ہے کہ تفویض طلاق کے اختیار حاصل ہونے سے شوہر کو تابع بنا کر رکھ دے یا اس کا بے موقعہ اور بلاوجہ استعمال کر بیٹھے ۔ اس لئے اس کا انسداد اس طور پر کردینا چاہئے کہ شرائط تفویض میں، تفویض طلاق کا اختیار خاص حالات پیش آنے پر موقوف کردیا جائے اور خاص حالات پیش آگئے ہیں یا نہیں اس کا فیصلہ چند معتبر اشخاص کے سپرد کردیا جائے کہ جب یہ معزز اشخاص گواہی دیدیں کہ شوہر کی طرف سے ایسی صورت حال پیش آگئی ہے جس کے لئے عورت نے طلاق کا اختیار طلب کیا تھا تو اب عورت کو ایسے حالات میں طلاق کے اختیار کے استعمال کا حق ہوگا کہ وہ فوراً فیصلہ کرے ورنہ حق طلاق ختم ہوجاتا ہے اس طرح کی قیدوں سے ازدواجی زندگی قائم و دائم رہ سکتی ہے ۔

تعلیق و تردید کے ساتھ مہر کی تعیین

اگر نکاح کے وقت مہر کی دو مقداریں ذکر کی جاویں ایک کم اور ایک زیادہ اور کوئی شرط بیان کی جاوے کہ اگر یہ شرط پائی جائے گی تو زیادہ مقدار دی جائے گی ورنہ کم مقدار، تو ایسی حالت میں نکاح تو ہر حال درست ہوجائے گا البتہ مہر کی مقدار میں اختلاف ہے، صاحبین کے نزدیک مطلقاً پہلی شرط کے پورے ہونے پر پہلی اور دوسری شرط پائے جانے پر دوسرا مہر مسمی لازم ہوگا۔

لیکن امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس مسئلہ میں تفصیل ہے وہ یہ ہے کہ مہر کی کمی بیشی کے لئے جو شرط لگائی گئی ہے وہ اگر بدیہی ہے یعنی اس میں جہالت و اختلاف نہ ہو کہ شرط کا وقوع ہورہا ہے یا نہیں بلکہ ہر شخص دیکھتے ہی معلوم کرلے کہ شرط پائی جاتی ہے یا نہیں، تو ایسی حالت میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک بھی مہر کی دونوں شرطوں اور مقدار کا اعتبار ہوگا یعنی اگر وہ شرط پائی جائے گی تو طے شدہ مہر کی زائد مقدار واجب ہوگی ورنہ کم مقدار واجب ہوگی جس کی مشہور مثال یہ ہے کہ کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرے اور مہر اس طور پر طے کرے کہ اگر تو حسین ہے تو دو ہزار روپیہ مہر دوں گا ورنہ ایک ہزار یا یہ کہا کہ اگر تو جوان ہے تو دو ہزار ورنہ ایک ہزار، تو اس صورت میں اگر وہ حسین ہوگی یا جوان ہوگی تو دو ہزار اس کو ملے گا ورنہ ایک ہزار، کیونکہ حسین ہونا یا نہ ہونا یا جوان ہونا ہر شخص دیکھ کر معلوم کرسکتا ہے ۔

اس کے برخلاف اگر مہر کی مقدار میں تحدید کسی ایسی شرط کے ساتھ کی ہے جو شرط بدیہی نہیں تھی اور اس میں امکان ہے کہ واقع بھی ہوسکتی ہے نہیں بھی، تو ایسی صورت میں پہلی شرط کے بموجب مہر مسمی واجب ہوگا ورنہ مہر مثل بشرطیکہ مہر مثل اس مقدار سے کم نہ ہو، اور اس مہر مسمی سے زائد نہ ہو۔ مثلاً کسی مرد نے کسی

عورت سے اس طرح نکاح کیا کہ اگر تو اپنے میکہ میں رہے گی تو ایک ہزار روپیہ مہر دوں گا اور میرے ساتھ رہے گی تو دو ہزار روپیہ، یا یہ شرط کی کہ اگر تو باکرہ ہے تو دو ہزار مہر اور باکرہ نہ ہو تو ایک ہزار تو اس صورت میں اگر شرط پائی جائے یعنی وہ عورت اپنے شوہر کے ساتھ رہے یا باکرہ ہو، تو دو ہزار مہر اس کو ملے گا ورنہ مہر مثل، ہاں اگر مہر مثل ایک ہزار سے کم ہو تو پھر ایک ہی ہزار اس کو ملے گا، یا دو ہزار سے زیادہ ہو تو پھر وہی دو ہزار ملے گا، دو ہزار سے زائد نہ ملے گا۔

امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس تفریق کی ایک مصلحت یہ ہے کہ شرط جب بدیہی ہوگی تو اس میں کسی طرح کا جھگڑا نہیں ہوسکتا، بخلاف اس کے کہ اگر شرط بدیہی نہ ہو تو ہمہ دم شرط میں اختلاف کی گنجائش ہے۔

مذکورہ تفصیل سے خود واضح ہے کہ طلاق نہ دینے پر ایک مہر اور طلاق دینے پر دوسرے مہر کی مقدار کا تعلق غیر بدیہی شرطوں کی طرح ہے، لہذا امام ابو حنیفہ کے نزدیک طلاق کی صورت میں مہر مثل ہی لازم ہوگا جو مہر مسمی سے زائد نہ ہوگا، اور (پہلے) مہر مسمی سے کم نہ ہوگا صاحبین کے نزدیک دونوں مقداریں درست ہیں مہر مثل کسی صورت میں نہیں ہوگا۔

سوالنامہ میں کثرت طلاق پر بند باندھنے کے لئے صاحبین کے قول کے اختیار کرنے کا جو مشورہ دیا گیا ظاہر ہے کہ مفتیان کرام کے لئے اس میں گنجائش بہر حال ہے، خروج عن المذہب کسی میں نہیں ہے، لیکن یہ بات ذہن نشین رہنی ضروری ہے کہ مہر کی زیادتی کا مانع طلاق ہونا غیر یقینی امر ہے، عام لوگ مہر کی کمی و بیشی کی قطعا پرواہ نہیں کرتے یا پہلے ہی معاف کرالیتے ہیں پھر طلاق دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ بعض صورتوں میں مرد کے لئے طلاق دینی ہی ناگزیر ہوتا ہے اور اس موقعہ پر مرد کو حق طلاق سے روکنا لازم آئے گا کہ وہ مہر کی زیادتی سے تلخ زندگی برداشت کرے گا اور طلاق نہ دے سکے گا۔ مہر میں تقلیل مطلوب ہے مہر کی زیادتی کا رواج دینا تغییر مشروع ہے لہذا طلاق کے رواج کو کم کرنے کی مذکورہ تدبیر قباحت اور مفاسد سے خالی نہیں۔

واللہ اعلم بالصواب۔

مسائل اشتراط فی النکاح

مولانا اخلاق الرحمان ☆

شریعت اسلام میں نہ بالکل ڈھیل ہے کہ جو چاہو کئے جاؤ کوئی پابندی نہیں اور نہ ہی بالکل سختی کہ دم گھٹ کر مرجائے بلکہ " **عوان بین ذالک** " کی طرح اعتدال اور افراتفری سے ملاصدہ حکم نافذ ہوتا ہے ۔ پھر واضح ہو کہ اس سرزمین پر جتنی چیزیں آباد ہیں ان میں فضیلت و برتری نفس ناطقہ یعنی انسان کو ہے ۔ پھر انسان دو قسموں میں اور دو حصوں میں منقسم ہوتا ہے ۔ رجولیت، انانیت بالفاظ دیگر مؤنث و مذکر، پھر مذکر و مؤنث ہر ایک دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے ۔ بالغ و نا بالغ ۔ اول سے احکام متعلق ہوتے ہیں کیونکہ یہ خطابات کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ۔ ان خطابات میں سے جو بالغ و عاقل انسان پر جاری ہوتے ہیں نکاح بھی ہے جو ابتلاء فی المعصیت کی صورت میں فرض ہوجاتا ہے ۔ اور اعتدال کی صورت میں سنت ۔

پھر انسانی ضروریات میں بہت سی چیزیں ہیں جن میں کچھ انسان کی اپنی ذات تک ہی محدود ہوتی ہیں اور کچھ چیزوں کا تعلق تن تنہا پورا نہیں ہوتا بلکہ اشتراک کو چاہتا ہے ۔ ان میں ایک شعبہ نکاح کا بھی ہے ۔ نکاح چونکہ نام ہے مرد و عورت کا باہم ازدواجی زندگی گزارنے پر راضی ہوجانے کا اس لیے ضرورت پڑی اس کے لئے کچھ ایسی شرطوں کے ذکر کردینے کی جس سے باہم کبھی نزاع پیدا ہو تو بآسانی اس کو سلجھایا جاسکے ۔ اور شدت کی صورت اختیار نہ کرے ۔

☆ استاذ جامعہ اشاعت الاسلام اکل کواں ، دھولیہ ، مہاراشٹر

پھر واضح رہے کہ ان دونوں کے ان شرائط کا اعتبار کیا جائے گا جو نصوص کے مخالف اور معارض نہ ہوں، لہذا وہ شرطیں جو نصوص کے معارض ہوں تو ان شرطوں کو مسترد کردیا جائے گا۔ یا نصوص میں تو نہیں پایا جاتا ہے لیکن عرف میں ایسی شرطوں کا اعتبار کیا جاتا ہو تو عرف کا اعتبار کیا جائے گا۔ لیکن یہ عرف بھی کسی نص کے معارض نہ ہو۔ اب ہم ذیل میں میاں بیوی کے درمیان شرائط کے صحیح ہونے نہ ہونے کا ذکر کرتے ہیں۔

ج۔ (۱) فریقین میں سے کسی نے اگر ایسی شرائط کا ذکر کیا جس کا تحقق عقد نکاح ہی سے ہوجاتا ہے تو اس قسم کے شرائط غیر معتبر سمجھے جائیں گے اور اس شرط سے عقد نکاح پر کوئی اثر نہ ہوگا۔ مثلا بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا، فضول اور غیر معتبر ہے۔ کیونکہ یہ تو عقد نکاح کے بعد ہی از خود ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ مشہور قاعدہ ہے کہ " **الشئی اذا ثبت ثبت بلوازمہ** " لہذا جتنی بھی ضروریات ہیں یعنی نان و نفقہ،کسوی، سکنی وغیرہ یہ سب شوہر کے ذمہ ثابت ہوں گے۔

اور قرآن کریم میں ہے " **لینفق ذوسعۃ من سعتہ** " کہ شوہر اپنی حیثیت کے مطابق عورت پر خرچ کرے، اور دوسری جگہ ہے " **و علی المولود لہ رزقھن و کسوتھن بالمعروف** " مولود یعنی باپ پر ان کا نفقہ اور سکنی ہے معروف طریقے پر،معروف کی تفسیر پہلی آیت میں ہے۔ اور ــــ حدیث نبوی میں ہے ــ " **ولھن رزقھن وکسوتھن بالمعروف** "

بیوی کا نفقہ شوہر کے ذمہ لازم اور ضروری ہے۔ بیوی خواہ مومنہ ہو کہ غیر مومنہ، لیکن یہ نفقہ کا ثبوت اس وقت متحقق ہوتا ہے جب عورت اپنے سسرال میں اپنا نفس شوہر کے حوالہ کردے وے تو اس وقت شوہر پر نفقہ،سکنی (رہنے کے لیے گھر) اور کسوی (پہننے کے لیے کپڑے وغیرہ) واجب ہوجاتا ہے اور اس کی دلیل ارشاد باری " **لینفق ذوسعۃ من سعۃ** " اور " **و علی المولود لہ رزقھن** " اور ارشاد نبوی جو حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا " **ولھن رزقھن وکسوتھن بالمعروف** " ہے۔

(دوسری دلیل عقلی) اور یہ اس لیے واجب ہے کہ حقیقتا یہ نفقہ احتباس کا عوض ہے اور قاعدہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کو روک لیا گیا حق مقصود کے لیے، اس محبوس کے غیر کے لئے تو محبوس کا نفقہ محبوس لہ پر لازم اور ضروری ہے "(**ھدایہ ۲۔ ج۲۷**)

خلاصہ بحث یہ ہے کہ زوجہ کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہر صورت میں لازم ہے خواہ بیوی نے شرط لگائی ہو یا نہیں،

۲۔ نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی کوئی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہوگا، مثلا شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان و نفقہ اس کے ذمہ نہ ہوگا۔ یہ شرط لگانا کسی بھی

حال میں درست نہ ہوگا بلکہ بہر صورت نفقہ لازم اور ضروری ہوگا۔ جیسا کہ تفصیلی بات مع دلائل شرعیہ گزر چکی ہے مزید ان دلائل کو ذکر نا لاحاصل سمجھتا ہوں،

۳۔ نکاح نہ بالکل عبادت ہے اور نہ بالکل معاملات سے ہے بلکہ من وجہ عبادت ہے کہ نکاح کو نصف ایمان کہا گیا ہے، نکاح سے عفت و عصمت اور پاک دامنی کا جوہر پیدا ہوتا ہے، وغیر ذالک اور من وجہ معاملات ہے کہ جس طرح بائع اور مشتری یعنی خریدنے والوں میں اور فروخت کرنے والوں میں بائع کے لئے بیع کی تعیین اور مشتری کے لیے ثمن کی تعیین ضروری ہے ورنہ نزاع باہمی کا خطرہ لاحق ہوسکتا ہے اور جس طرح بائع نفس ثمن پر قابض ہوسکتا ہے اور مشتری نفس بیع پر کیوں کہ عوض اسی کے بقدرجانبین سے پیش کیا گیا ہے، ٹھیک اسی طرح مرد و زن میں جو عقد نکاح عمل میں آتا ہے تو عورت صرف اپنا مال یعنی ملک بضعہ کا شوہر کو مالک بنادیتی ہے اور قاعدہ مشہور ہے کہ غیر کی ملکیت میں تصرف کا حق اسی وقت ہوتا ہے جب کہ اس کا بدلہ چکادے۔ اب یہ مہر خالص اسی وقت ہوتا ہے جب کہ اس کا بدلہ چکادے۔ لہذا اس کے لیے شوہر کے ذمہ اللہ نے مہر مقرر فرمادیا۔ اب یہ مہر خالص عورت کا حق ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے۔ " **قد علمنا ما فرضنا علیھم فی ازواجھم** " اور انسان کو اپنے حق کے بارے میں شرعی حدود میں رہ کر شرائط وغیرہ لگانے کا شریعت نے اختیار دیا جس سے ضرر و نقصان وغیرہ سے اپنے کو بچاسکے۔ جیسا کہ عقد بیع میں "خیار رویت" " خیار شرط" "خیار فسخ" وغیرہ کی شرط لگانا ہر دو فریق کے لئے جائز ہے۔ تاکہ نقصان نہ ہو کیونکہ حدیث شریف میں ہے " **لاضرر و لا ضرار فی الاسلام** " اور نکاح بھی چونکہ من وجہ معاملات میں سے ہے، لہذا اس میں زوجین کو مہر کی مقدار کا تعین کر کے اور کم و بیش کی صورت کی شرط لگا کر اپنے حساب سے اور اپنے فائدہ کو سامنے رکھتے ہوئے دونوں فریق شرط لگاسکتے ہیں، اور ان شرطوں کے ساتھ نکاح کرسکتے ہیں۔ اور ایفاء شرط ممکن حد تک ضروری ہے۔ گویا مہر وغیرہ کے تعین میں شرط لگایا جاسکتا ہے، حدیث شریف میں ہے:

" **عن عقبۃ بن عامر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احق الشروط ان توفوا بہ ما استحللتم بہ الفروج " متفق علیہ (مشکوۃ شریف ج ۲ ص ۲۷۱۔ باب اعلان النکاح)** " قابل ایفاء شرطوں میں سب سے زیادہ ایفاء کی مستحق وہ شرط ہے جس کے ذریعہ تم نے بضع کو حلال کیا ہے (یعنی نکاح کی شرط)

صاحب لمعات شارح مشکوۃ اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔

" **قولہ احق الشروط اھ و المراد بہ المھر و قیل جمیع مایشترط الرجل ترغیبا للمراۃ**

فی النکاح مالم یکن محظورا و قیل جمیع ما تستحقه المراۃ بمقتضی الزوجیۃ فکانه شرط فیه "(حاشیہ)

"احق الشروط" سے مراد ہے مہر۔ اور ایک قول یہ بھی ہے "احق الشروط" سے وہ تمام چیزیں جس کو شوہر عورت کو خوش کرنے کے لئے بطور شرط کے ذکر کرتا ہے اس طور پر کہ حدود شرعی سے باہر نہ ہو۔ اسی طرح اس بارے میں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد تمام وہ چیزیں جس کی عورت زوجیت اور بیوی بننے کے نتیجے میں مستحق ہوسکتی ہے گویا یہ شرط کے درجہ میں ہے "علامہ موصوف کی اس توضیح سے معلوم ہوا کہ عورت اپنے ذاتی حق مہر میں اپنے منفعت کو بحال رکھنے کے لئے مہر کی تعیین میں جائز شرطیں حدود شرعیہ میں رہ کر لگا سکتی ہے۔

لیکن عدم ایفاء شروط کی صورت میں نکاح اثر انداز نہ ہوگا، لیکن مہر مشروط فوت ہوجائے گا، اور مہر مثل لازم ہوگا۔ اور نکاح پر اثر انداز اس لیے نہیں ہوگا کہ اگر نکاح میں مہر کا تذکرہ نہ بھی ہوا ہو یا نکاح سے قبل ہی عورت نے کہا مہر کی کیا ضرورت ہے ہر صورت میں نکاح ہوجائے گا گو عدم تسمیہ کی صورت میں مہر مثل کا صرفہ برداشت کرنا پڑے گا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔

" اگر نکاح میں مہر ایک ہزار روپے متعین ہوا اور عورت نے اس مقدار کے ساتھ یہ شرط بھی ذکر کیا کہ مجھے اس شہر یا اس جگہ سے باہر لے جانے کا حق نہ ہوگا۔ اسی طرح میری موجودگی میں دوسری عورت سے نکاح کرنے کا حق نہ ہوگا۔ چنانچہ اب اگر شوہر اس کی شرط پر پورا اترتا ہے تو **فبها و نعم** تو متعینہ واجب ہوگا۔ اس لیے کہ اسی مقدار پر اس نے صلح کیا تھا اور وہ پورا پورا اترا۔ لیکن اگر ایفاء شرط میں پورا نہ اترا کہ نہ ہی اسے اس شہر میں رکھا، اور نہ ہی اسے تنہا رکھا، تو اس صورت میں مہر مثل لازم ہوگا۔ کیونکہ جو مقدار جس شرط کے ساتھ متعین کی تھی جس سے اس کا نفع وابستہ تھا وہ فوت ہونے کی صورت میں ایک ہزار پر رضاء کی شرط بھی معدوم ہوجاتی ہے، لہذا مکمل مہر مثل لازم ہوگا۔ **(هدایة ۲۔ ۳۲۹۔ باب المهر)**

واضح رہے کہ شرط کے ایفاء نہ کرنے کی صورت میں جو مہر مثل کو لازم قرار دیا ہے یہ اس وقت ہے جب مسمی مہر مثل سے کم ہو لیکن اگر مسمی مہر مثل کے برابر یا زائد ہو تو اس صورت میں عدم ایفاء کی صورت میں شوہر کے ذمہ کچھ بھی نہ ہوگا۔

صاحب جوہرہ رقم طراز ہیں۔

" **ان لم یف لها ان کان ما سمی لها مهر مثلها او اکثر فلا شیئ لها غیره (الجوهرة النیرة ج ۲ جزء ۳۰ ص ۲۷)**

الف : دوسرے نمبر کی شرط لگانا شوہر کے لئے درست نہیں ۔ اس لئے کہ اگر اس نے یہ شرط مذکورہ لگائی بھی ہے تو بے سود سمجھا جائے گا جیسا کہ اس بارے میں تفصیلی بات گذر چکی ہے ۔ مزید وضاحت کی ضرورت نہیں سمجھتا ہوں ۔ اور اس طرح کی شرط سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا ۔ نکاح صحیح ہوجاتا ہے ۔ اور چونکہ شرط ہی لغو ہے اس لیے شرط کی پابندی ضروری نہیں ہے ۔

ب : یہ شرط لازم الایفاء ہے لیکن عدم ایفاء کی صورت میں مہر مسمی سے مہر مثل کی جانب انتقال ہوجائے گا ۔ اگر وہ مہر مسمی مہر مثل سے کم ہو ورنہ نہیں لیکن نکاح اثر انداز نہیں ہوگا ۔ جیسا کہ گذرا ۔

ج : نصوص سے یہ بات ثابت ہے کہ طلاق مردوں کا حق ہے لیکن اگر مرد اپنے اس حق کو دوسری طرف منتقل کرنا چاہتا ہے اور دوسروں کے ذریعہ اس حق میں تصرف کروانا چاہتا ہے تو شریعت نے اس کی بھی اجازت دی ہے ۔ چنانچہ اگر طلاق دینے میں اپنے ماسوا کو وکیل بناتا ہے تو اس کا وکیل بنانا درست ہوجائے گا ۔ اسی طرح اگر خود یہ تصرف بیوی کی جانب منتقل کردیتا ہے اور بیوی کو طلاق کے واقع کرنے کے بارے میں اختیار دے دیتا ہے تو یہ بھی جائز ہے ۔ جیسا کہ فقہاء حضرات نے اس مسئلہ پر بڑی سیر حاصل بحثیں کی ہیں اور کتب فقہ کا ایک باب " تفویض " خالص اسی امر کی وضاحت و بیان میں ہے ۔

لہذا عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا ، یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا ۔ مثلا شوہر کسی دور ریاست کا ملازم ہے اور سال میں چند دفعہ آنا دشوار ہو ، عورت کی جانب سے یہ شرط ہے کہ اگر ہر سہ ماہ یا چار ماہ کے بعد آنا پڑے گا ، ورنہ میں تیرے ہاتھ سے چلی جاؤں گی یعنی اس صورت میں مجھے طلاق لینے کا اختیار ہوگا ۔ اور شوہر اس قید و شرط کو قبول اور تسلیم کرلیتا ہے تو عدم ایفاء کی صورت میں عورت کو طلاق واقع کرلینے کا پورا پورا حق ہوگا ۔ کیونکہ اس نے اپنے حق کو بحال رکھنے کے یہ شرط لگائی ہے ، جو شرعی حدود میں رہ کر فطری تقاضے کے مطابق ہے جس کے لئے نکاح مشروع ہوا ۔ مذکورہ بیان سے معلوم ہوا کہ شرعی حدود میں رہ کر اگر عورت شرط و قید لگاتی ہے تو شوہر کی جانب سے اس کے تسلیم اور قبول کرلینے میں کوئی حرج نہیں ، جب حرج نہیں تو عورت کو اختیار ہے کہ طلاق واقع کرلے ۔ لہذا اگر غیر شرعی طور پر شرط لگاتی ہے ۔ مثلا ان دنوں وہ عورتیں جو امریکہ اور یورپ کے ماحول سے متاثر ہیں ان کے لئے ٹیلی ویژن ، بلوفلم ، کھلے عام بے پردگی کے ساتھ شہروں کا طواف کرنا عزت کی چیزیں سمجھی جاتی ہیں ، تو ایسی عورتیں بوقت نکاح شوہر سے یہ شرط لگاتی ہیں کہ ان چیزوں کی فراہمی بھی تمہارے ذمہ لازم ہے ، ورنہ میں تم سے دور ہوجاؤں گی اور شوہر بھی اپنے کو باعزت لوگوں میں زمانہ کے فیشن کے اعتبار سے شمار ہونے کے لئے ہاں میں ہاں بھر دیتا ہے

تو ایسی صورتوں میں یہ تسلیم ہی شرعا درست نہیں ہے۔ کیونکہ مقدمہ اول ہی درست نہیں تو مقدمہ ثانی کیوں کر درست ہوگا اور نتیجہ کی درستگی دونوں قضیے کے درست ہونے پر ہے لہذا اختیار طلاق عورت کو نہیں ہوسکتا ہے۔ لہذا عدم ایفاء کی صورت میں اگر خود عورت طلاق واقع کرلیتی ہے تو اس کا حاصل زور بیانی اور لب کشائی کے علاوہ کچھ بھی نہ ہوگا۔

باقی یہ شرط درست اس لیے نہیں ہے کہ یہ شرط ناجائز چیزوں کی ہے اور تسلیم درست ماننے کی صورت میں تعاون علی المعصیت کو درست ماننا پڑے گا جب کہ صریح نص معصیت پر عدم تعاون کے بارے میں موجود ہے۔ ارشاد باری ہے "**تعاونوا على البر و التقوى و لا تعاونوا على الاثم و العدوان**" "اور آپس میں مدد کرو نیک کام پر اور پرہیز گاری پر اور مدد نہ کرو گناہ پر اور ظلم پر" اسی طرح حدیث شریف میں وارد ہے۔ "**لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق**" "جس امر میں خالق کی نافرمانی ظاہر ہو اس میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کی جائے گی" غرض کہ عورت نے اگر خلاف شرع شرط لگائی ہے تو اس کو مسترد کردیا جائے گا۔

واضح رہے کہ عورت کا شروط شرعیہ کو قبول کرلینا اور مان لینا یہ بھی ایک قسم کی تفویض ہی ہے۔ کیونکہ تفویض جس طرح یہ ہے کہ عورت کو طلاق وغیرہ کا اختیار سونپ دینا، اسی طرح تفویض یہ بھی ہے کہ عورت کے شرط کو مان کر اختیار طلاق عدم ایفاء شرط کی صورت میں سونپ دینا بھی ہے۔

حق تفویض کی واپسی

اس بارے میں فقہاء نے دو صورتیں لکھی ہیں۔ ایک صورت میں حق "تفویض" کی واپسی درست نہیں ہے۔ وہ صورت ہے کہ شوہر بیوی کو طلاق دینے کا اختیار بصورت ملک دے۔ یعنی یوں کہے تم کو اپنے بارے میں طلاق دینے کا اختیار دینا بمنزلہ تعلیق اور یمین کے ہے، مثلاً قسم کھایا کہ اگر تم نے بغیر اجازت کے گھر سے باہر قدم رکھا تو تم کو طلاق ہے۔ اب بعد میں نادم اور شرمندہ ہوتا ہے کہ یہ تونے کیا کیا، اب اگر اپنے قول سے رجوع کرنا چاہتا ہے تو رجوع نہیں کرسکتا اور مسئلہ اختیار، عورت کے حق کے بارے میں ہے تو اس میں بھی رجوع کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ جس طرح تعلیق اور یمین کی صورت میں ہے۔

مسئلے کا دوسرا رخ یہ ہے کہ مرد طلاق کا اختیار بیوی کو دیتا ہے، لیکن اس کے حق میں نہیں بلکہ سوتن کے حق میں کہ تو اس کو چاہے تو طلاق سونپ دیتا ہے یعنی وکیل بنادیتا ہے۔ چونکہ وکیل کو معزول کرسکتے ہیں اس لیے اس کو دیئے ہوئے اختیار کو واپس لینے کی پورے طور پر اجازت ہے۔ (دیکھئے **هدایة ۲.۳۸۳**)

خلاصہ بحث یہ ہے کہ "تفویض" کی واپسی کی صرف ایک صورت ہے جو صفت توکیل کے ساتھ متصف ہے جس کا تفصیلی بیان گزرا۔

نکاح میں شرط کی تین صورتیں اور حکم

۱۔ عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہوجائیں اور اس کی تحریر پر دستخط طرفین کے ہو جائیں۔

۲۔ عقد نکاح ہی میں ان شرائط کا ذکر کیا جائے۔ ایجاب مشروط ہو یا ایجاب مطلق ہو اور قبول مشروط ہو۔

۳۔ عقد نکاح کے بعد ما بین طرفین کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے۔

مذکورہ تین صورتوں کا حکم ذیل میں بالترتیب ملاحظہ ہو۔

واضح رہے کہ شق اول اور پہلی صورت میں فریقین کی جانب سے جو شرائط وغیرہ طے ہوجانے کا بیان ہے اور تحریر پر طرفین کے دستخط ہوجانے کا ذکر کیا گیا ہے سو یہ "تعلیق" ہے "تفویض" نہیں، لہذا نکاح کے بعد ہی کوئی فیصلہ کیا جاسکتا ہے اور تعلیق تب ہوگا جب تعلیق کے طریقے کو اختیار کرے۔

فتاویٰ دار العلوم میں ہے۔

نکاح سے پہلے "تفویض" طلاق نہیں ہوسکتی، لیکن اگر متعلقین اضافت کریں اس طرح کہ جب تجھ سے نکاح کروں تو تجھ کو اختیار طلاق لینے کا ہے یا یوں کہے کہ عقد نکاح کے اختیار طلاق لینے کا ہے۔ تو اس طرح تفویض صحیح ہے۔ (ج ۱۰ ص ۳۷)

مذکورہ عبارت سے جو بات ثابت ہوسکتی ہے ظاہر ہے، وہ یہ کہ اگر قبل النکاح فریقین میں شرائط اور فریقین کے سائن شرائط نامہ پر درج کئے گئے تو میرے نزدیک اس کا حکم بوقت نکاح جو شرائط طے کئے جائیں یہ اسی کے حکم میں ہے، جیسا کہ مشہور ہے کہ قرب شئ کو شئ کا درجہ دیا جاتا ہے۔ سو اس صورت کے بارے میں آئندہ ذکر کیا جائے گا۔ لیکن قبل النکاح جو شرائط وغیرہ ذکر کئے گئے اور عدم ایفاء کی صورت میں بعد النکاح وقوع طلاق کا اختیار ہوگا، سو یہ "تفویض" جب درست ہوگی جب تعلیق و اضافت کے ساتھ ذکر کی جائے۔ ورنہ تفویض درست نہ ہوگی، لہذا عدم ایفاء شروط کی صورت میں اگر عورت بعد النکاح طلاق واقع کرلیتی ہے تو غیر معتبر سمجھا جائے گا شق اول کا حصہ تمام ہوا ۔۔ شق ثانی" اور شق ثالث" کا حکم یہ ہے کہ اگر شرائط بمطابق شرع طے ہوئے ہیں تو اس کے مطابق عورت کے حق" تفویض" کا اعتبار کیا جائے گا دو باتوں کے ساتھ کہ شوہر نے عدم ایفاء شروط کا ارتکاب کیا ہو، اور ساتھ ہی قبول مشروط ہو ورنہ نہیں۔ دلیل ذیل میں ملاحظہ ہو۔

اور اگر میاں نے بیوی سے یہ کہا کہ تمہارا معاملہ تمہارے سپرد ہے ، لیکن آج اور کل کے بعد تو اس میں لیل داخل نہیں ہوگا اور اگر اختیار کو اس روز کے لیے مسترد کردیتی ہے تو اس روز کا اختیار تو ساقط ہوجائے گا لیکن کل اور غد کے بعد والے دن اختیار ساقط نہیں ہوگا " (ھدایۃ ۲۔۳۷۸)

اس عبارت کو نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ نکاح میں آخر الذکر صورت جائز ہے اور ہر ایک فریق کو اپنے شرط کا ایفاء لازم ہے ۔ نیز اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عورت اپنے اختیار کو ختم کرسکتی ہے ۔

کم و بیش مہر کی شرط

موجودہ حالات میں حضرت امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول راجح معلوم ہوتا ہے ۔ اگر نکاح کے وقت اس طرح مہر طے ہو کہ شوہر بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے گیا تو مہر ایک ہزار ہوگا اور اگر بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر لے گیا تو اس کا مہر دو ہزار ہوگا "

" **لان فی کل من الشرطین عوضا مسمی بازائہ بدلا لا یجب اعتبار کل منہا تحقیقا لموضہ قال علیہ السلام المسلمون عند شروطہم (حاشیۃ ھدایۃ باب المھر ج ۲ ص ۳۲۹)**

میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ بالفرض حضرات فقہاء مسائل مذکورہ صورت کو نہ بھی بیان کرتے تو موجودہ زمانہ میں طلاق کے نتیجے میں جو خرافات پائے جارہے ہیں ، ان کے سد باب کے لئے ذیل کے اصول سے کام لیا جاسکتا تھا ۔ اور اس اصول سے بھی انہیں مذکورہ مسائل میں خوب رہنمائی ملتی ہے ۔ وہ اصول یہ ہے " **الامر اذا ضاق اتسع** "

ج ۔ ۲ ۔ سوال نمبر دو کا جواب یہ ہے کہ شریعت کے نزدیک دونوں شرطیں معتبر اور لازم ہوں گی ۔ یعنی اگر نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو پھر اس عورت (منکوحہ) کا مہر تیس ہزار ہوگا اور اگر اس کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا تو ایسی صورت میں شریعت کے نزدیک دونوں شرطیں لازم ہوں گی ۔

حاشیہ ہدایہ میں ہے ۔

" کیوں کہ ہر دو شرطوں کی ایک غرض ہے اور پھر یہ کہ ہر شرط کے عوض میں بدل ہے ۔ اس اعتبار سے ہر شرط پر عمل واجب ہے تاکہ مقصود و مطلوب ثابت ہوجائے اور نبی کریم نے فرمایا کہ " مسلمان اپنے شرطوں کے

مطابق عمل کرے " (۲۔ ۳۲۹)

دوسری وجہ یہ ہے کہ عورت کے لیے اپنا وطن چھوڑنا اور سفر میں جانا اتنا گراں نہیں گزرتا جتنا کہ عورت کے لیے شوہر کا دوسرا نکاح کرنا اور سوتن سے گھر بسانا گراں گزرتا ہے۔ تو جب عورتوں کا سفر وغیرہ میں جانے نہ جانے، وطن چھوڑنے نہ چھوڑنے کے بارے میں مہر میں کم و بیش کی شرط لگانا جائز ہوا تو مذکورہ صورت اس سے کہیں زیادہ عورت کے خیال میں اہم ہے، اور ایک حکم جب ادنیٰ کے لیے ثابت ہوتا ہے تو اعلیٰ کے لیے بدرجہ اولیٰ ثابت ہوگا۔

ج۔ ۳۔ تیسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ ہر طرح کی وہ شرطیں جو شرعی قانون سے رو گردانی کی دعوت دیتی ہوں، ایسی شرطوں کی عند الشرع کوئی قبولیت نہیں ہوتی۔ لہذا لغو شمار کی جائیں گی۔
البتہ اگر عورتیں اور لڑکیاں ایسی یونیورسٹی سے متعلق ملازمت سے وابستہ ہیں جہاں خالص عورتیں ہی کام کرتی ہیں یا مرد بھی کام کرتے ہوں لیکن عورتوں کا اختلاط ان سے نہ ہوتا ہو، اور یونیورسٹی یا کلبوں کا قانون بھی اسی اختلاط سے پرہیز کرنے کے لیے ضروری ہونے کا ہو۔ اسی طرح عورت کے ناشزہ بننے کا خطرہ نہ ہو، جس سے نسب و شرافت پر داغ پڑے اور عورت بھی بڑی محتاط انداز سے ملازمت کی ذمہ داری ادا کرتی ہے تو ایسی صورتوں میں شرط قبول کرلینے کے بعد شوہر کو روکنے کا حق حاصل نہ ہوگا۔ لیکن تعمیل حکم زوج بہتر ہے۔

اشتراط فی النکاح

مولانا عبدالرشید جونپوری*

مسئولہ تینوں شرطوں میں سے دوسری اور تیسری شرط ایسی ہیں جو عقد نکاح کے موافق نہیں اور پہلی شرط بعینہ مقتضاء عقد کے موافق ہے، اس لئے پہلی شرط کے سلسلہ میں کچھ تعرض نہ کریں گے، بلکہ آخر الذکر دونوں شرطیں اور مزید ایک شرط کے اضافہ کے ساتھ اپنے اس جواب کا آغاز کرتے ہیں۔

علامہ ابن قدامہ المقدسی حنبلی (۵۴۱-۶۲۰ھ) نے اپنی شہرہ آفاق کتاب المغنی میں اشتراط فی النکاح کی تین قسمیں بیان کیں ہیں۔

پہلی قسم

ایسی شرائط کا ذکر کرنا جس کے عدم ایفاء کی صورت میں عورت کا نقصان ہو تو اس سلسلے میں صحابہ کرام، تابعین اور حضرات ائمہ کی دو جماعتیں ہوگئی ہیں، اختلاف اس بات میں ہے کہ آیا، ان شروط کا پورا کرنا لازم ہے یا نہیں؟ مثلاً یہ شرط لگانا کہ عورت کو اس کے گھر سے یا اس کے شہر سے باہر نہیں لے جائے گا یا اس کو سفر میں نہیں لے جائے گا یا عورت کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کرے گا تو ان شرائط کا پورا کرنا عورت کے لئے مرد پر واجب ہے، اگر ان شرائط کو نہیں پورا کیا تو نکاح فسخ ہوجائے گا۔ یہ فتوی ہے حضرت عمر ابن خطاب، سعد ابن ابی وقاص اور معاویہ ابن سفیان اور عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہم کا، ان حضرات کے نزدیک

* رشید بکڈپو، گورینی، جونپور، یوپی

شرائط کا ایفاء لازم ہے، عدم ایفاء کی صورت میں نکاح فسخ ہوجائے گا۔

ان مقتداء امت کے فتوی کی روشنی میں تابعین کی ایک جماعت قدم بقدم چل رہی ہے مثلاً حضرت قاضی شریح، عمر ابن عبد العزیز، جابر ابن زید اور طاؤس اور امام اوزاعی اور اسحاق ابن راہویہ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کا یہی مسلک ہے۔ اور اپنے اپنے دار الافتاء سے یہ ائمہ ہدی یہی فتوی بھی دیتے تھے۔

اور دوسرے بہت سے تابعین اور ائمہ شرط کے بطلان کے قائل ہیں، یعنی ان شروط کو ائمہ نے باطل قرار دے دیا ہے، جیسے حضرت امام زہری، قتادہ، ہشام بن عروہ، مالک، لیث، امام سفیان ثوری، سیدنا امام شافعی اور امام ابن المنذر رحمہم اللہ، یہاں تک کہ امام الائمہ حضرت ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب بھی اسی کے قائل ہیں (**المغنی لابن قدامہ ص ۵۴۸ ج ۶**) امام المحدثین سیدنا امام احمد ابن حنبل علیہ الرحمہ امام اوزاعی کی جماعت میں شامل ہیں اور آپ کے مایہ ناز ترجمان علامہ ابن قدامہ حنبلی بھی انھیں حضرات کی ترجمانی کر رہے ہیں) یہ بزرگان دین اپنے اپنے دار الافتاء سے اسی کا فتوی دیتے تھے یعنی یہ شروط باطل ہیں اور نکاح صحیح ہے، مگر حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ اپنے فتوی میں تھوڑا سا اضافہ کرتے ہیں وہ یہ کہ شرط کے عدم ایفاء کی صورت میں اگر عورت کا نقصان ہو تو مہر مثل لازم ہے، اس لئے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک مہر کی وہ مقدار نکاح میں واجب ہوتی ہے جو اصل کے اعتبار سے مہر مثل ہے، مگر یہ کہ تسمیہ کے درست ہونے سے مہر مثل کو مسمی کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے اور حضرات صاحبین کے نزدیک نکاح میں جو مہر واجب ہوتا ہے، وہ مہر مسمی ہوتا ہے مگر یہ کہ تسمیہ کے فساد کے وقت مہر مثل کی طرف لوٹا دیا جاتا ہے جیسا کہ محیط میں ہے، اسی کو صاحب ملتقی الابحر نے نقل کیا ہے۔

والاصل عنده ان الموجب الا صلی فی النکاح مہر المثل و انما یصار الی المسمی عند صحة تسمیة من کل وجه وعندهما المسمی و انما یصار الی مهر المثل من کل وجه کما فی المحیط (ملتقی الابحر ج ۱، ص ۳۵۳)

حضرات ائمہ ثلاثہ یعنی حضرت امام الائمہ ابو حنیفہ اور سیدنا امام مالک اور ہمارے حضرت امام شافعی رحمہم اللہ کا ایک فتوی اور ان کے دلائل ملاحظہ ہوں، وہ فرماتے ہیں کہ مہر مسمی فاسد ہوجائے گا اور عقد نکاح درست رہے گا، اور اس عورت کے لئے مہر مثل واجب ہوگا۔ (**المغنی ج ۲ ص ۵۴۹**) ان کا استدلال مربی اعظم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث **کل شرط لیس فی کتاب اللہ فهو باطل و ان کان مائة شرط (ایضا)** سے ہے یعنی ہر وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے اگرچہ وہ شرطیں سو ہوں اور یہ شرائط کتاب اللہ میں نہیں ہیں، اس لئے شریعت ان کا تقاضا نہیں کرتی ہے۔ محسن انسانیت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا۔ **المسلمون علی شروطھم الا شرطا احل حراما او حرم حلالا** (حوالہ سابق) یعنی مسلمان اپنی شرطوں پر ہیں، مگر ایسی شرط جو حلال کو حرام کردے یا حرام کو حلال کردے، اور یہ شرط حلال کو حرام کر رہی ہے اور وہ دوسری شادی کرنا اور سفر کرنا ہے جب کہ شریعت اسلامیہ کے اندر ان کاموں کے کرنے کو جائز قرار دیا گیا ہے، اور یہ کہ یہ شرط نہ عقد نکاح کی مصلحت ہے اور نہ مقتضی ہے تو یہ شرط باطل ہے، جیسا کہ عورت شرط لگائے کہ میں اپنے کو سپرد نہیں کروں گی۔

صاحب مجمع الانہر کے فتوی کی عبارتیں ملاحظہ ہوں۔ (دیکھئے ج۱۔ **۳۵۲۔۵۳**)

صاحب رد المحتار کی بھی عبارت پیش نظر رہے، جو ان فقہاء کی پر زور انداز میں صرف تائید ہی نہیں کرتی ہے بلکہ وہ یہاں پر ایک وضاحت بھی کر رہے ہیں کہ یہاں پر دو صورتیں ہیں، پہلی شکل تو یہ کہ مہر کو ایسی شرائط کے ذکر کے ساتھ بیان کیا کہ وہ شرائط عورت کو نفع دے اور دوسری شکل یہ ہے کہ مہر کو بیان کیا مگر شرائط پوشیدہ ہیں، اب اگر شرائط کو نہیں پورا کیا شوہر نے تو مہر مثل واجب ہوگا، کیونکہ عورت کی خوشی اور عورت کا نفع دونوں فوت ہوگئے ہیں۔ اور یہ مہر مثل دو ہزار سے زائد اور ایک ہزار سے کم نہیں ہوگا، چونکہ میاں بیوی مہر کی اس مقدار پر راضی ہیں۔ (**رد المحتار ۲۔۳۲۔۳۲۵**)

دوسری قسم

اس قسم میں ان شرائط کا بیان ہے جو عقد نکاح میں شوہر کی طرف سے لگائی جاتی ہیں ایسی شرائط سے عقد نکاح باطل نہیں ہوتا ہے، بلکہ خود شرائط باطل ہوجاتی ہیں، مثلاً یہ کہ مہر نہیں دے گا یا خرچ نہیں دے گا یا وطی نہیں کرے گا یا عزل کرے گا یا کہ یہ عورت کے پاس دن میں نہیں آئے گا وغیرہ، تو یہ تمام شرطیں از خود باطل ہوجائیں گی، اس لئے کہ یہ مقتضائے عقد کے منافی ہیں اور نکاح تمام صورتوں میں درست ہوجائے گا اس لئے کہ شروط فاسدہ سے نکاح باطل نہیں ہوتا ہے۔ (**البنایۃ ۲۔۲۲۵**)

تیسری قسم

جس سے عقد نکاح باطل ہوجاتا ہے، وہ شرط توقیت مثلاً نکاح میں معینہ مدت کی شرط لگانا یا خیار حاصل ہونے کی شرط لگانا، ان شروط فاسدہ سے عقد نکاح باطل ہوجاتا ہے، تمام علماء کے نزدیک یہ منعقد نہیں ہوتا ہے، اس مسئلہ کے استدلال کے لئے بنایہ کی عبارت پر فقیہانہ نظر ڈالیں جو ماخوذ المغنی سے ہے (**بنایۃ ۲۔ ۲۲۵**
المغنی ۲۔۵۵۱)

سوال نامہ میں عقد نکاح کے ساتھ عائد کردہ شرطوں کو تین قسموں پر تقسیم کیا گیا ہے۔

ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہے اس کو شرط کی شکل میں عقد نکاح کے وقت ذکر کردیا گیا ہو مثلا بیوی کا شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا، نمبر ایک کا جواب دینے کی حقیقتاً کوئی ضرورت نہیں تھی مگر چند باتیں عرض ہیں، شرائط صرف وہی مضر ہوتی ہیں جو مقتضائے عقد کے خلاف ہوں اور شریعت نے اس کو اس عقد میں داخل بھی نہ کیا ہو، لہذا اگر عقد نکاح سے پیدا ہونے والی شرائط کو ذکر کردیا جائے جو نئی نہ ہوں اور مقتضائے عقد کے خلاف بھی نہ ہوں تو ان شرائط کا ذکر کرنا عبث ہے۔ جیسا کہ خاتم النبیین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ظاہر ہے' **المسلمون علی شروطهم الا شرطا احل حراما او حرم حلالا** اس حدیث پاک سے یہ بات واضح ہورہی ہے کہ فقہ اسلامی انھیں شرائط سے بحث کرے گی اور جواز و عدم جواز کا فتوی دے گی، جن سے حلت کو حرمت میں تبدیل کردیا جائے یا حرمت کو حلت میں تبدیل کردیا جائے۔

عقد نکاح میں کوئی ایسی شرط لگانا جس کے عقد نکاح کے ذریعہ ہونے والی کسی ذمہ داری سے فرار مقصود ہو تو اس سلسلے میں علامہ شامی صاحب رد المحتار کا بھی فتوی ملاحظہ ہو، فرماتے ہیں شروط فاسدہ سے عقد نکاح باطل نہیں ہوتا، بلکہ شروط خود فاسد ہوجاتی ہیں یعنی اگر عقد نکاح کیا شرط فاسد کے ساتھ تو نکاح نہیں باطل ہوگا بلکہ شرط باطل ہوجائے گی۔ (**رد المحتار ۲۔۲۹۵**)

جس شرط سے عقد نکاح کے ذریعے پائی جانے والی ذمہ داری سے گریز ہو تو اس سلسلے میں امام ابن عابدین شامی کیا فرماتے ہیں، اس کو بھی ملاحظہ کیا جائے، فرماتے ہیں کہ جب شوہر نے کہا کہ میں شادی کرتا ہوں اس شرط پر کہ تمہارے لئے مہر نہیں ہوگا تو نکاح درست ہوجائے گا اور شرط فاسد ہوجائے گی اور مہر مثل واجب ہوگا۔

(**قوله مع شرط فاسد(كما اذا قال تزوجتك على ان لا يكون لك مهر فيصح النكاح و يفسد الشرط و يجب مهر المثل (شامی ج ۲ ص ۲۹۵)** صاحب رد المحتار کی ایک چھوٹی سی عبارت پر اور نظر ڈالتے چلیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ نکاح شروط فاسدہ کی بنا پر معتبر ہے اور اس کے اندر مہر مثل واجب ہوگا۔

(**ويجب مهر المثل فى النكاح الفاسد وهو الذى فقد شرطا من شرائط صحة كشهود**

(بالوطء (فى القبول لا بغيره (رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۰)

اسی سلسلے کی امام ابن عابدین شامی کی ایک چھوٹی سی عبارت ہے جس سے واضح انداز پر یہ فتوی ملتا ہے کہ شروط فاسدہ سے عقد نکاح فاسد نہیں ہوگا اور شرط فاسد خود فاسد ہوجائے گی اور بہت دور سے یہ بات واضح ہوتی

ہے کہ متعلقہ فریقین کو ان شروط فاسدہ کی پابندی ضروری نہیں ہے۔ اگر کوئی فریق ایسا کرتا ہے تو شریعت کی نظر میں وہ عمل کرنے والا مبغوض قرار پائے گا جو شریعت اسلامیہ کی نظر میں ایک سنگین جرم قرار دیا جائے گا۔

پہلی شکل میں ایسی کوئی بات نہیں ہے، لہذا نئی شرطیں جو مقتضائے عقد کے خلاف ہوں تو غیر معتبر ہوں گی اور اگر مقتضائے عقد کے موافق ہوں، تو معتبر ہوں گی۔

الف۔ دوسری قسم کی شرائط سے نکاح پر کوئی اثر مرتب ہی نہیں ہوتا ہے اور نکاح صحیح ہوجاتا ہے اور شرائط ایک نہیں بلکہ ہزار ہوں، سب باطل ہوجاتی ہیں اور عقد نکاح کے درست ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں رہتا ہے اور متعلقہ فریقین میں سے کسی کے لئے ضروری نہیں ہے کہ اس کی پابندی کرے، بلکہ اجتناب ضروری ہے۔

ب۔ تیسری قسم کے شرائط لازم الایفاء نہیں، ان سے عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا ہے یعنی اگر شروط عدم مسافرت یا عدم تزوج کی ہو تو شرط فاسد ہے، اس لیے کہ اس میں امر شرعی سے تعارض ہے، اس مسئلہ کی دلیل میں سب سے پہلے صاحب بنایہ کا قول پیش کرتے ہیں جن کا تفقہ مسلم ہے اور جن کے فتاوی معتبر ہیں۔

وان كان شرط عدم المسافرة او عدم التزوج فهو فاسد لانه فيه المنع عن الامر المشروع (بناية ج ۲ ص ۲۲۳)

علامہ علاء الدین الکاسانی جن کا لقب ملک العلماء ہے، ان کے مقام اور مرتبہ پر ہم جیسے مبتدی کیا خامہ فرسائی کرسکتے ہیں، صرف اتنا عرض ہے کہ آپ کی کتاب جو بدائع الصنائع کے نام سے مشہور ہے، مسلک احناف میں سکہ رائج الوقت کا مقام رکھتی ہے، مذکورہ مسئلہ کے سلسلہ میں علامہ کے اقوال ملاحظہ ہوں، زوج کا شرط لگانا عورت کے طلاق دینے کی یا ایک شہر سے دوسرے شہر میں نہ لے جانے کی تو اس کو ان شرائط کا پورا کرنا لازم نہیں ہے، کیونکہ یہ ایک وعدہ ہے جو اس سے لیا گیا ہے، لہذا اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا اس وعدہ کے پورا کرنے پر، کیونکہ ہر ایسا وعدہ جس میں امر شرعی سے تعارض ہو، اس سے اجتناب لازم ہے۔

ولابي حنيفة ان الشرط الاول وقع صحيحا بالاجماع و موجبه رد مهر المثل ان لم يقع الوفاء به فكانت التسمية الاولى صحيحة فلو صح شرط الثاني لكان نافيا موجب الشرط الاول و التسمية الاولى بعد ماصحت لايجوز نفى موجبها فبطل الشرط الثانى ضرورة و قال ان ما شرط الزوج من طلاق المراة و ترك الخروج من البلاد لا يلزمه في الحكم لان ذالك وعد لها فلا يكلف و على هذا يخرج ما اذا تزوجها على حكمه او حكم اجنبي ان القسمية فاسدة لان

المحکوم بہ مجھول و جھالتہ اکثر من جھالۃ مھر المثل فیمنع صحۃ التسلیم۔(بدائع الصنائع۔ ج ۲ ص ۲۸۵)

شروط فاسدہ سے نکاح باطل نہیں ہوتا ہے۔ فقہائے کرام نے اس کی صراحت کی ہے۔ امام شافعی علیہ الرحمہ بھی یہی فتوی دے رہے ہیں۔ شامی کی عبارت ملاحظہ ہو۔ **و صرحوا بان الاقالۃ کالنکاح لا یبطلھا الشرط الفاسد(شامی ج ۲ ص ۳۵۳)**

یعنی حضرات فقہاء نے دوٹوک انداز میں یہ فتوی دے دیا ہے کہ اقالہ نکاح کی طرح ہے۔ جس طرح نکاح شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتا ہے اسی طرح اقالہ بھی شروط فاسدہ کی بنا پر باطل نہیں ہوگا۔

ایک بار شروط فاسدہ کے سلسلے میں صاحب بدائع کا ایک اور فتوی ملاحظہ ہو۔ فتوی یہ ہے کہ عقد نکاح شروط فاسدہ کی بنا پر باطل نہیں ہوتا، بخلاف بیع کے کہ بیع اور نکاح کے درمیان ایک عظیم فرق یہ ہے کہ بیع میں فساد ربوا کا امکان ہے اور عقد نکاح میں ربوا کا تحقق نہیں ہوتا ہے۔ لہذا شرط باطل ہوجائے گی اور عقد نکاح باقی رہے گا۔

و النکاح لا تبطلہ الشروط الفاسدۃ بخلاف البیع و الفرق ان الفساد فی باب البیع لامکان الربوا و الربوا لا یتحقق فی النکاح و یبطل الشرط و یبقی النکاح (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۷۷)

فتاوی ہندیہ جو مسلک احناف میں بلند مقام کی حامل ہے۔ مذکورہ مسئلہ کے سلسلے میں ایک چھوٹی سی عبارت ملاحظہ ہو **لا یثبت فی النکاح من الشرط فالنکاح جائز و الشرط باطل (فتاوی ہندیۃ ج ۱ ص ۲۷۳)**

یعنی نکاح درست ہوجائے گا اور شروط فاسدہ از خود باطل ہوجائیں گی۔

تیسری قسم کی شرائط کا شرعاً حکم یہ ہے کہ یہ شرطیں بالکل لازم الایفاء نہیں۔ ان سے عقد کی صحت پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ کیوں کہ اس میں امر شرعی سے صریح تصادم ہوتا ہے اور اس کے اندر شرائط کے ساتھ ایک قسم کا وعدہ ہے اور ہر ایسے وعدہ کا پورا کرنا یا کرانا جس میں امر شرعی سے تعارض ہو۔ بالکل جائز نہیں ہے۔

جواب نامہ بابت تفویض طلاق

(ج) یہ سوال نامہ کی ابتداء تقسیم کے اعتبار سے ہے ورنہ جواب نمبر ایک ہونا چاہئے مگر جواب اس طرز پر پیش ہے تاکہ تفہیم میں سہولت ہو۔

اگر عورت بذات خود طلاق کے وقوع کرنے میں مختار ہونے کی شرط لگائے اور شوہر اس کو تسلیم بھی کرلے تو اس کو تفویض کہتے ہیں اور تفویض طلاق کے بعد شوہر کو عورت کے اختیار کو ختم کرنے کا حق بالکل حاصل نہیں رہتا، بلکہ عورت خود مختار ہوچکی ہوتی ہے، اس کے اختیار کو کسی طرح ختم نہیں کیا جاسکتا، یہی فتوی صاحب مجمع الانہر کا ہے۔ 22/11

ای تفویض زوج الطلاق لزوجته وهو تمليك لها فتوقف قبولها فی المجلس لا توكيل فليس له الرجوع عنه فی الاصح كما فی عمادية (مجمع الانهر ج ۲ ص ۳۰۷)

تفویض کے سلسلے میں پوری وضاحت مندرجہ ذیل ہے یعنی شرائط سے خیار طلاق کی تین شکلیں ہوتی ہیں، جیسا کہ سوال نامہ میں مذکور ہیں، جواب ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی شکل

(۱) اقرار نامہ عقد نکاح سے پہلے لکھا جائے، اس کے معتبر اور مفید ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس میں عقد نکاح کی طرف اضافت اور نسبت موجود ہو مثلاً یہ لکھا جائے کہ اگر میں فلاں بنت فلاں کے ساتھ نکاح کروں اور شرائط مندرجہ جو اس اقرار نامہ میں ہیں اس میں سے کسی کے خلاف کروں تو مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ فی الفور یا کسی وقت اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہوجائے اور اگر اس اقرار نامہ میں نکاح کی طرف اضافت الی النکاح قلم بند نہیں کی گئی تو یہ دستاویز بے کار محض ہوگی اور عورت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہیں ہوگا۔

پہلی شکل کی صاحب تنویر الابصار جو رد المحتار کا متن ہے، اسی کی طرف تائید کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں اور عالمگیری کی کتاب الشروط کی تیسری فصل میں بھی پرزور انداز میں یہی فتوی منقول ہے۔ **(دیکھئے رد المحتار ۲۔ ۲۹۲ عالمگیری ۲۔ ۲۷۱)**

دوسری شکل

(۲) اس میں شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو اگر عورت کی جانب سے ایجاب نہ ہو بلکہ ایجاب مرد کی جانب سے ہو تو اس صورت میں شرائط لغو ہوں گے نیز اگر ایجاب عورت کی جانب سے ہو اور شرائط طلاق شوہر کے سامنے بیان کردئے گئے تاکہ شرائط طلاق کو سن کر شوہر کو قبول کرنے کا اختیار رہے، لہذا اگر اس صورت میں شرائط کے ذکر کرنے کے بعد مرد نے قبول کرلیا تو شوہر ان شرائط کا پابند ہوگا اور عورت کو خیار طلاق حاصل ہوجائے گا۔

۲ ۔ جتنی شرائط لگانا مقصود ہو سب کو اسی مجلس میں ذکر کرے اور اگر یہ شرائط کچھ ذکر اور عدم ذکر پر مشتمل ہیں تو جو شرطیں ذکر کی گئی ہیں وہی قابل تسلیم ہوں گی اور جن کا ذکر نہیں ان کا کوئی اعتبار نہ ہوگا ۔ (الحلیۃ الناجزۃ ص ۳۱)

۳ ۔ جواب میں یعنی قبول کرنے میں مرد صراحتاً کہے کہ میں نے قبول کرلیا چاہے، صرف اتنا کہے کہ میں نے قبول کرلیا یا اس طرح کہے کہ میں نے شرائط سمیت قبول کرلیا دونوں کا ایک ہی حکم ہے ۔ (ایضاً)

۴ ۔ اگر ایجاب شوہر کی جانب سے ہو تو اس صورت میں شرائط کالعدم ہوں گی اور نکاح بلا کسی شرط کے صحیح اور شرط بالکل بے کار ہوگی ۔ (ایضاً)

۵ ۔ اگر ایجاب عورت ہی کی طرف سے ہو لیکن شرائط کا تذکرہ نہیں کیا گیا مگر مرد نے قبول کرنے میں شرائط تفویض کا اضافہ کردیا جب بھی تفویض صحیح ہوجائے گی اور عورت کو اختیار حاصل رہے گا ۔ لیکن اس صورت میں مرد کو اختیار ہے خواہ وہ شرط بڑھائے یا نہ بڑھائے ۔ مگر جب عورت نے ایجاب بلا کسی شرط کے کرلیا تو اس کے ہاتھ سے بات نکل گئی اس لئے جس عورت کا مقصد یہ ہو کہ اس کو طلاق کا اختیار حاصل ہو جائے تو اس کے واسطے یہ شکل کافی نہیں، اگرچہ یہ صورت نادر الوقوع ہے، لیکن استیعاب صور کے لئے پیش کردی گئی ہے ۔

تیسری شکل

نکاح کے بعد کوئی اقرار نامہ اس قسم کا لکھوا یا جاوے، اس صورت کا بھی حکم یہ ہے کہ یہ شکل بھی صحیح اور بالکل درست ہے ۔ (الحلیۃ الناجزۃ ص ۳۳)

اس تیسری شکل کے بارے میں چند باتیں عرض ہیں ۔

۱ ۔ یہ شکل ایسی عورت کے لئے مفید ہے جس کے عقد نکاح میں اقرار نامہ نہیں لکھوایا گیا تھا ۔ (الحلیۃ الناجزۃ ص ۳۳)

۲ ۔ جو عورت نکاح کے وقت احتیاط کی طالب ہے، اس کے لئے بھی وہی کمی ہے جو ماقبل میں بیان کی جاچکی ہے ۔ (ایضاً)

۳ ۔ جب عقد نکاح مکمل ہوچکا تو عورت کے کنٹرول میں یا اس کے ولی وغیرہ کے اختیار میں یہ بات نہ رہی کہ شوہر کو اقرار نامہ کے لکھنے پر مجبور کرے بلکہ صرف اس کی مرضی پر معاملہ رہ جاتا ہے ۔

ایک وضاحت

مصائب و آلام سے بچنے کے لئے پہلی یا دوسری صورت اختیار کرنی چاہئیے۔ ان میں بھی سب سے آسان شکل جس میں عمومی طور پر لوگوں کے دھوکہ میں پڑنے کا اندیشہ نہیں وہ شکل اول ہی ہے کہ اقرارنامہ عقد نکاح سے پہلے لکھا جائے اور اقرار نامہ کے اندر اضافت الی النکاح کی صراحت بھی کردی جائے ورنہ اقرار نامہ لغو ہو جائے گا۔

تفویض کے لئے قیدیں بڑھانا درست ہے

عورت چونکہ ناقص العقل ہوتی ہے۔ اس لیے طلاق جیسے اہم مسئلہ کو اس کے سپرد کردینا خطرے سے خالی نہیں ہے لہذا تفویض کے وقت کچھ ایسی شرطیں جو مناسب ہوں لگانا درست ہے جس میں کوئی خطرہ نہ رہے جیسے یہ کہ نکاح کے وقت عورت کی طرف سے وہ یا اس کا ولی یا وکیل اس طرح کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تمہارے عقد میں بمعاوضہ مہر ۔۔۔ روپے ۔۔۔ سکہ رائج الوقت کے اس شرط پر دے دیا کہ جب کبھی بھی اس کو تمہاری جانب سے کوئی سخت تکلیف پہونچے جس کو فلاں فلاں اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کرلیں تو اس کے بعد ہر وقت معاملہ میرے یا اس کے اختیار میں ہوگا کہ اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس نکاح سے جدا کرلے اس شکل میں عورت کو طلاق کا اختیار اسی وقت ملے گا جبکہ کم از کم دو آدمی یہ فیصلہ سنائیں کہ عورت سخت تکلیف کی حالت میں زندگی گزار رہی ہے۔ مبادا کہیں کوئی غیر شرعی اقدام نہ کر بیٹھے۔ لہذا فریقین کی رضا مندی سے مجلس عقد نکاح میں دس آدمیوں کے نام کی ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جس میں کم سے کم دو افراد ہمہ وقت مل جائیں مگر عورت کو اس کے بعد بھی طلاق واقع کرنے میں جلد بازی سے کام نہیں لینی چاہئیے کیونکہ طلاق میں جلدی کرنا شرعاً ناپسندیدہ ہے۔ محسن انسانیت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک مباح

چیزوں میں مبغوض ترین طلاق ہے نیز ارشاد فرمایا جو عورت بلا ضرورت اپنے خاوند سے طلاق مانگے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے۔ لہذا اطمینان کے ساتھ غور وفکر کر کے قدم اٹھاتے وقت تین باتوں کو ملحوظ رکھے۔

۱ ۔ غصہ کی حالت میں فوراً اپنے اس اختیار سے کام نہ لے بلکہ ٹھنڈے دل سے اور مستقبل کو پیش نظر رکھ کر ایک عرصہ تک خوب غور کرے جس کی مدت کم از کم ایک ہفتہ ہو۔

۲ ۔ اپنے بہی خواہوں خصوصاً والدین سے مشورہ کرے۔

۳ ۔ سنت کے مطابق استخارہ کرے اور دعاء بھی کرے کہ پروردگار میرا دل اس کام کی طرف پھیر دے جو

میرے لئے دین و دنیا میں بہتر ہو، ان کوششوں کے بعد جو دل میں آئے اس پر خدا کی ذات پر کامل بھروسہ کرکے قدم اٹھائے۔ (**الحیلۃ الناجزۃ ص ۳۲۔۳۵**)

مذکورہ گذارشات کے بعد یہ بات غور طلب ہے کہ اس جیسی شرطیں عقد نکاح میں لگانا درست ہے کہ نہ۔؟

علامہ ابن جوزی اپنی سند سے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان اپنی شرطوں پر ہوں گے، ایسی شرطیں جو حق کے موافق ہوں یعنی شریعت کے۔ اور صحیحین کی روایت ہے کہ جو شرطیں کتاب اللہ میں نہیں وہ باطل ہیں اگرچہ وہ سو شرطیں ہوں تو اللہ کا فیصلہ حق ہے اور اللہ کی شرط مضبوط ہے۔

لہذا صورت مسئولہ میں جو آیتیں اور احادیث پیش کی ہیں، انھیں کے پیش نظر حضرات ائمہ نے اختلاف کیا ہے، سیدنا امام زفر کا فتوی تو یہ ہے کہ دونوں شرطیں باطل ہوجائیں گی اور حضرت امام زفر کی تائید (اور قیاس کے مطابق فتوی بھی یہی ہے) حضرت امام شافعی اور حضرت امام مالک اور سفیان ثوری اور اسحاق ابن راہویہ رحمھم اللہ تمام کا یہی فتوی ہے، اور امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک شرط اول جائز ہے اور شرط ثانی فاسد، لہذا شرط پائی جانے کی صورت میں ان کے نزدیک متعین کردہ مہر یعنی مہر مسمی لازم ہوگا اور دوسری صورت میں ذکر کردہ مہر کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ صرف مہر مثل لازم ہوتا ہے۔ صاحب ہدایہ کے مطابق ترجیح امام کے فتوی سے معلوم ہوتی ہے اور صاحبین کے فتوی پر بھی عمل ہوسکتا ہے۔ اور صاحبین کا فتوی یہ ہے کہ دونوں شرطیں جائز ہیں، لہذا اس فتوے پر عمل کرنے سے پہلے یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کا فتوی اگر ترک کرنے پر عمومی فائدہ بھی ہو اور عوام الناس کا رجوع اہل علم و اصلاح اور دارالقضاء اور دارالافتاء کی طرف ہوجائے تو بہتر ہے ورنہ امام کے **قول** کو خواہ مخواہ ترک کیا جائے اور بات جہاں سے چلی تھی وہیں رہ جائے اور کہیں ایسا نہ ہوجائے کہ ایک مرض کے علاج کے لیے تیز سے تیز دوا کی گئی بجائے اس مرض سے فرصت پانے کے اور امراض نے گھیر لیا تو پھر سب بے فائدہ ہوگا۔

چوں کہ یہ حضرات ائمہ باب الاجارۃ علی احد الشرطین پر قیاس کرتے ہیں لہذا ذیل میں اب ہم ان کے مستدلات پیش کرتے ہیں (دیکھئے ہدایہ **مع البنایۃ ۲۔ ۲۲۲، عینی ۲، ۲۲۷**)

۱۔ دلائل سے واضح ہے کہ سیدنا امام ابو حنیفہ کی دلیل راجح ہے اس لیے کہ شرط اول کے اندر جہالت نہیں ہے تو یہ شرط عقد سے متعلق ہوجائے گی اور درست ہوگی اور شرط ثانی درست نہیں ہے کیوں کہ جہالت اس کے اندر ہے لہذا شرط ثانی عقد سے متعلق نہیں ہوگی اور نکاح درست ہوجائے گا کیوں کہ عقد نکاح شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا ہے۔

۲ ۔ کتب فقہ اور فتاوی احناف کے اندر سبھی حضرات مصنفین اور مفتیین نے امام اعظم کے فتوی کو راجح قرار دیا ہے ۔

۳ ۔ جس فائدہ داعیہ کی بنا پر حضرات صاحبین کے فتوی پر عمل کرنے کی رائے طلب کی گئی ہے اس میں کوئی خاص فائدہ نظر نہیں آتا ہے جیسا کہ تفصیل سے ماقبل میں بیان کیا جاچکا ہے ۔

۴ ۔ راجح امام اعظم ہی کا قول ہے ۔

۵ ۔ امام کا فتوی اور اس کی ترجیح پر مہر تصدیق جمہور علمائے احناف اور عام مصنفین نے لگائی ہے جیسا کہ بحر الرائق کی عبارت سے واضح ہوتا ہے عبارت ملاحظہ ہو ۔

قال جمهور الشارحين الواجب في الاجارة الفاسدة الاقل من اجر المثل و من المسمى وهو في الذخيرة و فتاوى قاضيخان (البحر الرائق ج ۸ ص ۲۰)

۶ ۔ اگر ایسے ضابطے بنانے کا فائدہ ارباب حل و عقد کے نزدیک تسلیم ہوجائے تو پھر صاحبین کے فتوی پر انشراح قلب کے ساتھ عمل کیا جائے گا کیوں کہ اجرت مثل کی روایت مختلف سندوں سے امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ سے منقول ہے لہذا صاحبین کی روایت بھی امام سے ہی منقول مانی جائے گی ۔

الجواب الثانی

مجلس عقد نکاح میں اس طرح شرط لگائی گئی کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا اور اگر اس کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا ۔

اس شکل کا جواب سب سے پہلے احناف کی مشہور کتاب ہدایہ سے پیش ہے ۔

واذا تزوجها على الف على ان لا يخرجها من البلدة او على ان لا يتزوج عليها اخرى فان وفى بالشرط فلها المسمى لانه صلح مهرا و قد تم رضاها به و ان تزوج عليها اخرى فلها مهر مثلها لانه سمى مالها فيه نفع (هداية مع بناية ج ۲ ص ۲۲۲)

یعنی عقد نکاح میں رہتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کرلیا تو اس عورت کا مہر، مہر مثل ہوگا، اس لئے کہ اس میں عورت کا کوئی نفع نہیں ہے اور اگر شوہر نے دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کے لئے وہی مہر ہوگا جس پر عورت راضی ہے یعنی مہر مثل ۔

ج ۔ مجلس عقد نکاح میں یہ شرط لگانا کہ ملازمت سے شوہر نہیں روکے گا ۔ یہ شرط فاسد ہی نہیں بلکہ شرط

باطل ہے کیوں کہ عورت کا ملازمت اختیار کرنا دو صورت سے خالی نہیں، اول یہ کہ یہ ملازمت کسب معاش کے لئے ہوگی تو کسب معاش ہی نہیں بلکہ عورت کا نان و نفقہ، سکنی وغیرہ سب اس ہونے والے شوہر پر شریعت کی طرف سے واجب ہورہا ہے، لہذا عورت صرف گھر کی اور اپنی عصمت اور شوہر کے مال کی حفاظت کرے۔ ثانی صورت یہ ہے کہ ملازمت اس لئے اختیار کئے ہوتے ہے کہ اپنی تعلیم سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتے تو یہ بھی عورت پر لازم نہیں بلکہ اس سے بچنا ضروری ہے کیوں کہ آج کی ملازمت یہ ہے کہ عورت غیر محرم مردوں کے درمیان بیٹھ کر ان کے لئے تفریح طبع کا سامان پیدا کرے جو شرعاً حرام ہے۔

فی الحال ملازمت کرنا، آئندہ کے لئے ملازمت کی شرط لگانا، دونوں کے سلسلے میں محسن انسانیت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو حدیثیں پیش ہیں جو ہماری ہدایت کے لئے یہی کافی اور وافی ہیں۔

وبطل هذه الشروط الزهری و قتادة و هشام بن عروة و مالک و لیث و ثوری والشافعی و ابن المنذر و اصحاب الرای قال ابو حنیفة و الشافعی یفسد المهر دون العقد و لها مهر المثل وقال و هذا لیس فی کتاب الله لان الشرع لا یقتضیه۔

لہذا یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ شرط فاسد ہے اور کتاب اللہ سے معارض ہے جس کی وجہ سے ایسی شرطوں کا لگانا ہی درست نہیں ہے۔

ملازمت چوں کہ عام طور پر بے پردہ ہوتی ہے، لہذا اس سلسلے میں حضور علیہ الصلوۃ و السلام کا ایک قول پیش ہے۔

وعن ام سلمة قالت کنت قاعدة عند النبی صلی اللہ علیه وسلم انا و حفصة فاستاذن ابن ام مکتوم فقال النبی صلی اللہ علیه وسلم احتجبن منه رواه ابو داؤد

ج۔ ۲ اس کا جواب بھی مذکورہ بالا تحریروں میں آچکا ہے۔

ج۔ ۳ اس کا جواب بھی گزر چکا ہے، مزید یہ عرض ہے کہ اس شرط کی شرعی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے، جمہور علماء کے نزدیک مہر مسمی فاسد ہوجائے گا اور عقد درست رہے گا اور شوہر پر اس عورت کے لیے مہر مثل لازم ہوگا۔

ج۔ ۴ احادیث اور جمہور ائمہ کے فتاوے کی روشنی میں یہ بات طے ہوچکی ہے کہ جب یہ شرط لغو ہے تو شوہر پر اس کی پابندی ضروری ہی نہیں بلکہ کوئی شوہر ایسی شرط کو پورا کرے تو اس کو روک دیا جائے گا۔

ج۔ ۵ شوہر مذکورہ بالا شرط فاسد قبول کرلینے کے بعد اپنی بیوی کو سلسلۂ ملازمت جو کہ ایک ناجائز فعل ہے یا نئی ملازمت کے طلب کرنے سے روکتا ہے تو عورت پر شوہر کے اس حکم کی تعمیل صرف ضروری ہی نہیں بلکہ

ذ ح ۔ م   والله سبحانه اسال الصواب و السداد فی المبدء و المعاده استعین من زلة القدم فیما علمت و بالله اعلم

نکاح و طلاق میں مختلف شرطوں کی شرعی حیثیت

مولانا محمد عزیر اختر قاسمی ☆

نکاح کے متعلق یہ بات ذہن میں ہونی چاہئے کہ یہ مرد و عورت کے درمیان انجام پانے والا قابل احترام عقد ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ اجنبی مرد و عورت الفت و محبت کی راہ سے تادم عمر ہم رشتہ رہنے کا عزم مصمم کرتے ہیں۔ شریعت نے اس کی کچھ حدوں اور قیدوں کو ذکر کرکے ازدواجی تعلقات کو مضبوط تر بنانا چاہا ہے۔ اور حضور نے ان شرطوں کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:

احق الشروط ما استحللتم به الفروج (بخاری شریف)

پہلی شرط۔ فقہاء کرام نے عقد نکاح میں لگائی جانے والی شرطوں کی بھی حدوں اور قیدوں کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ ہر وہ شرط جو مقتضاء عقد کے موافق اور نفس عقد سے ثابت ہوتی ہو جیسے بھلے طریقہ سے زندگی گزارنے کی شرط لگانا، یا عورت کا نفقہ، کسوہ اور سکنیٰ کا اچھی طرح نظم کرنے کی شرط لگانا، فقہاء کرام نے تصریح فرمائی کہ اس قسم کی شرط لگانا بالکل جائز ہے۔ اور شوہروں کو اس قسم کی شرط کا پورا کرنا لازم و ضروری ہوگا۔ نیز اس قسم کی شرط لگانے کی وجہ سے عقد نکاح پر کوئی خلاف اثر بھی مرتب نہ ہوگا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

المسلمون عند شروطهم الا شرطا احل حراما او حرم حلالا (فتح القدير مع هداية ج ۳ ص ۲۳۲)

☆ استاذ فقہ جامعہ اسلامیہ قاسمیہ، بالا ساتھ، سیتا مڑھی

حدیث کی کتابوں میں یہ واقعہ نقل کیا گیا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک دفعہ یہ مقدمہ پیش ہوا کہ ایک شخص نے ایک عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ اس عورت کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے باہر دوسرے شہر میں نہ لے جائے گا۔ اب وہ شخص اس عورت کو اپنے گھر لے جانا چاہتا ہے اور عورت جانا نہیں چاہتی ہے۔ تو اس مقدمہ کا فیصلہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یوں فرمایا۔

"ان مقاطع الحقوق عند الشروط ولک ما شرطت" (عمدۃ القاری ج ۲ ص ۲۳۷)

اور اسی کی وجہ سے فتاوی ہندیہ میں یہ ضابطہ لکھا ہے کہ "ہر وہ شرط جو مقتضاء عقد کے خلاف نہ ہو اور عورت کو اس شرط کی وجہ سے یک گونہ فائدہ ہو تو اس شرط کا ایفاء لازم و ضروری ہوگا۔ اور عدم ایفاء مہر کی صورت میں مہر مسمی واجب نہ ہوگا بلکہ مہر مثل واجب ہوگا۔ اور اگر اس شرط کی وجہ سے عورت کا فائدہ نہ ہو بلکہ کسی اجنبی کا فائدہ ہو تو ایفاء شرط لازم و ضروری نہیں اور عدم ایفاء کی صورت میں مہر مثل واجب نہ ہوگا، بلکہ مہر مسمیٰ ہی شوہر کے ذمہ واجب الادا ہوگا (ہندیۃ ج ۱ ص ۳۰۷) مسند ابو داؤد میں یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمام شرطوں میں لازم الایفاء وہ شرطیں ہیں جن کے ذریعہ تم نے عورت کی شرمگاہ کو اپنے لئے حلال کیا ہے۔ الفاظ حدیث اس طرح ہیں۔

احق الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج (بذل الجهود کتاب النکاح ج ۳ ص ۲۳)

لیکن اس شرط کے لازم الایفاء ہونے میں یہ ضروری ہوگا کہ اس کی وجہ سے کوئی مفسدہ نہ لازم آتا ہو۔

دوسری شرط۔ اور اگر ایسی شرط لگائے جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو۔ مثلاً شوہر کا یہ شرط لگانا کہ اس کی بیوی کا نفقہ اس شخص کے ذمہ نہ ہوگا۔ یا یہ شرط لگانا کہ اس کا کوئی مہر میرے ذمہ واجب الادا یا مؤجل نہ ہوگا، تو اس قسم کی شرط کا حکم یہ ہے کہ یہ بذات خود ساقط ہوجائے گی اور عقد نکاح منعقد ہوجائے گا، کیونکہ عقد نکاح ایک عقد ہے جو شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا، بلکہ شرط خود ساقط ہوجائے گی۔ چنانچہ حاشیہ ہدایہ میں لکھا ہے۔

قوله لانه يبطل بالشروط الفاسدة بخلاف النكاح فانه لا يبطل بها (ج ۲ ص ۲۹۳)

اور بذل المجہود میں بھی اسی قسم کی بات لکھی ہے کہ ایسی صورت میں نکاح منعقد ہوجائے گا اور شرط از خود باطل ہوجائے گی اور نیز ایفاء شرط واجب نہ ہوگا (کتاب النکاح ج ۳ ص ۲۳) اور عمدۃ القاری میں اس کے متعلق ایک ضابطہ یہ لکھا ہے کہ ہر وہ شرط جو مقتضاء عقد کے خلاف ہو، جیسے شوہر کا یہ شرط مقرر کرنا کہ شب گزاری میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا، یا شوہر کے ذمہ اس کا نفقہ نہ ہوگا وغیرہ، تو ان سب صورتوں میں شرط لازم الایفاء نہ ہوگا بلکہ شرط لغو ہوگی اور نکاح مہر مثل کے ساتھ منعقد ہوجائے گا۔ عبارت اس طرح ہے۔

و اما شرط يخالف مقتضاه كشرط ان يقسم لها و لايتسرى عليها و لا ينفق عليها و لايسافر بها و نحو ذالك ولا يجب الايفاء به بل يلغو الشرط و يصح النكاح بمهر المثل (ج ٦ ص ۲۳۸)

اور صاحب ہدایہ نے بھی نقل کیا ہے کہ نکاح منعقد ہوجائے گا اور شوہر اگر اس سے ہم بستر ہو یا اس سے قبل شوہر کا انتقال ہوجائے تو مہر مثل واجب ہوگا۔

تزوجها على ان لا مهر لها فلها مهر مثلها ان دخل بها او مات عنها (فتح القدير مع ہدایہ ج ۳ ص ۲۱۰)

تیسری شرط۔ اور اگر ایسی شرط لگائی جاوے جو نہ مقتضائے عقد کے خلاف ہو اور نہ نفس عقد سے ثابت ہوتی ہو بلکہ اس شرط کے نتیجہ میں فریقین میں سے کسی کو ایسے حقوق حاصل ہوتے ہوں جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہ ہوسکتے ہوں۔ جیسے عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر بیوی کو اس کے میکہ سے باہر نہ لے جائے گا، یا اس عورت کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے شادی نہ کرے گا، تو اس کے متعلق ایک رائے یہ ہے کہ یہ لازم الایفاء ہوگی۔ چنانچہ حضرت امام شافعی، امام احمد اور اسحٰق ابن راہویہ علیہم الرحمۃ کی یہی رائے ہے بطور استدلال ان کی طرف سے یہ واقعہ پیش کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک مقدمہ پیش ہوا کہ شوہر نے بوقت نکاح یہ شرط قبول کی تھی کہ اس کو اس کے میکہ سے باہر نہ لے جائے گا اور اب لے جانا چاہتا ہے اور عورت جانا نہیں چاہتی۔ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فیصلہ فرمایا کہ یہ شرط لازم الایفاء ہوگی۔ **اذا تزوج الرجل المرأة و شرط ان لا يخرجها لزم الخ (عمدة القارى ج ۲)** یہ فیصلہ حضرت عمرؓ کا ایک طریقہ سے منقول ہے۔ لیکن انھیں کا دوسرا قول اس کے خلاف ہے۔

اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ، سعید ابن مسیب، سفیان ثوری، امام مالک، فقیہ ابو اللیث اور ائمہ احناف کی رائے یہ ہے کہ اس قسم کی شرط لازم الایفاء نہیں ہوگی۔ اور بذل میں اسی قول کو، امام طاؤس، ابو الشعثاء، اوزاعی کی طرف بھی منسوب کیا ہے، اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک دوسرا قول سند جید کے ساتھ یہ نقل کیا گیا ہے کہ اس قسم کی شرط کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، بلکہ باطل ہوگی اور عقد نکاح کے انعقاد میں اور اس کے بعد اس کا کوئی مرتی اثر نہ ہوگا بذل میں عبارت اس طرح ہے۔

وقد اختلف عن عمر فروى ابن وهب باسناد جيد عن عبيد ابن السباق ان رجلا تزوج امراة فشرط لها ان لا يخرجهامن دارها فارتفعوا الى عمر فوضع الشرط و قال المراة مع زوجها (بذل المجهود كتاب النكاح ج ۳ ص ۲۳)

اور اسی کے ذیل میں ایک جزئیہ لکھا ہے کہ کسی عورت کا مہر مثلاً یک صد روپئے تھا لیکن اس نے صرف پچاس روپے مقرر کیا اس شرط کے ساتھ کہ شوہر عورت کو اسی کے گھر میں رکھے گا، باہر نہ لے جائے گا، اب بعد انعقاد نکاح، شوہر پر وہ شرط لازم الایفاء نہ ہوگی اور عورت کو مہر کی رقم میں صرف پچاس روپے ہی ملیں گے اور عقد نکاح پر کوئی اثر مرتب نہ ہوگا۔ مگر ائمہ احناف کی رائے یہ ہے کہ شرط تو لازم الایفاء نہیں، لیکن عورت کا مہر مثل مکمل کردیا جائے گا۔ اس قسم کی شرطیں لازم الایفاء اس لئے نہیں ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"کل شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل" (بذل المجھود کتاب النکاح ج ۳ ص ۲۳)

علامہ عینی صاحب عمدۃ القاری نے بھی اس واقعہ کو نقل کیا ہے اور حضرت عمر فاروق کی مذکورہ دوسری رائے کو نقل فرمانے کے بعد لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق نے شرط کو ختم فرمادیا اور فرمایا کہ عورت اپنے شوہر کے ساتھ ہوگی اور انہوں نے اس شرط کو لازم نہ فرمایا۔ اور حضرت علی کا بھی یہی قول ہے۔ اور انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالی کی شرط اس کی ذاتی شرط سے مقدم ہے، اور تابعین میں حضرت سعید ابن مسیب۔ سفیان ثوری۔ مالک اور لیث وغیرہ ائمہ کی یہی رائے ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۳۵)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تیسری قسم کی شرط حضرت امام اعظم اور بہت سے صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی رائے کے مطابق یہ ہے کہ وہ جائز ضرور ہوگی۔ لیکن یہ شرط لازم الایفاء نہ ہوگی، البتہ شوہر کو اختیار تقوی اور شرط کو پورا کرنے پر آمادہ کیا جائے کہ جب تم نے شرط منظور کرلی ہے تو شرط کو پورا کرنا چاہئے، اور اس شرط کی وجہ سے عقد نکاح پر کوئی منفی اثر مرتب نہ ہوگا، خواہ وعدہ وفاء کرے، نہ کرے، اور شرط لگانے کی وجہ سے انعقاد نکاح اور صحت پر بھی کوئی منفی اثر نہ ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تفویض طلاق بوقت نکاح

شریعت نے رشتہ ازدواج کے منقطع کرنے کا حق عورت کو نہیں دیا۔ اور شریعت نے حکم دیا ہے کہ اگر کبھی آپسی ناچاقی ہوجائے تو اولاً ہر ممکن طور پر اصلاح کی کوشش کی جائے۔ اگر بایں ہمہ اصلاح ذات البین کسی طرح ممکن نہ ہو تو مرد کو حکم ہے کہ ایک طلاق دے کر عورت کو اپنی زوجیت سے علحدہ کرے اور حکم قرآنی " او تسریح باحسان " پر پورا پورا عمل کرلیں۔

مختصر یہ کہ مرد کو حکم ہے کہ اپنی بیوی کو اس ناگزیر حالات میں طلاق دے کر علیحدہ کردے، اس کے بعد فریقین کے لئے اللہ تعالی ضرور کوئی نہ کوئی بہتر صورت پیدا فرمادے گا۔

بوقت نکاح اگر عورت بذات خود یا اس کا ولی یا وکیل یا سفیر یہ شرط لگائے کہ عورت کو عام حالات میں یا خاص حالت میں اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا۔ اور شوہر اس شرط کو تسلیم بھی کرلے تو شریعت نے اس کو چند شرطوں کے ساتھ معتبر مانا ہے۔ اور اس طرح طلاق واقع کرنے کے حق و اختیار کو بذریعہ شرط حاصل کرلینے کو اکابر امت نے "تفویض" کی صورت میں داخل کر کے جائز قرار دیا ہے۔ اور فقہاء امت نے اس کے لئے چند شرطیں بھی مقرر فرمائی ہیں کہ اگر ان شرطوں کی پابندی کی گئی تو یہ تفویض کار آمد ہوگی ورنہ اس کا کوئی خاص فائدہ نہ ہوگا۔ چنانچہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے "**الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة**" میں اس طرح کے چند سوالات کے جوابات سے نوازا ہے۔ اور انہوں نے اس قسم کے تحریری مضمون کو کابین نامہ سے تعبیر کیا ہے۔ حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ بوقت نکاح کابین نامہ میں مرد سے ایسی شرطیں لکھوائی جائیں جس سے عورتوں کو بوقت ضرورت اپنے اوپر خود طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہوجائے یہ شرعا معتبر نہیں؟ آگے خود ہی انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اس قسم کا کابین نامہ لکھوانا، (جس میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہو) اور بوقت ضرورت اس سے کام لینا شرعا جائز ہے۔ اور اس اختیار دے دینے کو تفویض طلاق کہتے ہیں الخ (۳۱)

عورتوں کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار دینا صحیح ہے اور شرعا اس کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ازواج مطہرات نے یہ مطالبہ کیا کہ نفقہ میں تنگی ہوتی ہے اس لئے اضافہ کیا جائے۔ سرکار دو جہاں کو یہ ناگوار گزرا تو اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی۔

یا ایها النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوة الدنیا وزینتها فتعالین امتعکن و اسرحکن سراحا جمیلا " اور حضرت امام بخاری نے باضابطہ اس عنوان سے ایک باب باندھا ہے۔ جس میں اس آیت مذکورہ کو نقل فرمایا۔ اور اسی کے متعلق چند حدیثیں نقل کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ تفویض طلاق صحیح ہے، اور اس کی وجہ سے عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہوجاتا ہے (**عمدة القاری شرح بخاری ج ۹ ص ۵۲۲**)

اور تفویض طلاق کے جواز پر اجماع امت بھی منعقد ہوچکا ہے (**بدایة مع فتح القدیر ج ۳ ص ۳۱۰، بحر الرائق ج ۳ ص ۳۱۰**) حاصل یہ ہے کہ جب عورت کو عام حالات میں اختیار دینے کی وجہ سے اختیار حاصل ہوجاتا ہے تو بعض حالات میں ان کا جائز ہونا اور اس کی وجہ سے عورت کو اختیار کا حاصل ہوجانا بدرجہ اولی ہوگا۔

تفویض کے بعد شوہر اس کو ختم نہیں کرسکتا ہے ۔

جب شوہر نے اپنی بیوی کو یہ اختیار دیدیا کہ وہ اپنے اوپر طلاق واقع کرسکتی ہے ، تو اب شوہر کو قطعا یہ اختیار نہ ہوگا کہ وہ اس تفویض کو ختم کردے ۔ اگر شوہر یہ اعلان کردے اور بیوی سے کہہ دے کہ ہمارا تمھارا عہد نامہ جو تھا اور اس کی وجہ سے تمھیں طلاق واقع کرنے کا اختیار تھا آج اس کو میں ختم کر رہا ہوں تو اس شخص کے اس اعلان و تفصیل کا کوئی اثر نہ ہوگا اور عورت کو حسب سابق اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہوگا ۔ چنانچہ فقہ کے عام متون و شروح اور فتاوی کی کتابوں میں یہ عبارت درج ہے ۔ " **ولا یملک الرجو ع من التفویض** " اور صاحب بحر نے لکھا ہے :

" **والحق مافی الذخیرة وفی جامع الفصولین انه تملیک فیه معنی التعلیق فلکونه تملیکا تقید بالمجلس ولکونه تعلیقا بقی ماوراء المجلس ولم یصح الرجوع منه عملا بشبهیه** "

مطلب یہ ہے کہ تفویض طلاق کو دو حیثیت حاصل ہے ۔ ایک یہ ہے کہ اس کے اندر تملیک کے معنی پائے جاتے ہیں اور دوسری حیثیت یہ ہے کہ اس کے اندر تعلیق کے بھی معنی پائے جاتے ہیں ۔ لہذا دونوں مشابہتوں کا اعتبار ضروری ہوا ، اس لئے اول حیثیت کی وجہ سے مجلس کے ساتھ یہ اختیار مقید ہوگا (بعض صورتوں میں اور بعض صورتوں میں یہ قید نہ ہوگی ، مثلا کلمہ تفویض کے ساتھ کوئی لفظ ظروف زمانیہ میں سے ایسا استعمال کرے جو عموم زمانہ پر دال ہو یا مطلق تفویض کی گئی ہو جس کی وجہ سے مجلس کی قید ختم ہوجاتی ہو تو مجلس کی قید نہ ہوگی) اور دوسری مشابہت کی وجہ سے شوہر کو اس سے رجوع کا حق حاصل نہ ہوگا ۔ نیز تعلیق کی وجہ سے یمین کے مثل ہوگیا اور یمین سے رجوع صحیح نہیں اس لئے اس صورت میں شوہر کو اس سے رجوع کرنے کا اور اختیار کو ختم کرنے کا قطعا اختیار نہ ہوگا ۔ (**فتح القدیر ج ۳ ص ۲۲۸**) چنانچہ صاحب بحر نے حضرت امام محمد کی رائے لکھی ہے کہ ایسی صورت میں وہ یمین ہوجائے گی اور یمین عقد لازم ہے جس سے رجوع صحیح نہیں (**بحر الرائق ج ۳ ص ۳۷۷**) ' مثلا " کسی شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق جب کبھی وہ عقد " میں رہتے ہوئے خواہ حقیقتا یا حکما گھر میں داخل ہوگی تو طلاق واقع ہوجائے گی ، اور اس شخص کو قطعا یہ اختیار نہ ... کہ وہ اس تعلیق سے رجوع کرلے ۔ **بحر الرائق ج ۳ ص ۳**

عقد نکاح میں تفویض کی شرط کی تین صورتیں۔

(الف) پہلی صورت یہ ہے کہ عقد نکاح سے قبل شرائط طے ہوجائیں اور جانبین سے دستخط بھی ہوجائیں۔

(ب) دوسری صورت یہ ہے کہ عین نکاح کے وقت شرائط زبانی کہلوا دیئے جائیں، خواہ ایجاب مشروط ہو یا قبول مشروط ہو۔

(ج) تیسری صورت یہ ہے کہ عقد نکاح کے بعد شرائط نامہ اور کابین نامہ لکھوایا جائے اور جانبین کے دستخط کرائے جائیں۔

ان تینوں قسم کی شرط کا حکم یہ ہے کہ یہ صورتیں جائز ہیں کوئی حرج نہیں مگر ان کے معتبر ہونے نہ ہونے میں فرق ہے۔

(۱) پہلی صورت عقد نکاح سے قبل شرائط طے ہوجائیں اور اس کے بعد نکاح کا انعقاد ہو، تو اس کے معتبر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ شرائط نامہ میں نکاح کی طرف نسبت و اضافت موجود ہو۔ مثلاً یہ لکھا جائے کہ اگر میں فلاں بنت فلاں سے نکاح کروں اور شرائط مندرجہ اقرار نامہ ہذا کی خلاف ورزی کروں تو مساۃ مذکورہ کو اپنے اوپر طلاق دینے کا اسی وقت یا اس کے بعد کلی اختیار ہوگا۔ تو ایسی صورت میں عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہوجائے گا۔ اور اگر اضافت الی النکاح نہ لکھی جائے تو یہ اقرار نامہ محض بے کار ہوگا، اور عورت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہ ہوگا۔ چنانچہ کنز الدقائق باب التعلیق میں لکھا ہے کہ " **انما یصح فی الملک کقوله لمنکوحته ان زرت انت طالق او مضافا الیه کان نکحتک فانت طالق** "

صاحب بحر نے اس کے ذیل میں لکھا ہے۔

ای معلقا بسبب الملک کقوله لاجنبیة ان نکحتک فانت طالق ای تزوجتک فان النکاح سبب للملک فاستعیر السبب للمسبب الخ (بحر ج ۲ ص ۳)

اور اسی کے مثل ہدایہ میں بھی ہے۔

لایصح اضافة الطلاق الا ان یکون الحالف مالکا او یضیفه الی ملک الخ (ج ۲ ص ۳۷۵) یہی

وجہ ہے کہ اگر کسی نے ایک اجنبیہ سے کہا کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھے طلاق پھر اس نے اس عورت سے شادی کرلی اور وہ عورت گھر میں داخل ہوئی تو اس کو طلاق واقع نہ ہوگی، کیونکہ اس نے تعلیق کو منسوب الی النکاح نہ کیا، اور اسی طرح شامی کے باب التعلیق میں ہے:

"وشرطه الملك كقوله لمنكوحته ان ذهبت فانت طالق او الاضافة اليه كان نكحتك فانت طالق فلغا قوله لا جنبية ان زرت زيدا فانت طالق (ج ۲ ص ۸۱-۲۸)

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ عقد نکاح کے وقت ہی ایجاب وقبول میں ایسی شرطیں ذکر کردی جائیں کہ اگر شوہر اس کی خلاف ورزی کرے تو عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا۔ تو بھی صحیح و درست ہے، اور عورت کو اختیار حاصل ہوجائے گا۔ اور اسی طرح شرطوں کو ایجاب وقبول کے ساتھ زبانی کہلوانے کے بجائے لکھ لیا جائے تو بھی صحیح و درست ہے۔ لیکن ایجاب وقبول کو صرف لکھ لیا جائے اور جانبین سے اس پر دستخط کرلئے جائیں تو اس صورت میں نکاح منعقد نہ ہوگا، بلکہ زبانی طور پر ایجاب وقبول کرنا ضروری ہوگا۔ ہاں اگر اس طرح کا اقرار نامہ تیار کرلیا جائے اور زبانی طور پر ایجاب یا قبول کے ساتھ کہہ دے کہ ان شرائط محررہ میں سے کسی کی خلاف ورزی ہو تو عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا۔ اور اس طرح تفویض کی تعلیق صحیح ہے، شرائط محررہ کو زبانی ذکر کرنا ضروری نہ ہوگا (الحیلۃ الناجزۃ)

شرائط: اس صورت میں تفویض کے مفید ہونے اور عورت کو طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہونے کے لئے ضروری ہوگا کہ ایجاب عورت کی جانب سے اس طرح ہو کہ خود عورت یا اس کا ولی، یا وکیل عقد کے وقت یوں کہے کہ اگر تم نے فلاں فلاں شرطوں کی خلاف ورزی کی تو مسماۃ فلانہ کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا۔ اور شوہر یوں کہے کہ میں نے اس شرط کے ساتھ قبول کیا۔ یا مطلقا یوں کہے کہ میں نے قبول کیا تو عورت کو اختیار حاصل ہوجائے گا۔ اور اگر شوہر کی جانب سے ایجاب ہو تو وہ یوں کہے کہ میں نے تم سے اس شرط کے ساتھ نکاح کیا کہ فلاں فلاں صورتوں میں تم کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا، اور عورت نے اس کو قبول کرلیا۔ یا عورت کی جانب سے ایجاب مطلق ہو اور شوہر از خود چند شرطوں کا اضافہ کر کے یوں کہے کہ میں نے اس شرط کے ساتھ قبول کیا کہ فلاں فلاں صورتوں میں تمہیں اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہوگا، تو ان سب صورتوں میں نکاح منعقد ہوجائے گا اور عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہوجائے گا۔ اور عورت کی جانب سے ایجاب نہ ہو بلکہ شوہر کی جانب سے ایجاب مطلق ہو اور عورت کی جانب سے قبول اس طرح ہو کہ میں نے اس شرط کے ساتھ قبول کیا کہ مجھے فلاں فلاں صورتوں میں اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا۔ یا مطلقا یوں کہے کہ میں نے اس شرط کے ساتھ قبول کیا کہ مجھے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا۔ تو ان دونوں صورتوں میں نکاح تو منعقد ہوجائے گا مگر عوت کو کوئی اختیار حاصل نہ ہوگا۔

یہ مذکورہ تفصیلات تفویض مقید کے متعلق تھیں، اگر مطلق تفویض طلاق کی شرط اس طرح لگائے کہ عورت کی جانب سے بوقت نکاح ایجاب میں یہ کہا جائے کہ تم سے اس شرط پر نکاح کیا کہ عورت مسماۃ فلاں بنت فلاں کو

اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا، اور اس میں کسی شرط کی تعیین نہ کی جائے تو یہ صورت بھی صحیح ہے اور عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا۔ لہذا وہ عورت جب چاہے اپنے کو طلاق دے کر شوہر سے علحدہ ہوسکتی ہے۔ چنانچہ علامہ شامی نے شروع کتاب الطلاق میں یہ وضاحت فرمائی ہے کہ شوہر نے اگر کسی سے کہا کہ میں نے تم سے اس شرط پر نکاح کیا کہ تو طلاق والی ہے تو نکاح منعقد ہوجائے گا اور طلاق باطل ہوجائے گی، اور اگر عورت نے ابتداء کلام کو کیا ہو بایں طور کہ میں نے تم سے اس شرط پر نکاح کیا کہ میں طلاق والی ہوں تو نکاح منعقد ہوجائے گا اور عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہوجائے گا۔ فقیہ ابو اللیث نے دونوں کلاموں میں یوں فرق فرمایا ہے کہ جب آغاز کلام شوہر کی جانب سے ہوا تو طلاق و تفویض طلاق قبل النکاح ہوئی (اور اس کی صحت کے لئے اضافت الی النکاح جو شرط تھی وہ نہ پائی گئی) لہذا یہ طلاق و تفویض طلاق صحیح نہ ہوئی۔ اور جب آغاز کلام عورت کی جانب سے ہوا تو ایسی صورت میں شوہر نے ایجاب مشروط کو قبول کیا اور ایجاب مشروط کی وجہ سے عورت کو تفویض طلاق حاصل ہوجاتی ہے، اس لئے اس صورت میں عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا پورا حق حاصل ہوجائے گا **(رد المحتار ج ۲ ص ۵۸۵)** اور اس کے بعد مزید وضاحت فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں اگر کسی نے اس شرط کے ساتھ نکاح کیا کہ طلاق کا حق عورت کو ہوگا۔ تو یہ صحیح ہے۔ عبارت اس طرح ہے۔ **نکحها علی ان امرها بیدها صح (در مختار ج ۲ ص ۷۷۲)** اور رد المحتار میں اس کی تفصیل یوں ہے کہ جب عورت نے ابتداء کلام کرتے ہوئے یوں کہا کہ میں نے اپنی شادی تم سے اس شرط کے ساتھ کی کہ جب میں اپنے اوپر طلاق واقع کرنا چاہوں کرلوں پھر شوہر نے اس کو قبول کرلیا تو عورت کو اختیار حاصل ہوجائے گا۔ اور اگر شوہر نے ابتداء کلام مطلق کیا اور عورت نے قبول مشروط کیا تو نکاح منعقد ہوجائے گا لیکن عورت کو کسی قسم کا کوئی اختیار حاصل نہ ہوگا۔ عبارت اس طرح ہے۔

قوله صح مقید بما اذا ابتدأت المراة فقالت زوجت نفسی منک علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید او علی انی طالق فقال الزوج قبلت الخ (رد المحتار ج ۲ ص ۷۷۲)

(۳) تیسری صورت، شرط تفویض کی یہ ہے کہ عقد نکاح کے بعد کوئی شرائط نامہ زوجین کے درمیان لکھ لیا جائے اور شوہر کی طرف سے عورت کو یہ اختیار مل جائے، تو عورت عام اوقات میں یا مشروط اوقات میں جب شرط پائی جائے اپنے اوپر طلاق واقع کرنا چاہے تو کرسکتی ہے۔ تو یہ صورت بھی صحیح ہے اور عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہوجائے گا۔ اور شوہر عورت کے حاصل شدہ اس اختیار کو باطل و ختم کرنا چاہے تو اس کو اس کا اختیار نہ ہوگا، ہاں اگر عورت ہی از خود اس حاصل شدہ اختیار کو ختم کرنا چاہے تو کرسکتی ہے۔ چنانچہ بحر الرائق میں یہ وضاحت موجود ہے کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے یہ کہا کہ ہمیشہ کے لئے تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں

ہے، تو اس عورت کے اس کو ایک مرتبہ رد کردینے سے اختیار ختم ہوجائے گا۔ عبارت اس طرح ہے کہ **کقوله امرک بیدک ابدا فیرتد بردها مرة** (ج ۳ ص ۳۲۲)

حضرت اقدس مولانا تھانوی نے بھی **الحیلة الناجزة** میں اس صورت کو ذکر فرماکر ارشاد فرمایا کہ یہ صورت صحیح و درست ہے، البتہ اس صورت میں شوہر کی مرضی پر تفویض ثابت ہوگی۔ شوہر پر جبر نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ انعقاد نکاح کے بعد معاملہ عورت کے ہاتھ سے نکل گیا اور اب طلاق واقع کرنے کا اختیار صرف مرد کو ہوگا۔ (**الحیلة الناجزة**)

تفویض طلاق میں کچھ ضروری قیدوں کا اضافہ ضروری

عورتیں چونکہ فطرتاً مشتعل مزاج، زود رنج، ذکی الحس، نا عاقبت اندیش اور سریع الانفعال ہوتی ہیں بات بات پر ناراض اور چراغ پا ہو جاتی ہیں اس لئے تفویض طلاق کی صورت میں یہ خطرہ یقینی معلوم ہورہا ہے کہ وہ اپنی ناعاقبت اندیشی کے سبب اس حاصل شدہ اختیار کا بے جا استعمال کرلے اور زوجین میں سے ایک یا دونوں مشقت شدیدہ میں گرفتار ہوجائیں۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کچھ شرطوں اور قیدوں کا مزید اضافہ کردیا جائے کہ جس کے سبب اس حاصل شدہ اختیار کا وہ عورت غلط اور بے جا استعمال نہ کرے۔

مثلاً تفویض مطلق کی صورت میں شوہر بوقت تفویض یہ شرط لگائے کہ " اگر ہم دونوں آدمی طلاق کے وقوع کو مناسب سمجھیں یا فلاں فلاں شخص طلاق ہی کو بہتر سمجھے، یا یہ شرط لگادے کہ طلاق کو تمہارے والدین اور دیگر پانچ افراد قریبی رشتہ دار میں سے طلاق کو ضروری یا مناسب سمجھیں، یا اس طرح کا اور کوئی لفظ یا جملہ بطور شرط و قید ذکر کردیا جائے۔ اور اس کے بعد تب کہے کہ اس وقت تمہیں اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا۔

اسی طرح تفویض مشروط کی صورت میں شوہر بوقت تفویض یہ شرط لگادے کہ شرط مذکورہ کی خلاف ورزی کو فلاں فلاں آدمی تسلیم کرلے کہ واقعی مذکورہ شرطوں میں سے بعض کی، یا کل کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔ یا یہ شرط لگائے کہ واقعی جب مجھ سے خلاف ورزی ہوجائے تو مجھے بھی اس خلاف ورزی کا علم کرایا جائے کہ تم سے فلاں شرط کی خلاف ورزی ہوگئی ہے اور میں اسے تسلیم بھی کرلوں کہ واقعی مجھ سے خلاف ورزی ہوگئی ہے تب تمہیں اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا۔

تفویض طلاق کی وجہ سے مصالح شرع متاثر نہیں

۲۳/۱

لہذا شریعت نے جو طلاق کا اختیار مردوں کو دیا ہے، یہ اختیار تفویض کے نتیجے میں عورت کی طرف منتقل ہوجاتا ہے تو اس انتقال اختیار کی وجہ سے مصالح شرع کے ضیاع کا کوئی خطرہ نہیں، کیونکہ عورت کو اختیار دیدینے کے باوجود شوہر کو از خود طلاق واقع کرنے کا اختیار ختم نہیں ہوتا بلکہ بدستور سابق باقی رہتا ہے۔ ضیاع کا اندیشہ ہوسکتا تھا جبکہ مرد کا یہ اختیار مسلوب ہوجاتا ہے۔ ابھی اوپر بحوالہ بحر یہ نقل کیا گیا ہے کہ تفویض طلاق کے باوجود شوہر اپنی اسی بیوی کو از خود طلاق دے سکتا ہے۔ اس لئے تفویض کی وجہ سے کوئی مصالح شرع متاثر نہ ہوگا۔ البتہ اس مفوضہ اختیار کے بے جا اور غلط استعمال کی وجہ سے مصالح شرع کے ضیاع کا اندیشہ ضرور ہے۔ کیونکہ عورتیں عموماً مشتعل مزاج، تند خو اور ناعاقبت اندیش ہوتی ہیں۔ اس لئے بہت ممکن ہے کہ اس مفوضہ اختیار کا غلط استعمال کرلے اور ایک بسا بسایا گھر آنا فانا اجڑ جائے۔ تو اس کے لئے ضروری ہے کہ بے جا اور غلط تصرف کا سد باب کرنے کے لئے مفوضہ اختیار میں کچھ ایسی قیدوں کا اضافہ کردیا جائے کہ غلط استعمال سے حفاظت اور مصالح شرع کی حتی المقدور رعایت ہوسکے۔ مثلاً کابین نامہ میں یہ شرط بڑھادی جائے کہ شرطوں کی خلاف ورزی ہونے کا علم شوہر کو بھی کرایا جائے اور شوہر اس کو تسلیم بھی کرلے کہ ہاں واقعی خلاف ورزی ہوئی ہے۔ یا یہ قید بڑھادی جائے کہ خلاف ورزی ہونے کی صورت میں عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار اس شرط کے ساتھ حاصل ہوگا کہ وہ اپنے شوہر پر عائد ہونے والے تمام حقوق سے یا بعض حق سے محروم ہوگی یا وہ عورت اپنے خاندان کے فلاں فلاں دس آدمیوں سے علی سبیل الاجتماع مشورہ کرلے۔ اور سب طلاق پر ہی متفق ہوجائیں یا اس طرح کی اور کوئی قید بڑھادی جائے جیسا کہ حضرت اقدس مولانا تھانوی علیہ الرحمہ نے الحیلۃ الناجزۃ میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ لہذا اس تفویض کے ساتھ مزید احتیاط کے لئے کچھ ایسی قیدوں کا اضافہ کیا جاسکتا ہے جو مفید ہوں اور حاصل شدہ اختیار کے بیجا تصرف کا سد باب ہو۔

مالی سزا کے تقرر کی ایک صورت

اس کی ایک شکل یہ سمجھ میں آرہی ہے کہ اگر بوقت نکاح اس طرح مہر مقرر کردیا جائے کہ عام حالات میں اس عورت کا مہر دس ہزار اور وقوع طلاق کی صورت میں اس عورت کا مہر بیس ہزار یا تیس ہزار وغیرہ ادا کرنا لازم ہوگا۔ تو سطحی نقطہ نگاہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بہت ہی اچھا ہے کیونکہ اس طرح طلاق کی وارداتیں کم سے کم ہوں گی اور طلاق کا بے جا استعمال نہ ہوسکے گا۔ لیکن کیا شریعت اس کی اجازت دیتی ہے یا نہیں

فقہ کی اکثر کتابوں کے مطالعہ سے یہ سمجھ میں آرہا ہے کہ حضرات صاحبین کی رائے کے مطابق دونوں شرطیں جائز ہوں گی کیونکہ اکثر متون و شروح فقہ میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کسی نے اس طرح شادی کی کہ اگر شوہر اس عورت کو اس کے میکہ سے باہر نہ لے جائے گا تو اس کا مہر ایک ہزار اور اگر باہر لے جائے گا تو اس کا مہر دو ہزار ہوگا، تو اس میں حضرت امام اعظم کی رائے یہ ہے کہ اگر شرط پورا کیا تو مہر مسمی اور اگر شرط پورا نہ کیا تو مہر مثل واجب ہوگا۔ لیکن حضرات صاحبین کی رائے یہ ہے کہ دونوں شرطیں درست ہیں۔ اور دونوں صورتوں میں سے ہر ایک صورت میں مہر مسمی ہی واجب ہوگا، اور حضرت امام زفر کی رائے یہ ہے کہ دونوں شرطیں فاسد ہوں گی اور ایفاء شرط اور عدم ایفاء شرط کی صورت میں مہر مثل ہی واجب ہوگا۔ اس کے علاوہ اور بھی دوسرے مسائل درج ہیں جس میں یہ اختلاف پایا جاتا ہے ان تمام مسائل میں قدرے مشترک یہ ضرور ہے کہ ایک صورت میں مہر مسمی اور دوسری صورت میں مہر مسمی یا مہر مثل واجب ہوگا۔

فقہاء احناف کے متون و شروح کے دیکھتے وقت ہرچند یہ سعی کی کہ صراحتاً کہیں یہ معلوم ہوجائے کہ ان اقوال ثلاثہ میں سے راجح اور مفتی بہ رائے معلوم ہوجائے لیکن میں وہاں تک نہ پہونچ سکا۔ البتہ صاحب بحر علامہ شامی اور ابن ہمام وغیرہ فقہاء کرام نے امام اعظم ابو حنیفہ پر وارد ہونے والے چند اعتراض کا جواب دیا ہے، جس سے ترشح ہوتا ہے کہ انہی کا قول راجح ہے (ملاحظہ ہو **رد المحتار ج ۲ ص ۳۷۲**) تو صورت مذکورہ میں اگر حضرات صاحبین کی رائے پر ہی عمل کیا جائے کہ تادمت عمر اگر شوہر نے بیوی کو اپنی زوجیت میں رکھا تو اس کا مہر دس ہزار، ور اگر طلاق کا وقوع ہوا تو اس کا مہر مثلاً بیس ہزار ہوگا، تو بہتر معلوم ہوتا ہے، مہر کے متعلق شریعت کا یہ حکم ہے کہ مہر نکاح کے بعد فوراً ادا کردینا چاہئے۔ لہذا اس طرح انعقاد نکاح کی صورت میں جب شوہر اپنی بیوی کو دس ہزار مہر کی رقم ادا کردیا اور اس کے بعد تادمت عمر انہوں نے خوشی خوشی زندگی گزار لی اور اللہ کے فضل سے کوئی ناچاقی پیدا نہ ہوئی تو بہت اچھی بات ہے۔ اور اگر خواہ مخواہ ضرورت شرعی کے تحقق کے باوجود جب طلاق کی نوبت آہی گئی تو اب مزید دس ہزار ادا کرنا ہوگا۔ کیونکہ قبل دس ہزار ادا کرچکا ہے۔

یہ بات صرف ظاہراً امام اعظم کے قول کے خلاف معلوم ہورہی ہے، جیسا کہ نظائر اوپر مذکو ہوئے۔ لیکن میری سمجھ میں یہ آرہا ہے کہ جیسے یہ حضرات صاحبین کی رائے کے عین مطابق ہے اسی طرح حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے دیگر متعدد اصول کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ اس طرح مہر مقرر کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ طلاق کی وارداتیں کم سے کم وقوع پذیر ہوں۔ اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب حضرات صاحبین کی رائے پر عمل کیا جائے۔ اور دونوں شرطوں کو درست قرار دیا جائے۔

علامہ ابن نجیم مصری نے **الاشباہ و النظائر** میں یہ ضابطہ تحریر فرمایا ہے۔ " **الامور بمقاصدھا** "

اور اس کے ذیل میں بہت سے ایسے مسائل نقل فرماتے ہیں جو بادی النظر میں ممنوع ہوتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ جائز ہیں مثلا میدان جہاد میں اگر کافروں نے مسلمان بچے کو پکڑ کر ڈھال بنالیا، اب مسلمانوں کی طرف سے جو تیر بھی جاتا ہے وہ سب مسلمان بچے کو لگ رہا ہے اور چونکہ جان بوجھ کر ناحق کسی مسلمان کا خون کرنا ممنوع ہے اس لئے ایسے موقعہ پر تیر اندازی ممنوع ہونا چاہئے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی طرف سے جو تیر اندازی ہوتی ہے اس کا مقصد مسلمان بچوں کو نہیں بلکہ کافروں کا مارنا ہوتا ہے، اس لئے ایسے موقعہ پر تیر اندازی بند نہ کی جائے گی بلکہ تیر پھینکتے وقت کافروں کی نیت کی جائے گی، علی ہذا القیاس مذکورہ بالا طریقہ سے اگر مہر مقرر کیا جائے تو اس نیت کے ساتھ جائز ہونا چاہئے کہ مقصد یہ ہے کہ طلاق کا وقوع کم سے کم ہو۔

طلاق کا کم از کم واقع ہونا جس طرح شریعت میں پسندیدہ امر ہے اسی طرح اس کا حکم بھی ہے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ نکاح کرو، طلاق نہ دو، کیونکہ اس سے عرش رحمان ہل جاتا ہے، گویا کہ طلاق کی وارداتوں کا کم سے کم وقوع پذیر ہونا مقاصد شرع میں سے ہے اور مقاصد شرع کے حصول کے لئے ہر ممکن اور جائز طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔

نیز اس لئے بھی صورت مذکورہ کو جائز ہونا چاہیے کہ وقوع طلاق کے نتیجے میں بے حد نقصانات ہیں، مثلا یہ کہ اس کی وجہ سے زوجین اور ان کے رشتہ داروں کے درمیان عداوت، دشمنی، کینہ اور بغض و حسد پیدا ہوجاتے ہیں۔ انسان کا بسا بسایا گھر اجڑ جاتا ہے، بچے کی پرورش و پرداخت اچھی اور نشو و نما عمدہ نہیں ہوپاتی ہے۔ طرفین کا سکون ختم ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے مقصد تخلیق انسان میں خلل واقع ہوجاتا۔ عرش رحمان میں تزلزل پیدا ہوجاتا ہے۔ حدیث و قرآن کی خلاف ورزی لازم آجاتی ہے، حتی کہ بسا اوقات یہ نوبت بھی آجاتی ہے کہ ایک دوسرے کے رشتہ دار دوسرے کے خون کے پیاسے ہوجاتے ہیں۔

اور جب اس طرح مہر مقرر کیا جائے تو یقین ہے کہ طلاق کے بیجا استعمال سے لوگ گریز کریں گے، کیونکہ عوام الناس کے نزدیک مال کی قیمت بادی النظر میں بہ نسبت جان کے زیادہ ہے۔ اس لئے مال ادا کرنے کے خوف سے بڑی بڑی مشقتوں کو برداشت کر کے نباہ کی صورت ضرور نکال لیں گے، لیکن طلاق پر اقدام نہ کریں گے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں صورتوں میں ایک ایک خرابی کا لازم آنا ضروری ہے۔ اب ایسی صورت میں مسلمانوں کو احسن طریقہ سے زندگی گزارنے کے لئے فقہاء نے یہ ضابطہ مقرر فرمایا ہے کہ جب دو امروں میں سے کسی ایک کا کرنا لازم و ضروری ہو لیکن دونوں امروں میں کچھ خرابی پائی جاتی ہو تو فرمایا گیا کہ "**اھون البلیتین**" پر عمل کیا جائے گا۔ (الاشباہ و النظائر) اب صورت مذکورہ میں سے ایک صورت یہ ہے کہ مہر کی رقم

زیادہ سے زیادہ علی الترديد مقرر کیا جائے ۔ تو اس میں خرابی یہ ہے کہ تقلیل مہر کا شریعت کا جو حکم ہے اس کی خلاف ورزی لازم آتی ہے ۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ مہر کم مقرر کیا جائے جیسا کہ شریعت کا حکم ہے تو خرابی یہ لازم آتی ہے کہ طلاق واقع کرنے میں لوگ ذار بھی تامل نہ کریں گے، جیسا کہ آجکل ہورہا ہے ۔ اور جس طرح طلاق کا بکثرت وقوع مذموم ہے اسی طرح اس کے علاوہ دوسری اور بھی بہت سی خرابیاں لازم آتی ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں ۔

مختصر یہ ہے کہ ایک صورت میں ایک خرابی لازم آتی ہے، اور دوسری صورت میں چند خرابیاں لازم آتی ہیں، جس میں سے ایک صورت اولی میں لازم آنے والی خرابی کے ہم پلہ ہے اور دوسری اس سے زائد، لہذا قاعدہ پر اگر عمل کیا جائے گا یعنی بڑے نقصان سے بچنے کے لئے ہلکے نقصان کو انگیز کرلیا جائے تو کوئی حرج نہ ہونا چاہئے بلکہ جائز و درست ہونا چاہئے ۔

نکاح میں عدم تزوج کی شرط لگانا

اگر بوقت نکاح اس طرح مہر مقرر کیا کہ شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس کا مہر تیس ہزار ہوگا اور اگر اس نے اس عورت کی موجودگی میں دوسری عورت سے شادی نہ کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا تو یہ صورت جائز ہوگی ۔

کیونکہ فقہ حنفی کی کتابوں میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کسی نے ایک عورت سے اس شرط کے ساتھ نکاح کیا کہ اس کو باہر نہ لے جائے گا اور مہر ایک ہزار مقرر ہوا ۔ اور اگر اس کو اس کے میکہ سے باہر لے جائے گا تو اس کا مہر دو ہزار ہوگا، صاحب ہدایہ نے اس مسئلہ کو ذکر کر کے ائمہ احناف کے درمیان اختلاف نقل کیا ہے ۔ ان میں سے حضرات صاحبین کا قول یہ ہے کہ دونوں شرطیں جائز اور لازم العمل ہوں گی، جائز ہونے کا مطلب ہے کہ اگر شوہر نے وعدہ وفا کیا تو اس عورت کا مہر ایک ہزار، وعدہ وفا نہ کیا تو اس عورت کا مہر دو ہزار ہوگا ۔ امام اعظم کی رائے یہ ہے کہ شرط اول صحیح اور شرط ثانی فاسد ہے ۔ یعنی اگر شوہر نے شرط پوری کی تو اس عورت کا مہر ایک ہزار ہوگا ۔ اور اگر شرط کی خلاف ورزی کیا تو اس عورت کا مہر مسمی یعنی دو ہزار واجب الادا نہ ہوگا، بلکہ مہر مثل واجب ہوگا ۔

امام اعظم کی طرف سے یوں استدلال کیا گیا ہے کہ دونوں مہر میں سے اول تو نافذ ہوگیا ۔ اور دوسرا مسمی معلق رہا ۔ پھر مسمی ثانی کی تعلیق جس شرط پر تھی یعنی اس کو اس کے شہر سے باہر لے جانا، جب متحقق ہوا تو مسمی جو معلق تھا وہ نافذ ہوگیا ۔ اب دو قسم کا مہر مسمی ثابت ہوئے، پہلا انعقاد نکاح کے ساتھ ہی نافذ ہوگیا اور دوسرا تحقق شرط کے وقت ثابت ہوا کیونکہ جو مسمی قبل ثابت

ہوچکا ہے وہ معلق کے ثابت ہونے کی وجہ سے ختم نہ ہوا اس لئے تحقق شرط سے قبل ہی شوہر نے ایک طلاق رجعی دیدی۔ پھر یہ عورت اس طلاق کی عدت گزار رہی تھی کہ دخول دار جو شرط تھی اس کا تحقق ہوا، تو دوسری طلاق واقع ہوجائے گی پہلی طلاق ختم نہ ہوگی۔

علی ہذا القیاس اس جگہ دو مہر مسمی ثابت ہیں، جن میں سے کسی ایک کو ترجیح حاصل نہیں تو گویا مہر کے تعیین میں جہالت پیدا ہوگئی اور جہالت مہر کی وجہ سے چونکہ مہر مثل واجب ہوتا ہے، لہذا دوسری صورت میں بھی مہر مثل واجب ہوگا۔

حضرات صاحبین کی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ دونوں مسمی معلق ہے۔ جیسا کہ عبارت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ عبارت اس طرح ہے۔ " **و اما الثانية فكان يتزوجها على الف ان قام بها و على الفين ان اخرجها** " مطلب یہ ہے کہ دونوں مسمی مہر کے لئے ایک ایک شرط ہے، اور یہ الگ بات ہے کہ انعقاد نکاح کے ساتھ ایک مسمی کی شرط کا تحقق ہوگیا تو وہ ثابت ہوگیا، اور جب دوسرے مسمی کی شرط کا تحقق ہوگا تو دوسرا مسمی ثابت ہوجائے گا۔ اور دونوں مسمی میں کوئی تعارض نہیں بلکہ دوسرا مسمی اپنے اندر مسمی اول کو لئے ہوا ہے، اس لئے کہا جائے گا کہ اگر شوہر نے اپنی بیوی کو اس کے وطن سے نکالا تو اس شخص کے ذمہ مہر کی رقم دو ہزار لازم ہوگی۔

اور دوسری وجہ یہ ہے کہ دونوں شرطوں میں سے ہر ایک کے ساتھ عورت کی غرض متعلق ہے لہذا دونوں کا اعتبار کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "**المسلمون عند شروطهم**"

اس کو ایک مثال سے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کی طلاق کو دو چیزوں پر معلق کیا اس کے بعد ایک شرط پائی گئی تو ایک طلاق واقع ہوگئی، اور جب اس کی زوجیت میں رہتے ہوئے دوسری شرط کا تحقق ہوگا تو دوسری طلاق واقع ہوجائے گی، علی ہذا القیاس جب اول مہر مسمی شرط اول یعنی انعقاد نکاح کے ساتھ ہی لازم ہوگیا اور جب دوسری شرط پائی گئی تو مزید ایک ہزار اور یعنی کل دو ہزار مہر اس شوہر کے ذمہ لازم ہوجائے گا۔

اسی طرح ایک مسئلہ لکھا کہ کسی شخص نے ایک عورت سے شادی کی اس شرط کے ساتھ کہ اگر وہ بدصورت ہوگی تو اس کا مہر ایک ہزار اور اگر خوبصورت ہوگی تو اس کا مہر دو ہزار ہوگا۔ تو اس مسئلہ میں امام اعظم ابو حنیفہ کی رائے بھی یہی ہے کہ اگر وہ عورت بدصورت ہوگی تو اس کا مہر ایک ہزار اور اگر خوبصورت ہوگی تو اس کا مہر دو ہزار ہوگا۔ لہذا اگر یہ کہا جائے کہ صورت مذکورہ یعنی اس شرط کے ساتھ نکاح کیا کہ اگر اس عورت کی موجودگی میں دوسری کسی عورت سے شادی نہ کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا اور اگر دوسری کسی عورت سے شادی کیا تو اس کا مہر تیس ہزار ہوگا۔ بالکل صحیح و درست ہونا چاہئے۔ اس کی درستگی کی چند وجہیں میری سمجھ میں آرہی ہیں۔

ایک تو اس وجہ سے کہ اس کی تائید دوسرے مسائل فقہیہ سے ہورہی ہے جس میں سے بعض میں باتفاق فقہا، دو شرطوں کو جائز قرار دیا گیا ہے ۔ اور بعض میں گرچہ اختلاف ہے ۔ لیکن بایں ہمہ دو جلیل القدر امام و فقیہ کا قول ضرور ملتا ہے کہ دونوں شرطیں جائز ہوں گی۔ دوسرے اس وجہ سے بھی صحیح ہونا چاہئے کہ عموماً عقد نکاح کے وقت اس قسم کی شرط لگانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ شوہر کسی دوسری عورت کے ساتھ شادی کرلینے کے بعد عدل بین الزوجتین قائم نہیں کر پائے گا، کیونکہ زمانہ اوراہل زمانہ کے حالات ایسے ہی ہیں کہ جب ایک بیوی کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے شادی کرتا ہے تو پہلی عورت سے بالکل صرف نظر کرلیتا ہے ۔ جس کی وجہ سے پہلی عورت کا نقصان ہوتا ہے تو اس طرح کی شرط لگادی جائے تاکہ وہ شخص کسی دوسری عورت سے شادی کر کے عورت کا کوئی نقصان نہ کرسکے ۔ اور خود عدم اقامت عدل کے عذاب میں گرفتار نہ ہوسکے ۔

نیز فقہی قاعدہ ہے کہ جب کوئی شئی معاشرہ میں عام ہوجاتی ہے اور ان چیزوں کو عقل سلیم نہ مانتی ہو تو ایسی چیزوں کو منکر کہا جاتا ہے اس لئے جب کوئی منکر عمومی حیثیت حاصل کرلے تو ایسی صورت میں اسے عمومی منہی عنہ قرار دے کر حکم امتناعی نافذ کردیا جائے گا ۔ اب جب کہ عام دستور ایسا ہی ہوچکا کہ بین الزوجتین شوہر عدل قائم نہیں کرتے تو ایسی صورت میں یہ حکم بھی عام کردیا جائے گا کہ دوسری کسی عورت سے شادی کرنا اس کے لئے نامناسب ہوگا، یا نا جائز ہوگا۔ کیونکہ قرآن کریم میں یہ حکم صاف ہے کہ اے مسلمانوں اگر تمہیں اقامت عدل میں خوف ہو تو ایک ہی عورت سے شادی کرو ۔ " **وان خفتم الا تعدلوا فواحدة** " اب اگر شوہر عدم اقامت عدل کے خطرہ ہی میں نہیں بلکہ یقینی ہونے کے باوجود دوسری عورت سے شادی کرتا ہے توگویا حکم قرآنی کی اعلانیہ خلاف ورزی کر رہا ہے اور عدم اقامت عدل کا خطرہ یقینی اس لئے ہے کہ یہ منکر عرف عام کی طرح ہوگیا اور عرف عام سے ثابت شدہ امر یقینی ہوتی ہے جیسا کہ ہدایہ میں ہے " **الثابت بالعرف كالمتيقن به** " ( ) لہٰذا ایسی صورت میں شوہر کو ایسی نازیبا حرکت سے روکنا ضروری ہو گا، جس کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے جاسکتے ہیں، منجملہ ان طریقوں میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ بوقت نکاح ہی اس قسم کی شرط لگادی جائے کہ اگر اس عورت کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے شادی کی تو اسے مہر کی رقم میں تیس ہزار روپے ادا کرنے ہوں گے ۔

نیز اس قسم کی شرط کے بارے میں حدیث بھی ہے کہ " **المسلمون على شروطهم الخ** اسی وجہ سے حضرات صاحبین کی رائے یہی ہے کہ دونوں شرطیں جائز و معتبر ہوں گی۔

ایک شبہ : کسی کو ایسی صورت میں یہ وہم ہو سکتا ہے کہ اس قسم کی شرط لگانے کی وجہ سے شوہر کے لئے ایک چیز جو حلال تھی وہ ان پر حرام کرنا لازم آتا ہے ۔ یعنی ہر مرد کے لئے زیادہ سے زیادہ چار عورتوں سے شادی کی

شریعت نے اجازت دی ہے اور اس صورت میں اس سے اس کو روکنا لازم آتا ہے جو بہر حال ایک حلال چیز کو حرام کرنا ہے اور وہ ہر شرط جو حلال کو حرام کردے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ اس لئے شرط مذکور کا کوئی اعتبار نہ ہونا چاہئے۔

تو جواب یہ ہے کہ اس قسم کا شبہ یہاں واقع ہی نہیں ہوسکتا، کیونکہ یہ شبہ تو اس وقت واقع ہوگا جب اس شخص کے لئے ایک عورت کی موجودگی میں دوسری عورت سے شادی کرنا جائز ہوتا۔ اور اس جملہ میں ہم یہ ثابت کرچکے ہیں کہ صورت حال اور ماحول نے انسانیت کو ایسے موڑ پر لاکھڑا کیا ہے کہ کہنا پڑے گا کہ دوسری عورت سے اس کے لئے شادی کرنا درست ہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ زمانہ اور اہل زمانہ کے حالات ایسے ہوگئے ہیں کہ عدم اقامت عدل بین الزوجتین یقینی ہوگیا ہے۔ اور قرآن کریم کا حکم ہے کہ جب عدل بین الزوجتین قائم کرنے کا خوف ہو تو ایک ہی عورت سے شادی کرنا کافی ہے۔ دوسری کسی عورت کی لالچ کرنا صحیح نہیں۔ تو میری سمجھ میں یہ آرہا ہے کہ موجودہ دور میں قرآن کا یہ حکم " **ان خفتم ان لا تعدلوا فواحدة** " ہی قابل عمل ہے۔ تو گویا کہ اس قسم کی شرط لگاکر عورت نے اپنے شوہر کو ایک حکم قرآنی پر عمل کی دعوت دی ہے۔

(هذا ما فهمت من كلام الفقهاء و المفسرين۔ و الله اعلم بالصواب (ملاحظہ ہو فتح القدير ج ۳ ص ۳۳۔ ۲۳۷ و بحر الرائق ج ۲ ص ۲۸۷ و رد المحتار ج ۲ ص ۱۷۶۔ ۱۷۷)

عورت کا اپنی ملازمت کی شرط لگانا

بوقت نکاح عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کو موجودہ ملازمت یا آئندہ ملنے والی ملازمت سے نہ روکے گا۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ یعنی اگر اس قسم کی شرط لگاکر کسی کا نکاح ہوا تو یہ شرط فاسد ہوگی، اور نکاح منعقد ہوجائے گا۔

کیونکہ اللہ تعالی نے تمام مخلوقات میں انسان کو مخدوم اور دیگر تمام مخلوقات کو خادم کی حیثیت سے پیدا فرمایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی زندگی میں پیش آنے والے تمام حالات و واقعات میں اس کی رہنمائی کے لئے اپنے برگزیدہ بندوں یعنی رسولوں کا سلسلہ جاری فرمایا۔ اس برگزیدہ شخصیت نے جہاں اور تمام احکام کی عملی اور قولی تشریح فرمائی ہے وہیں خاص مرد و عورت کے حقوق و فرائض کی تعیین بھی کی ہے۔ مردوں کو حکم ہوا۔ " **سيروا فى الارض و ابتغوا من فضل الله** " اور دوسری جگہ حکم ہوا کہ جب نماز پوری کرچکو تو تلاش معاش کے لئے زمین میں پھیل جاؤ۔ لیکن عورتوں کو اس قسم کا کہیں حکم نہیں آیا کہ تم بھی تلاش معاش میں سرگرداں پھرتی رہو۔ بلکہ ایسے

موقعہ پر ارشاد ہوا کہ عورت کا اپنے مرد کے ساتھ تجارت میں شریک ہونا یعنی کار تجارت مل کر انجام دے رہے ہوں یہ علامت قیامت میں سے ہے ۔ اسی طرح عورت و مرد کے فرق مراتب کو بیان کیا گیا " **الرجال قوامون علی النساء** " کہ مردوں کو عورتوں کا حکام بنایا گیا ہے ۔ قرآن کریم میں اس کی علت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ مردوں کو عورت کا حاکم بنانے میں بہت ساری حکمتیں اور مصلحتیں کار فرما ہیں ۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہمارے اختیار کی بات ہے کہ بعض کو افضل اور بعض کو مفضول کردیں ۔ " **و بما فضل اللہ بعضہم علی بعض** " دوسری وجہ ہے کہ مرد کو یہ حکم ہوا کہ وہ اپنی محنت و مشقت سے کما کر عورت پر مال خرچ کرے " **و بما انفقوا** " تیسرے اس وجہ سے کہ اللہ تعالی نے مردوں کو علمی اور عملی قوتیں بہ نسبت عورت کے بہت زیادہ عنایت کی ہے ، یہاں تک کہ عورتوں کو ناقصات عقل و ناقصات دین کہا گیا ہے ۔

پس اگر عورت بذات خود یا اس کا ولی یا وکیل بوقت نکاح یہ شرط لگائے کہ شوہر اس عورت کو اس کی موجودہ ملازمت سے یا آئندہ ہونے والی ملازمت سے نہ روکے گا ۔ اور ہونے والا شوہر اس شرط کو قبول و منظور بھی کرلیتا ہے تو نکاح منعقد ہوجائے گا ، لیکن شوہر پر اس شرط کی پابندی ضروری نہ ہوگی ۔ اور اگر شوہر اپنی اسی بیوی کو اس کی موجودہ یا آئندہ ہونے والی ملازمت سے روکتا ہے تو عورت پر لازم ہوگا کہ وہ شوہر کا حکم مان کر ملازمت سے باز آجائے ۔

اشتراط فی النکاح اور اس کے احکام

مولانا محمد اقبال قاسمی ٭

عقد نکاح کے ساتھ فریقین جو شرائط طے کرتے ہیں ہم ان کو تین قسموں میں تقسیم کرسکتے ہیں:

١۔ ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو اسی کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کردیا گیا ہو، مثلا بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا۔ مختصر لفظوں میں اس کو یوں تعبیر کرسکتے ہیں۔ وہ شرائط جو مقتضائے عقد کے مطابق ہوں جیسے نفقہ، سکنیٰ اور کسوہ کی شرط لگانا۔

٢۔ نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی کوئی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو۔

٣۔ نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط عائد کرنا جو پہلی اور دوسری قسم میں سے کسی کے دائرہ میں نہیں آتی ہے، اس کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی، مثلا عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا۔ اس کی فقہی تعبیر **مالیس من القسمین** سے ہوسکتی ہے۔

٭ استاذ مدرسہ اسلامیہ شکر پور، بھرواڑہ، دربھنگہ، بہار

پہلی قسم کا شرعی حکم

اس قسم کے شرائط کا حکم یہ ہے کہ انکا پورا کرنا بالاتفاق واجب ہے کیونکہ وجوب فریقین کی آپسی اور باہمی رضامندی پر موقوف نہیں بلکہ شریعت بیضاء نے از خود محض عقد کی بنیاد پر واجب کردی ہے، اگرچہ بوقت عقد اس کی تصریح یا شرط نہ لگائی گئی ہو، مسلم شریف میں حدیث ہے " **ان احق الشروط ان یوفی به ما استحللتم به الفروج** " (**مسلم شریف ۱۔ ۴۵۵**) پوری کرنے کے اعتبار سے لائق ترین وہ شرط ہے جس کے ذریعہ تم نے شرمگاہوں کو حلال کیا " علامہ خطابی شرائط نکاح کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" **فمنها ما یجب الوفاء به اتفاقا وهو ما امر الله به من امساک بمعروف او تسریح باحسان** " (**حاشیة بخاری ۲۔ ۲** " بعض شرائط وہ ہیں جن کو پورا کرنا بالاتفاق ضروری ہے اور وہ ہیں جن کا اللہ نے حکم دیا ہے یعنی یا تو معروف طریقے پر روکنا یا اچھے طرز پر چھوڑ دینا۔

تقریر ترمذی میں حضرت شیخ الہند تحریر فرماتے ہیں۔

" **الشروط اللاتی من مقتضیات النکاح مثل المهر و النفقة و السکنی لا مطلق الشروط فهذه الشرط یجب علی الزوج استیفاؤها** (**تقریر الترمذی للشیخ محمود حسن الدیوبندی مع سنن الترمذی، ص ۳۲ ج ۲**

حضرت عمر کا قول " **المؤمنون علی شروطهم عند مقاطع حقوقهم** " (**بخاری شریف ۲۔۲**)

دوسری قسم کا شرعی حکم

اس کا حکم یہ ہے کہ شرائط باطل ہیں اور نکاح منعقد ہوجاتا ہے، اور ان شرائط کی پابندی متعلق فریق کے لئے ضروری نہیں، کیونکہ ان شرائط کی وجہ سے ان چیزوں کا ابطال لازم آتا ہے جو شریعت نے عقد کی بناء پر واجب کی ہے اسی وجہ سے جب حضرت فاطمہ بنت قیس نے یہ حدیث پیش کی کہ " میرے شوہر ابو عمرو بن حفص نے مجھے طلاق بتہ دے دی، جب میں خدمت اقدس میں حاضر ہوئی تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ " تیرے لئے عدت میں نہ نفقہ ہے نہ سکنی " تو حضرت عائشہ نے ان کی روایت کو شریعت کے خلاف دیکھ کر فرمایا " فاطمہ کو کیا ہوگیا کیا وہ اللہ سے (اس روایت کو بیان کرنے میں) نہیں ڈرتی " اور حضرت عمر نے تردید کرتے ہوئے فرمایا۔

لا ندع کتاب ربنا و سنة نبینا بقول امراة نسیت او شبه لها " (**مشکوة شریف ۲ ۔ ۲۸۸**

حدیث میں ہے:

" **ماكان من شرط ليس فی كتاب الله فهو باطل و ان كان مائة شرط. قضاء الله احق و شرط الله اوثق** " (بخاری شریف ١۔ ٣٧٧)

" جو شرط کتاب اللہ میں نہیں وہ باطل ہے خواہ ایک سو شرائط کیوں نہ ہوں، اللہ کا فیصلہ زیادہ اتباع کے لائق ہے اور اللہ کی شرط زیادہ معتمد علیہ ہے " حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں لکھتے ہیں:

" وہ شرط جو مقتضائے نکاح کے خلاف اور منافی ہو مثلاً یہ شرط کہ عورت کے لئے کوئی باری رات گزاری کی نہیں، یا اس عورت کے ہوتے ہوئے کسی باندی سے جماع نہیں کرے گا، یا نفقہ نہیں دے گا وغیرہ وغیرہ، تو اس شرط کو پورا کرنا لازم نہیں بلکہ اگر صلب عقد میں یہ شرط واقع ہو تو شرط لغو اور باطل قرار پائے گی اور نکاح مہر مثل کے ساتھ درست ہوجائے گا " (فتح الباری ٩۔ ٢١٨ باب الشروط فی النکاح، شرح مسلم للنووی ١۔ ٢٥٥)

علامہ خطابی نے اس قسم کو ان لفظوں میں بیان کیا ہے: " **ومنها مالا يوفى به اتفاقاً** ") (حاشیہ بخاری شریف ٢۔ ٧٧٢)

بدائع الصنائع میں علامہ کاسانی شرط فاسد سے نکاح کے عدم فساد کو ان لفظوں میں واضح کرتے ہیں:

" **النكاح لا يفسد بالشرط الفاسد** " (بدائع الصنائع ٢۔ ٢٨٢) نکاح شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا۔

تیسری قسم کا شرعی حکم

اس نوع کا حکم مختلف فیہ ہے، امام احمد، امام اسحاق اور امام اوزاعی وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ شرط کے مطابق عمل کرنا واجب ہے، اگر شرط کو پورا نہ کرے تو عورت کو نکاح فسخ کرانے کا حق ہوگا (المغنی لابن قدامہ ٦۔ ٥٢٩)

جب کہ امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور سفیان ثوری کا مسلک یہ ہے کہ اس قسم کی شرطیں قضاءً لازم الایفاء نہیں، اور ان سے عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ دیانتاً ضروری ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے " **واوفوا بالعهد ان العهد كان مسئولا** " تم اپنے عہد کو پورا کرو، بلاشبہ تم سے عہد کے بارے میں بروز قیامت سوال ہوگا۔ اسی طرح " **يا ايها الذين آمنوا اوفوا بالعقود** " امام ترمذی دونوں مسلکوں کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

جب کسی نے ایک عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ وہ اس کو شہر سے نہیں نکالے گا تو شوہر کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس کو نکالے یہی امام شافعی، امام احمد اور امام اسحاق کا قول ہے، اور علی بن ابی طالب نے فرمایا کہ

عورت کی شرط سے پہلے اللہ کی شرط ہے ، گویا انہوں نے شوہر کو نکالنے کی اجازت دی ، اگرچہ عورت نے نہ نکالنے کی شرط لگادی ہو ۔۔ یہی سفیان ثوری اور بعض کوفیین کا قول ہے " (ترمذی ١ ۔ ٢١٢)

امام ترمذی نے امام شافعی کا مسلک اگرچہ امام احمد کے مطابق ذکر کیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے ساتھ ہیں ۔ چنانچہ حافظ ابن حجر امام ترمذی کا قول نقل کرکے فرماتے ہیں " **والنقل فی هذا من الشافعی غریب** " (**فتح الباری ٩ ۔ ٢١٨**) امام نووی نے بھی یہی لکھا ہے (**کما فی شرح مسلم للنووی ١ ۔ ٢٥٥**)

بدائع میں علامہ کاسانی احناف کا مسلک ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

" **ان ماشرط الزوج من طلاق المراة و ترک الخروج من البلد لایلزمه فی الحکم لان ذالک وعدلها فلا یکلف به** " (**بدائع الصنائع ٢ ۔ ٢٨٥**) "

بلاشبہ دوسری بیوی کو طلاق دینے یا شہر سے نہ نکالنے کی شرط شوہر کے لئے قضاء لازم نہیں ہے ، اس لئے کہ یہ وعدہ ہے جس کا شوہر کو مکلف نہیں بنایا جاسکتا ہے ۔ اور لگے ہاتھوں " الکوکب الدری " کی وہ عبارت ذکر کردینا برمحل ہے جو مذکورہ تین قسموں کو مع ان کے احکام کے شامل ہے ۔

" **و الحاصل ان الشروط ثلثة اصناف ۔ مایوجبه الزواج من غیر اشتراط کالنفقة و السکنی ۔ فهذا یجب الایفاء به و ان لم یشترط ۔ و ما ینافی کتاب الله و نص رسوله ۔ فهذا لا یجوز العمل بها وان اشترط ... و مالیس من القسمین فهی مباحة اتیانها وترکها ۔ فهذه یجب الایفاء بها اذا اشترط ۔ و ان لم یکن یشترط لا** " (**الکوکب الدری ١ ۔ ٣٣٦** ۔)

٢ ۔ شرائط تفویض اور اس کے احکام

" عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا ، اور شوہر اس شرط کو تسلیم کرتا ہے تو اس کی تین صورتیں نکل سکتی ہیں "

١ ۔ عقد نکاح سے قبل شرائط طے ہوجائیں اور اس کی تحریر پر طرفین کا دستخط ہوجائے ۔

٢ ۔ بوقت عقد نکاح ان شرائط کا زبانی ذکر کیا جائے ، ایجاب مشروط ہو یا ایجاب مطلق اور قبول مشروط ہو ۔

٣ ۔ عقد نکاح کے بعد طرفین کے مابین کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے ۔

پھر بیوی کو طلاق کا حق تفویض کرنے کے بعد شوہر تفویض طلاق کو ختم کرسکتا ہے یا نہیں ؟

عقد نکاح سے قبل شرائط تفویض

اجمالاً یہ سمجھنا چاہئے کہ تفویض طلاق کی مذکورہ تینوں صورتیں معتبر اور درست ہیں مگر پہلی اور دوسری صورت کے معتبر اور مفید ہونے کے لئے ایک شرط ہے جس کو ابھی ہم بیان کریں گے۔ رہا تفویض کے بعد اس سے رجوع کرنا تو یہ شوہر کے قبضہ سے خارج ہے، اس کی زبان سے تفویض کے الفاظ نکلنے کے بعد اس کو ختم کرنے کا کوئی حق نہیں۔ بدائع الصنائع میں علامہ کاسانی بہت ہی عمدہ اسلوب میں لکھتے ہیں:

" اما بیان صفته فهو انه لازم من جانب الزوج حتی لایملک الرجوع منه و لانهی المراة مما جعل الیها و لا فسخ ذالک "(بدائع الصنائع ٣۔١١٣)

" اس کی کیفیت یہ ہے کہ یہ زوج کی جانب سے لازم ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ اس سے رجوع یا عورت کو حق تفویض سے روکنے کا نہیں، اور نہ اس کو فسخ کرنے کا حق ہے "

تفصیل یہ ہے کہ اگر تفویض نامہ نکاح سے پہلے لکھا جاوے تو اس کے معتبر ہونے اور مفید ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت اور نسبت موجود ہو۔ مثلاً یہ لکھا جاوے کہ اگر میں فلاں بنت فلاں کے ساتھ نکاح کروں، اور تفویض نامہ میں ذکر کردہ شرائط میں سے کسی شرط کے خلاف کروں تو مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا پھر جس وقت چاہے اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کرکے نکاح سے الگ ہوجائے ۔۔۔ اگر اس میں اضافت الی النکاح نہ لکھی گئی تو یہ تفویض نامہ غیر معتبر ہوگا اور اس کی رو سے عورت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہ ہوگا۔

صاحب قدوری تعلیق بالشرط کے مسائل کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" و لایصح اضافة الطلاق الا ان یکون الحالف مالکا او یضیفه الی ملکه فان قال لاجنبیة ان دخلت الدار فانت طالق ثم تزوجها فدخلت الدار لم تطلق "(قدوری کتاب الطلاق۔١٧٣)

اور طلاق کی نسبت شرط کی جانب درست نہیں مگر یہ کہ طلاق کو معلق کرنے والا مالک ہو یا ملکیت کی طرف طلاق کو منسوب کرے، اسی وجہ سے اگر کسی نے اجنبیہ عورت سے کہا اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تجھ کو طلاق، پھر اس سے شادی کرلی اور پھر وہ گھر میں داخل ہوئی تو طلاق نہیں ہوگی "

عالمگیری میں تفویض بالشرط کو معلق کرنے کے اقسام کو بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

" دوسری قسم فلاں وقت تک مہر معجل کو ادا نہ کرنے کی صورت میں تعلیق تفویض، اس قسم کو لکھنے کا طریقہ یہ

ہے کہ عورت کے امر کو مطلقا اس کے اختیار میں دے دے ایک طلاق بائن واقع کرنے کے بارے میں۔ اس شرط کے ساتھ کہ جب مہینہ کے شروع یا آخر کے ایام گزر جائیں اور شوہر پورے مہر معجل کو ادا نہ کرے، جس کی مقدار اتنی ہے تو عورت اپنے آپ کو ایک طلاق بائن اس مدت کے بعد جب چاہے دیدے گی اور اس طلاق کو اس نے اس کے حوالہ کردیا۔ اور عورت نے مجلس تفویض میں اس کو قبول کرلیا۔ تیسری قسم تفویض کو شوہر کے جوا کھیلنے یا شراب پینے یا سخت پٹائی کرنے کی شرط کے ساتھ معلق کرنا، اس تفویض نامہ کو بھی تحریری شکل میں لانے کا طریقہ وہی ہے جو ہم نے (دوسری قسم میں) بیان کیا (عالمگیری کتاب الشروط ۶۔ ۲۷۶)

اور اس پہلی صورت کو لکھوانے اور زبانی کہنے کا حکم برابر ہے، لیکن چونکہ عموماً لکھوانے کا معمول ہے اور اس کے بغیر شوہر کے لئے انکار اور ٹال مٹول کی گنجائش نکل سکتی ہے اس لئے اس کو قید تحریر میں لے آنا احوط ہے۔

اور اگر اضافت الی النکاح نہ ہو تو اس اقرار کا کوئی اعتبار نہیں، ہاں اگر تحریر عقد نکاح سے قبل لکھوالی گئی اور دولہا اور گواہان کے دستخط بعد عقد کرائے گئے تو اس صورت میں تفویض نامہ کی تکمیل کے بعد عقد نکاح ہونے کی وجہ سے اضافت کی کوئی ضرورت نہیں اور یہ تیسری شکل میں داخل ہے۔

بوقت عقد نکاح شرائط تفویض

دوسری صورت یہ ہے کہ عین ایجاب و قبول ہی میں زبانی شرائط مذکور ہوں، یہ صورت بھی معتبر اور درست ہے، اس کے صحیح اور معتبر ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو یعنی اولا خود عورت یا اس کا ولی یا وکیل عقد نکاح کے وقت یوں کہے کہ "میں نے اپنے آپ کو یا مسماۃ فلانہ بنت فلاں کو تیرے نکاح میں اس شرط پر دیا کہ اگر آپ نے فلاں، فلاں کام کیا (جتنی شرطیں لگانا مقصود ہوں سب کو ذکر کردیا جائے) تو اپنے معاملہ کا اختیار میرے ہاتھ، یا مسماۃ موصوفہ کے ہاتھ میں ہوگا اور شرائط مذکورہ میں سے کسی ایک شرط کی خلاف ورزی پر بھی اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا جب چاہے اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس نکاح سے الگ کرلوں، اس کے جواب میں مرد ناکح کہے میں نے قبول کرلیا یا شرائط سمیت قبول کرلیا۔ اس کے بعد جب عورت شوہر کی جانب سے شرط کی خلاف ورزی دیکھے تو ایک طلاق بائن کے ذریعہ جدائی اور فرقت اختیار کرلے۔

اور اگر ایجاب مرد کی جانب سے ہو اور لڑکی والے قبول کے ساتھ تفویض کے شرائط بھی ذکر کریں تو شرط باطل اور نکاح بلا کسی شرط کے درست ہوجائے گا اور عورت کے لئے کسی قسم کا اختیار نہ ہوگا۔

علامہ شامی در مختار کی عبارت " **نکحها على ان امرها بيدها صح** " کے ذیل میں لکھتے ہیں :

" مصنف کا قول " **صح** " مقید ہے اس کے ساتھ کہ ابتداء (ایجاب) عورت کی جانب سے ہو، لہذا عورت کہے گی کہ میں نے اپنی شادی تجھ سے اس شرط پر کی کہ میرا معاملہ میرے اختیار میں ہوگا، جب جب بھی چاہوں گی میں اپنے آپ کو طلاق دے لوں گی اور شوہر اس کو قبول کرلے، اور اگر ابتداء (ایجاب) زوج کی جانب سے ہو تو طلاق واقع کرنے کا کوئی حق نہیں ہوگا، اور امر اس کے اختیار میں نہ ہوگا (الدر المختار مع رد المحتار ۲۔ ۵۷۲ ط ماجدیہ پاکستان)

فتاوی ہندیہ کتاب الحیل میں مرقوم ہے ۔

" **حيلة اخرى فى اصل المسئلة ان تقول المراة للمحلل زوجت نفسى منك على ان امرى بيدى اطلق نفسى كلما اريد ثم يقبل الزوج فيصير الامر بيدها تطلق نفسها كلما ارادت . و لوبدء المحلل فقال تزوجتك على ان امرك بيدك تطلقى نفسك كلما تريدين فقبلت لا يصير الامر بيدها** " (**هندية ۲۔ ۳۹۲**)

عورت اور مرد کے ایجاب میں فرق بیان کرتے ہوئے فقیہ ابو اللیث سمرقندی لکھتے ہیں :

" اس لیے کہ ابتداء جب زوج کی جانب سے ہوگی تو طلاق کی تفویض نکاح سے قبل ہوجائے گی اور یہ درست نہیں اور جب ابتداء عورت کی جانب سے ہوگی تو طلاق کی تفویض نکاح کے بعد ہورہی ہے ۔ اس لئے کہ جب مرد ناکح نے عورت کے کلام کے بعد قبلت کہا اور جواب سوال کو متضمن ہوتا ہی ہے تو یہ ایسا ہوگیا جیسا کہ شوہر کہہ رہا ہو کہ میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ تجھ کو طلاق کا اختیار ہوگا، یا تیرا امر تیرے اختیار میں ہوگا، چنانچہ یہ تفویض نکاح کے بعد ہورہی ہے (شامی ۲۔ ۲۷۲)

شامی کی مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ وجہ فرق صرف یہ ہے کہ ایک میں تفویض نکاح سے قبل ہے جو درست نہیں اور ایک میں بعد نکاح ہے جو درست ہے ۔ لہذا اگر شوہر ایجاب کرے اور تفویض کی نسبت مابعد النکاح کی طرف کرے اور عورت قبول کرلے تو بھی تفویض درست ہوگی، فتاوی ہندیہ میں لکھا ہے :

" **وحيلة اخرى ان يقول الزوج المحلل للمراة تزوجتك على ان امرك بيدك بعدما تزوجتك و طلقى نفسك كلما تريدين فقالت المراة قبلت يصير الامر بيدها ايضا** " (**هندية ۲۔ ۳۹۲**)

اور اگر ایجاب عورت ہی کی طرف سے ہو مگر شرط تفویض کا ذکر نہیں ہوا اور مرد نے قبول میں شرط تفویض کے اضافہ کے ساتھ قبول کیا تب بھی تفویض درست ہے ۔ لیکن چونکہ اس صورت میں صرف مرد کو اختیار ہے خواہ بالشرط قبول کرے یا بلاشرط ، عورت جبر نہیں کر سکتی ۔ کیونکہ جب عورت کی جانب سے ایجاب مطلق ہو اور مرد نے اس کو قبول کرلیا تو اب شرائط کا ذکر عورت کے قبضے سے خارج ہوگیا اب تو مرد کے لئے اختیار ہے کہ مطلق قبول کرے یا مشروط ، اس لئے جو عورت احتیاط کی طالب ہو اسے ایجاب کو شرط کے ساتھ مقید کردینا چاہئے تا کہ مرد کے لئے راہ فرار اختیار کرنے کا موقع نہ رہے ۔ البتہ اگر مرد کے قبول سے پہلے پہلے عورت یا ولی کو شرط کا خیال آگیا اور ذکر کردیا تو بھی بلا شرط قبول کرنے کا حق نہ رہے گا فتاوی ہندیہ میں ہے :

" ہمارے نزدیک فی الفور قبول کرنا شرط نہیں ۔۔۔ شرط یہ ہے کہ قبول ایجاب کے مخالف نہ ہو " (ایضا ۱ ۔ ۲۷۹)

عقد نکاح کے بعد شرائط تفویض

اس کی صورت یہ ہے کہ نکاح کے بعد تفویض نامہ تحریر کیا جائے ۔ یا زبانی شوہر کے طلاق کو عورت کے سپرد کردیا جائے یہ درست ہے اور عورت کو اختیار ہوگا طلاق واقع کرنے کا ۔

پھر تفویض اگر مطلق ہو اور وقت کو ذکر نہ کیا گیا تو یہ تفویض مجلس علم تک محدود رہے گی ، اگر وہ اپنے کو اس مجلس میں اختیار کرلے تو ایک طلاق بائن پڑ جائے گی ورنہ حق تفویض ختم ہوجائے گی ۔ بدائع الصنائع میں ہے :

" فان كان مطلقا بان قال امرك بيدك فشرط بقاء حكمه بقاء المجلس و هو مجلس علمها بالتفويض فما دامت فى مجلسها فالامر بيدها " (بدائع الصنائع ۳ ۔ ۱۱۳)

اور اگر تفویض موقت ہو لیکن وہ وقت عام ہو ، ایام ، اشہر اور سنین کے ساتھ تحدید نہ ہو تو عورت کا خیار مجلس تک مقید نہ ہوگا بلکہ جس وقت چاہے طلاق دے سکتی ہے ۔ علامہ کاسانی نے بہت ہی عمدہ انداز میں اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے ۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں :

" فاما اذا كان موقتا فان اطلق الوقت بان قال امرك بيدك اذا شئت او اذا ماشئت او متى ما شئت او حيثما شئت فلها الخيار فى المجلس و غير المجلس و لا يتقيد بالمجلس ... فلها ان تطلق نفسها فى اى وقت شائت الا انها لا تملك ان تطلق نفسها الامرة واحدة " (ايضا ۳ ۔ ۱۱۵)

یہ تیسری صورت شوہر کی رضا مندی پر موقوف ہے ، اس پر شوہر کو مجبور نہیں کیا جاسکتا ، کیونکہ عقد نکاح کے بعد شرط کو منوانا بیوی کے اختیار سے باہر کی بات ہوجاتی ہے ۔ اس لئے جو عورت مستقبل میں شوہر کے مصائب و آلام اور ضرب موجع سے خلاصی چاہتی ہے تو اسے چاہیئے کہ تفویض نامہ ، اقرار نامہ ، شرائط نامہ نکاح سے پہلے یا عقد کے وقت لکھوالے ۔ $\frac{21}{11}$

تفویض نامہ میں احتیاطاً مزید قیودات

چونکہ عورتیں ناقص العقل والدین ہوتی ہیں ۔ اس لیے طلاق کو مطلقاً اس کے ہاتھوں میں دے دینا خطرہ سے خالی نہیں ، اس لیے مناسب یہ ہے کہ تفویض نامہ میں مناسب قیود احتیاطاً لگادی جائیں جو مفید ہوں اور بیجا تصرف کا سد باب کریں ، مثلاً عورت یا متولی یا وکیل یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسماۃ فلانہ بنت فلاں کو تمہارے نکاح میں اس شرط پر دے دیا کہ جس وقت اس کو تم سے تکلیف شدید پہنچے گی جس کو فلاں فلاں اشخاص میں سے کم از کم دو تین افراد تسلیم کریں اور وہ دونوں یا تینوں طلاق کو مناسب بھی کہیں تو اس کے بعد ہر وقت معاملہ میرے اختیار میں ہوگا کہ اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر جدائیگی اختیار کرلوں ، یا مرد مہر معاف کرنے کی شرط لگالے اور عورت یوں کہے کہ " مہر معاف کر کے اپنے آپ کو اختیار کرلوں گی " بحر الرائق میں علامہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں

" قال لها امر ثلاث تطليقات بيدك ان ابرائتني عن مهرك ... ان قدمت الابراء وقع و ان لم تبرائه عن المهر لا يقع لان التوكيل كان بشرط الابراء " (البحر ۳ ـ ۳۱۹)

" بیوی سے کہا تینوں طلاقوں کا مسئلہ تیرے ہاتھ میں ہے اگر تو اپنے مہر سے بری کردے ... اگر پہلے عورت بری کردے تو طلاق واقع ہوجائے گی اور اگر مہر سے بری نہیں کیا تو نہیں پڑے گی اس لئے کہ توکیل ابراء کی شرط کے ساتھ مشروط ہے " ۔

مہر کی تکثیر و تقلیل کا مدار وجود شرط پر

بعض شرطیں اور ان کا حکم ۔ ١ ۔ بوقت عقد اس طرح مہر طے کرنا کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو مہر دس ہزار ہے ۔ ٢ ۔ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا اور اگر نہیں نکاح کیا تو مہر پندرہ ہزار ہوگا ۔

اس طرح کی شرطوں کا حکم یہ ہے کہ اس کو پورا کرنا دیانتاً واجب ہے قضاء واجب نہیں ۔ اس لئے کہ اس کی حیثیت محض وعدہ کی ہے اور وعدہ کو پورا کرنے کا قضاء مکلف نہیں بنایا جاسکتا ، اگرچہ مومن کی شان ایفاء عہد بتلائی گئی ہے " **و الذین یوفون بعهدهم و لا ینقضون المیثاق** " نیز وعدہ کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے ۔ " **واوفو بالعهد ان العهد کان مسئولا** " لیکن ان نصوص کی بنیاد دیانت اور تقوی پر ہے ۔ علامہ کاسانی تحریر فرماتے ہیں

" **ان ما شرط الزوج من طلاق المراة و ترک الخروج من البلد لا یلزمه فی الحکم لان ذالک وعدلها فلا یکلف به** " (بدائع ۲۔ ۲۸۵)

حضرت عمر کا ارشاد گرامی ہے : " **المؤمنون علی شروطهم عند مقاطع حقوقهم** " (حاشیہ بخاری ۲۔ ۷۷۲)

باقی جہاں تک مہر کا مسئلہ ہے تو اگر شرط کو شوہر نے پورا کردیا اور بیوی کو طلاق نہیں دی یا دوسرے سے عقد نہیں کیا تو اس کے لئے مہر مسمی لازم ہوگا ، اور دوسری صورت میں جب کہ شوہر نے وعدہ خلافی کی ، اور بیوی کو طلاق دے دی یا دوسری عورت سے عقد کرلیا تو مفتی بہ قول کے مطابق امام اعظم کے نزدیک مہر مثل لازم ہونا چاہئے اور صاحبین کے نزدیک جو طے ہوا ہے عدم ایفاء کی صورت میں وہ لازم ہونا چاہئے ۔ علامہ کاسانی لکھتے ہیں :

" **و اما المهر فالشرط الاول جائز بلا خلاف فان وقع الوفاء به فلها ما سمی علی ذالک الشرط و ان لم یقع الوفاء به فان کان علی خلاف ذالک او فعل خلاف ما شرط لها فلها مهر مثلها لا ینقص من الاصل و لا یزاد علی الاکثر و هذا قول ابی حنیفة و قال ابو یوسف و محمد الشرطان جائزان** (بدائع ۲۔ ۲۸۵)

لیکن اس طرح کے شرائط درست نہیں معلوم ہوتے ۔ اس لئے کہ بسا اوقات زوجین کے مابین ایسی تلخیاں پیدا ہوجاتی ہیں جن کی وجہ سے طلاق کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہوتا ۔ اور اس میں قصور وار اور خطاوار صرف عورت ہی ہوتی ہے ۔ اگر اس طرح کی شرطیں لگانے کی عام اجازت دی جائے گی تو اس سے مقصد طلاق فوت ہونے کا قوی اندیشہ ہے ، نیز اس کی وجہ سے عورت بیجا مرد پر جسارت اور جراءت کرے گی ، اور شوہر کے " قوام " ہونے کے بجائے عورت " قوام " ہوجائے گی اور یہ شرطیں فتنہ کے لئے سد باب کے بجائے فتح باب ثابت ہوں گی ، اس لئے میرے نزدیک اس طرح کی شرطیں بالکل بیجا اور راہ حق سے بالکل بہت دور معلوم ہوتی ہیں جن کی عورتوں کو بالکل اجازت نہیں دی جاسکتی ، اور بے وجہ صاحبین کے قول پر فتوی دینے کی گنجائش نظر نہیں آتی اس لئے امام اعظم کے قول پر فتوی دیا جائے ۔

البتہ جس شخص کی خصلت خراب ہو، انتہائی بد دین اور راہ صواب سے ہٹا ہوا ہو اور اس کے بارے میں یہ یقین یا ظن غالب ہو کہ وہ شادی کے بعد اپنی بیوی پر ظالمانہ، سفاکانہ رویہ اختیار کرے گا، اور عدم قدرت کے باوجود ایک سے زائد شادی کرے گا یا طلاق دیدے گا، تو ایسی صورتوں میں مناسب شرائط یا مہر میں اضافہ کرنا بالکل بجا اور درست ہے اور صاحبین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے لیکن یہ شاذ و نادر ہے جس پر عمومی حکم نہیں لگایا جاسکتا مختصر یہ ہے کہ فتویٰ امام صاحب کے قول پر دیا جائے گا صاحبین کے قول پر نہیں۔

۳۔ خواتین کی ملازمت کی شرعی حیثیت اور عقد نکاح میں اس کی شرط

فواحش، بدکاری، زنا اور اس کے مقدمات دنیا کی ان مہلک برائیوں میں ہے جن کے مہلک اثرات صرف اشخاص و افراد ہی کو نہیں بلکہ قبائل اور خاندانوں اور بعض اوقات بڑے بڑے ملکوں کو تباہ و برباد کردیتے ہیں۔

دنیا کے اس آخری دور میں یوروپین اقوام نے اپنی مذہبی حدود اور قدیم و قومی روایات سب توڑ کر اگرچہ زنا کو اپنی ذات میں کوئی جرم ہی نہیں رکھا اور تمدن و معاشرت کو ایسے سانچے میں ڈھال دیا ہے جن میں ہر قدم جنسی انارکی اور فواحش کو دعوت عام ہے، لہذا انہوں نے عورتوں کو مردوں کے دوش بدوش کھڑا کیا اور جتنی مراعات مردوں کو دیں وہ تمام عورتوں کو بھی دیں اور اپنے آپ کو آزادی نسواں اور مساوات کا علم بردار ظاہر کیا اور اسلام پر تنگ نظری، بیجا عورتوں پر ظلم، تعصب، عورتوں کو مفلوج اور دقیانوسی جیسے حملے کیے، اور پردہ وغیرہ کے اسلامی آئین کو انسانیت سوز اور ترقی کی راہ میں حائل قرار دیا۔ چنانچہ عورتیں ملازمت، صنعت و حرفت، تجارت و زراعت و وزارت اور ان کے علاوہ مختلف مناصب و عہدوں پر مردوں کے بالکل ہم پلہ نظر آتی ہیں جو یوروپ کی دین ہے۔

اور مغرب کی یہ وبا بادخزاں کی طرح مشرق میں بھی پھیل گئی۔

لیکن قربان جائیے اسلام اور اس کے قانون اور آئین پر جس نے جن چیزوں کو جرائم اور انسانیت کے لئے مضر قرار دے کر قابل سزا جرم کہا ہے ان کے مقدمات پر بھی پابندیاں عائد کیں اور ان کو ممنوع قرار دیا، اس معاملہ میں مقصود اصلی زنا اور بدکاری سے بچانا تھا تو اس کو نظر نیچی رکھنے کے قانون سے شروع کیا، عورتوں مردوں کو بے حجاب اختلاط سے روکا، عورتوں کو گھروں کی چار دیواری میں محدود رکھنے کی ہدایت کی، اور ضرورت کے وقت باہر نکلنے کے لئے بھی برقع یا لمبی چادر سے پورا چھپا کر نکلنے اور سڑک کے کنارے چلنے کی ہدایت کی، خوشبو لگاکر یا بجنے والا زیور پہن کر نکلنے کی ممانعت کی پھر جو شخص ان سب حدود و قیود اور پابندیوں کے حصار کو پھاند کر باہر نکل جائے اس پر ایسی سخت عبرت آموز سزا سب لوگوں کے سامنے یا کھلے میدان میں جاری کرنے کا حکم دیا کہ اگر ایک مرتبہ

کسی بدکردار پر جاری کردی جائے تو پوری قوم کو مکمل سبق مل جائے اور پھر کبھی اس جیسی ناشائستہ اور غلط حرکت کی طرف اقدام کرنے کی جراءت اور بیجا جسارت نہ کرسکے ۔

اہل یورپ اور ان کے دل دادہ مقلدین اور خواہش پرست طبقہ نے اپنی فحاشی کے جواز میں عورتوں کے پردہ کو عورتوں کی صحت اور اقتصادی اور معاشی حیثیت سے معاشرہ کے لئے مضر ثابت کرنے اور بے پردہ رہنے کے فوائد پر بحثیں کی ہیں جن کا مفصل جواب علماء کرام اور مفتیان عظام نے مطول کتابوں میں لکھ دیا ہے ، اختصاراً اتنا سمجھ لینا بھی کافی ہے کہ بے فائدہ اورنفع سے خالی تو کوئی جرم نہیں ، ارشاد باری ہے " **یسئلونک عن الخمر و المیسر قل فیهما اثم کبیر و منافع للناس** " اس طرح بے پردگی میں اگرچہ کچھ معاشی فوائد بھی ہوں مگر جب پورے ملک پوری قوم کو ہزاروں فتنہ و فساد میں مبتلا کردے اور ہلاکت کے اندھیرے اور عمیق غار میں ڈال دے تو پھر اس کو نافع کہنا کسی دانشمندی کا کام نہیں ہوسکتا ۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد یہ بات واضح ہے کہ خواتین کا کوئی ایسا کام کرنا جس کے لئے گھر سے باہر ہونا پڑے یا اس میں بے پردگی ہوتی ہو ، اسلام کی پاکیزہ روح اور مقدس مزاج کے بالکل متصادم ہے اور شریعت اس کی اجازت نہیں دے سکتی ہے اور ملازمت میں بغیر ضرورت شرعیہ کے گھر سے باہر ہونا پڑتا ہے ، اور بے پردگی کا یقین نہیں تو ظن غالب ضرور ہے اور دونوں کا حکم یکساں ہے ۔ اور قرآن کریم نے بغیر شرعی مجبوری کے نکلنے کو زمانہ جاہلیت کا شیوہ قرار دیا ہے

" **وقرن فی بیوتکن و لا تبرجن تبرج الجاہلیة الاولی ۔۔۔ وقرن فی بیوتکن من آیات اللہ و الحکمة (احزاب آیت ۳۳ ۔ پ ۲۲)**

ترجمہ ۔ اور تم عورتیں اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور زمانہ قدیم کی جاہلیت والیوں کی طرح نہ پھرو ۔۔۔ اور اپنے گھروں میں آیات اور حکمت سے نصیحت حاصل کرو " حدیث شریف میں ہے :

ولیس للنساء نصیب فی الخروج الا مضطرة " (طبرانی کذا فی الکنز ۸ ۔ ۲۷۳)

" عورتوں کا باہر نکلنے کے لئے کوئی حصہ نہیں الا یہ کہ اضطراری صورت خروج کی پیش آجائے "

لہذا ان نصوص شرعیہ کے ہوتے ہوئے خواتین کا بوقت عقد اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگانا کہ شوہر انہیں لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا یا آگر آئندہ انہیں کوئی مناسب عہدہ یا ملازمت ملے تو شوہر پابندی یا رکاوٹ نہیں ڈالے گا ، اور شوہر اس شرط کو قبول بھی کرلیتا ہے تو بھی یہ شرطیں لازم العمل نہیں اور یہی نہیں بلکہ اس جیسی سو شرطیں بھی لگالیں تو بھی پابندی ضروری نہیں ۔ بخاری شریف میں ایک حدیث ہے :

" ماكان من شرط ليس في كتاب الله فهو باطل و ان كان مائة شرط "

جو شرطیں کتاب اللہ میں نہیں ہیں وہ باطل ہیں اگرچہ سو شرطیں کیوں نہ لگالی جائیں "

نیز ملازمت کی شرط کو قبول کرنے کے بعد بھی اگر شوہر سلسلہ ملازمت سے عورت کو روکے اور ملازمت ختم کرنے کا حکم دے تو عورت کو شوہر کے حکم کی تعمیل ظاہر نصوص کی بنا پر واجب ہوگی، اس لیے کہ جب شریعت نے نفقہ کسوہ اور سکنیٰ کی ذمہ داری سے عورتوں کے کندھے کو ہلکا کردیا اور گھر سے باہر کے کام کی ذمہ داری نیز عورتوں کے حوائج اور ضرورت کی ذمہ داری شوہر پر ڈالی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ عورت تعمیل حکم میں پس و پیش کرے اور چوں و چرا کے ذریعہ گریز کی راہ اختیار کرے۔ اور شیاطین جن و انس کے جان کی قیدی بنے، اور اپنی بابرکت زیارت سے لطف اندوز ہونے کا موقع دے۔ حدیث شریف میں اسی لطیف امر کی طرف اشارہ ہے:

" ان المراة تقبل في صورة شيطان و تدبر في صورة شيطان " (مشكوة من مسلم ۲۔ ۲۶۸)

"واقعتاً عورت شیطان کی صورت میں آتی جاتی رہتی ہے "

دوسری جگہ ہے۔

" المراة عورة فاذا خرجت استشرفها الشيطان " (مشكوة من الترمذى ۲۔ ۲۶۹)

عورت پوشیدہ رہنے کی چیز ہے جب نکلتی ہے تو شیطان تاک لیتا ہے۔

" هذه خلاصة ما طالعت من الكتب القيمة و ما الهمني ربي من الكلام و هو يهدى السبيل و السلام

اشتراط فی النکاح

مولانا شاہد قاسمی ٭

عقد نکاح میں لگائی جانے والی شرطیں تین طرح کی ہیں۔

۱۔ وہ شرائط جو بذات خود صحیح اور مقتضائے عقد کے مطابق ہیں۔

۲۔ وہ شرائط جو خود صحیح ہیں، لیکن مقتضاء عقد کے خلاف ہیں۔ البتہ ذکر سے لازم ہوجاتی ہیں۔

۳۔ وہ شرائط جو فاسد ہیں، لیکن ان کے ذکر سے عقد کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ شرط فاسد ہوجاتی ہے چنانچہ اس سلسلہ میں صاحب "**قانون الاحوال الشخصية**" ضابطہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"**اذا اقترن عقد الزواج بشرط ينافي اصله بطل العقد**"۔ اور "**اذا اقترن بشرط لاينافي اصله و لكن ينافي مقتضاه او كان محرما شرعا بطل الشرط وصح العقد**" "جب وہ ایسی شرط سے مقترن ہو جو اصل عقد کے منافی نہیں لیکن مقتضاء عقد کے منافی ہو یا شرعا حرام ہو، تو شرط باطل ہے اور عقد صحیح ہے۔" "**و اذا اقترن لا ينافي اصله و لا مقتضاه وليس محرما شرعا صح الشرط ووجب الوفاء به فان لم يوف به كان للمشروط له حق الفسخ**" (صفحہ ۱۲) وہ ایسی شرط سے مقترن ہو جو نہ تو اصل عقد کے منافی ہو اور نہ مقتضاء عقد کے، اور نہ ہی شرعا شرط صحیح اور لازم الایفاء ہے، لہذا عدم وفاء کی

٭

صورت میں مشروط لہ کو فسخ کا حق ہوگا۔

علماء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ عقد نکاح کے ساتھ عائد ہونے والی شرطیں دو نوعیت کی ہیں۔ (۱) شرط صحیح (۲) شرط غیر صحیح۔ البتہ ان شرطوں کے مؤثر ہونے اور مؤثر نہ ہونے کے سلسلہ میں اختلاف ہے۔ نیز شرط صحیح کی توضیح میں فقہاء کی مختلف رائیں ہیں۔

امام مالک کے نزدیک شرط صحیح کی دو قسمیں ہیں (۱) صحیح غیر مکروہ (۲) صحیح مکروہ، شرط صحیح غیر مکروہ ۔ یعنی عقد نکاح کے سبب وہ چیز لازم ہو اور اس کا اثر ہو، مثلا مرد بیوی پر اطاعت و فرمانبرداری کی شرط لگائے، یا گھر سے باہر بلا اجازت نہ جانے کی، یا شوہر پر نان نفقہ کی وغیرہ، یہ ایسی شرائط ہیں جو عقد کے سبب واجب ہیں۔ گرچہ شرط نہ لگائی جائے۔

شرط صحیح مکروہ ۔ ایسی شرط جو عقد مشروط کے خلاف ہو اور محض شوہر پر تنگی کرنا مقصد ہو۔ مثلا بیوی کی یہ شرط کہ شوہر میری موجودگی میں دوسری شادی نہ کرے، یا مجھے سفر میں نہ لے جائے، یا مجھے دوسری جگہ منتقل نہ کرے وغیرہ۔ تو ایسی شرطیں لازم الایفاء نہیں، بلکہ مستحب ہیں اور عورت کو فسخ نکاح کا حق نہیں ہے (**احکام الشرعیة لاحوال الشخصیة ص ۱۰۹ ج ۲**)

امام احمد بن حنبل کے نزدیک شرط صحیح وہ ہے جس کا عقد تقاضہ کرے یا جس کا عقد متقاضی تو نہ ہو، لیکن زوجین میں سے کسی کا فائدہ ہو اور شارع علیہ السلام کی طرف سے نہی نہ ہو تا کہ مقاصد عقد میں خلل ہو، مثلا بیوی کا یہ شرط لگانا کہ میرا نان و نفقہ شوہر پر لازم ہوگا، یا اس کی موجودگی میں دوسری شادی نہ کرے گا وغیرہ، یہ شرائط صحیح اور لازم الایفاء ہیں، خلاف ورزی کی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا حق ہے۔ اس لئے کہ مذکورہ صورتوں میں عقد پر رضا موقوف ہے شرط کے تحقق پر، یہاں شرط کا تحقق ہوا نہیں، لہذا رضاء نہیں پائی گئی اور جب رضا نہیں پائی گئی تو نکاح منعقد نہیں ہوا۔

اور احناف کے نزدیک شرط صحیح وہ ہے جس کا عقد تقاضہ کرے، یعنی عقد نکاح کے ذریعہ ثابت ہونے والے احکام میں سے کسی حکم کو واجب کرے (بیوی کے نفقہ کی ذمہ داری کی شرط) یا عقد کے تقاضہ کو مؤکد کرے، (بیوی کا ولی یہ شرط لگائے کہ مہر اور نفقہ کا کفیل شوہر کا والد ہوگا) یا شریعت نے جس کا اختیار دیا ہو (تفویض طلاق) یا جو عرف کی رو سے ثابت ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ ایسی شرطیں لازم الایفاء ہیں، لیکن فریقین میں سے جس نے اس شرط کا التزام کیا ہو، اگر اسے پوری نہ کرے تو مشروط لہ کو فسخ کا حق نہ ہوگا۔ کیوں کہ احناف کے نزدیک صحت عقد کے لئے محض ایجاب و قبول کا پایا جانا کافی ہے۔ اس کے بعد عقد نکاح مؤکد ہوجاتے گا، فریقین کی رضا مندی ضروری نہیں، یہی وجہ ہے کہ مکروہ نکاح صحیح ہوجاتا ہے۔ حالانکہ رضا مندی نہیں ہے۔ **لقوله عليه**

السلام " ثلاث هزلهن هزل وجدهن جد "

اس ضمن میں عبد الرحمان جزیری اپنی کتاب " الفقه علی المذاهب الاربعة " میں لکھتے ہیں:

فالقاعدة فيه ان كا لا يؤثر في العقد مطلقا ثم ان كان هو من مقتضى العقد فانه ينفذ طبيعة و الابطل الشرط و صح العقد (ص ۵۷ ج ۳)

قاعدہ اس میں یہ ہے کہ شرط علی الاطلاق مؤثر نہ ہوگی، پھر اگر وہ مقتضائے عقد میں سے ہے تو طبعاً نافذ ہوگی ورنہ شرط باطل اور عقد صحیح ہے ۔

مذکورہ تصریحات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جمہور فقہاء عظام ایسی شرطوں کی صحت پر متفق ہیں جو مقتضاء عقد کے مطابق ہیں، جس طرح کہ اس شرط فاسد پر اتفاق ہے جو رشتہ ازدواج کے مقصود کے خلاف یا احکام شرعیہ کے مخالف ہے ۔

۲ ۔ شرط فاسد ۔۔ اس سلسلہ میں فقہاء کی تصریحات حسب ذیل ہیں ۔

جمہور فقہاء کے نزدیک شرط فاسدہ وہ ہے جو مذکورہ صورتوں میں سے نہ ہو (جن کا شرط صحیح کے تحت بیان ہوا) لیکن فریقین میں سے کسی ایک کی مصلحت و منفعت ہو تو ایسی شرط لغو اور باطل ہے صحت عقد میں مؤثر نہیں (الدر المختار على هامش رد المحتار ۔ فصل في المحرمات ۔ ص ۲۰۵ ج ۲ كذا في الانصار ص ۱۵۹ ج ۸) البتہ اگر عقد کو کسی شرط پر معلق کرے مثلاً یہ کہ اگر تیرا باپ راضی ہو تو میں نے تجھ سے نکاح کر دیا، تو نکاح صحیح نہیں ہوا، اس لئے کہ نکاح تعلیق کو قبول نہیں کرتا ہے ۔

علامہ حصکفی فرماتے ہیں:

" و النكاح لا يصح تعليقه بالشرط كتزوجتك ان رضى ابى لم ينعقد (در مختار ۔ ص ۲۰۵ ج ۲ ۔ كذا الفقه على المذاهب الاربعة ص ۷۲ ج ۳)

امام احمد بن حنبل کے نزدیک شرط فاسد ایسی شرط ہے جس کے بارے میں شارع کی ممانعت ہو یا مقتضاء عقد کو توڑنے والی ہو، جس کے لئے شارع کی نص موجود ہے، مثلاً بیوی عقد کے وقت یہ شرط لگائے کہ شوہر اس کی سوکن کو طلاق دیدے وغیرہ ۔ ایسی شرط صحیح نہیں ہے ۔

لقوله عليه السلام فيما رواه ابو هريرة اذ قال ۔ لا تسئل المراة طلاق اختها لتكفى مافى انائها: بخاری ص ۷۷۳ ج ۲)

حاصل کلام

ایسی شرط مختلف فیہ ہے ، جس کے لئے کوئی دلیل خاص نہ ہو ، لہذا اگر دلیل خاص ہو تو شرط صحیح ہوگی یا باطل؟ ۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ ایسی شرط کی صحت کے قائل ہیں اور جمہور فقہاء لغو قرار دے کر ایسی شرط کو غیر معتبر قرار دیتے ہیں (**الاحوال الشخصیة ص ۱۵۹ کذا فی الجامع الاختیارات الفقهیة - ص ۷۷۸ - ج ۲)**

ضروری تفصیلات کے بعد اب مقالہ میں ذکر کردہ سوالات کے جوابات تحریر کئے جاتے ہیں ۔

(الف) سابقہ تصریحات سے یہ بات واضح ہے کہ نکاح شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتا ہے ۔

(شوہر کا یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان و نفقہ اس کے ذمہ نہ ہوگا) بیوی کا نان و نفقہ جو کہ واجب مستقل ہے ، ساقط نہیں ہوتا ۔ کیونکہ وجوب اس کا شیئا فشیئا ہے ، لہذا کسی عورت نے نفقہ معاف کردیا یا معافی کی شرط کے ساتھ نکاح کیا تو اسے شرعاً مطالبہ کا حق ہے ۔

لانها اسقطت حقا لم يجب بعد - و ابراء الزوجة من النفقة هل يصح و يلزم ؟ ان كانت غير مفروضة لا يصح لانه ابراء قبل الوجوب و ان كان القاضي فرضها كل شهر كذا و كذا صح في الشهر الاول فقط (فتح القدير ص ۷۹۲ ج ۲) نیز اسی طرح بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا ، ظاہر ہے کہ یہ شرط خود نکاح کے نتیجہ میں واجب و لازم ہے ۔

(۳) ۔ ایسی شرط لگانا جس کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح میں حاصل نہیں ہوتا اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح میں عائد نہیں ہوتی مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا وغیرہ ، تو اس سلسلہ میں حضرت گنگوہی علیہ الرحمہ نے "تالیفات رشیدیہ " میں گراں قدر بحث کی ہے ۔ آپ لکھتے ہیں (اس طرح کا) نکاح شرعاً صحیح اور معتبر ہے اور اس تعلیق سے نکاح میں فساد نہیں آتا ۔ اور تعلیق بھی شرعاً معتبر ہے اگر اس شرط پر نکاح کیا گیا تو خاوند کے دوسرے نکاح کرلنے سے اس پر طلاق پڑجائے گی ۔

كما في الدر المختار في بيان التعليق هو ربط حصول مضمون جملة بحصول مضمون جملة الاخرى بشرط الملك - لقوله لمنكوحته ان ذهبت فانت طالق و الاضافة اليه كان نكحت امراة او ان نكحتك فانت طالق وكذا كل امراة انتهى -

جیسا کہ در مختار میں تعلیق کے بیان میں ہے کہ تعلیق سے مراد مربوط کرنا ہے کسی جملے کے مضمون کے

حصول کو دوسرے جملے کے مضمون کے محصول سے بشرط ملک، جیسے مرد اپنی منکوحہ سے کہے کہ اگر جاؤ تو تم پر طلاق ہے۔ یا اس کی طرف اضافت کرنا، جیسے یہ کہے کہ اگر میں کسی عورت سے نکاح کروں یا تجھ سے نکاح کروں تو تجھے طلاق ہے اور اسی طرح ہر عورت ۔

مگر چوں کہ مسئلہ شرعیہ یہ ہے کہ مرد کو بشرط اقامت عدل بین الاز واج اور تحمل نان و نفقہ چار تک زوجات درست ہیں، اس لئے ایسی شرط رائج کرنا ہرگز اصول شریعت کے مطابق نہیں۔

قال الله تعالى. فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى و ثلث و رباع (النساء)

اقل درجہ امر اباحت ہے، پس اس شرط میں اشتراط مذکور کو شائع کرنا بے شک اس کی اباحت کی مخالفت ہے اور حکمت شرعیہ تعدد ازدواج کو روکنا ہے، بلکہ بعض اوقات بسبب بعض ضرورت نکاح ثانی کی سخت احتیاج ہوجاتی ہے، حالاں کہ نکاح سنت ہے اور بشرط عدم خشیت میل و اقامت عدل و امن از جور موجب نفع ہے اور نیز مقتضائے شریعت۔ " **تزوجوا الولود الودود فاني مكاثر بكم الامم** " (تم زیادہ بچہ جننے والی اور محبت کرنے والی عورتوں سے نکاح کرو کیونکہ میں تمہارے ذریعہ امتوں کی زیادتی پر فخر کرنے والا ہوں) پر عمل ان وجود سے بوجہ ان شرائط کے موقوف کرتے ہیں، سعی مناسب ہے اور جس میں مسلمان حاکم کی ریاست میں ان کا شیوع ہو، اس کو چاہئے کہ اس کے رفع میں کوشش کرے اور بجبر ان لوگوں سے ترک کرائے (تالیفات رشیدیہ۔ فتاوی رشیدیہ ادارہ اسلامیات لاہور ص ۴۸)

تفویض طلاق

اس کی تین صورتیں ہیں

۱۔ عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہوجائیں۔

۲۔ عین وقت عقد زبان سے کہلوایا جائے ۔

۳۔ بعد میں لکھوایا جائے ۔

(۱) تفویض طلاق زبانی یا تحریری نکاح سے قبل ہو تو اس میں نکاح کی طرف نسبت و اضافت کرنا شرط ہے، مثلا یوں کہے ۔ میرا نکاح فلاں بنت فلاں سے ہونے کے بعد اگر میں فلاں فلاں شرط کی مخالفت کروں تو اس کو طلاق بائن کا حق ہوگا۔ ایسی صورت میں بیوی کا خیار طلاق خلاف ورزی کا علم ہونے کی مجلس تک خاص رہے گا۔ اس مجلس میں اس نے طلاق بائن واقع کرلی تو ہوجائے گی۔ بعد مجلس کے خیار باطل ہوجائے گا۔ اور اگر شوہر نے یہ کہا کہ خلاف ورزی کی صورت میں جب چاہے طلاق بائن واقع کرلے تو مجلس علم کے بعد بھی خیار حاصل رہے گا۔

اگر تفویض کی مذکورہ صورت میں نکاح کی طرف اضافت نہ کی تو یہ اقرار نامہ لغو ہوگا۔ اس کی رو سے عورت کو کسی قسم کا خیار حاصل نہ ہوگا۔ البتہ اگر ایسی تحریر نکاح سے پیشتر لکھی گئی ہو، مگر شوہر اور گواہان نے اس پر نکاح کے بعد دستخط کیا ہو تو یہ تفویض درست ہے اضافت الی النکاح ضروری نہیں۔

قال فی التنویر فی باب التعلیق۔ وشرطه الملک کقوله لمنکوحته ان ذهبت فانت طالق او الاضافه الیه (ص ۵۳۷ ج ۲ کذا فی الفتاوی الهندیة مصر ص ۴۲۱۔ ج ۲ وکذا فی الفقه الاسلامی و ادلته ص ۔ ۴۱۹ ج ۷)

(۲) عین ایجاب و قبول ہی میں تفویض طلاق کی شرط لگائی جاوے۔ اس کے معتبر ہونے کی دو شرطیں ہیں:

(الف) ایجاب مع الشرط من جانب عورت ہو یعنی عورت یا اس کا ولی جتنی شرطیں لگائیں، سب کا تذکرہ کریں۔ پس اگر ایجاب من جانب مرد ہو اور لڑکی والے قبول کے ساتھ تفویض طلاق کی شرط بھی لگاوے تو نکاح بلا کسی شرط کے صحیح ہوجائے گا، اور شرط بالکل بے کار ہوجائے گی۔ در مختار میں ہے۔

" صح " مقید بها اذا ابتدات امراة فقالت زوجت نفسی منک علی ان امری بید اطلق نفسی کل ما اريد او على انی طالق فقال الزوج قبلت اما لو بدا الزوج لا تطلق و لا یصیر الامر بیدها کما فی البحر عن الخلاصة و البزازیة (در مختار ص ۷۹۲ ج ۲)

فقیہ ابو اللیث دونوں صورتوں میں فرق کی وضاحت یوں بیان کرتے ہیں:

" لان البداة اذا کانت من الزوج کان الطلاق و التفویض قبل النکاح و لا یصح اما اذا کانت من المراة یصیر التفویض بعد النکاح (شامی ص ۷۹۹ ج ۲)

جب ابتداء من جانب شوہر ہو تو طلاق اور تفویض نکاح سے قبل ہونا لازم آئے گا جو کہ صحیح نہیں، اور اگر عورت کی جانب سے ہو تو تفویض نکاح کے بعد سمجھا جائے گا۔ اس لئے کہ شوہر نے عورت کے کلام کے بعد قبلت کہا ہے گویا اس نے یہ کہا میں نے اس شرط پر قبول کیا کہ تجھے طلاق ہے یا تیرا معاملہ تیرے ہاتھ ہے۔ تو یہ تفویض نکاح کے بعد ہوئی۔

(ب) ایجاب مع الشرط زبانی ہو، صرف تحریری کافی نہیں، بلکہ تمام شرائط لکھنے کے بعد تفصیلا بوقت ایجاب زبان سے اتنا کہدینا کافی ہے کہ فلاں کا نکاح اس تحریر میں مندرجہ شرائط کے ساتھ کرتا ہوں۔

احتیاطی صورت

اس ضمن میں حضرت تھانوی نے بڑی حکیمانہ بات کہی ہے وہ ہمارے خیال میں کافی ہے۔ عورت کے

ناقص العقل ہونے کے سبب طلاق کو مطلقاً اس کے ہاتھ دینا خطرہ ہے ، لہذا مناسب یہ ہے کہ تفویض میں کوئی قید مناسب لگادی جائے جس میں خطرہ نہ ہو مثلاً یہ کہ نکاح کے وقت عورت کی طرف سے خود یا اس کا ولی کہے ۔ میں نے اپنے آپ کو یا مسماۃ فلاں بنت فلاں کو تمہارے نکاح میں بمعاوضہ مہر ۔۔۔ بسکہ رائج الوقت اس شرط پر دیا کہ جس وقت اس کو تم سے کوئی تکلیف پہنچے گی ، جس کو فلاں فلاں اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کرلیں اور دو آدمی طلاق کو مناسب بھی کہیں تو اس کے بعد ہر وقت معاملہ میرے یا اس کے اختیار میں ہوگا کہ اپنے اوپر ایک طلاق بائن دے کر اس نکاح سے علاحدگی اختیار کرلی جائے ۔ اس صورت میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں اس وقت آئے گا جب تسلیم کردہ اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کرلیں کہ تکلیف شدید ہے ، واضح رہے کہ تفویض طلاق میں "اگر چاہے ، جب چاہے " جیسے الفاظ استعمال نہ کئے جائیں بلکہ ایسے الفاظ ہوں جن میں تنگی مقید بالمجلس نہ ہو ، اور نہ ہی وسعت کہ عورت تینوں طلاق واقع کرلے (**الحیلۃ الناجزۃ۔ ص ۳۸**)

تفویض طلاق سے رجوع

فتاوی ہندیہ میں ہے :

ولیس للزوج ان یرجع فی ذالک و لا ینھی عن عمل جعل الیھا و لا یفسخ کذا فی الجوھرۃ (ص ۲۲۳ ج ۳ کذا فی الفقہ علی المذاھب الاربعۃ ص ۵۷ ج ۲ کذا فی البدائع الصنائع ص ۱۸ ج ۳)

تفویض طلاق کے بعد شوہر نے جس چیز کا مالک بنادیا ہے اس سے رجوع کا حق نہیں ہے اور نہ ہی فسخ کا حق ہے "

گویا یہ ایسا ہی ہوگیا کہ ایک شخص نے کسی کے لئے ایک چیز کا اقرار کیا اور مقرلہ نے اسے قبول کرلیا تو مقر پر وہ چیز واجب ہوگئی ، اب اسے رد کا اختیار نہ ہوگا ، اس لئے مرد کے حق میں مفید یہ ہے کہ معافی مہر کی شرط لگادے ۔

طلاق کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے صاحبین کے قول کو فتوی کے لئے اختیار کیا جاسکتا ہے ۔ ہمارے نزدیک بیجا طلاق کے واقعات کے سد باب کے لئے ایک تدبیر یہ ہوسکتی ہے کہ مہر اس طرح طے ہو کہ اگر بلاوجہ طلاق نہ دیا تو چھ ہزار اور اگر ایک طلاق دیا تو بارہ ہزار اور اگر تین طلاق دیا تو اٹھارہ ہزار ہوں گے ۔ **واللہ اعلم بالصواب۔**

سوال نمبر ۲ کا جواب

مذکورہ صورت میں چوں کہ شرط پوری کرنے میں دوسرے کا ضرر ہے اور قاعدہ ہے کہ " **الضرر یزال** "

لہذا دونوں شرطیں غیر معتبر اور ناجائز ہوں گی اور اگر عورت کا مہر مثل مسمی سے زیادہ ہے تو شرط پوری نہ ہونے کی صورت میں مہر مثل کی حقدار ہے، البتہ اگر اس کی وجہ سے بیوی کے مہر میں کچھ وضع کرلیا ہے، پھر دوسری شادی کرلی تو وہ اپنا پورا مہر لینے کی شرعاً مجاز ہے۔ **لقوله عليه السلام " المؤمنون عند شروطهم "**

علامہ قرطبی اسی طرح کی رائے رکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

فان شرطت عليه عند عقد النكاح الا يتزوج عليها و حطت عنه لذالک شيئاً من صداقها ثم تزوجها عليها فلا شيئ لها عليه فی رواية ابن القاسم لانها شرطت عليه مالا يجوز شرطه كما اشترط اهل بريرة ان تعتقها عائشة و الو لا ، لبائعها فصح النبی و ابطل الشرط كذالک ههنا يصح اسقاط بعض الصداق عنه و تبطل الزيحة (الجامع لا حكام القرآن ج ٥ ص ٧٥)

اگر نکاح کے وقت یہ شرط لگادی جائے کہ شوہر اس منکوحہ کے عقد میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہ کرے گا اور اس کی وجہ سے اس کا کچھ مہر کم کردیا جائے پھر دوسری سے نکاح کرلے تو شوہر پر کوئی چیز لازم نہیں ہے ابن قاسم کی روایت کے مطابق، اس لئے کہ یہ شرط مالایجوز کے قبیل سے ہے جس طرح اہل بریرہ نے یہ شرط لگائی کہ حضرت عائشہ اسے آزاد کردیں گی، اور ولا بائع کو ہوگا۔ تو نبیؐ نے تصویب فرمائی اور شرط کو باطل فرمایا۔ اسی طرح یہاں بھی اس سے کچھ مہر کا کم کرلینا صحیح ہے اور زیحہ (وہ ہیئت جس پر عقد ہوتی ہے) باطل ہے۔ علامہ مرغینانی وغیرہ کی بھی یہی رائے معلوم ہوتی ہے (ہدایہ ص ٣٢٩ ج ٢)

عورت کی ملازمت (سوال نمبر ٣ کا جواب)

" الرجال قوامون على النساء " (النساء ٣٢)

قوام اور قیم۔ عربی زبان میں اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کام یا نظام کا ذمہ دار یا چلانے والا ہو۔ آیت کریمہ میں اس بات کی تعلیم دی گئی کہ اگرچہ عورت کے حقوق مردوں پر ایسے ہی لازم و واجب ہیں جیسے مردوں کے عورتوں پر ہیں اور دونوں کے حقوق مماثل ہیں، لیکن ایک چیز میں مردوں کو امتیاز حاصل ہے کہ وہ حاکم ہے، پس شوہر کی حکم برداری واجب ہے، الا یہ کہ وہ معصیت کا حکم کرے، نیز بیوی کے مقاصد میں سے ہے کہ وہ گھر میں رہے تاکہ فارغ البال ہوکر اولاد کی پرورش و پرداخت، ان کے ساتھ مہربانی اور خاندان والوں کے لئے سامان تیار کرسکے اور شوہر جب بلائے فوراً حاضر ہوسکے، چنانچہ انکار کی صورت میں فرشتے لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔

لقوله عليه السلام. ايما امراة دعاها زوجها الى فراشه فابت عليه لعنتها الملائكة حتى تصبح (الجامع لاحكام القرآن للقرطبى ج ۷ ص ۱۷۵)

باہر نکلنے کی صورت میں یقینا دیر حاضری اور غیر حاضری ہوگی، جس سے شکوک و شبہات کے دروازے وسیع ہوتے چلے جائیں گے اور میاں بیوی کے تعلقات خراب اور زندگی اجیرن ہو سکتی ہے۔ اسی طرح عطر و خوشبو اور زینت کی طرف راغب ہوگی جو صرف شوہر کے واسطے اختیار کرنے کی اجازت ہے اور نیز جن ستروں کا چھپانا شرعا واجب ہے ان کا کشف ہوگا، مثلا بال، گردن، پنڈلی وغیرہ جو کہ باعث فتنہ ہے۔

" لقوله عليه السلام ان المراة عورة فاذاخرجت استشرفها الشيطان و اقرب ما تكون من رحمة ربها و هى فى قعر بيتها "

قرآن میں عورتوں کی صفت " **حور مقصورات فى الخيام** " بیان کی گئی ہے۔ اس کا بھی تقاضا یہی ہے کہ گھروں ہی میں رہیں (ملازمت نہ کریں) یہی وجہ ہے کہ کچھ عورتوں نے حضور سے جہاد کی اجازت چاہی تاکہ مرد کی طرح وہ بھی ثواب و فضیلت حاصل کریں۔ آپ نے فرمایا۔ " **من قعدت من كن فى بيتها تدرك عمل المجاهدين فى سبيل الله** " تم میں کی جو عورت اپنے گھر میں بیٹھے گی وہ جہاد فی سبیل اللہ کا ثواب پاوے گی (جب کہ اس وقت افواج اسلام کی قلت تھی) پتہ چلا کہ عورت اپنی خلقت و فطرت کے اعتبار سے نہ اس کی متحمل ہے کہ اپنے مصارف خود کما کر پیدا کرے اور نہ اس کے لئے حالات سازگار ہیں کہ وہ محنت، مزدوری اور دوسرے ذرائع کسب میں مردوں کی طرح دفتروں میں اور بازاروں میں پھرا کرے۔ اس لئے حق تعالی نے اس کی پوری ذمہ داری مردوں پر ڈالی ۔۔۔

چنانچہ حصکفی لکھتے ہیں:

وفى البحر منعها من الغزل وكل عمل ولو تبرعا لاجنبى الخ و فى الشامى ينبغى عدم تخصيص الغزل بل له ان يمنعها من الاعمال كلها المقتضية لكسب لانها مستغنية عنه لوجوب كفايته عليه (الخ شامى)

لہذا اگرچہ شوہر نے بیوی کی ملازمت کی شرط منظور کرلی ہے تو پھر بھی اسے ملازمت ختم کرنے کا حکم دے سکتا ہے، اور نئی ملازمت سے بھی روک سکتا ہے، اور عورت پر اس حکم کی تعمیل شرعا واجب ہوگی، اس لئے کہ یہ ایسی شرط ہے جو جائز نہیں ہے اور خصوصا اس وقت جب کہ ہر چہار جانب عریانیت اور بے حیائی عام ہے اور عورت کی ملازمت اور بے جا حقوق کی بات کی جارہی ہے تو بدرجہ اولی ملازمت کی اجازت نہ ہونی چاہئے۔

نکاح اور مسائل شروط

مولانا بدر احمد مجیبی ٭

الحمد لله رب العالمين و الصلوة و السلام على سيد الانبياء و المرسلين و على اله و صحبه اجمعين

اسلامی معاشرہ میں عائلی زندگی گزارنے کے لئے عقد نکاح ایک لازمی چیز ہے۔ اس عقد کے بعد اجنبی مرد و عورت کے درمیان محبت و اعتبار کا رشتہ استوار ہوتا ہے۔ اور عفت و پاکدامنی کے ساتھ یہ خوشگوار زندگی بسر کرتے ہیں، معاشرہ کو بے حیائی سے بچانے اور عفت و پاکدامنی قائم رکھنے میں عقد نکاح کا ایک اہم کردار ہے، نکاح کا رشتہ کوئی عارضی یا وقتی رشتہ نہیں ہوتا۔ یہ ایک دائمی اور مستقل رشتہ ہے۔ یہ رشتہ بہت سوچ سمجھ کر طے کیا جاتا ہے تاکہ زوجین اطمینان و سکون کے ساتھ ازدواجی زندگی بسر کریں، بعض اوقات کسی فریق کی طرف سے نکاح کے وقت شرطیں بھی رکھی جاتی ہیں۔ فقہاء اسلام نے اسلامی شریعت کے مطابق ایسی شرطوں اور ان کے احکام کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے یہ بات واضح ہوجانی چاہئے کہ نکاح کے وقت شرطیں لگانے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اگر وہ صحیح شرطیں ہیں، جو عقد نکاح کے منافی نہیں ہیں تو ٹھیک ہیں، اور اگر ایسی شرطیں ہیں جو نکاح سے ثابت ہونے والے حقوق و فرائض سے میل نہیں کھاتیں اور ان کے منافی ہیں، تو ایسی شرطوں کے باوجود بھی نکاح منعقد ہو جائے گا، اور یہ شرطیں خود ہی باطل ہوجائیں گی۔ اس پر فقہاء کا اتفاق ہے۔ علامہ حصکفی فرماتے ہیں۔

٭ مفتی دار الافتاء خانقاہ مجیبیہ، پھلواری شریف پٹنہ، بہار

لا يبطل النكاح بالشروط الفاسدة و انما يبطل الشرط دونه يعنى لو عقد مع شرط فاسد لم يبطل النكاح بل الشرط (در مختار ۲۔۳۷۰ مع الرد)

نکاح کے وقت کوئی ایک فریق اپنی سہولت و آسانی کے خیال سے کچھ شرطیں پیش کرے اور دوسرا فریق اسے قبول کرلے ۔ یا یہ شرطیں فریقین کی طرف سے متفقہ طور سے پیش کی جائیں ۔ تو جیسا کہ سوال نامہ میں مذکور ہے یہ شرطیں تین طرح کی ہوسکتی ہیں ۔

پہلی قسم : ان شرطوں کی ہے جن میں عقد نکاح سے عائد ہونے والی ذمہ داریوں اور فرائض میں سے کسی کا ذکر ہو ۔ مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا ۔

دوسری قسم : ان شرطوں کی ہے جن کے ذریعہ نکاح سے عائد ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز کیا گیا ہو ، مثلاً شوہر کا یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا ۔

تیسری قسم : ان شرطوں کی ہے جن کے ذریعہ کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہورہا ہے جو غیر مشروط نکاح میں حاصل نہیں ہوتا اور دوسرے فریق پر ایسی ذمہ داری عائد ہورہی ہے جو غیر مشروط نکاح میں عائد نہیں ہوتی ۔ مثلاً یہ کہ عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسری شادی نہیں کرے گا ، یا یہ شرط کہ بیوی کو اس شہر سے باہر نہیں لے جائے گا ، تو یہ معلوم ہوچکا ہے کہ ان شرطوں کے ساتھ نکاح کرلے سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے ۔ البتہ ان شرطوں کی کیا حیثیت ہوگی ۔ اور یہ لازم العمل ہوں گی یا نہیں ؟

جہاں تک پہلی قسم کا تعلق ہے کہ عقد نکاح سے عائد کسی ذمہ داری کو ہی شرط کی صورت میں پیش کردیا گیا ہو تو اس کا حکم واضح ہے کہ جس ذمہ داری کو مشروط کیا گیا ہے وہ بغیر شرط لگائے بھی لازم رہتی ہے اور شرط لگانے کے بعد بھی لازم رہے گی ۔ اس سلسلے میں ارشاد نبوی ہے ۔

احق الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج ۔ (متفق عليه (مشكوة ۲۔۵۰)

شرطوں میں پوری کی جانے کی سب سے زیادہ مستحق وہ شرط ہے جس کے ذریعہ تم نے فرج کو حلال کیا ہے ، اس کی تشریح میں علامہ نووی فرماتے ہیں ۔

قال النووى قال الشافعى اكثر العلماء على ان هذا محمول على شرط لا ينافى مقتضى النكاح و يكون من مقاصده كاشتراط العشرة بالمعروف و الانفاق عليها و كسوتها و من جانب المراة ان لا تخرج من بيته الا باذنه و لا تصوم تطوعا بغير اذنه و لا تاذن غيره فى بيته الا باذنه و لا تتصرف فى متاعه الا برضاه و نحو ذالك (مرقاة ۲ ص ۲۱۱)

اگر ایسی صورت ہو کہ نکاح سے عائد ہونے والا کوئی فریضہ ہی مشروط ہو، لیکن اس میں معمول سے بہت زیادہ اضافہ کر دیا گیا ہو تو ایسی صورت میں یہ پورا اضافہ لازم نہیں ہوگا۔ بلکہ عام طور سے جو ذمہ داری لازم ہوتی ہے، وہی لازم ہوگی، مثلاً کسی شخص کی شادی اس شرط پر ہوئی کہ وہ ہر مہینے نفقہ میں ایک سو دینار (سونے کے سکے) دے گا تو نکاح درست ہے اور یہ زیادتی اس پر لازم نہیں ہوگی۔ معروف نفقہ ہی اس پر لازم ہوگا (**قاضی خاں ۱۔ ۳۳۱**)

شرائط کی دوسری قسم کہ نکاح سے عائد ذمہ داریوں سے گریز مقصود ہو۔ ایسی تمام شرطیں باطل ہوجاتی ہیں اور نکاح جائز و درست ہوتا ہے۔ مثلاً کسی شخص نے نکاح میں یہ شرط رکھی کہ عورت کا نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا۔ یہ شرط باطل ہوگی۔ اور نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا اور جو مہر متعین کیا ہے وہی لازم ہوگا (**قاضی خاں ۱۔ ۳۸۳**)

اگر کسی نے اس شرط پر نکاح کیا کہ ان دونوں میں وراثت نہیں ہوگی۔ یعنی مرنے کے بعد ایک دوسرے کا وارث نہیں ہوگا۔ یہ شرط بھی باطل ہوجائے گی اور ان دونوں میں وراثت جاری ہوگی۔ اور جو مہر متعین کیا ہے وہی لازم ہوگا۔ (**قاضی خاں ج ۱ ص ۳۳۱**)

اور اگر کسی نے اس شرط پر نکاح کیا کہ بیوی کو مہر نہیں ملے گا۔ یہ شرط بھی باطل ہوجائے گی۔ نکاح درست ہے اور مہر مثل لازم ہوگا۔ (**رد المحتار ۲۔ ۳۲۰**)

شرائط کی تیسری قسم کہ نہ تو اس میں عقد نکاح سے عائد ذمہ داری مشروط ہے اور نہ کسی لازم ذمہ داری سے گریز کیا گیا ہے۔ بلکہ اس شرط کی وجہ سے فریقین میں سے کسی ایک پر کوئی دوسری ایسی ذمہ داری عائد ہورہی ہے جو اس شرط کے بغیر عائد نہیں ہوتی، تو ایسا نکاح بھی درست و صحیح ہے اور یہ شرطیں وعدے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ شوہر اگر پورا کر دیتا ہے تو بہت بہتر ورنہ قانونی اعتبار سے ان کی پابندی شوہر پر لازم نہیں (**بدائع الصنائع ۲۔ ۲۸۵**)

البتہ ایفاء عہد کے حکم کے پیش نظر ایسے وعدوں کی تکمیل دیانتاً شوہر کے ذمہ ہے۔

چونکہ یہ شرطیں دین مہر کے ساتھ لگائی جاتی ہیں، اس لئے ان کا اثر دین مہر پر بھی پڑتا ہے۔ اور مختلف شکلوں میں مختلف حکم لگتا ہے۔ متعدد صورتوں میں متعین مہر لازم ہوتا ہے۔ اور بعض شکلوں میں مہر مثل لازم ہوتا ہے۔ (۱) اگر شوہر نے اس شرط کو پورا کر دیا تو متعین مہر لازم ہوگا۔ مثلاً اس شرط پر نکاح ہوا کہ بیوی کو شوہر اسی شہر میں رکھے گا۔ باہر نہیں لے جائے گا تو شرط پوری ہونے پر متعین مہر لازم ہوگا۔ (**البحر الرائق ۳۔ ۱۷۰**)

(۲) اگر شوہر نے شرط پوری نہیں کی تو دیکھا جائے گا کہ اس کا دین مہر اس کے مہر مثل کے برابر ہے یا زیادہ یا کم ہے اگر برابر یا زیادہ ہے مثلاً عورت کا دین مہر ایک ہزار ہے اور مہر مثل بھی ایک ہزار ہے یا پانچ سو ہے ایسی صورت میں شرط پوری نہ ہونے پر دین مہر لازم ہوگا (**هندیه ۳۔ ۱۷۰**)

(۳) اگر دین مہراس کے مہر مثل سے کم ہے مثلاً مہر ڈیڑھ ہزار ہے اور دین مہر ایک ہزار ہے تو دیکھا جائے گا کہ اس شرط کے پورے ہونے سے خود بیوی یا اس کے قریبی رشتہ دار (ذی رحم محرم) کو نفع ہوتا ہے یا اس کا فائدہ کسی اجنبی کو مل رہا ہے، یا بیوی کو اس سے نقصان ہورہا ہے۔ اگر اس شرط سے بیوی کو نقصان ہورہا ہے یا کسی اجنبی کو فائدہ ہورہا ہے تو ایسی صورت میں بھی شرط پوری نہ کرنے پر شوہر کو صرف دین مہر ہی لازم ہوگا۔ (**البحر الرائق ج ۱۷۰ص۔ورد المحتار۔۳/۵۷۲**)

(۴) اگر اس شرط سے بیوی یا اس کے قریبی رشتہ دار کا ہی نفع مقصود ہے، تو دیکھا جائے گا کہ اس شرط سے جو نفع حاصل ہورہا ہے وہ جائز ہے یا نہیں، اگر یہ جائز نہیں ہے مثلاً کسی نے دین مہر کے ساتھ شراب یا خنزیر کی بھی شرط لگائی ہے تو ایسی صورت میں شرط پوری نہ کرنے پر متعین دین مہر ہی لازم ہوگا۔ (**بحر ۳۔ ۱۷۰**)

(۵) اور اگر مشروط چیز سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ اور شوہر نے شرط پوری نہیں کی تو ایسی صورت میں دین مہر کی جگہ مہر مثل لازم ہوگا۔ حاصل یہ ہے کہ مہر مثل کے لزوم کے لئے چار چیزیں ضروری ہیں۔ (۱) دین مہراس کے مہر مثل سے کم ہو (۲) اس شرط میں بیوی یا اس کے ذی رحم محرم کا نفع مقصود ہو، (۳) مشروط شئ مباح الانتفاع ہو، (۴) شوہر نے شرط پوری نہ کی ہو۔ مثلاً کسی نے یہ شرط رکھی کہ بیوی کو شہر سے باہر نہیں لے جائے گا۔ یا یہ شرط رکھی کہ اس کی موجودگی میں دوسری شادی نہیں کرے گا۔ یا شرط لگائی کہ پہلی بیوی کو طلاق دیدے گا یا یہ کہ بیوی کو عزت سے رکھے گا، اور اس سے سخت مشقت والا کام نہیں لے گا، یا یہ کہ بیوی کو ہدایا پیش کرے گا۔ وغیرہ۔ اور ان تمام صورتوں میں دین مہراس کے مہر مثل سے کم ہے تو اگر شوہر نے شرط پوری کردی تو دین مہر لازم ہوگا اور شرط پوری نہ کرنے پر مہر مثل لازم ہوگا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عقد نکاح کے وقت پیش کردہ تیسری قسم کی شرائط بھی لازم الایفاء نہیں ہیں، وعدے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ شوہر پوری کردیتا ہے تو بہت بہتر ہے، لیکن اس کو اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، البتہ دین مہر پر اس کا اثر پڑتا ہے جس کی تفصیل بیان کی گئی۔

عقد نکاح کے وقت عورت کی جانب سے یہ شرط رکھی جائے کہ جب بھی چاہے اسے طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا یا فلاں فلاں صورتوں میں اسے طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا، اور شوہر اس کو تسلیم کرلیتا ہے، تو یہ تفویض کا مسئلہ ہے، اس کی متعدد صورتیں ہیں اور حکم بھی مختلف ہے۔

(۱) اگر ایجاب شوہر کی جانب سے ہوا اور اس نے کہا کہ میں نے تم سے اس شرط پر نکاح کیا کہ تم کو طلاق کا اختیار ہوگا، جب بھی تم چاہو اپنے اوپر طلاق واقع کرسکتی ہو۔ اور عورت نے قبول کرلیا، تو ایسی صورت میں نکاح

منعقد ہوجائے گا، لیکن عورت کو طلاق کا اختیار نہیں ملے گا' **(فصول عمادی ۱۔ ۵۲۲۔ و بزازیۃ ۱۲۸۱)**

(۲) اگر عورت کی جانب سے ایجاب ہوا اور اس نے کہا میں نے خود کو تمھاری زوجیت میں اس شرط پر دیا کہ مجھے طلاق کا اختیار حاصل ہوگا کہ جب بھی چاہوں اپنے اوپر طلاق واقع کرلو اور شوہر نے قبول کیا تو ایسی صورت میں نکاح منعقد ہوجائے گا۔ اور عورت کو طلاق کا اختیار حاصل ہوگا، وہ جب بھی چاہے خود پر طلاق واقع کر سکتی ہے **(بزازیۃ ۱۔ ۱۲۸)**

ان دونوں صورتوں میں دو مختلف حکم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تفویض طلاق کے درست ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ملک میں ہو، یا سبب ملک کی طرف اضافت کے ساتھ ہو۔ یعنی تفویض طلاق نکاح کی حالت میں ہو، یا نکاح کی طرف مضاف ہوکر ہو، تب درست ہوگی، ورنہ درست نہ ہوگی۔ مثلاً کسی شخص نے کسی اجنبی عورت سے **امرک بیدک** کہا تو یہ لغو ہوگا، کیونکہ وہ اس کے نکاح میں نہیں ہے۔ بیوی سے کہے گا تو درست ہوگا۔ اور اس کو طلاق کا اختیار اس مجلس میں مل جائے گا۔ اجنبی عورت سے شرط نکاح کے ساتھ کہا " **ان تزوجتک فامرک بیدک تطلقین متی شئت** "۔ تو یہ درست ہوگا۔ اور اگر اس عورت سے وہ شادی کرلیتا ہے تو عورت کو طلاق کا اختیار مل جائے گا۔

درج بالا دونوں صورتوں کو سامنے رکھیں۔ تفویض طلاق کا اختیار شوہر کو ہے۔ پہلی صورت میں ایجاب شوہر کی جانب سے ہوا اور اس نے تفویض طلاق کی اور یہ تفویض، نکاح کی تکمیل سے پہلے ہوئی ہے، کیونکہ بیوی نے اس وقت قبول نہیں کیا تھا۔ بعد میں قبول کیا ہے۔ تو یہ تفویض نکاح کی حالت میں نہیں ہوئی اور نہ نکاح کی طرف اضافت کے ساتھ ہوئی ہے، اس لئے یہ لغو ہوگئی اور نکاح منعقد ہوگیا۔

دوسری صورت میں عورت کی طرف سے ایجاب ہوا اور اس نے یہ شرط پیش کی۔ شوہر نے قبول کیا۔ قبول کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے بھی اس شرط کو مان کر تفویض طلاق کردی۔ قبول کے ساتھ ہی نکاح مکمل ہوجاتا ہے۔ اس لئے تفویض طلاق نکاح کے ساتھ ہوئی اس لئے درست ہے۔ **(قاضی خاں ۱ ۳۲۹۔ فصول عمادی ۱۔ ۲۲ء)**

(۳) اگر نکاح سے پہلے شوہر نکاح کی شرط کے ساتھ تفویض طلاق کرے مثلاً اس طرح کہے، اگر میں نے تم سے نکاح کیا تو تمھیں طلاق کا اختیار ہوگا جب تم چاہو اپنے اوپر طلاق واقع کر سکتی ہو۔ اس کے بعد ایجاب و قبول ہوتا ہے۔ تو تفویض صحیح ہوگی اور نکاح کے بعد عورت کو طلاق کا اختیار حاصل ہوجائے گا۔ **(فصول عمادی۔ ۵۲۲)**

(۴) اگر ایجاب میں شوہر شرط نکاح کے ساتھ اس طرح تفویض کرے کہ میں نے تم سے اس شرط پر نکاح کیا کہ تمھیں نکاح کے بعد طلاق کا اختیار ہے، جب چاہو تم خود پر طلاق واقع کر سکتی ہو۔ اور عورت نے قبول کیا تو تفویض

درست ہوگی اور عورت کو اختیار طلاق حاصل ہوگا۔ (**بزازیۃ۔ ۱۲۸**)

عقد نکاح میں شرط لگانے کے جو تین طریقے بتائے گئے ہیں، ان میں سے پہلا طریقہ کہ عقد نکاح سے پہلے ہی شرائط طے ہوجائیں، اور اس کی تحریر پر طرفین کے دستخط ہوجائیں۔ یہ ضروری نہیں ہے، مگر بہتر و مناسب ہے۔ البتہ تفویض طلاق کی اس صورت میں کہ شوہر نکاح سے پہلے تحریر کردے کہ اگر میں نے فلاں عورت سے نکاح کیا تو اس کو طلاق کا اختیار حاصل ہوگا۔ اور اس کے بعد ایجاب و قبول ہو جس میں شرط ذکر نہ کی جائے، تب بھی تفویض ہوجائے گی۔

اور دوسرا طریقہ کہ عقد نکاح میں ہی ان شرائط کا ذکر کیا جائے، ایجاب مشروط ہو یا ایجاب مطلق ہو اور قبول مشروط ہو۔ اصل یہی ضروری ہے۔ ایجاب وقبول میں ہی ان شرطوں کا ہونا ضروری ہے۔

اور تیسرا طریقہ کہ عقد نکاح کے بعد طرفین کے درمیان کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے۔ اس سے بھی کوئی خاص فائدہ نہیں ہے۔ البتہ نکاح کے وقت تفویض نہیں ہوئی، لیکن شوہر نکاح کے بعد تحریری طور پر بیوی کو طلاق واقع کرنے کا اختیار دے دیتا ہے تو یہ تفویض درست ہوجائے گی۔

نکاح کے وقت جب شوہر نے بیوی کو طلاق کا اختیار دے دیا کہ وہ جب چاہے اپنے اوپر طلاق واقع کرسکتی ہے تو اب معاملہ شوہر کے ہاتھ سے نکل گیا، وہ اس تفویض کو ختم نہیں کرسکتا ہے اور نہ اس کو ختم کرنے کا اختیار باقی رہا۔ تاحیات بیوی کو اس کا اختیار رہے گا۔ (**البحر الرائق ۳۔ ۳۲۷**)

شریعت اسلامیہ نے خاص مصلحتوں کی وجہ سے طلاق کی ملکیت مرد کو دی ہے۔ عورت کو نہیں دی ہے، اس کی خاص وجوہات ہیں۔ یہاں ان کی تفصیل غیر ضروری ہے۔ اب اگر مرد کے ساتھ عورت کو بھی اس کا اختیار مل جائے اور نکاح کے وقت ہی تفویض کے مسئلے کو عام کردیا جائے تو طلاق کے واقعات کم ہونے کے بجائے اور بڑھ جائیں گے۔ ذرا ذرا سی باتوں پر بغیر سمجھے بوجھے عورتیں اپنے اوپر طلاق واقع کرنے لگیں گی۔ اس طرح یہ مسئلہ بہت ہی سنگین ہوجائے گا۔ جس کا کوئی حل نہیں ملے گا۔ اس لئے نکاح کے وقت تفویض طلاق کے مسئلے کو عام کرنا، معاشرہ کے لئے انتہائی مضر ہوگا۔

بعض ایسے مسائل ضرور پیش آتے ہیں کہ شوہر کی طرف سے شدید ظلم و ستم پایا جاتا ہے اور ستم رسیدہ بیوی کو گلو خلاصی بھی نہیں ملتی۔ وہ پریشان حال زندہ در گور رہتی ہے۔ ایسی صورت حال کی اصلاح کے لئے نکاح کے وقت بہت احتیاط کے ساتھ تفویض طلاق کی شرط لگائی جاسکتی ہے۔ مثلاً یہ کہ فلاں فلاں شدید حالتوں میں بیوی کو طلاق کا

اختیار حاصل ہوگا۔ اس کے لئے فقہ کی اس عبارت سے رہنمائی مل سکتی ہے (**بزازیہ ۱۔ ۲۳۲**)

خلاصہ یہ کہ نکاح کے وقت تفویض طلاق کی شرط کو عام نہ کیا جائے۔ بلکہ شدید حالتوں میں منحصر کیا جائے تاکہ اس کا بے جا استعمال شروع نہ ہوجائے۔

یہ سوال کہ طلاق کے بیجا استعمال کی روک تھام کے لئے نکاح کے وقت دو مختلف مہر متعین کئے جائیں، مثلاً یہ کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق نہیں دی تو مہر دس ہزار اور طلاق دے دی تو مہر بیس ہزار ہوگا تاکہ اس خطیر رقم سے بچنے کے لئے شوہر بلا ضرورت طلاق کا اقدام نہ کرے، اور اس سے طلاق کے واقعات میں کمی واقع ہو۔ اس کے لئے ہمیں رہنمائی کتب فقہ میں مذکور اس جزئیہ سے ملتی ہے کہ نکاح میں ایک تقدیر پر ایک مہر اور دوسری تقدیر پر دوسرا مہر متعین کیا جائے۔ اس طرح پر کہ شوہر نے بیوی کو اسی شہر میں رکھا۔ باہر نہیں لے گیا۔ تو مہر ایک ہزار ہے اور اگر باہر لے گیا تو مہر دو ہزار ہے۔ یا اسی طرح کہ شوہر کی کوئی اور بیوی پہلے سے موجود ہے تو مہر ایک ہزار اور اگر نہیں ہے تو مہر دو ہزار وغیرہ۔ اس طرح مہر کی تعیین درست ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک پہلی صورت پائی جائے۔ یعنی شوہر بیوی کو شہر سے باہر نہیں لے گیا، یا اس کی کوئی اور بیوی نہیں ہے تو ایک ہزار مہر لازم ہوگا۔ اور اگر دوسری صورت پائی گئی یعنی شوہر بیوی کو شہر سے باہر لے گیا، یا اس کی کوئی دوسری بیوی پہلے سے موجود تھی تو مہر مثل لازم ہوگا۔ جو دو ہزار سے زائد اور ایک ہزار سے کم نہ ہو۔ اور حضرات صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں ان کے متعین مہر لازم ہوں گے۔ جہاں ایک ہزار متعین ہوا ہے وہاں ایک ہزار اور جہاں دو ہزار متعین ہوا ہے وہاں دو ہزار، (**فتح القدير ٣۔ ٢٣٢**)

فقہ کی تمام کتابوں میں یہ جزئیہ موجود ہے۔ اس کو پیش نظر رکھنے سے اس مسئلہ کا حکم بھی نکل آتا ہے جو اوپر ذکر کیا گیا ہے کہ نکاح میں مہر کی تعیین اس طرح کی جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق نہیں دی تو دس ہزار اور اگر طلاق دیدی تو بیس ہزار۔ اس طرح مہر طے کرنا درست و صحیح ہے۔ اور حضرت امام ابو حنیفہ کے نزدیک عدم طلاق کی صورت میں دس ہزار متعین مہر لازم ہوگا۔ اور طلاق دینے کی صورت میں مہر مثل لازم ہوگا جو دس ہزار سے کم اور بیس ہزار سے زائد نہ ہوگا۔ حضرات صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں ان کے متعین مہر ہی لازم ہوں گے۔ عدم طلاق میں دس ہزار اور طلاق میں بیس ہزار۔

اس مسئلہ میں امام صاحب کا قول راجح ہے۔ اصحاب متون نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ لیکن اگر ضرورت متقاضی ہے اور حاجت داعی ہے تو صاحبین کے قول کو فتوی کے لئے اختیار کیا جاسکتا ہے۔

یہ مسئلہ کہ نکاح کرتے وقت اس طرح مہر متعین کیا جائے کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے

ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو مہر تیس ہزار ہوگا اور اس کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو مہر پندرہ ہزار ہوگا۔ اس کا بھی وہی حکم ہے کہ امام صاحب کے نزدیک اگر اس منکوحہ کی موجودگی میں اس نے دوسری عورت سے شادی نہیں کی تو پندرہ ہزار متعین مہر لازم ہوگا اور اگر کسی دوسری عورت سے شادی کرلی تو مہر مثل لازم ہوگا جو پندرہ ہزار سے کم اور تیس ہزار سے زیادہ نہ ہوگا۔ اور صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں صحیح ہیں۔ پہلی صورت میں پندرہ ہزار اور دوسری صورت میں تیس ہزار لازم ہوں گے۔

عقد نکاح میں ملازمت پیشہ یا ملازمت کی خواہش مند عورت کی طرف سے یہ شرط لگائی جائے کہ وہ جس ملازمت سے وابستہ ہے شوہر شادی کے بعد اسے اس سے منع نہیں کرے گا۔ یا کوئی مناسب ملازمت ملنے پر شوہر اس کی اجازت دے گا اس سے نہیں روکے گا۔ اور شوہر نکاح میں اس کو قبول کرتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس طرح شرطیں وعدے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ شوہر انھیں پورا کردیتا ہے تو بہت بہتر ہے ورنہ قانونا اس کو اس کا پابند نہیں بنایا جاسکتا۔ شوہر اگر بیوی کو اس شرط کے باوجود ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے تو بیوی کو اس کی اطاعت کرنی ہوگی۔ کیونکہ بیوی کو ملازمت سے روکنے کا شوہر کو اختیار ہے اور شوہر کی اطاعت و فرمانبرداری اور اس کے حکم کی بجاآوری جائز کاموں میں بیوی پر واجب ہے۔ (**در مختار آخر باب القسم۔ در مختار ۲۔ ۲۳۷**)

البتہ دین مہر پر اس کا اثر پڑے گا جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

هذا ما ظهر لی والله تعالى اعلم

اشتراط فی النکاح

مولانا محمد فضل الرحمان رشادی ٭

عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہے ، عقد نکاح کے وقت اگر اسی کو شرط کی صورت میں ذکر کیا گیا، جیسے بیوی یہ شرط لگائے کہ نان و نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا، تو یہ شرط غیر ضروری اور تحصیل حاصل ہے شرط نہ ہونے کی صورت میں بھی نان و نفقہ شوہر کے ذمہ واجب ہے تاہم یہ شرط صحت نکاح میں مخل نہیں ہے ، اور شرط کا پورا کرنا واجب ہے

(۱) عقد نکاح کے وقت اگر کوئی فریق ایسی شرط لگائے جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے فرار و گریز ہو، مثلاً شوہر عند النکاح یہ شرط لگائے کہ بیوی کا نان و نفقہ اس کے ذمہ نہ ہوگا تو یہ شرط فاسد ہے ، نکاح ہو جائے گا اور شرط باطل ہوگی در مختار میں ہے :

لا يبطل النكاح بالشرط الفاسد و انما يبطل الشرط دونه يعنى لو عقد مع شرط فاسد لم يبطل النكاح بل الشرط۔

یہاں دو چیزیں ہیں (۱) معلق علی الشرط (۲) مشروط بشرط فاسد

جس چیز کے پائے جانے کا احتمال ہے ، مگر وہ موجود نہیں ہے نکاح اس پر معلق کرنا معلق بالشرط کہلاتا ہے ، جیسے اس شرط پر نکاح کرنا کہ اگر فلاں راضی ہوا یا اگر کل بارش ہوئی یا فلاں مرگیا تو شرط اور نکاح دونوں باطل ہوں گے۔

٭ استاذ مدرسہ سبیل المومنین آصف پور - آندھرا پردیش

مشروط بشرط فاسد سے مراد یہ ہے کہ عقد نکاح میں لوازم نکاح کے مخالف چیزوں کی شرط لگائے جیسے شوہر یہ کہے کہ مہر نہیں دوں گا، یا نفقہ خود عورت برداشت کرے گی، شرط باطل نکاح جائز قرار دیا جائے گا۔

المسلمون عند شروطهم ما وافق الحق قال القسطلانی و المراد شروط لا تنافی مقتضی عقد النكاح بل تكون من مقاصده كشروط العشرة بالمعروف و ان يقصرشئی من حقوقها

عند النکاح کسی فریق کا ایسی کوئی شرط لگانا جس کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہونا ہو جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہ ہوتا ہو، اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی ہو۔ مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا، یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا، یہ صورت مقتضائے عقد کے خلاف ہونے کی وجہ سے شرط لغو اور نکاح جائز ہوگا، جہاں تک ہوسکے ایفاء وعدہ کی کوشش کرے چونکہ قرآن کریم کی بے شمار آیتوں میں اللہ تعالی نے وعدہ کو پورا کرنے کا حکم دیا ہے، خلاف کرنے کی صورت میں آثم وگنہگار ہوگا۔ مگر صحت نکاح میں فرق نہیں آئے گا۔ **احق الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج** اس کے ذیل میں علامہ قسطلانی لکھتے ہیں، **و اما شرط يخالف مقتضاه كشرط ان لا يتسرى عليها و لا يسافر بها فلا يجب الوفاء به بل يلغو الشرط و يصح النكاح۔**

اس مسئلہ کی مزید وضاحت کے لئے فتاوی باقیات صالحات کا ایک جواب بعینہ نذر قرطاس کرتا ہوں۔ سائل کا یہ قول کہ زید نے ہندہ سے بایں شرط نکاح کیا تھا کہ ہندہ سن بلوغ تک اپنے باپ ہی کے ہاں رہے۔ اگر اس سے یہ مراد ہے کہ زید نے ہندہ سے نکاح کرتے وقت عین ایجاب میں یہ کہا ہو کہ ہندہ سے اس کے بلوغ تک اس کے ولی کے یہاں رہنے کی شرط پر نکاح کرتا ہوں، یا مذکورہ شرط پر قبول کرتا ہوں، یعنی ایجاب و قبول جو رکن عقد ہے اسی میں شرط کو داخل کیا ہو تو وہ شرط خود باطل ہے اور نکاح صحیح ہے۔

و النكاح لا يصح تعليقه بالشرط و لا اضافته و لكن لا يبطل بالشرط و يبطل الشرط۔ (فتاوی عالمگیری)

اگر اس سے لفظ وعدہ مراد ہے تب بھی اس کا وفا کرنا قضاءً لازم نہیں ہے، چنانچہ فتاوی حامدیہ میں ایک سوال کے جواب میں لکھا ہے " **لا يلزمه الوفاء بالوعد شرعا و ان اوفى فبها و نعمت** " ہاں عند اللہ گنہگار ہوگا اللہ جل شانہ قرآن شریف میں ارشاد فرماتا ہے " **واوفو بالعهد ان العهد كان مسئولا** " اور حدیث شریف میں

وعدہ خلافی کا علامات نفاق میں سے ہونا ثابت ہے " (**فتاوی باقیات صالحات ص ۱۵۸۔۹۵۱**)

عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، اور شوہر اس شرط کو تسلیم کرلے ۔ یہ تفویض طلاق ہے، اور طلاق کا اختیار مذکورہ شرطوں کے پائے جانے کے وقت عورت کو حاصل ہوگا۔

اگر کسی نے اپنی عورت سے کہا کہ " **طلقی نفسک متی شئت** " جب چاہے تو اپنے کو طلاق دے لے، تو عورت کو اختیار ہے چاہے وہ مجلس میں طلاق دے یا بعد میں، اس لئے کہ " **متی** " سارے وقت کے لئے عام ہے گویا ایسا ہوا جیسا کہ اس نے کہا ہو کہ جس وقت بھی چاہے تو اپنے پر طلاق واقع کرلے ۔ اگر اس نے کسی دوسرے آدمی سے کہا کہ میری عورت کو طلاق دے، تو اس کو مجلس اور بعد مجلس بھی طلاق کا اختیار حاصل رہتا ہے، اور شوہر کو رجوع کا حق حاصل ہوگا، اس لئے کہ یہ وکالت ہے اور اپنی بیوی کی طلاق میں استعانت و مدد طلب کر رہا ہے، یہ وکالت نہ لازم ہے اور نہ ہی مجلس تک موقوف ہوتی ہے، برخلاف پہلے مسئلہ کے، اس لئے کہ وہاں عورت اپنے لئے طلاق دے رہی ہے یہ تملیک ہے توکیل نہیں۔

تفویض تملیک یعنی مالک بنانے کو کہتے ہیں نہ کہ وکیل بنانے کو۔ چاہئے کہ عورت اسی مجلس میں تفویض کو قبول کرلے ۔ تملیک سے رجوع صحیح نہیں ہے، یہاں تک کہ اگر اس نے عورت کو اختیار طلاق دینے کے بعد قسم کھائی کہ وہ عورت کو طلاق نہیں دے گا ۔ پس عورت خود اپنے کو طلاق دے لے تو شوہر صحیح قول کے موافق حانث نہیں ہوگا۔ کیونکہ شوہر کی تفویض طلاق کی وجہ سے عورت کو ملکیت حاصل ہوجاتی ہے اور یہ فعل عورت کا شمار ہوگا، (برخلاف توکیل کے کیونکہ وکیل کا فعل مؤکل کا فعل شمار ہوگا) مسئلہ تفویض میں عورت کو مجلس تک ہی اختیار رہے گا اگر وہ بعد میں طلاق دے تو وہ معتبر نہیں ہوگا مگر یہ کہ شوہر " **طلقی نفسک** " اور اس جیسے جملوں کے ساتھ " **متی ما شئت اذا شئت۔ اذا ما شئت** " جب چاہے اور جس وقت چاہے جیسے کلمات حروف بڑھادے تو مجلس کی قید نہیں ہوگی ۔ جب چاہے عورت کو طلاق کا اختیار حاصل رہے گا، اور شوہر کو تفویض کے بعد رجوع کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ یعنی

لو طلقها بائنا هل يبطل امرها ان كان التفويض منجزا نعم و ان كان معلقا كان دخلت الدار فامرك بيدك او موقتا لا ۔ عمادية لكن في البحر عن القنية ظاهر الرواية ان المعلق كالمنجز۔

اگر شوہر نے تفویض کے بعد بیوی کو طلاق بائن دی تو عورت کا اختیار طلاق باطل ہوگا یا نہیں ؟ اگر

تفویض منجز تھی یعنی شرط پر معلق نہ تھی تب تو اس کا اختیار باطل ہوگا، اس لئے کہ اگر اختیار باطل نہ ہو تو بائن کا بائن کو لاحق ہونا لازم آتا ہے، جبکہ یہ جائز و درست نہیں اور اگر تفویض معلق تھی اس طرح کہ اگر تو گھر میں داخل ہوئی تو تیرا معاملہ طلاق تیرے ہاتھ میں ہے۔ یا تفویض مؤقت ہو اس طرح کہ تیرا معاملہ طلاق کل تک تیرے ہاتھ میں ہے تو اختیار باطل نہیں ہوگا، اس لئے کہ بائن معلق اور بائن مؤقت کا ملحق ہونا جائز ہے، لیکن بحر الرائق میں قنیہ سے منقول ہے کہ ظاہر الروایہ یہ ہے کہ تفویض معلق تفویض منجز کی طرح ہے، مطلب یہ کہ دونوں صورتوں میں سے کسی میں اختیار باقی نہیں رہے گا (در مختار اردو)

غیاثیہ میں ذکر کیا گیا ہے کوئی شخص اپنی زوجہ سے کہے کہ تیرا معاملہ طلاق تیرے سپرد ہے جس وقت تو میری زوجہ ہے، تو یہ اختیار محض اس وقت تک باقی رہے گا جب تک اس کے نکاح میں رہے گی پس اگر بائن طلاق دیدے تو اختیار باقی نہیں رہے گا، اور رجعی طلاق دی گئی ہو تو باقی رہے گا، ایسے ہی اگر یہ کہے کہ تیرا معاملہ طلاق تیرے سپرد ہے اور اس کے بعد بائن طلاق دیدے اور پھر اسی کے ساتھ نکاح کرلے اس بارے میں دونوں طرح روایتیں ہیں، زیادہ ظاہر قول کے مطابق اختیار باطل نہ ہوگا، اسی قول پر فتوی دیا گیا ہے (تاتار خانیہ)

اگر خاوند زوجہ کو اختیار طلاق عطا کرے پھر بائن طلاق دیدے تو بموافق ظاہر روایت اختیار طلاق اس کے قبضہ میں باقی نہ رہے گا۔ ایک رجعی طلاق دینے کی صورت میں اختیار طلاق ختم نہ ہوگا، اور علماء کہتے ہیں کہ یہ حکم اس صورت میں ہوگا جبکہ اختیار طلاق کسی شرط پر موقوف نہ ہو، اگر کسی شرط پر موقوف و معلق ہو، جیسے یہ کہے کہ اگر تجھے زد و کوب کردوں تو تیرا معاملہ طلاق تیرے سپرد ہے اور اختیار دینے کے بعد پھر اس کے ساتھ خلع کرلے، یا بائن طلاق دیدے تو اختیار باقی رہے گا، پس اگر اس کے ساتھ از سر نو نکاح کرلے اور پھر زد و کوب کرے تو اسے اختیار طلاق حاصل ہوگا، چاہے دوران عدت دوبارہ نکاح کیا گیا ہو یا بعد عدت (ذخیرہ) فتاوی عالمگیری (اردو)

تفویض قبل النکاح

زوجنی ابنتک علیٰ ان امرھا بیدک لم یکن له الامر لانه تفویض قبل النکاح (در مختار)

کوئی اس شرط پر نکاح کرے کہ تم اپنی لڑکی کا نکاح میرے سے کردو معاملہ طلاق تمہارے ہاتھ میں ہوگا تو اسے طلاق کا اختیار حاصل نہیں ہوگا، اس لئے کہ یہ تفویض قبل النکاح ہے۔

اذا ابتدات المراۃ فقالت زوجت نفسی منک علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید او علی انی طالق فقال الزوج قبلت اما لو بدا الزوج لا تطلق و لا یصیر الامر بیدھا کما فی البحر عن الخلاصۃ والبزازیۃ انتھی۔

جب ایجاب (ابتدائے کلام) عورت کی طرف سے ہو، پس وہ کہے کہ میں تیرے ساتھ نکاح اس شرط پر کرتی ہوں کہ معاملہ طلاق میرے ہاتھ میں ہوگا کہ میں جب چاہوں گی اپنے پر طلاق واقع کرلونگی یا یہ کہ میں طالق ہوں ۔ شوہر نے کہا کہ میں نے قبول کیا تو یہ تفویض صحیح ہے ۔ اگر ابتدائے کلام (ایجاب) مرد کی جانب سے ہو تو عورت کو نہ طلاق کا اختیار حاصل ہوگا اور نہ ہی وہ معاملہ طلاق میں خود مختار ہوگی۔

ابتدائے کلام یعنی ایجاب مرد کی جانب سے ہو اور لڑکی والے قبول کے ساتھ تفویض طلاق کی شرط لگادیں تو نکاح بلاکسی شرط کے صحیح ہوجائے گا اور شرط بالکل بیکار جائے گی (**الحیلة الناجزة**)

نکاح میں شرط کی جو تین صورتیں سوالنامہ میں بیان کی گئیں ان کے احکام درج ذیل ہیں۔

(۱) عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہوجائیں اور تحریر پر طرفین کے دستخط ہوجائیں بشرطیکہ نکاح کی طرف نسبت و اضافت ہو تو شرط کے پائے جانے کی صورت میں عورت کو اختیار طلاق حاصل ہوگا ۔ **تنحل الیمین بعد وجود الشرط مطلقا.** اگر نکاح کی طرف اضافت نہ ہو تو شرائط نامہ بے کار ہوگا۔

(۲) عقد نکاح میں ہی ان شرائط کا ذکر ہو، تو ضروری ہے کہ ایجاب مع شرائط عورت کی جانب سے ہو اور مرد اسے قبول کرلے تو تفویض صحیح ہے ۔ اگر اس کے برعکس ہو یعنی ایجاب طلاق مرد کی جانب سے ہو اور عورت والے مع شرائط قبول کریں تو یہ صحیح نہیں ۔ دلائل آگے گزر چکے ہیں۔

ہاں اگر عورت کی جانب سے ایجاب مطلق ہو ، اور مرد نے قبول میں تفویض طلاق کی شرط کا ذکر کردیا تو تفویض صحیح ہوگی ، اس صورت میں یہ خامی ہے کہ عورت کی جانب سے اولا بلاکسی شرط کے ایجاب ہونے کی وجہ سے معاملہ عورت کے ہاتھ سے نکل جاتا ہے اور مرد خود مختار ہوجاتا ہے ۔ اب اس پر عورت والوں کی جانب سے کسی قسم کا دباؤ نہیں ہوسکتا ۔ لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ ایجاب کی صورت میں عورت ، یا اس کے ولی کی جانب سے پہلے ہی شرائط ذکر کردئے جائیں۔

(۳) عقد نکاح کے بعد عاقدین کی جانب سے شرائط نامہ تحریر ہو تو یہ بھی درست ہے ۔ اور عورت کو طلاق کا اختیار حاصل ہوجاتا ہے ۔ دوسری صورت میں ذکر کردہ خامی یہاں بھی موجود ہے کہ عورت کے ہاتھ سے معاملہ نکل جاتا ہے ، اور مرد کی مرضی پر ہی یہ شرائط معرض وجود میں آسکتے ہیں۔

اللہ تعالی کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض اور ناپسندیدہ طلاق ہے ۔ طلاق کی وجہ سے نہ صرف دو دلوں بلکہ دو خاندانوں میں دراڑ اور دوری پیدا ہوتی ہے ۔ بدرجۂ مجبوری وہ بھی حالت طہر میں عورت کو طلاق دینے کی اجازت دی گئی ہے ۔ بیک وقت تین طلاق دینے پر حضور نے شدید ترین غصہ اور نفرت کا اظہار فرمایا

ہے ۔ مرد چونکہ عورت کی بہ نسبت سنجیدہ تجربہ کار اور کامل العقل ہے لہذا طلاق کا اختیار بھی اسلام نے اسی کو دیا ہے ۔ تاکہ وہ حالات کا ٹھنڈے دل سے جائزہ لے اور سوچ سمجھ کر قدم بڑھائے ۔ عورت چونکہ فطری طور پر جذباتی اور ناقص العقل ہے ۔ اس لئے عورت کو طلاق کا اختیار نہیں دیا گیا ، مرد کے طلاق دئے بغیر چارہ کار نہیں چاہے عورت ہزار کوشش کرے وہ نکاح سے علحدہ نہیں ہوسکتی تفویض طلاق کی صورت میں یہ اختیار عورت کو حاصل ہوتا ہے ۔ لہذا شرائط نامہ تحریر کرتے وقت اس امر کا خاص کر لحاظ رکھیں کہ بالکلیہ اور علی الدوام عورت کو اختیار طلاق حاصل نہ ہو ۔ ورنہ بہت سارے فتنے جنم لے سکتے ہیں ۔ لہذا یہ شرط بھی مذکور ہو کہ شرط کی خلاف ورزی یا عورت کی تکلیف ، شدیدہ کی صورت میں جسے مذکورہ دس افراد میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کرلیں اور عورت کے لئے علحدگی کو مناسب بھی قرار دیں تو عورت کو اسی وقت یا شرط کی خلاف ورزی کے ایک ماہ تک مہر معاف کرکے اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کرلینے کا اختیار ہوگا ۔ اور یہ اختیار ایک ہی نکاح تک محدود ہوگا ۔ اگر کسی وقت فرقت و علحدگی کے بعد اعادہ نکاح ہو تو اس کے بعد یہ اختیار اور شرائط نہیں ۔ بلکہ اس وقت جو کچھ دوبارہ طے ہوجائے اس کے موافق عمل درآمد ہوگا ۔ اکثر شرائط حیلۃ الناجزۃ سے مستفاد ہیں)

طلاق ایک ناپسندیدہ عمل ہے ، بعض ناگزیر حالات میں ایک ضرورت بھی ۔ لہذا طلاق کے غلط اور بیجا استعمال کو روکنے کے لیے عقد نکاح کے وقت اگر اس طرح مہر طے کریں کہ شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کو بیس ہزار مہر دینا ہوگا ۔ اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہوگا ، اسی طرح اگر شوہر نے اس دولہن کی موجودگی میں زوجیت میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت (دولہن) کا مہر تیس ہزار ہوگا اور اگر اس کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا ، اس طرح کا مہر طے کرنا درست ہے ، بہر صورت مہر مسمی لازم ہے اور صاحبین کے قول پر فتوی درست ہوگا ، اس کی نظیریں ہدایہ اور خود سوالنامہ میں تاتار خانیہ سے منقول مسائل ہیں ۔

اذا تزوجها على الف ان لم تكن له امراة و على الفين ان كانت له امراة و على الف ان لم يخرجها من البلدة و على الفين ان اخرجها فالنكاح جائز فقال ابو يوسف و محمد جائزان۔

اس شرط پر نکاح کرے کہ اگر پہلے سے اس کی بیوی نہیں ہے تو مہر ایک ہزار اور اگر پہلی بیوی موجود ہے تو دو ہزار ، اسی طرح عورت کو اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے گیا تو ایک ہزار اور اگر باہر لے جاتے تو دو ہزار مہر کی رقم ادا کرنا ہوگا ، تو نکاح جائز ہے ۔ اور صاحبین کے نزدیک مہر مسمی لازم ہوگا ۔

عورتوں کو ملازمت اور نوکری کی اجازت نہیں دینی چاہئے اس سے بے شمار مفاسد پیدا ہوتے ہیں ، بے حجابی

شوہر کی ناقدری، نامحرموں سے گفتگو وغیرہ، اگر نکاح کے وقت عورت نے اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگائی کہ شوہر اسے موجودہ ملازمت سے نہیں روکے گا، یا اگر آئندہ کوئی مناسب ملازمت ملے تو اسے ملازمت کرنے سے نہیں روکے گا عقد نکاح کے وقت شوہر اس شرط کو تسلیم کرلے شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہونے کی وجہ سے باطل اور نکاح جائز ہے ایفاء شرط قضاء لازم نہیں ہے " **لا یلزمه الوفاء بالوعد شرعا و ان اوفی فبها و نعمت** " ہاں اگر عورت شریعت کے حدود میں رہ کر ملازمت کر رہی ہے تو بلا وجہ روکنا عہد کے خلاف ہونے کی وجہ سے گناہ ہے، عورت کو فسخ نکاح کا کوئی اختیار نہیں ملے گا اور شوہر کے حکم کی تعمیل لازم و ضروری ہوگی، گذشتہ صفحات میں دلائل آچکے ہیں۔

اشتراط فی النکاح کا مسئلہ

مولانا عمران قاسمی ☆

الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی رسوله الکریم

اللہ تبارک و تعالی نے ازدواج کو نہ صرف توالد و تناسل اور انساب کی حفاظت کا ذریعہ بنایا ہے ۔ بلکہ اس تعلق سے جو اتحاد و اتفاق اور الفت و محبت پیدا ہوتی ہے ۔ اس کی طرف بھی اشارہ کیا ہے ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ لڑکا کہیں کا ہوتا ہے ۔ لڑکی کہیں کی ہوتی ہے ۔ اس قدر اجنبیت کے باوجود نکاح کا رشتہ ان دونوں میں قائم ہوتے ہی ساری اجنبیت اور ان کا بعد ختم ہوجاتا ہے ۔ ان دونوں کے دلوں میں قدرتی طور پر الفت و محبت پیدا ہوجاتی ہے اور یہ انس و محبت وقتی نہیں ہوتی ہے ۔ بلکہ جوں جوں زندگی کے ایام گزرتے جاتے ہیں ، اس میں کمی کے بجائے برابر اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے ۔ قرآن نے اسی الفت و محبت کی تعبیر اس طرح کی ہے ۔

و من آیاته ان خلقکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیها و جعل بینکم مودة و رحمة (سورة الروم)

اس کی اونچی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ ہم نے تمہارے جی سے تمہارا جوڑا بنایا کہ تم ان سے جی ٹھنڈا کرو اور تمہارے درمیان پیار و دلداری کے جوت جگادئے ۔

دوسری جگہ ارشاد ہے ۔

وهوالذی خلق من الماء بشرا فجعله نسبا و صهرا وکان ربک قدیرا (سورة الفرقان)

وہ خدا ہی کی ذات ہے جس نے پانی کے قطرے سے جیتا جاگتا انسان پیدا کیا اور اس کو خاندان و سسرال والا

☆

بنایا اور تمہارا پروردگار بڑی قدرت والا ہے ۔

غرض شریعت نے عورت و مرد کے درمیان ہونے والے عقد کو قابل احترام قرار دیا اور متعینہ حدود میں رہ کر زندگی گزارنے کے طریقے بتائے ان ہی قوانین و ضوابط میں سے ایک اہم قانون و ضابطہ اشتراط فی النکاح ہے ۔

شروط فاسدہ سے نکاح باطل نہیں ہوتا ۔ لہذا نکاح میں اگر کوئی شرط لگائی گئی ہو جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے انحراف و گریز ہو ۔ تو اس شرط کی وجہ سے نکاح باطل قرار نہیں دیا جائے گا ۔ شرط کو دیکھنے کے بعد ہی کوئی رائے قائم کی جاسکتی ہے ۔

مثال کے طور پر شوہر شرط لگائے کہ وہ مہر نہیں دے گا، تب بھی فقہاء کرام نے صراحت کی ہے کہ شوہر پر مہر مثل ہر حال واجب و لازم ہوگا خواہ شوہر وطی کرے یا مرجائے ۔

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے ۔

و ان تزوجها و لم يسم لها مهرا او تزوجها على ان لا مهر لها فلها مهر مثلها ان دخل بها او مات عنها. هداية ج ۲ ص ۳۲۲)

اسی طرح اگر کسی عورت نے اپنی باری اپنی کسی سوکن کو دے دی پھر بھی اس سوکن کو اپنی دی ہوئی باری سے رجوع کرلینے کا حق ہوگا ۔

ہدایہ میں ہے ۔

ولها ان ترجع فی ذالک لانها اسقطت حقا لم يجب بعدلا يسقط (هداية ج ۲ ص ۳۲۹)

اسی طرح نفقہ بھی واجب ہوتا ہے ۔ لہذا کسی عورت نے اپنا نفقہ معاف کردیا یا معافی ہی کی شرط کے ساتھ عقد نکاح کیا تو بھی عورت کو نفقہ کے مطالبہ کا حق ہوگا ۔ فقہ کی یہ عبارت اسی کی طرف مشیر ہے ۔ **لانها اسقطت حقا لم يجب بعد فلا يسقط**

مزید اس سلسلہ میں فتح القدیر کی مندرجہ ذیل عبارت سے واضح روشنی ملتی ہے ۔

و ابراء الزوجة من النفقة هل يصح و يلزم. ان كانت غير مفروضة لا يصح. لانه ابراء قبل الوجوب. وان كان القاضى فرضها كل شهر كذا او كذا صح فى الشهر الاول فقط و كذا لو قالت ابرائتک من نفقة سنة لا يبرأ الامن شهر الا ان يكون فرض لها كل سنة كذا لان القاضى اذا فرض كذا كل شهر فانما فرض مهما يتجدد الشهر فما لم يتجدد لم يتجدد الفرض و مالم يتجدد الفرض لم يجب نفقة الشهر فلا يصح الابراء عنها و لو ابرائه بعد ما مضى الشهر

عما مضى و عما ليستقبل برئ عما مضى و عن شهر (فتح القدير ج ۲ ص ۳۹۲۔۳۹۵)

اسی طرح ایسی شرط لگانا جس کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح میں حاصل نہیں ہوتا اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح میں عائد نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا وہاں سے نکال کر کسی دوسری جگہ نہیں لے جائے گا۔ ان شرائط کا بھی نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور نکاح صحیح قرار پائے گا۔

لیکن اگر شرط ایسی ہو جس سے صرف عورت کو فائدہ ہو اور کسی دوسرے کو نقصان بھی نہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ شوہر اس شرط کی پابندی اس وقت تک کرے جب تک نکاح کے مقاصد فوت نہ ہوں۔ مثال کے طور پر عورت نے یہ شرط لگائی کہ شوہر اس کو اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے جائے گا لہذا اس صورت میں اگر شوہر کو کسی دوسرے ملک میں ملازمت مل گئی یا اس کا تبادلہ ایسی جگہ ہوگیا جہاں رہ کر اسے بیوی کے حقوق ادا کرنے میں نہایت دشواری ہو رہی ہو تو اس شرط کے پورا کرنے کا مطلب یہی ہوگا کہ شوہر بیوی کو طلاق دے کر اپنے سے جدا کردے یا پھر عورت کے حقوق کی ادائیگی سے بالکل لا پروا ہوجائے۔ ان دونوں صورتوں کے مقابلہ میں مناسب یہی ہے کہ بیوی کو اپنے ہمراہ لے کر جائے۔ مگر اس طرح کی شرط کو قضاءً لازم الایفاء قرار دینے کی صورت نہیں ہے۔

اسی طرح کوئی ایسی شرط لگائی کہ اس کے پورا کرنے میں دوسرے کو نقصان ہوگا، اس طرح کی شرط کو پورا کرنا جائز ہی نہیں ہے۔

مثال کے طور پر کوئی عورت یہ شرط لگائے کہ شوہر اپنی فلاں بیوی کو طلاق دے دے گا۔ ان صورتوں میں اگر عورت کا مہر مثل مسمی سے زیادہ ہے تو عدم ایفاء شرط کی صورت میں عورت کو مہر مثل ملے گا۔

قد تقدم ان النكاح لا يبطل بالشروط الفاسدة فاذا تزوج على الف على ان لا يخرجها من البلدة او على ان لا يتزوج عليها او على ان يطلق فلانة فالنكاح صحيح وان كان شرط عدم التزوج وعدم المسافرة و طلاق الضرة فاسدا لان فيه المنع عن الامر المشروع (عناية على هامش فتح القدير ج ۳ ص ۳۵۰)

صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں۔

وهذه الشروط تمنع التزوج و التسرى لوجوب الجرى على موجبها فكانت باطلة (فتح القدير ج ۳ ص ۳۵۱)

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں

اذا تزوج على الف على ان لا يخرجها من البلدة او على ان لا يتزوج عليها اخرى فان وفى بالشرط فلها المسمى وان تزوج عليها اخرى او اخرجها فلها مهر مثلها۔ (هداية ج ۲ ص ۳۲۹)

نکاح کے وقت تفویض طلاق کے سلسلہ میں حضرت تھانوی نے اپنی کتاب " **الحيلة الناجزة** " میں جو کچھ لکھا ہے۔ اس باب میں وہی باتیں کافی ہیں۔ اب اس میں مزید اضافہ کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ باتیں اپنی جگہ کافی وشافی ہیں۔

حضرت تھانوی نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ ملاحظہ ہو " **الحيلة الناجزة** " ص ۳۶ تا ۳۸)

واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے طلاق دینے کو برا سمجھا ہے، صرف ناگزیر صورت میں اس کی اجازت دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی اسے بے محل استعمال کرے یا اسے کھیل بنالے، اس سے عورتوں پر ظلم و زیادتی مقصود ہو تو پھر اس کی نوعیت بدل جاتی ہے۔ اور عند اللہ وہ اقدام ناپسندیدہ شمار ہوتا ہے۔ چونکہ اس کی وجہ سے دو خاندانوں کا اتفاق و اتحاد تباہ و برباد ہوجاتا ہے۔ بلکہ آئندہ چل کر معاشرہ اور خاندانوں پر ناقابل تلافی اثر پڑتا ہے

لیکن اگر ازدواجی زندگی الفت و محبت کے بجائے عداوت و دشمنی میں بدل جائے اور نباہ کی کوئی صورت نہ ہو تو شریعت غراء نے ان ناگزیر حالات میں طلاق کی اجازت ہی نہیں دی، بلکہ اس فعل کو مباح و مستحسن قرار دیا ہے تاکہ آلام و مصائب میں مبتلا زوجین کو چھٹکارا مل سکے۔

مسلم معاشرہ میں وقوع طلاق کا معاملہ جس قدر مشہور ہے، واقعہ یہ ہے کہ اتنا نہیں ہے۔ اور طلاق ثلاثہ یا طلاق کی کثرت کو روکنے کے لئے پابندیاں عائد کر کے طلاق دشوار بنانا تو یہ بالکل غیر مناسب بات ہوگی، چونکہ مسلم سماج میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں کہ میاں بیوی کے درمیان نشوز و شقاق ہے اور نشوز و شقاق اس حد تک پہونچ گیا کہ فرقت ضروری ہے۔ مگر زیادتی مہر کے ڈر سے طلاق نہیں دیتا کہ بعد طلاق مہر ادا کرنا پڑے گا۔ اب نتیجہ یہ ہوگا کہ عورت کالمعلقہ ہو کر رہ جائے گی۔ یا پھر حالات اس قدر ناگفتہ بہ ہو جائیں کہ معافی مہر کے عوض میں طلاق حاصل کرلے۔

ایسی صورت میں یہ بات بہت قرین قیاس تھی کہ اگر مہر کی تعداد کم ہوتی تو شوہر طلاق دے دیتا اور عورت مہر پانے کی حقدار بھی ہوجاتی۔

رہا طلاق ثلاثہ یا طلاق کی کثرت کا معاملہ تو یہ درحقیقت جہالت کی بنیاد پر ہے۔ اس کے غلط استعمال کو روکنے

کے لئے مقدار مہر کو بڑھانے کی بات کرنا درست نہیں ہے ۔

چونکہ اگر ایک شخص فرقت اختیار کرنے پر بالکل آمادہ ہوجائے تو بہر حال مہر کی مقدار جو بھی ہو اس کو ادا کرکے الگ ہوسکتا ہے ۔ ہاں اس کی بہتر شکل یہ ہے کہ مسلم سماج کو ان مسائل سے زیادہ سے زیادہ واقف کرایا جائے ان پر عمل کرنے کی ترغیب دلائی جائے ۔

ان حالات کے باوجود اگر مہر اس طرح طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے طلاق نہیں دی تو مہر دس ہزار روپے ہوگا اور اگر ایک طلاق دی تو مہر بیس ہزار اور اگر تین طلاق دی تو مہر تیس ہزار روپے ۔ اس طرح کی شرطیں لگانا درست ہے ۔ اب رہا مسئلہ وجوب مہر کا تو وہ حالات کے مطابق ہوگا ۔ اگر نکاح کرتے وقت مہر اس طرح طے ہو کہ منکوحہ کے نکاح میں رہتے ہوئے اگر شوہر نے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس کا مہر بیس ہزار روپے ہوگا اور اگر اس کے عقد نکاح میں رہتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر دس ہزار روپے ہوگا ۔ یہ دونوں شرطیں بھی درست ہیں بیوی کو آبائی وطن میں رکھنے یا لے جانے میں ایک ہزار اور دو ہزار مہر طے ہو تو صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں جائز ہیں ۔ ہدایہ میں ہے ۔

الشرطان جائزان حتی کان لها الالف ان اقام بها و الالفان ان اخرجها (هداية ج ۲ ص ۳۲۹)

بیوی کے اقامت و اخراج اور اس کی موجودگی میں دوسری عورت سے نکاح یا عدم نکاح میں کوئی فرق نہیں پڑنا چاہئے ۔ چونکہ جس طرح صاحبین کے یہاں اقامت و اخراج کے سلسلہ میں دونوں شرطیں درست ہیں ۔ اسی طرح تزوج و عدم تزوج میں بھی دونوں شرطیں درست ہوں گی ۔

فکان لها عشرة الاف ان لم يتزوج عليها اخرى و عشرون ان تزوج عليها اخرى

اگر شوہر کے حقوق میں بیوی کی ملازمت سے نقصان و ضرر ہو تو شوہر کو اختیار ہے کہ اس کو ایسی ملازمت سے روک دے ۔ ہاں ایسی ملازمت جس سے شوہر کے حق میں نقصان نہ ہو تو اس طرح کی ملازمت سے روکنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے ۔

اگر شوہر نے نکاح کے وقت یا بعد نکاح کسی ایسی نوکری کی اجازت دے دی جس سے شوہر کے حقوق میں نقصان ہوتا ہے تو شوہر اس اجازت کو واپس لے سکتا ہے ۔

و يلاحظ ان رضاه باحترافها و قتاما لا يمنع عدم رضاه فی غيره ۔ (الاحوال الشخصية ص ۲۳۹)

والذی ينبغی تحريره ان يكون له منعها من كل عمل يؤدی الی تنقيص حقه او ضرره او الی خروجها من بيته اما العمل الذی لا ضرر له فيه فلا وجه لمنعها منه خصوصا فی حال غيبته من بيته ۔ فان ترك المراة بلا عمل فی بيتها يؤدی الی وساوس النفس و الشيطان او الاشتغال بما لا يعنی مع الاجانب و الجيران ۔ (رد المحتار باب النفقة ج ۲ ص ۲۲۵)

اشتراط فی النکاح کا حکم

مفتی حبیب اللہ قاسمی ☆

اس میں شک نہیں کہ اسلام رشتہ نکاح کو پائیدار اور مستحکم دیکھنا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے باہمی تعلقات کی خوشگواری کے لئے کچھ اہم و رہبر اصول بھی بتلائے ہیں، لیکن اسلامی تعلیمات سے دوری اور ناواقفیت کا یہ نتیجہ ہے کہ گرشتے غیر یقینی صورت حال کے شکار ہیں، اور حدود و قیود کے متلاشی ہیں۔

نکاح سے قبل جہاں رسومات غیر شرعیہ کی تکمیل کی طرف پوری توجہ دی جاتی ہے اگر صرف ایک عشرہ دولہا کسی صحیح عالم کی صحبت میں رہ کر مسائل نکاح و طلاق اور حسن معاشرت کی تعلیم حاصل کرے، اسی طرح ہونے والی دولہن کو ایک عشرہ خالص دینی معلومات فراہم کی جائیں تو یقینا دونوں کی زندگی میں اسلامی تعلیمات کی روشنی ہوگی، جس کے نتیجہ میں دونوں کی زندگی خوشگوار بنے گی۔

لیکن افسوس اس انداز کی تعلیمات کی طرف امت کی کوئی توجہ نہیں، جس کا لازمی نتیجہ آج سب کے سامنے ہے اس مختصر سی تمہید کے بعد سوالات کے جوابات سپرد قلم ہیں، لیکن چند اصول جزئیات سے قبل قابل ذکر ہیں۔

۱۔ نکاح کی تین قسمیں ہیں (۱) منجز (۲) مشروط (۳) معلق، علامہ شامیؒ و دیگر فقہاء کی گفتگو سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ نکاح کی یہ تینوں شکلیں قابل قبول و اعتبار ہیں۔

۲۔ شرائط کی دو قسمیں ہیں (۱) شرط صحیح (۲) شرط فاسد

☆ مہتمم دارالعلوم مہذب پور، اعظم گڑھ، یوپی

۳۔ شرط فاسد سے نکاح فاسد نہیں ہوتا، بلکہ شرط فاسد ہوجاتی ہے اور نکاح صحیح ہوجاتا ہے۔

"النکاح لا تبطلہ الشروط الفاسدة فبطل الشرط و بقی النکاح صحیحا (بدائع ج ۲ ص ۲۷۳)

۴۔ تفویض شرعاً ایک درست عمل ہے۔ تفویض کی تین قسمیں ہیں (۱) تخییر (۲) امر بالید (۳) مشیت اور ان انواع ثلاثہ کی تفصیلات کتب فقہ میں مذکور و موجود ہیں۔

۵۔ ایسی کوئی بھی شرط جس سے تحلیل حرام اور تحریم حلال لازم آئے شرعاً غیر معتبر ہے واجب الایفاء نہیں، جیسا کہ خود اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں بھی صراحتاً یہ چیز موجود ہے، ان چند اصولوں کے بعد سوال میں مذکور جزئیات سپرد قرطاس ہیں۔

(الف) نان و نفقہ بیوی کا شوہر پر حق واجب ہے چند شرائط کے ساتھ جن کی تفصیلات کتب فقہ میں مذکور ہیں اگر وجوب نفقہ کی ساری شرطیں موجود ہوں تو شریعت بیوی کو یہ حق دیتی ہے کہ شوہر سے اپنا نان و نفقہ وصول کرلے، لیکن اگر کوئی صاحب حق اپنے حق کو ساقط کردے تو شریعت نے یہ حق بھی صاحب حق کو دیا ہے، لہذا اگر کوئی عورت بلا جبر و اکراہ طوعاً اپنا حق واجبی (نان و نفقہ) ساقط کردے تو اس سے نہ نکاح متاثر ہوگا اور نہ ہی بیوی کو مطالبہ یعنی نفقہ کا حق ہوگا۔

(ب) ایک سے زائد نکاح کی اجازت مرد کو شریعت نے دی ہے شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ ایک سے زیادہ چار تک بیک وقت اپنی زوجیت میں عورتوں کو رکھے، لیکن اگر کوئی مرد اپنا یہ حق کسی مصلحت کے تحت ساقط کردیتا ہے اور اپنی پہلی بیوی سے یہ عہد کرلیتا ہے کہ میں تمہارے علاوہ کسی سے تمہارے رہتے ہوئے شادی نہیں کروں گا تو "**واوفوا بالعهد**" کے تحت یہ وعدہ بھی لازم الایفاء ہوگا، اور اس سے اس کی شادی متاثر نہ ہوگی جس میں اس نے اپنی بیوی سے اس انداز کا عہد کیا ہے۔

(ج) طلاق شوہر کا پرسنل ذاتی حق ہے، لیکن شرعاً تفویض توکیل بھی معتبر ہے لہذا شوہر حسب موقع و مصلحت بوقت ضرورت بقدر ضرورت بحد ضرورت اپنا اختیار و حق دوسرے کے حوالے کرسکتا ہے، اور دوسرا شخص اس کے سپرد کردہ حق کو اگر استعمال کرتا ہے تو وہ حق بجانب ہوگا، تفویض کے بعد اگر شوہر بیوی سے حق تفویض کو واپس لینا چاہے تو نہیں لے سکتا۔

و لایملک الرجوع ای و لا یملک الزوج الرجوع عن التفویض سواء کان بلفظ التخییر او بالامر بالید او طلقی نفسک لما قدمنا۔ البحر الرائق (ص ۳۲۷ جلد ۳)۔

نکاح میں شرط کی صورتیں

۱۔ عقد نکاح سے قبل شرائط طے ہوجائیں۔

۲۔ عقد نکاح [illegible] ان شرائط کا ذکر کیا جائے

۳۔ عقد نکاح کے بعد طرفین کے درمیان کوئی شرط نامہ تحریر کیا جائے۔

یہ تینوں صورتیں درست اور صحیح ہیں۔

البتہ پہلی صورت کے معتبر اور مفید ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ جو تحریر لکھی جائے اور اس میں جو شرط مذکور ہو اس کی اضافت و نسبت نکاح کی طرف ہو، اگر اضافت الی النکاح کو ترک کردیا گیا تو تحریر باوجود طرفین کی دستخط کے لغو اور بے کار ہوجائے گی، جیسا کہ حضرات فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے، اور شرط کی دوسری صورت بھی درست ہے، لیکن اگر شرط تفویض طلاق سے متعلق ہو اس وقت اس کے معتبر ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایجاب مشروط عورت کی جانب سے ہو اور اگر ایجاب مطلق شوہر کی جانب سے ہو اور مشروط قبولیت عورت کی جانب سے ہو اس صورت میں شرط لغو ہوجائے گی اور نکاح بغیر شرط کے درست ہوجائے گا۔

کما فی الشامی . ان ابتدأت المراة فقالت زوجت نفسی منک علی ان امری بیدی اطلق نفسی کما ارید او علی انی طالق فقال الزوج قبلت اما لوبدأ الزوج لا تطلق و لا یصیر امر بیدها کما فی البحر عن الخلاصة و البزازیة۔

تفویض طلاق کے ساتھ احسن یہ ہے کہ دو چار رجال کی تصویب حال کی شرط لگادی جائے، تاکہ عورت اپنے نقصان عقل کی وجہ سے غلط قدم نہ اٹھاسکے، اور اگر ابراء مہر کی بھی قید تفویض طلاق کے ساتھ لگ جایا کرے تو بہتر ہے، تاکہ عورت حق تفویض کو سوچ سمجھ کر استعمال کرے اور بے جا استعمال کا سد باب ہوسکے۔

شریعت نے مصالح کے تحت ہی تفویض طلاق کا دستور بنایا ہے اگر تصویب رجال یا ابراء مہر کی قید لگادی جائے تو بے جا تصرف کا سد باب بھی ہوجائے گا، اور شرعی دستور بھی ضیاع سے محفوظ رہے گا۔

جواب۔ سوال۔ ۲۔ مہر عورت کا حق ہے کمی زیادتی کا اختیار بھی عورت کو حاصل ہے مرد کے قبول کرنے سے پہلے مہر کو مشروط و مطلق رکھنے کا حق بھی عورت کو ہے۔ جس شرط کے ساتھ شوہر مہر کو قبول کرے گا اس کا ایفاء اس کے ذمہ ہوگا۔

جواب۔ سوال ۳۔ شریعت نے عورت کا جو مقام اور کام متعین کیا ہے اس میں اس کی گنجائش نظر نہیں آتی کہ ایک عورت بحیثیت عورت کلرک بنے اور آفسوں کی ڈیوٹی انجام دے، اس لئے راقم الحروف کے نزدیک مرد کو ایسی شرط مسترد کردینی چاہئے جو بہت سے مفاسد و محرمات کا ذریعہ ہو اور ایجاب و قبول کے وقت ہی یہ شرط لگادینی چاہئے کہ تم کو صرف چراغ خانہ بن کر رہنا پڑے گا اور کسی ملازمت کی اجازت نہیں ہوگی اور اگر کوئی شوہر نادانی میں اس انداز کی نامعقول شرط کو قبول کرلیتا ہے تو حسن تدبیر سے بیوی کو اس عمل سے روکنے پر وہ ماجور ہوگا مازور نہیں۔

شرائط نکاح سے متعلق بعض ضروری مسائل و دلائل

مولانا ابوبکر صاحب ☆

نکاح مرد اور عورت کے درمیان انجام پانے والا ایک قابل احترام عقد ہے ، جس کے ذریعہ دو اجنبی مرد و عورت ایک ساتھ مودت و محبت اور اعتماد کی فضاء میں زندگی گزارنے کا فیصلہ کرتے ہیں ، چونکہ مذہب اسلام رشتۂ نکاح کو پائیدار اور مضبوط و مستحکم دیکھنا چاہتا ہے ، اس لئے اس نے دونوں فریق کے بعض ضروری حقوق کی تعیین فرمادی ہے ، اور ایک جگہ قرآن پاک میں صاف صراحت کے ساتھ فرمایا گیا ہے ۔

ولهن مثل الذی علیهن بالمعروف (سورة البقرة آیت ۲۲۸)

دستور کے مطابق عورتوں کے لئے (ان کا حق مردوں پر) اس کے مثل ہے جو ان عورتوں پر (مردوں کا حق) ہے ۔

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا کہ جس طرح عورتوں پر شوہروں کے کچھ حقوق عائد ہوتے ہیں ، اسی طرح عورتوں کے بھی کچھ حقوق ہیں ، جن کی ادائیگی مردوں پر ضروری ہے پھر قرآن و سنت کی واضح نصوص میں مردوں اور عورتوں کے بعض حقوق کو متعین فرمادیا گیا ہے ، جن میں دونوں فریق باہمی رضامندی سے بھی کچھ رد و بدل نہیں کرسکتے ، اور ایسا اس لئے کیا گیا تا کہ مضبوط و طاقت ور فریق کمزور کا استحصال نہ کرسکے ، اور فریق ثانی کی کمزوری اور مجبوری سے فائدہ اٹھاکر نکاح کے وقت اپنی من پسند شرطیں عائد کرکے اپنے حقوق و فرائض سے گریز کی راہ نہ اپنالے ۔

☆ استاذ فقہ مدرسہ اسلامیہ شکرپور ، بھروارہ ، دربھنگہ ، بہار

شرائط نکاح اور ان کے احکام :

مذکورہ تفصیل کے پس منظر میں فقہاء کرام نے نکاح کے مسائل کو بیان کرتے ہوئے کتاب و سنت کی روشنی میں شرائط نکاح پر بحث کی ہے ، تو یاد رہے کہ عقد نکاح میں جو شرائط لگائی جاتی ہیں ان کی تین قسمیں ہیں ۔

(۱) ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو ، اسی کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کر دیا گیا ہو ۔ مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا ۔ نیز شوہر عورت کو مہر دے گا ، وغیرہ ۔

اس قسم کی شرطوں کا حکم یہ ہے کہ ان کو پورا کرنا بالاتفاق واجب ہے ، بلکہ اگر بوقت نکاح ان شرائط کی تصریح نہ کی گئی ہو تب بھی شوہر پر ان شرائط کا لحاظ ضروری ہے ، کیونکہ قرآن و سنت کی واضح نصوص میں ان شرائط و حقوق کا ذکر کر کے ان کی ادائیگی کا مطالبہ کیا گیا ہے ۔ چنانچہ مہر کے سلسلہ میں باری تعالی کا ارشاد ہے ۔

" **فما استمتعتم به منهن فآتوهن اجورهن فريضة** " (سورة النساء آیت ۲۴) جن عورتوں سے (نکاح کے بعد) تم نے فائدہ اٹھایا ہے ، ان کو ان کا مقرر کردہ مہر دیدو ۔

اور نفقہ کے سلسلے میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری حج کے خطبہ میں اعلان فرمایا تھا ۔

ولهن عليكم رزقهن و كسوتهن بالمعروف (ابن ماجه حجة رسول الله صلى الله عليه وسلم حديث ۱۱۳)

دستور کے مطابق عورتوں کو کپڑا اور خوراک دینا مردوں پر لازم ہے ۔

نیز قرآن پاک میں باری تعالی نے عورتوں کے نفقہ کے سلسلہ میں حکم دیا ہے ۔ **وعلى المولود له رزقهن و كسوتهن بالمعوف** (سورة البقرة ۲۳۳) لڑکے والے پر عورتوں کا کھانا اور کپڑا ہے دستور کے موافق ۔

کتاب و سنت کی مذکورہ تصریحات کی بناء پر بغیر شرط کے بھی عورتوں کو مہر کی رقم اور نفقہ دینا ضروری ہے ، لیکن اگر عقد نکاح کے وقت مذکورہ چیزوں کی ادائیگی کی شرط لگا دے تب تو ان کی ادئیگی اور زیادہ مؤکد ہوجاتی ہے ، چنانچہ حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کی حدیث کو تمام ارباب صحاح نے نقل کیا ہے ، جس میں مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا **احق الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج** (بخاری شریف ج ۱ ص ۷، ۲ ، ۳) جن شرطوں کو تم لوگ پوری کرتے ہو ان میں پوری کرنے کے اعتبار سے سب سے زیادہ لائق و مستحق شرط وہ ہے جس کے ذریعہ تم نے شرمگاہوں کو حلال کیا ہے ۔

مطلب یہ ہے کہ جن شرطوں کی وجہ سے عورتوں سے نکاح کرنا حلال ہوتا ہے ، اور جو شرطیں مقتضائے عقد

کے مطابق ہوتی ہیں یعنی جو شرطیں صلب عقد میں داخل ہوتی ہیں، وہ شرطیں پوری کرنے کے زیادہ لائق ہیں، کیونکہ رشتہ نکاح کی پائیداری بڑی حد تک قبائل و خاندان کے سکون کی ضامن ہے، اور اس کی ناپائیداری بہت سے مطمئن معاشروں اور خاندانوں کو فتنہ و فساد، توڑ پھوڑ اور بگاڑ پر ابھارتی ہے، اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے، جو ساری دنیا اور سارے قبائل کے سردار بناکر بھیجے گئے تھے، انہوں نے مقتضائے عقد نکاح کے مطابق طے کی جانیوالی شرطوں کو پورا کرنے پر زور دیا، لیکن جیسا کہ عرض کیاگیا، اگر یہ شرطیں نہ ہوں تب بھی ان شرائط میں ذکر کردہ امور کے مطابق معاملہ کرنے کا حکم دیاگیا ہے۔

(۲) شرط کی دوسری قسم یہ ہے کہ نکاح کے وقت کوئی فریق ایسی شرط طے کرے جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، یعنی جو شرطیں مقتضائے عقد نکاح کے خلاف ہوں، عقد نکاح میں ان کو ذکر کرنا، مثلاً شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نفقہ اس کے ذمہ نہ ہوگا، اسی طرح شوہر بیوی کو رہنے کے لئے مکان نہ دے گا، یا یہ شرط لگانا کہ شوہر اپنی بیوی کو رقم نہ دے گا، اسی طرح عورت کا بوقت نکاح یہ شرط لگانا کہ شوہر اپنی بیوی کو طلاق دیدے، تو اس قسم کی شرطوں کا حکم یہ ہے کہ یہ شرطیں باطل ہیں اور عقد نکاح درست ہوجائے گا، چنانچہ حضرت ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری شرح بخاری "**باب الشروط فی النکاح**" میں لکھا ہے:

و اما شرط ینافی مقتضی النکاح کان لا یقسم لھا او لا یتسری علیھا و لا ینفق او نحو ذلک فلا یجب الوفاء به بل ان وقع فی صلب العقد کفی وصح النکاح لمھر المثل و فی وجه یجب المسمی و لا اثر للشرط وفی قول یبطل النکاح (فتح الباری ج ۹ ص ۲۱۸)

اور بہر حال وہ شرط جو مقتضائے عقد نکاح کے منافی ہو جیسے یہ شرط کہ بیوی کے لئے وہ باری مقرر نہ کرے گا، یا اس پر باندی نہ رکھے گا، اور نہ نفقہ دے گا وغیرہ۔ پس اس کو پورا کرنا واجب نہیں ہے، بلکہ اگر شرط صلب عقد میں واقع ہو تو رک جائے، اور مہر مثل کے ساتھ نکاح صحیح ہوگیا اور ایک صورت میں مہر مسمی واجب ہوگا، اور شرط کا کوئی اثر نہ ہوگا، اور ایک قول میں نکاح باطل ہوگا۔

مندرجہ بالا دوسری قسم کی شرطوں کو فقہاء کرام نے جو باطل فرمایا ہے تو اس کی دلیل وہ حدیث ہے جسے حضرت امام بخاری نے بخاری شریف کی کتاب الشروط کے باب الشروط کے تحت نقل فرمایا ہے کہ

ماکان من شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل و ان کان مائۃ شرط قضاء اللہ احق وشرط اللہ اوثق (بخاری شریف ج ۱ ص ۳۷۷)

جو شرط کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے ۔ اگرچہ سو شرطیں ہوں ۔ اللہ کا فیصلہ زیادہ لائق ہے ۔ (کہ اس کی پیروی کی جائے) اور اللہ کی شرط زیادہ مضبوط ہے ۔

حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ نے مندرجہ بالا حدیث پاک کو " **باب المکاتب و مالا یحل من الشروط** " کے تحت بالفاظ ذیل نقل فرمایا ہے ۔

" **من اشترط شرطا لیس فی کتاب اللہ فلیس له و ان اشترط مائة شرط** " (**بخاری ج ۱ ص ۳۸۲**) (**ترجمہ**) جس شخص نے ایسی شرط لگائی جو کتاب اللہ میں نہیں ہے ۔ تو اس کے لئے کچھ نہیں ہے اگرچہ وہ سو شرط لگائے ۔

اسی طرح مندرجہ بالا شرطوں کے باطل و ناجائز ہونے کی دلیل وہ حدیث بھی ہے ۔ جسے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بالفاظ ذیل مرفوعاً نقل فرمایا ہے :

لا یحل لامراۃ تسال طلاق اختها لتستفرغ صحفتها فانها ما قدر لها (**بخاری ج ۲ ص ۷۷۲**) (ترجمہ) کسی عورت کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنی سوکن کی طلاق کا مطالبہ کرے تاکہ اس کے پیالہ کو خالی کردے ۔ کیونکہ اس کے لئے وہ ہے جو اس کے لئے مقرر کیا گیا ہے ۔

اس حدیث پاک کو حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ نے کتاب الشرط " **باب مالا یجوز من الشروط فی النکاح** " کے تحت بھی بالفاظ ذیل نقل فرمایا ہے ۔

و لا تسأل المراۃ طلاق اختها لتستکفی انائها (**بخاری ج ۱ ص ۳۷۲**) اسی طرح بخاری شریف میں یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ بھی آئی ہے کہ

نهی رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم .. ان تشترط المرأۃ طلاق اختها (**بخاری ج ۱ ص ۳۷۲**)

(ترجمہ) حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ کوئی عورت اپنی بہن (سوکن کی طلاق کی شرط لگائے (**بخاری باب الشروط فی الطلاق**) اور ابو نعیم نے مذکورہ حدیث کی تخریج ان الفاظ میں کی ہے ۔

لایصح لامرأۃ ان تشترط طلاق اختها لتستکفی انائها (**حاشیہ بخاری ج ۲ ص ۷۷۲**) (ترجمہ) کسی عورت کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اپنی بہن (سوکن) کی طلاق کی شرط لگائے تاکہ اس کے برتن کو الٹ دے (کہ وہ خالی ہوجائے اور شوہر کے سارے اکرامات و انعامات کی یہ مستحق ٹھہر جائے)

مذکورہ روایات ہی کی بنیاد پر حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ نے حضرت عمر، یا ابن عمر کا یہ فتویٰ نقل فرمایا ہے۔

قال ابن عمر او عمر کل شرط خالف کتاب اللہ فھو باطل و ان اشترط مائۃ شرط (بخاری ج ۱ ص ۳۸۱) (ترجمہ) حضرت عبد اللہ بن عمر یا حضرت عمر کا قول ہے کہ ہر وہ شرط جو کتاب اللہ کے خلاف ہو وہ باطل ہے اگرچہ سو مرتبہ شرط لگائے۔

وقال ابن مسعود لاتشترط المراۃ طلاق اختھا (بخاری ج ۲ ص ۷۷۲) حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ کوئی عورت اپنی سوکن کی طلاق کی شرط نہ لگائے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جو شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہو، جس کا تذکرہ قرآن و سنت میں نہ ہو، اور اس شرط سے حقوق واجبہ سے گریز ہو رہا ہو تو ایسی شرط عقد نکاح میں لگانی جائز نہیں ہے، اور اگر کسی نے اس قسم کی شرط لگائی تو وہ باطل ہے۔

(۳) شرائط نکاح کی تیسری قسم یہ ہے کہ متعاقدین میں سے کوئی فریق یا دونوں بوقت نکاح ایسی شرط لگائے جس کا تعلق نہ پہلی قسم کی شرطوں سے ہو، اور نہ دوسری قسم کی شرطوں سے یعنی دونوں فریقوں میں سے کوئی ایسی مباح شرط لگائے جو نہ مقتضائے عقد کے قبیل سے ہو اور نہ مقتضائے عقد کے خلاف ہو، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا، یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا۔

اس تیسری قسم کی شرط کے حکم کے سلسلہ میں ائمہ کرام کے درمیان قدرے اختلاف ہے، حضرت امام احمد، اسحاق اور امام اوزاعی کا مسلک یہ ہے کہ شرط کے مطابق عمل کرنا واجب ہے، اگر شرط کو پورا نہ کرے تو عورت کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار حاصل ہوگا، لیکن حضرت امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور سفیان ثوری کے نزدیک شرط کی اس تیسری قسم کو پورا کرنا قضاءً ضروری نہیں، البتہ دیانۃً ضروری ہے، کیونکہ مومن کی شان یہ ہے کہ وہ جو جائز وعدہ کرے اس کو پورا کرے، اور خود باری تعالیٰ کے ارشاد "**واوفوا بالعھد ان العھد کان مسئولا**" کا تقاضا بھی یہی ہے، لیکن اگر کوئی شخص ان شرطوں کو پورا نہ کرے تو عورت فسخ نکاح کا مطالبہ بھی نہیں کر سکتی، حضرت امام احمد وغیرہ اپنے مسلک کے اثبات میں حضرت عقبہ بن عامر جہنی کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں، جسے حضرت امام بخاری نے "**کتاب النکاح باب الشروط فی النکاح**" میں بالفاظ ذیل نقل کیا ہے:

"**احق ما اوفیتم من الشروط ان توفوا بہ ما استحللتم بہ الفروج**" (بخاری ج ۲ ص ۷۷۲)

مگر یہ حدیث ائمہ ثلاثہ کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ وہ حضرات بھی اس تیسری قسم کی شرطوں کو پورا کرنے کو دیانۃً ضروری قرار دیتے ہیں (مستفاد از درس ترمذی ج ۳ ص ۳۱۳)۔ ثانیاً: اس حدیث پاک کے ظاہری الفاظ سے ائمہ ثلاثہ کے مسلک کی تائید معلوم ہوتی ہے۔ ثالثاً: بہت سے شارحین نے اس حدیث کو پہلی قسم کی شرطوں

کے ساتھ مخصوص کیا ہے ۔ بلکہ بعض حضرات نے تو اس حدیث پاک میں شرط سے مراد مہر لیا ہے، چنانچہ ترمذی شریف کی شرح " **الکوکب الدری** " کے حاشیہ میں مرقوم ہے کہ ۔

وقال جماعة من العلماء ان المراد بالشرط ههنا المهر خاصة لا غير لانه هو المشروء فى مقابلة البضع (حاشية الكوكب الدرى ج ۱ ص ۳۳۵)

(ترجمہ) اور (شارحین حدیث کی) ایک جماعت نے کہا ہے کہ شرط سے مراد یہاں پر صرف مہر ہے نہ کہ اس کے ماسوا کوئی اور چیز اس لئے کہ وہی بضع کے مقابلہ میں مشروط ہے ۔

شارحین حدیث کی اس جماعت کے مذکورہ قول کی تائید اللہ تعالی کے اس ارشاد سے بھی ہوتی ہے کہ

" **احل لكم ماوراء ذالكم ان تبتغوا باموالكم** " (سورة النساء آیت ۲۴)

تمہارے لئے ان کے علاوہ عورتیں حلال کردی گئیں ہیں، بشرطیکہ تم مہر دے کر رشتہ تلاش کرو ۔ اور ترمذی شریف کتاب النکاح " **باب ماجاء لا نكاح الا بولى** " کے تحت حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کی ایک حدیث مروی ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں " **فان دخل بها فلها المهر بما استحل من فرجها** " (**ترمذى ج ۱ ص ۲۰۸**) ان الفاظ سے بھی یہی سمجھ میں آتا ہے کہ حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں شرط سے مراد مہر ہے ، اور علامہ نووی علیہ الرحمہ نے حضرت عقبہ بن عامر کی مذکورہ حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "حضرت امام شافعی اور اکثر علماء کا قول ہے کہ یہ حدیث ان شرطوں پر محمول ہے جو نکاح کے مقتضی کے منافی نہ ہوں، بلکہ وہ نکاح کے مقاصد و مقتضی میں سے ہوں، جیسے عورت کو اچھی طرح رکھنے ، اس کا نفقہ، سکنی دستور کے مطابق دینے کی شرطیں، اور یہ شرط کہ شوہر عورت کے حقوق میں کچھ کوتاہی نہ کرے گا، اور دیگر سوکنوں کی طرح اس کے لئے باری مقرر کرے گا، اور عورت گھر سے شوہر کی اجازت کے بغیر نہ نکلے گی، اور نہ نفلی روزہ رکھے گی، اور شوہر کے گھر میں عورت کسی دوسرے کو داخل ہونے کی اجازت نہ دے گی، نیز شوہر کے سامان میں شوہر کی رضا مندی کے بغیر تصرف نہ کرے گی، اور ہر حال جو شرط نکاح کے مقتضی کے خلاف ہو جیسے یہ شرط کہ باری مقرر کرے اور نہ شوہر اس پر باندی کو رکھے اور نہ اس پر خرچ کرے اور نہ اس کو لے کر سفر کرے پس ایسی شرطوں کا پورا کرنا واجب نہیں ہے بلکہ شرط لغو ہوگی اور نکاح مہر مثل کے ساتھ صحیح ہوجائے گا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی وجہ سے کہ وہ شرط جو کتاب اللہ میں نہیں ہے، وہ باطل ہے، اور امام احمد اور ایک جماعت کا کہنا ہے کہ شرط کو پورا کرنا واجب ہے، حدیث " **احق الشروط** " کی وجہ سے" (**حاشيه ج ۱ ص ۲۵۵**)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عقد نکاح میں جو شرائط لگائی جاتی ہیں ان کی تین قسمیں ۔

(۱) مقتضائے عقد کے مطابق ہو، اس کو پورا کرنا واجب ہے ۔
(۲) مقتضائے عقد نکاح کے خلاف ہو، اس شرط کو پورا کرنا جائز نہیں ہے ۔
(۳) شرط کی تیسری قسم یہ ہے کہ جو نہ مقتضائے عقد نکاح کے خلاف ہو، اور نہ موافق ہو، بلکہ مباح قسم کی شرط ہو تو اس قسم کی شرطوں کا دیانتاً پورا کرنا ضروری ہے ،چنانچہ ترمذی شریف کی شرح الکوکب الدری میں شرائط نکاح کا مفصل تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ۔

والحاصل ان الشروط ثلاثة اصناف. ما يوجبه الزواج من غير اشتراطه كالنفقة لها و السكنى فهذا يجب الايفاء به و ان لم يشترط و ما ينافي كتاب الله و نص رسول فهذه لا يجوز العمل بها و ان اشترط و ما ليس من القسمين فهي مباحة اتيانها و تركها فهذه يجب الايفاء بها اذا اشترط و ان لم يشترط لا (الكوكب الدرى ج ۲ ص ۳۳۷)

(ترجمہ) حاصل کلام یہ ہے کہ شرطوں کی تین قسمیں ہیں (۱) جو بغیر شرط کے نکاح کی وجہ سے واجب ہو، جیسے عورت کے لئے نفقہ اور مکان تو ایسی شرط کا پورا کرنا واجب ہے ۔اگرچہ شرط نہ لگائے ۔(۲) جو شرط کتاب اللہ اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریحات کے خلاف ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے ، اگرچہ شرط لگائے ۔(۳) اور جو مذکورہ دونوں قسموں میں سے نہ ہو ،یعنی جن کا کرنا اور چھوڑنا دونوں مباح ہو، اگر اس قسم کی شرط ہو تو اس کا پورا کرنا واجب ہے ،اور اگر شرط نہ لگائے تو واجب نہ ہوگا ۔

مذکورہ تصریحات سے جہاں نکاح کی شرطوں کا علم ہوا وہیں ان شرطوں کا شرعی حکم بھی معلوم ہوگیا، نیز یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ان شرائط کی وجہ سے عقد نکاح پر کیا اثر مرتب ہوتا ہے ۔

اب نکاح کی شرطوں کے اقسام و احکام اور اثرات کو جاننے کے بعد ذیل میں نکاح کی بعض شرطوں کی تفصیل اور ان سے متعلق شرائط کی وضاحت کی جاتی ہے ۔

تفویض طلاق کی شرعی حیثیت اور اس کی ممکنہ صورتوں کی تفصیل

اگر کوئی عورت عقد نکاح میں یہ شرط لگائے کہ فلاں فلاں شکلوں میں اسے طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، اور شوہر نے عورت کی اس شرط کو تسلیم کرلیا، تو شرعاً اس شرط کی کیا اہمیت ہوگی ؟اس سلسلے میں فقہاء کرام جو قرآن و سنت کے معانی کو زیادہ سمجھتے ہیں، ان کے بھی کلام کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی عورت کو اس کے شوہر کی طرف سے مستقبل میں کسی ناگوار بات کا کوئی خطرہ محسوس ہو، اس کے لئے شرعاً جائز ہے کہ وہ عقد نکاح

میں اپنے لئے شوہر سے اس قسم کی شرط کو منظور کرالے ، تا کہ پریشانی کے وقت اس شرط سے فائدہ اٹھاکر اپنے کو تکلیف سے محفوظ رکھ سکے ، فقہاء کرام کی اصطلاح میں اسی کو تفویض طلاق کہتے ہیں ، جس کا مطلب ہوتا ہے کہ شوہر بیوی کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار دیدے چنانچہ قواعد الفقہ میں ہے :

تفويض الطلاق ان يفوض الزوج الى الزوجة امر طلاقها من جهته و قد يكون منجزا وقد يكون معلقا وقد يكون مقيدا بالمجلس وقد يعم واصل التفويض هوا التسليم اى ترك المنازعة والمضائقة .(قواعد الفقه ص ۲۳۳)

مذکورہ سطور سے معلوم ہوا کہ شوہر اگر عورت کو طلاق کی تفویض کردے تو عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہوگا ، چنانچہ قرآن پاک میں تفویض کی ایک قسم تخییر کا ذکر صراحت کے ساتھ آیا ہے ، جس کی رو سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آپ کی ازواج مطہرات کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار دیا گیا تھا ، (ملاحظہ ہو سورۃ الاحزاب) اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ تفویض طلاق کا جواز قرآن کریم سے ثابت ہے ، اب رہی یہ بات کہ شوہر اگر نکاح کے وقت بیوی کو طلاق کا حق تفویض کردے تو اس کے بعد اگر وہ تفویض طلاق کو ختم کرنا چاہے تو شوہر کو اس کا اختیار حاصل ہوگا ، یا نہیں ؟ تو اس سلسلہ میں فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ تفویض طلاق کے بعد شوہر کو اس تفویض سے رجوع کا حق حاصل نہ ہوگا ، بلکہ تفویض کے بعد عورت طلاق کی مالک ہوجاتی ہے ۔ چنانچہ در مختار کتاب الطلاق کی " **فصل فى المشيئة** " میں ہے :

ولا يملك الزوج الرجوع منه اى من التفويض بانواعه الثلاثة لما فيه معنى التعليق (در مختار ۔ ج ۱ ص ۵۳۸)

(ترجمہ) شوہر تفویض کی تینوں قسموں سے رجوع کرنے کا مالک نہ ہوگا ، کیونکہ اس میں تعلیق کا معنی پایا جاتا ہے ، اور علامہ شامی علیہ الرحمہ نے تفویض کی تینوں قسموں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے ۔

(قوله بانواعه الثلاثة (اى التخيير و الامر باليد و المشيئة (رد المحتار ج ۱ ص ۵۲۸)

(ترجمہ) تفویض کی تینوں قسمیں یہ ہیں ، تخییر ، امر بالید ، اور مشیت طلاق ، اسی طرح فتاوی عالمگیری میں ہے ۔

وليس للزوج فى ذالك و لا ينهاها مما جعل اليها و لا يفسخ . كذا فى الجوهرة النيرة فتاوى عالمگيرى ج ۱ ص ۳۸۷ (ترجمہ) شوہر کے لئے اس سے رجوع جائز نہیں ہے ، اور نہ وہ عورت کو اس سے منع کرسکتا ہے جو اس کے حوالہ کیا ہے اور نہ فسخ کرسکتا ہے ۔

مذکورہ تصریحات فقہاء سے معلوم ہوا کہ شوہر جب اپنی بیوی کو طلاق کی تفویض کردیتا ہے تو اس کے بعد شوہر

کو اس تفویض سے رجوع کرنے کا حق نہیں رہتا ہے، بلکہ عورت اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کی مالک ہوجاتی ہے اب ظاہر ہے کہ عورت ناقص العقل ہوتی ہے، اس لئے طلاق کو اس کے ہاتھ میں مطلقا دیدینا خطرہ سے خالی نہیں ہے، اس لئے مناسب ہے کہ تفویض ہی کے وقت کوئی مناسب قید لگادی جائے، جس سے اس خطرہ کا سد باب ہوجائے، مثلا یہ شرط لگادی جائے کہ جس وقت شوہر کی طرف سے عورت کو کوئی تکلیف پہونچے اور فلاں فلاں اشخاص اس کو تسلیم کرلیں، اور وہ حضرات اس صورت میں طلاق کو مناسب بھی کہیں، تو اس کے بعد ہر وقت عورت کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے کو ایک طلاق بائن دے کر نکاح سے جدا کرلے، تو اس صورت میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں اس وقت آئے گا جب کہ نامزد اشخاص عورت پر شوہر کی طرف سے پہونچنے والی تکلیف کو محسوس فرماکر عورت کے لئے طلاق دینے کو مناسب کہیں، لیکن اس کے بعد بھی عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے میں جلدی نہیں کرنی چاہئے، بلکہ اطمینان کے ساتھ سوچ سمجھ کر اپنے اوپر طلاق واقع کرنی چاہئے، کیونکہ طلاق واقع کرنے میں جلدی کرنا شرعا سخت ناپسندیدہ ہے، چنانچہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے **ابغض الحلال الی اللہ عز وجل الطلاق** (ابو داؤد ج ۱ ص ۲۹۶) اللہ تبارک و تعالی کے نزدیک حلال چیزوں میں مبغوض ترین طلاق ہے۔ نیز حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ **ایما امراۃ سالت زوجھا الطلاق فی غیر ما باس فحرام علیھا رائحۃ الجنۃ** (مشکوۃ ج ۲ ص ۲۸۳) (ترجمہ) جو عورت بلا ضرورت خاوند سے طلاق مانگے اس پر جنت کی بو حرام ہے۔

مذکورہ احادیث پاک سے معلوم ہوا کہ جب طلاق کو شریعت نے سخت ناپسند فرمایا ہے تو عورت کو چاہئے کہ تفویض کی صورت میں اپنے اوپر طلاق واقع کرنے میں جلدی نہ کرے، بلکہ اطمینان سے سوچ سمجھ کر طلاق واقع کرے اسی کے ساتھ درج ذیل تین باتوں کا ضرور التزام کرے۔

پہلی بات یہ ہے کہ غصہ کے وقت فورا اپنے اس تفویض کے اختیار سے کام نہ لے، بلکہ ایک معتد بہ مدت تک غور و فکر کرے، جس کی میعاد ایک ہفتہ سے کم نہ ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ اپنے والد یا دیگر خیر خواہوں سے مشورہ کرے، چنانچہ حدیث پاک میں وارد ہے کہ جب قرآن پاک میں آیت تخییر نازل ہوئی تو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا سے فرمایا کہ کچھ فیصلہ کرنے سے پہلے اپنے والدین سے مشورہ کرلو۔

لما امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتخییر ازواجہ بدأ بی فقال انی ذاکر لک امرا فلا علیک ان لا تعجلی حتی تستامری ابویک (بخاری ج ۲ ص ۷۹۲)

تیسری بات یہ ہے کہ سنت کے مطابق استخارہ کرے ، کیونکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے
" **ماندم من استخار** " ۔ جس نے استخارہ کیا وہ شرمندہ نہیں ہوا ۔

استخارہ کے علاوہ ویسے بھی دعا کرے کہ اللہ تعالی میرا دل ایسے کام کی طرف پھیردے ، جو میرے لئے دین و دنیا میں بہتر ہو ، ان تمام کوشش کے بعد جو کچھ دل میں آئے اس پر عمل کرے ، اور اللہ تعالی پر بھروسہ رکھے ، اس طرح عمل کرنے سے انشاء اللہ وہ خطرہ نہ ہوگا جو تفویض کی صورت میں ہوتا ہے **(حیلۃ ناجزۃ ص ۳۲)**

خلاصہ کلام یہ ہے کہ تفویض طلاق کی صورت میں طلاق دینے کا اختیار عورت کو حاصل ہوجاتا ہے ، اور عورت ہی طلاق کی مالک ہوجاتی ہے ، شوہر اگر تفویض طلاق کے بعد اس سے رجوع کرنا چاہے تو اس کو رجوع کرنے کا حق نہیں رہتا ہے ، اس لئے تفویض طلاق کے وقت شوہر کو چاہئے کہ عقل و ہوش سے کام لے کر بقدر ضرورت ہی طلاق کی تفویض کرے ، یک لخت تینوں طلاق کی تفویض نہ کرے ، اب رہی یہ بات کہ طلاق کی تفویض شوہر کب کرے ، یا عورت کب شوہر سے تفویض طلاق کا اختیار حاصل کرے ، تو اس سلسلے میں فقہاء کرام کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تین صورتیں جائز ہیں (۱) نکاح سے پہلے (۲) عقد نکاح کے وقت (۳) نکاح ہوجانے کے بعد ۔ تفویض طلاق کی پہلی اور دوسری صورت کے صحیح و معتبر ہونے کے لئے ایک ایک شرط ہے ، جن کا تفویض طلاق کے وقت لحاظ ضروری ہے ، ورنہ اس تفویض کا اعتبار نہ ہوگا ، چنانچہ تفویض کی پہلی صورت کہ نکاح سے پہلے اس کا معاملہ طے ہوجائے ، تو اس کے معتبر و مفید ہونے کی شرط یہ ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت ہو ، مثلا یہ اقرار ہو کہ اگر میں نے فلاں بنت فلاں سے نکاح کیا اور پھر میری طرف سے اس کو کوئی تکلیف پہونچی تو اس کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کرکے میرے نکاح سے جدا ہوجائے ، اگر اس صورت میں طلاق کی تفویض اضافت الی النکاح کے ساتھ نہ ہو تو وہ تفویض محض بے کار ہوگی ، اور عورت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہ ہوگا ، کیونکہ طلاق کی تعلیق و تفویض کے صحیح ہونے کے لئے ملک یا اضافت الی النکاح کا ہونا ضروری ہے **(الحیلۃ الناجزۃ ۔ فتاوی دارالعلوم ج ۱۰ ص ۳۷)** چنانچہ در مختار کے متن تنویر الابصار کے " **باب التعلیق** " میں لکھا ہے ۔

شرطه الملك ۔ كقوله لمنكوحته ان ذهبت فانت طالق او الاضافة اليه كان نكحتك فانت طالق ۔ فلغا قوله لاجنبية ان زرت زيدا فانت طالق (تنوير الابصار مع الدر المختار على هامش درالمختار ج ۲ ص ۵۳۷) (ترجمہ) تعلیق کی شرط ملک کا ہونا ، جیسے کوئی اپنی منکوحہ سے کہے کہ اگر تم گئی تو تم کو طلاق ہے ۔ یا ملک کی طرف اضافت کا ہونا ہے ، جیسے کہے کہ اگر میں نے تم سے نکاح کیا تو تم کو طلاق ہے ، لہذا اگر اس اجنبیہ سے کہا کہ اگر تو نے زید کی زیارت کی تو تم کو طلاق ہے تو یہ قول لغو ہوگا ۔

اور تفویض کی دوسری صورت (جب کہ عقد نکاح کے وقت تفویض کا معاملہ طے ہو) کے صحیح و معتبر ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ نکاح کا ایجاب عورت کی طرف سے ہو، اور ایجاب ہی کے وقت خود عورت یا اس کا ولی یا وکیل کہے کہ - میں نے اپنے کو یا فلانہ کو تیرے نکاح میں اس شرط پر دیا کہ اگر تم نے اس کو تکلیف پہونچائی یا یہ کام کیا تو اس کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو ایک طلاق دے کر اس نکاح سے الگ کرلے، اور اس کے جواب میں نکاح کرنے والا مرد کہے کہ میں نے قبول کیا، تو ایسی صورت میں عورت کو اختیار ہوگا کہ شرط کی خلاف ورزی کے وقت اپنے اوپر طلاق واقع کرکے شوہر سے جدا ہوجائے۔

لیکن اگر ایجاب مرد کی طرف سے ہو اور عورت کی طرف سے قبول عقد ہو تو ایسی صورت میں اگر عورت قبول کے ساتھ تفویض طلاق کی شرط لگادے تب بھی نکاح بغیر کسی شرط کے صحیح ہوجائے گا، اور شرط بالکل بیکار سمجھی جائے گی، ہاں اگر شوہر خود ہی ایجاب و قبول کے ساتھ تفویض طلاق کی شرط کا اضافہ کردے تو یہ تفویض بھی درست ہے، لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ شوہر تفویض کی شرط کو بڑھائے، اس لئے جس عورت کا مقصد یہ ہو کہ اس کو بوقت ضرورت اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار مل جائے، اس کے لئے یہ صورت کافی نہیں ہے، بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ ایجاب و قبول ہی میں تفویض کی شرط کو ذکر کردے تاکہ مرد کو بغیر تفویض کی شرط کو تسلیم کئے عقد نکاح کو قبول کرنے کا حق ہی نہ رہے۔

تفویض کی اس دوسری قسم کا ذکر کرتے ہوئے صاحب در مختار نے لکھا ہے۔

نکحها علی ان امرها بیدها صح (در مختار ج ۲ ص ۵۷۲)

(ترجمہ) کسی مرد نے کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ عورت کا معاملہ خود عورت کے ہاتھ میں رہے گا، صحیح ہے۔ در مختار کی اس عبارت کے ذیل میں علامہ شامی نے رد المحتار میں لکھا ہے۔

(قوله صح) مقید بما اذ ابتدات المراۃ فقالت زوجت نفسی منک علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید او علی انی طالق فقال الزوج قبلت اما لو بدأ الزوج لا تطلق و لا یصیر الامر بید ها۔ کما فی البحر عن الخلاصۃ و البزازیۃ (رد المحتار ج ۲ ص ۵۷۲۔ قبیل فصل فی المشیئۃ) (ترجمہ) صاحب در مختار کا قول " **صح** " مقید ہے اس صورت کے ساتھ جب کہ عورت ابتداء کرے، اور کہے کہ میں نے تم سے اپنی شادی کی اس شرط پر کہ میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا کہ میں خود اپنے کو طلاق دوں گی جب چاہوں گی۔ یا اس پر نکاح کیا کہ میں مطلقہ ہوں گی، تو شوہر نے کہا کہ میں نے قبول کیا، لیکن اگر شوہر آغاز کرے تو عورت اپنے کو طلاق نہیں دے سکتی اور معاملہ اس کے ہاتھ میں نہ ہوگا، جیسا کہ خلاصہ اور بزازیہ کے حوالہ سے بحر میں منقول ہے۔

طلاق کی تفویض کی تیسری صورت کہ عقد ہوجانے کے بعد تفویض کا معاملہ طے کیا جائے تو شرعا یہ صورت بھی جائز و درست ہے، لیکن یہ صورت اسی عورت کے لئے کار آمد و مفید ہوسکتی ہے، جس کے نکاح کے وقت یا پہلے تفویض کا معاملہ طے نہ ہوا، ہو لیکن جو عورت نکاح کے وقت ہی احتیاط کی طالب ہو اس کے لئے اس صورت میں بھی وہی کمی ہے جو اوپر دوسری صورت کے ذیل میں ذکر کی گئی، جبکہ عورت کی طرف سے جب ایجاب میں تفویض کی شرط کا ذکر نہ ہو، اور خود شوہر ایجاب میں یا قبول میں تفویض کی شرط کو ذکر کرے، ظاہر ہے کہ جب عورت کی طرف سے تفویض کا ذکر نہ ہو، اور عقد نکاح مکمل ہوچکا تو اب معاملہ عورت کے قبضہ میں نہ رہا کہ وہ شوہر کو تفویض پر مجبور کرے، بلکہ اس صورت میں تفویض کا معاملہ صرف شوہر کی مرضی پر رہ جاتا ہے، اس لئے مصائب کے وقت خلاصی کے لئے تفویض کی پہلی صورت اور دوسری صورت ہی کو اختیار کرنا مناسب ہے، اور ان میں بھی آسان پہلی صورت ہے۔ کیونکہ اس صورت میں جب تفویض کا معاملہ عقد سے پہلے طے ہوجاتا ہے، تو اس صورت میں عوام کے مغالطہ میں پڑنے کا کوئی اندیشہ نہیں رہتا، ہاں اس پہلی صورت میں اضافت الی النکاح ضرور ہونی چاہئے ورنہ تفویض کا معاملہ درست نہ ہوگا۔ 27/11

یہاں پر یہ بات اچھی طرح یاد رہے کہ تفویض طلاق کی شرط کے ساتھ جو نکاح کیا جاتا ہے، اس کے جواز میں فقہ حنفی کی رو سے کوئی شبہ نہیں ہے، البتہ بعض حضرات نے اس صورت کو نکاح معلق میں داخل کرکے شبہ کیا ہے، لیکن یہ ہرگز نکاح معلق میں داخل نہیں ہے، بلکہ یہ نکاح منجز ہے، جو تفویض معلق کے ساتھ مشروط ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں تفویض کی شرط کے ساتھ فورا نکاح منعقد ہوجاتا ہے، جب کہ نکاح میں فورا نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ مثلا عورت یہ کہے کہ میں نے خود کو تیرے نکاح میں دیدیا اگر میرا باپ راضی ہو، یا مرد یوں کہے کہ میں نے قبول کیا اگر میرا باپ راضی ہو، تو اس صورت میں، نکاح نہیں ہوتا، اور اگر اصل نکاح کو معلق نہ کیا جائے، البتہ اس کے ساتھ کوئی زائد شرط لگادی جائے تو اس صورت میں نکاح ہوجاتا ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے نکاح تو مجلس عقد ہی میں منعقد ہوگیا، مگر اس کے ساتھ ایک شرط ہے، جس کو شوہر سے منوایا گیا ہے۔ علامہ حصکفی اور علامہ شامی نے نکاح مشروط اور نکاح معلق کے درمیان فرق کو واضح کرتے ہوئے " **فصل فی المحرمات** " کے آخر میں لکھا ہے۔

و النکاح لا یصح تعلیقہ بالشرط کتزوجت ان رضی ابی لم ینعقد النکاح لتعلیقہ بالخطر کما فی العمادیۃ و غیرھا فما فی الدرر فیہ نظر۔ در مختار (قولہ فیہ نظر) لانہ صریح بعدم صحۃ النکاح المعلق فی الفتح و الخلاصۃ والبزازیۃ من الاصل و الخانیۃ و التاتار

خانیۃ و فتاوی ابی الیث و جامع الفصولین و القنیۃ و لعله اشتبه علیه النکاح المعلق علی شرط بالنکاح المشروط معه شرط فاسد و بینها فرق واضح " شر نبلا لیۃ " (شامی قبیل باب الولی ج ۲ ص ۳۷۰)

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ نکاح معلق کو فقہاء کرام نے ناجائز قرار دیا ہے ، جب کہ نکاح مشروط کو جائز قرار دیا ہے ، کیونکہ نکاح معلق میں فورا نکاح منعقد نہیں ہوتا ، اور نکاح مشروط میں فورا نکاح ہوجاتا ہے ، لیکن یاد رہے کہ نکاح مشروط میں دیگر شرطیں جو مقتضائے عقد کے خلاف ہوں ، فاسد اور غیر معتبر ہوتی ہیں ، لیکن تعلیق کی شرط کو فقہاء کرام نے معتبر و صحیح کہا ہے ۔

اب یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ہمارے فقہاء کرام نے دور حاضر کے پر فتن حالات میں بعض مصالح کی بنا پر تفویض طلاق کی شرط کے ساتھ نکاح کرنے کو جائز قرار دیا ہے ، بلکہ ہمارے بعض تجربہ کار علماء نے تفویض طلاق کی شرط کے ساتھ نکاح کرنے کا مشورہ دیا ہے ، تو اگر کوئی شخص تفویض طلاق کی شرط کے بجائے مہر کی کمی اور زیادتی کی شرط پر نکاح کرے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق نہیں دیا تو ایک ہزار مہر ہوگا ، اور اگر بیوی کو طلاق دیدیا تو دو ہزار مہر ہوگا ، تو کیا اس طرح مہر مقرر کرنا شرعا صحیح ہے یا نہیں ؟ ، نیز اس طرح مہر مقرر کرنے سے نکاح منعقد ہوگا یا نہیں ؟ ، تو اس سلسلہ میں فقہ و فتاوی کی کتابوں میں جو تفصیل درج ہے ، اس کی روشنی میں اس مسئلہ میں اس بات پر تو اتفاق ہے کہ شرعا یہ نکاح صحیح و درست ہے ، البتہ اس قسم کی شرط کا کیا حکم ہے ، اس کے متعلق ہمارے ائمہ ثلاثہ کے درمیان اختلاف ہے ، حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کے نزدیک شوہر شرط کی پہلی صورت پر عمل کرتا ہے تو پہلے سے جس مہر کا ذکر کیا گیا ہے ، عورت کو وہ مہر لے گا لیکن اگر شرط کی پہلی صورت کے بجائے دوسری صورت کو اختیار کرتا ہے تو اس وقت دوسری صورت میں ذکر کردہ مہر کا اعتبار نہیں ہوگا ، بلکہ شرط کی دوسری صورت کے پائے جانے کی صورت میں شوہر پر عورت کو مہر مثل دینا لازم ہوگا ، جبکہ صاحبین کے نزدیک شرط کی دونوں صورتیں صحیح ہیں ، اور ہر صورت میں شوہر پر متعین کردہ مہر (مہر مسمی) لازم ہے ۔ اب مفتی بہ قول کیا ہے ؟ ، تو نکاح کے باب المہر کو غور سے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء احناف کے نزدیک نکاح کے باب میں اصل مہر مثل ہے ۔ ہاں اگر مہر مسمی مستحکم ہو تو ایسی صورت میں مہر مثل سے عدول کر کے مہر مسمی کا فیصلہ کیا جاتا ہے ۔ چنانچہ بدائع الصنائع میں لکھا ہے

ان الموجب الاصلی فی هذا الباب هو مهر المثل فلا یعدل عنه الا عند استحکام التسمیۃ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۸۰)

فقہاء احناف کے مذکورہ نظریہ کی تائید اس حدیث پاک سے ہوتی ہے جس میں وارد ہے کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور مہر متعین نہیں کیا، اور پھر اس شخص کا انتقال ہوگیا تو اس شخص کی بیوی کا مہر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے مہر مثل مقرر فرمایا (**نسائی شریف ج ۲ ص ۸۸**) اس حدیث میں غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مہر کے متعین نہ ہونے کی صورت میں عورت کو مہر مثل دیا جائے گا۔ اور مہر مسمی کا عدم استحکام بھی مہر متعین نہ ہونے کے درجہ میں ہے، اس لئے اس صورت میں بھی مہر مثل کا فیصلہ ہونا چاہئے۔

لہذا فقہاء احناف کے مذکورہ اصول کے تناظر میں جب سوالنامہ کی درج شدہ مذکورہ بالاصورت میں غور کیا جاتا ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں حضرت امام ابو حنیفہ علیہ الرحمہ کا قول مفتی بہ ہے، کیونکہ شرط کی دوسری صورت کے متعلق عورت کو کچھ نہیں معلوم کہ شوہر اس کو طلاق دے گا یا نہیں، لہذا طلاق دینے والی دوسری صورت میں مہر کا تسمیہ مستحکم نہیں ہے، اور مہر مسمی میں استحکام نہیں ہے تو اس صورت میں مہر مثل کا فیصلہ کیا جانا چاہئے۔

نظیرہ مسئلۃ الاخراج دخلت المخاطرۃ علی التسمیۃ الثانیۃ فانہا لاتدری ان الزوج یخرجہا اولا یخرجہا (فتاوی تاتار خانیۃ ج ۳ ص ۱۰۲ و رد المحتار ج ۲ ص ۳۷۵؛ وقال فی البدائع ولابی حنیفۃ ان الشرط الاول صحیح واقع بالاجماع و موجبہ رد مہر المثل ان لم یقع الوفاء بہ فکانت التسمیۃ الاولی صحیحۃ فلو صح الشرط الثانی لکان نافیا موجب الشرط الاول و التسمیۃ الاولی و التسمیۃ بعد ما صحت لا یجوز نفی موجبہا فبطل الشرط الثانی ضرورۃ (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۸۵)

اب اگر کوئی شخص کہے کہ مندرجہ بالا مسئلہ میں طلاق کے واقعات کی کثرت کو روکنے کے لئے صاحبین کے قول پر فتوی دینا چاہئے تو اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ ہرگز ایسا نہیں ہوگا، بلکہ اس کے برعکس یوں ہونے لگے گا کہ عورت زیادہ مہر لینے کے لئے شوہر کو پریشان کر کے طلاق لینے کی خواہش مند ہوگی، اس لئے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ کے قول پر فتوی دیا جائے۔ واللہ اعلم

پہلی بیوی کا مہر دوسری شادی کرنے نہ کرنے پر متعین کرنا

سوال (۲) اگر کسی شخص نے نکاح کرتے وقت اس طرح مہر طے کیا کہ اگر ہم نے اس بیوی کے عقد نکاح

میں ہوتے ہوئے دوسری کسی عورت سے شادی کی تو اس کا مہر ۳۰ ہزار ہوگا، اور اگر اس عورت کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا، تو ایسی صورت میں پہلی شرط صحیح ہے، اور اس کی خلاف ورزی کی صورت میں شوہر پر اس بیوی کو مہر مثل دینا لازم ہوگا، لیکن مہر مثل مسمی سے کم ہوگا یا زیادہ تو پھر اس کی کمی کی صورت میں مہر مسمی کی کمی اور زیادتی کی صورت میں مہر مسمی کی زیادہ مقدار کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا۔

قال فی البدائع ولو تزوج امراة علی الف ان لم یکن له امراة و علی الفین ان کانت له امراة (الی قوله) فلا شک ان النکاح جائز و اما المهر فالشرط الاول جاز بلا خلاف فان وقع الوفاء به فلها ما سمی علی ذالک الشرط و ان لم یقع الوفاء به فان کان علی خلاف ذالک او فعل خلاف ما شرط فلها مهر مثلها لا ینقص من الاول ولا یزید علی الاکثر وهذا قول ابی حنیفة (بدائع ج ۲ ص ۲۸۵ و مثله فی الهندیة ج ۱ ص ۳۰۷)

وقال فی التاتار خانیة و اذا تزوجها علی الف ان لم تکن له امراة وعلی الفین ان کانت له امراة او علی الف ان لم یخرجها من البلد وعلی الفین ان اخرجها فالنکاح جائز و المعتبر فی المهر الشرط الاول ان وفی به فلها المسمی علی ذالک الشرط و ان لم یف فلها مهر المثل لا ینقص من الاول و لا یزاد علی الاکثر (فتاویٰ التاتار خانیة ج ۳ ص ۱۰۱۔۱۰۲)

عورت کا ملازمت کی شرط پر شادی کرنا

سوال (۳) کسی مرد سے کسی عورت کا ملازمت کی شرط پر شادی کرنا شرعا جائز ہے یا نہیں؟ اس کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے مذہب اسلام نے عورت کو کیا مقام و مرتبہ دیا ہے، اس کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، کون نہیں جانتا کہ عورت کو اللہ تعالی نے مرد کے آرام و سکون کے لئے پیدا فرمایا ہے؟ اور مردوں کو عورتوں کا نگراں مقرر کر کے عورتوں کے لئے کھانا کپڑا مکان مہیا کرنے کی ذمہ داری مردوں پر ڈالی ہے، اور عورتوں کو گھر میں ٹھہرے رہنے کا حکم دیا ہے، اور بچوں کی پرورش و پرداخت کے مقابلہ میں ماں ہی کو حق حضانت میں اولیت حاصل ہوتی ہے، شریعت نے عورت کو دنیا کے سامانوں میں سب سے بہترین سامان قرار دے کر اسے پردہ نشین رہنے کا حکم دیا ہے، اگر کبھی کسی عورت کو گھر سے نکلنا پڑے تو اسے پردہ کا حکم دیا گیا ہے، شوہر کو حکم ہے کہ جہاں وہ ہے وہیں اپنی عورت کو بھی رکھے، پردہ عورت کی حقیقت میں داخل ہے، اور جسم کو پردہ میں رکھنے کے ساتھ اپنی

آواز بھی پست رکھنے کا اسے حکم دیا گیا ہے ، عورتوں کی سربراہی قوم وملت کی ہلاکت کا پیش خیمہ قرار دیا گیا ہے ،اور بگڑتے ہوئے حالات میں مسجد میں جاکر نماز جیسی اہم عبادت کی ادائیگی سے عورتوں کو روکا گیا ہے ، اگر کوئی عورت اپنی سرحد کو پھاند کر نمازی کے آگے جاکر کھڑی ہوجائے ، یا کسی نمازی کے پاس آکر نماز شروع کردے ، تو اسے نماز کے خشوع میں مخل جانا گیا ہے ، بلکہ نماز کے فساد تک کا حکم دیا گیا ہے ۔

مذکورہ تفصیل سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ عورت کی اصل فطرت کیا ہے ، جس پر اللہ تعالی نے اسے پیدا فرمایا ہے ، اب اگر کوئی عورت اللہ رب العزت کی طرف سے دی ہوئی حیاء کے پردہ کو چاک کرکے خلاف فطرت کاموں کے کرنے کے لئے میدان میں اترتی ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسے سند جواز دیا جائے ، بلکہ اس کی اصلاح کی ضرورت ہے ، رہا بعض عورتوں کا دنیاوی تعلیم حاصل کرکے ملازمت کے لئے آگے بڑھنا یا دنیا کے بہت سے ملکوں میں عورتوں کا مردوں کے دوش بدوش رہ کر کام کرنا ، تو یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا میں دین وفطرت کے خلاف جو بہت سے کام انجام پارہے ہیں ان ہی میں سے ایک یہ بھی ہے لیکن کبھی اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ اگر کوئی عورت بوقت نکاح اپنے ہونے والے شوہر سے ملازمت کی شرط لگائے تو شوہر اس کو اجازت دیدے ، یا پہلے سے وہ عورت ملازمت کو اپنائے ہوئے ہے تو شوہر اس عورت کو اس پر باقی رہنے دے ، بلکہ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی کو شادی کے بعد ملازمت پر باقی رہنے دیتا ہے تو بظاہر ایسے شخص کو دیوث کے مانند سمجھنا چاہئے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ کسی عورت کا بوقت نکاح اپنے ہونے والے شوہر سے ملازمت کرنے یا ملازمت پر باقی رہنے کی شرط لگاکر نکاح کرنا اور شوہر کا عورت کی مذکورہ شرطوں کو منظور کرلینا ، چونکہ مقاصد نکاح کے سراسر خلاف ہے ، اسی لئے شوہر کے اس قسم کی شرطوں کو قبول کرلینے کے باوجود اس کو شرعاً حق حاصل ہے کہ وہ اپنی عورت کو سلسلہ ملازمت کے ختم کرنے کا حکم دے ، یا نئی ملازمت کرنے سے روکے اور عورت پر اپنے شوہر کے حکم کی تعمیل ضروری ہے ۔

نکاح میں شرطیں لگانا

مولانا سید اسرار الحق سبیلی (ایم اے) ☆

نکاح ایک مضبوط اور پاکیزہ رشتہ ہے جس میں بندھ کر ایک اجنبی مرد و عورت سکون، اعتماد اور محبت کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں، چونکہ یہ ایک دائمی رشتہ ہے، اس لئے شریعت نے اس کے لئے کچھ شرطیں لگائی ہیں، نیز موجودہ زمانہ میں طلاق کے بے جا اور نا جائز استعمال نے انسانی معاشرہ میں ایک بے چینی اور بے اعتمادی کی کیفیت پیدا کردی ہے۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے معاشرہ اور حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے شریعت کی روشنی میں نکاح وطلاق کے مسائل کا جائزہ لیں، اور نکاح و طلاق کا وہی تصور امت کے سامنے پیش کریں جو شریعت کے منشاء کے عین مطابق ہو۔

نفقہ وغیرہ کی شرط لگانا

نکاح کے وقت ایسی شرط لگانا جس سے کوئی نئی ذمہ داری کسی فریق پر عائد نہیں ہوتی ہو، مثلاً مرد کے لئے نان ونفقہ اور سکنی کی شرط لگانا، جیسا کہ آج کل نکاح کے وقت نان ونفقہ کا ذکر کیا جاتا ہے، ایسی شرط لگانے سے نکاح میں کوئی خرابی نہیں آئے گی، اس لئے کہ نفقہ اور سکنی وغیرہ تو شرط لگائے بغیر بھی شوہر پر واجب ہوتا ہے اس کا وجوب قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔ چنانچہ قرآن پاک کی آیت۔

☆ تخصص فی الفقہ دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد

وعلى المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف (البقرة ۲۳۳)

بچہ کے باپ پر اس کی ماں کا نان ونفقہ معروف طریقہ پر واجب ہے ۔

اسکنوهن من حيث سكنتم (الطلاق ۶)

اپنی بیویوں کو رہنے کے لئے گھر دو، جہاں تم رہتے ہو۔

سے فقہاء نے بیوی کا نفقہ اور سکنیٰ واجب قرار دیا ہے ۔ (دیکھیے **المبسوط ج ۵ ص ۱۸۰ بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۳۳۔ بداية ج ۲ ص ۱۲۷ باب النفقة**) اس سلسلہ میں آپ کا ارشاد بھی منقول ہے جو آپ نے حجۃ الوداع کے موقعہ سے فرمایا تھا۔

ولهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف (ابن ماجة ج ۲ ص ۲۲۲ ۔ ط ديوبند مسند احمد ج ۵ ص ۲۳)

عرف کے مطابق تمہاری بیویوں کا تمہارے اوپر نفقہ اور کسوہ (کپڑا) واجب ہے

علامہ نووی (م ۲۷۶ھ) لکھتے ہیں:

کسی عورت سے ایک ہزار روپے پر اس شرط کے ساتھ شادی کی کہ وہ بیوی سے رات ودن دونوں میں ہم بستر ہوگا، یا اس کو نفقہ دے گا، اس کو کپڑا دے گا اور اس کے ساتھ سفر کرے گا، بشرطیکہ عورت بھی شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے نہ نکلے، تو ایسی شرطیں لگانا صحیح ہے، اس سے مہر پر کوئی اثر نہیں پڑیگا اس لئے کہ یہ شرطیں تقاضئہ عقد میں داخل ہیں (**المجموع شرح المهذب ج ۱۸ ص ۱۸ ط ۔ مكتبة الارشاد جدة**)

بعض ذمہ داریوں سے سبکدوشی کی شرط

نکاح کے وقت ایسی شرطیں لگانا جن سے نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، مثلاً مرد یہ شرط لگائے کہ بیوی کا نان و نفقہ میرے ذمہ نہیں ہوگا، ایسی شرطیں لگانے سے نکاح درست ہوجائے گا اور بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہوگا، یہ شرطیں کالعدم قرار دی جائیں گی، چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے ۔

کسی آدمی نے ایک ہزار روپے مہر کے ساتھ اس شرط پر نکاح کیا کہ اس کے ذمہ بیوی کا نفقہ نہیں ہوگا، جب کہ عورت کا مہر مثل سو روپے ہے، تو عورت کے لئے ہزار روپے اور نفقہ مرد پر واجب ہوں گے ۔

(الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۳۰۹ ط دار صادر بيروت ۔ فتاوى تاتار خانية ج ۳ ص ۱۰۵ ط ۔ دائرة المعارف حيدرآباد)

کیونکہ نفقہ کا وجوب نفس عقد سے نہیں ہوتا ہے (اسی لئے نابالغ بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہوتا ہے (**الهداية ج ۲ ص ۳۱۸ ط۔ رشيدية دہلی**) بلکہ نفقہ کے وجوب کا سبب حبس ہے، اور سبب سے پہلے کسی چیز کو ساقط کرنا صحیح نہیں ہے (**الفقه الاسلامی وادلته ج ۵ ص ۳۳۱۔ دار الفکر دمشق**)

کچھ مزید شرطیں

نکاح کے وقت ایسی شرط لگانا جو نہ عقد نکاح سے لازم ہوتی ہو اور نہ ایسی شرط ہو جس کی وجہ سے عقد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، ایسی شرط دو طرح کی ہو سکتی ہے۔

(۱) نکاح کے وقت ایسی شرط لگائی گئی جو صحیح ہو یعنی تقاضہ عقد کے مطابق ہو اور احکام شرع کے منافی بھی نہ ہو، جیسے عورت کا یہ شرط لگانا کہ شوہر اس کو علاحدہ (سپریٹ) گھر میں رکھے گا نہ کہ اپنے خاندان والوں یا سوکن کے ساتھ رکھے گا، یا عورت کے خاندان والوں کی اجازت کے بغیر شوہر اس کو دور سفر پر نہیں لے جائے گا یا عورت نے یہ شرط لگائی کہ شوہر اس کو کلبوں اور تھیٹروں میں نہیں لے جائے گا، تو ایسی شرطیں لگانا صحیح ہوگا، نکاح منعقد ہوگا، اور ان شرطوں کا پورا کرنا بھی ضروری ہوگا (**الفقه الاسلامی وادلته ج ۷ ص ۵۲**)

(۲) عاقدین میں سے کسی نے ایسی شرط لگائی جو فاسد ہے یعنی تقاضہ عقد کے خلاف ہے۔ یا احکام شرعیہ کی رو سے ایسی شرط لگانا صحیح نہیں ہے، تو عقد نکاح صحیح ہو جائے گا اور صرف شرط باطل ہو جائے گی (حوالہ سابق) جیسے نکاح کے وقت زوجین کا یہ شرط لگانا کہ وہ ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے۔ (**فتاوی قاضی خاں علی هامش الهندية ج ۱ ص ۳۳۱**) اس لئے کہ اللہ تعالی نے زوجین کو ایک دوسرے کی وراثت کا حق دیا ہے جس کو اپنی رضامندی سے ختم نہیں کیا جاسکتا ہے۔

تفویض طلاق

نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ طلاق واقع کرنے کا اختیار مرد کی بجائے اس کی عورت کو ہوگا، اور مرد اس کو قبول کرلے یعنی ایجاب عورت کی طرف سے اور قبول مرد کی طرف سے ہو، تو عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا، چنانچہ علامہ فخر الدین اوزجندی (م ۲۹۵ھ) کا بیان ہے۔

اگر عورت نے ابتداءً کہا میں نے تجھ سے اس شرط پر نکاح کیا کہ مجھ کو طلاق واقع ہوگی یا مجھ کو طلاق کا حق ہوگا کہ میں جب چاہوں اپنے اوپر طلاق واقع کرلوں اور مرد نے کہا میں نے قبول کیا تو نکاح صحیح ہے، پہلی شرط کی

بنا پر عورت کو طلاق پڑجائے گی، اور دوسری شرط کے مطابق عورت کو طلاق کا حق حاصل ہوگا۔

اس لئے کہ اگر ابتداء (ایجاب) شوہر کی طرف سے ہو تو تفویض نکاح کے بعد ہوگی، کیونکہ عورت کے ایجاب کے بعد جب مرد نے کہا میں نے قبول کیا، اور جب کہ جواب میں سوال کے الفاظ کا اعادہ ہوتا ہے گویا اس نے کہا میں نے اس شرط پر قبول کیا کہ تجھ کو طلاق ہے، یا طلاق کا معاملہ تیرے حوالہ ہے۔ تو یہ نکاح کے بعد تفویض ہے۔ (فتاوی خانیہ ج ۱ ص ۳۷۹)

چنانچہ جب عورت کو طلاق کا اختیار ہوگا تو اس اختیار طلاق (تفویض) کو شوہر ختم نہیں کرسکتا ہے، چنانچہ علامہ علاء الدین حصکفی (م ۱۰۸۸ھ) فرماتے ہیں

کسی نے اپنی بیوی سے کہا جب اور جس وقت تو چاہے اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے تو عورت جب چاہے اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے، کسی وقت کی قید نہیں ہوگی اور نہ شوہر کو تفویض طلاق کو ختم کرنے کا حق ہوگا۔ (درمختار علی ھامش رد المحتار ج ۲ ص ۵۱۷ رشیدیہ کوئٹہ پاکستان)

نکاح میں شرائط کی صورتیں۔

(۱) اگر عقد نکاح سے پہلے شرائط طے پاجائیں اور اس کی تحریر پر عاقدین کے دستخط بھی ہوجائیں تب بھی ان شرائط کی پابندی ضروری نہیں ہوگی، مثلاً اگر نکاح سے پہلے عورت نے یہ شرط لگائی کہ طلاق کا معاملہ میرے حوالہ ہوگا، تو یہ شرط لگانا صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ نکاح سے پہلے مرد طلاق کا مالک ہی نہیں ہوتا، اور آدمی جس چیز کا مالک نہیں وہ چیز دوسرے کے حوالہ کس طرح کرسکتا ہے؟ چنانچہ قاضی خاں کی عبارت ابھی گذر چکی ہے کہ تفویض طلاق کی شرط میں اگر ایجاب (پہلا قول) مرد کی طرف سے ہو، تو تفویض صحیح نہیں ہوگی، اگر عورت ایجاب کرے، تو تفویض اس لئے صحیح ہوجاتی ہے کہ شوہر نے گویا مشروط طلاق کو قبول کیا ہے۔

موجودہ صورت میں نہ تو ایجاب پایا جاتا ہے اور نہ قبول، لہذا عقد نکاح سے پہلے شرطیں لگانا، صحیح نہیں ہوگا علامہ عبدالرحمان جزیری شوافع کا مسلک اور ان کی شرائط ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں،

فاذا اشترطت هذه الشروط خارج العقد فانها لا يعمل بها (الفقه على المذاهب الاربعة ج ۲ ص ۸۹ طـ. دار الدعوة استنبول)

اگر مذکورہ شرائط، عقد سے قبل لگائی جائیں تو اس پر عمل ضروری نہیں ہوگا۔

(۲) البتہ اگر عقد نکاح میں ہی شرط لگائی اور وہ جائز ہو، تقاضہ عقد کے خلاف نہ ہو اور ایجاب مشروط ہو، تو شرط لگانا صحیح ہوگا، جیسا کہ خانیہ میں ہے۔

عورت نے کہا۔ میں نے اپنا نکاح تجھ سے اس شرط پر کیا کہ مجھ کو طلاق واقع ہوگی، یا طلاق کا معاملہ میرے سپرد ہوگا، جب میں چاہوں گی اپنے آپ کو طلاق دے لوں گی، شوہر نے کہا میں نے قبول کیا تو نکاح درست ہے اور شرط کے مطابق پہلی صورت ہی میں عورت کو طلاق واقع ہوجائے گی اور دوسری صورت میں عورت کو طلاق کے استعمال کا حق ہوگا (فتاوی قاضی خان ج ۱ ص ۳۲۹)

مذکورہ صورت میں عورت کی طرف سے ایجاب مشروط ہے اور مرد کی طرف سے قبول مطلق ہے۔ مطلق قبول کو مشروط ایجاب پر محمول کیا جائے گا، لیکن ایجاب مطلق ہو اور قبول مشروط ہو تو ایسی شرط کا کوئی اعتبار نہیں۔ (۳) اسی طرح عقد نکاح کے بعد اگر بیوی شوہر کے درمیان شرائط نامہ تیار ہوں اور اس کو دونوں اپنی رضامندی سے قبول کریں اور اس پر دستخط بھی کریں، تو اس پر عمل کرنا ضروری ہوگا۔

چنانچہ بخاری کی روایت ہے،

عن عقبة عن النبی (ص) قال احق ما اوفیتم من الشروط ان تعارفوا به ما استحللتم به الفروج (بخاری ج ۲ ص ۷۷۲ باب الشروط فی النکاح)

حضرت عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا سب سے اہم شرط جس کو پورا کرنا نہایت ضروری ہے، وہ بیویوں کی بابت لگائی گئی شرط ہے جو تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں۔

عورت کو طلاق کا مشروط حق دینا مصالح شرع کے خلاف نہیں، شریعت نے مردوں کو طلاق دینے کا حق دیا ہے، لیکن اس کے ساتھ شریعت نے مردوں کو یہ اختیار بھی دیا ہے کہ اگر وہ چاہیں تو عورت کو طلاق کا اختیار دے سکتے ہیں۔ چنانچہ جب سورۃ احزاب کی آیت،

یا ایها النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوة الدنیا وزینتها فتعالین امتعکن واسرحکن سراحا جمیلا وان کنتن تردن الله ورسوله والدار الاخرة فان الله اعد للمحسنات منکن اجرا عظیما (الاحزاب ۲۸)

اے پیغمبر اپنی ازواج سے فرمادیں کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی زیب وزینت کو ترجیح دیتی ہو تو اس کے لئے تیار ہوجاؤ، میں تمھیں کچھ مال ومتاع دے کر خوش اسلوبی کے ساتھ رخصت کردوں گا، اور اگر تم لوگ اللہ، اس کے رسول اور دار آخرت کو ترجیح دیتی ہو تو اللہ تعالی نے تم میں سے پاک دامن عورتوں کے لئے عظیم الشان بدلہ تیار کررکھا ہے۔

نازل ہوئی تو حضور نے اپنی ازواج مطہرات کو طلاق کا اختیار دیا تھا، چنانچہ بخاری کی روایت ہے۔

عن عائشة قالت. خیرنا رسول الله فاخترنا الله ورسوله فلم یعد ذلک علینا شیئا

(بخاری شریف ج ۲ ص ۷۹۲)

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ آنحضور نے ہم ازواج کو طلاق کا اختیار دیا تھا، تو ہم نے اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کیا، لہذا ہم پر کوئی طلاق وغیرہ نہیں پڑی۔

اس لئے فقہاء نے تفویض طلاق کی اجازت دی ہے، موجودہ زمانہ میں جب کہ طلاق کا غلط استعمال بہت زیادہ ہورہا ہے، جس کی وجہ دوسری قوموں میں اسلام کا غلط تاثر پڑرہا ہے۔ عورت کا طلاق کی شرط لگانا ازدواجی مصلحت اور حسن معاشرت کے لحاظ سے صحیح ہے۔ شیخ عبد الرحمان جزیری نے اس سلسلہ میں اچھی بحث کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں۔

اگر اعتراض کیا جائے کہ جب مرد عورت کے لئے طلاق کی شرط لگائے اور کہے میں تجھ سے اس شرط پر نکاح کرتاہوں کہ تو اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے۔ تو یہ شرط فاسد ہے۔ لیکن جب عورت شرط لگائے کہ اس کو اپنے اوپر طلاق دینے کا اختیار ہوگا، تو یہ شرط صحیح ہے، اس پر عمل کیا جائے گا، آخران دونوں میں کیا فرق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت میں طلاق تنہا مرد کی خصوصیات میں سے ہے، اس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ طلاق صرف مرد ہی کے قبضہ میں رہے نہ کہ عورت کے قبضہ میں، اور عورت کا اپنے لئے شرط لگانا صحیح نہ ہو، اور نہ ہی مرد کا یہ شرط قبول کرنا صحیح ہو، اس لئے کہ اس میں فی الجملہ قلب موضوع ہے۔

لیکن چونکہ اس جیسی شرط کے قبول کرنے میں اکثر ازدواجی مصلحت، حسن معاشرت اور باہمی ربط کی پختگی مضمر ہے، اس لئے شریعت نے اس شرط کو صحیح اور قابل قبول قرار دیا ہے، خصوصاً ایسے وقت میں جب کہ کوئی تاوان نہ ہونے کی صورت میں عورت اکثر و بیشتر مرد کے ساتھ رہنے میں اندیشے محسوس کرتی ہے، گویا اس جیسی شرط لگانے میں مرد و عورت دونوں کی مصلحت پوشیدہ ہے۔ لہذا ایسی شرط لگانا صحیح ہوگا۔ (**الفقه علی المذاهب الاربعة ج ۲ ص ۸۲-۸۵**)

جزیری اور خانیہ کی عبارت سے اندازہ ہوگیا ہوگا کہ تفویض کی شرط عورت کی طرف سے ہو تو صحیح ہے، لیکن مرد اگر اپنی طرف سے کوئی شرط لگادے، تو یہ صحیح نہیں ہوگی۔

طلاق کی صورت مہر میں اضافہ

نکاح کے وقت اگر یہ شرط لگائی گئی کہ طلاق دینے کی صورت میں عورت کا مہر بیس ہزار روپے اور طلاق نہ دینے کی صورت میں مہر دس ہزار ہوگا۔ میرے خیال میں یہ صورت جائز ہونی چاہئے، اس لئے کہ یہ بھی ازدواجی مصلحت میں شامل ہے، تاکہ لوگ خواہ مخواہ طلاق دینے سے گریز کریں، نیز طلاق کے بعد عورت جو بے سہارا ہوجاتی ہے، اس زائد رقم سے وہ کوئی کام کرسکتی ہے۔ اس مسئلہ میں صاحبین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے کہ

اگر شوہر بیوی کو اس کے وطن سے باہر لے گیا تو مہر دو ہزار اور اگر باہر نہیں لے گیا تو مہر ایک ہزار ہوگا (ملتقی الابحر ج ۱ ص ۲۵۰۔ مؤسسة الرسالة بیروت ۱۹۸۹ء) اس مسئلہ پر قیاس کرتے ہوئے اگر طلاق کی صورت میں مہر میں اضافہ کی شرط لگائی گئی تو طلاق کے بعد زائد مشروط رقم ادا کرنا ضروری ہوگا۔ کیونکہ ترجیح کی بابت اصول یہ ہے کہ جن مسائل کا تعلق باب قضاء سے ہے، اس میں امام ابو یوسف کے قول کو ترجیح ہوگی، چنانچہ علامہ شامی کا یہ شعر ہے۔

وکل فرع بالقضاء تعلقا۔ قول ابی یوسف فیه ینتقی (شرح عقود رسم المفتی۔ ۸۰ طـ۔ مکتبه سعدیه سهارن پور)

لہذا اگر قاضی کے پاس یہ معاملہ پیش ہوگا تو وہ صاحبین کے قول پر ہی فیصلہ کرے گا۔

دوسرا نکاح نہ کرنے کی شرط

نکاح کے وقت یہ شرط لگائی جائے کہ اس عورت کے رہتے ہوئے اگر شوہر دوسری شادی کرے گا تو عورت کا مہر تیس ہزار روپے ہوگا اور دوسرا نکاح نہ کرنے کی صورت میں پندرہ ہزار ہوگا، تو یہ شرط لگانا صحیح ہوگا، اور عقد ثانی کرنے کی صورت میں عورت تیس ہزار مہر کی مستحق ہوگی۔ عبد اللہ بن قدامہ (م۔ ۶۲۰ھ) کا بیان ہے۔

وان تزوجها وشرط لها ان لا يتزوج عليها، فلها فراقه اذا تزوج عليها (المغنی ج ۷ ص ۷۱ طـ دار الفکر بیروت)

اگر نکاح کے وقت یہ شرط لگائی گئی کہ شوہر اس عورت کے رہتے ہوئے دوسرا نکاح نہیں کرے گا، اگر شوہر نے دوسری شادی کرلی تو اس عورت کو اپنے شوہر سے علاحدہ ہوجانے کا اختیار ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا کہ دوسرا نکاح نہ کرنے کی شرط حنابلہ کے نزدیک معتبر ہے، اسی طرح احناف کے یہاں بھی یہ بات ملتی ہے کہ مہر میں یہ شرط لگائی کہ اس عورت کے علاوہ اگر اس کی کوئی بیوی نہ رہی تو عورت کا مہر ایک ہزار ہوگا، اگر کوئی بیوی رہی یعنی اس نے کوئی دوسرا نکاح کیا تو عورت کا مہر دو ہزار ہوگا، صاحبین نے اس شرط کو بھی صحیح قرار دیا ہے (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۸۵) لہذا اس مسئلہ میں اور اس سے پہلے والے مسئلہ میں موجودہ حالات و زمانہ کے لحاظ سے صاحبین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔

ملازمت کی شرط

نکاح کے وقت اگر عورت نے شرط لگائی کہ شوہر اس کو نوکری کرنے سے نہیں روکے گا، تو یہ شرط لگانا

صحیح نہیں ہوگا، اس لئے کہ عورت پر ہر وقت مرد کا حق ہے۔ ملازمت کی شرط لگانے سے اس حق میں رکاوٹ پیدا ہوگی، نیز یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف بھی ہے، چنانچہ ایسی شرط لگانے سے نکاح تو درست ہوجائے گا لیکن شرط باطل ہوجائے گی، اور اس شرط کو پورا کرنا ضروری نہیں ہوگا، امام نووی (م ۶۷۶ھ) کا بیان ہے۔

عقد نکاح کے وقت عورت نے شرط لگائی کہ شوہر اس سے ہم بستر نہیں ہوگا، یا صرف رات میں (دن میں نہیں) ہم بستر ہوگا، یا ایک سال اس کے پاس نہیں جائے گا، تو اس کی وجہ سے نکاح باطل ہوجائے گا، اس لئے کہ یہ ایسی شرط ہے جو تقاضۂ عقد کے خلاف ہے، لیکن اگر مرد نے عقد کے وقت انہی کاموں کے کرنے کی شرطیں لگائیں تو نکاح باطل ہوگا، اس لئے کہ یہ ایسا حق ہے جس کا ترک کرنا جائز نہیں ہے، چنانچہ اس شرط سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اور نہ ان شرطوں کا پورا کرنا ضروری ہوگا۔ (المجموع شرح المهذب ۱۸۔۹۱)

حنفیہ کے نزدیک مذکورہ دونوں صورتوں میں نکاح باطل نہیں ہوگا، اس لئے کہ حنفیہ کے نزدیک شرط فاسد سے نکاح فاسد نہیں ہوتا، "لان النكاح لا يبطل بالشروط الفاسدة" (هداية ج ۲ ص ۲۹۳)

علامہ نووی دوسری جگہ لکھتے ہیں

اگر عورت سے سو درہم کے ساتھ اس شرط پر نکاح کیا کہ جب چاہے عورت گھر سے باہر جاسکتی ہے تو نکاح صحیح ہے اور شرط و مہر فاسد ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک اسی کے قائل ہیں (المجموع ۱۸۔۱۸)

اشتراط فی النکاح کی دوسری قسم یہ ہے کہ شرط تو باطل ہوجاتی ہے اور عقد صحیح رہتا ہے، جیسے یہ شرط لگائی جائے کہ عورت کا کچھ بھی مہر نہیں ہوگا، یا شوہر اپنی بیوی پر کچھ بھی خرچ نہیں کرے گا، یا اس کا مہر اس کو لوٹا دے گا، یا عورت یہ شرط لگائے کہ مرد اس سے ہم بستر نہیں ہوگا یا عزل کرے گا، یا دوسری سوکن کا حصہ اس کو دیدے گا، یا اس کی باری میں اضافہ کرے گا، یا یہ شرط لگائی کہ شوہر اس کے پاس صرف دن میں رہے گا —— رات میں نہیں رہے گا، تو یہ شرطیں باطل ہوں گی اور عقد نکاح صحیح ہوگا۔ اس لئے کہ یہ شرطیں مقتضائے عقد کے خلاف ہیں (المغنی ج ۷ ص ۷۲)

عورت اگر دن میں ملازمت کرتی ہے اور رات میں شوہر کے ساتھ رہتی ہے تو شوہر پر ایسی بیوی کا نفقہ واجب نہیں ہوگا، علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں۔

اذا تزوج المحترفات التی تکون عامة النهار فی الکار خانة واللیل مع الزوج لا نفقة لها۔

اگر ایسی عورت سے شادی کی جو پورے دن کارخانہ میں کام کرتی ہے اور رات میں شوہر کے ساتھ رہتی ہے تو شوہر پر ایسی عورت کا نفقہ واجب نہیں ہوگا۔

اشتراط فی النکاح

مولوی نعیم اختر قاسمی ☆

بوقت نکاح لگائی جانے والی شرطیں اور ان کا حکم

نکاح کے وقت لگائی جانے والی شرطیں تین قسم کی ہوسکتی ہیں۔

(۱) ایسی شرائط جن سے کسی فریق پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں بلکہ عقد نکاح اس شرط کا متقاضی ہوتا ہے، مثلا مرد کا یہ شرط لگانا کہ میں تم سے اس شرط پر نکاح کرتا ہوں کہ تو دوسرے کی بیوی یا دوسرے کی عدت میں نہیں رہے گی یا تم کو طلاق کا اختیار نہ ہوگا یا اس جیسی دیگر شرائط " (**کتاب الفقہ علی المذاهب الاربعۃ۔ ج ۲ ص ۸۵**) اور ان شرائط کے احکام جاننے سے پہلے یہ بات پیش نظر رکھنی ہوگی کہ احناف کے نزدیک نکاح کسی بھی شرط سے فاسد نہیں ہوتا (ہدایہ ج **۲ ص ۲۹۳** ۔کتاب النکاح) اگر شرط مقتضائے عقد کے موافق ہو، یا شریعت کے مخالف نہ ہو تو درست ہے اور اس کا پورا کرنا بھی واجب ہے، اور اگر مقتضائے عقد کے مخالف ہو، یا اس سے شریعت کی خلاف ورزی لازم آتی ہو، تو خود شرط ہی باطل ہوجاتی ہے اور نکاح درست قرار پاتا ہے۔

اس پہلی قسم کی شرطوں کی بابت علامہ مرغینانی تحریر فرماتے ہیں۔

ثم جملة المذاهب فيه ان يقال كل شرط يقتضيه العقد كشرط الملك للمشترى لايفسد العقد لثبوته بدون الشرط (هدايه ج ۳ ص ۵۹ باب البيع الفاسد)

قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر ایسی شرط جس کا خود عقد متقاضی ہو، مثلا مشتری کے لئے ملکیت کی شرط لگانا تو اس سے

☆ تخصص فی الفقہ دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد۔

عقد فاسد نہ ہوگا، کیوں کہ اس کا ثبوت تو بلا شرط بھی ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ایسی شرائط سے جب عقد بیع فاسد نہیں ہوتا تو عقد نکاح جس میں شرط فاسد مؤثر ہی نہیں ہوتی کیسے فاسد ہو سکتا ہے ؟

امام شافعی کی رائے اس سلسلہ میں حنفیہ کی رائے کے موافق ہے۔ علامہ نووی فرماتے ہیں۔

کسی عورت سے ایک ہزار مہر کے عوض اس شرط پر نکاح کیا کہ دن اور رات دونوں کے اندر جماع کرے گا یا اس کو نفقہ اور کسوہ دے گا یا اس کے ساتھ سفر کرے گا، یا عورت شوہر کے گھر سے بلا اجازت نہیں نکلے گی، تو نکاح درست ہوگا، اور شرط کا مہر پر کوئی اثر ظاہر نہ ہوگا، کیوں کہ یہ شرائط مقتضائے عقد سے متعلق ہیں۔ اور اگر شوہر نے دوسری شادی کرنے یا باندی خریدنے کی شرط لگائی تو نکاح صحیح ہوگا اور یہاں بھی شرط مہر کے اندر مؤثر نہیں ہوگی، کیوں کہ یہ شرط مقتضائے عقد کے منافی نہیں ہے (المجموع شرح المہذب ۱۸۔ ۱۸ ط الارشاد)

دوسری قسم میں وہ شرائط آتی ہیں جن کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو۔ مثلاً اس شرط پر نکاح کرنا کہ شوہر مہر ادا نہیں کرے گا یا بیوی کو نفقہ اور سکنیٰ نہیں ملے گا۔

اس قسم کی شرائط خود باطل ہو جاتی ہیں اور نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کسی عورت سے ایک ہزار مہر کے عوض اس شرط پر شادی کرتا ہے کہ دونوں میں ایک دوسرے کا وارث نہ ہوگا، تو یہ شرط خود باطل ہو جائے گی اور دونوں کے مابین وراثت جاری ہوگی، کیوں کہ وراثت حق شرع ہے اور اللہ کی جانب سے متعین کردہ ہے اسے ساقط کرنے کا کسی کو اختیار نہیں۔ علامہ اوزجندی لکھتے ہیں۔

کوئی شخص کسی عورت سے ایک ہزار درہم کے عوض اس شرط پر شادی کرتا ہے کہ ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے، تو نکاح درست ہوگا اور دونوں کے مابین وراثت بھی جاری ہوگی، اور مہر ایک ہزار ہی ہوگی خواہ مہر مثل اس سے کم ہو یا زائد (**قاضی خان علی الهندیة ج ۱ ص ۳۳۱۔ فصل فی النکاح علی الشروط**)

اسی طرح اگر نفقہ یا مہر نہ دینے کی شرط لگائی تو بھی یہ شرط باطل قرار پائے گی، کیوں کہ نفقہ کا سبب وجوب "احتباس" ہے (**هدایة ج ۲ ص ۴۱۷۔ باب النفقة۔ خانیة علی الهندیة ج ۱ ص ۳۳۲**) یعنی شوہر کا بیوی کو اپنے پاس روکے رکھنے سے نفقہ واجب ہوتا ہے اور یہ شرعی حق ہے اور مہر بھی شریعت کی جانب سے مقرر کردہ ہے جس کے ابطال کا کوئی شخص مجاز نہیں۔

فتاوی عالمگیری میں ہے

کسی عورت سے ایک ہزار مہر کے عوض اس شرط پر نکاح کیا کہ بیوی کو نفقہ نہ دے گا، جب کہ اس کا مہر مثل ایک سو ہے۔ تو اس کا مہر ایک ہزار ہوگا اور نفقہ کی بھی حقدار ہوگی (ھندیۃ ج ۱ ص ۳۰۹۔ الشرط فی المھر)

اور صاحب ہدایہ لکھتے ہیں

مہر کا وجوب شریعت کی جانب سے محل کی شرافت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے لہذا نکاح صحیح ہونے کے لئے مہر کا ذکر ضروری نہیں، یہی حکم اس وقت بھی ہوگا جب کہ نکاح کے وقت مہر نہ دینے کی شرط لگائی ہو (ھدایہ ج ۲ ص ۳۰۳۔ باب المھر)

(۳) تیسری قسم کی شرطیں وہ ہیں جن کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہو جاتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا، اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہیں ہوتی۔

اس قسم کی شرائط کی دو قسمیں کی جا سکتی ہیں۔

(۱) پہلی قسم میں وہ شرائط داخل ہوں گی جن کی بجا آوری میں ایک مشروع اور جائز امر سے باز رہنا یا حکم شرعی کی خلاف ورزی لازم آئے۔ مثلاً یہ شرط لگانا کہ عورت کو اس کے آبائی وطن سے نہیں نکالے گا، یا اس کے نکاح میں رہتے ہوئے کسی اور عورت سے شادی نہیں کرے گا، یا فلاں عورت کو طلاق دے دے گا، تو ان تمام صورتوں میں یہ شرائط خود فاسد ہو جائیں گی اور نکاح کے بعد ان کا ایفاء لازم نہیں۔ چنانچہ صاحب عنایہ م۔ ۷۸۶ ھ تحریر فرماتے ہیں۔

یہ بات پہلے مذکور ہو چکی کہ نکاح شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا۔ لہذا اگر کسی عورت سے ایک ہزار کے عوض اس شرط پر شادی کی کہ اس کو اس کے وطن سے نہیں نکالے گا، یا اس کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے شادی نہیں کرے گا، یا فلاں عورت کو طلاق دے دے گا، تو نکاح درست ہے اور شادی نہ کرنے، اس کو سفر میں نہ لے جانے اور سوکن کو طلاق دینے کی شرط فاسد ہو جائے گی، کیوں کہ اس میں ایک جائز امر سے باز رہنا لازم آتا ہے (عنایۃ علی الفتح ج ۳ ص ۲۳۱)

یہی رائے امام مالک کی بھی ہے (مجموع ۱۸۔ ۱۸ ط۔ الارشاد)

(۲) دوسری قسم یہ ہے کہ اس میں کسی جائز اور مشروع امر سے باز رہنا یا شرعی حکم کی خلاف ورزی لازم نہ

آئے ، مثلا عورت کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ طلاق کا اختیار میرے ہاتھ میں ہوگا، یا اس شرط پر نکاح کرتی ہوں کہ میں مطلقہ ہو جاؤں گی ، تو اس صورت میں شرط معتبر ہوگی اور طلاق کا اختیار مرد کے بجائے عورت کو حاصل ہوگا۔

فتاوی ہندیہ میں۔

اگر عورت نے کہا کہ میں تم سے اس شرط پر شادی کر رہی ہوں کہ میں مطلقہ ہوں گی یا طلاق دینے کا اختیار مجھے حاصل رہے گا جب چاہوں تم سے چھٹکارا حاصل کر لوں۔ اور شوہر نے اس شرط کو قبول کر لیا تو نکاح صحیح ہوگا طلاق واقع ہوگی اور عورت کو طلاق دینے کا اختیار بھی رہے گا **(ہندیۃ ج ۱ ص ۲۷۳۔ الباب الثانی فیما ینعقد به النکاح و مالا ینعقد)**

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی باندی سے اس شرط پر نکاح کرے کہ جو اولاد پیدا ہوگی وہ آزاد ہوگی، تو یہاں بھی شرط کا اعتبار کیا جائے گا اور اولاد آزاد ہوگی۔

فخرالدین قاضی خاں تحریر فرماتے ہیں۔

کسی نے دوسرے کی باندی سے بایں شرط شادی کی کہ پیدا ہونے والی اولاد آزاد ہوگی تو نکاح اور شرط دونوں درست ہیں، کیوں کہ اگر شرط نہ لگائی جائے تو پیدا ہونے والی اولاد غلام ہوگی، لہذا شرط نے ایک چیز کا فائدہ پہونچایا **(قاضی خاں علی هامش الهندیة ج۱ ص۳۳۰)**

خلاصہ کلام یہ کہ تیسری قسم کی شرط میں اگر کسی حکم شرعی کی مخالفت ہو رہی ہو تو وہ شرط باطل ٹھہرے گی ورنہ اس کا اعتبار کیا جائیگا۔

کیا بیوی کو طلاق کا حق دے دینے کے بعد اس سے رجوع ممکن ہے ؟

بیوی کو طلاق کا حق دے دینے کے بعد شوہر اگر اپنے اختیار کو واپس لینا چاہے تو اس کے لئے یہ ممکن نہیں، کیوں کہ یہ اختیار دینا تملیک ہے توکیل نہیں، شامی میں ہے

و لا یملک الزوج الرجوع منه ای من التفویض بانواعه الثلاثة لما فیه من معنی الـ ق بانواعه الثلاثة ای التخییر و الامر بالید والمشیة (رد المحتار ج ۲ ص ۵۱۲، رشیدیه کوئٹه)

طلاق کا اختیار بیوی کو دے دینے کے بعد شوہر اس کو واپس نہیں لے سکتا، کیوں کہ اس کے اندر تعلیق کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ تفویض کی تینوں قسموں تخییر، امر بالید اور مشیت کسی میں بھی شوہر کو رجوع کا اختیار نہیں۔

نکاح میں شرط لگانے کی صورتیں

نکاح میں شرط لگانے کی تین صورتیں ہیں

پہلی صورت یہ ہے کہ عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہو جائیں اور اس کی تحریر پر طرفین کی دستخط ہو جائے۔ ایسی صورت میں چونکہ پہلے سے شرائط نکاح طے شدہ ہیں، اس لئے بوقت نکاح ایجاب و قبول میں گو صراحتاً ان شرائط کا ذکر نہ کیا جائے تاہم دلالۃً ان کا ذکر سمجھا جائے گا اور یہی مانا جائے گا کہ بوقت ایجاب و قبول ان شرائط کا ذکر کیا گیا ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ایجاب و قبول کے وقت ان شرائط کا ذکر کیا جائے اگر ایجاب مشروط ہو تو قبول گو مطلق ہو، مثلاً صرف قبلت کہہ دے تو بھی "السؤال معاد فی الجواب" (جواب میں سوال کا اعادہ ہوتا ہے) کے قاعدہ کے بموجب قبول مشروط ہی سمجھا جائے گا۔

البتہ اگر ایجاب مطلق ہو اور قبول مشروط، تو اس صورت میں قبول چونکہ ایجاب کے موافق نہیں ہے اس لئے عقد نکاح ہی منعقد نہ ہوگا، ہاں اگر فریق اول یعنی ایجاب کرنے والا قبول مشروط کو مان لے تو پھر نکاح ان شرائط کے ساتھ منعقد ہو جائے گا، معروف فقیہ علامہ کاسانی متوفی ۵۸۷ھ تحریر فرماتے ہیں۔

نفس عقد سے متعلق شرط یہ ہے کہ قبول ایجاب کے موافق ہو، پھر اگر مشتری نے بائع کے ایجاب میں سے بعض کو قبول کر لیا تو بائع کی جانب سے یہ دوسری بیع ہوگی، چنانچہ اگر اسی مجلس میں بائع نے مشتری کی بات قبول کر لی تو اگر بعض حصہ مبیع کی قیمت متعین ہو تو بیع جائز ہوگی ورنہ نہیں (**بدائع الصنائع ج ۵ ص ۱۳۷ کتاب البیوع**)

تیسری صورت یہ ہے کہ عقد نکاح کے بعد کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ نکاح بلا شرط منعقد ہوا ہے، بعد میں کوئی شرط لگانے سے وہ اصل عقد کے ساتھ ملحق نہیں ہو سکتی، بلکہ اس کی حیثیت ایک معاہدہ کی ہوگی۔

بوقت نکاح عورت کو مشروط طور پر طلاق کا اختیار دینا مصلحت کے منافی نہیں

طلاق کا اختیار مرد کے ہاتھ میں دیا جانا شریعت ہی کا نہیں عقل کا بھی تقاضا ہے، عورتیں طبعاً جذباتی، نازک اور عجلت پسند ہوتی ہیں جس کی بنا پر بلا عواقب و نتائج پر غور کئے کوئی اقدام کر گزرتی ہیں۔ اس کے بالمقابل مرد کو اللہ تعالیٰ نے سمجھدار، نتائج و عواقب پر نظر رکھنے والا اور زیادہ قوت برداشت کا مالک بنایا ہے۔ وہ کوئی بھی اقدام

کرے گا تو اس کے مطمح نظر اس پر مرتب ہونے والے نتائج ہونگے ، جس کی بنا پر طلاق جسکی شریعت نے شدید ضرورت کے وقت اجازت دی ہے اس کی نوبت کم آتی ہے ۔ اور معاشرہ کسی بڑی تباہی سے دو چار ہونے سے محفوظ رہتا ہے ۔

مگر اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ اسلام میں عورت کو ظالم مرد سے نجات پانے اور اس کی جانب سے ہونے والی زیادتیوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوئی راہ نہیں ہے ۔ اسلام نے اس کی تین صورتیں نکالی ہیں ۔

پہلی صورت خلع کی ہے ، کہ عورت شوہر کو مال دیکر طلاق لے لے ۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عورت نکاح کے وقت یہ شرط لگادے کہ نکاح کے بعد اگر فلاں صورت پیش آئی تو مجھے اپنے اوپر طلاق دینے کا حق حاصل ہوگا ۔

خلع میں کوئی ضروری نہیں ہے کہ مرد بدل خلع قبول ہی کرلے ، ایسا ممکن ہے کہ شوہر اس پر راضی نہ ہو اور مظلوم عورت ظلم و ستم کی چکی میں پستی رہے ۔

جہاں تک اسلامی عدالت میں قاضی کے فسخ نکاح کا مسئلہ ہے تو ہندوستان جیسے ملک کی اکثر ریاستوں اور شہروں میں اس کا نظم نہیں ہے ۔ اور غیر مسلم جج کا فسخ نکاح معتبر نہیں ، عورت اپنی داستان غم کسے سنائے اور کس کے پاس فریاد لے کر جائے ؟ اس لئے ہمارے علاقے ، زمانے اور معاشرے میں اس صورتحال کا بہترین حل یہی ہے کہ عقد نکاح کے وقت عورت کو اپنے اوپر طلاق دینے کے اختیار کی شرط کو ایسی شرائط کے ساتھ وابستہ کیا جائے جس میں مقاصد شریعت فوت نہ ہوں اور عورت کی بھی مصیبت اور تباہی سے دوچار ہونے سے حفاظت کی جاسکے ، مثلاً مرد بیرون ملک میں رہتا ہے اور کافی دنوں کے بعد واپس آتا ہے ، اور ایسی صورت میں عورت کو کافی مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے ، تو عورت بوقت نکاح یہ شرط لگا سکتی ہے کہ اگر شوہر اتنے دن تک مجھ سے دور رہا تو مجھے طلاق دینے کا اختیار ہوگا ، بلا شرط طلاق کے اختیار کو عورت کے حوالہ کردینے میں مصلحت شرعیہ کا فقدان لازم آئیگا ۔

طلاق دینے اور نہ دینے کی صورت میں مہر متفاوت ہونا ۔

اس شرط کے ساتھ نکاح ہو کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو مہر بیس ہزار روپیہ ہوگا ، اور اگر طلاق نہ دی تو دس ہزار روپیہ ہوگا ، اسی مسئلہ کو فقہ کے اس مشہور جزئیہ پر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اگر بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے گیا تو مہر ایک ہزار روپیہ اور اگر باہر لے گیا تو دو ہزار روپیہ ہوگا ، کیونکہ مسئلہ کسی خاص صورت میں محدود نہیں ہے اس کی بہت سی صورتیں ہو سکتی ہیں ۔

چنانچہ فتاوی عالمگیری میں ہے ۔

اگر ایک ہزار مہر کے عوض اس شرط پر شادی کی کہ مرد کی پہلے سے کوئی بیوی نہ ہو اور دو ہزار مہر اس شرط پر مقرر کیا کہ اس کی پہلے سے کوئی بیوی موجود ہو، یا عورت کو اس کے آبائی وطن سے نہ نکالنے پر ایک ہزار اور نکالنے کی صورت میں دو ہزار مقرر کیا، یا عجمی ہونے کی صورت میں ایک ہزار اور عربی ہونے کی صورت میں دو ہزار ، یا اس طرح کی اور بھی جو صورتیں ہوں تو نکاح بلاشبہ جائز ہے ،رہ گئی مہر تو پہلی شرط بالاتفاق جائز ہے چنانچہ اگر شرط کو پورا کیا تو مہر مسمی لازم ہوگا اور اگر شرط کی مخالفت ہوئی تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک مہر مثل واجب ہوگا جو اقل سے کم نہ ہوگا اور نہ اکثر سے زائد ہوگا اور صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں جائز ہیں (**الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۳۰۸۔ الفصل الرابع فی الشروط فی المهر**)

کیا صاحبین کے قول پر فتوی دیا جاسکتا ہے ؟

طلاق کا جو آج کل بے جا نا جائز استعمال ہورہا ہے اس پر قابو پانے کے لئے اس مسئلہ میں صاحبین کے قول پر فتوی دینا چاہئے

کسی دوسری عورت سے شادی کرنے پر مہر کم مقرر کرنا

اگر نکاح کرتے وقت مہر اس طرح طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں رہتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس کا مہر مثلا تیس ہزار ہوگا اور اگر کسی دوسری عورت سے شادی نہ کی تو مہر پندرہ ہزار ہوگا۔

اس صورت میں مسئلہ یہ ہے کہ شرط اور مہر دونوں غیر معتبر قرار پائیں گی اور مہر مثل لازم آئے گا۔ شرط تو اس وجہ سے فاسد ہے کہ اسے پورا کرنے میں ایک امر مشروع سے باز رہنا لازم آتا ہے ، اور مہر مسمی کا اعتبار اس لئے نہ ہوگا کہ وہ اس شرط فاسد پر موقوف تھا ۔ لہذا جب شرط غیر معتبر ہوگئی جو موقوف علیہ ہے تو مہر بھی غیر معتبر قرار پائے گا ۔

مشہور شارح مسلم شافعی فقیہ علامہ نووی لکھتے ہیں،

سو درہم کے عوض اس شرط پر شادی کی کہ شوہر اس کی موجودگی میں شادی نہیں کرے گا، یا کسی باندی سے

جنسی تعلق قائم نہیں کرے گا، یا اس کو لیکر سفر میں نہیں جائے گا، تو نکاح صحیح ہوگا اور شرط اور مہر دونوں فاسد قرار پائیں گے، امام مالک اور ابو حنیفہ کی بھی یہی رائے ہے۔ (المجموع للنووی ۱۸،۸۱، ط الارشاد)

ملازمت کی شرط لگانا

اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ عورت گھر کی ملکہ ہو، کسی دفتر یا کار خانے کی ملازمہ نہ ہو، گھر کی دنیا میں رہ کر وہ اپنے شوہر، والدین، بہن، بھائی کی خدمت کرے، دفتروں اور کارخانوں میں ملازمہ بن کر اجنبی مردوں کی دلچسپی کا سامان نہ بنے، قرآن نے عورتوں کی تخلیق کا مقصد بایں الفاظ بیان کردیا ہے۔ " وقرن فی بیوتکن ۔ (الاحزاب۔ ۳۳) یعنی اپنے گھروں کو لازم پکڑو، وہی تمہارا مسکن ہے اور وہیں تمھیں کام کرنا ہے، رہ گیا نان نفقہ اور سکنی کا مسئلہ سو شریعت نے شادی سے پہلے اس کا نفقہ باپ کے ذمہ لازم کرا [illegible]ی کے بعد شوہر کے ذمہ عائد کی، اس لئے ملازمت وغیرہ کی شرط جو مغربی افکار و نظریات کی پیداوار ہے [illegible] کے نزدیک عورت کا نفقہ شوہر کے ذمہ واجب نہیں، شریعت اسلامی کی رو سے جائز نہیں ہے۔ نکاح درست ہو جائے گا، اور شوہر گو اس شرط کو قبول کرے تاہم اس کا پورا کرنا لازم نہیں اور شرط باطل ہوجائے گی، اگر شوہر سلسلۂ ملازمت ختم کرنے کا عورت کو حکم دے یا نئی ملازمت سے روکے تو ایسا حکم دینے میں شوہر حق بجانب ہے، مسئلہ ہے کہ شوہر کی اجازت کے بغیر عورت کو باہر نکلنا ممنوع ہے اگر چہ وہ علم کی مجلس ہو (قاضی خان علی الهندیة ج ۱ ص ۲۲۳) حتی کہ شوافع کے نزدیک شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی کے لئے اپنے والدین کی عیادت، ان کے جنازہ میں شرکت اور ان کی تعزیت بھی ممنوع ہے (شرح المهذب ۱۸۔ ۹۷ ط الارشاد)

واللہ تعالی اعلم بالصواب وعلمہ اتم واحکم

اشتراط فی النکاح

مولوی محمد نور القاسمی ☆

تتبع اور جستجو کے بعد فقہا کی عبارات اور تصریحات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نکاح کے سلسلے میں شروط تین قسم کی ہیں۔ ایک تو وہ جو مقتضیات عقد میں سے ہیں۔ دوسرے وہ جو منافی عقد میں سے ہیں۔ تیسرے وہ جو نہ مقتضیات میں سے ہیں اور نہ منافی عقد ہیں۔

مقتضیات عقد شرائط

جو شرائط مقتضیات عقد میں سے ہیں ان کا ایفاء واجب ہے، مثال کے طور پر عقد کے وقت یہ شرط لگادینا کہ شوہر عورت کے ساتھ اچھی طرح زندگی بسر کرے گا، یا یہ کہ عورت کا نفقہ، کسوہ اور سکنی سب شوہر پر لازم ہوگا، نیز بیوی کے حقوق میں سے کسی چیز کی کمی شوہر نہیں کرے گا اور اس بیوی کے لئے بھی وہی باری متعین کرے گا جو دوسری بیویوں کے لئے متعین کرے گا، یا یہ کہ عورت بغیر شوہر کی اجازت کے گھر سے باہر نہ نکلے گی نہ شوہر کی نافرمانی کرے گی اور نہ ہی شوہر کی اجازت کے بغیر نفل روزہ رکھے گی، نہ شوہر کے مال میں بغیر اس کی اجازت کے تصرفات کرے گی وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام شرطوں کی وجہ سے نکاح منعقد ہوجائے گا یعنی نکاح کے انعقاد پر اس کا کوئی

☆ تخصص فی الفقہ، دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد

منفی اثر نہیں پڑے گا، اور ان شرائط کو پورا کرنا بھی ضروری ہوگا۔ یہ ایفا ان شرائط کے لگادینے کی وجہ سے نہیں، بلکہ عقد نکاح ہی کی وجہ سے ان امور کا پورا کرنا واجب ہوگا۔ چنانچہ سید سابق صاحب فقہ السنۃ لکھتے ہیں

جن شروط کا پورا کرنا ضروری ہے وہ یہ ہیں جو مقتضیات عقد اور مقاصد عقد میں سے ہوں اور اس سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو بدلنا لازم نہ آتا ہو، مثال کے طور پر اچھی طرح زندگی گزارنے کی شرط لگانا، عورت کے نفقہ کی شرط لگانا، اس کے پہناوے اور اس کو اچھی طرح رکھنے کی شرط لگانا، نیز یہ کہ شوہر اسکے حقوق میں سے کسی چیز کی کمی نہیں کریگا، دوسری بیویوں کی طرح اس کی باری بھی مقرر کریگا، اور یہ شرط لگا دے کہ بیوی اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے نہیں نکلے گی اور اس کی نافرمانی نہیں کرے گی اور بغیر اس کی اجازت کے نفل روزہ نہیں رکھے گی، کسی کو گھر آنے کی اجازت اس کی اجازت کے بغیر نہیں دے گی، اور بغیر اس کی رضا مندی کے اس کے مال و اسباب میں تصرف نہیں کرے گی، وغیرہ (فقہ السنۃ ج ۲ ص ۴۲)

غیر مقتضیات عقد اور منافی عقد شرائط

شرط کی دوسری قسم جو مقتضیات عقد میں سے نہ ہوں اور منافی عقد ہوں مثلاً نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی کوئی شرط لگا دینا جسکا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، جیسے شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان ونفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا، یا یہ کہ عورت کا مہر شوہر پر نہیں ہوگا، یا یہ کہ عورت ہی شوہر کا نفقہ برداشت کرے گی، یا یہ کہ بیوی شوہر کو کچھ روپے پیسے دے گی یا شوہر یہ شرط لگا دے کہ وہ بیوی کے پاس دن میں تو رہے گا، مگر رات میں نہیں رہے گا وغیرہ، تو یہ تمام کی تمام شرائط فاسد ہوں گی، اس لئے کہ یہ شرائط عقد نکاح کے منافی ہیں۔ ان شرائط کو پورا کرنا بھی ضروری نہیں ہے۔ البتہ نکاح درست ہو جائے گا، چنانچہ "المجموع" میں ہے

اگر کسی عورت سے ایک سو کے عوض میں شادی کی بشرطیکہ وہ دوسری شادی نہیں کریگا، یا یہ کہ وہ اس کے رہتے ہوئے دوسری باندی سے وطی نہیں کرے گا، یا اس شرط پر کہ وہ اس کے ساتھ سفر نہیں کرے گا، یا وہ بیوی کے ماں باپ سے بات نہیں کریگا، یا یہ کہ وہ اس کو پہننے کے لئے کپڑا نہیں دے گا اور عورت کا نفقہ اس پر نہیں ہوگا یا اس شرط پر نکاح کیا کہ وہ جب چاہے گھر سے نکل جائے، تو نکاح تو درست ہو جائے گا، البتہ شرط اور مہر دونوں فاسد قرار دئے جائیں گے، اسی کے قائل امام مالک اور ابو حنیفہ ہیں (کتاب المجموع ج ۱۸ ص ۱۸۔ ط ۔ مکتبۃ الارشاد جدہ)

نیز علاء الدین سمرقندی فرماتے ہیں

کسی نے بغیر مہر کے نکاح کیا یا مہر نہ دینے کی شرط پر نکاح کیا اور عورت نے قبول کرلیا تو ہمارے اصحاب کے نزدیک نکاح منعقد ہوجائے گا اور شوہر کے ذمہ مہر مثل لازم ہوگا (تحفة الفقہاء ج ۱ ص ۱۳۵ ط۔ دار الکتب العلمیة بیروت)

اس سے بھی واضح عبارت فقہ السنہ کی ہے، جس سے مسئلہ منقح ہوجاتا ہے۔

ان شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عقد نکاح کے درست ہونے کے باوجود اس شرط کا پورا کرنا واجب نہیں ہوتا ہے۔ یہ مقتضاء عقد کے منافی شرط ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر نفقہ اور وطی کے چھوڑ دینے کی شرط لگائی، یا اس کو مہر نہ دینے کی یا اس سے عزل کرنے کی شرط لگائی یا یہ شرط لگائی کہ عورت ہی اس کا خرچ برداشت کرے گی یا وہ اس کو کچھ روپے پیسے دے گی یا وہ ہفتہ میں صرف ایک مرتبہ شب باشی کرے گا یا صرف دن میں تعلق قائم کرے گا، رات میں نہیں تو یہ تمام شرائط باطل ہیں، کیونکہ عقد کے منافی ہیں (فقہ السنة ج ۲ ص ۱۲۷)

مذکورہ بالا شرائط فاسد ہیں۔ اور فقہاء تصریح کرتے ہیں کہ شرائط فاسدہ کے پائے جانے کے بعد بھی نکاح منعقد ہوجاتا ہے۔

چنانچہ علامہ کاسانی فرماتے ہیں :

و النکاح لا تبطله الشروط الفاسدة (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۷۷ دارالکتب العلمیة)

یہاں پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ نکاح شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا ہے، امام شافعی کے نزدیک اگر عورت نے یہ شرط لگائی کہ مرد اس سے نکاح کے بعد وطی نہیں کرے گا یا اس شرط پر نکاح کیا کہ شوہر کو صرف رات میں تعلق قائم کرنے کا اختیار ہوگا، یا یہ کہ وہ بیوی کے پاس ایک سال تک نہیں جائے گا، تو عورت کی جانب سے لگائی گئی ان شروط کی بناء پر نکاح باطل ہوجائے گا، جیسا کہ فقہاء شافعیہ لکھتے ہیں۔

اذا اشترطت المراة على الزوج حال العقد ان لا يطأها او على ان يطأها في الليل دون النهار او على ان لا يدخل عليها سنة بطل النكاح (کتاب المجموع ج ۱۸۔ ۱۹ و حلیة العلماء ج ۲ ص ۳۵۰)

جب عقد کے وقت عورت نے شرط لگائی کہ شوہر اس سے وطی نہیں کرے گا یا یہ شرط لگائی کہ وہ رات میں تو وطی کرے گا، لیکن دن میں نہیں یا یہ کہ وہ اس کے پاس ایک سال تک نہیں آئے گا، تو نکاح باطل ہوجائے گا۔

غیر مقتضیات اور غیر منافی عقد شرائط

تیسری قسم شرائط کی وہ ہیں جو نہ مقتضیات عقد میں سے ہیں اور نہ ہی منافی عقد، بلکہ بین بین ہیں۔ یہ وہ شرائط ہیں، جن کے نتیجے میں کسی فریق پر ایسا کوئی حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہیں ہوتا، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا۔ تو ان شرائط کے ہوتے ہوئے بھی نکاح درست ہوجائے گا اس پر کوئی منفی اثر نہیں پڑے گا۔ چنانچہ صاحب عنایہ اکمل الدین بابرتی فرماتے ہیں۔

ایک ہزار کے بدلے اس شرط پر شادی کی کہ وہ بیوی کو شہر سے باہر نہیں لے جائے گا یا اس شرط پر کہ وہ اس کی موجودگی میں دوسری شادی نہیں کرے گا، یا اس شرط کے ساتھ شوہر فلانہ کو طلاق دیدے گا تو نکاح درست ہے۔ گو کہ دوسری شادی نہ کرنے، سفر نہ کرنے اور سوکن کو طلاق دینے کی شرط فاسد ہے، اس لئے کہ اس کے اندر امر مشروع کی ممانعت لازم آتی ہے (**العنایۃ مع فتح القدیر ج ۳ ص ۳۵۰**)

ان شرائط کا ایفاء واجب نہیں ہے۔ سید سابق لکھتے ہیں۔

فمن العلماء من رای (ای ابوحنیفۃ و الشافعی وکثیر من اهل العلم) ان الزواج صحیح و ان هذه الشروط ملغاة ولا یلزم الزوج الوفاء بها (فقه السنة ج ۲ ص ۲۷)

علماء میں سے بعض یعنی امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور بہت سے اہل علم نے نکاح کو صحیح قرار دیا ہے گرچہ یہ شرط لغو و بے کار ہیں، ان کو پورا کرنا شوہر کے ذمہ واجب نہیں۔

ان لوگوں کا استدلال ایک حدیث شریف سے ہے، جس میں فرمایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو شرائط پورا کرنا چاہئے، الا یہ کہ وہ ایسی شرطیں ہوں جس سے حرام کی حلت یا حلال شئی کی حرمت ثابت ہوتی ہو، یعنی ان شروط کا پورا کرنا ضروری نہیں ہے، اور اوپر کی مذکورہ شرائط کا بھی یہی حال ہے کہ ان سے ایک حلال شئی کی حرمت لازم آتی ہے۔

اور ان لوگوں کا استدلال اس حدیث سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں پر شرطوں کو پورا کرنا واجب ہے، الا یہ کہ کوئی شرط ایسی ہو جس سے کسی حرام شئی کی حلت ثابت ہوتی ہو یا حلال چیز کی حرمت لازم آتی ہو۔ فرمایا کہ یہ شرائط ایسی ہیں جو حلال چیز یعنی نکاح، وطی اور سفر کو حرام کرتی ہیں، حالانکہ یہ سب حلال ہیں (دیکھئے کتاب مذکور)

بین الفریقین طے شدہ اقرار نامہ

وہ شرائط یا اقرار نامہ جو فریقین کے درمیان طے پاتے ہیں، وہ تین قسم کے ہوتے ہیں، اول یہ کہ نکاح سے پہلے ہی وہ شرائط طے ہوجائیں اور اس پر دستخط بھی ہوجائیں۔ ثانی وہ جو عقد نکاح کے وقت ہوں، مثلاً ایجاب ہی مشروط ہو یا ایجاب مطلق ہو اور قبول مشروط ہو۔ ثالث یہ کہ عقد نکاح مکمل ہونے کے بعد کوئی شرائط نامہ فریقین کے درمیان طے پائیں اور اس پر دستخط بھی ہوجائے۔

چنانچہ درمختار میں ہے

اس کی شرط یا تو ملک حقیقی کا ہونا ہے، جیسے اپنے غلام سے یہ کہنا کہ اگر تونے ایسا کیا تو تو آزاد ہے، یا ملک حکمی کا ہونا، جیسے اپنی منکوحہ عورت یا عدت گزار رہی بیوی سے شوہر کا یہ کہنا کہ اگر تو نکلی تو تجھے طلاق ہے، یا ملک حقیقی یا ملک حکمی کی جانب اضافت ہو، جیسے کسی آدمی کا یہ کہنا کہ اگر میں نے کسی عورت سے نکاح کیا یا تم سے نکاح کیا تو تجھے طلاق ہے اسی طرح ہر عورت کا حکم ہے **(الدر المختار مع الشامی ج ۳ ص ۳۴۴ ۔ ط سعید کمپنی کراچی)**

چنانچہ اگر نکاح کی جانب اضافت کو اس اقرار نامہ میں تحریر نہیں کیا گیا تو یہ اقرار نامہ محض بے کار ہوگا اور اس کے رو سے عورت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہیں ہوگا۔

چنانچہ علامہ حصکفی لکھتے ہیں

فلغا قوله لا جنبية ان زرت زيدا فانت طالق (الدر المختار مع الشامي ج ۳ ص ۳۴۵)

سو کسی مرد کا کسی اجنبی عورت سے یہ کہنا اگر تو نے زید کی زیارت کی تو تجھے طلاق ہے، لغو ہے۔

اس کے لغو ہونے کی وجہ یہی ہے کہ یہاں ملک نکاح کی طرف اضافت نہیں پائی جارہی ہے۔ یہاں یہ وضاحتاً عرض ہے کہ وہ صورت جس میں اقرار نامہ پہلے سے تیار ہو اور اس میں اضافت الی النکاح نہ پایا جاتا ہو، لیکن دستخط دولہا اور گواہان کی جانب سے عقد نکاح کے وقت ہو رہا ہو، وہ اقرار نامہ معتبر ہوگا، گو اس میں اضافت الی النکاح کا فقدان ہے۔ کیونکہ یہ صورت دوسری صورت کے حکم میں داخل ہے، جس کا تذکرہ چند سطروں بعد ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عین ایجاب و قبول کے وقت زبانی شرائط کا ذکر ہو، اس کے معتبر ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو، یعنی اولاً عورت خود ایجاب کے وقت کہے میں نے اپنے آپ کو (یا عورت کا ولی یا وکیل یوں کہے کہ میں فلاں بنت فلاں کو) تیرے نکاح میں دیتی ہوں (یا دیتا ہوں) اس شرط پر کہ اگر تم نے یہ کام کیا یا فلاں فلاں کام، تو اپنے معاملہ کا اختیار میرے ہاتھ میں ہوگا) یعنی شرائط مذکورہ میں سے

کسی ایک شرط کی خلاف ورزی پر بھی اختیار ہوگا کہ وہ اسی وقت یا جس وقت چاہے اپنے آپ کو طلاق دے کر اس نکاح سے الگ کرسکے گی۔ ان شرائط کے جواب میں مرد جو نکاح کررہا ہو یوں کہے کہ میں نے قبول کیا یا یوں کہے کہ میں نے ان ساری شرائط کے ساتھ قبول کرلیا۔ تو عورت کو اختیار ہوگا کہ جب چاہے اپنے اوپر شرائط کی خلاف ورزی کے وقت طلاق واقع کر کے شوہر کے نکاح سے نکل جائے۔

چنانچہ در مختار میں ہے

نکحها على ان امرها بيدها صح (الدر المختار مع الشامی ج ۳ ص ۳۲۹)

نکاح کیا عورت سے اس شرط پر کہ اس کا معاملہ اس کے ہاتھ میں ہوگا تو یہ صحیح ہے۔ اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح کرتے ہوئے قلمطراز ہیں۔

مصنف کا "صح" کہنا اس صورت کے ساتھ مقید ہے کہ جب ابتداء عورت نے کیا اور ایجاب اس طرح کیا ہو کہ میں تجھ سے اس شرط پر نکاح کرتی ہوں کہ میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا جب میں چاہوں گی اپنے آپ کو طلاق دے لوں گی یا اس شرط پر کہ مجھے طلاق ہوجائے گی، اس پر شوہر نے کہا کہ میں قبول کرتا ہوں (**رد المحتار ج ۳ ص ۳۲۹**)

اگر ایجاب مرد کی جانب سے ہو اور لڑکی یا لڑکی والے قبول کے ساتھ تفویض طلاق کی شرط لگادیں تو نکاح بلا کسی شرط کے صحیح ہوجائے گا اور شرط کالعدم ہوجائے گی۔

علامہ شامی لکھتے ہیں

اما لو بدا الزوج لا تطلق ولا يصير الامر بيدها

اگر شوہر نے ابتداء کی تو نہ تو بیوی مطلقہ ہوگی اور نہ ہی اس کے معاملہ کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہوگا۔ (دیکھئے کتاب مذکور)

عورت کی جانب سے ایجاب مشروط ہو اور مرد قبول کرلے تو شرط باقی رہتی ہے، اور اگر مرد کی جانب سے ایجاب مطلق ہو اور عورت کی جانب سے قبول مشروط ہو تو کالعدم ہوجاتی ہے۔ ان دونوں صورتوں میں فرق بیان کرتے ہوئے فقیہ ابواللیث فرماتے ہیں

اس لئے کہ ابتداء جب شوہر کی جانب سے ہوئی تو گویا طلاق اور تفویض طلاق، نکاح سے پہلے ہوا جو صحیح نہیں ہے، ہاں اگر ابتداء عورت کی جانب سے ہو تو یہ تفویض نکاح کے بعد سمجھی جائے گی، اس لئے کہ جب شوہر نے عورت کے کلام کے بعد قبلت (میں نے قبول کیا) کہا تو یہ بیوی کے قول کا جواب ہوا اور جواب سوال کے

مضمون کو شامل ہوتا ہے، گویا کہ اس نے کہا کہ میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ تم کو طلاق ہوگی یا اس شرط پر کہ تیرا معاملہ تیرے ذمہ ہوگا، تو یہ تفویض نکاح کے بعد ہوگی (رد المحتار ج ۳ ص ۲۲۲)

اور اگر ایجاب عورت ہی کی جانب سے ہو، لیکن غیر مشروط ہو اور مرد نے قبول کرتے ہوئے شرط تفویض ذکر کردیا تب بھی یہ شرط صحیح ہوجائے گی، اس لئے کہ نکاح قبول کرنے کے بعد ہی تام ہوتا ہے، اور مرد نے جو قبول کی شرط لگائی ہے وہ گویا نکاح کے اندر لگائی، لہذا صحیح ہوگا۔

تیسری صورت یہ ہے کہ نہ تو نکاح سے پہلے شرط لگائی جائے اور نہ عقد نکاح کے وقت۔ بلکہ نکاح مکمل ہونے کے بعد کوئی شرط لگائی جائے اور اقرار نامہ لکھا جائے اور فریقین اس پر راضی ہوں۔ تو یہ صورت بھی صحیح اور درست ہے اور یہ شرط واجب الایفاء ہوگی۔ اس لئے کہ اس کا نکاح سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس کی حیثیت یمین و قسم جیسی ہے اور یمین کا پورا کرنا واجب ہے۔

رجوع بعد التفویض کا حکم

جب شوہر نے اپنی بیوی کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار دے دیا تو اب شوہر کو یہ اختیار باقی نہیں رہتا ہے کہ وہ اس تفویض سے رجوع کرلے اور زوجہ کے اس حق کو فسخ کردے۔ اس لئے کہ تفویض کے بعد زوجہ اس اختیار کی بذات خود مالک ہوجاتی ہے۔ خواہ اس حق کو استعمال کرے یا نہ کرے اور جب چاہے کرے۔ اور تملیک کے بعد رجوع کا حق حاصل نہیں ہوتا ہے۔

فتاوی عالمگیری میں ہے:

ولیس للرجل ان یرجع فی ذالک ولا ینهاها مما جعل الیها ولا یفسخ کذا فی الجوهرة (الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۳۸۷)

شوہر کو اس سے نہ تو رجوع کرنے کا اختیار ہوگا اور نہ ہی اس چیز سے روکنے کا اختیار ہوگا جو معاملہ اس کے سپرد کرچکا ہے اور نہ ہی اس کو فسخ کرسکتا ہے۔ جیسا کہ جوہرہ میں لکھا ہے۔

نیز فقہ السنۃ میں ہے

لیس له الرجوع لانه ملکها ذالک فلم یملک الرجوع (فقه السنة ج ۱ ص ۳۸۷)

شوہر کو رجوع کرنے کا اختیار نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس نے بیوی کو اس معاملہ کا مالک بنادیا ہے تو اب رجوع کرنے کا حق نہیں ہوگا۔

علاء الدین سمرقندی نے تو اس سے بھی زیادہ واضح اور لطیف عبارت پیش کی ہے۔

ان فصلوں کے اندر یہ ہے کہ شوہر کا یہ ارادہ کرنا کہ بیوی کو اس کے اختیار کے استعمال سے باز رکھے اور اس کے معاملہ کو اس سے لے لے اور اس سے رجوع کرلے تو یہ صحیح نہیں ہے۔ اسی طرح اس کو اس سے روکنا بھی صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ تفویض طلاق ہے اور طلاق فسخ کا احتمال نہیں رکھتا ہے تو اس کا اختیار دینا بھی ایسا ہی ہوگا (**تحفۃ الفقہاء، ج ۱ ص ۱۹۲**)۔

مصالح کی حفاظت کے لئے تفویض کے ساتھ مزید احتیاطیں

چونکہ عورت ناقصات العقل ہوتی ہیں اس لئے طلاق کو مطلق اس کے ہاتھ میں دینا خطرہ سے خالی نہیں، اس لئے مناسب یہ ہے کہ تفویض میں کوئی مناسب قید بھی لگادی جائے جس میں وہ خطرہ باقی نہ رہے، مثلاً یہ کہ **نکاح کے وقت وہ عورت خود یا اس کا ولی یا وکیل یہ کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا فلاں بنت فلاں کو تمہارے نکاح میں اتنے مہر کے عوض میں، دیا اس شرط پر کہ جس وقت اس عورت کو تم سے کوئی تکلیف پہونچے گی، جس کو فلاں فلاں پانچ یا دس آدمی تکلیف تسلیم کرلیں تو اس عورت کو اس کے بعد ہر وقت معاملہ کا اختیار ہوگا کہ وہ عورت طلاق دے کر اس نکاح سے علحدہ ہوجائے۔ اس صورت میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں اس وقت آئے گا** جب کہ تسلیم کردہ اشخاص تسلیم کرلیں کہ واقعی یہ تکلیف ہے جو شرط کے مطابق ہے۔

فتوی صاحبین کے قول پر ہے

چونکہ آج کل کے مرد بھی سنجیدگی سے دور ہوکر جذباتی ہوگئے ہیں اور ذرا ذرا سی بات پر طلاق کی نوبت آجاتی ہے، اور اس کا بے جا استعمال کرتے ہوئے طلاق دے بیٹھتے ہیں۔ اس سے طرح طرح کی خرابیاں لازم آتی ہیں، ان خرابیوں سے بچنے کے لئے اگر نکاح کے وقت یہ شرط لگادی جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دیا تو بیوی کا مہر بیس ہزار ہوگا اور طلاق نہ دیا تو دس ہزار ہوگا۔ تو صاحبین کے قول پر فتوی دیتے ہوتے دونوں صورتوں میں مہر مسمی لازم کرنا چاہئے، یعنی ضرورت کے پیش نظر امام ابو حنیفہ کے قول کو چھوڑ کر صاحبین کے قول پر فتوی دیا جاسکتا ہے جیسا کہ مشائخ متقدمین نے بھی ضرورت زمانہ کی وجہ سے امام ابو حنیفہ کے قول کو چھوڑ کر صاحبین کے قول پر فتوی دیا ہے۔

ملازمت کی شرط لگانا

یہ بات پہلے بیان ہوچکی ہے کہ شرائط کی تین قسمیں ہیں۔ مقتضیات عقد، منافی عقد اور غیر مقتضائے عقد، غیر منافی عقد۔ تینوں کے احکام شروع میں بیان ہوچکے ہیں، اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ مسئلہ حل کیا جائے کہ اگر عورت اپنے شوہر سے نکاح کے وقت یہ شرط لگادے کہ شوہر اس کو لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا، اور شوہر نے اس شرط کو قبول بھی کرلیا تو بھی اس کی پابندی ضروری نہیں ہے، یہ شرط لغو ہوجائے گی، اگر نکاح کے بعد ان شرائط کی رعایت نہ کرتے ہوئے عورت کو سلسلۂ ملازمت ختم کرنے کا حکم دے یا نئی ملازمت کرنے سے روکے تو عورت پر اس کے حکم کی تعمیل ضروری ہوگی، اور عدم تعمیل کی صورت میں ناشزہ شمار ہوگی۔ یہ تو ملازمت کی بات ہے، اگر عورت علمی مجلس میں بھی جانا چاہتی ہے اور شوہر جو عالم ہے، اس کو وہاں جانے سے منع کردے تو عورت کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ اس کی اجازت کے بغیر وہاں چلی جائے۔

واذا ارادت المراة ان تخرج الی مجلس العلم بغیر اذن الزوج لم یکن لها ذالک (خانیة علی هامش الهندیة ج ۱ ص ۲۲۳)

اگر عورت شوہر کی اجازت کے بغیر علم کی مجلس میں جانا چاہتی ہے تو اس کو اختیار نہیں ہوگا۔ امام شافعی نے تو بغیر اذن شوہر کے ماں باپ کے جنازہ میں بھی شرکت کی اجازت نہیں دی ہے۔

فقد قال الشافعی له منعها من شهادة جنازة ابیها و امها وولدها (المجموع شرح المهذب ج ۱۸۔ ۹۷)

امام شافعی نے فرمایا کہ شوہر بیوی کو باپ، ماں اور بیٹے کے جنازہ میں شرکت کرنے سے روک سکتا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

اشتراط فی النکاح

مولوی محمد یوسف خاں قاسمی *

(۱) ایسی شرائط لگانا جن کے ذریعہ کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی بلکہ عقد نکاح سے ہی پیدا ہونے والی نئی ذمہ داری کو بطور شرط کے ذکر کرنے سے عقد نکاح صحیح ہوتا ہے اور شرط بھی لازم العمل اور درست ہوتی ہے جیسے بیوی کا یہ کہنا کہ اس کا نفقہ یا اس کا مہر شوہر کے ذمہ ہوگا ، غرضیکہ ایسی شرطیں عندالشرع معتبر و لازم ہیں حتی کہ اگر ان شرطوں کو عندالنکاح نہ بھی ذکر کیا جائے تب بھی اس طرح کی شرطیں واجب العمل ہیں کیونکہ محض عقد ہی کے ذریعہ شریعت نے لازم و شرط قرار دے دیا ہے ۔

و الحدیث محمول عندهم علی الشروط التی لاتنافی مقتضی النکاح بل تکون من مقتضیاته و مقاصده کاشتراط العشرة بالمعروف والانفاق والکسوة والسکنی الخ (فتح الملهم ج ۳ ص ۴۷۱) (مسلم ج ۱ ص ۴۵۵) کتاب الفقه ج ۴ ص ۴۵)

(۲) ایسی شرطیں نکاح کے وقت لگانا جن کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی ذمہ داری سے گریز ہو ، ایسی شرطیں لگانا جائز نہیں ، البتہ ایسی شرطوں کے لگانے سے صحت نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا کیونکہ نکاح شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا ۔ اور ایسی شرائط عقد نکاح کے وقت طے پائی ہیں تو ان کی پابندی متعلق فریق کے لئے ضروری نہیں ۔ ضروری تو کیا اس طرح کی پابندی عندالشرع مذموم ہے ۔

و اما شرط ینافی مقتضی العقد کان لایقسم لها و لایتسری علیها و لا ینفق علیها او نحو

---

* تخصص فی الفقہ ، دار العلوم حیدرآباد

ذالک فلا یجب الوفاء به بل ان وقع فی صلب العقد لغی و صح النکاح بمهر المثل ولا اثر للشرط۔ و الی قوله والمراد فی الحدیث الشروط الجائزة لا المنهی عنها (فتح الملهم ج ۳ ص ۴۷۱ النووی مع مسلم ج ۱ ص ۲۵۵، عالمگیری ج ۱ ص ۳۰۹)

(۳) اس طرح کی شرطیں بھی شریعت میں فاسد ہیں ان کے ذریعے بھی نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہے اور نہ ہی یہ شرطیں لازم الایفاء ہیں اگر شوہر عقد نکاح کے وقت یہ شرطیں تسلیم بھی کر لیتا ہے تب بھی اس کے ذمہ ان شرطوں کو پورا کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ یہ ایک محض وعدہ ہے جس کے پورا کرنے پر اس کو مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ بدائع میں ہے ۔

و قال ان ما شرط الزوج من طلاق المراة و ترک الخروج من البلد لا یلزمه الحکم لان ذالک وعد و عدلها فلا یکلف به (بدائع ج ۳ ص ۲۸۵)

البتہ اس طرح کی شرائط کو پورا کرنے اور نہ کرنے کا اثر مہر پر ضرور پڑے گا۔

(ج) تفویض طلاق

نکاح کے وقت بیوی اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کی مطلقاً یا بعض حالات کے تحت شرط لگاتی ہے اور شوہر اس کو تسلیم کر لیتا ہے تو اس کی وجہ سے عورت کو حق طلاق حاصل ہو جائے گا کیوں کہ تفویض طلاق شریعت میں معتبر ہے، لہذا عقد نکاح کے وقت خود عورت یا اس کے اولیاء اس طرح کی شرط طے کر لیں تو اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا اور عورت کو طلاق کا اختیار حاصل ہو جائے گا۔

نکحها علی ان امرها بیدها صح (درمختار ج ۲ ص ۵۷۵)

لیکن اس شرط کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ عورت کی طرف سے ایجاب مع الشرط ہو اور مرد اس کو قبول کرے اور اگر اس کی ابتداء مرد کی طرف سے ہوتی ہے تو یہ شرط لغو ہو جائے گی نہ عورت کو اس سے اختیار ملے گا اور نہ طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا۔ اور شوہر کو تفویض طلاق کے بعد اس سے رجوع کرنے کا حق نہیں ہے۔

و لیس للزوج ان یرجع فی ذالک و لاینها عما جعل الیها و لایفسخ کذا فی الجوهر النیرة (عالمگیری ج ۱ ص ۳۸۷، بدائع ج ۳ ص ۱۱۳، در مختار ج ۲ ص ۵۱۲)

نکاح میں شرط کی تینوں صورتوں کا حکم

تینوں طرح کی شرطیں کچھ تفصیل کے ساتھ جائز و درست ہیں۔

(۱) اگر نکاح سے پہلے شرائط طے ہوجاتے ہیں تو ان کی صحت کے لئے ضروری ہے کہ اس کی اضافت و نسبت نکاح کی طرف ہو، اگر تفویض طلاق کی اس صورت میں نکاح کی طرف اضافت نہیں کی گئی تو یہ شرط لغو و باطل ہو جائے گی، اس سے عورت کو خیار طلاق ثابت نہ ہوگا، البتہ اگر ایسی تحریر نکاح سے پہلے لکھی گئی اور دستخط شوہر نے اس پر نکاح کے بعد کئے تو یہ تفویض صحیح ہو جائے گی۔

تنویر الابصار میں ہے

شرطه الملک کقوله لمنکوحة ان ذهبت فانت طالق او الاضافة الیه کان نکحتک فانت طالق فلغا قوله لاجنبیة ان زرت زیدا فانت طالق فنکحها فزارت (شامی ج ۲ ص ۵۳۷)

(۲) اگر اس طرح کی شرائط عقد نکاح کی وقت ہی طے پاتی ہیں تو اس کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ ایجاب عورت کی جانب سے مشروط ہو اور مرد اس کو قبول کرے یا عورت کی جانب سے ایجاب مطلق ہو اور مرد کی طرف سے قبول مشروط ہو یعنی مرد اس کو شرائط کے ساتھ قبول کرے اور اگر عورت کے بجائے مرد کی طرف سے ایجاب مطلق یا مشروط ہوتا ہے اور عورت قبول کرتی ہے تو یہ شرط لغو و باطل ہو جاتی ہے۔

اور دوسری چیز یہ کہ ایجاب مع الشرط زبانی ہو، صرف تحریری کافی نہیں، البتہ زبان سے تمام شرائط کی تفصیل بتانا ضروری نہیں بلکہ تفصیل لکھنے کے بعد بوقت ایجاب یا زبانی اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ میں فلاں کا نکاح اس تحریر میں مندرجہ شرائط کے ساتھ کرتا ہوں۔

نکحها علی ان امر ها بیدها صح (درمختار ج ۲ ص ۵۷۵)

ابن عابدین اس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں (قوله صح)

مقید بما اذا ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسی منک علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید او علی انی طالق وقال الزوج قبلت و لو بدأ الزوج لاتطلق و لا یصیر الامر بیدها (شامی ج ۲ ص ۵۷۲) خانیة ج ۱ ص ۳۲۹) عالمگیری ج ۱ ص ۳۷۳) البحر الرائق ج ۳ ص ۳۱۸)

(۳) تیسری صورت جس میں نکاح کے بعد شرائط نامہ طے ہو اور اس پر شوہر دستخط کر دے یہ بھی بالکل صحیح و درست ہے، مگر اس صورت میں نکاح چونکہ مکمل ہو چکا، اس لئے اب شوہر کو عورت اس اقرار نامہ کے لکھنے پر مجبور نہیں کر سکتی، لہذا بہتر یہی ہے کہ پہلی یا دوسری صورت اختیار کی جائے۔

لیکن چونکہ عورت کو مطلقا اختیار دینا خلاف مصلحت بھی ہے اس لئے بطور احتیاط کے کچھ ایسی قیدیں بڑھائی جاسکتی ہیں جو فریقین کے لئے مفید ہوں مثلا ایسی کوئی شدید تکلیف دے جس کو فلاں فلاں لوگ تسلیم کرلیں یا وہ

شراب پینے لگے یا وہ جوا کھیلنے لگے (ایسی شرطیں جن سے معاشرہ تباہ ہوتا ہے) اور ان شرطوں کی فلاں فلاں حضرات سے تصدیق ہوجائے تو بیوی کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا۔

(تعلیق التفویض بشرط قماره او بشربة الخمر او ضربه ضربا موجعا يظهر اثره على بدنها) عالمگیری ج ۱ ص ۳۷۱)

طلاق کے واقعات کو روکنے کے لئے صاحبین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے

طلاق کے واقعات کو روکنے کے لئے حضرات صاحبین کے قول کو اختیار کیا جاسکتا ہے کیونکہ صاحبین ایک طرف ہوں اور امام صاحب دوسری طرف تو اس وقت دونوں قولوں کی حیثیت تقریبا برابر کی ہوجاتی ہے اور حالات کے پیش نظر حضرت قاضی خاں تو صاحبین کے قول کو ہی راجح قرار دیتے ہیں۔

ولذا قال القاضي خان. و ان خالفه صاحباه في ذالك فان كان اختلافهم اختلاف عصر و زمان كالقضاء بظاهر العدالة ياخذ بقول صاحبيه - و في ما سوى ذالك يخير المفتي المجتهد و يعمل بما افضى اليه رايه (رسم المفتي ص ۲۰)

واضح رہے کہ اس طرح شرط لگا کر مہر طے کرنا جہاں عورت کے حق میں مفید ہے وہیں مرد کے حق میں نہایت مضر بھی ہے کیونکہ بعض اوقات طلاق ایک ضرورت بن جاتی ہے جہاں شوہر کو طلاق دئے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں ہوتا ظاہر ہے کہ اس طرح مہر طے کرنے کی صورت میں شوہر کو مزید پریشانی کا سامنا ہوگا۔ اس لئے شوہر اس شرط کو مطلق قبول کرنے کے بجائے کوئی قید لگادے، مثلا شوہر اس کو بلا کسی معقول وجہ کے طلاق دے تو مہر اس طرح ہوگا۔

اور جب مہر اس طرح طے کرنے کا مقصد ایک مجلس میں تین طلاق غیر مشروع اقدام کو روکنا ہی ہے تو اس طرح کیوں نہ شرط لگائی جائے کہ اگر شوہر اس کو طلاق غیر مشروع دے تو مہر بیس ہزار ہوگا ورنہ دس ہزار ہوگا، اگر اس طرح شرط لگائی جائے تو میرے خیال میں یہ عورت کے حق میں بھی بہتر ہوگا۔ اور شوہر کے حق میں بھی۔

ایک نقطہ: حضرت امام صاحب سے جو یہ منقول ہے کہ ان کے نزدیک شرط اول صحیح ہوجاتی ہے اس لئے شرط ثانی باطل ہوجاتی ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پہلی شرط ہی صحیح ہوتی ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی صحیح ہوگی تو دوسری باطل ہوجائے گی، بلا کسی فرق کے اول ثانی کے درمیان، کیونکہ ابو حنیفہ کے نزدیک صحت و عدم صحت کا مدار اول ثانی پر نہیں ہے بلکہ منجز اور غیر منجز پر ہے۔ لہذا دونوں میں سے جو

ایک بھی منجز ہوگی صحیح ہوجائے گی۔ اور معلق باطل ہوجائے گی صاحب بحر اسی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اعلم ان قولهم ههنا بصحة التسمية الاولى فقط بناء على انها منجزة لا يتم الا في قوله على الف ان اقام بها و اما على نحو الف ان طلق ضرتها و على الفين ان لم يطلق فعلى العكس لان المنجز الان عدم اطلاق ينبغي فساد الاولى و صحة الثانية (البحر الرائق ج ٣ ص ١٧٢)

(۲) مہر کی کمی بیشی کی تعلیق دوسرے نکاح پر

اس طرح مہر طے کرنا کہ شوہر اس منکوحہ کے عقد میں ہوتے ہوئے اگر دوسرا نکاح کرے گا تو مہر بیس ہزار ہوگا ورنہ دس ہزار ہوگا، ایسی صورت میں حضرات صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں معتبر و درست ہیں اور دونوں صورتوں میں مہر مسمی واجب ہوگا اور امام صاحب کے نزدیک منجز والی صورت (یعنی نکاح نہ کرنے والی) صحیح ہے، اس لئے اس کے پائے جانے کی وجہ سے مہر مسمی واجب ہوگا اور دوسری شرط کا اعتبار نہیں لہذا اگر بعد میں دوسرا نکاح کرلیتا ہے تو مہر مثل واجب ہوگا کیونکہ ایک شرط کے صحیح مان لینے کے بعد دوسری شرط لامحالہ باطل ہوجائے گی (اس میں امام صاحب کے نزدیک جو منجز ہے وہ صحیح ہے اور جو شرط معلق ہے وہ باطل ہے) اس مسئلے میں دلائل کے اعتبار سے حضرت امام صاحب کا قول ہی مضبوط معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی ایک اصول ہے کہ ایسے وقت میں جس کی دلیل قوی ہوگی اسی کا اعتبار ہوگا تو مناسب ہے کہ امام صاحب کے قول کو ہی اختیار کیا جائے بخلاف ماقبل کے کہ وہاں حالات کے پیش نظر صاحبین کے قول کو اپنانے کی گنجائش ہے۔

غرضیکہ ایسی شرطوں کا نکاح پر تو کوئی اثر نہیں پڑتا البتہ اس کا اثر مہر پر ضرور پڑتا ہے امام صاحب کے نزدیک پہلی شرط صحیح ہونے کی وجہ سے پہلا مہر مسمی واجب ہوگا بصورت دیگر مہر مثل واجب ہوگا بشرطیکہ وہ مہر مسمی اقل سے کم اور اکثر سے زائد نہ ہو اور صاحبین کے نزدیک چونکہ دونوں شرطیں درست ہیں اس لئے دونوں صورتوں میں مہر مسمی واجب ہوگا۔ (**فتح القدير ج ٣ ص ٢٣٣**) (**بدائع ج ٢ ص ٢٨٥**) (**عالمگیری ج ١ ص ٣٠٨**) (**البحر الرائق ج ٣ ص ١٧١**) (**رد المحتار ج ٢ ص ١٢٣**) (**المبسوط لسرخسي ج ٥ ص ٩٠**)

(۳) نکاح کے وقت عورت کا ملازمت سے نہ روکنے کی شرط لگانا

عقد نکاح کے وقت عورت کا اس طرح شرط لگانا کہ شوہر اس کو سلسلۂ ملازمت سے نہیں روکے گا یا آئندہ ملنے والی مناسب ملازمت سے نہیں روکے گا اور شوہر اس کو قبول کرلیتا ہے تب بھی اس شرط کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں

ہے اور نہ ہی شوہر پر اس کی پابندی ضروری ہے بلکہ شوہر اگر اس کو سلسلۂ ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے یا نئی ملازمت کرنے سے روکتا ہے تو عورت پر اس حکم کی تعمیل ضروری ہوگی۔

اس لئے کہ روزی کمانے اور ضروریات زندگی فراہم کرنے کی ذمہ داری اللہ تعالی نے مردوں پر رکھی ہے، عورت کے ذمہ گھریلو ذمہ داری ہیں عورت گھر کی ملکہ ہے، عورت چراغ خانہ ہے شمع محفل نہیں۔ نیز اللہ تعالی نے مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا اور ہر جائز حکم کی تعمیل عورت پر فرض کی گئی ہے، بچوں کی پرورش، امور خانہ داری کے فرائض اور گھر کی زندگی کو سکون و راحت کی جنت بنانا عورت کا کام ہے، اس کے ذمہ ملازمت کر کے روزی کمانا نہیں خاندان کے لئے روزی کمانا اور تمدن کی محنت طلب خدمات انجام دینا مرد کا کام ہے۔

حضرات فقہاء نے صراحت کردی ہے کہ بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر گھر سے نہیں نکل سکتی ہے اور اجنبیوں کی زیارت و عیادت کے لئے ولیمہ وغیرہ کی مجلسوں میں شرکت کے لئے عورت شوہر کی اجازت کے باوجود نہیں نکل سکتی۔ بلکہ اگر شوہر کی اجازت سے نکلتی ہے تو دونوں گنہگار ہوں گے اور عورت اگر بغیر اجازت کے نکل جاتی ہے تو شوہر کو پٹائی کرنے کا حق ہوگا۔

و فيما عدا ذالک من زيارة الاجانب و عيادتهم و الوليمة لا تخرج و لا ياذن ولو خرجت كانا عاصيين (الاشباه ج ٢ ص ١٠٩)(فتح القدير ج ٣ ص ٢٠٧)(هداية ج ٢ ص ٢٣١)

للزوج ان يضرب زوجته على اربع و ما بمعناها۔ و على خروجها من منزله بغير اذنه بغير حق الخ (الاشباه ج ٢ ص ١٠٢)

صاحب فتح لکھتے ہیں:

عورتوں کے نکلنے میں فتنے کا دروازہ کھلے گا، اس لئے سد للباب اس کی ممانعت کی گئی ہے۔

فان فی کثرة الخروج فتح باب الفتنة خصوصا اذا كانت شابة الخ (فتح القدير ج ٣ ص ٢٠٨)

معلوم ہوا کہ مذکورہ پابندی شوہر پر واجب تو درکنار بلکہ شوہر کو ملازمت سے روکنا واجب ہے ورنہ دونوں گنہگار ہوں گے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

اشتراط فی النکاح

مولوی ہارون الرشید مظاہری ☆

پہلی قسم۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ نکاح میں شروط فاسدہ لگانے سے کوئی اثر نہیں پڑتا، البتہ شروط فاسدہ خود باطل ہوجاتی ہیں، اب یہاں تین قسم کی شرطیں ہیں۔ اول ایسی شرائط طے کرنا جو عقد نکاح ہی سے عاقدین پر لاگو ہوتی ہیں۔ تو ایسی صورت میں عقد کے وقت شرط لگانا اور نہ لگانا برابر ہے۔ جیسے شوہر پر مہر اور نفقہ کا لازم ہونا، یا عورت کا اپنے پر مرد کو قدرت دینا وغیرہ وغیرہ۔

" من الشروط ما يجب الوفاء به وهى ماكانت من مقتضيات العقد و مقاصده ولم تتضمن تغييرا لحكم الله و رسوله كاشتراط العشرة بالمعروف و الانفاق عليها و كسوتها وسكناها بالمعروف (فقه السنة لسيد سابق ج ٢ ص ٥١)

دوسری قسم۔ نکاح کے وقت عاقدین میں سے کسی ایک، فریق کا ایسی شرط لگانا جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو اور ہر وہ شرط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو وہ شرط فی نفسہ باطل اور غیر لازم الایفاء ہے۔ اور یہ بھی محکم ہے کہ نکاح شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا، بلکہ شرط فاسد خود باطل ہوجاتی ہے۔ لہذا ایسی صورت میں نکاح فی نفسہ صحیح اور درست ہے۔ ان شرائط کا بھی ذکر کرنا نہ کرنا برابر ہے۔

چنانچہ فقیہ سید سابق اپنی کتاب فقہ السنہ میں لکھتے ہیں :

☆ تربیت افتاء، امارت شرعیہ پٹنہ

" ومنهالا يجب الوفاء به مع صحة العقد وهو ماكان منافيا لمقتضى العقد كاشتراط ترك الانفاق و الوطء و كاشتراط ان لا مهر لها او يعزل عنها او اشتراط ان تنفق او تعطيه شيئا او لا يكون عندها فى الاسبوع الا ليلة او شرط لها النهار دون الليل. فهذه الشروط كلها باطلة فى نفسها لانها تنافى العقد. ولانها تتضمن اسقاط حقوق تجب بالعقد قبل انعقاده فلم يصح كما لو اسقط الشفيع قبل البيع. اما العقد فى نفسه فهو صحيح لان هذه الشروط تعود الى معنى زائد فى العقد لا يشترط ذكره و لا يضر الجهل به فلم يبطل كما لو شرط فى العقد صداقا محرما و لان الزواج يصح مع الجهل بالعوض فجاز ان ينعقد مع الشرط الفاسد (ج ٢ ص ٥١)

نوٹ البتہ شرائط کو دیکھ کر ہر شرط کے مطابق حکم لگایا جائے گا، جیسے کہ شوہر نے مہر کے نہ دینے کی شرط لگائی، یا نفقہ نہ دینے کی شرط لگائی، تو ان صورتوں میں بھی فقہاء نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ پہلی صورت میں مہر مثل لازم ہوگا اور دوسری صورت میں شوہر کے اوپر نفقہ واجب ہوگا۔ اور شرط کا کچھ اثر عقد پر نہیں پڑے گا۔ جیسے کہ عورت نے نفقہ کو ساقط کردیا، یا معاف کردیا یا نکاح کے وقت معافی کی شرط لگادی، تو بھی نفقہ بالکلیہ ساقط نہ ہوگا، کیونکہ نفقہ مرۃ بعد مرۃ واجب ہوتا ہے، لہذا معاف کرنے کے باوجود نفقہ کے مطالبہ کا حق ہوگا۔

" وابراء الزوجه من النفقة هل يصح ؟ ان كانت غير مفروضة لا يصح لانه ابراء قبل الوجوب و ان كان القاضى فرضها كل شهر كذا و كذا صح فى الشهر الاول فقط. وكذا لو قالت ابرأتك من نفقة سنة لا يبرأ الا من شهر الا ان يكون فرض لها كل سنة كذا لان القاضى اذا فرض كذا كل شهر فانها فرض مهما يتجدد الشهر فما لم يتجدد لم يتجدد الفرض و ما لم يتجدد الفرض لم يجب نفقة الشهر فلا يصح الابراء منها و لو ابرأته بعد ما مضى الشهر مما مضى و مما يستقبل برئ مما مضى و من شهر (فتح القدير ج ٢ ص ٣٩٥ ص ٣٩٣)

اسی طرح اگر شرط لگائی کہ مہر نہ دے گا، تو بھی فقہاء نے وضاحت کی ہے کہ ایسی صورت میں مہر مثل لازم ہوگا، اور شرط لگانا بے سود اور غیر لازم الایفاء ہوگا۔ **و ان تزوجها على ان لا مهر لها فلها مهر مثلها ان دخل بها او مات عنها (هداية جلد ثانى ص ٣٢٣)**

تیسری شرط نکاح کے وقت ایسی شرط لگانا جس کے نتیجے میں عاقدین میں سے کسی کو ایسا حق حاصل ہوتا ہو جو غیر مشروط نکاح میں حاصل نہ ہوتا ہو، یا کسی فریق پر کوئی ایسی ذمہ داری عائد ہوتی ہو جو غیر مشروط نکاح میں عائد نہ ہوتی ہو۔ جیسے عورت کا یہ شرط لگانا کہ آبائی وطن میں رہیں گے دوسرے شہر کو نہ جائیں گے۔ یا مرد اس کی

موجودگی میں کوئی دوسری عورت سے عقد نہ کرے گا۔ تو ان شرائط سے بھی نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ یعنی نکاح صحیح اور درست ہوجاتا ہے۔ اگر یہ شرائط ایسی ہیں جو صرف عورت کو فائدہ پہونچائے یعنی عورت ہی کے لئے مفید ہو اور مرد کے لئے اثر نہ پڑے، مثلاً عورت نے یہ شرط لگائی کہ اس کو آبائی وطن سے نہ نکالے گا، ایسی صورت میں شوہر کو اگر کسی دوسرے شہر میں ملازمت مل گئی کہ اب اس جگہ رہ کر زوجہ کے حقوق کا ادا کرنا مشکل اور انتہائی دشوار ہوجائے تو شوہر اب بجائے طلاق اور حقوق زوجہ سے غافل ہونے کی آسان صورت یہ ہے کہ بیوی کو اس شہر میں لے جاکر رکھے، اس کے حق میں یہی بہتر ہے، لیکن قضاءً ایسی شرط پورا کرنے کو لازم قرار دینے کی کوئی صورت نہیں ہے، اس لئے اگر دوسرے فریق کو نقصان پہونچے ایسی شرط لگائی تو شرعاً اس کا پورا کرنا جائز نہیں ہے۔ جیسے کہ سوکن کے طلاق کا مطالبہ کرنا، اس صورت میں اگر عورت کا مہر مثل مہر مسمی سے زائد ہو تو شرط کے ایفاء نہ کرنے کی صورت میں اس کو مہر مثل ملے گا۔

" قد تقدم ان النكاح لا يبطل بالشروط الفاسدة فاذا تزوج على الف ان لا يخرجها من البلدة او على ان لا يتزوج عليها او على ان يطلق فلانة فالنكاح صحيح و ان كان شرط عدم التزوج و عدم المسافرة و طلاق الضرة فاسد الان فيه المنع من الامر المشروع " (عناية مع فتح القدير ج ٣ ص ٣٥٠)

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں :

" اذا تزوجها على الف ان لا يخرجها من البلدة او على ان لا يتزوج عليها اخرى فان وفى بالشروط فلها المسمى و ان تزوج عليها اخرى او اخرجها فلها مهر مثلها (هداية ج ٢ ص ٣٧٩)

تفویض طلاق

تفویض طلاق کے سلسلے میں سب سے پہلے یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ اصل شریعت نے طلاق کا اختیار مرد کو دیا ہے، عورت کو اس کا اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنے اوپر طلاق واقع کرے، کیونکہ عورت ناقص العقل ہے اور اس کا بے جا استعمال کا خیال ہمیشہ رہتا ہے اس وجہ سے اس کو کلی طور پر اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا، اور مرد کو بھی اس وقت طلاق دینے کا حق ہے جب کہ حالت بالکل ناگزیر ہو اور طلاق کے بغیر چارہ کار نہ ہو، کیونکہ عام حالات میں طلاق بہت بری چیز ہے۔ اسی لئے طلاق کو "ابغض الحلال" کہا گیا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ مرد طلاق بھی نہ دے اور حقوق زوجہ کا لحاظ بھی نہ کرے اور ظلم کو اپنے لئے روا رکھے تو

ایسی صورت میں شریعت نے طریقہ بتلایا کہ عورت مرد سے خلع کرے بہر حال ؛ عورت کو بھی مجبوری کے وقت مرد سے چھٹکارا پانے کا راستہ بتلایا ہے ۔ لیکن بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ مرد خلع کرنے کے لئے راضی نہیں ہوتا اور عورت پر ظلم بھی کرتا رہتا ہے ۔ ایسی صورت میں عورت " کالمعلقہ " ہو کر رہ جاتی ہے ۔ تو اب اس صورت میں مقدمہ کرکے قاضی شریعت سے نکاح کو فسخ کرادے ۔ لیکن بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ ، بہت سے لوگ مقدمہ کرنے اور قاضی کی عدالت میں جانے سے گریز کرتے ہیں اور " **وکم من واقع لا یرفع** " کا مظاہرہ ہوتا ہے ، ان سب باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے عقد نکاح ہی کے وقت کچھ ایسی شرائط لگائی جائیں جس سے عورت بوقت ضرورت طلاق کو اختیار کرسکے اور وہ عورت کے لئے وقت پر مفید بن سکے ۔ اس سلسلہ میں ہمارے نزدیک حضرت مولانا تھانوی علیہ الرحمہ کی کتاب " **الحیلۃ الناجزۃ** " سے پورا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے ۔

مختصرا یہ ہے کہ اس قسم کا کابین نامہ لکھوانا جس میں عورت کو طلاق کا اختیار بوقت ضرورت حاصل ہو شرعا جائز و درست ہے **اور اس اختیار دینے کا نام تفویض ہے اس کی تین صورتیں ہیں ، اور تینوں جائز ہیں ۔ چاہے وہ کابین نامہ نکاح سے پہلے لکھوایا جائے یا عین نکاح کے وقت لکھوایا جائے یا نکاح کے بعد ۔**

پہلا طریقہ

نکاح سے پہلے کابین نامہ لکھوانے کی صورت میں ایک شرط کا خاص لحاظ رکھنا ضروری ہے ۔ وہ یہ ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت اور نسبت کو ذکر کیا جائے مثلا یہ لکھا جائے ۔ کہ اگر میں فلاں بنت فلاں کے ساتھ نکاح کروں اور اس اقرار نامہ کے مرقومہ شرائط میں سے کسی شرط کے خلاف کروں تو مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا ۔ کسی وقت چاہے اپنے اوپر طلاق بائن واقع کرکے اس نکاح سے الگ ہوجائے ۔ لیکن مذکورہ شرط میں اضافت الی النکاح نہ لکھی گئی تو اقرار نامہ غلط ہوگا اور عورت کو اختیار حاصل نہ ہوگا ۔

دوسرا طریقہ

عین عقد کے وقت ایجاب و قبول ہی میں زبانی شرائط مذکور ہوں ، اس کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو یعنی اولا عورت ، یا اس کا ولی یا وکیل یعنی قاضی عقد نکاح کے وقت یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسماۃ فلاں بنت فلاں کو تیرے نکاح میں اس شرط پر دیا کہ تم نے یہ یہ کام کئے (سب شرائط ذکر کردئے جائیں) تو اپنے معاملہ کا اختیار میرے یا مسماۃ موصوفہ کے اختیار میں ہوگا ۔ شرائط مذکورہ میں سے ایک کی بھی خلاف ورزی پر اسی وقت یا کسی وقت چاہوں (یا چاہے) تو اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس نکاح سے الگ کر سکوں گا ، یا کرسکے گی ، اس کے جواب میں مرد یہ کہے کہ میں نے قبول کیا ، تو اب عورت کو اختیار حاصل ہوجائے گا ، اور یہ کہہ کر الگ ہوجائے کہ میں اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کرتی ہوں ، لیکن اس میں اس شرط کو

خاص ملحوظ رکھے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو۔

تیسرا طریقہ

تیسری صورت میں عورت نکاح کے بعد بھی شوہر سے اقرار نامہ لکھوانا چاہے تو لکھوا سکتی ہے، یہ صورت بھی صحیح اور درست ہے، ان تمام صورتوں کے صحیح ہونے میں حنفیہ کو کوئی کلام نہیں ہے۔

تنبیہ

ایک ضروری بات یہ بھی ہے کہ تفویض طلاق میں کوئی مناسب قید بھی لگادی جائے تاکہ بے جا استعمال سے بچ جائے، مثلاً یہ طے کرے کہ تکلیف شدیدہ پہونچنے کی صورت میں فلاں دس اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کرلیں، اس صورت میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ آئے گا۔ اس میں فائدہ یہ ہے کہ طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ اس وقت آئے گا کہ تسلیم کردہ اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی یہ تسلیم کرے کہ یہ تکلیف شدیدہ ہے، اور یہ بہترین صورت ہے، شوہر کو تفویض طلاق کے بعد اس تفویض سے رجوع کا حق نہیں رہتا، بلکہ تفویض طلاق کے بعد عورت طلاق کی مالک ہوجاتی ہے۔

" (قال) واذا جعل الرجل أمر امراته بيدها فالحكم فيه كالحكم في الخيار في سائر مسائل الباب المتقدم الا ان هذا صحيح قياسا و استحسانا لان الزوج مالك لامرها فانها يملكها بهذا اللفظ ما هو مملوك له فيصح منه و يلزم حتى لا يملك الزوج الرجوع منه اعتبارا بايقاع الطلاق " (المبسوط للسرخسي ج ٣ ص ٢٢١) دار الفكر)

" ولان التفويض تعليق للطلاق من جانب الزوج على مشيئة الزوجة او غيرها و التعليق يمين و الايمان بعد صدورها لا يمكن الرجوع منها " (الفقه الاسلامي و ادلته ج ٧ ص ٣١٩)

انتباہ

طلاق ایک ناپسندیدہ چیز ہے اور ساتھ ہی ساتھ بعض ناگزیر حالات میں ایک ضرورت بھی ہے، لیکن اس کے غلط اور بے جا استعمال سے بہت بڑی خرابیاں بھی پیدا ہورہی ہیں جن سے شوہر و زن اور پورا خاندان متاثر ہوتا ہے، سب سے بہتر صورت یہ ہے کہ لوگوں کو تین طلاق کے سلسلہ میں شریعت کا حکم اور اس کی قباحت کے متعلق آشنا کرایا جائے تین طلاق کو روکنے کے لئے مہر کی ایک خطیر رقم متعین کر کے طلاق کو مشکل اور دشوار بنادینا شریعت کی نگاہ میں نامناسب ہے، شریعت نے اس کو آسان بنایا ہے تو ویسا ہی رکھا جائے، اس لئے کہ بعض دفعہ عورت کو

ینا ضروری ہوتا ہے، لیکن مہر کی کثرت کے ڈر سے مرد طلاق نہیں دیتا، اس صورت میں عورت معلقہ بن کر رہ جاتی ہے اگرچہ عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کرنا کہ شوہر طلاق دے، تو بیس ہزار ورنہ دس ہزار، یا میری موجودگی میں دوسری بیوی کرے تو دس ہزار ورنہ پانچ ہزار، اس طرح کا طے کرنا درست ہے اور اس مسئلے کو آبائی وطن سے اخراج اور عدم اخراج پر قیاس کرسکتے ہیں۔ اور اس کی موجودگی میں نکاح یا عدم نکاح میں دوسری عورت سے کوئی فرق نہیں ہوگا۔ اس لئے جس طرح صاحبین کے نزدیک اقامت و اخراج کے سلسلہ میں دونوں شرطیں جائز ہیں اسی طرح تزوج اور عدم تزوج میں بھی دونوں شرطیں صحیح اور درست ہوں گی۔

عورت کا ملازمت کی شرط لگانا

گھریلو نظم و نسق سنبھالنے کی ذمہ داری عورت کی ہے اور باہر کے امور کی انجام دہی مرد کے ذمہ ہے۔ نیز بیوی اور نابالغ اولاد کا نفقہ شوہر اور باپ پر ہے جس کی وجہ سے عورت کو ملازمت کرنے یا کوئی دوسرا ذریعہ معاش تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقہاء نے لکھا ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو ہر اس عمل سے روک سکتا ہے جس کے کرنے سے شوہر کے حق میں تنقیص ہورہی ہو، یا اس کو ضرر و نقصان پہنچ رہا ہو۔ یا اس کام کے لئے بیوی کو شوہر کے گھر سے نکلنا پڑے، لہذا اگر شوہر گھریلو نظم و نسق سنبھالنے کے لئے اپنی بیوی کو ملازمت سے روکنا چاہے تو شرعاً شوہر کو اس کا اختیار ہوگا، اور منع کرنے کے باوجود وہ ملازمت کرے گی تو گناہ گار ہوگی، اور شرط ملازمت، **شوہر کے قبول کرنے کے باوجود، شوہر بیوی کو ملازمت سے روک سکتا ہے۔ نیز موجودہ زمانہ میں عورت کا ملازمت کرنا مرد کی آبگینۂ غیرت کو ٹھیس پہونچاتا ہے۔**

" وفی البحر له منعها من الغزل وكل عمل ولو تبرعا لا جنبی الخ و فی الشامی و ینبغی عدم تخصیص الغزل بل له ان یمنعها من الاعمال کلها المقتضیة لکسب لانها مستغنية عنه بوجوب كفايته عليه و كذا من العمل تبرعا بالاول و الذی ینبغی تحریره ان یکون له منعها عن کل عمل یؤدی الی تنقیص حقه او ضرره او الی خروجها من بیته "

و الله تعالى اعلم و علمه احكم

مختصر تحریریں

زیر بحث مسائل سے متعلق مختصر جوابات

اشتراط فی النکاح

مولانا برھان الدین صاحب سنبھلی*

(۲) یہ شرط لغو اور نان و نفقہ واجب ہوگا۔

(۳) امام احمد کے یہاں معتبر ہے (**معاشرتی مسائل ص ۱۱۲ بحوالہ زاد المعاد ج ۲ ص ۲**)

(الف) نکاح منعقد ہوجاتا ہے، مگر شرط لغو ہوتی ہے۔

نکاح منعقد ہوجاتا ہے، لیکن اس قسم کی شرط کی پابندی ضروری نہیں۔

(ب) اس میں ائمہ کے درمیان اختلاف ہے، امام احمد کے یہاں ان میں سے بہت سی شرطوں کا پورا کرنا ضروری ہے۔ (**معاشرتی مسائل ص ۱۱۲ بحوالہ زاد المعاد ج ۲ ص ۲**)

(ج) یہ مسائل معروف ہیں، فقہ کی تمام کتابوں میں مذکور ہیں۔

نکاح میں شرط کی، تین صورتیں ہیں۔

(۱) غیر مفید

(۲) (۳) صلب عقد میں مذکور شرطوں کا اعتبار ہوگا، بعد میں اگر شوہر اپنے حق طلاق کو جزءاً یا کلاً

---

* استاذ تفسیر و حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، و رکن مجلس اساسی اسلامک فقہ اکیڈمی، دہلی۔

مشروط یا غیر مشروط طریقہ پر تفویض کردے تو (متعینہ قیود کے ساتھ جن کا تفصیلی ذکر کتب فقہ میں ملتا ہے) اسی کے بقدر حق منتقل ہوجائے گا۔

مسئلہ کا ایک پہلو..... الخ

جب شریعت نے ہی تفویض کی اجازت دی ہے تو مصالح شرعیہ کے ضیاع کا سوال نہیں، اس لئے ایسی صورت کہ جس میں مصالح شرعیہ کے ضیاع کا خطرہ ہو وہ معتبر نہ ہوگا۔

عورت کا مہر دس ہزار ہے

(۲) عملاً اس صورت کا تحقق کیونکر ہوگا؟ کیونکہ "طلاق نہ دی" کی شرط کے وجود یا عدم وجود کا پتہ موت سے ہی ہوسکتا ہے، جب کہ مہر خلوت صحیح سے ہی پورا واجب ہوجاتا ہے۔

سوال نمبر ۲

اس میں صاحبین کا مسلک اختیار کرنے کی گنجائش ہے۔

سوال نمبر ۳

یہ شرط لغو ہوگی۔ ضروری نہ ہوگی۔

اشتراط فی النکاح

مولانا زبیر احمد قاسمی ☆

بلاشبہ جلب منفعت اور دفع مضرت کا ایک فطری جذبہ ہر ایک انسان کے اندر قدرت نے ودیعت کر رکھا ہے اور اسی جذبہ کے تحت جب کوئی شخص کسی کے ساتھ کوئی معاملہ کرتا ہے تو اس کا دل یہی چاہتا ہے کہ اس معاملہ کو ایسی شرطوں سے مشروط کیا جائے کہ صرف نفع ہی اس کے حصے میں آئے اور دوسروں کے حقوق و فرائض کی عائد ہونے والی ہر ذمہ داری کے پورا کرنے کی مضرت خفیفہ سے صاف بچ کر نکل ہی جائے۔

ظاہر ہے کہ شریعت اسلامی کا عادلانہ نظام قانون اس خود غرضانہ جذبہ کی حوصلہ افزائی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ شریعت اگر یہ کہتی ہے کہ "**المسلمون عند شروطهم**" تو ساتھ ہی یہ اصول بھی سامنے رکھتی ہے کہ "**الغنم بالغرم**" اور شریعت اگر ایک طرف اس کی اجازت دیتی ہے کہ کسی عقد کو فریقین باہمی رضا مندی سے مناسب شرطوں کے ساتھ مشروط کر سکتے ہیں، اور پھر مسلمانوں کو طے شدہ شرائط کی رعایت کا پابند بھی بناتی ہے۔ تو دوسری طرف وہی شریعت اسے بھی مبہم نہیں چھوڑتی کہ کس عقد میں کونسی شرطیں لگانی جائز ہیں اور لازم الایفاء ہیں اور کونسی شرطیں نا جائز ہیں، ایفاء شرط ضروری نہیں، اور پھر کون سے عقود و معاملات کن شرطوں کے ساتھ مشروط ہونے کے سبب فاسد و باطل قرار پائیں گے، اور کونسے معاملات شروط فاسدہ کے ساتھ مشروط ہونے کے باوجود نافذ و منعقد ہو جائیں گے، اور خود شروط فاسدہ ہی باطل و لغو بن جائیں گے، وغیرہ وغیرہ

☆ ناظم جامعہ اشرف العلوم کنہواں، سیتا مڑھی، بہار، رکن مجلس اساسی اسلامک فقہ اکیڈمی دہلی۔

یہاں بحث اشتراط فی النکاح سے ہے اور بطور اصول اولاً یہ طے شدہ ہے کہ عقد نکاح میں جیسی بھی شرطیں، لگائی جائیں فاسدہ ہوں یا صحیحہ کسی بھی شرط کے ساتھ مشروط کرنے سے نکاح کا انعقاد و نفاذ متاثر نہیں ہوتا نکاح بہر حال منعقد ہوجاتا ہے خود شرطیں ہی فاسد و لغو بن جاتی ہیں۔ ثانیاً یہ بھی طے شدہ ہے کہ کسی بھی عقود و معاملات میں ایسی شرطیں لگائی جائیں جو مقتضائے عقد کے خلاف ہوں اور اس عقد کے نتیجے میں شریعت نے جس فریق کے لئے جتنے حقوق و فرائض متعین کر کے جتنی ذمہ داری اس پر عائد کی ہے اس سے زائد ذمہ داری ڈالنا اور حقوق و فرائض میں کمی بیشی کرنا اور اسے بطور شرط عند العقد ذکر کرنا، جائز نہیں یہ شرطیں لازم الایفاء نہیں اور نکاح کے سوا دوسرے عقود و معاملات ایسی ناجائز شرطوں کے ساتھ مشروط ہوجانے پر صحیح نہیں رہتے فاسد یا باطل قرار پاتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ عقود و معاملات کو مشروط بالشرائط کرنا بنیادی طور پر گرچہ صحیح ہے مگر شرط یہ ہے کہ اس اشتراط سے تغییر شرع اور ابطال حق و اتلاف غرض شرع لازم نہ آئے "

ان تمہیدی کلمات کے بعد سوالوں کے جوابات بالترتیب یہ ہیں۔

۱۔ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داریاں حقوق و فرائض کی فریقین پر شرعاً لازم ہوا کرتی ہیں۔ مثلاً وجوب نفقہ اور تمکین علی النفس وغیرہ اسی کو بوقت نکاح بصورت شرط ذکر کرنا، بلاشبہ جائز ہوگا کیونکہ یہ مقتضائے عقد کی تصریح و تاکید، احکام شرعیت کی تقریر، اور اس کے واجب التعمیل ہونے کا اعتراف اور اعلان و تشہیر ہونے کے ساتھ شریعت کے ان اغراض و مقاصد کی تکمیل کا عہد ہے جن کے لئے نکاح کی مشروعیت ہوتی ہے۔ اور یہ ساری چیزیں شرعاً مطلوب ہیں۔

۲۔ نکاح کے وقت ایسی شرط لگانا جس سے ان حقوق و فرائض کی ذمہ داری سے فرار و گریز لازم آئے جو فریقین پر شریعت نے لازم و عائد قرار دیا ہے۔ ایسی شرطیں جائز نہیں ہوں گی بلکہ فاسد و لغو اور غیر مؤثر کہلائیں گی۔ کیونکہ یہ شرط مقتضائے عقد کے خلاف تغییر شرع اور اتلاف غرض شارع کو مستلزم ہوگی، ایسی شرطوں کے اشتراط کے باوجود عقد نکاح صحیح، منعقد اور نافذ ہی ہوگا۔ اور ان شرطوں کا ایفاء ہرگز ضروری نہیں رہے گا۔

۳۔ نکاح کو ایسی شرطوں سے مشروط کرنا جس کے نتیجے میں کسی فریق کو ایسے حقوق حاصل ہوجائیں، یا ایسی پابندیاں عائد ہوجائیں جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتے، تو ایسی شرطیں صحیح اور لازم الایفاء ہوں گی، کیونکہ اس کا حاصل یا تو التزام ضرر ہے یا اپنے بعض حقوق سے دست برداری اور اس کا اسقاط، اور یہ چیزیں شرعاً معتبر ہوا کرتی ہیں، اور ظاہر ہے کہ ایسی شرطوں سے نکاح کی صحت، اس کا انعقاد و نفاذ کچھ بھی متاثر نہیں ہوتا۔

۴۔ اگر بوقت نکاح کوئی عورت اپنے لئے ایقاع طلاق کے اختیار ہونے کی شرط لگائے اور شوہر اسے تسلیم

بھی کرے تو یہ تفویض طلاق کی ایک صورت ہوگی جو صحیح ہے اور نتیجتاً عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق و اختیار حاصل ہوجائے گا، شوہر اس تفویض طلاق کو ختم نہیں کرسکتا۔ " **لان التفویض تملیک لا توکیل فلم یصح رجوعہ** " کتب فتاوی میں مصرح ہے۔

تفویض طلاق کی مختلف صورتوں کا حکم

یہ تو ظاہر ہے کہ تفویض طلاق کی فی نفسہ دو صورتیں ہوسکتی ہیں (۱) تفویض مطلق، مثلاً کوئی شوہر یوں کہے **طلقی نفسک۔ اختاری نفسک یا امرک بیدک**

(۲) تفویض معلق و مشروط۔ مثلاً کوئی شوہر یوں کہے **ان کان کذا فطلقی نفسک** وغیرہ۔ یہاں بعد نکاح تفویض طلاق سے بحث نہیں بلکہ قبل النکاح تفویض طلاق کی شرط لگانے سے ہے، اور چونکہ عورت کا سریع الحس، مغلوب الغضب، ناقص العقل اور کثیر الانفعال ہونا ایک مسلم حقیقت ہے، اس لئے بوقت نکاح تفویض مطلق کا اشتراط تو خلاف مصلحت ہوگا، ہاں معلق و مشروط تفویض کی شرط لگائی جاسکتی ہے تاکہ بوقت ضرورت ظالم شوہر سے نجات کی راہ بھی کھلی رہے اور عورت مطلق العنان بھی نہ بن سکے۔

اب بوقت نکاح اس معلق و مشروط تفویض کے اشتراط کی تین بلکہ اس سے زائد صورتیں بھی متصور و ممکن ہیں، لیکن اس تفویض طلاق کی اشتراط سے مقصود اگر عورت کے لئے بوقت ضرورت ظالم شوہر سے نجات کی راہ کھولنی ہے تو اس مقصد کے لئے صد فیصد مفید صرف دو ہی صورتیں ہوسکتی ہیں۔ استیعاب صور کے لئے تمام صورتوں کی تفصیل مع احکام درج ذیل ہے۔

(الف) عقد نکاح سے پہلے شرائط تفویض طے ہوجائیں اور اس کی تحریر پر طرفین کے دستخط ہوجائیں، اس صورت کے معتبر و مفید ہونے کے لئے ضروری یہ ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت و نسبت ہو، کیونکہ جیسے ایقاع طلاق کے لئے ملک یا نسبت الی الملک ضروری ہے۔ ویسے ہی تفویض طلاق یا تو فی الملک ہو یا منسوب الی الملک ہو تب ہی معتبر و مفید ہوگا، مثلاً عقد سے پہلے شرائط نامہ کی تحریر اس طرح مرتب ہو اور یہ لکھا جائے کہ " اگر میں فلاں ابن فلاں، فلانہ بنت فلاں سے نکاح کروں اور پھر شرائط مندرجہ تحریر ہذا میں سے کسی ایک یا فلاں فلاں متعدد شرطوں کی ایک دفعہ یا مثلاً تین دفعہ کی خلاف ورزی کروں تو اس منکوحہ فلانہ کو اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا پھر کسی وقت فلاں فلاں ثالثوں کے مشورہ و اجازت کے بعد اپنے اوپر ایک طلاق واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہوجائے، اور اس تحریر پر فریقین دستخط کر کے ایجاب مطلق اور قبول مطلق کے ذریعہ بھی نکاح کرلیں گے وہ تحریری تفویض مشروط صحیح و مفید ہوگی، عورت حسب شرائط اپنے اوپر طلاق واقع کرسکتی ہے۔

نکاح کو مشروط بہ تفویض طلاق کرنے کی یہ صورت جامع مفید اور متعدد احتیاط و مصالح پر مشتمل ہونے کے سبب مناسب تر ہے۔

اس میں عورت طلاق کی مختار ہونے کے باوجود پابند بھی رہے گی کہ جب تک شرطوں کی متعدد بار خلاف ورزی نہ ہوجائے اور فلاں فلاں کی اجازت بھی حاصل نہ کرلے طلاق واقع نہیں کرسکتی۔

(ب) عقد نکاح ہی میں ان شرائط کا زبانی ذکر ہو تو اس کے مفید و صحیح ہونے کے لئے ضروری یہ ہے کہ ایجاب مشروط عورت کی جانب سے ہو۔ مثلاً عورت یا اس کا ولی و وکیل یوں ایجاب کرے کہ میں نے اپنے آپ کو یا فلانہ بنت فلاں کو تیرے نکاح میں اس شرط کے ساتھ دیا کہ اگر تم نے فلاں فلاں کام کیا یا نہ کیا (یہاں مناسب شرطوں کی تعداد اور شرطوں کی خلاف ورزی کی تعداد اور دیگر مصالح کی بنیاد پر جتنی احتیاطی قیدیں بڑھانی مناسب معلوم ہو سب کا سب ذکر کردیا جائے) تو مجھ کو/اس فلانہ بنت فلاں منکوحہ کو اپنے اوپر طلاق بائن واقع کرکے نکاح سے الگ ہوجانے کا حق ہوگا۔

اس کے بعد مرد چاہے تو قبول مطلق کرتے ہوئے صرف اتنا کہے کہ میں نے قبول کیا یا مشروط کرتے ہوئے یوں کہے کہ میں نے شرائط سمیت قبول کیا" دونوں کا ایک ہی حکم ہوگا۔ عورت حسب شرائط ایقاع طلاق کی مختار ہوجائے گی۔

(ج) اگر ایجاب عورت ہی کی طرف سے ہو مگر بلا ذکر شرائط تفویض، یعنی ایجاب مطلق، اور مرد نے قبول میں شرائط تفویض کا اضافہ کرکے قبول مشروط کیا تب بھی تفویض صحیح اور معتبر و مفید ہوجائے گی، عورت حسب شرائط مالک طلاق بن کر ایقاع طلاق کرسکتی ہے مگر یہ صورت چونکہ صرف مرد کے دائرہ اختیار میں آجاتی ہے اس لئے ممکن ہے کہ مرد قبول مطلق ہی کرے، اپنے قبول ہی میں شرائط کا ذکر نہ کرے تو پھر عورت کچھ نہ کرسکے گی، اس طرح یہ صورت اختیار طلاق کی طالب عورت کے لئے صد فیصد مفید نہیں ہو پائے گی۔

(د) اس کے برعکس اگر ایجاب مطلق بلا ذکر شرائط تفویض، مرد ہی کی جانب سے ہو اور پھر عورت شرائط تفویض ذکر کرکے قبول مشروط کرے تو اس کا کچھ حاصل نہ ہوگا، بلا شرط یہ نکاح منعقد ہوجائے گا تفویض طلاق نہ ہوگی، عورت بے اختیار و بے بس ہی رہ جائے گی۔

(ہ) عقد نکاح کے بعد طرفین تفویض اور شرائط تفویض کی تحریر مرتب کریں اور شوہر رضامندی کا دستخط تحریر پر ثبت کردے تو یہ صورت بھی صحیح اور مفید ہوسکتی ہے کیونکہ یہ تفویض فی الملک ہوگی، مگر اختیار طلاق کی طالب عورت کے لئے یہ صورت صد فیصد مفید نہیں بن سکتی، کیونکہ بعد النکاح بالکلیہ مرد کے دائرہ اختیار میں

چلاجاتا ہے ، ممکن ہے مرد اس تحریر پر راضی نہ ہو اس لئے صد فیصد مفید مطلب صورتیں وہی پہلی اور دوسری ہی ہوسکتی ہیں ، اور اس میں حسب مصالح احتیاط کا پہلو ملحوظ رکھتے ہوئے جتنی شرطیں اور قیدیں بڑھانی مناسب معلوم ہوں بڑھائی جاسکتی ہیں تا کہ عورت کے مطلق العنان ہونے اور بے جا تصرف کرلینے کا سد باب ہوجائے

واللہ اعلم

۵ - اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بوقت نکاح تسمیہ مہر کو مختلف شرطوں کے ساتھ مشروط کرکے قدر مسمی کو مختلف بنانا جائز ہے ، اس کے بعد کس شرط کا اعتبار ہوگا کس کا نہیں ، اور مرد پر کس صورت میں کون سا قدر مسمی لازم الادا ہوگا اور کس صورت میں مہر مثل وغیرہ - یہ مسئلہ ائمہ احناف کے درمیان مختلف فیہ ہے جس کی قدرے تفصیل وضاحت سوالنامہ میں بھی درج ہے -

مگر یہاں حل طلب سوال صرف اتنا ہے کہ کثرت طلاق کے واقعہ کو کم کرنے کی تدبیر کے طور پر اس مسئلہ میں صاحبین کے قول کو فتوی کے لئے اختیار کیا جاسکتا ہے یا نہیں ؟ -

میرا خیال یہ ہے کہ اس تدبیر سے ممکن ہے کہ یہ فائدہ حاصل ہوجائے کہ کثرت مہر کے سبب اس کی ادائگی کو ناقابل تحمل بوجھ سمجھ کر طلاق نہ دے - مگر اس میں دوسرا ضرر یہ بھی ممکن و مستور ہے کہ پھر اس عورت کو مرد کالمعلقہ بنا کر چھوڑ دے -

اس طرح کہا جاسکتا ہے کہ اس مسئلہ میں صاحبین کے قول کو اختیار کرنے سے " **اذا ابتلیت ببلیتین** " سے واسطہ پڑسکتا ہے تو پھر " **فاخترا ھونھما** " کو تلاش کیا جائے -

خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلہ میں قول صاحبین کو برائے فتوی اختیار کرنے کا کوئی فائدہ ہماری سمجھ میں نہیں آسکا بلکہ ایسے میں " **فرار من المطر وقرار تحت المیزاب** " ہی سمجھتا ہوں - **لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا** "

۶ - اگر نکاح کرتے وقت تسمیہ مہر اس طرح ہو کہ اگر اس منکوحہ کی سوکن نہیں لائے گا تو تیس ہزار ورنہ پندرہ ہزار مہر دینا ہوگا - یہ مسئلہ بھی بین الائمہ مختلف فیہ ہی ہوگا - امام ابو حنیفہ کے یہاں پہلی شرط معتبر ہوگی اور اس کے ایفاء کی صورت میں تیس ہزار ، ورنہ مہر مثل بشرائط مہر دین قرار پائے گا ، جبکہ صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں معتبر ہوں گی جس شرط کا ایفاء ہوگا اس کے مطابق کم و بیش مقدار مسمی مہر دین ہوگا - یہ تو دونوں شرطوں کے معتبر ہونے نہ ہونے کے متعلق اختلاف ائمہ کی وضاحت ہوئی - باقی رہا دونوں شرطوں کے لازم العمل ہونے نہ ہونے کا سوال ، تو ظاہر ہے کہ دونوں شرطیں بیک وقت ممکن العمل ہی نہیں ہوسکتیں ، لازم العمل ہونا چہ معنی دارد ؟ "

۷۔ کوئی تعلیم یافتہ ملازمت سے وابستہ، یا وابستہ ہونے کی امیدوار عورت بوقت نکاح یہ شرط لگائے کہ شوہر لگی ہوئی ملازمت یا ملنے والی ملازمت سے نہیں روکے گا، تو ایسی شرط کو اگر شوہر قبول بھی کر لے گا تاہم اس کے لئے یہ شرط لازم الایفاء نہیں ہوگی، چنانچہ اس شرط کی خلاف ورزی کرتے ہوئے شوہر اگر اس عورت کو ملازمت سے روکے گا تو اس حکم کی تعمیل عورت پر لازم ہوگی۔

کیونکہ عقد نکاح سے شرعاً حاصل ہونے والے حقوق میں سے ایک حق شوہر کے لئے اپنی بیوی کو منع عن الخروج والبروز کا بھی ثابت ہوجاتا ہے ۔ اس لئے مقتضائے عقد کے خلاف عورت کا یہ شرط لگانا شروط فاسدہ کے قبیل سے ہوگا جس کا واجب التعمیل نہ ہونا مسلم ہے ۔ کیونکہ اس کی تعمیل سے جہاں بعض مقاصد نکاح فوت ہوتے ہیں وہاں حکم شریعت کی تغییر و تبدیل لازم آتی ہے ۔

و منها ملک الحبس و القید وهو حبیر و رنها ممنوعة من الخروج و البروز لقوله تعالی اسکنوهن۔ و الامر بالاسکان نهی من الخروج و البروز و الاخراج۔ اذا لامر بالفعل من ضده۔ وقوله عز و جل۔ " وقرن فی بیوتکن " وقوله عز وجل " و لا تخرجوهن من بیوتهن و لا یخرجن " و لانها لو لم تکن ممنوعة من الخروج و البروز لا ختل السکن و النسب لان ذالک مما یریب الزوج و یحمله علی نفی الولد " (بدائع ج ۲ ص ۳۳۱)

عبارت بالا میں درج نقلی پھر عقلی دلیلوں کا خلاصہ و حاصل یہی ہے کہ نکاح کے بعد شوہر کو حق ملتا ہے کہ وہ بیوی کو باہر جانے ، دوسروں کے سامنے آنے سے روکے ، اللہ تعالی نے شوہر کو حکم کیا ہے کہ بیویوں کو اپنے گھر میں ٹھہراؤ اس حکم کا لازمی مطلب یہی ہوگا کہ شوہر کے لئے بیوی کو نکالنے اور نکلنے کی اجازت دینا ممنوع شرعی ہوگا ۔ دوسری جگہ اللہ نے خود عورت کو حکم کیا ہے کہ گھروں میں جمی رہیں نہ خود نکلے اور نہ کوئی اسے نکالے ۔

اس کے علاوہ عقل بھی یہی کہتی ہیں کہ اگر عورت باہر آنے جانے اور اجنبی مردوں کے سامنے ہونے اور ساتھ رہنے سے روکی نہ جائے تو اس کا یہ خروج و بروز شوہروں کو کبھی ایسی بدظن اور سوء ظن میں مبتلا کر سکتا ہے جو قلبی سکون و اعتماد میں خلل ڈال دے ، اور یہ سوء ظن اور بے اعتمادی اس حد تک لے جائے کہ وہ اس بیوی سے پیدا ہونے والے بچے کی نسبت بھی اپنی طرف نہ کرے ، اس طرح ایک معصوم بچہ کے تلف اور نفی نسب کی صورت بھی پیدا ہوسکتی ہے ۔

ظاہر ہے کہ عورت کی اس شرط کے فاسد ہونے کی اس سے مضبوط اور بدیہی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے فقط

واللہ اعلم بالصواب۔

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ

اشتراط فی النکاح

مفتی فضیل الرحمن ہلال عثمانی ☆

(الف) نکاح کے وقت عاقدین میں سے کسی کا کوئی ایسی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی ذمہ داری سے گریز ہو۔ ایسی صورت میں نکاح تو درست ہوگا مگر ایسی شرط باطل ہوگی۔ جیسے نفقہ کی ذمہ داری " **وبما انفقوا من اموالهم** (نساء۔ ۳۴) " سے گریز۔ ایسی شرط صحیح نہ ہوگی کیونکہ مرد کی قوامیت جو قوانین نکاح کے بنیادی اصول میں ہے اسی انفاق کا نتیجہ ہے۔

(ب) تیسری قسم کی شرائط۔ ان سے عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ لیکن اگر شوہر اس کا ایفاء نہیں کرتا تو یہ نکاح ختم نہ ہوگا۔

(ج) تفویض طلاق کی صورت میں عورت کو شرعاً یہ اختیار حاصل ہوگا۔ شوہر اس اختیار کو واپس نہیں لے سکتا وکالت واپس لی جا سکتی ہے، تفویض واپس نہیں لی جا سکتی۔

☆ جامعہ دارالسلام پنجاب

(۱) عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہوجائیں تو نکاح کی طرف نسبت ضروری ہوگی۔ مثلاً اگر میں فلاں عورت سے نکاح کروں تو ……

(۲) یا قبول مشروط ہو۔ تب بھی تفویض درست ہوگی۔

(۳) عقد نکاح کے بعد شرائط نامہ لکھا جائے تو نکاح کی طرف نسبت ضروری نہ ہوگی اور یہ تفویض درست ہوگی۔

تفویض و اختیار کے ساتھ کچھ ایسے لوگوں کے نام رکھے جا سکتے ہیں کہ ان کے خلاف شرط تسلیم کرنے کی صورت میں عورت کو اختیار طلاق ہوگا تاکہ عورت اس کا ناجائز فائدہ نہ اٹھاسکے۔ کچھ ایسے لوگوں کے نام درج کرنے سے کہ ان کے تسلیم کرنے پر اختیار طلاق عورت کو ہو تو مصالح شریعت کی حفاظت بھی ہوسکے گی۔ اس طرح کا ایک نمونہ ساتھ منسلک ہے۔

تین طلاقیں بیک وقت دینے یا بے جا طور پر طلاق سے روکنے کے لئے ایک تدبیر یہ ہوسکتی ہے کہ جہیز کا رواج ختم کرنے اور مہر معجل کو رواج دینے کی سعی کی جائے، کیونکہ اس صورت میں مرد کو کافی مالی نقصان ہوگا اور وہ طلاق سے بچے گا۔ تجربے میں یہ آیا ہے کہ مرد کے پاس جہیز کا سامان آجاتا ہے اور مہر وہ جلدی ادا کرتا نہیں ہے اور قانونی طور پر اس کی وصولیابی بھی عورت کے لئے دشوار ہوتی ہے اس لئے مرد طلاق دینے میں شیر ہو جاتے ہیں۔

سوال ۲۔ نکاح ثانی پہ پابندی لگانے کے لئے مہر کا تفاوت معتبر نہیں ہے۔

سوال ۳۔ صرف یہ شرط لگانے سے عقد نکاح متاثر نہ ہوگا اور شوہر کی عدم پابندی کی صورت میں عقد نکاح ختم نہ ہوگا۔

اشتراط فی النکاح

مولانا محمد عبید اللہ الاسعدی ☆

کسی بھی عقد سے واجب ہونے والے حقوق سے متعلق عقد میں شرط لگانا بالاتفاق جائز ہے۔ اس میں نہ کسی زائد چیز کی شرط ہوتی ہے اور نہ عقد کے خلاف کسی چیز کی، لہذا نفقہ وغیرہ کے وجوب کی شرط درست ہے۔

الف۔ اس قسم کی شرط مقتضائے عقد کے خلاف ہے۔ حنفیہ کے نزدیک نکاح صحیح ہوتا ہے اور شرط باطل قرار پاتی ہے۔ اس قسم کا حکم دوسرے حضرات کے یہاں بھی ہے، البتہ حنابلہ کے یہاں کچھ وسعت ہے **(الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۷ ص ۵۲۔۵۵)**

ب۔ ایسی شرطوں کے ساتھ نکاح تو بالاتفاق صحیح ہے۔ البتہ یہ شرطیں احناف کے یہاں لازم الایفاء نہیں ہیں، حنابلہ کا اس میں بھی اختلاف ہے، اور آج کل دوسری شادی کے بعد عموماً جو بے اعتدالیاں ہوتی ہیں ان کے پیش نظر حنابلہ کے مذہب پر عمل کو سوچا جاسکتا ہے۔

ج۔ بیوی کے لئے تفویض طلاق کی شرط و صورت کی بابت "**الحیلۃ الناجزۃ**" میں آنے والی تفصیل پر اعتماد کیا جائے اس لئے کہ وہ محقق و مدقق ہونے کے ساتھ اہل نظر علماء کی ایک اجتماعی کاوش ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اس قسم کا معاملہ کچھ شرطوں و پابندیوں کے ساتھ جائز ہے، اور احتیاط اس میں ہے کہ خالص عورت کی صوابدید پر

☆ استاذ حدیث و فقہ جامعہ عربیہ اسلامیہ ہتھورا، باندہ یوپی۔ و رکن مجلس اساسی اسلامک فقہ اکیڈمی، دہلی

طلاق نہ رکھی جائے بلکہ جانبین کے کچھ لوگ بھی شامل کردئے جائیں کہ وہ طلاق کی ضرورت کو تسلیم کرلیں۔

۱۔ اگرچہ صاحبین کے قول پر کسی کے فتوی و عمل کی تصریح نہیں ملی۔ تاہم اصولی طور پر اس کی گنجائش یوں معلوم ہوتی ہے کہ ضرورت میں قول ضعیف پر فتوی دینے کی اجازت ہے۔ مگر حالات کو دیکھتے ہوئے مہر کی کمی و بیشی تین طلاق یا کثرت طلاق کو روکنے کا موثر ذریعہ سمجھ میں نہیں آتا۔

۲۔ دوسری شادی کی وجہ سے پہلی بیوی کے حقوق کے ضیاع کا یہ پورا حل نہیں ہے۔ اس لئے اس کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔

۳۔ نکاح کی وجہ سے بیوی پر شوہر کے حقوق جس طرح ثابت ہوتے ہیں ان کی بنا پر اس قسم کی شرط غلط و باطل ہے اور بعد میں بھی اس کو منع کردینے کا ہمہ وقت حق ہے۔ حنابلہ کے یہاں اس میں بھی کچھ گنجائش ہے لیکن کام کرنے کی مروج صورتوں کے جو مفاسد ہیں اور گھر سے باہر نکلنے میں شریعت نے جو پابندیاں لگائی ہیں ان سے عام لاپرواہی کی وجہ سے اس کو کسی طرح گوارا نہیں کیا جاسکتا (ملاحظہ ہو **الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۷ ص ۷۹**۔ بحث ونظر شمارہ ۱۱ فقہی مقالات ج ۱ ص ۲۲۸۔ ۲۲۹ ۲۰۹)

اشتراط فی النکاح

مفتی محفوظ الرحمان ٭

جواب (الف) دوسری قسم کی شرط لگانا شرعاً درست نہیں۔ نکاح صحیح ہوگا۔ ان شرطوں کا پورا کرنا ضروری نہیں یہ شرطیں شروط فاسدہ میں سے ہیں، اس شرط میں حق زوجہ کا اسقاط بھی ہے فتح الباری ج ۲ ص ۱۸۹ میں ہے:

اما شرط ينافی مقتضی النکاح کان لا يقسم لها او لا يتسری عليها او لا ينفق او نحوها فلا يجب الوفاء به وقال النبی صلی الله عليه وسلم کل شرط ليس فی کتاب الله فهو باطل وقال النبی صلی الله عليه وسلم المسلمون علی شروطهم الا شرطا احل حراما او حرم حلالا۔

نمبر ایک میں ذکر کردہ شرط ترغیب للمراۃ فی النکاح ہے اور یہ شرط ایسی ہے کہ بلا شرط کے بھی عورت اس چیز کی مستحق ہے جس کو شوہر نے عقد کے ساتھ اپنے اوپر لازم کرلیا نکاح درست ہے اور شرط کی پابندی لازم ہے۔

(ب) تیسری قسم کی شرط لگانا درست نہیں ہے، ان شرطوں کے باوجود نکاح صحیح ہوتا ہے، ان شرطوں کا پورا کرنا یعنی پابند رہنا ضروری نہیں۔

قال الموفق الشروط فی النکاح تنقسم اقساما ثلثة احدها ما يلزم الوفاء به وهو ما يعود اليه نفعه مثل ان يشترط ان لا يخرجها من دارها او بلدها او لا يسافر بها او لا يتزوج عليها او لا يتسری عليها ... ابطل هذه الشروط الزهری وقتادة و اصحاب الرای و احتجوا بقول النبی صلی الله عليه وسلم کل شرط ليس فی کتاب الله فهو باطل و ان کان مائة شرط و هذا ليس فی کتاب الله وقال النبی صلی الله عليه وسلم المسلمون علی شروطهم الا ما احل حراما او حرم حلالا و هذا يحرم الحلال وهو التزويج (اوجز ج ۲ ص ۲۲۵) وفی فتح الباری

٭ استاذ تفسیر و حدیث، جامعہ مفتاح العلوم مئو، یوپی

الوطی و الاسکان وغیرھا من حقوق الزوج اذا شرط علیه اسقاط شئی منھا کان شرطا لیس فی کتاب الله فیبطل ... قال الشروط التی لا تنافی النکاح جائزۃ و یوفی دیانۃ و لا تلزم قضاء عند ابی حنیفۃ۔ عرف الشذی علی الترمذی ج ۱ ص ۲۱۷۔

(ج) نکاح کے بعد تفویض طلاق نافذ ہوگا اور عورت کو طلاق کا حق اور اختیار ہوگا، شوہر حق تفویض واپس نہیں لے سکتا (**شامی ج ۲ ص ۲۹۲؛ شرطه الملک حقیقۃ**) تعلیق اور اضافت کے ساتھ شرائط طے ہوں تو طلاق واقع ہوگی۔

نکاح میں شرط کی تین صورتیں ہیں

عقد نکاح کی پہلی شرائط تعلیق اور اضافت کے ساتھ ہوں اور نکاح کے مقتضی کے خلاف نہ ہوں تو نکاح درست ہوگا اور ان شرطوں کی پابندی بھی ضروری ہوگی اور اگر نکاح سے پہلے یا بعد میں شرط طے ہو تو وہ شرط نہیں بلکہ وعدہ ہے، اگر یہ وعدہ خلاف شرع یعنی عقد کے خلاف نہ ہو تو اس کی پابندی لازم ہے اور شرائط کا اضافہ بشرطیکہ خلاف حقوق زوجین نہ ہو، درست ہے۔

تفویض سے مصالح شریعت ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، اگر تفویض کے ساتھ مصالح کی حفاظت میں شرطوں کا اضافہ کردیا جائے تو درست ہے۔

۱۔ طلاق کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے نکاح کے مہر کا طلاق دینے کی صورت میں زیادہ بتانا اور عدم طلاق کی صورت میں کم بتانا یعنی تعلیق کے ساتھ مہر مقرر کرنا نکاح کو درست رکھتا ہے، لیکن فتوی کے لئے صاحبین کے قول کو اختیار کرنا، طلاق کے سد باب کے لئے مفید نہ ہوگا، بلکہ بعض صورتوں میں جب کہ نشوز عورت کی طرف سے ہو، مرد کے لئے مسلسل دشواری کا سبب بنے گا، اسی طریقے سے نشوز شوہر کی طرف سے ہو تو اس میں عورت کو مسلسل دشواری کا سامنا ہوگا اس لئے امام ابو حنیفہ کا قول فتوی کے لئے زیادہ مناسب ہے۔

۲۔ مذکورہ صورت میں مہر کی کمی و زیادتی نکاح و عدم نکاح کی شرط پر درست نہیں ہے۔ شرط نکاح کی پابندی ضروری نہیں، کیونکہ مقتضاء عقد کے خلاف ہے اور نکاح کرنے کی صورت میں مہر مثل لازم ہوگا۔

۳۔ نکاح کے بعد شرعا زوجین میں سے ہر ایک کے حقوق دوسرے پر متعین ہیں، ذکر کردہ شرائط کی صورت میں حقوق زوجین متاثر ہوتے ہوں تو کوئی بھی شرط پوری کرنے کا پابند نہیں، حق زوج یہ ہے؛ عورت کا اس کے حکم کی پابندی کرنا، اس کے مال کی حفاظت کرنا، بغیر اجازت گھر سے نہ نکلنا، عصمت کی حفاظت کرنا وغیرہ۔ حق زوجہ یہ ہے؛ شوہر پر اس کا نفقہ، کسوہ، سکنی وغیرہ لازم ہونا، جب شریعت نے زوجین کو الگ الگ حقوق کے ساتھ مربوط کردیا ہے تو عورت کی ملازمت ان حقوق کی پابندی کے لئے زبردست حائل واقع ہوگی۔ خصوصاً عصمت کے لئے۔

اشتراط فی النکاح

مولانا محمد رضوان القاسمی *

نکاح میں شرطیں

(۱) ایسی شرطیں جن کے ذریعہ زوجین پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی بلکہ خود عقد نکاح سے عائد ہونے والی ذمہ داریوں کو مؤکد کرنا ان شرطوں کا مقصود ہو، واجب التکمیل ہوں گی، اس لئے کہ خود شارع نے ان کو واجب قرار دیا ہے اور گویا یہ نکاح کے لوازم میں سے ہیں، اور قاعدہ ہے "**اذا ثبت الشئی ثبت بلوازمہ**۔"

(۲) نکاح کے وقت کوئی ایسی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی لازمی ذمہ داری سے گریز ہو جیسے نفقہ ادا کرنے کی شرط، تو گو ایسی شرطوں کے ساتھ نکاح منعقد ہوجاتا ہے لیکن ان کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ یہ مقصد نکاح کے خلاف اور منشاء شریعت کے مغائر ہے، اور جب شریعت خود کسی بات کا اعتبار نہ کرے تو اس کے مقابلہ مکلف کی شرط معتبر نہیں۔

(۳) نکاح کے وقت کوئی ایسی شرط لگانا جو ان دونوں سے مختلف ہو اور اس کی وجہ سے کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہو جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہو، جمہور فقہاء کے نزدیک غیر معتبر ہے اور یہی رائے حنفیہ کی ہے ... میرے خیال میں یہی زیادہ درست ہے، نکاح کے وقت شرائط کا عائد کرنا بے اعتمادی کو جنم دیتا ہے اور

---

* ناظم دار العلوم سبیل السلام، حیدرآباد، ورکن مجلس اساسی اسلامک فقہ اکیڈمی، دہلی

اس سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہے ، اس لئے ایسی شرطیں لازم الایفاء نہیں ۔

تفویض طلاق :

طلاق تو اصل مرد کا حق ہے ۔ لیکن اس بات کی گنجائش ہے کہ شوہر علاحدگی کا حق بیوی کو بھی عطاء کردے تفویض کی تینوں ہی صورتیں درست ہیں :

(۱) نکاح سے پہلے ہی تفویض کردے البتہ اس صورت میں ضروری ہے کہ تفویض طلاق کی نسبت نکاح کی طرف ہو ۔

(۲) عقد نکاح ہی میں تفویض کیا جائے ، البتہ اس صورت میں ضروری ہے کہ پہل عورت کی طرف سے ہو

(۳) عقد نکاح کے بعد بھی تفویض کی جاسکتی ہے ، البتہ اس صورت میں قبول کرنا اور نہ کرنا مرد کے اختیار میں رہے گا ۔

مہر مشروط

طلاق یا عقد ثانی کی صورت میں مہر کی مقدار بڑھادی جائے اس سے کچھ خاص فائدہ نہیں ہوگا بلکہ اس سے نقصان ہی کا اندیشہ ہے ، کیونکہ لوگ اس خوف سے طلاق بھی نہیں دیں گے اور بیوی کو معلق بناکر رکھیں گے ، نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی زندگی اور زیادہ مصائب میں مبتلا ہوجائے گی ، اس لئے راقم سطور کا خیال ہے کہ اس مسئلہ میں صاحبین کی رائے اختیار کرنے کی کوئی حاجت نہیں ہے ۔

ملازمت کی شرط

عورتوں کی طرف سے اس طرح کی شرط عائد کرنا کہ شادی کے بعد بھی وہ سلسلۂ ملازمت کو جاری رکھے شریعت کی روح اور اس کے مزاج کے خلاف ہے ، اس لئے اگر عورت نے ایسی شرط لگائی اور شوہر نے اسے قبول بھی کرلیا تو اس کا کوئی اعتبار نہیں ۔

اشتراط فی النکاح

مولانا عبد اللہ جولم صاحب*

ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو، اسی کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کر دیا گیا ہو، مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا۔

ایسی شرط کی پابندی بالاتفاق واجب ہوگی، کیونکہ یہ ایسی ذمہ داری ہے، جسے شریعت نے مجرد عقد نکاح سے واجب کیا ہے۔ یعنی یہ شرط نہیں بھی ہوتی تو اس کی ادائیگی ضروری تھی، اس کے وجوب کی دلیل قول اللہ تعالیٰ "**وعلى المولود له رزقهن و كسوتهن بالمعروف**" (البقرة ۲۳۳) وقوله تعالى "**لينفق ذوسعة من سعته و من قدر عليه رزقه فلينفق مما آتاه الله لا يكلف الله نفسا الا ما آتاها**" (الطلاق ۷)

وقول الرسول صلى الله عليه وسلم في حجة الوداع " فاتقوا الله في النساء فانكم اخذتموهن بكلمة الله و استحللتم فروجهن بكلمة الله. و لكم عليهن الا يوطئن فرشكم احدا تكرهونه فان فعلن ذالك فاضربوهن ضربا غير مبرح ولهن عليكم رزقهن و كسوتهن بالمعروف (صحيح مسلم كتاب الحج. ج ۸ ص ۲۲۰. رقم الحديث ۱۲۷)

نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی کوئی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو مثلاً شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان و نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا۔

---

* استاذ جامعہ دار السلام عمر آباد، مدراس

اس مسئلے میں علماء کی تین رائیں ہیں۔

۱ ۔ جمہور علماء کے نزدیک نکاح صحیح ہوگا اور شرط باطل ہوگی۔

ان کا استدلال قصہ بریرہ سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقد کو درست رکھا اور شرط کو باطل قرار دیا، اور کہا۔

" ما بال رجال یشترطون شروطا لیست فی کتاب اللہ۔ ماکان من شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل " (صحیح البخاری کتاب البیوع باب اذا اشترط فی البیع شروطا لا تحل۔ ج ۲ ص ۳۷۶)

امام مالک کے نزدیک ایسی شرط مبطل نکاح ہے اور فسخ واجب ہے الا لینکہ دخول ہوچکا ہو تو نکاح صحیح ہوجائے گا۔ اور شرط باطل ہوگی، ان کی دلیل بیع فاسد پر قیاس کرنا ہے جو بازار کی قیمت تبدیل ہونے سے نافذ ہوجاتی ہے ۔ (**بدایۃ المجتھد۔ ج ۲ ص ۳۹۔ الفقہ الاسلامی۔ ج ۷ ص ۵۵**)

۲ ۔ امام ابن حزم کے نزدیک اگر ایسی شرط نکاح کے وقت رکھی گئی ہے تو نکاح باطل ہوگا، اور اگر نکاح کے بعد رکھی گئی ہے تو نکاح صحیح ہوگا اور شرط باطل۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ اس نکاح کی بنیاد شرط باطل پر رکھی گئی ہے۔ اس لئے نکاح بھی باطل ہوگا (**المحلی۔ ج ۹ ص ۵۱۷**) ہاں اگر شرط بعد میں رکھی جائے تو چونکہ نکاح کی بنیاد صحیح ہے اس لئے نکاح صحیح ہوجاتا ہے۔ اور اگر یہی شرط بعد میں رکھی جائے تو شرط باطل ہوگی اور نکاح صحیح رہے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ایسی شرط بالاتفاق باطل ہے اختلاف اس میں ہے کہ نکاح باطل ہوگا یا نہیں۔

۳ ۔ نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط عائد کرنا جس کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صوت میں حاصل نہیں ہوتا۔ اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی۔

مثلا عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا۔

اس مسئلہ میں علماء کے چار اقوال ہیں۔

۱ ۔ نکاح جائز ہے، اور شرط لازم ہے اس کے قائلین صحابہ میں سے عمر بن الخطاب، سعد بن ابی وقاص، معاویہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم ہیں اور اسی کی طرف شریح، عمر بن عبد العزیز، جابر بن زید، طاؤس، اوزاعی،

اسحاق، اور امام احمد گئے ہیں (**المغنی۔ ج ۲ ص ۵۲۸۔ سنن الترمذی۔ ج ۳ ص ۲۳۲**)

۳ ۔ نکاح جائز ہے اور شرط باطل ہے الا اینکہ شرط معلق ہو طلاق یا عتاق کے ساتھ، اس کے قائل امام ابو حنیفہ ہیں (**الفقه علی المذاهب الاربعة ۔ ج ۲ ص ۸۵**) امام مالک اس میں مزید یمین کی قید لگاتے ہیں یعنی نکاح اگر مشروط ہو یمین بالطلاق یا عتاق کے ساتھ تو نکاح بھی جائز ہوگا اور شرط بھی لازم ہوگی (**الموطا۔ ص ۳۷۰**)

۴ ۔ اگر ایسی شرط نکاح کے ساتھ رکھی گئی ہو تو نکاح باطل اور اگر نکاح کے بعد رکھی گئی ہو تو نکاح صحیح ہوگا اور شرط باطل ہوگی، یہ امام ابن حزم کا قول ہے ۔

الادلة

پہلے قول کی دلیل :

(۱) قول الله تعالی (یا ایها الذین آمنوا اوفوا بالعقود)

(۲) عن عقبة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال احق ما اوفیتم من الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج (صحیح البخاری باب الشروط فی النکاح ج ۹ ص ۲۱۷)

(۳) عن عمرو بن عوف المزنی ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال الصلح جائز بین المسلمین الا صلحا حرم حلالا او احل حراما ۔ و المسلمون علی شروطهم الا شرطا حرم حلالا او احل حراما (سنن الترمذی کتاب الاحکام باب الصلح بین الناس ج ۳ ص ۲۳۵ وقال حسن صحیح)

۴ ۔ اجماع صحابہ، ابن قدامہ کہتے ہیں یہ رائے عمر بن الخطاب، سعد بن ابی وقاص، معاویہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم سے منقول ہے اور ہمارے علم کے مطابق ان کے زمانے میں کوئی ان کا مخالف نہیں تھا، تو صحابہ کا اجماع ہوا، (**المغنی ج ۷ ص ۵۲۹**)

۵ - روی الاثرم باسناده ان رجلا تزوج المرأة و شرط لها دارها ثم اراد نقلها فخاصموه الی عمر ۔ فقال لها شرطها۔ فقال الرجل اذا تطلقینا۔ فقال عمر مقاطع الحقوق عند الشروط (المغنی ج ۷ ص ۷۲۹۔ المحلی ج ۹ ص ۵۱۷)

۶ ۔ یہ ایسی شرط ہے جس سے عورت کو ایسا فائدہ اور مقصد حاصل ہوتا ہے جو نکاح کے مقصد کے منافی نہیں ہے، تو یہ اسی طرح لازم ہوگی جیسے زیادتی مہر کی شرط (**المغنی ج ۷ ص ۵۲۹**)

دوسرے قول کی دلیل

۱ - قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی واقعۃ بریرۃ " ما بال رجال یشترطون شروطا لیست فی کتاب اللہ . ماکان من شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل و ان کان مائۃ شرط . قضاء اللہ احق و شرط اللہ اوثق و انما الولاء لمن اعتق (البخاری کتاب البیوع . باب اذا اشترط شروطا فی البیع لا تحل ج ۲ ص ۳۴۷) وھذا شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل (فتح الباری ج ۹ ص ۲۱۹ . و اجیب بان المراد منہ کل شرط خالف کتاب اللہ کما فھمہ عمر و ابن عمر)

۲ . قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم المسلمون علی شروطھم الا شرطا حرم حلالا او احل حراما و ھذا یحرم الحلال و ھو التزویج و الاسکان معہ . فیکون باطلا .

۳ . عن جابر ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطب ام مبشر بنت البراء بن معرور فقالت انی شرطت لزوجی ان لا اتزوج بعدہ . فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان ھذا لا یصلح (اخرجہ الطبرانی فی الصغیر باسناد حسن . انظر فتح الباری ج ۹ ص ۲۱۹)

۴ . روی ابن وھب باسناد جید عن عبید بن السباق ان رجلا تزوج امراۃ فشرط لھا ان لا یخرجھا من دارھا فارتفعوا الی عمر فوضع الشرط وقال المراۃ مع زوجھا . (فتح الباری ج ۹ ص ۲۱۹)

۵ . روی عباد عن علی بن ابی طالب فی الرجل یتزوج المراۃ یشترط لھا دارھا فقال شرط اللہ قبل شرطھا . (المحلی ج ۹ ص ۵۱۸)

تیسرے قول کی دلیل :

شروط کے بطلان کی وہی دلیلیں ہیں جو دوسرے قول کی، اور طلاق و عتاق کے استثناء کی مندرجہ ذیل ہیں۔

۱ . قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم " ثلاث جدھن جد و ھزلھن جد . النکاح و الطلاق و الرجعۃ " (اخرجہ الترمذی ج ۳ ص ۱۳۹ قال حسن غریب . و العمل ھذا عند اھل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم و غیرھم)

۲ . قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثلاث جدھن جد و ھزلھن جد . لا یجوز فیھن اللعب . الطلاق و النکاح و العتق (اخرجہ الطبرانی و فی اسنادہ ابن لھیعۃ و ھو ضعیف)

چوتھے قول کی دلیل :

ابن حزم کی وہی دلیل ہے جو اس سے سابق والے مسئلے میں ہیں۔

مناقشة الادلة :

پہلے قول کی دلیلوں پر اعتراض کیا گیا ہے کہ آیت و حدیث سے استدلال صحیح نہیں ہے ؛ کیونکہ ایفاء عقد یا شرط اسی صورت میں واجب ہے جب کہ عقد یا شرط صحیح ہو۔ اور یہ شرطیں صحیح نہیں ہیں اس لئے کہ اس سے تحریم ما احلہ اللہ لازم آتا ہے ۔ اما شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

" انما یوفی من الشروط ما یبین انہ جائز و لم تدل سنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی انہ غیر جائز

اور فرماتے ہیں :

" فان قال قائل ما الشرط للرجل علی المراۃ و المرأۃ علی الرجل مما ابطالہ بالشرط خلاف لکتاب اللہ او السنۃ او امر اجتمع الناس علیہ ؟ قیل لہ ان شاء اللہ تعالی احل اللہ عز وجل للرجل ان ینکح اربعا وما ملکت یمینہ فاذا شرطت علیہ ان لا ینکح و لا یتسری حظرت علیہ ما وسع اللہ تعالی علیہ ... ولم یختلف احد علمتہ فی ان لہ ان یخرجھا من بلد الی بلد و یمنعھا من الخروج فاذا شرطت علیہ ان لا یمنعھا من الخروج ولا یخرجھا شرطت علیہ ابطال مالہ علیھا "

امام شافعی کے نزدیک بیوی کی یہ شرط کہ وہ دوسری شادی نہیں کرے گا اسے آبائی وطن سے باہر نہیں لے جائے گا۔ اور شوہر کی جانب سے یہ شرط کہ وہ نان و نفقہ کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔ دونوں ایک ہی قبیل سے ہیں اس اعتبار سے کہ دونوں میں دوسرے کے شرعی حق کو سلب کرنا ہے جو جائز نہیں ہے۔ **(الام ج ۵ ص ۷۳-۷۴)**

ابن عبد اللہ کہتے ہیں :

ھذا حدیث و ان کان صحیحا فان معناہ و اللہ اعلم احق الشروط ان یوفی بہ من الشروط الجائزۃ (طرح التثریب ج ۷ ص ۳۲)

اسی طرح ابن حزم کہتے ہیں

" اشتراط المراۃ ان لا یتزوج او لا یتسری او ان لا یغیب عنھا او ان لا یرحلھا عن دارھا کل ذالک تحریم حلال۔ وھو و تحلیل الخنزیر و المیتۃ سواء فی ان کل ذالک خلاف لحکم اللہ عز و

جل۔ فصح انه عليه الصلاة و السلام انما اراد شرط الصداق الجائز الذی امرنا الله تعالی به۔ وهو الذی استحل به الفرج لا ماسواه " (المحلی ج ۹ ص ۵۱۸)

اور شروط جائزہ سے ان لوگوں کی مراد وہ شرطیں ہیں جو مقتضیات عقد کے مطابق ہوں جیسے انفاق، کسوہ اور سکنی کی شرط نہ کہ وہ شرطیں جو مقتضیات عقد کے منافی ہوں " 31/11

مگر علامہ ابن دقیق العید حدیث کی اس شرح سے متفق نہیں ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جو چیزیں مقتضیات عقد کے ذریعہ واجب ہیں ان کے اشتراط کا کیا فائدہ؟

قال ابن دقیق العید " تلک الامور لاتؤثر الشروط فی ایجابها فلا تشتد الحاجة الی تعلیق الحکم باشتراطها۔ و سیاق الحدیث یقتضی خلاف ذالک لان لفظ " احق الشروط " یقتضی ان یکون بعض الشروط یقتضی الوفاء بها۔ و بعضها اشد اقتضاء و الشروط هی من مقتضی العقد مستویة فی وجوب الوفاء بها " (فتح الباری ج ۹ ص ۲۱۸۔ معالم السنن علی هامش سنن ابن داؤد ج ۲ ص ۲۰۳)

اور ابن قدامہ کہتے ہیں کہ اس شرط سے تحریم حلال لازم نہیں آتا، بلکہ وعدہ وفا نہ کرنے کی صورت میں عورت کو صرف خیار فسخ حاصل ہوتا ہے۔

قال ابن قدامة " وقولهم ان هذا یحرم الحلال۔ قلنا لا یحرم حلالا و انما یثبت للمراة خیار الفسخ ان لم یف لها به " (المغنی ج ۲ ص ۵۲۹)

پہلے قول کی دلیل میں اجماع کا دعوی درست نہیں ہے، کیونکہ خود عمر رضی اللہ عنہ کی رائے اس مسئلے میں مترود تھی اور علی رضی اللہ عنہ بھی اس کے مخالف ہیں (**المحلی ج ۹ ص ۵۱۸۔ فتح الباری ج ۹ ص ۲۱۸**)

دوسرے قول کی دلیل " **ماکان من شرط لیس فی کتاب الله فهو باطل** " سے استدلال درست نہیں کیونکہ اس سے مراد " **کل شرط خالف کتاب الله** " ہے جیسا کہ عمر اور ابن عمر رضی اللہ عنہ نے سمجھا (ملاحظہ ہو، **صحیح البخاری کتاب الشروط باب المکاتب**) ج ۵ ص ۳۵۳) اور بالاتفاق بیع میں ایسی شرطیں رکھ سکتے ہیں جو شرعی حکم کے منافی نہ ہوں اگرچہ اس کا ذکر کتاب اللہ میں نہ ہو۔

دوسرے قول کی دلیل حدیث جابر سے استدلال درست نہیں کیونکہ اس میں ایسی شرط رکھی گئی ہے جس سے شرط رکھنے والے کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا تو وہ شرط لغو ہے۔

خلاصۂ کلام :

اصل سبب خلاف اس مسئلہ میں یہ ہے کہ ان شرطوں سے تحریم حلال لازم آتا ہے یا نہیں ؟
ہمارا رجحان اس سلسلے میں پہلے قول کی جانب ہے یعنی تحریم حلال لازم نہیں آتا ۔

وجہ ترجیح :

عن المسور بن مخرمة قال ان عليا خطب بنت ابی جهل فسمعت بذالک فاطمة فاتت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت يزعم قومک انک لا تغضب لبناتک . وهذا على ناكح بنت ابی جهل فقام رسول الله صلى الله عليه وسلم فسمعته حين تشهد يقول اما بعد انكحت ابا العاص بن الربيع فحدثنى و صدقنى و ان فاطمة بضعة منى و انی اكره ان يسوء ها و الله لا تجتمع بنت رسول الله و بنت عدو الله عند رجل واحد (البخاری كتاب فضائل الصحابة . باب ذكر اصهار النبی صلى الله عليه وسلم ج ۱ ص ۸۵)

وفی رواية قال " حدثنى فصدقنى وو عدنى فوفى لی و انی لست احرم حلالا و لا احل حراما و لكن والله لا تجتمع بنت رسول الله و بنت عدو الله ابدا (صحيح البخاری كتاب فرض الخمس . باب ما ذكر من درع النبی صلى الله عليه وسلم ج ۲ ص ۲۱۲)

ابن حجر " حدثنى فصدقنى " کی تشریح میں لکھتے ہیں :

" لعله كان شرط على نفسه ان لا يتزوج على زينب و كذالک على . فان يكن كذالک فهو محمول على ان عليا نسی ذالک الشرط . فلذالک اقدم على الخطبة او لم يقع عليه شرط اذ لم يصرح بالشرط لكن كان ينبغی له ان يراعی هذا القدر فلذالک وقعت المعاتبة (فتح الباری ج ۷ ص ۸۶)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علی رضی اللہ عنہ کو شادی سے روکنا اور ساتھ ہی یہ کہنا کہ " لا احرم حلالا " اس بات کی دلیل ہے کہ اس قسم کی شرط سے تحریم حلال لازم نہیں آتا ۔

واللہ اعلم ۔

اشتراط فی النکاح

مولانا عبد الجلیل قاسمی ٭

الحمد لله رب العالمین و الصلوة و السلام علی سید الانبیاء و المرسلین و علی آله و اصحابه اجمعین. اما بعد

نکاح شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا اس لئے نکاح میں کوئی اگر ایسی شرط لگائی گئی ہو جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو تو اس شرط کی وجہ سے نکاح باطل نہیں ہوگا۔ شرط کو دیکھ کر کوئی رائے قائم کی جائے گی۔ مثلا اگر شرط لگائی کہ مہر نہیں دے گا تو بھی فقہاء نے تصریح کی ہے کہ شوہر پر مہر مثل واجب ہوگا اگر وطی کرے یا مرجائے۔

و ان تزوجها و لم یسم لها مهر او تزوجها علی ان لا مهر فلها مهر مثلها ان دخل بها او مات عنها(هدایة ج ۲ ص ۳۲۲.)

اگر کسی عورت نے اپنی باری اپنی کسی سوکن کے لئے چھوڑ دیا تو اس کو اس میں رجوع کا حق ہے۔ علامہ برہان الدین فرماتے ہیں۔

ولها ان ترجع فی ذالک لانها استقطت حقا لم یجب بعد فلا یسقط(هدایة ج ۲ ص ۳۲۹.)

اسی طرح نفقہ بھی شیئا فشیئا واجب ہوتا ہے۔ اگر کسی عورت نے نفقہ معاف کردیا یا معافی کی شرط کے ساتھ

٭ قاضی امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ بہار۔

نکاح کیا تو میرے خیال میں اس کو نفقہ کے مطالبہ کا حق ہوگا۔

لانها اسقطت حقا لم يجب بعد فلا يسقط.

وابراء الزوجة من النفقة هل يصح و يلزم؟ ان كانت غير مفروضة لا يصح لانه ابراء قبل الوجوب و ان كان القاضي فرضها كل شهر كذا و كذا صح في الشهر الاول فقط و كذا لو قالت ابراتك من نفقة لا يبرا الا من شهرا لا ان يكون فرض لها كل سنة كذا لان القاضي اذا فرض كذا كل شهر فانما فرض مهما يتجدد الشهر فما لم يتجدد لم يتجدد الفرض و مالم يتجدد الفرض لم يجب نفقة الشهر فلا يصح الابراء منها و لو ابراته بعد ما مضى الشهر مما مضى و مما يستقبل برى مما مضى و من شهر(فتح القدير ج ۴ ص ۳۹۴۔۳۹۵۔)

اسی طرح ایسی شرط لگانا جس کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہو جو غیر مشروط نکاح میں حاصل نہیں ہوتا اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی عائد ہوتی ہو جو غیر مشروط نکاح میں عائد نہیں ہوتی۔ مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کرے گا۔ یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا وہاں سے نکال کر کسی دوسری جگہ نہیں لے جائے گا۔ ان شرائط کا بھی نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ یعنی نکاح صحیح ہوجائے گا، اگر ایسی شرط سے جس سے صرف اس عورت کو فائدہ ہے کسی دوسرے کو نقصان نہیں ہے تو مناسب ہے کہ شوہر اس وقت تک اس شرط کی پابندی کرے جب تک کہ مقاصد نکاح فوت نہ ہوں۔ مثلاً اگر عورت نے شرط لگایا کہ اس کو اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے جائے گا۔ ایسی صورت میں اگر شوہر کو کسی دوسرے ملک میں ملازمت مل گئی۔ یا اس کا تبادلہ ایسی جگہ ہوگیا جہاں رہ کر بیوی کے حقوق ادا کرنا انتہائی دشوار اور پریشان کن ہو تو شرط کے پورا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یا تو شوہر بیوی کو طلاق دے کر الگ کردے یا اس کے حقوق کی ادائیگی سے غافل ہوجائے۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں صورتوں کے مقابلہ میں زیادہ آسان اور بہتر یہ ہے کہ بیوی کو اپنے ساتھ لے کر جائے۔

لیکن قضاءً ایسی شرط کے پورا کرنے کو لازم قرار دینے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اور اگر ایسی شرط لگائی گئی ہے کہ اس کے پورا کرنے میں دوسرے کو ضرر پہنچے تو ایسی شرط کا پورا کرنا ضروری تو کیا میرے خیال میں جائز بھی نہیں ہوگا، مثلاً کوئی عورت یہ شرط لگائے کہ شوہر اپنی فلاں بیوی کو طلاق دیدے گا۔

ان صورتوں میں اگر عورت کا مہر مثل مسمی سے زیادہ ہے تو شرط پوری نہ ہونے کی صورت میں اس کو مہر مثل ملے گا۔

قد تقدم ان النكاح لا يبطل بالشروط الفاسدة فاذا تزوج على الف على ان لا يخرجها من البلدة او على ان لا يتزوج عليها او على ان اطلق فلانة فالنكاح صحيح و ان كان شرط عدم التزوج و عدم المسافرة و طلاق الضرة فاسدا لان فيه المنع من الامر المشروع. (عناية على هامش فتح القدير ج ۳ ص ۳۵)

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں

و هذه الشروط تمنع التزوج و التسری لو وجب الجری علی موجبها فكانت باطلة. (فتح القدير ج ۳ ص ۳۵۱)

علامہ مرغینانی فرماتے ہیں

(اذا تزوجها على الف ان لا يخرجها من البلدة او على الا يتزوج عليها اخرى فان وفى بالشرط فلها المسمى - و ان تزوج عليها اخرى او اخرجها فلها مهر مثلها) هداية ج ۲ ص ۳۲۹)

نکاح کے وقت تفویض طلاق کے سلسلہ میں حضرت تھانوی نے جو کچھ لکھا ہے ۔ میرے نزدیک وہ بہت کافی ہے ۔ میں اس میں اضافہ کی ضرورت محسوس نہیں کرتا ۔ اس کے لئے دیکھئے (**الحيلة الناجزة ص ۳۱ تا ۳۸**)

طلاق ایک ناپسندیدہ چیز ہے لیکن بعض حالات میں ناگزیر بھی ہے ۔ مسلم معاشرہ میں طلاق کی کثرت اتنی نہیں ہے جتنی مشہور ہے ۔ تین طلاق یا کثرت طلاق کو (اگر واقع میں کثرت ہو) روکنے کے لئے پابندیاں عائد کر کے **طلاق کو دشوار بنانا میرے خیال میں صحیح اور مناسب نہیں ہے ۔ جس طرح شریعت نے طلاق کو آسان بنایا ہے اس کو آسان ہی رہنے دینا مناسب ہے ۔ عملی طور پر ہمارے سامنے ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ زوجین میں تعلقات خوشگوار نہیں ہیں اور حالات ایسے ہیں کہ دونوں میں علحدگی ضروری ہے ۔** لیکن مہر زیادہ ہے اور شوہر مہر دینے کے ڈر سے طلاق بھی نہیں دیتا ۔ اس طرح عورت کالمعلقہ ہوکر رہ جاتی ہے ۔ یا مجبور ہوتی ہے کہ مہر معاف کر کے طلاق حاصل کرے ۔ ممکن تھا کہ اگر مہر کی مقدار کم ہوتی تو شوہر طلاق دیدیتا اور عورت مہر پانے کی حقدار رہتی ۔

تین طلاق یا کثرت طلاق جہالت کا نتیجہ ہے ۔ اس کے بے جا استعمال سے روکنے کے لئے مہر میں اضافہ میرے نزدیک مسئلہ کا حل نہیں ہے ۔ بلکہ اس کا حل معاشرہ اور سماج میں اس بارے میں لوگوں کو مسائل سے واقف کرانا اور اس سے پرہیز کرنے کی ترغیب دلانا مفید اور مناسب ہوگا ۔

اس کے باوجود اگر اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے طلاق نہیں دی تو مہر دس ہزار روپے ہوگا

اور اگر ایک طلاق دی تو مہر بیس ہزار اور اگر تین طلاق دی تو مہر تیس ہزار روپے ہوگا۔ میرے خیال میں یہ شرائط صحیح ہوں گے اور جو حالت ہوگی اسی کے مطابق مہر واجب ہوگا۔

اگر نکاح کرتے وقت اس طرح مہر طے ہو کہ منکوحہ کے نکاح میں رہتے ہوئے اگر شوہر نے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس کا مہر بیس ہزار روپے ہوگا اور اگر اس کے عقد نکاح میں رہتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر دس ہزار روپے ہوگا۔ میرے خیال میں یہ دونوں شرطیں بھی صحیح ہوں گی۔ بیوی کے آبائی وطن میں رکھنے یا لے جانے میں ایک ہزار اور دو ہزار مہر طے ہو تو حضرات صاحبین فرماتے ہیں۔

الشرطان جائزان حتی کان لها الالف ان اقام بها و الالفان ان اخرجها (هداية ج ۲ ص ۳۲۹).

میری رائے میں بیوی کے اقامت و اخراج اور اس کی موجودگی میں دوسری عورت سے نکاح یا عدم نکاح میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔ اس لئے جس طرح صاحبین کے نزدیک اقامت و اخراج کے سلسلہ میں دونوں شرطیں جائز ہیں اسی طرح تزوج اور عدم تزوج میں بھی دونوں شرطیں صحیح اور جائز ہوں گی۔

فکان لها عشرة آلاف ان لم یتزوج علیها اخری و عشرون الفا ان تزوج علیها اخری۔ هذا ما عندی و الله عنده علم الصواب

شوہر کو حق ہے کہ بیوی کو ایسی ملازمت سے منع کردے جس سے شوہر کے حقوق میں نقصان ہوسکتا ہو۔ ا: ایسی ملازمت جس سے شوہر کے حق میں نقصان کا کوئی اندیشہ نہ ہو بیوی کو ایسی ملازمت سے منع کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اگر شوہر نے نکاح کے وقت یا اس کے بعد ایسی ملازمت کی اجازت دے دی جس سے اس کے حقوق میں نقصان ہوتا ہے۔ تو ضروری نہیں ہے کہ وہ اس اجازت کو واپس نہ لے، چاہے شادی کے مقاصد ختم کیوں نہ ہوجائیں۔

و یلاحظ ان رضاه باحترافها وقتا ما لا یمنع عدم رضاه فی غیره (الاحوال الشخصیة ص ۲۳۹)

والذی ینبغی تحریره ان یکون له منعها من کل عمل یؤدی الی تنقیص حقه او ضرره او الی خروجها من بیته اما العمل الذی لا ضرر له فیه فلا وجه لمنعها عنه خصوصا فی حال غیبته من بیته فان ترک المراة بلا عمل فی بیتها یودی الی وساوس النفس و الشیطان او الاشتغال بما لا یعنی مع الاجانب و الجیران (رد المحتار باب النفقة ج ۲ ص ۷۲۵)

والله سبحانه و تعالی اعلم و علمه اتم و اصح

نکاح اور شرائط

مولانا محمد ممتاز عالم مصباحی *

الجواب : عقد نکاح سے جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے اسی کو شرط بنا کر عقد نکاح کے وقت ذکر کردیا جائے تو یہ شرط صحیح ہے ۔ نکاح بھی صحیح ہے ۔ کیونکہ یہ شرط مقتضائے عقد کے موافق ہے ۔ اور ہر وہ شرط جو مقتضائے عقد کے موافق ہو ۔ صحیح ہوتی ہے مفسد عقد نہیں ہوتی ۔ البتہ ۔ اس طرح کی شرط لگانا بے سود ہے ۔ کیونکہ جو ذمہ داری کسی فریق پر عقد نکاح ہی سے عائد ہوگئی ، وہ واجب الایفاء ہوگی ۔ خواہ وقت نکاح اس کی شرط ہو یا نہ ہو ۔ لہذا وقت نکاح بیوی کا یہ شرط لگانا کہ نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا صحیح ہے ۔ مفسد نکاح نہیں لیکن بے سود ہے ۔ بیوی کا نان و نفقہ بہر حال شوہر پر لازم ہے ۔

تنویر الابصار میں ہے :

النفقة تجب للزوجة بنكاح لانها جزاء الاحتباس و كل محبوس لمنفعة غيره يلزم نفقته

نکاح صحیح کے بعد بیوی کا نفقہ شوہر پر واجب ہے اس لئے کہ نفقہ بیوی کو قابو اور قبضہ میں رکھنے کا بدل ہے اور ہر وہ شخص جو کسی غیر کے قابو میں اس کے فائدہ کے لئے ہو تو قابو میں رکھنے والے پر اس کا نفقہ واجب ہے ۔

جواب الف : نکاح کے وقت ایسی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز نہ ہو ۔ مثلا شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا ۔ ایسی شرط فاسد ہے ، کیونکہ یہ مقتضائے عقد کے خلاف اور احد المتعاقدین کے لئے نافع ہے ۔ **كل شرط شانه هذا فهو فاسد** لیکن اس شرط

*

سے نکاح کی صحت پر کچھ بھی حرف نہیں آئے گا۔ کیونکہ نکاح شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا، بلکہ شروط باطل اور بے اثر ہوکر رہ جاتی ہیں۔

در مختار میں ہے:

لا يبطل النكاح بالشرط الفاسد و انما يبطل الشرط دونه يعنى لو عقد مع شرط فاسد لا يبطل النكاح

نکاح شرط فاسد سے باطل نہیں ہوتا شرط ہی باطل ہوجاتی ہے نکاح نہیں یعنی اگر شرط فاسد کے ساتھ نکاح ہوا تو نکاح باطل نہیں ہوگا۔

اس شرط کی پابندی ضروری نہیں بلکہ اس سے گریز ضروری ہے۔

جواب (ب) وقت نکاح بھی فریق کی جانب سے کوئی ایسی شرط لگانا جو نہ تو عقد نکاح سے عائد ہونے والی ذمہ داریوں کے دائرے میں آتی ہو اور نہ ہی اس کے ذریعہ نکاح سے عائد شدہ کسی ذمہ داری سے گریز مقصود ہو۔ بلکہ اس کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہو جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہ ہوتا ہو اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی اور ذمہ داری عائد ہوتی ہو جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی ہو۔ مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن میں رکھے گا، وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا۔

اس قسم کی شرط کا حکم یہ ہے کہ یہ شرط فاسد ہے۔ نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ البتہ اس شرط کو وعدہ کی حیثیت حاصل ہوگی جس کو پورا کرنا لازم نہیں، بدائع الصنائع میں ہے:

ان شرط النكاح من طلاق المراة و ترك الخروج من البلاد لا يلزمه فى الحكم لان ذالك وعدلها فلا يكلفه.

(وقت نکاح) اگر شوہر نے ساتھ طلاق دینے اور عورت کو شہر سے باہر نہ لے جانے کی شرط لگادی تو عند الشرع شوہر پر ان شرطوں کا پورا کرنا لازم نہیں۔

جواب (ج) (۱) عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق اس کو حاصل ہوگا یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا۔ اور شوہر اس شرط کو تسلیم کرتا ہے۔ تو یہ شرط عند الشرع معتبر ہے، عورت کو طلاق کا اختیار حاصل ہوجائے گا۔ شوہر اس تفویض طلاق کو ختم کرنا بھی چاہے تو ختم نہیں کرسکتا۔

فتاوی عالمگیری میں ہے :

قالت المراة تزوجتک علی ان یکون الامر بیدی اطلق نفسی کلما شئت فقال الزوج قبلت جاز النکاح و یکون الامر بیدھا

عورت نے مرد سے کہا کہ میں نے تجھ سے اس شرط پر شادی کی کہ طلاق کا اختیار مجھے رہے گا، جب چاہوں گی اپنے کو طلاق دے لوں گی، شوہر نے کہا مجھے قبول ہے ۔ تو نکاح جائز ہوجائے گا ۔ اور طلاق کا اختیار عورت ہی کو حاصل رہے گا ۔

جوہرہ نیرہ میں ہے :

ان قال لھا طلقی فلیس له ان یرجع منه

اگر مرد نے بیوی سے کہا کہ تو اپنے کو طلاق دے لے تو شوہر اس تفویض سے رجوع نہیں کرسکتا ۔

جواب (ج) (۲) عورت کا نقصان عقل و دین ، کثرت طعن و لعن اور سرعت غضب جیسی صفات سے متصف ہونا عقلا و نقلا ثابت ہے ۔ اس لئے تفویض کی صورت میں نکاح سے متعلق شرعی مصالح کے ضائع ہونے کا قوی خدشہ ہے ، لہذا احتیاطا چند قیود و حدود بڑھائی جاسکتی ہے ۔ (۱) شوہر تفویض کے وقت ۔ وقت کی تعیین کردے ۔ (۲) شوہر تفویض طلاق کی تعبیر اس طرح کرے کہ عورت کو صرف طلاق رجعی کا اختیار حاصل ہو مثلا یہ کہے کہ تجھے طلاق کا اختیار ہے اور اس سے طلاق رجعی کی نیت کرے ۔

جواب (ج) (۳) نکاح کے غلط استعمال سے روکنے کے لئے اگر عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار اس طرح مہر طے کرنا جائز و معتبر ہوگا ۔ اب رہا یہ سوال کہ دونوں شکلوں میں مہر مسمی لازم ہوگا یا نہیں ، اس سلسلے میں فقہاء احناف کا اختلاف ہے ۔ امام اعظم کے نزدیک پہلی شرط صحیح ہے ۔ اور اس شکل میں مہر مسمی لازم ہوگا اور دوسری شرط فاسد ہے ، اس میں مہر مثل واجب ہوگا بشرطیکہ وہ مہر مثل سے متجاوز نہ ہو ۔ صاحبین فرماتے ہیں کہ دونوں شرطیں صحیح ہیں اور دونوں شکلوں میں مہر مسمی لازم ہوگا ۔ لیکن امام زفر کے نزدیک دونوں شرطیں فاسد ہیں ، دونوں شکلوں میں مہر مثل واجب ہوگا جو مہر مسمی کی اقل مقدار سے کم اور مہر مسمی کی اکثر مقدار سے متجاوز نہ ہوگا ۔

اس مسئلہ میں صاحبین کے قول پر فتوی نہیں دیا جاسکتا کیونکہ قول امام سے عدول کے لئے کسی سبب کا تحقق نہیں ۔

جواب (۲) نکاح کرتے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس کا مہر تین ہزار ہوگا اور اگر اس کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا، تو امام صاحب کے نزدیک اگر شوہر منکوحہ کے رہتے ہوئے دوسری عورت سے نکاح نہ کیا تو مہر مسمی پندرہ ہزار دینا ہوگا۔ اور اگر دوسری عورت سے شادی کرلی تو مہر مثل دینا ہوگا، مہر مسمی نہیں۔

جواب (۳) عورت جائز ملازمت کرسکتی ہے جس میں کوئی شرعی فساد نہ ہو۔ اگر وقت نکاح جائز ملازمت کی شرط لگادی گئی تو اس کی حیثیت وعدے ہی کی ہوگی جس کی پابندی شوہر پر لازم نہیں۔ شرط منظور کرلینے کے بعد بھی شوہر عورت کو معاملہ ملازمت ختم کرنے کا حکم دے سکتا ہے۔ یا نئی ملازمت کرنے سے روک سکتا ہے۔ اور عورت پر شوہر کے حکم کی تعمیل ضروری ہوگی۔

اشتراط فی النکاح

مولانا محمد رفیق ابن آدم فلاحی ٭

جواب (۱) پہلے نمبر کی شرطیں لگانے سے عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہ پڑے گا، یہ حقوق اللہ تعالی کی طرف سے عائد کردہ ہیں، وہ ذکر کئے جائیں یا نہ کئے جائیں بہر صورت ان حقوق کی ادائیگی واجب ہے۔

دوسرے نمبر کی شرط لگانے سے نفقہ کا یا عقد نکاح سے عائد ہونے والی ذمہ داری کا سقوط نہ ہونا چاہئے درمختار ص ۲۵۳ ج ۲ میں ایک جزئیہ ہے جس سے اس مسئلہ میں مدد لی جاسکتی ہے۔

حتی لو شرط فی العقد ان النفقة تكون من غير تقدير و الكسوة كسوة الشتاء و الصيف فلها بعد ذالك طلب التقدير فيهما

مسئلہ مذکورہ میں بوقت عقد عدم تقریر کی شرط لگائی ہے، اس کے باوجود عورت کے لئے نفقہ میں طلب تقدیر کا حق باقی رہتا ہے۔

البتہ ایسی شرائط سے عقد نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔

دوسری دلیل **و لو تزوج امراتين على ان يقيم عند احدهما اكثر او اعطت زوجها مالا او جعلت على نفسها جعلا على ان يزيد قسمها او حطت من المهر كى يزيد**

٭ مفتی جامعہ اسلامیہ امداد العلوم، وڈالی، ضلع سابر کانٹھا، گجرات

قسمها فالشرط و الجعل باطل و لها ان ترجع فی مالها کذا فی الخلاصۃ عالمگیری (ص ۳۲۱ ج ۱)

مسئلہ مذکورہ میں عقد نکاح سے شوہر کے ماتحت ایک سے زائد بیویاں ہونے کی صورت میں برابری کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے جس سے شوہر بذریعہ شرط سبکدوش ہونا چاہ رہا ہے جو باطل ہے اور شرط غیر معتبر ہے ۔ لھذا اس مسئلہ میں بھی یہی حکم ہونا چاہئے ۔

تیسرے نمبر کی شرط اگر عاقدین میں سے کسی کے حق میں مفید ہو اور وہ شرط شریعت کے خلاف نہ ہو تو ایفاء لازم ہوگا ۔ ورنہ نہیں ۔

قواعد الفقہ ۔ ص ۸۲ قاعدۃ ص ۱۲۹ ۔ الشرط اذا کان مفیدا یجب مراعاتہ و اذا لم یکن مفیدا لا یجب مراعاتہ

ج ۔ ایسی شرط لگانے اور مرد کے قبول کرلینے سے طلاق کا اختیار عورت کو حاصل ہوجائے گا جس کو مرد ختم نہیں کرسکتا (**در مختار ص ۲۸۵ ج ۲) نکحھا علی ان امرھا بیدھا صح ۔ وفیہ ۔ (ص ۲۸۶ ج ۲) و لا یملک الزوج الرجوع عنہ ای من التفویض بانواعہ الثلاثۃ لما فیہ من معنی التعلیق**'

نکاح میں تینوں قسم کی شرائط کا حکم اس طرح ہوگا

(۱) اگر عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہوجائیں تو ان شرائط کے معتبر و مفید ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اضافت الی النکاح لکھا جاوے مثلا یوں لکھا جاوے کہ اگر میں اس عورت سے نکاح کروں تو فلاں فلاں صورت میں عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا اور عورت اسی مجلس میں قبول کرلے تو طلاق کا اختیار عورت کو حاصل ہوجائے گا ۔

(۲) دوسری صورت میں تفویض درست ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ ایجاب مشروط عورت یا اس کے ولی، وکیل یا نکاح پڑھانے والے کی جانب سے ہو مثلا یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تمہارے نکاح میں اس شرط پر دیا کہ فلاں فلاں صورت میں مجھے اپنے اوپر طلاق واقع کر کے نکاح سے الگ ہونے کا اختیار ہوگا اور مرد قبول کرلے تو تفویض درست ہوگی جیسا کہ **در مختار ص ۲۸۵ ج ۲** پر مرقوم ہے ۔

نکحھا علی ان امرھا بیدھا صح و فی الشامی قولہ صح مقید بما اذا ابتدات المراۃ فقالت زوجت نفسی منک علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید او علی انی طالق فقال

الزوج قبلت اما لو بدا الزوج لا تطلق و لا يصير الامر بيدها كما فى البحر عن الخلاصة و البزازية انتهى۔

(۳) تیسری صورت میں شوہر عقد نکاح کے بعد کہے کہ فلاں فلاں صورت میں تجھے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہے اور عورت قبول کرلے تو تفویض درست ہوگی ۔ مذکورہ تین صورتوں میں جس صورت پر بھی اس کے شرائط کے مطابق عمل کیا جائے گا تو طلاق کا اختیار عورت کو ہوگا، جس کو شوہر ختم نہیں کرسکتا۔

تفویض اور اختیار میں مزید احتیاط کے لئے اس طرح کی قیدیں بڑھائی جائیں تو جانبین کے حق میں مفید ہوگا۔

(۱) جس مجبوری کی بناء پر اختیار ہوگا اس کو دس آدمیوں میں سے کم ازکم دو مجبوری تسلیم کرلیں اور وہ دونوں عورت کی علحدگی کو مناسب قرار دیں، اور ان دس افراد کے نام طرفین کی رضامندی سے درج کردئے جائیں۔

(۲) اس کے بعد عورت ایک ہفتہ غور کرے گی۔

(۳) اپنے خیر خواہوں سے مشورہ کرنے کے بعد فیصلہ کرے گی۔

(۴) اور حاصل شدہ مجبوری سے ملا ہوا اختیار ایک مہینہ تک رہے گا۔ لہٰذا جب جب وہ مجبوری پیش آئے گی، ایک ایک مہینہ کا اختیار ملتا رہے گا۔

ایک قید شوہر کے لئے مفید ہے جو اس طرح لگائی جائے کہ عورت جب اختیار کا استعمال کرے گی تو مہر معاف کر کے اپنے اوپر طلاق واقع کرے گی۔

مذکورہ قیودات کے ساتھ جب اختیار دیا جائے گا تو انشاء اللہ عورت اپنی کم عقلی اور جلد بازی کی بناء پر اس کا بے جا استعمال بھی نہ کرے گی اور شریر شوہروں سے بدرجہ مجبوری بسہولت چھٹکارا بھی حاصل کرسکے گی۔

اولاً تین طلاق دینا ایک ناجائز امر ہے اور اس کے نتیجہ میں جو مفاسد سامنے آرہے ہیں، وہ بے حد ہیں۔

مرد خود ہی ایسی جلد بازی سے کام لے کر پوری زندگی پچھتاتا پھرتا ہے اور حیلے ڈھونڈتا پھرتا ہے ۔ پھر طلاق کے بعد عورت خود یا اس کے اولیاء کورٹ کا سہارا لیتے ہیں، جہاں بے شمار لوگوں کی موجودگی میں طرفین ایک دوسرے پر غلط قسم کے الزامات تھوپتے ہیں، اس منظر کو دیکھ کر ہندو وکلاء اور جج مسلمانوں کو خفت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

اور کورٹ کے تمیں ایک چکر کاٹنے کے بعد شوہر پر ناقابل برداشت خرچ کی ذمہ داری عائد کی جاتی ہے، جس کا لینا اور دلوانا سب ناجائز ہے، اس کے باوجود مال طیب سمجھ کر برضائے قلب لیا جاتا ہے، بلکہ یوں کہا جائے کہ وصول کیا جاتا ہے۔

مذکورہ مفاسد پر نظر کرتے ہوئے میری ناقص رائے یہ ہے کہ مسئلہ ہذا میں صاحبان کے قول پر فتوی دیا جائے، جیسا کہ باب مزارعہ میں بوجہ ضرورت صاحبان کے قول پر فتوی دیا گیا ہے ۔

کما فی الشامی ص ۲۹ ج ۱ فی شہادات الفتاوی الخیریۃ المقرر عندنا انه لا یفتی و یعمل الا بقول الامام الاعظم و لا یعدل عنه الی قولهما او قول احدهما او غیر هما الا بضرورة کمسالۃ المزارعۃ و ان صرح المشائخ بان الفتوی علی قولهما الخ

لہذا مسئلہ مذکورہ فی السوال میں اگر علماء کا اتفاق ہوجائے تو فتوی کے لئے صاحبان کے قول کو اختیار کیا جائے۔

جواب نمبر ۲: سوال ۲ میں ذکر کردہ دونوں شرائط صاحبان کے قول پر معتبر ہیں اور امام صاحب کے یہاں دوسری عورت سے نکاح نہ کرنے کی صورت میں مہر مسمی لازم ہوگا اور شرط پوری نہ کرنے کی صورت میں مہر مثل لازم ہوگا، جو مسمی سے متجاوز نہ ہو۔

چونکہ اس مسئلہ میں ضرورت کا تحقق نہیں ہے، اس لئے امام صاحب کے قول پر فتوی ہوگا۔

جواب نمبر ۳: موجودہ زمانہ میں عورت کو ملازمت پر باقی رکھنے میں قوانین اسلام کی خلاف ورزی ہوگی، اس لئے ہونے والا شوہر ایسی غیر مفید شرط کا پابند نہ رہے گا۔ اور ملازمت پر جانے سے عورت کو روک سکتا ہے۔

بحوالہ **قواعد فقهیة ص ۱۸۲ قاعدہ ۱۲۹**'

اشتراط فی النکاح کا مسئلہ

مفتی محمد اسلم ٭

حامدا و مصلیا و مسلما

الجواب ۔ عقد نکاح میں جو شرائط لگائی جاتی ہیں، ان کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) جو زواج کی وجہ سے واجب ہوتی ہیں۔ یعنی مقتضاء عقد کے مطابق ہوتی ہیں، جیسے نفقہ، کسوہ، سکنیٰ وغیرہ۔ ان کا پورا کرنا بالاتفاق واجب ہے۔ اگرچہ ان کی تصریح نہ کی گئی ہو۔

(۲) جو مقتضاء عقد کے خلاف ہوں، جیسے دوسری بیوی کو طلاق دینے کی شرط، عدم انفاق اور عدم سکنیٰ کی شرط، اس قسم کا یہ حکم ہے کہ شرط باطل ہوجائے گی اور نکاح درست ہوجائے گا۔

(۳) "**و ما لیس من القسمین**" مثلا دوسری عورت سے نکاح نہ کرنے کی شرط یا دوسرے گھر نہ لے جانے کی شرط یا اس جیسی دوسری مباح شرائط، اس تیسری نوع کا حکم مختلف فیہ ہے۔

امام احمد، امام اسحاق اور امام اوزاعی وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ شرط کے مطابق عمل کرنا واجب ہے۔ اگر شرط کو پورا نہ کرے تو عورت کو نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور سفیان ثوری کے نزدیک شروط کی اس تیسری نوع کو پورا کرنا قضاءً

٭ ترکیسر، گجرات

ضروری نہیں، البتہ دیانتاً ضروری ہے۔ اس لئے کہ مومن کی شان یہی ہے کہ وعدہ کرے تو پورا کرے اور فرمان باری تعالیٰ " واوفوا بالعهد ان العهد كان مسؤلا " کا تقاضا بھی یہی ہے (درس ترمذی ج ۳ ص ۲۱۲)

ان الشروط ثلاثة اصناف ما يوجبه الزوج من غير اشتراط كالنفقة لها و السكنى فهذا يجب الايفاء به و ان لم يشترط۔ و ما ينافي كتاب الله و نص رسوله فهذا لا يجوز العمل بها و ان اشترط۔ و ما ليس من القسمين فهي مباحة اتيانها و تركها فهذه يجب الايفاء بها اذا اشترط و ان لم يشترط لا (الكوكب الدرى ج ۲ ص ۲۳۷)

(الف) ۔ دوسری قسم کی شرط لگانا شرعاً باطل ہے ۔

روى عن على ابن ابى طالب انه قال شرط الله قبل شرطها (ترمذى شريف ص ۲۱۳) و فى الهداية شرط قبول الخمر شرط فاسد فيصح النكاح و يلغو الشرط اور اسی کے تحت بین السطور میں مرقوم ہے :

" و كل شرط فاسد لا ينافي العقد (هداية ج ۲ ص ۳۳۱) الابراء من النفقة لا يصح الا اذا وجبت بالقضاء او الرضا و مضت مدة فحينئذ يصح الابراء كذا فى البدائع و فى البزازية انت برى من نفقتى ما دمت امراتك فان لم يفرض القاضى النفقة فالابراء باطل (البحر الرائق ج ۳ ص ۱۷۲)

اور " المراة بين الفقه و القانون " میں شروط کو بیان کرتے ہوئے فرمایا :

شروط باطلة لا يحق الوفاء بها۔ و يكون العقد معها صحيحا۔ و ذلك بان يقيد عقد الزواج بشرط ينافي نظامه الشرعى۔ كاشتراط عدم المهر۔ او انفاق الزوجة على الزوج۔ او بشرط ينافي مقاصده الشرعية، كاشتراط عدم الاستمتاع الزوجى۔ او ان يلتزم فيه ما هو محظور شرعا كاشتراط المراة ان تسافر و حدها۔

فهذا النوع من الشروط باطل۔ و العقد صحيح۔ و لا يجوز الوفاء بالشرط۔ وقد قدمنا ان هذا حكم متفق عليه فى المذاهب الاجتهادية۔ و لا نعلم فيه خلافا (المراة بين الفقه و القانون ص ۲۸)

جو مقتضائے عقد کے خلاف ہوں، جیسے دوسری بیوی کو طلاق دینے کی شرط، عدم انفاق اور عدم سکنیٰ کی شرط، اس قسم کا حکم یہ ہے کہ شرط باطل ہوجائے گی اور نکاح درست ہو جائے گا۔ (درس ترمذی ج ۳ ص ۲۱۲)

تیسری قسم کی شرائط یعنی ایسی شرط لگانا جن کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے یا دوسری فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہیں ہوتی، جیسے دوسری عورت سے نکاح نہ کرنے کی شرط یا دوسری جگہ نہ لے جانے کی شرط یا اس جیسی دوسری مباح شرائط۔ اس تیسری نوع کا حکم مختلف فیہ ہے۔

امام احمد، امام اسحاق امام اوزاعی وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ شرط کے مطابق عمل کرنا واجب ہے۔ اگر شرط کو پورا نہ کرے تو عورت کو نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہوگا۔

امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور سفیان ثوری کے نزدیک شروط کی اس تیسری نوع کو پورا کرنا قضاء ضروری نہیں، البتہ دیانتا ضروری ہے۔ اس لئے کہ مومن کی شان یہی ہے کہ وہ وعدہ کرے تو پورا کرے اور فرمان باری تعالی:

" **واوفوا بالعهد ان العهد كان مسؤلا** " کا تقاضا بھی یہی ہے (**درس ترمذی ج ۳ ص ۳۱۲) و هكذا في عمدة القارى ج ۲ ص ۱۲۰)**

و ما ليس من القسمين (اى اوليين) فهى مباحة اتيانها و تركها فهذه يجب الايفاء بها اذا اشترط و ان لم يشترط لا (الكوكب الدرى ج ۳ ص ۲۳۸)

یہاں پر فتاوی رحیمیہ کا ایک استفتاء و جواب نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔

الاستفسار۔ لڑکی نے اس شرط پر شادی کی کہ وہ لندن نہ آئے گی، لڑکا ہر دو برس چار چھ ماہ کے لئے آجایا کرے۔ شرط کے مطابق ایک مرتبہ آیا۔ اب تین برس ہوئے تاہم وہ نہ آیا۔ نہ آنے کی وجہ لکھ رہا ہے کہ آنے جانے میں خرچ زیادہ ہوتا ہے وطن میں ملازمت بھی موقوف رہتی ہے، تو اب باوجود شرط قبول کرنے کے وہ لڑکی کو لندن بلائے تو گنجائش ہے ؟

جواب۔ ہاں، شرط قبول کرنے کے باوجود عورت کو راضی کر کے بلا سکتا ہے۔ جبر نہیں کر سکتا، لڑکی جانا نہ چاہے تو خط و کتابت اور خرچ بند کر کے اس کو پریشان کرنا ناجائز ہے۔ حضرت عمر فاروق کا ارشاد ہے:

" **اذا تزوج رجل امراة و شرط لها ان لا يخرجها من مصرها فليس له ان يخرجها** " یعنی جب مرد نے عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ اس کو وطن سے باہر نہیں لے جائے گا۔ تو اب عورت کی رضامندی کے بغیر شوہر اس کو نہیں لے جاسکتا۔ (**ترمذی ج ۱ ص ۱۳۲**) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وہ شرط جس کا پورا کرنا سب سے زیادہ ضروری ہے وہ شرط ہے جس پر نکاح کیا گیا ہو (ترمذی) اگر لندن

جانے میں صحت، عزت اور آبرو و دینداری کے بارے میں کوئی اندیشہ نہ ہو تو عورت کو جانے کے لئے اظہار رضامندی بہتر ہے۔ بلکہ بعض حالات میں جانا ضروری ہوجاتا ہے۔ فقط (فتاوی رحیمیہ ج ۳ ص ۱۷۹)

(ج) اس قسم کا کابین نامہ لکھوانا (جس میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہو) اور بوقت ضرورت اس سے کام لینا شرعاً جائز ہے (اور اختیار دینے کو تفویض طلاق کہتے ہیں) **وفی العالمگیریۃ جعل امرھا بیدھا فی تعلیقۃ واحدۃ بائنۃ مطلقا بشرط انہ اذا مضی شھر او لہ کذا او اخرہ کذا و لم یؤد الیھا جمیع ما قبل تعجیلہ لھا من صداقھا و ھو کذا فانھا تطلق نفسھا بعد ذلک متی شاء ت ابدا واحدۃ بائنۃ و فوض الامر فی ذالک الیھا و انھا قبلت منہ ھذا الامر فی مجلس التفویض (عالمگیریۃ ج ۲ ص ۳۷۱)۔**

اور فتاوی رحیمیہ میں ہے کہ جب عورت کو طلاق کا اختیار دینے کی غرض سے کہا گیا کہ جب تم چھٹی ہونا چاہو تو بچوں کو بددعا دینا تو عورت کو طلاق کا اختیار حاصل ہوگیا، جب عورت بچوں کو بد دعا دے گی تو چھٹی ہوجائے گی یعنی طلاق رجعی واقع ہوگی، اگرچہ لفظ "چھٹی ہونا" کنایہ ہے مگر غلبہ استعمال سے صریح کے حکم میں ہے، اس لئے طلاق رجعی واقع ہوگی **(فتاوی رحیمیہ ج ۵ ص ۲۷۸)**

رہی بات کہ اگر شوہر نکاح کے وقت بیوی کو طلاق کا حق تفویض کرنے کے بعد اس تفویض کو ختم کرنا چاہتا ہے تو اس کا اختیار شوہر کو باقی رہتا ہے یا نہیں؟ تو جواب اس کا یہ ہے کہ شوہر کو تفویض طلاق کے بعد اس تفویض سے رجوع کرنے کا حق نہیں رہتا، بلکہ تفویض کے بعد عورت طلاق کی مالک ہوجاتی ہے، اس لئے شرائط میں مرد کو غور و خوض اور اہل علم و فہم سے مشورہ کرلینا ضروری ہے، ورنہ بعد میں پریشانی و پشیمانی ہوگی **(الحیلۃ الناجزۃ ص ۳۰)**

و ان قال طلقی نفسک فلیس لہ ان یرجع منہ لان فیہ معنی الیمین لانہ تعلیق الطلاق بتطلیقھا و الیمین تصرف لازم (الھدایۃ ج ۲ ص ۳۸۱)

و لا یملک الزوج الرجوع منہ ای من التفویض بانواعہ الثلاثۃ (الدر المختار ج ۳ ص ۲۳۳)

الجواب: نکاح میں شرط کی تین صورتیں ہیں، چاہے نکاح سے پیشتر لکھوالیا جاوے، چاہے عین وقت عقد میں زبان سے کہلوالیا جاوے، چاہے بعد میں لکھوالیا جاوے، مگر پہلی اور دوسری صورت کے صحیح و معتبر ہونے کی ایک ایک شرط ہے۔

(۱) پہلی صورت میں شرط ہے کہ کابین نامہ میں نکاح کی طرف اضافت و نسبت موجود ہو، مثلاً یہ لکھا جاوے کہ اگر میں فلاں بنت فلاں کے ساتھ نکاح کروں اور پھر شرائط مندرجہ اقرار نامہ ہذا میں سے کسی شرط کے خلاف کروں تو مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا پھر کسی وقت چاہے تو اپنے اوپر طلاق بائن واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہوجائے۔ اگر اس میں اضافت الی النکاح نہ لکھی گئی تو یہ اقرار نامہ بے کار ہوگا۔ اس کی رو سے عورت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہ ہوگا (الحیلة الناجزة)

شرطه (ای شرط لزوم التعلیق) الملک کقوله لمنکوحته ان ذهبت فانت طالق او الاضافة الیه (ای الملک) کان نکحتک فانت طالق. کذا فی تنویر الابصار (شامی ج ۳ ص ۳۴۴)

(۲) دوسری صورت کے معتبر ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کے جانب سے ہو یعنی اولاً خود عورت (یا اس کا ولی یا وکیل) عقد نکاح کے وقت یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو (یا مسماۃ فلاں بنت فلاں کو) تیرے نکاح میں اس شرط پر دیدیا کہ اگر تم نے یہ کام کیا یا وہ کام کیا (جتنی شرطیں لگانا مقصود ہوں سب کو ذکر کردیا جاوے) تو اپنے معاملہ کا اختیار میرے (یا مسماۃ موصوفہ کے) ہاتھ میں ہوگا۔ اس کے جواب میں مرد ناکح کہے کہ میں نے قبول کرلیا۔ اس پر عورت کو اختیار ہوگا کہ وہ جب اپنے اوپر شرائط کے خلاف ظلم و مصیبت دیکھے، اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر شوہر کے نکاح سے نکل جائے۔

اور اگر ایسا نہ کیا گیا بلکہ ابتدائے کلام (یعنی ایجاب) مرد کے جانب سے ہو اور لڑکی والے قبول کے ساتھ تفویض طلاق کی شرط لگادیں تو نکاح بلا کسی شرط کے صحیح ہوجاوے گا اور شرط بالکل بے کار ہوجائے گی۔ خوب سمجھ لو (ماخوذ مع الحذف من الناجزة ص ۷۵)

نکحها علی ان امرها بیدها صح. الدر المختار (قوله صح) مقید بما اذا ابتدات المراة فقالت زوجت نفسی منک علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید او علی انی طالق فقال الزوج قبلت اما لو بداء الزوج لا تطلق و لا یصیر الامر بیدها کما فی البحر عن الخلاصة و البزازیة (شامی ج ۳ ص ۳۴۹)

(۳) نکاح میں شرط کی تین صورتوں میں سے تیسری صورت کہ نکاح کے بعد کوئی اقرار نامہ اس قسم کا شوہر سے لکھوایا جاوے، یہ صورت بھی صحیح اور بالکل درست ہے۔

رہا سوال کہ کیا تفویض و اختیار کے ساتھ مزید احتیاط کے لئے ایسی قیدیں بڑھائی جاسکتی ہیں، جو کہ جانبین کے لئے مفید ہوں اور بے جا استعمال کا سد باب کریں تو اس کے جواب میں "الحیلة الناجزة" کی عبارت درج

اس مسئلہ میں صاحبین کے قول کو اختیار کرنا اصول کی روشنی میں صحیح نہیں، اس کی چند وجوہات ہیں۔

(۱) غیر مجتہد کے لئے اصولیین کے نزدیک ایک جزئیہ کا قیاس دوسرے جزئیہ پر جائز نہیں، لہذا اس بنا پر قیاس صحیح نہ ہوا جیسا کہ علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:

" و لا یکتفی بوجود نظیرها مما یقاربها فانه لا یامن ان یکون حادثة و ما وجده فرق لا یصل الیه فهمه فکم من مسئلة فرقوا بینها و بین نظیرتها حتی الفوا کتب الفروق لذالک (رسم المفتی ص ۷۹)

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ مسئلہ زیر بحث یعنی مشروط بالطلاق کو مہر مشروط **باخرجها من الوطن** پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، کیونکہ مقیس کا تعلق قطع نکاح سے ہے جو اشد ہے اور مقیس علیہ کا تعلق قطع نکاح سے نہیں ہے، بلکہ ایک جزئی مسئلہ سے ہے جو اھون ہے، لہذا مقیس علیہ میں تفاوت ہونے کی بناء پر قیاس صحیح نہیں ہے

(۳) ارباب متون معتبرہ کے قول کو ارباب شروح کے مقابلے میں اختیار کیا جائے گا بشرطیکہ مشائخ نے اس کے خلاف کو راجح نہ قرار دیا ہو۔

وکل قول فی المتون اثبت۔ فذلک ترجیح له ضمنا اتی۔ فرجحت علی الشروح و الشروح۔ علی الفتاوی القدم من ذات رجوع۔ مالم یکن سواه لفظا صححها۔ فالا رجح الذی به قد صرحا (رسم المفتی ص ۸۰)

اور یہاں پر مشائخ نے ارباب متون کے قول ہی کو اختیار کیا ہے، کیونکہ اس کے خلاف تصحیح موجود نہیں۔

(۴) چوتھی وجہ یہ ہے کہ صاحبین کے قول کو اختیار کرنے میں مرد سے وہ آزادی سلب کرنی لازم آئے گی جو اس کو شریعت نے ودیعت کی ہے، خصوصا جبکہ یہ معاملہ وعظ و نصیحت سے اور سمجھانے بجھانے سے سلجھ سکتا ہے اور خرابیاں دور ہو سکتی ہیں، نیز یہ بات بھی بدیہی ہے کہ جس طرح بعض طبائع پر ضابطہ کارگر ہوتا ہے، اسی طرح یا اس سے زیادہ اکثر طبائع پر رابطہ مؤثر ہوتا ہے لہذا " **للاکثر حکم الکل** " کے تقاضے سے بجائے ضابطہ کے ذیل ہے۔

"چونکہ عورت ناقص العقل ہے اس لئے طلاق کو مطلقا اس کے ہاتھ میں دینا خطرہ سے خالی نہیں، پس مناسب ہے کہ تفویض میں کوئی قید مناسب بھی لگادی جائے جس میں وہ خطرہ نہ رہے، مثلا یہ کہ نکاح کے وقت عورت کی طرف سے وہ خود یا اس کا ولی یا وکیل یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسماۃ فلاں بنت فلاں کو تمہارے نکاح میں بمعاوضہ مہر ... روپے کے اس شرط پر دے دیا کہ جس وقت اس کو تم سے کوئی تکلیف شدید

پہنچے گی جس کو فلاں فلاں اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کرلیں (اس جگہ مناسب ہے کہ کم از کم دس آدمیوں کے نام تراضی طرفین سے متعین کردئے جائیں) تو اس کے بعد ہر وقت معاملہ میرے یا اس کے اختیار میں ہوگا کہ اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس نکاح سے علحدگی اختیار کر لی جاوے ۔ اس صورت میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں اس وقت آئے گا جب کہ تسلیم کردہ اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کرلیں کہ تکلیف شدید ہے ۔

اور اس کے حاشیہ میں ہے کہ اگر اس سے زیادہ احتیاط مطلوب ہو تو یہ جملہ بھی بڑھالیں " اور وہ دونوں آدمی طلاق کو مناسب بھی کہیں " (یہ سب کچھ حذف و اختصار کے ساتھ " **الحیلۃ الناجزۃ** کے جزء اول تفویض طلاق بوقت نکاح " سے لیا گیا ہے ص ۷۲ ـ ۷۳)

الجواب : طلاق کے غلط استعمال کو روکنے کے لیے اگر عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہوگا تو یہ شرط جائز و معتبر نہیں ، طلاق نہ دینے کی صورت میں مہر مسمی (دس ہزار) ادا کرنے ہوں گے اور طلاق دینے کی صورت میں مہر مثل واجب ہوگا ، بشرطیکہ وہ مہر مسمی سے متجاوز نہ ہو ، جیسا کہ امام اعظم کا مذہب ہے ۔

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ امام صاحب کے نزدیک دونوں شرطیں لازم العمل نہیں ، بلکہ یہ بات صاحبین کے نزدیک ہے ۔

رابطہ اختیار کرنا چاہئے ۔ نیز شوہر کو اگر کسی ضابطہ یا غلاء مہر کے واسطے سے ذہنی طور پر مجبور کردیا جاسے کہ وہ طلاق واقع نہ کرسکے تو اس صورت میں مفاسدہ کثیرہ کے باب کے کھلنے کا قوی اندیشہ ہے ۔ اس میں ایک بات یہ ہے کہ جب شوہر بیوی کو رکھنا نہیں چاہتا اور یہاں قید و بند کی وجہ سے چھوڑ بھی نہیں سکتا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ عورت پر ظلم و ستم ڈھانا شروع کرے گا جس کا ثمرہ یہ مرتب ہوگا کہ مجبور ہو کر عورتیں لاعلمی اور کم عقلی کی وجہ سے خود کشی کرنے لگیں گی یا مرد خفیہ قتل کی سازشیں بنائیں گے جو بالخصوص سفلہ اور فاسق و فاجر لوگوں کے یہاں کوئی بعید از امکان نہیں ۔

نیز مہر کو اگر قلیل و کثیر دو شق کی طرف دائر کیا گیا تو ظاہر بات ہے کہ شق ثانی یا تو رقم خطیر ہوگی جو مانع طلاق ہے یا رقم خطیر نہیں ہوگی ، اگر رقم خطیر نہیں ہے تو ظاہر بات ہے کہ اس شرط کے لگانے سے کوئی حاصل نہیں اور اگر رقم خطیر ہے تو کوئی بعید نہیں کہ سرے ہی سے شوہر نکاح سے رک جائے اس لئے کہ لڑکیوں کی کثرت اور فراوانی کا ہونا ظاہر ہے ۔ اس سے نہیں تو کسی اور سے نکاح کرلے گا اس صورت میں وہ لڑکی نفس نکاح سے ہی

محروم رہی، پھر اس شرط کا کیا حاصل، اور اگر اس نے اس کے باوجود نکاح کا اقدام کرلیا تو وہ مفاسد کثیرہ جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا، اس مبینہ مصلحت اور ضرورت سے زیادہ ان مفاسد سے بچنے کی ضرورت ہے، جو اہم اور اشد ہے۔ اس وجہ سے ظاہر الروایہ سے انحراف کر کے نادر کی طرف جانا، ہمارے خیال میں لاحاصل ہے۔

لہذا ظاہر الروایہ ہی کو اختیار کرتے ہوئے علماء کرام اگر وقت کی نزاکتوں کو دیکھتے ہوئے اپنی پند و نصیحت کا دائرہ اور زیادہ وسیع کردیں تو یہ ہمارے خیال میں قرینہ مصلحت ہوگا، گو وہ اپنے فرض منصبی کو تو ادا کرتے ہی رہتے ہیں۔

الجواب۔ ۲۔ ایسی صورت میں دونوں شرطیں معتبر اور لازم العمل نہیں ہوں گی، جیسا کہ امام اعظم کا مذہب مذکورہ بالا سطروں سے معلوم ہوا، لہذا اس صورت میں بھی اگر شوہر اس منکوحہ کے عقد میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کرے تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا، اور اگر اس کے عقد میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر مہر مثل ہوگا۔

اما الثانية فكان يتزوجها على الف ان اقام بها او على ان لا يتسرى او على ان يطلق ضرتها او ان كانت مولاة او ان كانت أعجمية او ثيبا و على الفين ان كان اضدادها فان و فى بالاول او كانت اعجمية و نحوه فلها الالف و الا فمهر المثل لا يزاد على الفين و لا ينقص عن الف عند ابى حنيفة وكذا ان قدم شرط الالفين يصح المذكور عنده (فتح القدير ج ۲ ص ۳۵۹)

الجواب۔ ۳۔ اس شرط کے متعلق گفتگو کرنے سے پہلے عورت کی ملازمت کا شرعی حکم معلوم کرلینا ضروری ہے تاکہ شرط کی شرعی حیثیت معلوم ہوجائے۔ لہذا اس سلسلہ میں فتاوی رحیمیہ کے ایک استفتاء کا جواب حذف و اختصار کے ساتھ پیش خدمت ہے۔

عورتوں کے لئے جائز نہیں کہ بے حجاب ہو کر دکان میں بیٹھ کر غیر محرم کے ساتھ تجارت کریں، ان کے مرد تبلیغی جماعت میں جائیں یا حج کو، یا کسی بھی وجہ سے غائب رہیں، بے حجابی اور بے پردگی کسی بھی حالت میں جائز نہیں۔ قرآن پاک کی آیتیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور خود سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل، حضرات صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین یعنی جملہ سلف صالحین کی روایات کا متفقہ فیصلہ یہی ہے کہ عورتوں پر پردہ فرض ہے۔ قرآن کی آیات **لا تبرجن**۔ دکھاتی نہ پھرو۔ سامنے نہ آؤ **وقرن فى بيوتكن** گھروں میں قرار سے رہو۔ ارشادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ **المراة عورة فاذا خرجت استشرفها الشيطان (ترمذى)**

ان ہی فتنوں کی بنا پر حکم یہ ہے " **ليس لنساء نصيب فى الخروج الا مضطرة (طبرانى)**

خلاصہ یہ ہے کہ عورتوں کو دکان پر بیٹھنے کی، بے پردہ ہونے کی، اور غیر محرم سے باتیں کرنے کی اسلامی شریعت اجازت نہیں دیتی۔ (فتاوی رحیمیہ ج ۲ ص ۱۷۲)

جب عورتوں کی ملازمت کا محظور شرعی ہونا معلوم ہوگیا تو اس شرط کا باطل ہونا بھی معلوم ہوگیا کہ، کیونکہ ہر وہ شرط جو محظور ہو وہ باطل ہے، اس کے مطابق عمل جائز نہیں ہے۔

ان الشروط ثلاثة اصناف ... و ما ينافى كتاب الله و نص رسوله فهذا لا يجوز العمل بها (الكوكب الدرى ج ۲ ص ۲۳۲)

اور " **المراة بين الفقه و القانون** " میں شروط باطلہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" **او ان يلتزم ما هو محظور شرعا كاشتراط المراة ان تسافر و حدها. فهذا النوع من الشروط باطل. و العقد صحيح. و لا يجوز الوفاء بالشرط وقد قدمنا ان هذا حكم متفق عليه فى المذاهب الاجتهادية و لانعلم فيه خلافا (المراة بين الفقه و القانون ص ۷۸)**

اشتراط فی النکاح کا مسئلہ

مفتی ریاست علی قاسمی

مذہب اسلام کے اندر انسانی خواہشات کا غایت درجہ احترام اور لحاظ کیا گیا ہے ، اسی وجہ سے نکاح کرنے کی نہ صرف ترغیب دی ہے بلکہ حکم دیا گیا ہے ۔ بعض صحابہ کرام نے عبادات اور نوافل میں مشغول ہونے کی خاطر تبتل اور عورتوں سے علحدہ رہنے کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی تو آپ نے صاف طریقہ سے منع فرمادیا ، اور مذہب حنفی کے اندر تخلی بالنوافل سے نکاح کو افضل قرار دیا گیا اسی وجہ سے نکاح کرنا عام حالات میں مسنون اور حالت توقان میں واجب ہے ۔ نکاح مرد اور عورت کے درمیان ایسا قابل احترام عقد ہے ۔ جس کے ذریعہ جائز تعلق استوار ہوتے ہیں اور جہاں سے عائلی زندگی کا آغاز ہوتا ہے ۔ اسلام کا مطمح نظر یہ ہے کہ رشتہ نکاح پائیدار اور مضبوط رہے ، اسی لیے جابجا قرآن و حدیث میں ایسی ہدایات اور شرائط کا فریقین کو پابند بنایا گیا ہے جس سے رشتہ میں استحکام اور دائمی رفاقت کا بندھن مضبوط سے مضبوط ہوجائے ۔ اور زوجین کے عائلی حقوق کا پورا تحفظ ہوسکے ۔

عقد نکاح میں شرط لگانے کا حکم

عقد نکاح کے اندر لگائی جانے والی شروط کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں ، بعض شرائط مقتضائے عقد کے مطابق ہوتی ہیں ، بعض شرائط مقتضائے عقد کے خلاف ہوتی ہیں ۔ مقتضائے عقد کے مطابق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ایسی شرائط فریقین ایک دوسرے پر عائد کریں کہ شرط نہ ہونے کی صورت میں بھی ان حقوق و فرائض اور ذمہ

☆

داریوں کی ادائیگی فریقین پر ضروری ہو، شرط لگانے سے صرف ان حقوق کی تذکیر اور یاد دہانی مقصود ہوتی ہے، مثلا بیوی کا یہ شرط لگانا کہ میرا نان و نفقہ اور رہائش وغیرہ شوہر پر لازم ہوگا، یا شوہر یہ شرط لگائے کہ بیوی میرے تمام شرعی حقوق واجبہ ادا کرے گی۔ میرے گھر پر رہے گی، پردہ کے ساتھ رہے گی اور میری اولاد اور گھریلو اشیاء کی مکمل دیکھ بھال کرے گی۔ عقد نکاح کے اندر اس قسم کی شرائط عائد کرنا شرعا جائز اور درست ہے۔ اس سے عقد نکاح کے انعقاد پر شرعا کوئی منفی اثر نہیں پڑے گا۔

مقتضائے عقد کے خلاف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ فریقین ایک دوسرے پر ایسی شرائط عائد کریں جن کے ذریعہ عقد نکاح سے عائد ہونے والی ذمہ داریوں سے گریز ہو، مثلا بیوی کا یہ شرط لگانا کہ شوہر مجھ سے صحبت اور مباشرت نہیں کرے گا، یا شوہر کا یہ شرط لگانا کہ بیوی کے اخراجات کی ذمہ داری میرے اوپر نہیں ہوگی وغیرہ۔ عقد نکاح کے اندر اس قسم کی شرطیں لگانا شرعا ناجائز ہیں۔ اگر عقد نکاح میں اس قسم کی شرطیں لگادی گئیں تو نکاح شرعا درست ہوجائے گا، اور شرائط لازم الایفاء نہیں ہوں گی، کیونکہ نکاح شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا ہے۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

ولا يثبت في النكاح خيار الرؤية و العيب والشرط سواء جعل الخيار للزوج او المراة او لهما ثلاثة ايام او اقل او اكثر حتى اذا فعل ذالك فالنكاح جائز و الشروط باطلة (ج ۱۔ص ۲۷۳)

عقد نکاح میں مذکورہ دونوں قسم کی شرائط کے علاوہ شرائط کا حکم:

بعض شرائط ایسی ہیں جو مذکورہ بالا دونوں قسموں میں سے کسی کے زمرہ میں نہیں آتی ہیں بلکہ مشروط نکاح کی صورت میں فریقین کے اوپر نئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط کی صورت میں عائد نہیں ہوتی ہے۔ اس قسم کی شرائط کی مختلف صورتیں ہیں:

(۱) عقد نکاح سے قبل ہی شرائط طے ہوجائیں اور عقد نکاح کی طرف اضافت نہ کی جائے (۲) عقد نکاح سے قبل شرائط طے کی جائیں اور نکاح کی طرف اضافت کردی جائے۔ (۳) عقد نکاح سے قبل شرائط مقرر کی جائیں لیکن فریقین کے دستخط عقد نکاح کے وقت کرائے جائیں (۴) عقد نکاح ہی میں شرائط کا تذکرہ ہو ایجاب مشروط ہو یا ایجاب مطلق اور قبول مشروط ہو (۵) عقد نکاح کے بعد فریقین کے مابین کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے۔ ان تمام صورتوں میں اول الذکر صورت کی شرائط لازم الایفاء نہیں ہیں اور نہ ہی ان شرائط سے عقد نکاح کے بعد کوئی جدید ذمہ داری فریقین پر عائد ہوگی، اور باقی تمام صورتوں میں حسب شرائط نامہ فریقین کے لئے ان شرائط کی جو

مقتضائے عقد کے مناسب ہوں پابندی کرنا شرعاً لازم اور ضروری ہے کیونکہ یہ ایک قسم کا عہد ہے اور عہد کی پابندی مسلمان پر لازم ہے۔ اور حدیث پاک میں اس کو مسلمان کی امتیازی علامت بتلایا گیا ہے اور بد عہدی کو علامت نفاق قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔ **واوفوا بالعهد** (سورہ بنی اسرائیل) قواعد فقہ میں ہے:

المسلمون عند شروطهم ... فی شرح السیر قال صلی اللہ علیہ وسلم المسلمون عند شروطهم وقال عمر رضی اللہ عنہ الشرط املک ای یجب الوفاء بہ و تعلق اسباب التحریم بالشرط صحیح کالطلاق والعتاق انتھی وفی صحیح البخاری مقاطع الحقوق عند الشروط (قواعد الفقہ ص ١٧١)

بخاری شریف کتاب الشروط میں ہے:

قال عمر ان مقاطع الحقوق عند الشروط ولک ما اشترطت (بخاری ج ١ ص ٣٧٤)

عقد نکاح میں عورت کی طرف سے طلاق کے اختیار کی شرط لگانے کا حکم:

اگر عقد نکاح میں عورت شوہر سے یہ شرط لگائے کہ مجھے طلاق کا اختیار رہے گا اور شوہر اس شرط کو منظور کرلے، یا شوہر ہی صلب عقد میں عورت سے یہ کہہ دے کہ تم کو طلاق دینے کا اختیار ہے، تو اصطلاح فقہ میں اس کو تفویض طلاق کہا جاتا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے اگر فریقین نے صلب عقد کے اندر عورت کے اختیار طلاق کی شرط لگادی ہے، یا عقد نکاح کے بعد عورت کو اختیار طلاق تفویض کیا گیا ہے، یا عقد نکاح سے پہلے شرط لگائی گئی ہے اور اس کی نسبت نکاح کی طرف کی گئی ہے، مثلاً یہ کہا کہ اگر میرا تجھ سے نکاح ہوجائے یا تو میری بیوی بنے تو تجھ کو طلاق واقع کرنے کا اختیار رہے گا تو ایسی صورت میں عورت کو حسب شرائط اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا شرعاً اختیار حاصل ہے۔ لیکن اگر عقد نکاح سے پہلے شرائط نامہ بابت اختیار طلاق طے کیا جائے اور اس میں اضافت الی النکاح نہ ہو تو یہ شرط لگانا محض لغو اور کالعدم ہوگا، اور اس کی وجہ سے عورت کو کسی قسم کا اختیار طلاق نہ ہوگا۔

وفی الدر المختار علی هامش رد المحتار: شرطه الملک حقیقة ... کقوله لمنکوحته او معتده ؟ ان ذهبت فانت طالق او الاضافة الیه ای الملک الحقیقی عاما او خاصا ... کان نکحت امراة او ان نکحتک فانت طالق ... . فلغا قوله لا جنبیة ان زرت زیدا فانت طالق فنکحها فزارت (ج ٢ ص ٥٣٦-٥٣٧ باب التعلیق)

وفی الهدایة: و اذا اضاف الطلاق الی النکاح وقع عقیب النکاح مثل ان یقول لامراة: ان

تزوجتک فانت طالق . او کل امراة اتزوجها فهی طالق .. و اذا اضافه الی شرط وقع عقیب الشرط . مثل ان یقول لا مراته ان دخلت الدار فانت طالق .. ولا تصح اضافة الطلاق الا ان یکون الحالف مالکا او یضیفه الی ملک . فان قال لاجنبیة ان دخلت الدار فانت طالق ثم تزوجها فدخلت الدار لم تطلق (ج ۲. ص ۳۷۵) کذا فی الهندیة (ج ۱. ص ۴۲۰)

عورت کو تفویض طلاق کی صورت میں مصالح شرعیہ کے ضیاع کا اندیشہ اور اس کا حل:

عورت چونکہ ناقص العقل اور کج فطرت واقع ہوئی ہے اس لیے طلاق کو مطلقا اس کے ہاتھ میں دینا خطرہ سے خالی نہیں ہے ، اس لیے مناسب یہ ہے کہ بوقت تفویض کوئی مناسب قید لگا دی جائے جس سے اس خطرہ کا سد باب ہوسکے ، مثلا لڑکی یا لڑکی کا وکیل یہ کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسماۃ فلاں کو تمہارے نکاح میں بعوض مہر اس شرط پر دیا کہ اگر اس کو تمہاری طرف سے کوئی گزند پہنچے گی جس کو فلاں فلاں ذمہ دار اشخاص تسلیم کرلیں (اس جگہ کم از کم دس ذمہ دار اشخاص کا نام تراضی طرفین سے لکھا جائے) تو اس کے بعد طلاق کا معاملہ میرے یا اس کے اختیار میں ہوگا کہ وہ اپنے اوپر طلاق بائنہ واقع کر کے علیحدگی اختیار کرلے ۔ اس صورت میں یہ اشخاص صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد تفریق ناگزیر ہو تو کرنے کا اختیار ہوگا ، اور عورت کے لئے مناسب یہ ہے کہ اختیار حاصل ہونے کے بعد بھی طلاق واقع کرنے میں جلدی نہ کرے بلکہ اطمینان سے سوچ سمجھ کر کام کرے ، اور تین امور کا کم از کم التزام کرے اول یہ ہے کہ فورا غصہ کے وقت اپنے اختیار سے کام نہ لے بلکہ ایک خاص مدت تک غور و خوض کرے جس کی میعاد ایک ہفتہ سے کم نہ ہو دوسرے اپنے خیر خواہ لوگوں سے مشورہ کرے ۔ تیسرے سنت کے موافق استخارہ کرے اور ویسے بھی دعا کرے پھر جو دل میں آئے اس پر توکلا علی اللہ عمل کرے ۔ اس طریقہ سے تفویض مطلق کی صورت میں پیش آمدہ ممکنہ خطرات سے تحفظ ممکن ہوگا ۔ (**الحیلة الناجزة جزء ص ۵۳**) تفویض طلاق کے مسئلہ میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی کتاب **الحیلة الناجزة** کے باب اول بابت تفویض طلاق کو رہنما بنایا جاسکتا ہے ۔

تفویض طلاق کے بعد شوہر کو رجوع کرنے کا حکم

اگر شوہر بیوی کو طلاق کا اختیار تفویض کردے تو پھر شوہر کے لئے اس سے رجوع کرنا درست نہیں ہے ،

البتہ اگر شرائط نامہ میں شوہر رجوع کی بھی شرط لگالے اور طرفین اس کو منظور کرلیں تو رجوع کرنے کا حق ہوگا۔

وفی الدر المختار علی هامش رد المحتار و لا یملک الزوج الرجوع عنه ای عن التفویض بانواعه الثلاثة لما فیه من معنی التعلیق (ج ۲ ص ۵۲۸) و فی ر: المحتار قوله بانواعه الثلاثة ای التخییر و الامر بالید و المشیة (ج ۲ ص ۲۸۵)

شوہر کے طلاق دینے اور نہ دینے کی صورت میں اختلاف مہر کا حکم

اگر عقد نکاح کے وقت عورت کی طرف سے اس طرح شرط لگادی جائے کہ اگر شوہر بیوی کو طلاق دے گا تو مہر بیس ہزار روپے ہوگا اور طلاق نہ دینے کی صورت میں دس ہزار روپے ہوگا، یا اس عورت کے نکاح میں ہوتے ہوئے دوسری عورت سے نکاح کرے گا تو مہر تیس ہزار روپے ہوگا اور منکوحہ کے ہوتے ہوئے دوسری عورت سے نکاح نہ کرنے کی صورت میں مہرپندرہ ہزار روپے ہوگا، تو اس طرح شرائط عائد کرنے میں نکاح کے انعقاد کے اندر شرعاً کوئی شبہ نہیں ہے، مگر مہر کے سلسلہ میں امام ابو حنیفہ اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے۔ صاحبین حسب شرائط نامہ مہر مسمی کے وجوب کے قائل ہیں، اور امام صاحب شرط اول کو پورا کرنے کی صورت میں مہر مسمی اور شرط اول کو پورا نہ کرنے کی صورت میں مہر مثل کے وجوب کے قائل ہیں۔ تمام ہی فقہا کرام نے امام صاحب کے قول کو مفتی بہ اور قابل عمل قرار دیا ہے۔

کثرت طلاق کی وباء کو روکنے کے لیے صاحبین کے قول کو اختیار کرنے کا حکم

اس میں کوئی شک نہیں کہ کثرت طلاق کی وباء عام ہوتی جارہی ہے، اور عوام الناس معمولی معمولی باتوں پر بلا خوف و خطر طلاق دیتے ہیں۔ جو ایک تشویشناک امر ہے، جس کا سد باب وقت کی اولین اور اہم ضرورت ہے، تو اس سلسلہ میں علماء کرام اور زعماء ملت کی اولا ذمہ داری یہ ہے کہ معاشرہ کو نکاح کی عظمت و وقعت اور طلاق کی مذمت و قباحت سے روشناس کرائیں، اور اس موضوع سے متعلق قرآن و حدیث کی تصریحات سے عوام الناس کو واقف کرایا جائے تاکہ کثرت طلاق سے رکاوٹ ہوسکے جب معاشرہ اسلامی ہوگا اور نکاح کی عظمت قلوب میں جاگزیں ہوگی تو اس قسم کے امراض قبیحہ سے خود ہی رکاوٹ ہو جائے گی، بصورت دیگر ارباب افتاء کی معتدبہ جماعت تمام حالات کی نزاکتوں پر غور کرکے صاحبین کے قول پر بھی فتوی دینے کے مجاز ہیں۔

وفی الدر المختار علی هامش رد المحتار نکحها بالف علی ان لا یخرجها من البلد او لا یتزوج او نکحها علی الف ان اقام بها و علی الفین ان اخرجها فان وفی بما شرطه فی الصورة الاولی و اقام بها فی الثانیة فلها الالف لرضاها به ... و الا یوف ولم یقم فمهر المثل لفوت رضاها بفوات النفع ولکن لا یزاد المهر فی المسئلة الاخیرة علی الفین و لا ینقص من الف لا تفاقهما علی ذالک ... وقالا الشرطان صحیحان (ج ۱۰ص ۳۲۵-۳۲۶)وهدایة ج ۲ ص ۳۰۹)

وفی الهندیة ولو تزوج امراة علی الف ان لم یکن له امراة و علی الفین ان کانت له امراة او تزوجها علی الف ان لم یخرجها من بلدها. و علی الفین ان اخرجها منها. و تزوجها علی الف ان کانت مولاة و علی الفین ان کانت عربیة و ما اشبه ذالک فلا شک ان النکاح جائز و اما المهر فالشرط الاول جائز بلا خلاف. فان وقع الوفاء به فلها ما سمی علی ذلک الشرط. وان لم یقع الوفاء به فان کان علی خلاف ذلک او فعل خلاف ماشرط. فلها مهر مثلها لا ینقص من الاقل و لا یزاد علی الاکثر. وهذا قول ابی حنیفة رحمه الله تعالی. وقال ابو یوسف و محمد رحمهما الله تعالی. الشرطان جائزان (هندیة ج ۱ ص ۳۰۷-۳۰۸؛ تاتار خانیة ج ۳ ص ۱۰۱-۲۱۰ بحر ج ۳ ص ۱۵۹-۱۷۰؛ فتح القدیر ج ۳ ص ۲۳۱-۲۳۲)

عقد نکاح میں عورتوں کی طرف سے اعلیٰ تعلیم اور ملازمت کی شرط کا حکم

نکاح کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد عفت و عصمت اور حیاء کے ساتھ زندگی گزارنا بھی ہے۔ اگر نکاح کرنے کے بعد بھی عفت و عصمت اور حیاء کا لحاظ نہ کیا گیا تو یہ مقاصد نکاح کے خلاف ہوگا۔ اس لئے اگر عورت عقد نکاح میں شوہر سے یہ شرط لگائے کہ مجھے میرا شوہر اعلیٰ تعلیم، مثلاً عورتوں کے امراض مخصوصہ کی ماہر ڈاکٹر خاتون ہونا، جو وقت کی ضرورت ہے، اور سرکاری ملازمت سے نہیں روکے گا، تو اگر اس شرط کو پورا کرنے میں بے پردگی اور بے حیائی ہوتی ہو اور شوہر عورت کی عزت و آبرو اور عصمت و عفت کو محفوظ نہ سمجھتا ہو تو یہ شرط لازم الایفاء نہیں ہے اور شوہر کو اس کی خلاف ورزی کرنی چاہئے ورنہ گنہ گار ہوگا اور اگر اعلیٰ تعلیم کے حصول اور سرکاری ملازمت سے وابستہ ہونے کی صورت میں شرعی پردہ اور حیاء کا مکمل لحاظ کیا جاتا ہو اور شوہر مطمئن بھی ہو تو اس شرط کو پورا کرنا جائز ہوگا۔

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم بالصواب و علمه اتم و احکم اللهم ارنا الحق حقا و ارزقنا اتباعه و ارنا الباطل باطلا و ارزقنا اجتنابه اللهم اهدنا الصراط المستقیم.

اشتراط فی النکاح

(مولانا عبد الرحمان، چھاپی)

(۱) پہلی قسم (یعنی ایسے شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو اسی کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کردیا گیا ہو مثلا بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا وغیرہ) کی شرط لگانے یا نہ لگانے میں شرعا کوئی فرق نہیں ہے دونوں صورتوں میں نکاح صحیح منعقد ہوجائے گا اور شرائط کا پورا کرنا شرعا لازم ہوگا۔ جیسا کہ الکوکب الدری میں ہے۔

ما یوجبه الزوج من غیر اشتراط کالنفقة لها و السکنی فهذا یجب الایفاء به و ان لم یشترط (۱-۳۳۲)

(۲) الف؛ دوسری قسم (یعنی نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی کوئی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، مثلا شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان و نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا وغیرہ کی شرائط لگانا جائز نہیں ہے۔ اگر وقت نکاح اس قسم کی شرائط لگادی گئیں تو شرعا نکاح صحیح و منعقد ہوجائے گا اور شرائط باطل و لغو ہوجائیں گی ان کا پورا کرنا لازم و جائز نہیں ہے۔

قال القسطلانی تحت حدیث احق الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج. المراد شروط لا تنافی مقتضی عقد النکاح بل تکون من مقاصده کشروط العشرة بالمعروف و ان لا یقصر شئی من حقوقها اما شرط یخالف مقتضاه کشرط ان لا یتسری علیها و لا یسافر بها فلا یجب الوفاء به بل یلغو الشروط و یصح النکاح بمهر المثل (بحواله امداد الفتاوی ۲-۱۸۷)

اور در مختار میں ہے :

ولکن لا یبطل النکاح بالشرط الفاسد و انما یبطل الشرط دونه. یعنی لو عقد مع شرط فاسد لم یبطل النکاح بل الشرط (شامی ۳۔۵۳)

(۳) (ب) تیسری قسم (یعنی نکاح کے وقت ایسے شرائط عائد کرنا جو مذکورہ بالا دونوں قسم کے شرائط کے علاوہ ہوں ۔ ان کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی ۔ مثلا عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا ، یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا وہاں سے نکال کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا وغیرہ) کی شرائط کا حکم یہ ہے کہ ایسے شرائط کے ساتھ نکاح شرعا صحیح و منعقد ہوجائے گا ، اور جو شرائط مقتضاء عقد یا شرع کے خلاف نہ ہوں ان شرائط کو لگانا صحیح اور پورا کرنا واجب ہوگا ، اور جو شرائط مقتضاء عقد کے خلاف ہوں ان کو لگانا صحیح نہیں ہے اور ان کا پورا کرنا بھی لازم نہیں ہے ۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں "جو شرط خلاف شرع نہ ہو اس کا پورا کرنا واجب ہے اور جو خلاف شرع ہو اس کا پورا کرنا واجب نہیں " ۔ "غیر مشروع شرط ٹھہرانا جائز نہیں اور مشروع واجب الوفاء ہے " (**امداد الفتاوی ۲۔ ۱۸۷**) دوسرا نکاح نہ کرنے کی شرط اور عورت کو آبائی وطن سے نہ نکالنے کی شرط پر علامہ زیلعی حنابلہ کے مقابلہ میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

ولنا قوله علیه الصلوة و السلام کل شرط لیس فی کتاب الله فهو باطل و لیس فیه هذه الشروط وقال علیه الصلوة و السلام المسلمون عند شروطهم الا شرطا احل حراما او حرم حلالا و هذه الشروط تحرم الحلال کالتزوج و المسافرة بها و التسری و نحو ذالک فکانت مردودة (تبیین الحقائق ۱۔ ۱۲۹)

لہذا دوسرا نکاح نہ کرنے کی شرط اور عورت کو اس کے آبائی وطن سے نہ نکالنے کی شرط شرعا لازم الایفاء نہیں ہے کیونکہ یہ شرطیں شرع کے خلاف ہیں ۔ الکوکب الدری میں ہے :

و ما ینافی کتاب الله و نص رسوله صلی الله علیه وسلم فهذه لا یجوز العمل بها و ان اشترط (۱۔۳۳۲)

(ج) عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا ، یا فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا ، اور شوہر اس شرط کو تسلیم کرتا ہے تو شرعا عورت کو طلاق کا اختیار حاصل ہوجائے گا در مختار میں ہے - **نکحها علی ان امرها بیدها صح (شامی ۳۔ ۳۲۹)** اور شوہر کو تفویض طلاق

کے بعد اس تفویض سے رجوع کرنے کا حق نہیں رہتا۔ بلکہ تفویض طلاق کے بعد عورت طلاق کی مالک ہوجاتی ہے (الحیلۃ الناجزۃ ۳۰) اور در مختار میں ہے:

و لا یملک الزوج الرجوع عنہ ای عن التفویض بانواعہ الثلاثۃ لما فیہ من معنی التعلیق و فی رد المحتار (قولہ بانواعہ الثلاثۃ) ای التخییر و الامر بالید والمشیۃ (شامی ۳-۳۳۲)

نکاح میں شرط کی تین صورتوں کے احکام

(۱) اگر عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہوجائیں اور اس تحریر پر طرفین کے دستخط ہوجائیں تو ان شرائط کے معتبر و مفید ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت و نسبت موجود ہو، مثلاً لکھا جاوے کہ اگر میں فلاں بنت فلاں کے ساتھ نکاح کروں اور پھر شرائط اقرار نامہ ہذا میں سے کسی شرط کے خلاف کروں تو مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا پھر کسی وقت چاہے تو اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہوجاوے، اگر اس میں اضافت الی النکاح نہ لکھی گئی تو یہ اقرار نامہ محض بے کار ہوگا۔ اس کی رو سے عورت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہ ہوگا۔ **کما فی الحیلۃ الناجزۃ ص ۳۱**

(۲) اگر عقد نکاح میں ہی ان شرائط کو زبانی ذکر کیا جائے تو ان کے صحیح و معتبر ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے مشروط ہو اور قبول مرد کی جانب سے ہو اور اگر ایسا نہ کیا گیا بلکہ ابتدائے کلام یعنی ایجاب مرد کی جانب سے ہوا اور عورت کی جانب سے قبول کے ساتھ تفویض طلاق کی شرائط لگائی گئیں تو نکاح بلا کسی شرط کے صحیح ہو جائے گا اور شرائط بالکل بے کار و لغو ہوں گی۔ در مختار میں ہے:

نکحہا علی ان امرہا بیدہا صح۔ و فی رد المحتار (قولہ صح) مقید بما اذا ابتدات المراۃ فقالت زوجت نفسی منک علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید او علی انی طالق فقال الزوج قبلت۔ اما بدا الزوج لا تطلق و لا یصیر الامر بیدہا کما فی البحر عن الخلاصۃ و البزازیۃ (شامی ۳-۳۲۹)

اگر ایجاب عورت ہی کی طرف سے ہو اور شرط تفویض نہ لگائی ہو پھر مرد نے قبول میں شرط تفویض کا اضافہ کردیا تب بھی تفویض صحیح ہوگئی (**الحیلۃ الناجزۃ ص ۳۳**)

(۳) عقد نکاح کے بعد کوئی شرائط نامہ شوہر سے لکھوایا جاوے تو یہ صورت بھی صحیح و درست ہے (الحیلۃ الناجزۃ ص ۳۳)

تفویض طلاق و اختیار کے بیجا استعمال کے سدباب اور مصالح شرع کی حفاظت کے لئے تفویض کے ساتھ

مزید احتیاط کے لئے قیدیں بڑھانا درست ہے ۔

(۱) طلاق کے غلط استعمال کو روکنا امام ابو حنیفہ کے قول کو اختیار کرنے سے بھی حاصل ہوسکتا ہے ، کیونکہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک جس مہر کا ذکر پہلی شرط کے ساتھ کیا گیا ہو اس کا تسمیہ صحیح ہوتا ہے اور پہلی شرط پائی جانے کی صورت میں متعین کردہ مہر (مہر مسمی) لازم ہوتا ہے ، اور دوسری صورت میں ذکر کردہ مہر کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ دوسری شرط پائی جانے کی صورت میں مہر مثل لازم ہوتا ہے ، بشرطیکہ وہ مہر مسمی سے متجاوز نہ ہو ۔ لہذا جس شرط پر زیادہ مہر مقرر ہو اس کو پہلے ذکر کیا جائے یعنی اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر پچاس ہزار اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہے ۔ تو اس صورت میں چونکہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک مہر میں پہلی شرط معتبر ہے اور شوہر اگر پہلی (یعنی عورت کو طلاق دیتا ہے) شرط پوری کرتا ہے تو عورت (کثیر رقم) مہر مسمی کی حقدار بنے گی اس لئے شوہر کثیر رقم (مہر مسمی) سے بچنے کے لئے پہلی شرط واقع ہونے نہیں دے گا ، اس طرح دوسری شرط پائی جائے گی اور عورت کو مہر مثل ملے گا ، بشرطیکہ وہ مہر مسمی سے زیادہ نہ ہو ۔

ولو تزوجها على الف ان اقام بها و على الفين ان اخرجها فان اقام بها فلها الالف و ان اخرجها فلها مهر المثل لا يزاد على الفين و لا ينقص من الالف و هذا عند ابي حنيفة وقالا الشرطان جميعا جائزان حتى كان لها الالف ان اقام بها و الفان ان اخرجها (۲۔۳۲۹)

(۲) اس صورت میں پہلی شرط معتبر و لازم العمل ہوگی ۔ یعنی اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو عورت مہر تیس ہزار (مہر مسمی) کی حقدار ہوگی اور اگر اس کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو عورت مہر مثل کی مستحق ہوگی ، جو پندرہ ہزار سے کم نہ ہو اور تیس ہزار سے زیادہ بھی نہ ہو (بحوالہ بالا) ۔

(۳) اگر کوئی عورت اپنے نکاح کے وقت یہ شرط لگاتی ہے کہ شوہر اس کو لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا ۔ یا اگر آئندہ اس کو کوئی مناسب ملازمت ملے تو شوہر اس کو ملازمت سے نہیں روکے گا ۔ ایسی شرط لگانا جائز نہیں ہے ، کیونکہ عورت کا نان و نفقہ شوہر کے ذمہ شرعا واجب ہے ، لہذا اس کو ملازمت کے لئے نکلنا جائز نہیں ہے ۔ اس کے باوجود اس شرط کے ساتھ نکاح ہوا ہے تو شرعا نکاح صحیح و منعقد ہوجائے گا ، اور شرط باطل و لغو ہوجائے گی اس کا پورا کرنا شوہر کے ذمہ لازم و جائز نہیں ہے اور اگر شوہر اس شرط کو قبول کرنے کے باوجود عورت کو سلسلۂ ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے یا نئی ملازمت سے روکتا ہے تو عورت کے لئے شوہر کے حکم کی تعمیل واجب ہے ورنہ گنہگار ہوگی ۔

فقط اللہ سبحانہ و تعالی اعلم بالصواب ۔

اشتراط فی النکاح

مولانا عبد القیوم پالنپوری القاسمی ☆

ایسی شرائط عقد نکاح کے وقت لگانا جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی بلکہ عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہے ، اسی کو شرط کی صورت میں ذکر کردینا ، مثلا بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر پر رہے گا ۔ اس قسم کی شرائط لگانے سے عقد نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑے گا ۔ عقد نکاح صحیح ہوجائے گا ۔ اور اس قسم کی شرائط لگائیں یا نہ لگائیں ہر حال میں ان کا پورا کرنا ضروری رہے گا ۔ چنانچہ **الکوکب الدری ۱ ۔ ۳۳۲** پر لکھا ہے :

" ما یوجبه الزواج من غیر اشتراط کالنفقة لها و السکنی ۔ فهذا یجب الایفاء به و ان لم یشترط "

جن چیزوں کو عقد نکاح بغیر شرط کے واجب کرتا ہے ، جیسے بیوی کے لئے نفقہ اور سکنی ، پس ان چیزو کو پورا کرنا ضروری ہے اگرچہ شرط نہ لگائی ہو ۔

(الف) نکاح کے وقت ایسی کوئی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو ، (مثلا شوہر کے ذمہ بیوی کا نان و نفقہ نہیں ہوگا) درست نہیں ہے ، اگر اس قسم کی شرائط کے ساتھ کیا گیا تو نکاح منعقد ہوجائے گا ، البتہ یہ شرائط لغو ہوجائیں گی اور ان کو متعلقہ فریق پر پورا کرنا ضروری نہیں ہے ۔

و فی الدر المختار ، ما یصح و لا یبطل بالشرط الفاسد .. القرض و الهبة و الصدقة و

☆ استاذ فقہ و حدیث جامعہ قدیریہ ۔ کاکوسی ۔ مہسانہ ۔ گجرات

النکاح ... الخ ۔ و فی الشامیۃ (قولہ و النکاح (کتزوجتک علی ان لا یکون لک مھر ۔ فیصح النکاح و یبطل الشرط (شامی ۔ ۲۔ ۳۱۷۔ ۳۱۷) وفی اوجز المسالک ما یبطل الشرط ویصح العقد مثل ان یشترط ان لا مھر لھا ۔ وان لا ینفق علیھا ۔ وان لا یطاھا ۔ او شرط علی المراۃ ان تنفق علیہ او تعطیہ شیئا ۔ فھذہ الشروط کلھا باطلۃ و العقد صحیح (او جز المسالک ۔ ۲۔ ۲۷۵)

(ب) اور تیسری قسم (یعنی اوپر مذکورہ شرائط کے علاوہ ایسی شرط لگانا کہ جس کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہو جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا ۔ اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد نہ ہوتی ہو مثلا مرد اس عورت کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا ۔ وغیرہ) کی شرائط کا حکم یہ ہے کہ ایسی شرائط کے ساتھ نکاح بھی صحیح و منعقد ہوجائے گا ۔ اور جو شرائط خلاف شرع نہ ہوں ان کو لگانا اور پورا کرنا واجب ہے اور ان میں جو شرائط خلاف شرع ہوں ان کو عقد نکاح میں لگانا جائز نہیں اور ان کو پورا کرنا بھی واجب نہیں ۔ جیسا کہ حضرت تھانوی نے ایک فتوی کے جواب میں لکھا ہے ۔ جو شرط خلاف شرع نہ ہو اس کا پورا کرنا واجب ہے اور جو خلاف شرع ہو اس کا پورا کرنا واجب نہیں ۔ غیر مشروع شرط ٹھہرانا جائز نہیں ۔ اور مشروع واجب الوفاء ہے الخ ۔ (**امداد الفتاوی ۲۔ ۲۰۰**) اور حضرت مولانا یحیی صاحب کاندھلوی حضرت گنگوہی کے درسی افادات "**الکوکب الدری**" میں تحریر فرماتے ہیں :

و الحاصل ان الشروط ثلثۃ اصناف ۔ ما یوجبہ الزواج من غیر اشتراط کالنفقۃ لھا و السکنی فھذا یجب الایفاء بہ و ان لم یشترط ۔ وما ینافی کتاب اللہ ونص رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم فھذہ لا یجوز العمل بھا و ان اشترط و ما لیس من القسمین ۔ فھی مباحۃ اتیانھا و ترکھا ۔ فھذہ یجب الایفاء بھا اذا اشترط ۔ و ان لم یشترط لا ۔ (الکوکب الدری ۱۔ ۳۳۷)

اور خلاصہ یہ ہے کہ شرائط تین قسم پر ہیں ۔ اول وہ شرائط جن کو عقد نکاح بغیر شرط کے واجب کرتا ہے جیسے بیوی کا نفقہ اور سکنی ۔ ان کا پورا کرنا ضروری ہے ۔ اگرچہ شرط نہ لگائی گئی ہو ۔ اور دوم وہ شرائط جو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہوں ۔ ان پر عمل جائز نہیں اگرچہ شرط لگائی گئی ہو ۔ سوم وہ شرائط جو ان دو قسموں میں سے نہیں ہیں ۔ پس ان کا لگانا اور ترک کرنا دونوں مباح ہیں ۔ پس اگر ان کی شرط لگائی گئی تو پورا کرنا واجب ہے اور اگر ان کی شرط نہیں لگائی تو پورا کرنا واجب نہیں ۔

اور تیسری قسم کے شرائط پوری کرنے کی صورت میں شوہر پر مہر مسمی واجب ہوگا ۔ البتہ اگر ان شرائط کو پورا نہیں کیا تو شوہر پر مہر مثل واجب ہوگا یا مہر مسمی ۔ اس بارے میں تفصیل ہے کہ اگر مہر مسمی مہر مثل کے مساوی یا زیادہ ہے یا مہر مسمی مہر مثل سے کم ہے لیکن عورت یا اس کے ذی رحم محرم کے علاوہ کے لئے منفعت

کی شرط لگائی یا مہر مسمی کم ہے اور عورت کے لئے نقصان کی شرط لگائی ہے تو ان تین صورتوں میں مہر مسمی واجب ہوگا۔

کما فی البحر، لان المسمی لو کان مثل مهر المثل او اکثر منه و لم یوف بما وعد فلیس لها الا المسمی کذا فی غایة البیان — لو شرط مع المسمی منفعة لاجنبی ولم یوف۔ فلیس لها — و لا یخفی ان حکم ما اذا شرط مع المسمی ما یضرها۔ کالتزوج علیها۔ انه لیس لها الا المسمی مطلقا بالاولی (البحر الرائق ۳۔۱۷۲)

اور اگر مہر مسمی مہرمثل سے کم ہو اور عورت یا اس کے کسی ذی رحم محرم کے لئے کسی منفعت کی شرط لگائی گئی ہے اور وہ منفعت شوہر کے فعل پر موقوف ہو اور مباح الانتفاع ہو اور اس منفعت کی شرط کو پورا نہیں کیا تو شوہر پر مہر مثل واجب ہوگا۔

کما فی البحر، ان یسمی لها قدرا و مهر مثلها اکثر منه و یشترط منفعة لها او لابیها او لذی رحم محرم منها۔ فان وفی بما شرط۔ فلها المسمی — و الا فمهر المثل لانه سمی ما لها فیه نفع۔ فعند فواته ینعدم رضاها بالمسمی فیکمل مهر مثلها کما اذا شرط انه لا یخرجها او لا یتزوج علیها او ان یکرمها۔ الخ۔ البحر الرائق ۳/۱۷۱)

(ج) اس قسم کی شرط لگانا شرعا صحیح اور معتبر ہے۔ اور اس صورت میں عورت کے لئے اختیار ہوگا کہ ان شکلوں میں اپنے اوپر طلاق واقع کرلے۔ اگر شوہر بیوی کو طلاق کا حق تفویض کرنے کے بعد اس تفویض طلاق کو ختم کرنا چاہے تو اس کو ختم کرنے اور رجوع کرنے کا حق نہیں رہتا۔ بلکہ تفویض طلاق کے بعد عورت طلاق کی مالک ہوجاتی ہے۔

وفی الدر المختار، نکحها علی ان امرها بیدها صح۔ الخ۔ وفی العالمگیریة ولیس للزوج ان یرجع فی ذلک و لا ینهاها عما جعل الیها و لا یفسخ (۲۔۷۵) و فی الدر المختار۔ لا یملک الزوج للرجوع عنه ای عن التفویض بانواعه الثلاثة۔ قال الشامی (قوله الثلاثة) ای التخییر و الامر بالید و المشیئة۔ اھ۔ (الحیلة الناجزة ص ۳۷)

سوالنامہ میں مذکورہ تینوں صورتوں میں تفویض طلاق درست ہے، اور الحیلۃ الناجزۃ دس صفحات میں تینوں صورتوں کے احکام مع شرائط اور مزید احتیاطی قیود کے ساتھ مفصل بیان کیا ہے۔ جو کافی اور شافی ہے۔ اس لئے اس کے جواب کی ضرورت نہیں ہے۔

(۱۔۲) عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو مہر بیس ہزار اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہے۔ یا اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے ا۔

منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا اور اگر اس کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہ کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا۔ ان دونوں صورتوں میں مذکورہ طریقہ سے مہر طے کرنا درست اور معتبر ہے۔ البتہ امام صاحب کے راجح قول کے مطابق شرط دل کے پائے جانے کی صورت میں مہر مسمی لازم ہوگا۔ اور شرط ثانی کے پائے جانے کی صورت میں شوہر پر مہر مثل واجب ہوگا۔

امام ابو حنیفہ کے مذہب کو چھوڑ کر صاحبین کے قول کو فتوی کے لئے اختیار کرنا درست معلوم نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے کہ کثرت طلاق کے واقعات کو روکنے کا مقصد امام صاحب کے قول پر عمل کرنے میں بھی حاصل ہوسکتا ہے۔ اس طرح سے کہ امام صاحب کے نزدیک اول ذکر کردہ شرط صحیح ہوتی ہے اور بعد میں ذکر کی ہوئی شرط باطل ہوتی ہے، لہذا جس شرط پر کثرت مہر مقرر ہے اس شرط کو شوہر سے پہلے کہلوائی جائے اور دوسری شرط بعد میں ذکر کرلے۔ اس صورت میں شوہر زیادہ مہر سے بچنے کے لئے پہلی شرط واقع ہونے نہیں دے گا۔ اور دوسری شرط پائی جائے گی۔ لہذا عورت کو مہر مثل ملے گا۔ اور اگر پہلی شرط پائی گئی تو زیادہ مہر عورت کو ملے گی۔

و فی المبسوط، و لو تزوجها علی الف درهم ان لم یکن له امراة و علی الفی درهم ان کانت له امراة او علی الف درهم ان لم یخرجها من الکوفة و علی الالفین ان اخرجها او قدم شرط الالفین فی الفصلین. فعند ابی حنیفة رحمه الله المذکور او لا صحیح فی الوجهین و الثانی فاسد. الخ ــ و انما جوز الشرط الاول دون الثانی لان موجب العقد مع بقائه قد تم بذکر الشرط الاول او استقر بذلک. فبذکر الشرط الثانی قصد تغییر موجب العقد مع بقائه فلا یکون صحیحا (مبسوط ۵۔۹۰)

(۳) ایسی عورت جس کا شوہر نہ ہو اور نہ باپ ہے اور نہ ہی کوئی دوسرا رشتہ دار ہے جو اس کی معاشی کفالت کر سکے اور نہ خود اس عورت کے پاس اتنا مال ہے جس کے ذریعہ وہ اپنی ضروریات پوری کرسکے۔ اس صورت میں عورت کے لئے بقدر ضرورت کسب معاش کے لئے شرعی پردہ کی پابندی کے ساتھ گھر سے نکلنا جائز ہے اگر ایسی صورت حال نہیں ہے تو عورت کے لئے اس کی اجازت نہیں ہے کہ وہ کسب معاش و ملازمت کے لئے گھر سے نکلے۔ (**فقہی مقالات ص ۲۳۹ مولانا تقی عثمانی**)

لہذا اگر کوئی عورت اپنے نکاح کے وقت شرط لگاتی ہے کہ شوہر اس کو ملازمت سے نہیں روکے گا۔ یا آئندہ کوئی ملازمت مل گئی تو شوہر منع نہیں کرے گا۔ تو شرعا ایسی شرائط باطل اور لغو ہوں گی۔ جن کا پورا کرنا شوہر پر جائز نہیں ہے۔ ایسی صورت میں اگر شوہر سلسلہ ملازمت کے ختم کرنے کا حکم دیتا ہے یا نئی ملازمت سے روکتا ہے تو شوہر کے حکم کی تعمیل عورت پر واجب ہے۔

اشتراط فی النکاح

مفتی محمد معزالدین ٭

۱۔ ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہے بلکہ خود عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو اسی کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کردیا گیا ہو، مثلاً بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا، درست نہیں ہے۔

الف ۔۲۔ اسی طرح مرد کا یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نفقہ اس کے ذمہ لازم نہیں ہوگا شرعاً درست نہیں ہے، اور اگر کوئی یہ شرط لگا بھی دے تو وہ قابل ایفاء نہ ہوگی، اور مذکورہ دونوں صورتوں میں نکاح صحیح ہو جائے گا، البتہ شروط فاسدہ باطل ہوجائیں گی " **النکاح المؤبد الذی لا توقیت فیہ لا تبطلہ الشروط الفاسدة** " (بدائع ج ۲ ص ۲۸۵)

ب ۔۳۔ تیسری قسم کی وہ شرطیں جو مذکورہ دونوں صورتوں میں نہ پائی جاتی ہوں، اگر وہ وقت نکاح ذکر کی جاتی ہیں تو اس سلسلہ میں ائمہ احناف کا اختلاف ہے، صاحبین کے پاس وہ شرطیں بھی قابل ایفاء ہیں، اور امام زفر کے پاس دونوں شرطیں قابل اعتبار نہیں، البتہ نکاح صحیح ہوجائے گا (ہدایہ، عالمگیری وغیرہ)

ج ۔ عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، اور شوہر اس کو تسلیم کرلے تو یہ صورت شرعاً تفویض طلاق کی ہے جو ائمہ احناف کے نزدیک درست ہے اور عورت کو اس صورت میں ایقاع طلاق کا اختیار حاصل ہوگا، اور اگر شوہر

٭ استاذ مدرسہ عربیہ دارالعلوم، اورنگ آباد، مہاراشٹر

طلاق کا حق تفویض کرنے کے بعد اس تفویض طلاق کو ختم کرنا چاہے تو شرعاً شوہر کو اس کا اختیار باقی نہیں رہتا ہے (عالمگیری، جوہرہ، در مختار)

نکاح میں شرط کی جو تین صورتیں ذکر کی گئی ہیں وہ تینوں بھی درست ہیں، البتہ ان کی کچھ شرائط ہیں جو ذکر کی جاتی ہیں۔

۱۔ مثلاً عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہوجائیں اور اس کی تحریر پر دستخط طرفین کے ہوجائیں اس صورت میں یہ ضروری ہے کہ اس تحریر میں اضافت الی النکاح ہو۔ یعنی اگر فلاں بنت فلاں سے نکاح کروں اور حسب ذیل شرائط میں سے کسی ایک کے بھی خلاف کروں تو مسماۃ فلاں بنت فلاں کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے اوپر طلاق بائن واقع کرلے۔ (**شامی ج ۲ ص ۸۱۳ عالمگیری ج ۲ ص ۳۷۱**)

۲۔ عقد نکاح ہی میں ان شرائط کا ذکر کیا جائے، عقد نکاح سے پہلے ہی سے شرائط وغیرہ کو طے نہ کیا گیا ہو تو اس صورت میں لازم یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو اور وہ مشروط ہو تفویض طلاق کے ساتھ تب ہی تفویض صحیح ہوگی ورنہ تو تفویض طلاق صحیح نہیں ہوگی، چنانچہ ایجاب عورت ہی کی جانب سے ہو لیکن مشروط نہ ہو یا ایجاب مرد کی جانب سے ہو اور قبول مشروط ہو ہر دو صورتوں میں تفویض طلاق صحیح نہیں ہوگی۔ (در مختار، عالمگیری وغیرہ)

۳۔ عقد نکاح کے بعد طرفین کی جانب سے کوئی طلاق نامہ تحریر کریں اور اس پر شوہر سے دستخط لے لیں جسے شوہر منظور کرتے ہوئے دستخط کردے تو یہ تحریر بھی شرعاً تفویض طلاق کی ہوگی لیکن اس میں تمام اختیار شوہر کو ہوگا نکاح پہلے صحیح ہوچکا ہے، اب اگر شوہر اس کو تسلیم نہ کرے تو نکاح کے صحیح ہونے پر کسی قسم کا اثر نہیں ہوگا، لہذا یہ شکل اس عورت کے لئے مفید ثابت ہوسکتی ہے جو وقت نکاح شرائط تفویض نکاح نہ لگاسکی ہو۔ چنانچہ اس صورت میں اگر شوہر ان شرائط کو تسلیم نہ کرے تو اس کو مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے۔

اب ان مذکورہ تینوں صورتوں کے اختیار میں چند شرائط و ضوابط کا لحاظ کرنا ضروری ہے تاکہ مصالح نکاح کی حفاظت ہو اور مصالح شرعیہ ضائع نہ ہونے پائیں۔

شوہر کے ذمہ لازم ہے کہ وہ تحریر میں جو شرائط تحریر کرائے اس کے بارے میں خود بھی غور و خوض کرے اور اہل علم و فہم سے مشورہ کرلے تاکہ بعد میں پریشانی و پشیمانی نہ ہو، چونکہ شوہر کو تفویض طلاق کے بعد اس تفویض سے رجوع کا حق نہیں رہتا اور تفویض طلاق کے بعد عورت طلاق کی مالک بن جاتی ہے اس طرح مہر کے معاف کرنے کی شرط کا بھی کابین نامہ بطور خاص تحریر کروادے۔ (**عالمگیری ج ۲ ص ۷۵**)

اسی طرح عورت اور اس کے ولی یا وکیل کے لئے لازم ہے کہ معلوم کرلے کہ اس کا بین نامہ کی شرائط قانونا معتبر ہیں یا نہیں، نیز اس کا بین نامہ کی رجسٹری کرلے تا کہ اس کی قانونی حیثیت ہوجائے۔ اسی طرح دونوں خاندانوں کے ان افراد پر بھی لازم ہے جو اس کا بین نامہ کو ترتیب دلوانے والے ہیں کہ وہ جب قاضی صاحب سے یا کسی بھی قاری النکاح سے یہ کا بین نامہ تحریر کرائیں تو اس میں حسب ذیل باتوں کا بطور خاص خیال رکھیں۔

۱۔ جس وقت عورت کی طرف سے وہ خود یا اس کا وکیل و ولی ایجاب کرے، یہ کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسماۃ فلاں کو تمھارے نکاح میں ۔۔۔ اس شرط پر دیا کہ جس وقت اس کو تم سے کوئی شدید تکلیف پہونچے گی جس کو فلاں فلاں (اس جگہ کم از کم دس آدمیوں کے نام بہ اتفاق آراء تحریر کریں) اشخاص میں سے دو تسلیم کرلیں اور طلاق دینا مناسب سمجھیں۔ یہ دونوں شرطوں کا بڑھادینا ضروری ہے۔

۲۔ اسی طرح تعلیق طلاق کی تحریر میں "اگر چاہے" کالفظ استعمال نہ کیا جائے، ورنہ تفویض خاص اسی مجلس کے ساتھ مقید ہوجائے گی، اور مجلس کے ختم ہوجانے کے بعد عورت کو اختیار طلاق باقی رہے گا اور ایسے ہی "جب کبھی چاہے" کے الفاظ بھی استعمال نہ کریں ورنہ ہمیشہ کے لئے حتی کہ اعادہ نکاح کے بعد بھی اس کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار رہے گا جب تک کہ تین طلاق پوری نہ ہوجائیں، جب کہ عورت کو ایسا اختیار دینا ضرورت سے زائد اور مصلحت کے خلاف ہے۔

۳۔ ایسے ہی تعلیق طلاق کی جو تحریر ہو اس میں عورت کو جو ایقاع طلاق کا حق دیا جائے اس کو موقت بالوقت کردینا چاہئے یعنی ایک ماہ یا دو ماہ، جیسے مسماۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ وہ اسی وقت یا خلاف شرط تسلیم ہوجانے سے ایک ماہ تک جب چاہے اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہوجائے۔

۴۔ نیز تفویض طلاق میں ہمیشہ طلاق بائن لکھوائی جائے، طلاق ثلاثہ کبھی بھی نہ لکھوائی جائے۔

تفویض طلاق بوقت نکاح

عورت و مرد کے باوقار سبندھ کو نکاح کہتے ہیں، شریعت اسلامیہ نے اس سبندھ کو برقرار رکھنے اور پروان چڑھانے کو باعث اجر عظیم قرار دیا ہے۔ چنانچہ صلہ رحمی ایک بڑی نیکی ہے تو قطع رحمی گناہ کبیرہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض حالات میں انسانی معاشرہ کے لئے اصلاحی پہلو کے اعتبار سے اس کو لازم و واجب قرار دیا گیا ہے۔

جب یہ پہلو واضح ہوگیا کہ نکاح کا شریعت اسلامیہ ہی کی نہیں بلکہ دنیا کے تمام صحیح ادیان کی تعلیمات میں بلند مقام ہے اور اس کو عزت و وقار کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، تو اس سے یہ بھی بات صاف ہوگئی کہ اس کو ختم کرنا اور سلسلہ مناکحت کو قطع کرنا عام حالات میں کیسے پسندیدہ ہوسکتا ہے؟ چنانچہ اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے

اسی حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے " **ان ابغض المباحات عند الله الطلاق** " اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس بابرکت قول سے جہاں طلاق کا عام حالات میں ابغض ہونا معلوم و ظاہر ہورہا ہے وہیں یہ بات بھی "المباحات" کے لفظ سے معلوم ہو رہی ہے کہ یہ عمل طلاق مخصوص حالات میں مخصوص الفاظ و کلمات کے ذریعہ انجام دینا نہ صرف مباح بلکہ ایک لازمی و لا بدی امر بن جاتا ہے۔ نیز بدلتے ہوئے حالات اور زمانے کی نیرنگیوں نے اور انسانی طبقہ کی بے مہاری اور خیالات و تفکرات کی آزادی نے پورے انسانی طبقہ اور خاص طور پر اسلامی معاشرہ کو ایسا متاثر کیا ہے کہ وہ بیان سے باہر ہے، چنانچہ یہ صنف نازک جو مرد کے پہلو بہ پہلو رہ کر تو یقینا بہت سے عظیم کارنامے انجام دے سکتی ہے، لیکن جب میاں اور بیوی میں کسی وجہ سے ناچاقی ہوجائے اور دونوں کا مزاج آپس میں میل نہ کھائے تو مرد اس صنف نازک پر ظلم و زیادتی کے پہاڑ توڑتا ہے جو نہ صرف ناقابل برداشت بلکہ ناقابل بیان ہیں، کبھی بے رخی سے پیش آتا ہے تو کبھی زدو وکوب کرتا ہے، کبھی نان و نفقہ کے لئے اسے تڑپاتا اور ترساتا ہے تو کبھی بال بچوں کو چھوڑ کر پردیس چلا جاتا ہے، اور سالہا سال کے لیے لاپتہ ہوجاتا ہے۔ اگر اس کا پتہ مل جاتا ہے تو قاضی صاحب کے یا اہل خانہ کے بار بار اصرار پر نہ تو طلاق دیتا ہے اور نہ ہی خلاصی کو منظور کر کے مسئلہ کی یکسوئی کرتا ہے، بعض مرتبہ یتیم بچیوں کا نکاح اس کے چچا یا دوسرے اولیاء مال کی لالچ میں یا اس بوجھ کو سر سے جلد اتار پھینکنے کے ارادہ سے کسی نامناسب اور غیر موزوں جگہ پر کردیتے ہیں جس کو لڑکی ناپسند کرتی ہے۔ اسی طرح بعض مرتبہ مرد کو جنون یا کوئی ایسا مرض لاحق ہوجاتا ہے جس سے علیحدگی شرعا لازم ہوجاتی ہے، یہ وہ مسائل ہیں جن سے آج مسلم معاشرہ دوچار ہے جن کا حل تھا اور آج بھی ہے وہ دارالقضاء (شرعی اسلامی عدالت) لیکن ملک کی بڑھتی ہوئی آبادی، اور اس کے طویل و عریض رقبہ کے اعتبار سے ان دارالقضاؤں کا وجود ناکافی ہے۔ بلکہ بعض علاقے تو ان سے آج بھی خالی ہیں جبکہ مذکورہ مسائل کسی خاص علاقہ یا خطۂ ارض سے ہی متعلق نہیں ہیں، اب اگر وہ اپنے نکاح کو فسخ کروانے کی غرض سے عدالت میں دعوی دائر کرے تو بعض دفعہ غیر مسلم حاکم اس کا فیصلہ کرتا ہے جو شرعا نافذ نہیں ہوتا ہے اور گاہے ماہے حاکم مسلم ہی فیصلہ کرتا ہے لیکن چونکہ وہ باضابطہ شرعی علوم سے واقف نہیں ہوتا ہے اس لئے شرعی قواعد کا لحاظ کئے بغیر ہی فیصلہ صادر کردیتا ہے جس کی وجہ سے اس کا فیصلہ قابل اطمینان نہیں ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا وجوہات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اگر اس قسم کی تحریر وقت نکاح لکھ کر اس پر زوجین و شاہدین سے دستخطیں کروالی جائیں جس میں طلاق کا اختیار عورت کو بعض شرائط کے ساتھ دیدیا جائے تاکہ وہ ظلم و زیادتی کی صورت میں اس دئے ہوئے طلاق کے حق کو استعمال کر کے شوہر کی مرضی نہ ہوتے ہوئے بھی آزاد ہوسکے۔ چنانچہ اس تحریر کو "کابین نامہ" کہتے ہیں، اور ضرورت کے تحت اس قسم کی تحریر سے کام لینا شرعا جائز ہے۔ بعض

حضرات نے اس کو نکاح معلق میں داخل کر کے اس پر شبہ کیا ہے حالانکہ یہ نکاح معلق ہرگز نہیں ہے بلکہ تفویض معلق ہے اور جو نکاح تفویض معلق سے مشروط ہو وہ نکاح بھی صحیح ہوجاتا ہے اور اس تفویض معلق کی شرط بھی لاگو ہوجاتی ہے جب کہ شوہر نے اسے قبول کرلیا ہو۔

البتہ ایک خاص بات کا اس جگہ خیال رکھا جائے، چونکہ عورت ناقص العقل والدین ہوا کرتی ہیں اور اس میں دور اندیشی اور انجام سے بے خبری ایک امر مشاہد ہے اس لئے ایقاع طلاق کو مطلقا اس کے قبضہ میں دے دینا خطرہ سے خالی نہیں ہوگا اس لئے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ تفویض طلاق میں کوئی قید ایسی لگادی جائے جس سے یہ خطرہ نہ رہے مثلا نکاح کے وقت عورت کی طرف سے خود یا اس کا ولی یا وکیل یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا میری مؤکلہ مساۃ فلاں بنت فلاں کو تمہارے نکاح میں بمعاوضہ مہر ۔۔۔ روپیہ سکہ رائج الوقت کے اس شرط پر دے دیا کہ جس وقت اس کو تم سے کوئی تکلیف شدید پہونچے گی جس کو فلاں فلاں (اس جگہ تقریبا دس آدمیوں کے نام بتراضی طرفین دونوں خاندانوں کے تحریر کئے جائیں) اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کرلیں اور وہ دونوں آدمی طلاق کو بالاتفاق مناسب بھی سمجھیں تو اس کے بعد معاملہ میرے یا اس کے اختیار میں ہوگا (اس جگہ مرد کے لئے ایک مفید بات یہ ہے کہ وہ مہر معاف کرنے کی شرط لگالے (البحر الرائق) کہ اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس نکاح سے علیحدگی اختیار کرلے اس صورت میں طلاق کا اختیار عورت کو اس وقت حاصل ہوگا جب کہ وہ دونوں آدمی بالاتفاق تکلیف شدید کو تسلیم کرلیں اور طلاق کو مناسب سمجھیں (الحیلۃ الناجزۃ)۔

اب یہ کہ تفویض طلاق کی کتنی اور کیا کیا صورتیں ہوسکتی ہیں تو اس سلسلہ میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے "الحیلۃ الناجزۃ" میں تین صورتیں تحریر فرمائی ہیں۔ جو یہ ہیں۔

"تفویض طلاق کی تین صورتیں ہیں، ایک یہ کہ نکاح سے قبل کابین نامہ مع شرائط لکھوالیا جائے اور نکاح کے وقت اس پر دستخط لے لئے جاویں، دوسری صورت یہ کہ عین وقت عقد زبان سے کہلوالیا جائے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ بعد نکاح ان شرائط کو لکھوا کر بعد میں دستخط حاصل کرلی جائیں"

اب پہلی صورت کے مفید اور معتبر ہونے کے لئے اس میں نکاح کی طرف اضافت و نسبت ضروری ہے، مثلا یہ تحریر کیا جائے کہ اگر میں فلاں بن فلاں کے ساتھ نکاح کروں اور پھر شرائط مندرجہ اقرار نامہ ہذا میں سے کسی شرط کے خلاف کروں تو مساۃ مذکورہ کو اختیار ہوگا کہ اس وقت یا پھر کسی وقت چاہے اپنے اوپر طلاق بائن واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہوجائے۔ اگر اس میں اضافت نہ ہو تو یہ شرط بے کار و بے فائدہ ہوگی۔

دوسری صورت کے صحیح ہونے کے لئے یہ شرط ضروری ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو (چاہے

خود عورت یا اس کا وکیل ولی) عقد نکاح کے وقت تمام شرائط ذکر کرے اور شوہر کی جانب سے قبول ہو۔

ان مذکورہ صورتوں میں آسان صورت جس میں عوام کے مغالطہ میں پڑنے کا اندیشہ نہیں ہے وہ صرف پہلی صورت ہے کہ عقد سے پہلے ہی ایسی تحریر لکھوالی جائے ۔ البتہ اس میں لازم یہ ہے کہ اضافت الی النکاح ضرور ہونا چاہئے ۔یعنی یہ الفاظ ضرور لکھوائے جائیں کہ اگر میں فلاں بنت فلاں سے نکاح کروں اور پھر فلاں فلاں شرائط کے خلاف کروں ... الخ۔ اگر یہ اضافت نہ پائی گئی تو یہ تحریر کالعدم ہوگی۔

اب رہی بات ان شرائط کی جو تحریر میں ذکر کی جائیں تو اس سلسلہ میں اہل فہم و تجربہ کار ۔ نیز قانون داں حضرات سے مشورہ کر لیا جائے ۔ اور ان سے یہ معلوم کرلیا جائے کہ یہ شرائط قانون میں معتبر ہیں یا نہیں ۔اور حسب صراحت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اس کابین نامہ کی رجسٹری بھی ہوجائے تو زیادہ بہتر ہے تاکہ بعد میں اس کو تسلیم کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ بھی موضوع بحث نہ بن سکے ۔

آخری بات

کابین نامہ کی جو صورتیں ذکر کی گئیں ہیں ان پر عمل ان علاقوں میں جہاں پہلے سے نکاح کے وقت زوجین کو سیاہ جات دئے جاتے ہیں اور نکاح کا باضابطہ رجسٹرڈ ادارے منضبط و منظم ریکارڈ رکھتے ہیں بہت آسان ہے جیسے علاقہ مہاراشٹر و آندھرا پردیش وغیرہ ۔ اور اس کی ضرورت ملک کے ان مقامات پر زیادہ محسوس کی جارہی ہے جہاں سرے سے دار القضاء کا کوئی باضابطہ نظم نہیں ہے ۔البتہ ملک کے وہ علاقے جہاں الحمد للہ دار القضاء قائم ہیں اور جو اصول شرعیہ کے مطابق مصروف خدمت ہیں عام لوگوں کا کام ہے کہ وہ اپنے اس قسم کے مسائل جس میں قضاء قاضی شرط ہے اس کو وہیں لے جائیں ۔ اور قاضی صاحب کے شرعی فیصلوں پر عمل پیرا ہوں ۔

اللہ تبارک و تعالی ہمیں ہر حالت میں شریعت مطہرہ پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین

اشتراط فی النکاح

ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی *

الحمد للہ و الصلاۃ و السلام علی رسول اللہ وعلی الہ وصحبہ اجمعین اما بعد

النکاح لا یبطل بالشروط الفاسدۃ (المختصر القدوری مع حاشیۃ التنقیح الضروری ص ۱۲۳) کے تحت:

(الف) سوال نمبر (۱) اور (۲) کا نکاح پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا بہرکیف عورت کا نفقہ مرد پر واجب ہوجاتا ہے

(ب) سوال نمبر (۳) ان شرائط سے نکاح کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا مگر لازم الایفاء ہیں۔

(ج) تفویض طلاق سے مصالح شرع ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، اس لئے اس کے ساتھ احتیاط کے طور پر مزید شرائط لگائی جاسکتی ہیں تا کہ بیجا تصرف نہ ہو۔

(۱) اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہے، کے سلسلے میں طلاق کے واقعات کو روکنے کے لئے صاحبین کے قول کو فتوی کے لئے اختیار کیا جاسکتا ہے۔ " **لان کل واحد منهما مفید فیصحان جمیعا** " (**شرح وقایۃ حاشیۃ الچلبی کتاب النکاح ص ۲۸**)

(۲) سوال نمبر، دونوں شرطیں معتبر اور لازم العمل ہوں گی۔

* استاذ مرکز الدراسات الاسلامیہ، مسور، کرناٹک

(۳) اگر عورت نکاح کے وقت اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگاتی ہے کہ شوہر اسے لگی ہوئی ملازمت سے نہ روکے گا، یا آئندہ کوئی مناسب ملازمت مل جائے تو شوہر ملازمت سے نہیں روکے گا، تو ہندوستان کے موجودہ اقتصادی اور سماجی مصالح کے پیش نظر شوہر کے لئے اس کی پابندی ضروری ہوگی۔ اور اگر عورت کی جملہ ضروریات پوری نہیں کی جاسکتیں، اس پر شوہر کے حکم کی تعمیل ضروری نہیں ہے۔

اشتراط فی النکاح

مولانا نذر توحید مظاہری ☆

۱ ۔ عقد نکاح میں کوئی ایسی شرط جس کا خود عقد مقتضی ہو، لگانے سے نکاح منعقد ہوجائے گا اور جائز ہوگا اور اس شرط کو بطور صراحت شمار کیا جائے گا ۔

۲ ۔ نکاح میں کوئی ایسی شرط لگانا جو مقتضاء عقد کے منافی ہو تو شرط باطل اور نکاح منعقد ہو جائے گا ۔

۳ ۔ عقد نکاح میں کوئی شرط لگانا جو نہ مقتضاء عقد کے مطابق ہو نہ منافی ہو، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا، یا بیوی کو اس کے آبائی وطن ہی میں رکھے گا، تو ایسی شرط کی پاسداری شوہر پر لازم ہوگی (**ھدایۃ ج ۱ ص ۳۲۹**)۔

(الف) دوسری قسم کی شرط لگانا شرعاً لغو ہے، اس طرح کی شرط لگانے سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے اور ایسی شرط کا ایفاء متعلقہ فریق کے لئے لازم و ضروری نہیں ۔

(ب) تیسری قسم کی شرط معتبر ہے لازم الایفاء ہے اور عقد نکاح جائز ہے ۔

(ج) عقد نکاح کے وقت عورت اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار مانگتی ہے اور شوہر اس کو تسلیم کرلے تو شرعاً ایسی شرط کو تفویض طلاق کہتے ہیں تفویض طلاق کا مسئلہ حضرت اقدس تھانوی نے اپنی مشہور تالیف **الحلیۃ الناجزۃ** میں ذکر فرمایا ہے ۔ سوال میں مذکورہ تمام شقوں کا تقریباً کافی و شافی جواب اس میں موجود ہے اس سلسلہ میں کابین نامہ کے مسودے تحریر فرمائے ہیں اور اس رسالہ پر تقریباً تمام علماء کی تصدیقات موجود ہیں اور

☆

مہریں بھی ثبت ہیں اس زمانہ کی رہنمائی کے لئے مسائل مذکورہ الحیلۃ الناجزۃ کافی ہیں ۔ تاہم سوالات کے اجمالا جوابات عرض ہیں ۔

۱۔ عقد نکاح سے پہلے شرائط طے ہوجائیں اس میں شرط یہ ہے کہ اضافت الی النکاح ہو تو وہ تحریر شرعا معتبر ہوگی (**الحیلۃ ص ۳۱**)

۲۔ عین عقد کے وقت اگر شرائط ذکر کئے جائیں تو صحیح اور معتبر ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایجاب مشروط ہو اور قبول مطلق (**الحیلۃ ص ۳۲**)

۳۔ عقد نکاح کے بعد بھی مابین طرفین کوئی شرائط نامہ تحریر کی جاسکتی ہیں **الحیلۃ ص ۳۳**، ہرسہ صورتوں کی شرائط و قیودات **الحیلۃ** میں موجود ہیں ۔

۱۔ طلاق ایک ناپسندیدہ چیز ہے اور بعض ناگزیر حالات میں ایک ضرورت بھی ہے ، لیکن اس کے غلط اور بے جا استعمال سے معاشرہ میں بڑی خرابیاں پیدا ہورہی ہیں جن سے سارے خاندان والے اور میاں بیوی متاثر ہوجاتے ہیں ، لہذا طلاق کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے اگر عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر ایک لاکھ روپے اور طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار روپے ، جزئیات فقہ کو دیکھتے ہوئے اس طرح مہر طے کرنا جائز اور معتبر ہوگا اور دونوں شکلوں میں مہر مسمی لازم ہوگا اور طلاق کے واقعات کو روکنے کے لئے اس مسئلہ کی نظیر صاحبین کے قول کو فتوی کے لئے اختیار کیا جائے ۔

۲۔ اگر نکاح کرتے وقت شوہر نے منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی عورت سے نکاح کیا تو اس کا مہر ۳۰ ہزار روپے ہوگا اور نکاح نہ کیا تو پندرہ ہزار روپے ہوگا ، اس صورت میں صاحبین کے قول کو اختیار کرتے ہوئے فتوی دیا جائے ، اور ان کے قول کے مطابق شریعت میں دونوں شرطیں معتبر اور لازم العمل ہیں ۔

۳۔ عورتوں کا یہ شرط لگانا کہ اسے شوہر ملازمت سے نہ روکے یا آئندہ ملازمت ہوجائے تو نہ روکے اگر شوہر اس شرط کو قبول بھی کرلیتا ہے تو شرعا اس کی کوئی حیثیت نہیں ، عورت کو اگر شوہر اس کے بعد بھی بسلسلہ ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے یا نئی ملازمت سے منع کرتا ہے تو عورت کو اس حکم کی تعمیل ضروری ہوگی ، کیونکہ ملازمت کا اہم مقصد معاوضہ میں رقم حاصل کرنا ہے اور یہ چیز تزویج کے ذریعہ عورت کو حاصل ہے چونکہ نفقہ و کسوی و مہر شوہر پر لازم ہے اگر شوہر نہ دے تو جبرا بذریعہ عدالت عورت کو حاصل کرنے کا اختیار ہے اس لئے عورت کو ملازمت کی کوئی حاجت نہیں ۔

واللہ اعلم بالصواب

اشتراط فی النکاح

مولانا محمد اختر قاسمی ☆

نکاح یعنی رشتہ ازدواج ایک اہم ترین رشتہ ہے اس کی درستگی پر نظام خانگی کی اجتماعی درستگی کا انحصار ہے۔ نکاح سے مقصود یہ ہے کہ میاں بیوی نکاح کے ذریعہ سے پاک و صاف باعفت زندگی بسر کریں گے، جانوروں کی طرح شہوت رانی اور جنسی تقاضا پورا کرنا مقصود نہیں ہے، بلکہ بیوی کے ساتھ مستقل رہنے سہنے، نباہ کرنے، کا ارادہ ہو، فقہا نے متعدد شرطیں کتاب و سنت کے مزاج کو سمجھ کر اور اس سے اخذ کرکے لگائی ہیں، جن کے مجموعہ سے عرف میں نکاح منعقد ہوجاتا ہے اور جن کے پائے جانے سے نکاح کا ثبوت ہوجاتا ہے۔ **ولا جناح عليكم فيما تراضيتم به من بعد الفريضة ان الله كان عليما حكيما** (ترجمہ) اور تم پر اس مقدار کے بارے میں جس پر تم (مہر کے مقرر ہوجانے کے بعد) باہم رضامند ہوجاؤ کوئی حرج نہیں بے شک اللہ بڑا جاننے والا ہے اور بڑا حکمت والا ہے (**سورة النساء الآية** ۲۴) اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ مہر کی مقدار کوئی ایسی شئے نہیں ہے جو ایک مرتبہ بندھ جانے کے بعد کسی طرح کی تبدیلی کی متحمل نہ ہو بلکہ میاں بیوی باہمی رضامندی سے اسے گھٹا بڑھا سکتے ہیں، یا بالکل معاف بھی کرسکتے ہیں۔

(۲) موجودہ دور میں خوشگوار زندگی گزارنے کے لئے موجودہ سامان سے آراستہ ہونے کا معاملہ ہے، اور بہت سے فروعی مسائل جن کے لئے نئے قالب کی ضرورت ہے، موجودہ دور کی بہت سی ضرورتیں اور بہت سی خواہشیں ایسی ہیں جن پر فوری توجہ کی ضرورت ہے جس کے ذریعہ وقت کی ضرورت پوری ہوجائے، اگر موجودہ دور میں ان

☆ مہتمم جامعہ اسلامیہ، ریڑھی تاجپورہ، ضلع سہارنپور

ضرورتوں کا لحاظ نہ کیا گیا تو شریعت اور معاشرہ کا رشتہ ضعیف ہو کر رہ جائے گا (**احکام شرعیہ ص ۲۷**) حالات و ضروریات کے لحاظ سے فروعی احکام میں اختلاف فقہاء سے اور سلف صالحین کے طریقہ سے ثابت ہے۔ جیسا کہ صاحب احکام شرعیہ (تبصرۃ الحکام کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں **وھذہ المباینات و الا ختلافات کثیرۃ فی الشرع الخ** (**احکام شرعیۃ ص ۱۳۲**) ضرورت کی مجبوری کی وجہ سے محدود گنجائش نکالنے میں کوئی حرج نہیں "**فان التکلیف مشروط بالامکان**" کیونکہ شریعت کی تکلیف امکان کے ساتھ مشروط ہے حالات و زمانہ کی رعایت اور عام ابتلا کی وجہ سے اور ایسے ہی دور کی تبدیلی سے بہت سے احکام میں تبدیلیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ جن تبدیلیوں کو قبول کئے بغیر چارہ نہیں، جن مذاہب میں شرعی حدود کو دخل نہیں وہ بڑی آسانی سے ہر قسم کی تبدیلیوں سے سمجھوتہ کرلینے پر تیار ہوجاتے ہیں اور اپنی پریشانیوں کا حل قوم و وطن کے نام سے کرلیتے ہیں، لیکن جن مذاہب کی تعلیم کا دائرہ بہت وسیع ہے، ان پر دور کی تبدیلی سے قدم قدم پر ٹکراؤ کی صورت نمودار ہوتی ہے۔ (احکام شرعیہ) نکاح کے باب میں شریعت نے جس چیز پر زیادہ زور دیا ہے وہ یہ ہے کہ نکاح کے بنیادی حقوق پامال نہ ہونے پائیں، اور پر مسرت زندگی میاں بیوی کے درمیان قائم رہے، اور جس پر بے پروائی سے ضرب نہیں لگانی چاہئے، جس کی وجہ سے تصادم اور بغاوت اور نکاح کا مقصود فوت ہوجائے، قرآن مجید اپنے مخصوص لطیف اور بے نظیر پیرایہ میں فرماتا ہے " **و آتوا النساء صدقاتھن نحلۃ** " یعنی عورتوں کے مہر خود ان کو خوشی سے دیدو جو تمہاری جانب سے ان کے لئے عطیہ و پیشکش ہیں۔ سنا گیا ہے کہ یوروپ کی ازدواجی زندگی میں مہر کا وجود نہیں اور نفقہ کی سنگین ذمہ داری بھی عورت کے کندھوں پر ڈال دی گئی ہے، لیکن اسلام مذہب میں مہر جامع دستور حیات کی دفعات میں سے ایک ہے جو خداوند قدوس نے نوع نسوانیت کے لئے بہت بڑا انعام دیا ہے، اکثر عورتیں جذبات کی تابع ہوتی ہیں اور اکثر مرد عقل کے تابع ہوتے ہیں، اکثر دیکھا گیا کہ عورتیں ذہنی اعتبار سے نہ صرف مردوں کے برابر بلکہ بعض اوقات ان سے برتر ہوتی ہیں، عورتوں کی کمزوری حد درجہ جذباتی ہونا، اور مرد کے مقابلہ میں عورت کے شہوانی جذبات بعض اوقات شدید ترین ہوجاتے ہیں " **الرجال قوامون علی النساء** " مرد عورتوں کے امور کے انتظام کرنے والے ہیں اور ان کی کفالت کرنے والے اور ان پر احکام نافذ کرنے والے ہیں۔

(۱) ایسے شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی بلکہ وہ بلاشرط کے بھی ضروری ہیں اور بعد شرط کے بدرجہ اول ضروری ہیں (فتاوی دارالعلوم جدید)۔

(۲) نکاح کے وقت ایسے شرائط لگانا جس کا مقصد نکاح میں خلل ڈالنا ہو تو ان بیہودہ شرائط پر عمل کرنا ضروری نہیں اور ان پر کاربند نہ ہو، ایسی شرائط کے ساتھ نکاح کرنے سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے، شرط باطل ہوجاتی ہے

" **لایبطل بالشروط الفاسدۃ شامی ج ۲ ص ۳۵۳** " نکاح میں کوئی فساد اور بطلان نہیں آتا (**امداد الفتاوی ص ۱۱۸**) مشروط نکاح درست ہیں اگرچہ شرائط پورے نہ کرے ۔

(۳) جو شرط خلاف شرع نہ ہو اس کو پورا کرنا واجب ہے اور جو خلاف شرع ہو اس کو پورا کرنا واجب نہیں ، شوہر پر ان کو دیانتا پورا کرنا ضروری ہے (**یا ایھا الذین اوفوا بالعقود** اے ایمان والو اپنے عہدوں کو پورا کرو) شوہر پر وعدہ خلافی کا گناہ ہوگا ، یہ الگ چیز ہے **قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احق الشروط ان توفوا بہ (الحدیث)** اگر شرط عین ایجاب و قبول کے وقت پیش کی گئی اور پیش بھی لڑکی کی جانب سے کی گئی اور خاوند نے منظور کرلیا تو در صورت خلاف ورزی عورت کو اختیار رہے گا ۔

اور اگر شروط قبل از نکاح پیش ہوئیں یا بوقت نکاح خود شوہر نے پیش کیں اور لڑکی کے اولیاء نے قبول کرلیا تو اس صورت میں خلاف ورزی کرنے پر کسی قسم کی طلاق نہیں پڑے گی

فتاوی دار العلوم قدیم ج ۳ ص ۳۲۵

(ج) عقد نکاح کے وقت طلاق دینے کا اختیار شوہر اپنی عورت کو دیدیتا ہے یا کسی غیر کو دیتا ہے جس کو اختیار دیا ہے اسے اختیار کے استعمال کرنے کا حق ہے **کفایت المفتی ج ۶ ص ۳۱۷** ۔

اور اگر اپنی عورت کو اختیار دیا ہے تو اس سے رجوع نہیں کرسکتا ۔

و لا یرجع من فوض الطلاق الی امرأتہ منہ لان التفویض فیہ معنی الیمین ۔ و الیمین تصرف لازم فلا یصح رجوعھا (شرح نقایۃ ج ۲ ص ۳۳ و ھدایۃ)

اور اگر عورت کے علاوہ کسی تیسرے کے ہاتھ میں اختیار طلاق دیدیا ہے تو اس سے رجوع کرسکتا ہے ۔ **و الی غیرھا و یرجع الزوج منہ متی شاء سواء کان ضرتھا او شخصا آخر لانہ انما استعان لغیرہ لیکون التصرف لہ لا علیہ فلو الزمناہ لحقہ الضرر (شرح نقایۃ ج ۲ ص ۳۲)** اس لئے کہ یہ توکیل ہے اور توکیل سے اس کو علاحدہ کرسکتا ہے ۔

(د) عورتوں پر شوہر کی اطاعت لازم ہے اور وہ عورت کے باہر نکلنے پر اور ملازمت کرنے پر پابندی لگاسکتا ہے اور شوہر پر عورت کا نفقہ اسی وقت لازم ہے جبکہ وہ فرماں برداری کرے اور بغیر اس کے حکم کے گھر سے نہ نکلے ، **خارجۃ من بیتہ (شامی باب النفقہ ج ۲ ص ۲۷۲)** جو عورت بلا کسی حجت شرعیہ کے مرد کی نافرمانی کرے ، ساتھ سونا چھوڑ دے یا سخت کلامی کرے یا ستر پردہ اور غیر محارم کے روبرو ہونے میں کہا نہ مانے ، یا والدین کے گھر رہنا پسند کرے خاوند کے یہاں نہ آئے ، اس عورت کو ناشزہ کہتے ہیں ، اس کو نان و نفقہ دینا واجب نہیں

(تفسیر حقانی ج ۲ ص ۱۲)

اشتراط فی النکاح

مولوی نوشاد عالم قاسمی ☆

ایسی شرائط جس کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ دری عائد نہ ہو بلکہ عقد نکاح سے جو ذمہ داری کسی فریق پر عائد ہوتی ہو اس کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کردیا گیا ہو تو ایسی شرائط کا لگانے سے اور نہ لگانے سے کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ ایسی شرطیں عقد نکاح سے وجود میں آجاتی ہیں، چاہے اس کا تذکرہ ہو یا نہ ہو۔

باب الشروط فی النکاح وهی قسمان صحیح و فاسد . فالصحیح نوعان احدهما یقتضیه العقد کتسلیم المراة الیه و تملیکه من الاستمتاع بها فهذاالشرط لا یؤثر فی العقد وجوده کعدمه (الشرح الکبیر ج ۷ ص ۵۷۲)

بوقت عقد نکاح ایسی شرط لگائے جو مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی ذمہ داری کے خلاف ہو، مثلاً شوہر نکاح کے وقت یہ شرط لگاتے کہ بیوی کا نان نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا۔ ایسی تمام شرطیں باطل ہوجائیں گی اور نکاح منعقد ہوجائے گا۔ نیز نکاح کے جو تقاضے ہیں، فریقین پر اس کی تکمیل لازمی ہوگی۔

القسم الثانی ما یبطل الشرط و یصح العقد مثل ان یشترط ان لا مهر لها. لان تضمن اسقاط حقوق تجب بالعقد قبل انعقاده فلم یصح کما لو اسقط الشفیع شفعه قبل البیع (مغنی لابن قدامة ج ۷ ص ۲۵۰)

بوقت عقد نکاح ایسی شرط لگانا جو مذکورہ دونوں صورتوں میں کسی شرط کے دائرے میں نہ آتی ہو، مثلاً بیوی یہ

☆ ..

شرط لگائے کہ اس کی موجودگی میں شوہر دوسری شادی نہ کرے گا۔ یا اس کو آبائی وطن سے باہر نہ لے جائے گا ایسی شرطوں کا بھی شریعت میں کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ یہ محض ایک وعدہ ہے جس کی تکمیل شوہر پر لازم نہیں (الشرح الکبیر ج ۷ ص ۵۲۲)

ج۔ عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اس کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا۔ یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، اور شوہر اس شرط کو قبول بھی کرلیتا ہے، تو عورت کو اب طلاق کا حق ہوجائے گا، اور عورت کے اس اختیار کو ختم کرنے کا حق مرد کو نہ ہوگا۔ لیکن ضروری یہ ہے کہ شرط کی نسبت عقد نکاح کی طرف کی گئی ہو ورنہ شرط کا اعتبار نہ ہوگا۔

نکحها علی ان امرها بیدها صح۔ مقید بما اذا ابتدات المراة اما لو بدا الزوج لا تطلق و لا یصیر الامر بیدها (شامی ج ۲ ص ۵۲۲)

نکاح میں شرط کی تین صورتیں ہیں

اگر عقد نکاح سے قبل شرائط طے ہوجائیں اور اس کی تحریر پر طرفین کا دستخط ہوجائے۔ ایسی شرط اس وقت قابل قبول ہوگی جب اس کی نسبت نکاح کی طرف کی جائے اور بوقت نکاح اسکی توثیق کی جائے۔ (در مختار ج ۲ ص ۵۳۲)

دوسری صورت یہ ہے کہ بوقت نکاح شرط لگائی جائے، ایسی شرط کے صحیح ہونے کے لئے ضروری یہ ہے کہ شرط کی نسبت عقد کی طرف ہو، نیز اس میں لازمی چیز یہ ہے کہ ایجاب مشروط اور قبول مرد کرے یعنی عورت شرط لگائے اور مرد اس کو قبول کرے۔ ورنہ شرط کا اعتبار نہ ہوگا (شامی ج ۲ ص ۵۳۲)

عقد نکاح کے بعد طرفین کی طرف سے کوئی شرائط نامہ تحریر کیا جائے یہ شرط بھی قابل قبول ہے۔ لیکن چونکہ نکاح ہوچکا ہے شوہر کو تمام اختیارات حاصل ہوچکے ہیں اس لئے کسی بھی شرط کی تکمیل و توثیق کے لئے شوہر کی رضامندی ضروری ہے۔ (عالمگیری ج ۲ ص ۲۲۲)

لیکن چونکہ عورت جلد باز ہے اس لئے تفویض کے ساتھ مزید احتیاط کے لئے کچھ قیدیں بڑھائی جائیں جو کہ مفید ہو اور طلاق کا بے جا تصرف نہ ہوسکے (الحیلۃ الناجزۃ ص ۳۲۔۳۵)

قابل التفات پہلو

دور حاضر میں عورتوں کے ساتھ ناروا سلوک کوئی مخفی چیز نہیں، اس لئے بوقت عقد نکاح ایسی شرط لگائی جائے جس سے شوہر کے مظالم میں کمی ہوسکے۔ مثلاً بیوی یہ شرط لگائے کہ اگر طلاق دی گئی تو مہر ۱۵ ہزار ورنہ دس ہزار، تو ایسی شرطیں اگر تکمیل کردی گئیں تو مہر مسمی ہوگا، اور اگر اس کی تکمیل نہ کی گئی تو پھر صاحبین اور امام ابو حنیفہ کے مابین اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں مہر مثل لازم ہوگا۔ لیکن صاحبین فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بھی مہر مسمی (۱۵ ہزار) ہی لازم ہوگا۔ فقہ کی کتابوں میں اس قسم کا جزئیہ موجود ہے۔ مثلاً بیوی یہ شرط لگائے کہ اگر اس کو آبائی وطن میں رکھے گا تو مہر ۱۰ ہزار ورنہ ۱۵ ہزار اسی طرح اور دوسری شرطیں۔

ترجیح جہاں تک احقر کا ناقص خیال ہے کہ صاحبین کے قول کو ہونی چاہئے، کیونکہ وقت و حالات میں تبدیلی اس کی متقاضی ہے، اور ضرورت بھی ہے، اس لئے کہ مرد کی طرف سے دی جانے والی طلاق کے طوفان میں کمی ہوسکتی ہے۔

ان خالفا ابا حنيفة فى ذالك فان كان اختلافهم اختلاف عصر و زمان كالقضاء بظاهر العدالة يأخذ بقول صاحبيه لتغيير احوال الناس فى الزراعة و المعاملة و نحوها يختار قولهما لا جتماع المتأخرين على ذلك. و فيما سوى ذالك قال بعضهم يتخير المجتهد و يعمل بما افضى اليه رايه (فتاوى قاضى خان ج ۱ ص ۳)

سوال ۳۔ اگر بوقت نکاح بیوی یہ شرط لگائے کہ نکاح کے بعد اس کو سفر کرنے کا حق ہوگا، یا پھر اور کوئی دوسرے خلاف شرع کام کرنے کی اجازت ہوگی، اور شوہر کو روکنے کا قطعی اختیار نہ ہوگا، جسے شوہر قبول بھی کرلیتا ہے۔ تو یہ شرط بھی فاسد ہے۔ نکاح منعقد ہو جائے گا۔ اور ذکر کردہ شرطوں کی تکمیل مرد پر لازم نہ ہوگی۔

واللہ اعلم بالصواب۔

اقتباسات

تخصص فی الفقہ اور تربیت قضاء و افتاء کے طلبہ کے مقالات سے منتخب حصے

اشتراط فی النکاح

مولانا محمد شہباز عالم ندوی ☆

نکاح کی ذمہ داریوں کو مشروط کرنا

زوجین کے درمیان رشتہ نکاح کی بنا پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور جس کا ادا کرنا ہر ایک کے ذمہ لازم ہے، شریعت کی جانب سے یہ متعین ہے خواہ نکاح کے وقت ان ذمہ داریوں کا تذکرہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، محض عقد نکاح کی وجہ سے وہ تمام تر ذمہ داریاں ادا کرنا از خود ضروری قرار دی جاتی ہیں، مثلاً شوہر کے ذمہ بیوی کا نفقہ واجب ہوتا ہے، خواہ شرط لگائی گئی ہو یا نہ لگائی گئی ہو، قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ اس کی مؤید ہے۔ ارشاد باری ہے "و على المولود له رزقهن وكسوتهن بالمعروف" (سورة البقرة۔ ۲۳۳)

محض عقد سے یہ ذمہ داری عائد ہوجاتی ہے جب کہ بیوی اس لائق ہے کہ وہ حقوق زوجیت ادا کرنے کی متحمل ہو، لہذا اگر اس قسم کی ذمہ داریوں کو مشروط کردیا جائے تو اس کا پورا کرنا جس طرح پہلے ضروری تھا، یہ اب بھی ضروری رہے گا۔ جیسا کہ الفقہ الاسلامی میں ہے۔

ان كان الشرط صحيحا يلائم مقتضى العقد و لا ينافى مع احكام الشرع و جب الوفاء به ، مثله الشرط الذى تامر به الشريعة كاشتراطها عليه ان يحسن معاملتها (الفقه الاسلامى و

☆ تخصص فی الفقہ دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد

ادلتہ ج ۷ ص ۵۳)

فریقین اپنی ذمہ داریوں سے گریز کریں

نکاح ایک معاہدہ ہے، اس کے ذریعہ زوجین میں سے ہر ایک پر کچھ ذمہ داریاں اور کچھ فرائض کا ادا کرنا ضروری ہوتا ہے، ان میں سے کوئی بھی ان ذمہ داریوں سے بری الذمہ نہیں ہوسکتے، اس لئے شریعت نے اپنی جانب سے ان ذمہ داریوں کو اس رشتہ کے قائم اور بامقصد بنانے کے لئے ضروری قرار دیا۔

لہذا اگر دونوں میں سے کوئی بھی اپنی ذمہ داریوں سے گریز کرنا چاہیں تو اس سے آزاد نہیں ہوسکتے، مثلاً شوہر اس شرط پر نکاح کرتا ہے کہ نکاح کے بعد نان و نفقہ کی ذمہ داری اس پر عائد نہیں ہوگی اور عورت خود اپنی روزی کا انتظام کرے گی۔ تو اب شرط کے ساتھ مربوط نکاح کو تمام ارکان عقد پائے جانے کی وجہ سے درست قرار دیا جائے اور جو شرط لگائی گئی ہے وہ لغو ہوگی، اس لئے کہ شریعت کی جانب سے عقد نکاح ان ذمہ داریوں کے ساتھ مربوط ہے۔ ایسا کبھی بھی نہیں ہوسکتا کہ عقد تو ہوجائے اور نفقہ کی ذمہ داری سے بری ہو۔ فتاوی ہندیہ میں ہے۔

رجل تزوج امراة بالف على ان لا ينفق عليها و مهر مثلها مائة كان لها الالف و النفقة

(فتاوى هندية ج ۱ ص ۳۰۹)

امام نووی نے اس کی مزید وضاحت فرمائی:

" و ان تزوجها بمائة ... او على ان لا يكسوها و لا ينفق عليها فالنكاح صحيح ... و به قال مالك و ابو حنيفة " (المجموع شرح المهذب ج ۱۸ ص ۱۸۔ " دار الارشاد)

لہذا جب ایجاب و قبول کی بنا پر عقد درست ہوگیا تو اب اس کے منافی شرائط کا بالکل اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ عنایہ میں ہے:

" اذا تزوجها بشرط ان لا مهر لها لما بينا ان النكاح عقد انضمام فيتم بالتراضى "

عناية على الفتح ج ۳ ص ۳۰۲۔ باب المهر)

اگر احکام شریعت کے موافق شرائط لگائے گئے تو پورا کرنا درست ہے۔ ورنہ شرط باطل اور عقد درست قرار پائے گا۔

نئی ذمہ داری کی شرط لگانا

زوجین میں سے کسی ایک کی جانب سے ایسی شرط لگانا جو نکاح کی ذمہ داری میں سے نہ ہو۔ بلکہ اگر نکاح کے وقت اس کا تذکرہ نہ ہوتا تو یہ حق حاصل نہ ہوتا۔ اگر اس طرح کی شرط عقد نکاح کے وقت لگائی جائے تو اس سے نکاح پر کچھ اثر نہیں پڑے گا اور نکاح ہوجائے گا۔

لیکن اگر اس میں شریعت کی جانب سے کسی امر مشروع کا انکار لازم آرہا ہے اور اپنے اوپر ایسی چیز کو حرام قرار دینا لازم آرہا ہے، جس کو اللہ تعالی نے حلال قرار دیا ہے ۔ شریعت کی جانب سے اس کی اجازت نہیں ہے کہ جس چیز کو مشروع کیا گیا ہو اور بندہ اسے اپنی طرف سے قید و بند لگا کر حرام قرار دے ۔ چنانچہ سورہ تحریم میں ہے :

لم تحرم ما احل الله لک (سوة مريم.١)

لہذا ایسی شرطوں سے نکاح میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور اس کو پورا کرنا بھی شوہر کے لئے لازم و ضروری نہیں ہوگا ۔ امام مالک نے حضرت سعید کی روایت نقل کی ہے ۔

" مالک انه بلغه ان سعید بن المسیب سئل عن امراة تشترط علی زوجها ان لا یخرج بها من بلد فقال سعید بن المسیب یخرج بها ان شاء ... و انه ان اشترط الرجل لامراة و ان کان ذالک عند عقدة النکاح ان لا آثرکم علیک ... و ان ذالک لیس بشئی " (موطا امام مالک. ١٩٣)

صاحب عنایہ نے وضاحت کی ہے کہ امر مشروع کو اپنے اوپر ممنوع کرنا، چونکہ ایک اعتبار سے شریعت سے ٹکراؤ کی صورت پائی جاتی ہے، اس لئے یہ درست نہیں ہوگا اور عقد نکاح درست ہوگا ۔

" فالنکاح صحیح و ان کان شرط عدم التزوج و عدم المسافرة و طلاق الضرة فاسدا لان فیه المنع عن الامر المشروع " (عنایة علی الفتح ج ٣ ص ٢٣١)

بعض فقہاء کرام اس کی اجازت دیتے ہیں کہ جب شوہر نے شرط قبول کرلی اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کرے گا، یا اپنے آبائی وطن سے باہر نہ لے جائے گا تو اب اس کو قبول کرلینے کے بعد اس کا پورا کرنا ضروری ہوگیا ۔ چونکہ نکاح دوسرے عقود کی طرح شرط فاسد سے ختم نہیں ہوتا ۔ لہذا جب معاملہ درست ہوگیا تو اس شرط کو بھی درست قرار دیں گے جس سے زوجین میں سے کسی ایک کو نفع حاصل ہورہا ہے ۔ سید سابق نے لکھا ہے کہ

" و من الشروط ما یعود نفعه و فائدته الی المراة مثل ان یشترط لها الا یخرجها من دارها او بلدها او لا یسافر بها او لا یتزوج علیها و نحو ذالک فمن العلماء من رائی ان الزواج صحیح و ان هذه الشروط ملغاة و لا یلزم الزوج الوفاء به ۔ و منهم من ذهب الی وجوب الوفاء بما اشترط للمراة فان لم یف لها فلها فسخ الزواج ۔ و الاول مذهب ابی حنیفة و الشافعی و اکثر من اهل العلم " (فقه السنة للسید سابق ج ٢ ص ٢٧)

لیکن چونکہ اس سے امر مشروع کو اپنے اوپر ممنوع و حرام قرار دینا لازم آرہا ہے جو درست نہیں ہے، لہذا امام ابو حنیفہ النعمان اور امام شافعی کے قول کو ترجیح حاصل ہوگی ۔ اور اگر کسی امر مشروع کو حرام قرار دینا لازم نہ آتا ہو پھر ایسی شرط کی پابندی میں کوئی حرج نہیں ہونا چاہئے ۔

مشروط نکاح کی شرعی حیثیت

مولوی انور حسین چترادی ☆

عقد نکاح کے ساتھ عائد کردہ شرطوں کے تینوں قسموں کے جوابات نقل کئے جارہے ہیں۔

جواب۔ ایسی شرط جس کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی بلکہ نفس عقد نکاح سے ہی وہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس کو شرط کی صورت میں عقد نکاح کے وقت ذکر کردیا گیا تھا۔ مثلا بیوی کا یہ شرط لگانا کہ اس کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا، یہ بیوی کی طرف سے ایسی شرط ہے جو بغیر ذکر کئے بھی شوہر کے ذمہ لازم ہوتا ہے ایسی شرط لگانا اور ذکر و عدم ذکر برابر ہے، چونکہ عدم شرط کی صورت میں بھی یہ حق شوہر پر شرعا لازم ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا **لنیفق ذوسعة من سعته الخ** ۔ دوسری جگہ **و على المولود له رزقهن و كسوتهن بالمعروف** اور رزق و کسوت دو ہی صورت میں ہے ایک بعد نکاح جب کہ بیوی اپنے اوپر شوہر کو قدرت دیدے دوسرا عدت میں۔ **هكذا فى فتح القدير** "۔

ارشاد نبوی ملاحظہ ہو۔ **ان رسول الله صلى الله عليه وسلم خطب الناس فقال اتقوا الله فى النساء فانهن عوان عندكم. اخذتموهن بامانة الله و استحللتم فروجهن بكلمته و لهن عليكم رزقهن وكسوتهن بالمعروف (رواه مسلم) ماخوذ عن المغنى (المغنى ج ۷ ص ۵۶۳)**

اما الاجماع فاتفق اهل العلم على وجوب نفقات الزوجات على ازواجهن اذا كانوا

☆ تربیت اسلامک فقہ اکیڈمی، پھلواری شریف، پٹنہ

بالغين الا الناشز منهن " ذكره ابن المنذر وغيره۔ وفيه ضرب من العبرة و هو ان المراة محبوسة على الزوج يمنعها من التصرف و الاكتساب فلا بد من ان ينفق عليها کا لعبد مع سيده "

و جملة الامر ان المراة اذا سلمت نفسها الى الزوج على الوجه الواجب عليها۔ فلها عليه جميع حاجتها من ماكول و مشروب و ملبوس و مسكن (المغنی۔ ابن قدامہ ج ۷ ص ۵۲۳)

ذکر فی الخلاصة قال هشام سالت محمدا عن النفقة۔ قال۔ النفقه هی الطعام و الكسوة و السكنی " قالوا نفقة الغير تجب على الغير باسباب ثلثة۔ بالزوجية۔ و القرابة و الملك۔

ضابطہ وجوب نفقہ کے سلسلے میں ان النفقة جزاء الاحتباس فكل من كان محبوسا بحق مقصود لغيره كانت نفقته عليه (البحر الرائق ج ۴ ص ۱۸۸)

ذکر کئے گئے دلائل قرآن و حدیث واجماع ہر ایک سے واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ زوجات کا نفقہ شوہروں پر شریعت نے لازم کیا ہے، لہذا ہر حال میں شوہر پر لازم ہوکر رہے گا، شرط اس کی لگائی جائے یا نہ لگائی جائے۔

(۲) نیز انہی دلائل سے قسم ثانی کا جواب ہوجاتا ہے کہ نکاح کے وقت کسی فریق کا ایسی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، مثلاً شوہر کا نکاح کے وقت یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نفقہ اس کے ذمہ نہیں ہوگا، یہ ایسی شرط ہے جس سے قرآن و حدیث کے حکم کا تغیر لازم ہوتا ہے اور ہر ایسی شرطیں جو اللہ و رسول کے حکم کو بدل ڈالتی ہوں باطل اور فاسد ہیں، البتہ نکاح صحیح ہو جائے گا اور اس پر نفقہ بھی واجب ہوگا، چنانچہ زاد المعاد فی هدی خير العباد ج ۲ ص ۱۷۲۔ ج ۲ ص ۱۷۷ پر قاعدہ بیان کیا گیا کہ انہی شرطوں کو پورا کرنا ہوگا جو تغییر حکم اللہ و رسول نہ ہو، چنانچہ عبارت ملاحظہ فرمائیں " لا يحل ان تنكح امراة بطلاق اخرى۔ کے تحت عبارت آئی ہے " فتضمن هذا تغييرا لحكم الله و رسوله ، الحاصل عدم وجوب نفقہ یا کوئی بھی ایسی شرط جس سے شرعاً لازم کردہ چیزوں سے گریز ہو فاسد و لغو ہوں گی، اور نکاح صحیح ہوگا، اور ایسی چیزوں کا لزوم بھی برقرار رہے گا، جیسا کہ اس جگہ، کہ بیوی کا نفقہ شوہر کے ذمہ رہے گا۔

تیسری قسم نکاح کے وقت کسی فریق کا کوئی ایسی شرط عائد کرنا جو (۱) اور (۲) میں سے کسی کے دائرہ میں نہ آتی ہے اس کے نتیجہ میں کسی فریق کو ایسا حق حاصل ہوتا ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں حاصل نہیں تا، اور دوسرے فریق پر ایسی پابندی یا ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو غیر مشروط نکاح کی صورت میں عائد [illegible] تی ہو، لا عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کرے گا یا بیوی کو اس کے آبائی وطن سے نکال

کر کسی اور جگہ نہیں لے جائے گا، بلکہ وہیں رکھے گا، یہ تمام شرطیں ایسی ہیں جو مانع عن الامر المشروع بن رہی ہیں، لہذا یہ تمام شرطیں فاسد ہیں، البتہ نکاح صحیح ہوجائے گا، چونکہ شروط فاسدہ سے نکاح فاسد نہیں ہوتا بلکہ نکاح صحیح ہوجاتا ہے، اور وہ شرطیں لازم الایفاء نہیں ہیں۔ الحاصل ان شروط فاسدہ سے نکاح کی صحت پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا، اور نہ یہ لازم الایفاء ہوں گی، بلکہ نکاح اپنی جگہ صحیح و سالم منعقد ہوجائے گا۔

و به قال ابو حنفية و مالک (حلية العلماء فی معرفة مذاهب الفقهاء ج ۲ ص ۳۳۹۔ هداية ج۱ ص۱۵۱)

نکاح میں لگائی جانے والی شرطیں

مولوی محمد شہاب الدین انیس سبیلی ☆

فریقین کا تقاضۂ عقد کے مطابق شرط لگانا

زوجین میں سے کسی نے ایسی شرط لگائی جس سے فریقین پر نئی ذمہ داری عائد نہ ہوتی ہو، بلکہ عقد نکاح ہی سے وہ حقوق و فرائض فریقین پر لازم ہوجاتے ہوں، یا نئی ذمہ داری تو عائد ہو رہی ہو مگر ان شرائط کو شریعت مقتضیات عقد کے خلاف نہیں سمجھتی ہے، مثلاً شوہر کہتا ہے کہ میں اس شرط پر نکاح کر رہا ہوں کہ میری بیوی کا رہنا سہنا میرے ساتھ ہی ہوگا، یا پھر عورت اس شرط پر نکاح کرے کہ اس کے قیام گاہ کا انتظام شوہر کرے گا، اور اس کا خاوند حسن معاشرت یا اچھا برتاؤ کرے گا، تو متذکرہ تمام شرطوں سے نکاح میں کوئی خرابی نہ آئے گی، اور صورت بالا میں جانبین سے لگائی گئی شرائط بھی واجب العمل ہوں گی، صاحب فقہ السنہ فرماتے ہیں۔

و من الشروط ما يجب الوفاء بها و هي ما كانت من مقتضيات العقد و مقاصده و لم تتضمن تغييرا لحكم الله ورسوله كا شتراط بالمعروف (العشرة) و الانفاق عليها و كسوتها و سكناها بالمعروف و انه ... لا يقصر في شئي من حقوقها و يقسم لها كغيرها و انها لا تخرج من بيته الا باذن و لا تنشز عليه و الا تصوم تطوعا بغير اذن و لا تاذن في بيته الا باذنه و لا تتصرف في متاعه الا برضاه. و نحو ذالك (فقه السنة. ۲. ۳۷. ۳۷)

وہ شرطیں جو مقتضیات عقد اور مقاصد نکاح میں داخل ہوں ان کا پورا کرنا واجب ہے۔ لیکن اس شرط پر کہ وہ

☆ متخصص فی الفقہ دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد

اللہ اور رسول کے حکم کے خلاف نہ ہوں، جیسے حسن سلوک، نان و نفقہ اور معقول لباس و پوشاک کی شرط لگانا۔ اسی طرح یہ شرط لگانا کہ شوہر حقوق زوجیت کی ادائیگی میں تقصیر نہیں کرے گا، دوسری بیویوں کی طرح اس کے لئے بھی دن متعین کرے گا، اور شوہر یہ شرط لگائے کہ محترمہ گھر سے بلا اجازت باہر نہیں جائے گی، نافرمانی نہیں کرے گی، بلا اجازت نفلی روزے نہیں رکھے گی، کسی اجنبی کو بلا اجازت گھر نہیں بلائے گی، یا یہ شرط لگانا کہ اس کے مال میں اجازت کے بغیر تصرف نہیں کرے گی، اسی طرح کی دوسری شرطیں۔

۲ ۔ فریقین کا متقضیات عقد کے خلاف شرط لگانا۔

میاں بیوی عقد نکاح میں باہمی مشورہ سے ایسی شرائط آپس میں طے کرلیں جن میں مذہبی اعتبار سے قباحت پائی جاتی ہو، یا کوئی فریق نکاح کے وقت ایسی شرط لگائے جس کا منشاء اپنے اوپر عائد ہونے والی ذمہ داریوں سے گریز ہو، مثال کے طور پر شوہر بیوی کے قیام گاہ کا انتظام اپنے اوپر لینے سے انکار کرے، یا شوہر اپنی بیوی کو نان و نفقہ فراہم نہ کرنے کی شرط پر نکاح کرے، تو ان شکلوں میں شوہر کی لگائی ہوئی شرطوں کا اعتبار نہیں ہوگا، اور شوہر پر قیام گاہ کا انتظام، نان و نفقہ کی فراہمی لازم ہوگی، کیونکہ صورت مذکورہ میں شوہر اپنی بنیادی ذمہ داریوں سے گریز کر رہا ہے۔ جب کہ یہ عمل شرعی ہدایات کے سراسر خلاف ہے، ہاں عقد نکاح کی صحت پر اس طرح کی ناقابل اعتناء شرائط کا کوئی اثر نہیں پڑے گا، عقد نکاح اپنی جگہ بالکل صحیح ہوگا، اور ان شرائط کی پابندی متعلقہ فریق کے لئے غیر ضروری رہے گی، اس سلسلہ میں فقہاء کی تصریحات موجود ہیں۔ "الاحکام الفقہیہ" میں شروط نکاح کی بابت یہ عبارت درج ہے۔

فالشروط التی یقتضیها العقد کان یشترط خلوها من الموانع الشرعیة فانه صحیح نافذ بطبیعته و اما الشروط التی لا یقتضیها العقد فانها تلغی و لا یعمل بها و یصح العقد (الاحکام الفقهیة ج ۲ ص ۳۱۷)

عقد نکاح کی متقاضی شرائط، جیسے عورت کا شرعی موانعات سے عاری ہونا، تو اس قسم کی شرطیں واجب العمل ہیں، لیکن وہ شرطیں تقاضۂ عقد کے خلاف ہوں تو وہ لغو اور ناقابل عمل ہوں گی، مگر نفس عقد درست ہوگا۔

علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں کہ اگر شوہر نے عورت کا مہر متعین نہیں کیا، یا مہر ادا کرنے سے انکار کردیا اور عورت شوہر کے عمل پر ناراضگی کا اظہار بھی نہیں کرتی ہے، پھر بھی مہر مثل شوہر کے ذمہ لازم ہوجائے گا، اس کی وجہ یہ ہے، کہ شریعت نے عورت کو مہر معاف کردینے کا حق مہر کے طے پاجانے یا ثابت ہوجانے کے بعد دیا ہے اور اس شکل میں عقد نکاح کے وقت مہر کا وجوب ہی ساقط ہو رہا ہے، جب کہ نفس مہر کا وجوب فریقین کی اتفاق رائے سے ختم نہیں کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

و ان لم یسمہ او نفاہ فلھا مھر مثلھا لانھا حق الشرع وجوبا. و انما یصیر حقھا فی حالۃ البقاء فتملک الابراء دون النفی (البحر الرائق ج ۳ ص ۱۵۰)

اگر شوہر مہر متعین نہ کرے یا مہر دینے سے انکار کردے تو عورت کے لئے مہر مثل ہوگا، اس لئے کہ یہ حق شرعی ہے، ہر حالت میں عورت کا حق ہے، لہذا عورت شوہر کو بری الذمہ کرسکتی ہے، لیکن مہر کی نفی نہیں کرسکتی ہے۔

صورت بالا کے بارے میں فقہ السنہ کے مصنف بڑی وضاحت سے لکھتے ہیں۔

و منھا ما لا یجب الوفاء بہ مع صحۃ العقد وجوبا و ھو ما کان منافیا لمقتضی العقد کاشتراط ترک الانفاق و الوطء او کاشتراط ان لا مھر لھا او یعزل عنھا او اشترط ان تنفق علیہ او تعطیہ شیئا او لا یکون عندھا فی الاسبوع الا لیلۃ او شرط لھا النھار دون اللیل فھذہ کلھا باطلۃ فی نفسھا لانھا تنافی العقد (فقہ السنۃ ج ۲ ص ۳۷)

بعض شرطیں ایسی ہیں جن کو عقد کے درست ہونے کے باوجود پورا کرنا واجب نہیں اور اس قسم کی شرائط تقاضۂ عقد کے خلاف ہوتی ہیں، مثلاً، نفقہ یا جائز جنسی تعلقات کو قطع کرنے کی شرط عائد کرنا۔ یا شوہر یہ شرط لگائے کہ عورت نکاح کے بدلے کچھ دے گی، یا یہ کہے کہ ہفتہ میں ایک ہی شب بیوی کے پاس قیام کرے گا، یا شوہر یہ شرط لگائے کہ وہ بیوی کے پاس دن میں رہے گا، یہ ساری شرطیں باطل ہیں، اس لئے کہ یہ تمام شرائط تقاضۂ عقد کے منافی ہیں۔

ڈاکٹر وہبہ زحلی زیر بحث مسئلہ پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ان الفقھاء اتفقوا علی صحۃ الشروط التی تلائم مقتضی العقد و علی بطلان الشروط التی تنافی المقصود من الزواج او تخالف احکام الشرعیۃ (الفقہ الاسلامی و ادلتہ ج ۷ ص ۵۹)

فقہاء کرام نے ان شرطوں کی صحت پر اتفاق کیا ہے جو تقاضاء عقد میں داخل ہیں، اور ان شرائط کو باطل قرار دیا ہے جن سے مقاصد نکاح فوت ہوتے ہوں یا مذکورہ شرطیں احکام شریعت کے خلاف ہوں۔

تیسری قسم کی شرائط کا حکم

اگر زوجین ایسی شرطیں لگائیں جن سے شرعی مصالح کے ضائع ہونے کا اندیشہ تو نہیں ہے، البتہ مذکرہ شرطوں کے باعث شوہر و بیوی پر ایسی ذمہ داریاں عائد ہورہی ہوں کہ غیر مشروط نکاح کی صورت میں ایسی پابندیاں

لازم نہیں آتی ہیں، مثلاً عورت کا یہ شرط لگانا کہ مرد اس کی موجودگی میں دوسرا عقد نہیں کرے گا، یا وہ اپنی بیوی کو آبائی وطن سے نہیں لے جائے گا، یا وہ اپنے شوہر کے ساتھ اسفار نہیں کرے گی، مذکورہ تمام صورتوں میں عورت کی شرائط شوہر کے لئے لازم الایفاء نہیں ہیں، شوہر کو بھرپور اختیار ہے وہ چاہے تو بیوی کے مطالبات پورا کرے، یا بیوی کے منشاء کی تکمیل نہ کرے، یعنی بیوی کی عائد کردہ ساری شرطیں شوہر کے لئے ناقابل اعتناء ہوں گی اور نکاح کا انعقاد عمل میں آجائے گا۔

و من الشروط ما يعود نفعه و فائدته الى المراة ان يشترط لها الا يخرجها من دارها او بلدها او لا يسافر بها او لا يتزوج عليها و نحو ذالك فمن العلماء قالو ان الزواج صحيح و ان هذه الشروط ملغاة و لا يلزم الزوج و فاء بها و الاول مذهب ابى حنيفة و الشافعى و كثير من اهل العلم (فقه السنة ج ۲ ص ۳۷)

ایسی شرائط جو عورت کے حق میں نفع رساں اور فائدہ بخش ہوں، جیسے عورت یہ شرط لگائے کہ وہ گھر سے باہر نہیں نکلے گی، وہ اسی شہر میں رہے گی، وہ اسفار میں شوہر کے ساتھ نہیں جائے گی، شوہر اس کی موجودگی میں نیا نکاح نہیں کرے گا۔ اسی قسم کی اور دوسری شرطیں، تو علماء نے لکھا ہے کہ یہ عقد نکاح صحیح ہوگا، اور مذکورہ شرطیں لغو قرار دی جائیں گی، شوہر کے لئے یہ شرطیں واجب الایفاء نہیں ہوں گی، یہ مذہب حضرت امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور بہت سارے دوسرے مقتدر علماء کرام کا ہے۔

نکاح میں نفقہ، سکنیٰ اور کسوہ کی شرط لگانا

مولوی محمد عارف مظہری ☆

ایسی شرائط جن کے ذریعہ کسی فریق پر کوئی نئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی بلکہ خود عقد نکاح سے ہی وہ لازم ہوجاتیں ہیں، ان کے ذکر سے نکاح صحیح ہوگا اور ان شرائط کا کوئی اعتبار نہ ہوگا، کیونکہ نفقہ سکنیٰ اور کسوہ جیسی ذمہ داریاں خود ہی منجانب شرع شوہر پر لازم ہیں۔ فرمان خداوندی ہے۔

و علی المولود له رزقهن وکسوتهن بالمعروف (البقرة۔ ۲۳۳)

بچے کے والد پر ان کی ماں کا نفقہ اور کسوہ رواج کے مطابق واجب ہے۔

اور

و اسکنوهن من حیث سکنتم (الطلاق۔ ۶)

بیویوں کو بھی وہیں رکھو جہاں تم رہتے ہو۔

اسی نان و نفقہ کے مسئلہ میں اگر عورت یہ شرط لگائے کہ شوہر اس پر ماہانہ سو دینار مثلاً بطور نفقہ خرچ کرتا رہے گا، تو امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ ایسا نکاح جائز ہوگا، اور عورت کو رواج کے مطابق نفقہ ملے گا۔ (**قاضی خان علی هامش هندیة ج ۱ ص ۳۳۱) فصل فی النکاح علی الشرط**)

☆ متخصص فی الفقہ دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد

کسی ذمہ داری سے گریز کی شرط

نکاح کے وقت ایسی شرط لگانا جس کا مقصد نکاح سے پیدا ہونے والی کسی ذمہ داری سے گریز ہو، مثلاً شوہر کا یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان و نفقہ اور مہر اس کے ذمہ نہیں ہوگا، اس طرح کی شرطوں سے نکاح فاسد نہیں ہوگا اور شرط کالعدم قرار پائے گی۔ بیوی یا شوہر میں سے کسی نے یہ شرط لگائی کہ مرنے کے بعد ان میں کا کوئی دوسرے کا وارث نہیں ہوگا۔

3/11

علامہ فخرالدین قاضی خاں فرماتے ہیں۔

رجل تزوج امراۃ .. علی ان لا ترثہ و لا یرثھا جاز النکاح و یتوارثان (حوالہ سابق)

کسی آدمی نے ایک عورت سے اس شرط پر شادی کی کہ نہ ہی بیوی وارث ہوگی اور نہ وہ بیوی کا وارث ہوگا تو یہ نکاح جائز ہوگا اور وہ دونوں ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے

رجل تزوج امراۃ بالف علی ان لا ینفق علیھا و مھر مثلھا مائۃ کان لھا الالف و النفقۃ (ھندیۃ ج ۱ ص ۳۰۹۔ فصل فی الشرط فی المھر)

کسی آدمی نے ایک عورت سے ایک ہزار مہر پر شادی کی اس شرط کے ساتھ کہ وہ نفقہ نہیں دے گا اور اس عورت کا مہر سو ہے تو عورت کو مہر کے ایک ہزار اور نفقہ بھی ملے گا۔

اسی طرح شوہر نے اگر یہ شرط لگادی کہ نکاح میں مہر کا کوئی تذکرہ نہیں ہونا چاہئے تو اس طرح کی شرط کے بارے میں صاحب مجمع الانہر شیخ محمد بن سلیمان فرماتے ہیں۔

وکذا مع نفیہ ای یصح النکاح مع نفی المھر و یکون النفی لغوا (مجمع الانھر ج ۱)

تفویض طلاق کامسئلہ

مولوی محمد مجتبیٰ مظاہری ☆

جس طرح انسان خود سے یا دوسرے کو وکیل بنا کر عورت کو طلاق دیتا ہے اسی طرح شریعت نے اس کو بھی جائز قرار دیا ہے کہ شوہر عورت کو اپنے اختیار طلاق کا مالک بنادے، جیسا کہ علامہ سرخسی فرماتے ہیں۔

لان الزوج مالک لامرها فانها یملکها بهذا اللفظ ماهو مملوک فیصح منه و یلزم حتی لایملک الزوج الرجوع منه۔ المبسوط ج ۲ ص ۲۲۱)

اس مسئلہ کے اثبات کے لئے ذیل میں **یا ایها النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوة۔ الی سراحا جمیلا** کے پیش کرنے میں علماء کا زبردست اختلاف ہے اور قول اصح بھی یہی ہے کہ حدیث میں تفویض کا ذکر نہیں جیسا کہ علامہ زیلعی نے نصب الرایہ کے ج ۳ ص ۲۳۰ پر اٹل فیصلہ فرمایا ہے۔

" وهذا (ای اثبات التفویض بهذه الآیة) غیر ظاهر لانه علیه السلام لم یخیرها فی ایقاع الطلاق بنفسها و انما خیرها علی انها اختارت نفسها احدث لها طلاقا لقوله تعالی فتعالین امتعکن الخ

البتہ از روئے آثار و احادیث و قواعد فقہ اس کا ثبوت بالیقین ہے جیسا کہ مصنف عبد الرزاق ابن ابی شیبہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ لہٰذا اب یہ اعتراض نہ رہا کہ طلاق کا حق تو شوہر کو ہے تو پھر عورت کی طرف منتقل کیوں

☆ تربیت القضاء، امارت شرعیہ پٹنہ

ہوجاتا ہے جواب واضح ہے کہ ایک اجماعی مسئلہ ہے نیز اس میں عورت کی طرف علی الاطلاق ملک کا انتقال نہیں ہے بلکہ ملکیت میں شرکت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ تفویض کے بعد شوہر کو طلاق دینے کا اختیار رہتا ہے ۔

بہر حال یہ تفویض یا تو مطلق طلاق کا اختیار دینا یا شرائط کے ساتھ طلاق کا حق حاصل ہونے کا نام ہے ۔ ہر دو شکلیں جائز ہیں ۔ آنے والی صورت ثانیہ میں صورت تفویض کا زبان سے کہنا ضروری ہے ۔ اور بقیہ دو صورتوں میں کہنے لکھنے دونوں کا اختیار ہے ۔

چنانچہ اس سلسلہ میں ائمہ فقہاء کی عبارات سے تین صورتیں مستفاد ہوتی ہیں کہ یا تو تفویض قبل از نکاح ہوگی یا بوقت عقد یا نکاح کے بعد تفویض کا معاملہ پیش آئے ۔ ہر ایک کی تفصیل حسب ذیل ہے ۔

صورت اول اور ثانیہ میں کچھ شرائط و قیود ہیں ، مناسب ہے کہ ہر دو صورتوں کا تفصیلی جائزہ لیا جائے ۔

صورت اولی ۔ اس میں یہ ضروری ہے کہ نکاح اگر نہ ہوا ہو لیکن نکاح کی طرف اضافت و نسبت کی جائے مثلاً یہ کہ فلاں بنت فلاں کے ساتھ نکاح ہوا تو مطلقاً یا فلاں شرائط کے تحت اسے اختیار حاصل ہوگا ۔

چنانچہ شامی میں صراحت ہے

شرطه الملک کقوله لمنکوحته او معتدة ان ذهبت فانت طالق او الاضافة الیه کان نکحتک فانت طالق فلغا قوله لاجنبیة (ج ۲ ص ۴۹۲)

یعنی یا تو مفوض الیہا منکوحہ ہو یا نکاح کی طرف نسبت ہو ، معلوم ہوا کہ اجنبیہ کو بلا نسبت الی النکاح طلاق کا اختیار دینا صحیح نہیں ہے ۔

صورت ثانیہ ۔ اس میں شرط یہ ہے کہ اولاً نکاح میں ایجاب من جانب عورت ہو اور اسے جو شرائط لگانی ہو اس کا تذکرہ ایجاب کے ساتھ کرے ، بعدہ مرد قبول کرے ورنہ اگر مرد کی جانب سے ایجاب ہو اور بعد میں لڑکی والے کی جانب سے مطلقاً یا شرائط کے ساتھ تفویض کا تذکرہ ہو تو یہ معتبر نہیں ، چنانچہ علامہ شامی نے حصکفی کے قول **نکحها ان امرها بیدها** پر مذکورہ شرط کا اضافہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ۔

مقید اذا ابتدات المراة فقالت زوجت نفسی منک علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید او علی انی طالق فقال الزوج قبلت ۔ اما لو بدا الزوج لا تطلق و لا یصیر الامر بیدها کما فی البحر (شامی ج ۲ ص ۴۸۵)

البتہ اگر عورت کی جانب سے ایجاب ہو جس میں تفویض کا تذکرہ نہ ہوا ہو اور مرد نے اپنی جانب سے قبول کے ساتھ تفویض کی زیادتی کر دی تب بھی یہ تفویض صحیح ہوگی ۔

صورت ثالثہ ۔ بعد النکاح تفویض کے سلسلہ میں کوئی شرط نہیں ہے بالکل درست ہے ۔

البتہ یہ یاد رہے کہ صورت اولی پر حضرت علی و ابن عمرو غیرہ کی روایت " **لا طلاق قبل النکاح (ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۴۸، ترمذی ج ۱ ص ۱۴۰، مستدرک حاکم ج ۲ ص ۲۵۲، نصب الرایۃ ج ۳ ص ۲۳۰)** سے اشکال نہ ہونا چاہئے اس لئے کہ اس صورت میں اگرچہ قبل النکاح طلاق کے واقع ہونے کی نفی کی گئی ہے جیسا کہ ملا علی نے فرمایا ہے۔

انہا محمولۃ علی نفی التنجیز لانہ ہو الطلاق اما المعلق بہ فلیس بہ (مرقات ج ۳ ص ۴۷۷)

ضروری نوٹ ۔ فقہاء امت نے اپنے خدا داد بصیرت کے تحت ہر دو فریق کی رعایت فرمائی ہے جہاں مرد کا لحاظ کیا وہاں ہی اپنی عورت کی حاجت روائی فرمائی کہ وہ شوہر کی بے جا ظالمانہ زیادتی اور وحشیانہ برتاؤ کی بنیاد پر فسخ عند القضاء حاصل کرتے ہوئے گلو خلاصی کر سکتی ہے تاکہ بلاوجہ مظلومانہ حیات سے نجات حاصل ہو۔ لیکن بایں ہمہ عورت کو بھی علی الاطلاق اس چیز کی اجازت نہ دینے کو بیان فرمایا جس کی صورت یہ ہے کہ عند التفویض کوئی پابندیاں ہو ورنہ اپنے نفسیاتی جذبات کے تحت معمولی معمولی بات پر تفریق کرلے گی جس سے مقصد شرع انسداد طلاق کا قلع قمع ہوجائے گا۔ لہذا تفویض میں مناسب قیودات کا ضرور اضافہ ہونا چاہئے مثلاً یہ کہ عورت کو فلاں فلاں تکلیف پہونچنے پر طلاق کا اختیار رہے گا جس کی مصیبت و تکلیف ہونے کی گواہی فلاں فلاں کم از کم دو آدمی دیں تو ایسی صورت میں عورت اپنی مظلومیت سے بھی محفوظ رہے گی اور انسداد طلاق کا مقصد شرعی بھی برقرار رہے گا۔ اسی لئے حضرت تھانوی نے الحیلۃ الناجزۃ کے صفحہ ۳۵ پر مستقلاً ضروری مشورہ کا عنوان قائم فرمایا۔ جس کا اپنانا از حد ضروری ہے۔

اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ متعدد آدمیوں کی مشیت پر معاملہ کو چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ شرعاً اس کی اجازت ہے چنانچہ بزازیہ میں ایک مسئلہ تحریر ہے **تزوج امراۃ انشاء ت و شاء فلان فابطل فلان المشیئۃ فی المجلس " (بزازیۃ ج ۲ ص ۱۵۳)** جو اس کی نظیر ہوسکتی ہے، اخیراً یہ عرض کردینا مناسب ہے کہ عورت سے احتیاط و فائدہ کے لئے اول دو صورتیں بہ نسبت تیسری صورت کے زیادہ مناسب ہے اس لئے کہ صورت ثالثہ میں بعد النکاح معاملہ ہونے سے شوہر پر کسی قسم کا تفویض کے لئے دباؤ نہیں ہوسکتا، بلکہ معاملہ اس کی رضامندی پر طے ہوتا ہے، بر خلاف پہلی دو صورتوں کے، اسی لئے فقہ میں اول دو صورتوں کے اپنانے کی ترغیب دی ہے، چنانچہ بزازیہ میں ہے کہ عورت کو خوف ہے کہ شوہر بعد النکاح طلاق کا اختیار نہیں دے گا تو اسے چاہئے کہ نکاح ہی میں اس طرح کا ایجاب کرلے کہ تفویض پر مشتمل ہو۔ عبارت ملاحظہ ہو۔

" اذا خافت المراۃ انہ اذا تزوجہا لا یجعل الامر بیدہا بعد التزوج تقول زوجت نفسی منک بکذا علی ان امری بیدی اطلق نفسی منک متی شئت کلما ضربتنی بغیر جنایۃ او تزوجت علی اخری او تسریت او غبت عنی سنۃ (بزازیۃ ج ۳ ص ۲۳۲)

اشتراط فی النکاح

مولوی مجاہد الاسلام قاسمی ☆

(۱) وہ شروط جو بالاتفاق مقتضیات عقد میں سے ہوں مثال کے طور پر عورت کا بوقت نکاح یہ شرط لگانا کہ اس کا نان نفقہ کپڑا اور مکان وغیرہ شوہر کے ذمہ ہوگا ان شروط کا ایفاء شوہر کے ذمہ بالاتفاق واجب ہوگا، چنانچہ فقہ السنہ میں ہے۔

بعض شرطیں وہ ہیں جن کا ایفاء شوہر کے ذمہ واجب ہوتا ہے یہ شرطیں ہیں جو مقتضیات عقد میں سے ہوں اور اس طرح کی شرطیں لگانا، کتاب اللہ اور سنت رسول کے خلاف نہ ہوں گی جیسے عورت کی طرف سے اچھا

☆ تخصص فی الفقہ دارالعلوم سبیل السلام، حیدرآباد

سلوک، نفقہ مکان اور کپڑا کی شرطیں لگائی جائیں اسی طرح یہ شرط لگائی جائے کہ شوہر اس کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کرے گا اس کا مال غیر کی طرح بے دریغ تقسیم نہیں کرے گا، اسی طرح شوہر کی طرف سے یہ شرط لگانا کہ عورت بدون اس کی اجازت گھر سے نہیں نکلے گی، اس کے سامنے نازیبا حرکت نہیں کرے گی، نفلی روزہ اس کی اجازت کے بغیر نہیں رکھے گی اور اس کی رضاء کے بغیر اس کے مال میں بے جا تصرف نہیں کرے گی اور اسی طرح کی دوسری شرط لگائے (فقہ السنۃ ج ۲ ص ۳۷)

اس طرح کی شرائط کی پابندی فریقین میں سے ہر ایک کو لازم ہوگی جیسا کہ فقہ السنۃ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے، نیز قرآن میں ہے۔

(ولهن عليكم رزقهن و كسوتهن بالمعروف لينفق ذوسعة من سعته" (الآية)

"اور ان کے لئے تم پر عمدہ کھانا اور اچھا کپڑا فرض ہے" چاہئے کہ خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق"

(۲) وہ شروط جو عقد کے منافی ہوں جیسے شوہر کا یہ شرط لگانا کہ بیوی کا نان و نفقہ اور مہر اس کے ذمہ نہ ہوگا، اسی طرح عورت کا شرط لگانا کہ شوہر سوتن کو طلاق دیدے، اس طرح کے شرطوں کی پابندی فریقین میں سے کسی پر واجب نہیں ہوگی، اس لئے کہ اس طرح کی شرط لگانا باطل ہے، لیکن نکاح صحیح ہوجائے گا اس کی وجہ سے عقد نکاح پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوگا، چنانچہ علامہ زحیلی رقمطراز ہیں۔

شروط باطلہ کا ایفاء صحیح نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ نکاح صحیح ہوجائے گا اور وہ شرط یہ ہے کہ شوہر کی جانب سے ایسی قید لگائی جائے کہ جو نظام شرعی کے منافی ہو جیسے عدم مہر یا انفاق کی شرط لگانا (**الفقہ الاسلامی للزحیلی ج ۷ ص ۲۲**)

نیز سید سابق لکھتے ہیں:

بعض وہ شرط ہے جس کی تکمیل واجب نہیں ہوتی ہے لیکن عقد صحیح ہوجاتا ہے اور وہ شرط عقد کے منافی ہوتا ہے جیسے ترک انفاق اور عدم وطی کی شرط لگانا، اور اسی طرح عورت کے لئے مہر نہ ہونے کی شرط لگانا، پس یہ تمام شرطیں باطل ہیں اس لئے کہ یہ عقد کے منافی ہیں، اور اس لئے بھی کہ یہ شرطیں عقد کے ذریعے واجب ہونے والے حقوق کے اسقاط کو لازم ہوتی ہیں انعقاد عقد سے پہلے، لہذا صحیح نہیں بہر حال عقد فی نفسہ صحیح ہوجائے گا، اس لئے کہ ان شرطوں کی وجہ سے عقد نکاح میں ایک امر زائد کا اضافہ ہوتا ہے جس کا بیان کرنا ضروری بھی نہیں اور نہ ہی اس کی جہالت مضر ہے، لہذا نکاح باطل نہیں ہوگا جیسا کہ نکاح میں حرام چیز کی تعیین مبطل نکاح نہیں (**فقہ السنۃ ج ۲ ص ۳۷، المغنی لابن قدامۃ ج ۷ ص ۲، الروض المربع ص ۳۲۱**)

مذکورہ بالا عبارات سے معلوم ہوا کہ شوہر کا شرط لگانا عدم انفاق اور مہر کا صحیح نہیں ہے ۔

نیز قرآن میں ہے ۔

" ولهن عليكم رزقهن و كسوتهن بالمعروف" "لينفق ذو سعة من سعته" "و ابتغوا باموالكم "

(آیات)

" اور تم پر ان کے لئے اچھا کھانا اچھا کپڑا لازم ہے" "چاہئے کہ خرچ کرے وسعت والا اپنی وسعت کے مطابق" "اور مالوں کے ذریعہ تلاش کرو ۔"

آیات بالا سے معلوم ہوا کہ شوہر کے ذمہ بیوی کا مہر اور نفقہ واجب ہوتا ہے اس لئے عدم انفاق اور مہر کی شرط لگانا درست نہ ہوگی ۔ اسی طرح عورت کے لئے جائز نہیں کہ سوتن کے طلاق کی شرط لگائے چنانچہ اس کی ممانعت حدیث سے ثابت ہے ۔

عن ابی هريرة عن النبی صلی الله عليه وسلم قال لا يحل لامراة تسال طلاق اختها لتستفرغ صحفتها فانما لها قدر لها (فتح الباری ج ۹ ص ۲۱۹)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کے لئے حلال نہیں کہ وہ اپنی بہن کے طلاق کا مطالبہ کرے تاکہ اس کا پیالہ خالی ہوجائے حالانکہ اس کے لئے وہی ہے جو اس کے لئے مقدر ہوچکا ہے ۔

نیز حضرت عبد اللہ بن مسعود کا قول ہے

لا تشترط المراة طلاق اختها

عورت بوقت نکاح اپنی بہن کے طلاق کی شرط نہ لگائے ۔

(۳) کچھ شرطیں ایسی ہیں جو صرف عورت کے حق میں ہیں ۔ جیسے عورت کی طرف سے یہ شرط لگانا کہ اس کا شوہر اس کے گھر یا اس کے شہر سے دوسری جگہ منتقل نہیں کرے گا ، یا عورت کو اپنے ساتھ سفر میں نہیں لے جائے گا ۔ اسی طرح یہ شرط لگانا کہ اس کے ہوتے ہوئے دوسرا نکاح نہیں کرے گا ۔ ان شرطوں کے پورا کرنے کے بارے میں فقہاء کے یہاں قدرے اختلاف ہے ائمہ ثلاثہ (امام ابو حنیفہ ، امام مالک ، شافعی) کے یہاں اس قسم کی شرطیں لگانے سے نکاح صحیح ہوجائے گا اور شوہر ان شرطوں کے پورا کرنے کا پابند نہیں ہوگا ، بلکہ یہ شرطیں ختم ہوجائیں گی ۔ ان حضرات کی دلیل رسول اللہ کا فرمان ۔

ان رسول الله صلی الله عليه وسلم قال المسلمون علی شروطهم الا شرطا احل حراما او حرم حلالا ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان اپنے شروط (پابند) پر ہوتے ہیں مگر ایسی شرط نہ ہو جو حرام کو حلال اور حلال کو حرام کردے ۔

اس لئے ایسی شرط لگانا درست نہیں نیز آپ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا :

کل شرط لیس فی کتاب اللہ فھو باطل و ان کان مائة (ماخوذ فقه السنة ج ۲ ص ۲۷ ۔ حلیة العلماء ج ۲ ص ۳۲۹)

جو شرط کتاب اللہ میں نہ ہو وہ باطل ہے گرچہ سو ہی کیوں نہ ۔

امام احمد وغیرہ کے یہاں شرطوں کا پورا کرنا ضروری ہوگا عدم ایفاء کی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوگا ، ان کا مستدل عقبہ بن عامر کی روایت ہے ۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال احق الشروط ان یوفی به ما استحللتم به الفروج

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرطوں میں سے زیادہ ایفاء کے قابل وہ شرط ہے جس کے ذریعہ تمہارے لئے فرج حلال ہو ۔

جواب : حدیث میں وہ شروط مراد ہیں جو مقتضائے عقد میں سے ہیں ، چنانچہ علامہ نووی لکھتے ہیں ۔

امام شافعی اور اکثر علماء نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث محمول ہے ایسی شرطوں پر جو مقتضائے نکاح کے منافی نہیں بلکہ مقتضیات عقد میں سے ہیں جیسے اچھا سلوک اور نفقہ کی شرط لگانا ۔ (عون المعبود ج ۲ ص ۱۲۷ ، فتح الباری ج ۹ ص ۲۱۸)

تفویض طلاق کا حکم

مولوی احمد نادر القاسمی ٭

تفویض طلاق کی ایک صورت یہ ہے کہ عورت نکاح کے وقت یہ شرط لگائے کہ اگر عورت کو کسی طرح کی تکلیف دی گئی یا اس کو نفقہ وقت پر ادا نہیں کیا وغیرہ اور شوہر اس کو عقد کے وقت تسلیم کرلے تو کتب فقہ میں یہ صراحت ملتی ہے کہ یہ تفویض درست ہے اور عدم ایفاء کی صورت میں عند النکاح لگائی گئی شرط کے مطابق عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، چنانچہ فخرالدین قاضی خاں نقل کرتے ہیں۔

فقیہ ابو للیث کہتے ہیں کہ جب شوہر کی جانب سے ابتدا ہوئی اور کہا میں نے تم سے نکاح کیا اس شرط پر کہ تو طلاق والی ہے تو واقع نہ ہوگی اور اگر عورت نے ابتداء کیا اور اس طرح کہا کہ میں نے تم سے نکاح کیا اس شرط پر کہ طلاق والی ہوں یا میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا جب میں چاہوں گی طلاق واقع کرلوں گی اور شوہر نے اسے قبول کرلیا تو نکاح جائز ہوجائے گا اور طلاق واقع ہوجائے گی اور اس کا معاملہ اس کے ہاتھ میں ہوگا اس لئے کہ ابتداء اگر شوہر کی جانب سے ہو تو طلاق اور تفویض دونوں نکاح سے قبل ہوں گے لہذا یہ درست نہ ہوگا اور اگر ابتداء عورت کی جانب سے ہو تو تفویض نکاح کے بعد قرار پائے گی اس لئے کہ شوہر نے عورت کے کلام کے بعد قبلت کہا اور جواب شامل ہے اس چیز کے اعادہ کو جو سوال کے اندر ہے تو گویا شوہر کا قول ایسے ہی ہوگیا جیسا کہ وہ کہے کہ میں نے تم کو قبول کیا اس شرط پر کہ تو طلاق والی ہے یا ایسے ہی ہوگیا جیسے کہے کہ میں نے تم کو قبول کیا اس شرط پر کہ تیرا معاملہ تیرے

٭ تخصص فی الفقہ دار العلوم سبیل السلام، حیدرآباد

ہاتھ میں ہے تو گویا تفویض نکاح کے بعد کی گئی " (**خانیۃ ھامش علی الھندیۃ۔ ج ۱ ص ۳۲۹**)

تفویض طلاق سے رجوع

فقہاء کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص طلاق کا حق اپنی بیوی کو سپرد کردے تو اس کو واپس نہیں لے سکتا ہے اور نہ ہی اس کو اس بات کا اختیار ہوتا ہے کہ بیوی کو حق تفویض کے استعمال سے روک دے فقہ کی تمام متداول کتابوں میں یہ مضمون ملتا ہے۔

شوہر کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اس سے رجوع کرلے اور نہ ہی اس کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ حق جو اس نے بیوی کی جانب سپرد کیا ہے اس کے کرنے سے روک دے اور نہ اس کو فسخ کرسکتا ہے (**الفتاوی الھندیۃ ج ۱ ص ۲۸۷**)

شوہر اس بات کا مالک نہیں ہے کہ تفویض کے انواع ثلثہ اختیار، **امر بالید** اور **مشیئۃ** سے رجوع کرلے (**در مختار ج ۱ ص ۳۲۷۔ شامی ج ۳ ص ۳۳۲**)

علامہ کاسانی اس بحث میں تفصیل سے کلام کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ

تفویض یہ ہے کہ وہ لازم ہوتا ہے شوہر کی جانب سے یہاں تک کہ اس سے رجوع کا مالک نہیں ہوتا اور نہ ہی عورت کو اس سے روک سکتا ہے جس کو اس نے اس کی طرف سونپا ہے اور نہ ہی فسخ کرسکتا ہے کیونکہ اس نے عورت کو طلاق کا مالک بنایا ہے اور ضابطہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کو کسی چیز کا مالک بنادیتا ہے تو اس چیز پر سے اس کی ولایت ختم ہوجاتی ہے، لہذا نہیں باطل کرسکتا ہے اس کو رجوع کے ذریعہ، عورت کو روکنے کے ذریعہ، اور فسخ کے ذریعہ، اس لئے کہ طلاق وجود میں آنے کے بعد رجوع کا احتمال نہیں رکھتی اور نہ فسخ کا، اسی طرح اس کے واجب کرنے کے بعد بھی رجوع کا احتمال نہیں رکھتی (**بدائع ج ۳ ص ۱۱۳**)

مذکورہ بالا تمام عبارتوں کا ماحصل یہ ہے کہ شوہر نکاح کے وقت طلاق کا حق تفویض کرنے کے بعد اس سے رجوع کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا ہے اور نہ اس کو اس طلاق سے رجوع کا اختیار باقی رہتا ہے۔

نکاح میں شرط کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں

(۱) عقد نکاح سے قبل شرائط نامہ تحریر ہوجائے جس پر جانبین کے دستخط ہوں۔

جس وقت شرائط نامہ عقد نکاح سے قبل تحریر کیا جائے اس وقت اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ جس لڑکی سے نکاح ہورہا ہو اس عاقدہ کی جانب نکاح کی نسبت نام کی صراحت کے ساتھ ہو۔ اس طرح کہ اگر میں فلاں بنت

فلاں سے نکاح کروں اور مثلا اس کو کسی طرح کی اذیت دوں تو اس کو اپنے اوپر طلاق واقع کرکے میرے نکاح سے الگ ہوجانے کا پورا اختیار ہوگا، اگر اس شرائط نامہ پر اس عاقدہ کی جانب اضافت نہ کی گئی تو اس شرائط نامہ کا شرعا کوئی اعتبار نہ ہوگا، چنانچہ درمختار میں ہے۔

اور تعلیق کے لئے شرط ہے کہ ملکیت ہو خواہ حقیقت میں ہو مثلا معتق کا قول اگر میں نے ایسا کیا تو تو آزاد ہے یا حکما ہو جیسے کسی شخص کا قول اپنی منکوحہ کے بارے میں یا معتدہ کے بارے میں اگر تو گئی تو تو طلاق والی ہے یا ملکیت کی طرف اضافت ہو خواہ اضافت عام ہو یا خاص، مثلا کسی شخص کا یہ کہنا کہ اگر میں غلام کا مالک ہوا تو آزاد ہے یا معین غلام کے بارے میں کہے کہ اگر میں مالک ہوجاؤں اس غلام کا تو آزاد ہے۔ **(درمختار ج ص ۲۳۹)**

ان شرائط میں سے ایک ملک یا علاقہ ملک کا ہونا ہے لہذا درست نہیں ہے طلاق مگر ملک میں یا ملکیت کے علاقوں میں سے کسی علاقہ میں، مثلا عورت کا عدت طلاق میں ہونا، یا ملکیت کی طرف اضافت کا ہونا، ضروری ہے طلاق کو معلق کرنے کے لئے۔ یا تفویض کے لئے **(بدائع ج ۳ ص ۱۲۲)**

(۲) **شرائط طے ہونے کی دوسری صورت یہ ہے کہ ایجاب ہی** میں تمام شرائط جو لگانے ہوں اسے ذکر کردیا جائے اور ابتداء (ایجاب مشروط) عورت کی جانب سے ہو اور مرد تمام شرائط کے ساتھ اسے قبول کرلے یہ صورت بھی شرعا درست اور معتبر ہے اور نکاح کے بعد معاملہ عورت کے ہاتھ میں ہوگا۔ جب چاہے گی شرائط کی خلاف ورزی کی صورت میں اپنے اوپر طلاق واقع کرسکے گی، ابن نجیم مصری فرماتے ہیں۔

اگر عورت نے ابتداء کیا اور کہا میں نے تم سے شادی کی اس شرط پر کہ میں طلاق والی ہوں یا یہ کہ میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا جب چاہوں گی اپنے اوپر طلاق واقع کرلوں گی۔ شوہر نے کہا میں نے قبول کیا تو طلاق واقع ہوجائے گی اور اس کا معاملہ اس کے ہاتھ میں ہوگا۔ **(بحر الرائق ج ۳ ص ۳۱۸)**

(۳) شرائط طے ہونے کی تیسری اور آخری صورت یہ ہے کہ نکاح کے بعد شرائط نامہ تحریر کیا جائے اس طرح کہ عورت کو کوئی تکلیف دی گئی یا اس کی موجودگی میں شوہر نے دوسرا نکاح کیا یا بغیر جرم اس کی ناحق پٹائی کی گئی تو عورت کو اس وقت یہ اختیار ہوگا کہ اپنے اوپر طلاق واقع کرکے شوہر سے خلاصی حاصل کرلے تو یہ شرط بعد النکاح بھی درست اور شرعا معتبر ہوگی۔ اور ان تمام شکلوں میں عورت کو اختیار ہوگا کہ اپنے اوپر طلاق واقع کرلے، ابن نجیم جامع الفصولین سے نقل کرتے ہیں۔

اور جامع الفصولین میں ہے کہ شوہر نے اپنی بیوی سے کہا کہ اگر میں تیری موجودگی میں شادی کروں تو تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں اور تیرے سپرد ہوگا، پھر عورت نے اپنے شوہر کے خلاف دعوی کردیا کہ فلاں عورت جو حاضر ہے

اس سے تو نے شادی کی ہے اور حاضرہ بھی اس بات کا اقرار کرتی ہے کہ ہاں میں نے اس سے شادی کی ہے ، اور شاہد بھی اس نکاح کی شہادت دیدیں تو معاملہ اس عورت کے ہاتھ میں ہوگا (بحر الرائق ج ۳ ص ۳۱۹)

جانبین کے لئے کچھ مفید قیدیں

نکاح کے شرائط ناموں میں مزید کچھ ایسی قیدیں بڑھائی جاسکتی ہیں جو جانبین کی ازدواجی اور عائلی زندگی میں استحکام پیدا کریں مثلاً نکاح کے شرائط نامہ میں جانبین کے کم از کم دس افراد جو باوثوق اور اہل علم ہوں کے نام اور ان کے دستخط ، اسی طرح یہ قید بھی شرائط نامہ میں بڑھادی جائے (جس وقت عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کی نوبت آن پڑے) کہ ان دس حضرات میں سے جو حضرات اس وقت موجود ہوں اور وہ عورت کے حق میں طلاق کو مناسب سمجھیں تب عورت کو شرائط کے مطابق اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا وغیرہ۔ اس بارے میں قرآن کریم کی اس آیت سے مدد لی جاسکتی ہے ۔

و ان خفتم شقاق بینهما فابعثوا حكما من اهله و حكما من اهلها ان یریدا اصلاحا یوفق الله بینهما ان الله كان علیما خبیرا (پاره ٥)

کیا تفویض طلاق سے مصالح شرع کے ضیاع کا اندیشہ ہے ؟

یہ بات تو اپنی جگہ مسلم ہے کہ عورت نفسیاتی طور پر جلد باز ہے جس کی وجہ سے الجھن میں بہت جلد آجاتی ہے اس لئے اس پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے شوہر کوئی ایسی شرط لگاسکتا ہے جس سے عورت خوف کرے اور طلاق واقع کرنے میں عجلت سے کام نہ لے مثلاً مرد یہ شرط لگادے کہ عورت اس شرط پر اپنے اوپر طلاق واقع کرسکتی ہے جب سارا مہر معاف کردے اس طرح کی قید سے ضیاع کے اندیشہ کا سد باب ممکن ہے ۔ ابن نجیم لکھتے ہیں :

اگر شرط لگایا شوہر نے کہ تین طلاق واقع کرنے کا حق تم کو ہے اگر تم اپنے مہر سے مجھ کو بری کردو ، اگر وہ لڑکی کھڑی ہوگئی اس مجلس سے تو اس کے ہاتھ سے معاملہ نکل جائے گا اور اگر واقع کیا طلاق مجلس میں اور اس نے مہر سے براءت کو مقدم کیا تو طلاق واقع ہوجائے گی اور اگر بری نہیں کیا مہر سے تو طلاق واقع نہیں ہوگی اس لئے کہ طلاق واقع کرنے کا وکیل شوہر نے براءت کی شرط پہ بنایا ہے (بحر الرائق ج ۳ ص ۳۱۹)

ان عبارتوں سے واضح ہوتا ہے کہ اس طرح کی شرطیں لگائی جاسکتی ہیں تاکہ مصالح شرع پر کنٹرول رہے ۔

تفویض طلاق اور احتیاطی قیود

مولوی عبد القادر قاسمی ☆

عقد نکاح کے وقت عورت کا اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کی شرط لگانا

عقد نکاح کے وقت اگر عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا، یا فلاں فلاں شکلوں میں طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا اور شوہر اس شرط کو تسلیم بھی کرلے تو یہ شرط شرعاً معتبر ہوگی اور اس تسلیم کی وجہ سے شوہر کا حق طلاق ختم ہوکر بیوی کو مل جائے گا اور شرعاً شوہر کو کچھ بھی حق طلاق نہ ہوگا۔

" واذا اشترطت المراة لنفسها فى عقد النكاح عقدالطلاق . اى حقها فى تطليق نفسها من زوجها فالنكاح صحيح و الشرط جائز . بهذا قال المجيزون بشروط القسم الاول التى ذكرناها و منهم الحنابلة و كذالک قال بجواز هذا الشرط الحنفية . ولكن بشرط ان يكون اشتراط هذا الشرط بالصيغة الصحيحة . وهى ماياتى - " (وهو هذا) " و اذا قالت المراة فى ايجابها " زوجت نفسى على ان يكون امرى بيدى . اطلق نفسى كلما شئت . او متى شئت فقال الرجل فى قبوله . قبلت . فالنكاح صحيح و الشرط صحيح " الخ - (المفصل فى احكام المراة ج ۲ ص ۱۳۲) (ايضا) (الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۷۳ . (ايضا) رد المحتار ج ۳ ص ۳۲۹ (دار الفكر) (ايضا) (الفقه الاسلامى ج ۷ ص ۵۲)

☆ تربیت افتاء، امارت شرعیہ پٹنہ

طلاق کا حق تفویض کرنے کے بعد اس کو ختم کرنا جائز نہیں ؟

اگر شوہر نکاح کے وقت بیوی کو طلاق کا حق تفویض کرنے کے بعد اس تفویض کو ختم کرنا چاہے تو اس کا اختیار شوہر کو باقی نہیں رہتا ہے ۔ بلکہ اس کے قبول کرتے ہی اس کا حق و اختیار شرعاً باطل ہوجاتا ہے ۔

" **ولیس للزوج ان یرجع فی ذالک و لاینهاها مما جعل الیها و لا یفسخ کذا فی الجوهرة النیرة** " **الفتاوی الهندیة ج ۱ ص ۳۸۷**

واضح رہے کہ مذکورہ مسئلہ تفویض طلاق کی تفصیل شرط کی تین صورتوں کے ذیل میں حضرت تھانوی کے ارشاد کے ذریعہ بیان کیا جائے گا ۔

شرط کی تین صورتیں ۔ قبل العقد ۔ بعد العقد ۔ وقت العقد

شرط کی تین شکلیں ہیں ، پہلی شکل یہ ہے کہ شرائط قبل از نکاح طے ہوجائیں ۔ اور طرفین کے جانب سے دستخط بھی ہوجائے ۔ دوسری شکل یہ ہے کہ عین نکاح کے وقت شرائط کا ذکر کیا جائے ایجاب مشروط ہو یا ایجاب مطلق ہو اور قبول مشروط ہو ۔ تیسری شکل یہ ہے کہ عقد نکاح کے بعد طرفین آپس میں کوئی شرائط نامہ تحریر کریں

حکم

مذکورہ بالا تینوں صورتیں جائز و درست ہیں ، البتہ ، شرائط اگر قبل از نکاح طے ہوں اور طرفین کے دستخط بھی ہوجائیں اور شرائط عین نکاح کے وقت طے ہوں ان دونوں صورتوں کی صحت کے لئے ایک ایک شرط ہے ۔ اس کی مکمل اور جامع تفصیل حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی بیش بہا اور قیمتی تصنیف " **الحیلة الناجزة** " سے ذیل میں نقل کی جاتی ہے ۔

پہلی صورت

یہ کہ کابین نامہ نکاح سے پہلے لکھا جائے ، اس کے معتبر اور مفید ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت و نسبت موجود ہو ۔ مثلاً یہ لکھا جاوے کہ ۔ اگر فلاں بنت فلاں کے ساتھ نکاح کروں اور پھر شرائط مندرجہ اقرار نامہ ہذا میں سے کسی کی خلاف ورزی کروں تو مسماۃ مذکور کو اختیار ہوگا کہ اس وقت یا پھر کسی وقت چاہے تو اپنے اوپر طلاق بائن واقع کر کے اس نکاح سے الگ ہوجائے ۔ اگر اس میں اضافت الی النکاح نہ لکھی گئی تو یہ اقرار

نامہ محض بے کار ہوگا، اس کی رو سے عورت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہ ہوگا۔

کما فی تنویر الابصار باب التعلیق و شرطہ الملک کقولہ لمنکوحة ان ذھبت فانت طالق اوالاضافة الیہ کان نکحتک فانت طالق فلذا قولہ لاجنبیة ان زرت زیدا فانت طالق الخ۔ (شامی ج ۲ ص ۸۱۳)

وفی الفصل الثالث من کتاب الشروط للعالمگیریة مانصہ و الثانی تعلیق التفویض بالشرط و انہ اقسام (الی ان قال) القسم الثانی تعلیق التفویض بترک نقد المعجل الی وقت کذا صورة کتابة ھذا القسم جعل امرھا بیدھا فی تطلیقةٍ واحدة بائنة مطلقا بشرط انہ اذا مضی شھر اولہ کذا و آخرہ کذا و لم یؤد الیھا جمیع ماقبل تعجیلہ لھا من صداقھا وھو کذا فانھا تطلق نفسھا بعد ذالک متی شاء ت ابدا واحدة بائنة فوض الامر فی ذالک الیھا و انھا قبلت منہ ھذا الامر فی مجلس التفویض القسم الثالث تعلیق التفویض بشرط قمارہ او بشربہ الخمر او ضرب ضربا موجعا یظھر اثرہ علی بدنھا و صورة کتابتہ علی نحو ما بینا (عالمگیری مصری ج ۲ ص ۷۷۱) "

قلنا قولہ و انھا قبلت فی مجلس التفویض قد خرج مخرج عادة المحاضر و السجلات و الا فقبولھا فی مجلس التکلم لیس بشرط بل الشرط استعمال الخیار فی مجلس وقوع الشرط کما سیاتی و قد صرح بذالک فی الفصل الاول من الباب الثالث لطلاق الھندیة ۔ا

دوسری صورت

کہ عین ایجاب و قبول ہی میں زبانی شرائط مذکور ہوں اس کے صحیح و معتبر ہونے کی شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو یعنی اولا خود عورت (یا اس کا ولی یا وکیل (یعنی قاضی نکاح خواں) عقد نکاح کے وقت یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو (یا مسماۃ فلاں بنت فلاں کو) تیرے نکاح میں اس شرط پر دیدیا کہ اگر تم نے یہ کام کیا یا وہ کام کیا (جتنی شرطیں لگانا مقصود ہوں سب کو ذکر کر دیا جاوے) تو اپنے کا اختیار میرے (یا مسماۃ موصوفہ کے) ہاتھ میں ہوگا۔ یعنی شرائط مذکورہ میں سے کسی کی خلاف ورزی پر بھی اختیار ہوگا کہ اس وقت یا پھر کسی وقت چاہوں (یا چاہے) تو اپنے آپ کو طلاق بائن دے کر اس نکاح سے الگ کر سکوں گی (یا کر سکے گی) اس کے جواب میں مرد ناکح یوں کہے کہ میں نے قبول کرلیا، اس پر عورت کو اختیار ہوگا۔ کہ وہ جب اپنے اوپر شرائط کے خلاف ظلم و معصیت دیکھے تو اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس شوہر کے نکاح سے نکل جائے یعنی اس طرح کہدے کہ میں اپنے اوپر ایک طلاق

بائن واقع کرتی ہوں۔

اور اگر ایسا نہ کیا گیا بلکہ ابتدائے کلام (یعنی ایجاب) مرد کی جانب سے ہو اور لڑکی والے قبول کے ساتھ تفویض طلاق کی شرط لگادیں تو نکاح تو بلاکسی شرط کے صحیح ہوجاوے گا، اور شرط بالکل بے کار ہوجائے گی۔ خوب سمجھ لو

"فی الدر المختار قبیل فصل المشیئة من کتاب الطلاق نکحها علی ان امرها بیدها الخ و فی حاشیة رد المحتار قوله صح مقید بما اذا ابتدأت المراة فقالت زوجت نفسی منک علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید او علی انی طالق فقال الزوج قبلت۔ اما لو بدا الزوج لا تطلق ولا یصیر الامر بیدها کما فی البحر عن الخلاصة و البزازیة انتهی۔ شامی ج ۲ ص ۲۹۲)

ومثله صرح فی حیل العالمگیریة (ج ۷ ص ۳۷۳) و بین الفقیه ابو اللیث رح وجه الفرق بین الصورتین فقال لان البداة اذا کانت من الزوج کان الطلاق والتفویض قبل النکاح فلا یصح اما اذا کانت من المراة یصیر التفویض بعد النکاح لان الزوج لما قال بعد کلام المراة قبلت یتضمن اعادة ما فی السوال صار کانه قال قبلت علی انک طالق او علی ان یکون الامر بیدک فیصیر مفوضا بعد النکاح اھ (شامی کتاب الطلاق تحت قول الدر لا یقع طلاق المولی علی امراة عبده الا اذا قال الخ (ج ۲ ص ۲۹۹)

تنبیہ ۔ اور اگر ایجاب عورت ہی کی جانب سے ہو مگر شرط تفویض ذکر نہ کی گئی اور مرد نے قبول میں شرط تفویض کا اضافہ کردیا تب بھی تفویض صحیح ہوگئی لیکن چونکہ اس صورت میں صرف مرد کو اختیار ہے خواہ وہ شرط کو بڑھائے یا نہ بڑھائے عورت کی جانب سے جب ایجاب بلاکسی شرط کے ہوچکا، تو اس کے ہاتھ سے بات نکل چکی، اس لئے کہ عورت کا مقصد یہ ہو کہ اس کو طلاق لینے کا اختیار مل جائے اس کے واسطے یہ صورت کافی نہیں، بلکہ ایجاب میں شرط لگانا ضروری ہے، تاکہ مرد کو بلاکسی شرط قبول کرنے کا حق ہی نہ رہے۔

تیسری صورت

کہ نکاح کے بعد کوئی اقرار نامہ اس قسم کا شوہر سے لکھوایا جاوے یہ صورت بھی بالکل صحیح اور درست ہے۔

مشورہ: یہ صورت اس عورت کے لئے کارآمد ہے جس کے نکاح میں کابین نامہ نہیں لکھوایا گیا تھا، لیکن جو عورت نکاح کے وقت احتیاط کی طالب ہے، اس کے واسطے اس میں بھی وہی کمی ہے جو ابھی تنبیہ بالا کے ذیل میں مذکور ہوئی، یعنی جبکہ عقد نکاح تمام ہوچکا تو عورت کے قبضہ میں نہ رہا کہ خاوند کو اس اقرار نامہ کے لکھنے پر مجبور کرلے بلکہ صرف اس کی مرضی پر معاملہ رہ جاتا ہے۔

اس لئے کہ مصائب کے وقت خلاصی کی اصل تدبیر پہلی یا دوسری ہی صورت اختیار کرنا ہے اور ان میں بھی آسان صورت جس میں عوام کو مغالطہ میں پڑنے کا اندیشہ نہیں وہ صرف پہلی ہی صورت ہے، کہ عقد سے پہلے ہی کابین نامہ لکھوالیا جائے مگر اس میں اضافت الی النکاح ضرور ہونا چاہئے یعنی یہ لفظ ضرور لکھوادئے جائیں کہ اگر میں "فلاں دختر فلاں" سے نکاح کروں اور پھر فلاں فلاں شرط کے خلاف کروں الخ اور اگر اضافت الی النکاح نہ لکھی گئی تو 3, / 11
کابین نامہ کالعدم ہوگا، جیسا کہ پیشتر گذر چکا **واللہ سبحانہ و تعالی اعلم** ۔

فائدہ ۔ نکاح مذکور جس میں کچھ شرائط خاوند سے منظور کرالی گئی ہیں۔ اس کے جواز میں حنفیہ کو کلام نہیں ہے، بعض لوگوں نے اس صورت کو نکاح معلق میں داخل کر کے شبہ کیا ہے، مگر درحقیقت یہ نکاح معلق نہیں۔ بلکہ نکاح منجز ہے۔ جو تفویض معلق کے ساتھ مشروط ہے۔ نکاح معلق وہ ہے کہ اس وقت نکاح ہی نہ ہو جیسے عورت یوں کہے کہ "میں نے اپنے آپ کو تیرے نکاح میں دے دیا اگر میرا باپ راضی ہو" یا مرد یوں کہے کہ "میں نے قبول کرلیا اگر میرا باپ راضی ہو" اس صورت میں نکاح نہیں ہوتا۔ اور اگر اصل نکاح معلق نہ کیا جاوے بلکہ اس کے ساتھ کوئی شرط زائد لگادی جائے تو اس طرح نکاح ہوجاتا ہے جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ مجلس عقد میں نکاح اسی وقت ہورہا ہے مگر اس کے ساتھ ایک شرط ہے جس کو شوہر سے منوایا جاتا ہے۔

ضروری مشورہ ۔ چونکہ عورت ناقص العقل ہوتی ہے اس لئے طلاق کو مطلقا اس کے ہاتھ میں دے دینا خطرہ سے خالی نہیں ہے، پس مناسب یہ ہے کہ تفویض میں کوئی قید مناسب بھی لگادی جائے جس میں وہ خطرہ نہ رہے مثلا یہ کہ نکاح کے وقت عورت کی طرف سے خود یا اس کا ولی یا وکیل (یعنی قاضی نکاح خواں) یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسماۃ فلاں بنت فلاں کو تمہارے نکاح میں بمعاوضہ مہر۔ روپے۔ سکہ رائج الوقت کے اس شرط پر دے دیا کہ جس وقت اس کو تم سے کوئی تکلیف شدیدہ پہونچے گی جس کو فلاں فلاں اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کرلیں (اس جگہ مناسب ہے کہ کم از کم دس آدمیوں کے نام تراضی طرفین سے متعین کردئے جائیں) تو اس کے بعد ہر وقت معاملہ میرے یا اس کے اختیار میں ہوگا کہ اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس نکاح سے علیحدگی اختیار کرلی جاوے۔ اس صورت میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں اس وقت آئے گا جب کہ تسلیم کردہ اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کرلیں کہ تکلیف شدیدہ ہے لیکن عورت کو اس کے بعد بھی چاہئے کہ طلاق واقع کرنے میں جلدی نہ کرے بلکہ اطمینان کے ساتھ سوچ سمجھ کر کام کرے اور تین باتوں کا ضرور التزام کرے۔

اول ۔ یہ کہ فورا غصہ کے وقت اپنے اس اختیار سے کام نہ لے بلکہ ایک معتد بہ مدت تک غور خوض کرے جس کی میعاد ایک ہفتہ سے کم نہ ہو۔

دوسرے ۔ یہ کہ اپنے خیر خواہوں سے ضرور مشورہ کرے۔

تیسرے ۔ یہ کہ سنت کے موافق استخارہ کرلے اور ویسے بھی دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ میرا دل ایسے کام کی طرف پھیردے جو میرے لئے دین و دنیا میں بہتر ہو اس تمام کوشش کے بعد جو کچھ دل میں آئے اس پر عمل کرے۔ اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے، اس طرح وہ خطرہ نہ ہوگا، جو تفویض مطلق کی صورت میں ہوتا ہے۔ فقط **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

تنبیہ ضروری ۔ تعلیق مذکور میں اگر چاہے کا لفظ استعمال نہ کرنا چاہئے، ورنہ تفویض خاص اس مجلس کے ساتھ مقید ہو جاوے گی جس میں وہ شرائط ہوں اور اس مجلس کے ختم ہوجانے کے بعد عورت کو اختیار طلاق کا باقی نہ رہے گا اور اختیار کو اس قدر محدود کردینا مناسب نہیں، اسی طرح لفظ "جب چاہے" بھی شرط میں نہ استعمال کیا جاوے، ورنہ ہمیشہ کے لئے (حتیٰ کہ اعادہ نکاح کے بعد بھی) اس کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار رہے گا جب تک کہ تین طلاق پوری نہ ہوجاویں، اور ایسا اختیار عورت کو دینا ضرورت سے زائد اور مصلحت کے خلاف ہے۔ بلکہ ایسے الفاظ استعمال کرنے چاہئیں جن سے نہ تو ایسی تنگی لازم آئے کہ تفویض مقید بالمجلس ہوجائے اور نہ اتنی وسعت ہو کہ عورت کو تینوں طلاقیں واقع کرلینے کا اختیار مل جائے اس لئے ہم نے کابین ناموں میں اور گذشتہ مثالوں میں ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ جو باتفاق محاورات فریقین کی رعایت اور مصلحت پر مشتمل ہیں، ان الفاظ سے صرف ایک ہی مرتبہ طلاق دینے کا اختیار حاصل ہوگا، مگر وجود شرط کی مجلس کے ساتھ مقید نہ ہوگا اور اردو کے محاورات مختلف ہونے کی وجہ سے تمام الفاظ شرط کا حکم منضبط نہ ہوسکا، اس واسطے الفاظ عربیہ کی تفصیل نقل کرتے ہیں تاکہ اہل علم بوقت ضرورت اس تفصیل میں اور متکلم کے محاورہ میں بغور تطابق کرکے بقیہ الفاظ شرط کا حکم متعین کرسکیں اور عوام کو لازم ہے کہ جو الفاظ ہم نے تجویز کئے ہیں ان کی رعایت رکھیں اور اگر ان کے سوا کسی لفظ کا حکم معلوم ہونے کی ضرورت پیش آجاوے تو علماء کرام سے دریافت کریں صرف اپنی زبان دانی پر بھروسہ کرکے خود فیصلہ کرنا جائز نہیں۔

والتفصیل مافی العالمگیریۃ من الجوہرۃ النیرۃ اذا قال لہا طلقی نفسک وسواء قال لہا ان شئت اولا فلہا ان تطلق نفسہا فی ذالک المجلس خاصۃ " (ج ۲ ص ۸۷) وفیہ ایضا " ان قال لہا طلقی متی شئت فلہا ان تطلقہا فی المجلس و بعدہ۔ ولہا المشیۃ مرۃ واحدۃ وکذا قولہ متی ما شئت و اذا ما شئت و لو قال کلما شئت کان ذالک لہا ابدا حتی یقع ثلث کذا فی السراج الوہاج " (الباب الثالث فی تفویض الطلاق فصل المشیۃ (ج ۲ ص ۸۷) و فی البحر الرائق فصل الامر بالید (ج ۳ ص ۳۱۸) و اطلق الامر بالید فشمل المنجز و المعلق اذا وجد

شرطه و منه ما فی المحیط لو قال ان دخلت الدار فامرک بیدک فان طلقت نفسها کما وضعت القدم فیها طلقت لان الامر فی یدها و ان طلقت بعد ما شئت خطوتین لم تطلق لانها طلقت بعد ما خرج الامر من یدها۔

تنبیہ دوم ۔ شوہر کو تفویض طلاق کے بعد اس تفویض سے رجوع کا حق نہیں رہتا۔ بلکہ تفویض طلاق کے بعد عورت طلاق کی مالک ہوجاتی ہے، اس لئے شرائط میں مرد کو غور و خوض اور اہل علم و فہم سے مشورہ کرلینا ضروری ہے، ورنہ بعد میں پریشانی و پشیمانی ہوگی۔

لما فی العالمگیریۃ و لیس للزوج ان یرجع فی ذالک ولاینها ها عما جعل الیها و لا یفسخ کذا فی الجوهرة " (عالمگیری ج ۲ ص ٥٧) و فی الدر المختار من فصل المشیئۃ کتاب الطلاق و لا یملک الزوج الرجوع منه ای من التفویض بانواعه الثلاثۃ لما فیه من معنی التعلیق قال الشامی قوله الثلاثۃ ای التخییر والامر بالید والمشیئۃ اھ ۔ و الله سبحانه و تعالی اعلم (علمه اتم و احکم (الحیلۃ الناجزة من ص ۳۰ الی ص ۳۷)

تفویض طلاق اور اس کی شرطیں

مولوی نسیم الدین قاسمی ٭

آج کل عورتوں کو نکاح کے بعد بسا اوقات جن حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے، کبھی مرد کی طرف سے ظلم و ستم کبھی نان و نفقہ سے دستبردار ہوجاتا ہے اور کبھی بیوی بال بچوں کو چھوڑ کر پردیس چلا جاتا ہے اور عورت بیچاری بے کسی و بے بسی کی حالت میں اپنی زندگی گذارتی ہے اور شوہر کبھی بھی اس کی طرف التفات نہیں کرتا، ایسے حالات کے پیش نظر اگر نکاح سے قبل یا عقد نکاح کے وقت یا عقد نکاح کے بعد باہم رضامندی سے کچھ شرائط مقرر کرلئے جائیں کہ اگر شوہر اس کی خلاف ورزی کرے گا تو عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق ہوگا اور اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) نکاح سے قبل شرائط طے ہو جائیں (۲) نکاح کے وقت طے ہوں (۳) یا نکاح کے بعد شرائط طے ہو۔

(۱) پہلی صورت یعنی جب کہ نکاح سے قبل شرائط طے ہوں، ان شرائط کے مقبول ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ان شرائط کی اضافت یا نسبت نکاح کی طرف کی گئی ہو۔ مثلاً شوہر یہ کہے کہ اگر میں مسماۃ فلاں بنت فلاں سے نکاح کروں اور پھر جو شرط طے پائے اس کا تذکرہ کرتے کے بعد شوہر یہ کہے کہ اگر میں نے مذکورہ شرائط کی ادائیگی نہیں کی تو عورت کو اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا پھر جب چاہے اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کر کے نکاح سے الگ ہو جائے۔

٭ متخصص فی الفقہ دارالعلوم حیدرآباد۔

اور اگر اس شرط کی نسبت یا اضافت نکاح کی طرف نہیں کی گئی تو شرائط نامہ محض بے کار ہوگا اور عورت کو کسی قسم کا اختیار نہ ہوگا

لما فی تنویر الابصار باب التعلیق و شرطہ الملک کقولہ لمنکوحۃ ان ذھبت فانت طالق اوالاضافۃ الیہ کان نکحتک فانت طالق فلغا قولہ لاجنبیۃ ان زرت زیدا فانت طالق در مختار ج ۲ ص ۵۳۷)

(۲) عالمگیری میں ہے

القسم الثانی تعلیق التفویض بترک نقد المعجل الی وقت کذا صورۃ کتابۃ ھذا القسم جعل امرھا بیدھا فی تطلیقۃ واحدۃ بائنۃ مطلقا بشرط انہ اذا مضی شھرا و لہ کذا او آخرہ کذا و لم یؤد الیھا جمیع ماقبل تعجیلہ لھا من صداقھا و ھو کذا فانھا تطلق نفسھا بعد ذالک متی شاء ت ابدا واحدۃ بائنۃ فوض الامر فی ذالک الیھا و انھا قبلت منہ ھذا الامر فی مجلس التفویض

القسم الثالث تعلیق التفویض بشرط قمارہ او بشربہ الخمر او ضربہ ضربا موجعا یظھر اثرہ علی بدنھا و صورۃ کتابۃ نحو ما بینا۔ عالمگیری ج ۲ ص ۳۷۱)

دوسری قسم تفویض کو معلق کرنا ہے متعین وقت تک مہر نقد معجل کے ترک کرنے کے ذریعہ، کتابت کی صورت یہ ہے کہ شوہر نے ایک طلاق بائن کا اختیار عورت کو دے دیا مطلقا اس شرط کے ساتھ کہ جب ایک ماہ گذر جائے اور اس کو میں نے اتنا روپے حوالہ نہیں کیا اس کے مہر معجل میں سے تو عورت کو اس کے بعد اختیار ہوگا جب چاہے ایک طلاق بائنہ لے لے، شوہر نے اس امر طلاق کو عورت کے حوالہ کر دیا اور عورت نے اس تفویض طلاق کو قبول بھی کر لیا مجلس تفویض ہی میں۔

(تیسری قسم) تفویض طلاق کو معلق کر دیا، جوا کھیلنے یا شراب پینے یا ضرب شدید پر جو تکلیف کا باعث ہو اور اس کا اثر بدن پر ظاہر بھی ہو اور اگر شوہر نے اس میں سے کسی کا ارتکاب کیا تو عورت کو اختیار ہوگا کہ اپنے آپ کو طلاق بائن دے کر جدا ہو جائے۔

(۲) دوسری شکل یہ ہے کہ عین ایجاب و قبول کے وقت شرائط ذکر کی جائیں اس شرط کے معتبر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو یعنی اولا عورت یا اس کا ولی عقد نکاح کے وقت یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسماۃ فلاں بنت فلاں کو تیرے نکاح میں اس شرط پر دیا کہ اگر تم نے فلاں فلاں کام کیا (جتنی

شرائط لگائی ہوں بیان کر دے) تو میرے معاملے کا اختیار میرے ہاتھ میں ہوگا یا مسماۃ فلاں بنت فلاں کے ہاتھ میں ہوگا اسی وقت یا پھر کسی وقت جب عورت چاہے اپنے اوپر ایک طلاق بائن دے کر نکاح سے جدا ہوجاتے ۔ اس کے جواب میں شوہر ناکح یوں کہے کہ میں نے قبول کیا ۔ اس پر عورت کو اختیار ہوگا جب وہ اپنے اوپر ظلم و مصیبت دیکھے اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس شوہر کے نکاح سے نکل جائے ۔

اور اگر ایسا نہ کیا بلکہ ابتدائے کلام (یعنی ایجاب) مرد کی جانب سے اور لڑکی قبول کے ساتھ تفویض طلاق کی شرط لگا دے تو نکاح بلا کسی شرط کے صحیح ہو جائے گا اور شرط باطل ہو جائے گی ۔

۱ ۔ در مختار میں ہے

نکحها على ان امرها بيدها صح (در مختار ج ۲ ص ۵۲۵ تا ۵۲۲)

نکاح اس شرط پر کیا کہ اس کا معاملہ اس کے ہاتھ میں ہے تو ایسا کرنا درست ہے ۔

۲ ۔ حضرت علامہ شامی اس عبارت کے ضمن میں لفظ صح پر کلام کرتے ہوئے رقم طراز ہیں ۔

(قوله صح) مقيد بما اذا ابتدات المراة فقالت زوجت نفسي منك على ان امري بيدي اطلق نفسي كلما اريد او على انى طالق فقال الزوج قبلت اما لو بدا الزوج لاتطلق و لايصير الامر بيدها كما فى البحر عن الخلاصة و البزازية (شامى ج ۲ ص ۵۲۲)

صح مقید ہے اس صورت کے ساتھ جب کہ عورت کی طرف سے ایجاب ہوا ہو چنانچہ عورت کہے کہ میں اپنا نکاح تم سے اس شرط پر کرتی ہوں کہ میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہے تو میں جب چاہوں گی اپنے آپ کو طلاق دے دوں گی یا اس شرط پر کہ طلاق کا اختیار مجھ کو ہوگا تو اس کے جواب میں شوہر نے کہا میں نے قبول کیا ۔

لیکن اگر ایجاب شوہر کرے تو طلاق کا اختیار عورت کو نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کو شوہر کا اختیار حاصل ہوگا ۔

۳ ۔ عالمگیری میں بھی اسی طرح بیان کیا ہے اور فقیہ ابواللیث نے ان دونوں کے درمیان فرق کو بھی واضح کیا ہے ۔

فقیہ ابواللیث نے بیان کیا ہے

وجه الفرق بين الصورتين فقال لان البداة اذا كانت من الزوج كان الطلاق و التفويض قبل النكاح فلا يصح اما اذا كانت من المراة يصير التفويض بعد النكاح لان الزوج لما قال بعد كلام المراة قبلت على ان يكون الامر بيدك فيصير مفوضا بعد النكاح (هندية ج ۱ ص ۲۷۳ خانية ج ۱ ص ۳۲۹)

ان دونوں صورت کے درمیان فرق یہ ہے کہ جب ایجاب شوہر کی جانب سے ہوگا تو طلاق اور تفویض طلاق نکاح سے قبل سمجھا جائے گا، لہذا یہ صحیح نہ ہوگا، لیکن جب ایجاب عورت کی جانب سے ہوگا تو تفویض نکاح کے بعد ہوگی، کیوں کہ شوہر نے جب عورت کے کلام کرنیکے بعد کہا "قبلت" تو گویا کہ شوہر کا یہ کلام اعادہ ما فی السوال کو متضمن ہوا تو گویا کہ شوہر نے کہا کہ میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ تجھے طلاق کا اختیار ہے۔ لہذا یہاں پر تفویض طلاق نکاح کے بعد سمجھی جائے گی۔

اس لئے دوسری شکل میں جب کہ عین عقد کے وقت شرائط طے کی جائیں تو ایجاب شوہر کی جانب [illegible] کیا جائے نہ کہ عورت کیجانب سے۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ نکاح کے بعد کوئی اقرار نامہ اس قسم کا شوہر سے لکھوا لیاجائے۔ یہ صورت بھی صحیح اور بالکل درست ہے۔

لیکن جب عقد نکاح تمام ہو چکا تو عورت کے قبضہ میں نہ رہا کہ خاوند کو اس اقرار نامہ کے لکھنے پر مجبور

(۱) اول یہ کہ غصہ کے وقت اپنے اختیار سے کام نہ لے بلکہ ایک معتد بہ مدت تک غور و خوض کرے جس کی میعاد ایک ہفتہ سے کم نہ ہو۔

(۲) اپنے خیرخواہوں سے مشورہ کرے۔

(۳) تیسرے یہ کہ سنت کے مطابق استخارہ کرے اور ویسے بھی دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ میرا دل ایسے کام کی طرف پھیر دے جو میرے لئے دین و دنیا میں بہتر ہو۔ ان تمام کوشش کے بعد جو شکل دل میں آئے کرے اور اس کے بعد اللہ پر بھروسہ رکھے اس طرح یہ تفویض پرخطر نہیں ہوگی جو تفویض مطلق کی صورت میں ہوتا ہے۔

کرے بلکہ صرف اس کی مرضی کی بات رہ جاتی ہے۔ اس لئے مصائب سے چھٹکارے کی وجہ صرف پہلی یا دوسری تدبیر اختیار کرنے ہی میں ہے۔

اور اس صورت میں یہ ضروری ہے کہ جب کابین نامہ لکھوایا جائے تو شرط کی نسبت و اضافت نکاح کی طرف کرے اور اگر ایسا نہ کیا تو شرط باطل ہو جائے گی۔

ضروری مشورہ

حضرت تھانوی نے اپنی کتاب **الحیلۃ الناجزۃ** میں تحریر فرمایا ہے کہ

عورت چونکہ ناقص العقل ہوتی ہے اس لئے طلاق کو مطلقاً اس کے ہاتھ میں دے دینا خطرہ سے خالی نہیں ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ تفویض میں کوئی قید مناسب بھی لگا دی جائے جس میں وہ خطرہ نہ رہے۔

مثلاً عورت کی طرف سے اس کا ولی یا وکیل یہ کہے کہ میں نے اپنے آپ کو یا مسماۃ فلاں بنت فلاں کو تمہارے نکاح میں بمعاوضہ اتنا روپے اس شرط پر دیا کہ جس وقت اس کو تم سے کوئی تکلیف شدید پہنچے گی جس کو فلاں فلاں اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کرلیں تو اس وقت معاملہ میرے یا مسماۃ فلاں بنت فلاں کے ہاتھ میں ہوگا۔

لیکن عورت کو چاہئے کہ اس کے بعد طلاق میں جلدی نہ کرے بلکہ اطمینان کے ساتھ سوچ سمجھ کر کام کرے اور تین باتوں کا التزام ضرور کرے۔

تفویض طلاق کا شرعی حکم

مولوی محمد نعیم رشیدی ٭

آج بحر مظلومیت میں عورت ذات جس قدر غوطہ زن ہے، وہ ایک ایسی مسلم حقیقت ہے کہ اگر کوئی اہل دل ان مظلوم زدہ زندگیوں کے اوراق الٹنے لگے تو اسے ایسے دلگداز اور ہولناک مظالم اور قیامت خیز مصائب نظر سے گذریں گے کہ قلب انسانی تلملا جائے۔ یہی ایک مظلومی فضا، بوقت رشتہ ازدواج اپنے لئے نجات دہندگان کے ایسے حکمی راہوں کی متلاشی ہوتی ہے، جس کا کچھ حصہ سوال میں درج ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عقد نکاح کے وقت عورت یہ شرط لگائے کہ اسے اپنے اوپر جس وقت طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا، اور شوہر بھی اس شرط کو تسلیم کرتا ہے، شرعی نقطہ نظر سے اس شرط کی کیا حیثیت ہوگی، کیا اس کے بعد عورت کو حق طلاق کا اختیار حاصل ہوگا؟ اس شرط کو اصطلاح شرع میں "تفویض طلاق" کہتے ہیں اور شرعا ایسی شرط کا اعتبار ہوگا، اور شرط صحیح ہوجائے گی، اور پھر عورت کو جوجب چاہے اپنے اوپر طلاق بائن واقع کرنے کا اختیار ہوگا، ہم یہاں پر فقہاء گرامی کی عبارات نقل کرتے ہیں۔

فقالت " زوجت نفسی منک علی انی او علی ان اطلق نفسی کلما ارید فقال الزوج قبلت جاز النکاح وقع الطلاق او صار الامر بیدها (فتاوی تاتار خانیۃ ج ۲ ص ۲۰۲)

عورت نے کہا کہ میں تم سے اس شرط پر نکاح کرتی ہوں کہ میں طلاق والی ہوں، یا مجھ کو طلاق دینے کا اختیار ہوگا تو شوہر نے کہا میں نے قبول کیا تو نکاح جائز ہوجائے گا طلاق یا حق طلاق کا اختیار حاصل ہوجائے گا۔

٭ متخصص فی الفقہ دارالعلوم سبیل السلام، حیدرآباد۔

نیز خانیہ میں بھی یہی عبارت مذکور ہے (**خانیہ فی ھامش الھندیہ ج ۱ ص ۳۲۹**۔ علامہ حصکفی لکھتے ہیں: **نکحھا علی ان امرھا بیدھا صح** (**در مختار علی الشامی ج ۳ ص ۳۲۹ الفقہ علی المذاھب الاربعۃ ج ۴ ص ۸۵**)

اس شرط پر نکاح کیا کہ عورت کو اختیار ہے تو صحیح ہے۔

لیکن یہاں پر ایک اہم بات قابل غور یہ ہے کہ مذکورہ شرط کا اعتبار اور اس کے صحیح ہونے کا مدار ایک قید پر موقوف ہے، اگر وہ نہ پائی جائے تو پھر شرط لغو ہوجائے گا اور عورت کو کوئی حق طلاق کا اختیار حاصل نہیں ہوگا، وہ یہ ہے کہ ایجاب عورت کی طرف سے ہو یعنی شرط کی ابتدا عورت کی طرف سے واقع ہوتی ہو اور شوہر محض تسلیم کرے اس کے برخلاف شرط ایجاب مرد کی طرف سے ہو اور عورت اس کو تسلیم کرے تو یہ شرط بے کار ہوجاتے گی، اور عورت کو اس وقت کسی قسم کا حق طلاق کا اختیار حاصل نہیں ہوگا، چنانچہ فقہاء کرام نے اس کی تصریح کی ہے۔

رجل قال لامراۃ تزوجتک علی انک طالق او علی ان امرک بیدک تطلقین نفسک کلما تریدین فقبلت لا یقع الطلاق و لا یصیر الامر بیدھا (**فتاوی تاتار خانیۃ ج ۲ ص ۲۰۲**)

مرد نے کہا عورت سے کہ میں تم سے اس شرط پر نکاح کرتا ہوں کہ تم طلاق والی ہو یا تمہارا معاملہ تمہارے اختیار میں ہے جس وقت چاہے اپنے اوپر طلاق واقع کر سکتی ہے، اور عورت نے اس کو قبول کیا، تو عورت کا معاملہ اس کے اختیار میں نہیں ہوگا۔

علامہ شامی لکھتے ہیں

نکحھا علی ان امرھا بیدھا صح مقید بما اذا ابتدات المراۃ فقالت زوجتک نفسی منک علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید فقال الزوج قبلت اما لو بدأ الزوج لا تطلق و لا یصیر الامر بیدھا (**شامی ج ۳ ص ۳۷۱**)

مرد نے عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ عورت کا معاملہ اس کے اختیار میں ہوگا، تو یہ صحیح ہے اور یہ اس صورت کے ساتھ مقید ہے جب کہ عورت ابتداء کرے چنانچہ عورت کہے کہ میں اپنے آپ کو تم سے اس شرط پر نکاح کرتی ہوں کہ میرا معاملہ میرے اختیار میں ہوگا جب چاہے میں طلاق واقع کر سکتی ہوں۔

دونوں میں وجہ فرق سمجھنے سے پہلے دو باتوں کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، پہلی بات یہ ہے کہ تفویض طلاق کا اعتبار ملکیت نکاح ہی میں صحیح ہوسکتا ہے، اگر حق طلاق کا اختیار ملکیت میں نہ ہوا ہو یعنی عورت اس کے نکاح میں کسی بھی حیثیت سے داخل نہ ہو تو پھر اس طرح کی تفویض کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، دوسری بات یہ ہے کہ نکاح کا

پورا ہونا قبول پر موقوف ہوتا ہے ۔ محض ایجاب سے نکاح تام نہیں ہوتا، چنانچہ اب فرق اس طرح سمجھا جاسکتا ہے ، کہ جب طلاق کی شرط کی ابتداء مرد کی طرف سے ہو تو یہ تفویض نکاح سے پہلے سمجھی جائے گی، کیونکہ یہاں محض ایجاب ہی ہوا ہے اور ابھی قبول باقی ہے ۔ لہذا تفویض نکاح سے پہلے واقع ہوئی ، چنانچہ گذشتہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ تفویض صحیح نہیں ، نیز اینکہ تفویض ملکیت میں نہیں پائی گئی ، لہذا تفویض صحیح نہیں ہوئی " اس کے برخلاف شرط کی ابتداء عورت کی طرف سے ہو " اور مرد اس کو تسلیم کرتا ہو تو یہاں تفویض کے بعد شوہر قبول کرتا ہے ، تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ میں نے تمہاری شرط کو قبول کیا تو گویا تفویض طلاق مرد کی جانب سے نکاح کے بعد ہوا ، لہذا اس صورت میں شرط صحیح ہوجائے گی مرد و عورت کو حق طلاق کا اختیار حاصل ہوجائے گا ، یہاں پر شوہر قبول میں شرط کے الفاظ استعمال نہیں کرتا ہے ، لیکن اس کے باوجود محض اس کے " **قبلت** " (میں نے قبول کیا) کہنے میں خود سوال بھی شامل ہوجائے گا ، جیسا کہ عام محاورات میں اس طرح کے استعمال سے ہر ایک واقف ہے ۔ چنانچہ خانیہ میں اس کا فرق اس طرح واضح کیا ہے ۔

اس لئے کہ ابتداء اگر شوہر کی جانب سے ہو تو طلاق و تفویض نکاح سے قبل ہونے کی وجہ سے درست نہیں ہوگا ، اگر ابتداء عورت کی طرف سے ہو تو یہ تفویض نکاح کے بعد ہوگا اس لئے کہ عورت کے کلام کے بعد شوہر نے " **قبلت** " (قبول کیا) کہا اور جواب سوال کے مضمون کو بھی شامل ہوتا ہے تو گویا وہ اس طرح کہا کہ میں نے اس شرط پر قبول کیا کہ تم طلاق والی یا تم کو اختیار ہوگا ۔ تو یہ تفویض نکاح کے بعد ہوگا (اور درست ہوجائے گا) (**فتاوی خانیة فی ھامش الھندیة ج ۱ ص ۳۲۹**)

حاصل کلام یہ ہوا کہ شرط کے وقت مذکورہ قید کا لحاظ رکھنا صحت شرط کے لئے ضروری ہے ، ورنہ شرط لغو اور بے کار سمجھی جائے گی اور عورت کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہیں ہوگا ، لیکن یاد رہے کہ یہ تعلیق نہیں ہے کہ جس سے اشکال ہو ۔

یہاں پر مزید ایک قید کا اضافہ کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے ، وہ یہ ہے کہ جب عورت شرط لگائے تو محتاط ہوکر ایسے الفاظ استعمال کرے کہ جس سے نکاح کے بعد جس وقت چاہے طلاق دینے کا اختیار حاصل ہو ، چنانچہ اس کے الفاظ اس طرح ہوں " میں تم سے اس شرط پر نکاح کرتی ہوں کہ مجھے اختیار ہوگا کہ نکاح کے بعد جس وقت چاہوں گی ایک طلاق بائن اپنے اوپر واقع کر کے الگ ہوجاؤں " اس کے برخلاف اگر عورت مطلق یوں کہتی ہے کہ میں اس شرط پر نکاح کرتی ہوں کہ مجھے طلاق کا اختیار ہوگا " تو اس صورت میں مجلس ختم ہونے کے بعد وہ اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کی مجاز نہیں ہوگی ، چنانچہ ملک العلماء علامہ کاسانی نے دونوں صورتوں کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے ۔

چنانچہ اگر مطلقا اس طرح کہا کہ تم کو اختیار ہے تو اس کا بقاء، حکم بقاء مجلس تک ہی ہے اور یہی مجلس ہے جس میں تفویض کا علم ہوا ہے، اگرچہ وہ مؤقت ہے، چنانچہ وقت کو مطلق رکھا اور اس طرح کہا کہ جب چاہے اور جس وقت چاہے تم کو اختیار ہوگا، تو عورت کو مجلس وغیر مجلس دونوں میں اختیار ہوگا، مجلس کے ساتھ مقید نہیں ہوگا **(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۱۳۳)**

جب عورت کی جانب سے شرط پوری ہوجائے اور اس کو طلاق کا اختیار حاصل ہوجائے اب شوہر کو تفویض طلاق کا اختیار حاصل نہیں ہوگا، عورت اب طلاق کی مالک بن چکی ہے جب چاہے طلاق واقع کرلے، فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے، چنانچہ علامہ کاسانی لکھتے ہیں۔

بہر حال تعلیق کی صفت سو وہ شوہر کی طرف سے لازم ہے یہاں تک کہ اس سے رجوع کرنے اور عورت کو اس کے اختیار سے منع کرنے کا مالک نہیں ہوسکتا، اور نہ فسخ کا اس لئے کہ وہ عورت کو طلاق کا مالک بنادیا ہے اور جو کسی چیز کا دوسرے کو مالک بنادے تو اس کی ولایت ملکیت سے ختم ہوجاتی ہے اور کسی طرح باطل کرنے کا مالک نہیں ہوسکتا **(بدائع الصنائع ج ۳ ص ۱۲۲۔ مجمع الانہر ج ۱ ص ۲۱۲۔ الشامی ج ۳ ص ۳۲۲۔ فتاوی عالمگیریۃ ج ۱ ص ۳۸۷۔ کذا فی تحفۃ الفقہاء)**

شرائط نکاح کی تین صورتیں

مذکورہ تینوں صورتیں درست ہیں، البتہ پہلی اور دوسری صورت میں چند قیدوں کا بڑھانا ضروری ہوگا، پہلی صورت کے صحیح ہونے کے لئے شرط یہ ہے، اس اقرار نامہ میں نکاح کی جانب نسبت اور اضافت موجود ہو، بغیر اضافت کے اقرار نامہ بے کار ہو جائے گا، وجہ اس کی یہ ہے کہ تفویض میں ملکیت کا ہونا ضروری ہے۔ اور بغیر ملکیت کے تفویض معتبر نہیں ہوگی، علامہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں

(التعلیق) انما یصح فی الملک کقولہ لمنکوحتہ ان زرت فانت طالق او مضافا الیہ کان نکحتک فانت طالق ای معلقا بسبب الملک ای ان ملکتک بالنکاح (البحر الرائق ج ۲ ص ۳)

تعلیق صرف ملکیت ہی میں ہوسکتی ہے، جیسے اپنے منکوحہ کو کہے کہ اگر تم زیارت کرو تو تم کو طلاق ہے، یا پھر نکاح کی طرف اضافت ہو یعنی اگر میں تم سے نکاح کروں تو تم کو طلاق ہے یعنی ملکیت کے سبب پر طلاق کو معلق کیا ہے۔

نیز علامہ کاسانی لکھتے ہیں

فمنها الملک او علقته من علائقه فلا یصح الطلاق الا فی الملک او فی علقته من علائق الملک وهی عدة الطلاق او مضافا الی الملک۔

تعلیق کی شرائط میں سے ملکیت یا علائق ملک ہونا ہے، لہذا طلاق صرف ملکیت ہی میں درست ہو سکتی ہے، یا پھر علائق ملک میں سے ہو۔ اور وہ عدت طلاق ہے، یا ملکیت کی طرف اضافت ہے۔

معلوم ہوا کہ تفویض طلاق کے لئے ملکیت یا سبب ملک کا ہونا ضروری ہے، اور دوسری صورت معتبر ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی طرف سے مشروط ہو یعنی ابتداء عورت نے کی ہو، اگر مرد ابتداء کرے اگرچہ مشروط ہی کیوں نہ ہو اور عورت قبول کرے تو یہ صورت درست نہیں ہوگی، جیسا کہ اوپر تفصیل گذر چکی، البتہ ایجاب عورت ہی کی طرف سے ہو لیکن غیر مشروط ہو یعنی اس میں شرط کا کوئی ذکر نہ ہو لیکن شوہر کا قبول مشروط ہو یعنی طلاق کے ساتھ قبول کرتا ہو تو ایسی صورت میں بھی شرط درست ہوجائے گی، اور عورت کو حق طلاق کا اختیار حاصل ہوجائے گا، لیکن اس صورت میں شوہر کے اختیار پر معاملہ رہے گا چاہے شرط کا ذکر کرے یا نہ کرے اس لئے کہ عورت کی جانب سے بغیر مشروط کے ایجاب واقع ہوچکا تو اب عورت کو کوئی اختیار نہیں ہوگا۔

اور تیسری صورت بھی اگرچہ درست ہے۔ لیکن اس صورت میں نکاح بغیر کسی شرط کے تام ہوچکا، اب شرط کا اقرار نامہ لکھا گیا تو درست ہے لیکن شوہر انکار کردے تو اس کو مجبور بھی نہیں کیا جائے گا۔ اس لئے سب سے زیادہ احتیاط کی صورت پہلی اور دوسری ہے۔

چونکہ عورت ناقص العقل ہے، اور اپنے جذبات سے مغلوب ہوکر مصالح کا لحاظ کئے بغیر اپنے اوپر طلاق واقع کرلینے کا عین امکان ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ کوئی قید بڑھایا جائے کہ جس سے یہ احتمال ختم ہوجائے، مثلاً یہ قید بڑھایا جائے کہ عورت نکاح کے وقت یا جو بھی اس کا ولی ہے یہ کہے کہ میں اپنے آپ کو تمہارے نکاح میں اس شرط پر دیا کہ مجھ کو تم سے کوئی تکلیف شدید پہنچے جس کو فلاں فلاں دس اشخاص میں سے کم از کم دو آدمی تسلیم کرلیں تو اس وقت یا جس وقت چاہے معاملہ میرے اختیار میں ہوگا۔ اس صورت میں طلاق کا حق عورت کے ہاتھ میں تو آجائے گا، البتہ طلاق واقع کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مقررہ اشخاص پیش آمدہ واقعہ کو تسلیم کرلیں کہ یہ واقعی معقول عذر ہے۔ اور اگر تسلیم نہ کریں تو پھر ابھی طلاق واقع کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

تفویض طلاق

مولوی محمد حاذق قاسمی ☆

تفویض کی پہلی صورت اور اس کا حکم

یہ اقرار نامہ نکاح سے پہلے لکھوایا جائے تو اس کے مفید و معتبر ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ اس میں نکاح کی طرف اضافت و نسبت موجود ہو، مثلاً یہ لکھا جائے کہ فلاں بنت فلاں کے ساتھ نکاح کروں اور پھر میں اس اقرار نامہ کی مندرجہ شرائط میں سے کسی شرط کی خلاف ورزی کروں تو مسماۃ فلاں مذکورہ کو یہ اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا جس وقت چاہے اپنے اوپر طلاق واقع کرکے اس نکاح سے الگ ہوجائے ۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ اگر اس میں اضافت الی النکاح نہ کی گئی۔ تو یہ اختیار دینا درست نہ ہوگا، چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ

شرطه الملك حقيقة كقوله لقنه ان فعلت كذا فانت حرا و حكما و لو حكما كقوله لمنكوحته او معتدته ان ذهبت فانت طالق او الاضافة اليه اى الملك الحقيقى او الحكمى كذالك كان نكحت امراة او ان نكحتك فانت طالق و كذا كل امراة (رد المحتار مع الشامى ج ۳ ص ۳۲۲)

اس کی شرط یا تو ملک حقیقی کا ہونا ہے جیسے اپنے غلام سے یہ کہنا کہ اگر تو نے ایسا کیا تو تو آزاد ہے یا ملک حکمی ہونا ہے ۔ جیسے اپنی منکوحہ عورت یا عدت گذار رہی بیوی سے شوہر کا یہ کہنا کہ اگر تو گئی تو تجھے طلاق ہے، یا

☆ تخصص فی الفقہ دارالعلوم سبیل السلام، حیدرآباد۔

ملک حقیقی یا ملک حکمی کی جانب اضافت ہو جیسے کسی آدمی کا یہ کہنا کہ اگر میں نے کسی عورت سے نکاح کیا یا اگر تم سے نکاح کیا تو تجھے طلاق ہے اور اسی طرح ہر عورت کا حکم ہے۔

تفویض کی دوسری صورت اور حکم

عقد نکاح میں ہی یہ شرائط زبانی ذکر کئے جائیں، تو اس کے معتبر اور صحیح ہونے کے لئے شرط یہ ہے کہ ایجاب عورت کی جانب سے ہو، عقد نکاح کے وقت یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تیرے نکاح میں اس شرط کے ساتھ دے دیا کہ تم نے یہ کام کیا یعنی مجھے مارا یا کہیں جانے سے روکا (غرض جتنی بھی شرطیں لگانا مقصود ہوں سب کو ذکر کردے) تو اپنے معاملہ کا اختیار میرے ہاتھ میں ہوگا یعنی مذکورہ شرائط میں سے کسی کی خلاف ورزی پر مجھی اختیار ہوگا کہ اسی وقت یا جس وقت چاہوں اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس نکاح سے الگ کرلوں گی تو اس کے جواب میں مرد یوں کہے کہ میں نے قبول کیا، تو اس پر عورت کو اختیار ہوگا کہ جب وہ اپنے اوپر شرائط کے خلاف ظلم و مصیبت دیکھے اپنے آپ کو ایک طلاق بائن دے کر اس شوہر کے نکاح سے نکل جائے اور یوں کہہ دے کہ میں اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کرتی ہوں۔

لیکن اگر ابتداء کلام یعنی ایجاب مرد کی جانب سے ہو، اور لڑکی قبول کرنے کے ساتھ تفویض کی شرط لگائے تو نکاح درست ہوجائے گا لیکن شرط باطل، لغو اور بے کار ہوجائے گی، چنانچہ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ۔

نکحها على ان امرها بيدها صح قوله صح مقيد اذا ابتدأت المراة فقالت زوجت نفسي منك على ان امري بيدي اطلق نفسي كلما اريد او على انى طالق فقال الزوج قبلت اما لو بدأ الزوج لا تطلق و لا يصير الامر بيدها (رد المحتار مع الشامي ج ۳ ص ۳۲۹)

کسی نے نکاح کیا کسی عورت سے اس شرط پر کہ عورت کا معاملہ اسی کے ہاتھ میں ہوگا درست ہے، مصنف کا "صح" کہنا اس صورت کے ساتھ مقید ہے جب کہ ابتداء عورت نے کیا ہو اور ایجاب اس طرح کیا ہو کہ میں تجھ سے نکاح اس شرط پر کرتی ہوں کہ میرا معاملہ میرے ہاتھ میں ہوگا جب چاہوں گی اپنے آپ کو طلاق دے لوں گی یا اس شرط پر کہ مجھے طلاق ہوجائے گی اس پر شوہر نے کہا کہ قبول کرتا ہوں اور اگر شوہر نے ابتداء کی تو نہ تو بیوی مطلقہ ہوگی اور نہ ہی اس کے معاملہ کا اختیار اس کے ہاتھ میں ہوگا۔

تفویض طلاق کی تیسری صورت اور حکم

تیسری صورت یہ ہے کہ عقد نکاح سے پہلے شرط نہ لگائی جائے اور نہ ہی عقد نکاح کے وقت، بلکہ نکاح کے مکمل ہونے کے بعد **ما بین الطرفین** کوئی اقرار نامہ لکھوایا جائے بماؤ فریقین اس پر راضی ہوں تو یہ صورت بھی صحیح اور درست ہے، اور یہ شرط واجب الایفاء ہوگی۔ اس لئے کہ اس کا نکاح سے کوئی تعلق نہیں، وہ یمین وقسم جیسی ہے اور یمین کا پورا کرنا واجب ہے۔

تفویض و اختیار کے ساتھ مزید احتیاطی قیدیں

چونکہ عورت ناقصات العقل میں سے ہیں، اس لئے طلاق کو مطلقا اس کے ہاتھ میں دے دینا خطرہ سے خالی نہیں، لہذا مناسب ہے کہ اختیار دیتے وقت کوئی ایسی مناسب قید بڑھادی جائے کہ وہ اس کا غلط استعمال نہ کرسکے، مثلا نکاح کے وقت عورت کی طرف سے وہ خود یا اس کا ولی یوں کہے کہ میں نے آپ کو یا مسماۃ فلاں بنت فلاں کو تمہارے نکاح میں بمعاوضہ مہر بیس ہزار روپیہ سکہ رائج الوقت کے اس شرط پر دیدیا کہ جس وقت اس کو تم سے کوئی تکلیف شدید پہنچے گی اور اس کو فلاں فلاں دس لوگ تسلیم کرلیں گے تو اس وقت کے بعد ہر وقت معاملہ میرے یا فلاں کے اختیار میں ہوگا کہ ایک طلاق بائن واقع کرلیں اس صورت میں طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں اس وقت ہوگا جب کہ تسلیم کردہ اور مقرر کردہ اشخاص میں سے دس آدمی تسلیم کرلیں کہ تکلیف شدید ہے۔

3/1

مہر کی دو مشروط مقدار

مولانا محمد انظر سبیلی ☆

(۱) اگر عقد نکاح کے وقت مہر کی تعیین دو طرح سے کی جائے، مثلاً مہر اس طرح طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو مہر ۵۰ ہزار ہوگا اور طلاق نہ دینے کی صورت میں ۲۵ ہزار ہوگا، اور مقصد یہ کہ طلاق کے بے جا استعمال اور غیر مشروع اقدام کو روکا جاسکے، تو اس طرح کی تعیین معتبر اور جائز ہونی چاہئے، اس طرح کی تعیین میں جو صاحبین کی رائے ہے اس پر عمل کرنا فی زمانہ زیادہ بہتر اور مفید ہے، چنانچہ اس قسم کی نظیر کتب فقہ میں موجود ہے، علامہ کاسانی لکھتے ہیں۔

اگر کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کرے کہ اس کی زوجیت میں اگر کوئی عورت نہ ہوگی تو مہر ایک ہزار اور دوسری عورت ہوگی تو مہر دو ہزار، یا اس شرط پر نکاح کرے کہ اگر بیوی کو اس کے شہر سے نہیں لے جائے گا تو مہر ایک ہزار اور اگر لے گیا تو مہر دو ہزار، یا اس شرط پر عقد کیا کہ اگر اس کی زوجیت میں باندی ہوگی تو مہر ایک ہزار اور اگر عربی یا اس قسم کی آزاد عورتیں ہوں گی تو مہر دو ہزار ہوگا، تو نکاح کی درستگی میں کوئی شک نہیں ہے، البتہ مہر (کی جہاں تک بات ہے) تو پہلی شرط بلا اختلاف جائز ہے، پس شرط کو پورا کیا تو مہر مسمی ہوگا، اور اگر شرط پوری نہیں کی تو اگر شرط کے خلاف کیا ہے تو مہر مثل لازم ہوگا، اصل یعنی ایک ہزار سے کم یا دو ہزار

☆ مدرسہ سبیل الفلاح، محبوب آباد

سے زائد نہ ہوگا، اور یہ قول امام ابو حنیفہ کا ہے ، امام ابو یوسف اور امام محمد دونوں شرطوں کے جواز کے قائل ہیں ۔

(بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۸۵ البحر الرائق ج ۳ ص ۱۵۹۔۱۷۱)

گو کہ امام صاحب کے نزدیک دوسری صورت میں مہر مثل لازم ہوگا اور تسمیہ باطل قرار پائے گی اور فتوی بھی اسی پر ہے ، لیکن چونکہ موجودہ دور میں طلاق کے واقعات کی بہتات ہوتی جارہی ہے اور لوگ اس کا بے جا استعمال کر رہے ہیں اور ایک مجلس میں تین طلاق جیسے غیر مشروع اقدام سے گریز بھی نہیں کرتے ، اس لئے خیال یہی ہوتا ہے کہ مذکورہ صورت میں صاحبین کی رائے کو ترجیح دی جانی چاہئے ۔ اور تعیین مہر کی دونوں مقدار کو درست اور معتبر قرار دیا جانا چاہئے ، تاکہ شوہر مہر کی خطیر رقم سے بچنے کے لئے غیر مشروع اقدام نہ کرنے پائے ۔

(۲) اگر عقد کے وقت مہر میں اضافہ کی شرط شوہر کے عقد ثانی پر معلق کیا ہے - مثلا عورت عقد کے وقت اس طرح کہے کہ اگر شوہر نے اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح کیا تو مہر تیس ہزار ہوگا اور اگر دوسرا نکاح نہیں کیا تو مہر پندرہ ہزار ہوگا " تو درست ہے ، شرعا یہ دونوں شرطیں معتبر اور لازم العمل ہوں گی ، اور اس میں بھی صاحبین کی رائے کو ترجیح ہوگی ، جیسا کہ ہرشتہ سوالنامہ کے حوالہ سے معلوم ہوتا ہے ۔

جب ایک ہزار مہر پر اس شرط کے ساتھ نکاح کرلے کہ اس کے پاس دوسری عورت نہ ہوگی اور دو ہزار پر جب کہ اس کی زوجیت میں دوسری بیوی ہوگی ، یا اگر اس کو شہر سے نہیں لے جائے گا تو ایک ہزار اور اگر لے جائے گا تو دو ہزار مہر ہوگا ، پس نکاح درست ہے ، شرط اول میں مہر معتبر ہے ، اگر اس نے اس کی تکمیل کی ، تو مہر مسمی ہوگا اور اگر تکمیل نہیں کی تو مہر مثل ہوگا ، ایک ہزار سے کم اور دو ہزار سے زیادہ نہیں کیا جائے گا ، امام ابو یوسف اور امام محمد نے فرمایا کہ دونوں شرطیں جائز ہیں (الفتاوی التاتار خانیة - كتاب النكاح المهر صفحة ۱۰۱۔۱۰۲ ج ۳)

طلاق کو روکنے کے لئے مہر میں کمی اور زیادتی کی شرط

مولوی محمد ہارون القاسمی *

طلاق ایک ناپسندیدہ چیز ہے اور ساتھ ہی بعض ناگزیر حالات میں ایک ضرورت بھی ہے ، لیکن اس کے غلط اور بے جا استعمال سے بڑی خرابیاں پیدا ہورہی ہیں ، جس سے مرد و عورت اور خاندان سب ہی لوگ متاثر ہورہے ہیں ۔ لہذا طلاق کے غلط استعمال کو روکنے کے لئے اگر عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور اگر اس نے طلاق نہ دی تو عورت کا مہر دس ہزار ہوگا ، تو اس طرح مہر طے کرنا اس ناپسندیدہ چیز کو روکنے کے لئے ، شرعا جائز اور درست ہوگا ۔ البتہ حنفیہ کے مابین اس بات میں اختلاف ہے کہ کون سا مہر لازم اور درست قرار دیا جائے ؟ اس سلسلے میں حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جس مہر کا اول میں ذکر کیا گیا ہے اسی کا اعتبار کیا جائے گا اور پہلی شرط پائی جانے کی صورت میں متعین کردہ مہر یعنی مہر مسمی لازم ہوگا ، اور دوسری شرط پائی جانے کی صورت میں ذکر کردہ مہر کا اعتبار نہیں ہوگا ، بلکہ مہر مثل لازم ہوگا ۔ اس شرط کے ساتھ کہ مہر مثل مہر مسمی سے زائد نہ ہو ، اور اس مسئلہ میں حضرات صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں درست ہیں ، اور ہر دو صورت میں متعین کردہ مہر یعنی مہر مسمی لازم ہوگا ، اور حضرت امام زفر کے نزدیک یہ

---

* تربیت اسلامک فقہ اکیڈمی ، پھلواری شریف پٹنہ

دونوں شرطیں فاسد ہیں، جیسا کہ فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

و اذا تزوجها على الف ان لم تكن له امراة وعلى الفين ان كانت له امراة او على الف ان لم يخرجها من البلدة و على الفين ان اخرجها فالنكاح جائز و المعتبر فى المهر الشرط الاول ان وفى به فلها المسمى على ذالك الشرط و ان لم يف فله مهر المثل لا ينقص من الاقل ولا يزاد على الاكثر وقال ابو يوسف ومحمد الشرطان جائزان. و فى الهداية وقال زفر رحمه الله. الشرطان جميعا فاسد ان و يكون لها مثلها لا ينقص من الالف و لا يزاد على الفين اذا تزوج امراة على الف ان كانت قبيحة و على الفين ان كانت جميلة فان كانت جميلة فلها الفان وان كانت قبيحة فلها الف وهذا بلا خلاف. والفرق ان فى مسئلة الاخراج دخلت الخاطرة فى التسمية الثانية فانها لا تدرى ان الزوج يخرجها اولا يخرجها فى مسئلة القبح و الجمال لا مخاطرة اصلا فان المراة على صفة واحدة لكن الزوج لا يعرف و جهالته لا توجب الخطر، التاتار خانية كتاب النكاح ج ۳ ص ۱۰۲ - ۱۰۱. بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۸۲. الهندية ج ۱ ص ۳۰۷ البحر الرائق ج ۳ ص ۱۵۹. الدر المختار مع رد المحتار ج ۳ ص ۱۲۳. المبسوط للسرخسى ج ۵ ص ۹۰. الهدايه مع فتح القدير ج ۳ ص ۲۳۱)

اب رہی یہ بات کہ صاحبین کے قول پر فتوی دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ تو جب آج کل لوگ اس ناپسند چیز کے استعمال سے باز نہیں آرہے ہیں، اور بات بات پر طلاق دیتے رہتے ہیں، تو احقر کی ناقص رائے ہے کہ اس کے غلط اور بے محل استعمال سے لوگوں کو بچانے کے لئے جس سے خاندان اور معاشرہ کے سبھی لوگ متاثر ہورہے ہیں، حضرات صاحبین کے قول پر فتوی دینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہونا چاہئے، اس لئے کہ بہت سے ایسے مسائل ہیں جن میں تغیر زمان اور ضرورت کے پیش نظر اصحاب ابوحنیفہ نے امام صاحب کی مخالفت کی ہے، اور حوادث زمانہ کے پیش نظر فتوی دیا ہے۔

علامہ ابن عابدین شامی شرح عقود رسم المفتی کے اندر لکھتے ہیں۔

قال الامام قاضى خان و ان كانت المسئلة مختلفا فيها بين اصحابنا فان كان مع ابى حنيفة احد صاحبيه يؤخذ بقولهما اى بقول الامام و من وافقه. لوفور الشرائط و استجماع ادلة الصواب فيها و ان خالفه صاحباه فى ذالك فان كان اختلافهم اختلاف عصر و زمان كالقضاء بظاهر العدالة يؤخذ بقول صاحبيه لتغيير احوال الناس و فى المزارعة و المعاملة و نحوهما يختار قولهما لاجماع المتاخرين على ذالك و فيما سوى ذالك يخير المفتى

جتهد و يعمل بما افضى اليه رأيه (شرح عقود رسم المفتى ص ۲۰)

(۲) اگر عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کیا جائے کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا مہر تیس ہزار ہوگا اور اگر اس عورت کے عقد نکاح میں رہتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا۔ تو جیسا کہ ماقبل میں تفصیل ذکر کی جا چکی ہے، میرا خیال ہے کہ دونوں شرطیں شرعاً معتبر ہوں گی، اور حضرات صاحبین کے مسلک کے مطابق ہر دو صورت میں مہر مسمی لازم ہوگا۔ یعنی اگر شوہر نے اس منکوحہ کے ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر پندرہ ہزار ہوگا، اور اگر اس کی موجودگی میں کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس کا مہر تیس ہزار ہوگا۔ اور احقر کے نزدیک یہ اقرب الی الفقہ ہے۔

عورت کا بغرض ملازمت باہر نکلنا

(۳) آج کل عورتوں میں بھی ہر طرح کی اعلیٰ تعلیم کا رواج ہوتا جا رہا ہے اور تعلیم کے بعد بہت سی عورتیں مختلف ملازمتوں سے وابستہ ہو جاتی ہیں، یا وابستہ ہونے کی جدوجہد میں لگی رہتی ہیں۔ ایسی عورتیں اگر نکاح کے وقت اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگاتی ہیں کہ شوہر انہیں لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا، یا آئندہ اسے کوئی مناسب ملازمت ملے تو شوہر انہیں ملازمت کرنے سے نہیں روکے گا، اور اس شرط کو ہونے والا شوہر قبول کر لے، تو شوہر کے لئے شرعاً اس شرط کی پابندی ضروری اور لازم نہیں ہے، کیوں کہ اس شرط کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہوگا، اور شرط فاسد اور لغو ہو جائے گی۔

الاحوال الشخصیہ میں ہے:

قسم يلغى فيه الشرط و يصح النكاح و عند جمهور الفقهاء كل شرط لايكون مقصد العقد و لا مؤكدا لمقتضاه و لم يقم دليل من الشارع وجوب الوفاء من نص او اثر او عرف مشهور فكل شرط لايكون كذالك و لويكون مؤقتا بالصيغة يكون لاغيا يبطل لا يؤثر فى صحة العقد (الاحوال الشخصية ص ۱۵۸)

پس شوہر اگر شرط کو قبول کرنے کے بعد بھی سلسلہ ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے، نئی ملازمت سے روکتا ہے تو بیوی کے لئے شوہر کے حکم کی تعمیل ضروری اور لازم ہوگی، کیوں کہ گھریلو نظم و نسق سنبھالنے کی ذمہ داری عورت کی ہے، اور گھر کے باہر کے امور انجام دینے کی ذمہ داری مرد کی ہے، جیسا کہ حضرت فاطمہ کا نکاح

حضرت علی سے ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کام تقسیم اس طرح فرمائی کہ گھریلو جو امور ہیں ان کو ا دینے کی ذمہ داری حضرت فاطمہ پر ڈالی اور گھر کے باہر کے جو امور ہیں ان کی خدمت حضرت علی کے سپرد کی۔ نیز عورت کا نفقہ شوہر کے ذمہ ہے جس کی وجہ کر عورت کو ملازمت کرنے یا کوئی دوسرا ذریعہ معاش تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو ہر اس عمل سے روک سکتا ہے جس کے کرنے سے شوہر کے حق کے اندر تنقیص ہو رہی ہو، اور اس کو ضرر و نقصان پہنچ رہا ہو، یا اس عمل کے لئے شوہر کے گھر سے نکلنا پڑ رہا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ ملازمت کی صورت میں ایک طرف تو گھریلو نظم و نسق میں دشواری ہوگی تو دوسری طرف شوہر کے حق میں تنقیص لازم آئے گی۔ اور تیسرے یہ کہ اس کے لئے شوہر کے گھر سے باہر نکلنا پڑے گا۔

علامہ ابن نجیم "البحر الرائق" میں لکھتے ہیں:

له ان يمنع امراته من الغزل و لا تتطوع للصلوة و الصوم بغير اذن الزوج كذا فى الظهيرية و ينبغى عدم تخصيص الغزل بل له ان يمنعها من الاعمال كلها المقتضية للكسب لانها مستغنية عنه لوجوب كفايتها عليه و كذا من العمل تبرعا لاجنبى بالاولى (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۲۔ مكتبة الماجدية پاكستان)

نیز قاضی خاں میں ہے:

والذى ينبغى تحريره ان يكون له منعها من كل عمل يؤدى الى تنقيص حقه او ضرره او الى خروجها من بيته۔ (قاضى خان على هامش الهندية ج ۳ ص ۲۰۳ دار الفكر) ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ شوہر اگر بیوی کو ملازمت سے منع کرے تو بیوی کے لئے شوہر کے حکم کی تعمیل ضروری ہوگی۔ البتہ شوہر اگر ملازمت کرنے کی اجازت دے دیتا ہے تو پردہ شرعی اور شریعت کے دیگر امور کی رعایت کرتے ہوئے ملازمت کر سکتی ہے ساتھ ہی ساتھ یہ بات بھی خیال رہے کہ اگر فتنہ میں پڑنے کا اندیشہ ہو، یا شوہر اس کو کسی مصلحت کے پیش نظر ملازمت سے روکنا چاہتا ہے تو شرعاً شوہر کو اس کا اختیار ہوگا، اور عورت کے لئے شوہر کے حکم کی تعمیل ضروری ہوگی، پس اگر بیوی شوہر کے منع کرنے کے بعد بھی ملازمت کرے گی تو گنہگار ہوگی اور ناشزہ کہلائے گی۔

مہر میں زیادتی کی شرط

مولوی عتیق الرحمان سیوانی ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ مباح چیزوں میں اللہ کے نزدیک سب سے مبغوض طلاق ہے۔ اسی کے ساتھ بعض ناگزیر حالات میں ایک ضرورت بھی ہے، لیکن اس کا غلط اور بے جا استعمال کیا جارہا ہے جو صراحتاً منشاء شریعت اور انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خاندانوں میں رنجش مرد و عورت، زوجین میں نا اتفاقی بلکہ پورا معاشرہ بگڑتا چلا جا رہا ہے۔

لہذا طلاق کے غلط اور بے جا استعمال کو روکنے کے لئے اگر عقد نکاح میں مہر اس طریقے پر طے کیا جائے کہ فلاں اگر اپنی بیوی فلاں کو طلاق دے (چاہے وہ جتنی ہو) تو اس کی بیوی فلاں کا مہر اتنا قرار پائے گا (جو ایک متعینہ مقدار ہو) یا اگر اس بیوی کے عقد نکاح میں رہتے ہوئے کسی دوسری عورت سے شادی کرتا ہے تو اس کی بیوی فلاں کا مہر اتنا اتنا ہوگا۔ اگر شوہر طلاق نہیں دیتا، یا اس عورت کے ہوتے ہوئے دوسری عورت سے شادی نہیں کرتا، تو شوہر پر اتنا ہی مہر لازم ہوگا۔ اور حضرات صاحبین یعنی امام ابویوسف و محمد فرماتے ہیں کہ خلاف ورزی کی صورت میں مہر مسمی یعنی دو ہزار لازم ہوگا، اور حضرات صاحبین کے نزدیک یہ دونوں شرطیں صحیح اور درست ہیں اس کی نظیر کتب فقہ میں اور بھی موجود ہیں۔

مفتی بہ قول۔ ذکر کردہ مسئلہ میں مفتی بہ قول اصحاب ترجیح نے حضرت امام ابوحنیفہ کے قول کو قرار دیا ہے البتہ حضرات صاحبین کے قول کو مفتی بہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس پر بحث کرنے سے پہلے اوپر ذکر کردہ مسئلہ کی دلیلیں ملاحظہ ہوں۔

☆ تربیت افتاء، امارت شرعیہ، پٹنہ

اذا تزوجها على الف ان لم تكن له امراة و على الفين ان كانت له امراة او على الف ان لا يخرجها من البلدة و على الفين ان اخرجها فالنكاح جائز و المعتبر فى المهر الشرط الاول ان وفى به فلها المسمى على ذالك الشرط و ان لم يف فلها مهر المثل لاينقص على الاقل و لايزاد على الاكثر. و قال ابويوسف و محمد الشرطان جائزان. ۱۲ (فتاوى تاتارخانية ج ۱۳ ص ۱۰۱)

و قوله الا. بان تراضيا على شيئى فذالك هو الواجب اى اذا حصل و طؤاوموت (حاشية طحطاوى ج ۲ ص ۵۱)

المعتمد ان الزيادة فى المهر بعد العقد تلزم الزوج اذا قبلت فى المجلس او وليها اذا كانت صغيرة. (الفتاوى مشائخ بلخ من الحنيفة ص و ايضا البناية فى شرح الهداية ص ۱۵۹ ج ۳)

حضرات صاحبین کے قول پر فتوی

حضرات صاحبین کے قول پر فتوی دیا جانا اصولا و فروعا درست ہے کوئی مانع نہیں اور نہ اصولا کوئی خرابی لازم آتی ہے اتنی بات تو طے ہے کہ صاحبین کے اقوال بھی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی روایت ہوتی ہے، البتہ بعد میں منسوب دوسرے نام سے کیا جانے لگتا ہے اس کی صراحت بھی کتابوں میں مذکور ہے کہ ان کے شاگردوں کے اقوال در حقیقت حضرت امام ابوحنیفہ ہی سے مروی ہوتے ہیں۔

واذا اخذ بقول واحد منهم يعلم قطعا انه يكون به آخذا بقول ابى حنيفة فانه روى عن جميع اصحابه من الكبار كابى يوسف ومحمد وزفر و الحسن انهم قالوا ماقلنا فى مسئلة قولا الا هو روايتان عن ابى حنيفة واقسموا عليه ايمانا غليظا. الخ (عقود رسم المفتى ص ۱)

گرچہ مسئلہ ہذا میں اصحاب ترجیح نے حضرت امام اعظم کے قول کو راجح اور مفتی بہ قرار دیا ہے، مگر صاحبین کے قول پر فتوی دیا جاسکتا ہے، (اصحاب ترجیح جو کسی مسلک اور روایت کو راجح قرار دیتے ہیں وہ چند وجوہات کی بناء پر ہوتے ہیں، ان ہی میں احوال زمانہ و دیار بھی پیش نظر ہوتے ہیں، بلکہ بعض ائمہ نے حالات کے پیش نظر بہت سارے اقوال کو بدل کر دوسرا فتوی دیدیا، اور کیوں نہ ایسا کیا جاتا، جبکہ احوال زمانہ یکساں نہیں رہتے اور شریعت نے اس کا لحاظ بھی کیا ہے۔ اس وجہ سے جب کہ ہمارے دیار اور زمانہ کی حالت بدل چکی ہے بناء بریں ضرورت کی شکل میں ہمارے سامنے یہ مسئلہ آکھڑا ہوا ہے۔ اگر اس کو دیکھتے ہوئے اور ضرورت کا احساس اور تقاضہ کو سامنے رکھتے

ہوئے حضرات صاحبین کے قول پر فتوی دیا جانا کوئی قباحت نہیں رکھتا، اور نہ اصولاً کوئی حرج سمجھ میں آتی ہے۔

والحاصل ان ما خالف فيه الا صحاب امامهم الاعظم لا يخرج من مذهبه اذا رجحه المشائخ المعتبرون وكذا مابنا المشائخ على العرف و الحادث لتغير الزمان اوللضرورة و نحو ذالک لا يخرج من مذهبه ايضا لان ما رجحوه لترجيح دليله عندهم ماذون به من جهة الامام وكذا ما بناه على تغير الزمانْ و الضرورة باعتبار انه لو كان حيا لقال بما قالوه انما هو مبني على قواعده ايضا فهو متقضى مذهبه. الخ (عقود رسم المفتي ص ١٨)

نوٹ: سوالنامہ میں طلاق کے غلط اور بے جا استعمال کو روکنے کے لئے جو مہر میں زیادتی کی صورت بیان کی گئی ہے اس کا مقصد جو ذکر کیا گیا ہے کہ مہر کی خطیر رقم سے بچنے کے لئے ایک مجلس میں تین طلاق دینے کا غیر مشروع اقدام نہ کرے۔ سوال مطلق طلاق میں مہر کی زیادتی کرنے کا ہے، اور ابتداء سوال میں طلاق کے غلط اور بے جا استعمال کا سد باب کرنا مقصد بیان ہوچکا ہے، اس لئے بات سمجھ میں نہیں آئی۔

اتنی بات تو متحقق ہے کہ سوال میں جو صورت بیان کی گئی ہے اس میں تینوں طلاق شامل ہے۔ طلاق کا غلط اور بے جا استعمال کرنے کی بہت ساری صورتیں ہیں صرف ایک مجلس میں تین طلاق کا دیا جانا ہی نہیں ہے۔

طلاق کے غلط اور بے جا استعمال کو روکنے کے لئے جو صورت و طریقہ بیان کیا گیا ہے وہ شرعاً صحیح و درست ہے۔ البتہ اس کے نتیجہ کو خالی الذہن ہوکر دیکھا جائے تو کوئی خاص فائدہ اور مسئلہ کا حل نکلتا دکھائی نہیں دیتا۔

ایک طرف مردوں کے جانب سے ہونے والی زیادتی کا سد باب ہے۔ تو دوسری طرف اس صورت کے اختیار کئے جانے میں عورت کی جانب سے ہونے والی زیادتی کا دروازہ کھولنا ہے، جو مردوں کی جانب سے ہونے والی زیادتی کے بنسبت زیادہ خطرناک ہے اور یقینی پہلوئے ہوئے ہے۔ آئے دن مشاہدہ کیا جاتا رہا ہے کہ میاں بیوی کے درمیان رنجش و نااتفاقی ہے جو دونوں کو اس موڑ پر لاکھڑی کی ہے کہ علحدگی ازحد ضروری ہے۔ اس زمانہ میں جہالت و نادانی کی وجہ سے یا تو مہر کی کوئی اہمیت نہیں دیتے یا تو باعث فخر و شرافت اور عزت کی چیز ہے، اس لئے جتنا زیادہ مہر طے کیا جاتے قابل تعریف قرار پاتی ہے۔ اور شوہر کی مالی حالت یہ ہے کہ اس مہر کی خطیر رقم کو ادا نہیں کرسکتا اور نااتفاقی ایسی ہے کہ علحدگی ناگزیر ہے، اس صورت میں عورت نہ گھر کی اور نہ گھاٹ کی کالمعلقہ ہوکر رہ جاتی ہے۔ بعض مرتبہ عورت خود مہر معاف کرکے اس تنگ زندگی سے برأت حاصل کرتی ہے۔ یا نہیں تو شوہر مجبور ہوکر عورت پر ظلم و زیادتی کرنا شروع کردیتا ہے تا کہ عورت مجبور ہوکر مہر معاف کرکے اپنا راستہ اختیار کرلے۔ مرتی کیا نہ کرتی بالآخر مہر معاف کرکے رستگاری کی منزل طے کرتی ہے۔ ان تمام پیدا ہونے والی خرابیوں اور

ظلم و زیادتی کے اس دور میں اس طریقہ کار کو اختیار کرنے سے مسئلہ کا حل نہیں نکالاجاسکتا ، طلاق کا غلط اور بیجا استعمال تو لاعلمی اور بے عملی کا نتیجہ ہے جس کے واسطے دوسرے مناسب اقدام کئے جاسکتے ہیں ۔ اس صورت کو اپنا لینے میں شریعت کی دی ہوئی آسانی کا ختم کرنا اور طلاق کے معاملہ کو دشوار بنانا ہوگا ۔ اس لئے مناسب ہے کہ طلاق کے باب میں شریعت کی دی ہوئی آسانی کو برقرار رکھا جائے ۔ احقر کی اس سلسلے میں یہی رائے ہے جو وقت کا تقاضا اور مصلحت بھی ہے ۔

نوٹ خیال جو ذکر کیا گیا ہے اس میں یہ دو صورتیں داخل نہیں ہیں ۔

ایک عورت کے ہوتے ہوئے شوہر کا دوسری شادی کرنا ۔ ایک مجلس میں عورت کو تین طلاق دینا جو غیر مشروع اقدام ہے ان دونوں میں مہر کی زیادتی کرنا مذکورہ مقصد کے تحت بالکل درست اقدام ہے ۔ حالات اور مصلحت کے عین مطابق ہے ۔ ان دونوں صورتوں میں شوہر کو کوئی حرج بھی لازم نہیں آتا ، کیونکہ ضرورت کے تحت طلاق دے کر شوہر اپنی زوجیت سے خارج کرتا ہے تو کیا ضروری کہ غیر مشروع طلاق کے طریقہ کو اپنائے ؟ جو طریقہ شریعت نے مشروع قرار دیا ہے اس کے ذریعہ شوہر اپنے مقصد کو پورا کرسکتا ہے ۔ اسی طریقہ سے دوسری شادی کرنا مستطیع ہونے کو بتلارہی ہے اگر مالی اعتبار سے استطاعت نہیں رکھتا تو کیسے دوسری شادی کی طرف قدم بڑھاتا ۔ لہذا ان دونوں صورتوں میں وہ علت نہیں پائی جارہی ہے جس کی وجہ سے مصلحت کے خلاف اس اقدام کو قرار دیا گیا تھا **فلا منافات بينهما** ۔

مہر کی کمی اور زیادتی کو طلاق پر معلق کرنا

مولوی محمد عاقل قاسمی ☆

آج کل مردوں کی طرف سے عورتوں پر طرح طرح کے ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں۔ طرح طرح سے عورتوں کو ستایا جارہا ہے ذرا ذرا سی بات پر انہیں طلاق کی دھمکی دی جاتی ہے۔ اور انجام کار ان کو گھر سے بے گھر کردیا جاتا ہے، لہذا اگر عورت بوقت عقد نکاح اس طرح کی شرط لگائے کہ میں اس شرط پر نکاح کروں گی کہ اگر مجھے طلاق دی تو میرا مہر بیس ہزار ہوگا اور بصورت دیگر دس ہزار ہوگا۔ ایسی شرط عورت لگاسکتی ہے۔ اس بارے میں سوال نامہ میں مذکور جزئیہ اور اس کے علاوہ بہت سے جزئیات سے رہنمائی ملتی ہے۔ سوال نامہ میں مذکور جزئیہ یہ ہے کہ۔

اگر بوقت نکاح اس طرح مہر طے ہو کہ شوہر بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر نہیں لے گیا تو مہر ایک ہزار ہوگا۔ اور اگر بیوی کو اس کے آبائی وطن سے باہر لے گیا تو اس کا مہر دو ہزار ہوگا۔ اس مسئلہ میں امام اعظم ابوحنیفہ اور صاحبین کے درمیان اختلاف ہے۔ امام صاحب کے نزدیک جس مہر کا پہلے ذکر کیا گیا ہے اس کا تسمیہ صحیح قرار پاتا ہے اور پہلی شرط پائی جانے کی صورت میں متعین کردہ مہر (مہر مسمی) لازم ہوتا ہے۔ اور دوسری صورت میں ذکر کردہ مہر کا اعتبار نہیں ہوتا ہے، بلکہ دوسری شرط پائی جانے کی صورت میں مہر مثل لازم ہوتا ہے۔ بشرطیکہ وہ

☆ متخصص فی الفقہ دارالعلوم حیدرآباد۔

مہر مسمی سے متجاوز نہ ہو۔ امام صاحب کے بالمقابل صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں درست و صحیح قرار پاتی ہیں اور ہر دو صورت میں ذکر کردہ مہر (مہر مسمی) لازم ہوتا ہے۔

بالکل اسی طرح اور ایک جزئیہ ہے۔ کہ اگر عورت بوقت عقد نکاح یہ شرط لگائے کہ اگر شوہر کی پہلے سے کوئی عورت ہوگی تو مہر دو ہزار ہوگا، اور اگر شوہر کی کوئی عورت نہیں ہے تو مہر ایک ہزار ہوگا، اس میں بھی امام صاحب اور صاحبین کے درمیان وہی اختلاف ہے جو پہلے جزئیہ میں ہے۔

(مبسوط سرخسی ج ۵ ص ۹۰ دارالمعرفۃ۔ خانیۃ ج ۱ ص ۳۷۸)

مذکورہ جزئیات میں فتوی امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق ہونا چاہئے، کیونکہ تسمیہ کسی عقد میں ایک ہی ہوتا ہے۔ دو تسمیہ نہیں ہوتے اگر دو تسمیہ ہوں تو دونوں میں تصادم ہوگا۔ نیز امام صاحب کے قول سے عدول اسی وقت کیا جاسکتا ہے، جب کہ کوئی ضرورت ہو، یا امام صاحب کی دلیل ضعیف ہو۔ دونوں میں سے کوئی ایک چیز بھی یہاں نہیں ہے۔ نہ ہی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس ضرورت سے نمٹنے کے لئے دوسری قیدیں بڑھائی جاسکتی ہیں، جیسا کہ اس سے قبل گزرا۔ اور نہ ہی امام صاحب کی دلیل ضعیف ہے۔ جس سے اعراض کی گنجائش ہو۔

نیز قاضی خاں کا طریقہ ہے کہ وہ راجح قول کو مقدم بیان کرتے ہیں انھوں نے امام صاحب کے قول کو مقدم بیان کیا ہے اسی کو ترجیح دی ہے۔ ان کے علاوہ فقہاء نے بھی اسی پر فتوی دیا ہے۔

لہذا فتوی امام صاحب ہی کے قول پر ہوگا۔ بصورت دیگر یعنی اگر فتوی صاحبین کے قول پر ہو تو اس کا دروازہ کھل جائے گا کہ ہر شخص ایک بڑی مقدار میں مہر باندھنے لگے گا۔ جس کے نتیجے میں شوہر طلاق کی اشد ضرورت کے وقت بھی اپنا حق استعمال نہ کرسکے گا۔ جبکہ شریعت نے طلاق کو اسی لئے مباح قرار دیا ہے کہ اگر نباہ کی کوئی صورت نہ رہے تو حسن خوبی کے ساتھ طلاق دے کر اجیرن زندگی کو سکون سے تبدیل کرسکے۔ اور اس طرح مرد جنھیں اللہ تعالی نے عورتوں کا حاکم بنایا ہے انھیں عورتوں کا غلام بن کر رہنا پڑے گا۔ اور ان کا حق تلف ہو کر رہ جائے گا۔ **واللہ اعلم بالصواب**

بوقت نکاح مہر کی کمی و بیشی کو دوسری عورت سے نکاح کرنے نہ کرنے پر معلق کرنا

اگر بوقت عقد نکاح عورت مرد پر یہ شرط لگائے کہ اگر میرے بعد کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو مہر بیس ہزار ہوگا اور اگر کسی دوسری عورت سے نکاح نہ کیا تو مہر دس ہزار ہوگا۔ یا اس جیسی اور کوئی شرط لگانا۔ اس

میں وہی اختلاف ہے جو ماقبل میں گزرا کہ امام صاحب کے نزدیک جس مہر کا پہلے ذکر کیا گیا ہے اس کا تسمیہ صحیح قرار پاتا ہے اور پہلی شرط پائی جانے کی صورت میں متعین کردہ مہر (مہر مسمی) لازم ہوتا ہے، اور دوسری صورت میں (یعنی جب شرط پوری نہ کرے) تو ذکر کردہ مہر کا اعتبار نہیں ہوتا۔ بلکہ دوسری صورت پائی جانے کی صورت میں مہر مثل لازم ہوتا ہے بشرطیکہ مہر مثل مسمی سے متجاوز نہ ہو اور اقل سے کم نہ ہو۔ اور صاحبین کے نزدیک دونوں شرطیں درست ہیں اور دونوں صورتوں میں مہر مسمی لازم ہوگا۔

یہ گفتگو تسمیہ کے متعلق تھی۔ جہاں تک فی نفسہ اس شرط کی بات ہے تو یہ شرط لگانا شرط فاسد ہے جس سے نکاح پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی ایسی شرطوں کو شوہر کے ذمہ پورا کرنا ضروری ہے۔ **والنکاح لا یبطل بالشروط الفاسدة (مبسوط سرخسی ج ۵ ص ۹۵)**

بدائع الصنائع میں ہے:

ومثال ما شرط الزوج من طلاق المراة و ترک خروج من البلد لا یلزمه فی الحکم لان ذالک وعد وعدلها فلا یکلف به (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۸۵)

لہذا شوہر کے ذمہ مذکورہ شرط کو پورا کرنا ضروری نہیں۔ کیونکہ یہ شرط مقتضاء عقد کے خلاف ہے۔ اور ایسی شرطوں کا حکم جو مقتضاء عقد کے خلاف ہوں، ماقبل میں بالتفصیل گذر چکا۔

لہذا اگر شوہر اپنا اخلاقی فریضہ انجام دیتے ہوئے اگر عورت کی شرط پوری کردے تو پہلا مہر مسمی لازم ہوگا اور اگر شرط پوری نہ کرے تو امام صاحب کے نزدیک شوہر کے ذمہ مہر مثل لازم ہوگا، بشرطیکہ اقل مسمی سے کم اور اکثر سے متجاوز نہ ہو۔ خانیہ میں ہے:

ولو تزوجها علی الف ان اقام بها و علی الفین ان اخرجها من بلدها او علی الف ان لم یکن له امراة و علی الفین ان کان له امراة قال ابو حنیفة الشرط الاول جائز ان وافق الشرط کان لها الالف لا غیر و ان خالف کان لها مهر المثل لا یزاد علی الفین و لا ینقص عن الف الخ (خانیة ج ۱ ص ۳۷۸)

(۳) بوقت عقد نکاح عورت کا سابقہ وابستہ ملازمت سے یا آئندہ ملازمت سے نہ روکنے کی شرط لگانا اور شوہر کا قبول کرنا تو کیا ایسی شرط کی پابندی ضروری ہے؟ اور کیا عدم پابندی کی صورت میں عورت کے لئے شوہر کی تعمیل حکم ضروری ہے؟ عورت کے لغوی معنی ہیں چھپی ہوئی چیز۔ عورت کو عورت اسی لئے کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی پوشیدہ رہنے کی چیز ہے۔ عورت کی مثال ایک ایسے گلاب کے پھول کی طرح ہے کہ جو ایک عام شاہراہ پر رکھا ہوا ہو اور ہر ایک اس کو چھوئے تو یقینا وہ مرجھا جائے گا اور اس کی رنگت باقی نہیں رہے گی۔

انسداد طلاق کے لئے مہر میں اضافہ

مولوی احتکام الحق قاسمی ٭

یہ حقیقت ہے کہ طلاق ایک ناپسندیدہ عمل ہے اور ساتھ ہی بعض ناگزیر حالات میں ایک ضرورت بھی، لیکن اس کے غلط اور بے جا استعمال سے بڑی خرابیاں پیدا ہورہی ہیں، جن سے معاشرہ کا معاشرہ تباہ و برباد ہو رہا ہے، لہذا اس کے بے جا استعمال سے بچنے اور غلط استعمال کو روکنے کے لئے سب سے بہتر صورت تو یہ ہے کہ لوگوں کو تین طلاق کی قباحت سے آشنا کرایا جائے، تین طلاق سے روکنے کے لئے مہر کی ایک خطیر رقم متعین کرنا مناسب نہیں۔ کیوں کہ بعض دفعہ عورت کو طلاق دینا ضروری ہوتا ہے، لیکن مہر کی کثرت کو دیکھ کر وہ طلاق دینے سے عاجز رہتا ہے۔ نتیجہ عورت کالمعلقہ ہو کر رہ جاتی ہے، اگرچہ عقد نکاح کے وقت اس طرح مہر طے کرنا کہ اگر شوہر نے بیوی کو طلاق دی تو عورت کا مہر بیس ہزار اور اگر طلاق نہ دی تو دس ہزار درست ہے، اور شرط کی جو بھی صورت پائی جائے گی وہی مہر لازم ہوگا، بس فرق یہ کہ امام اعظم کے نزدیک شرط اول کی ایفا کی صورت میں مہر مسمی لازم آئے گا اور عدم ایفا، یعنی طلاق دے دینے کی صورت میں مہر مثل لازم آئے گا اور حضرات صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں مہر مسمی لازم آئے گا یعنی طلاق دینے کی صورت میں بیس ہزار اور نہ دینے کی صورت میں دس ہزار۔

صاحبین کے قول پر فتوی

اس مسئلہ (مسئلہ مذکورہ) میں گرچہ فتوی امام صاحب کے قول پر ہے اور دوسری شرط صحیح نہیں ہے لیکن

٭ تربیت افتاء امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

بوقت حاجت و ضرورت صاحبین کے قول پر فتوی دیا جا سکتا ہے، چنانچہ اس جگہ بھی اگر طلاق کے واقعات کو روکنے اور اس کے غلط اور بے جا استعمال کے سد باب کے لئے صاحبین کے قول پر فتوی دیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں معلوم ہوتا۔ علامہ ابن عابدین نے ضرورت کے تحت صاحبین کے قول پر فتوی دینے کو جائز قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو اس سلسلہ میں شرح عقود رسم المفتی کی عبارت۔

" والحاصل ان ماخالف فیه الاصحاب امامهم الاعظم لایخرج عن مذهبه اذا رجحه المشائخ المعتبرون و کذا ما بناه المشائخ علی العرف و الحادث لتغییر الزمان او للضرورة و نحو ذالک لایخرج عن مذهبه ایضا لان ما رجحوه لترجیح دلیله عندهم ما ذون به من جهة الامام و کذا ما بنوه علی تغیر الزمان و الضرورة باعتبار انه لو کان حیا لقال بما قالوه لان ماقالوه انما هو مبنی علی قواعده ایضا فهو مقتضی مذهبه (رسم المفتی ص ١٨)

نیز فقہاء کی تصریحات سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اصحاب ابوحنیفہ میں سے کسی کے قول پر عمل کیا جائے تو وہ حقیقۃ امام ابوحنیفہ کے قول پر عمل کرنا شمار ہوگا اس سے عدول نہیں سمجھا جائے گا، اس اعتبار سے بھی صاحبین کے قول پر فتوی دینے میں کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔ چنانچہ علامہ شامی نے فرمایا۔

واذا اخذ بقول واحدمنهم یعلم قطعا ان یکون به آخذ ابقول ابی حنیفة فانه روی عن جمیع اصحابه من الکبار کابی یوسف و محمد و زفر و الحسن انهم قالوا ما قلنا فی مسئلة قولا الا و هو روایتنا عن ابی حنیفة و اقسموا علیه ایمانا غلیظا فلم یتحقق اذن فی الفقه جواب و لا مذهب الا له کیف ما کان و ما نسب الی غیره الا بطریق المجاز للموافقة (رسم المفتی ص ١٧)

اسی طرح ایک دوسرا مسئلہ ہے کہ اگر نکاح کرتے وقت اس طرح کا مہر طے ہو کہ اگر شوہر نے اس منکوحہ کے عقد نکاح میں ہوتے ہوئے کسی دوسری عورت سے نکاح کیا تو اس عورت کا مہر بیس ہزار روپے ہوگا اور اگر نکاح نہیں کیا تو اس کا مہر دس ہزار روپے ہوگا، اس مسئلہ میں بھی اگرچہ فتوی امام صاحب کے قول پر ہے اور شرط اول صحیح اور شرط ثانی باطل ہے، لیکن حضرات صاحبین کے قول پر عمل کرتے ہوئے اس طرح کا مہر طے کرنا میرے خیال میں صحیح و درست ہوگا، اور دونوں شرطیں بھی صحیح ہوں گی، اس لئے کہ بیوی کے آبائی وطن میں رکھنے، یا لے جانے میں ایک ہزار اور دو ہزار مہر طے ہو تو اس سلسلہ میں حضرات صاحبین نے دونوں شرطوں کو صحیح قرار دیا ہے۔ اسی طرح زیر بحث مسئلہ میں بھی تزوج اور عدم تزوج کی شرط پر مہر متعین کرنے کو بھی صحیح قرار دیا

جائے گا۔ ملاحظہ ہو اس سلسلہ میں ہدایہ کی عبارت (متن)

و اذا تزوجها علی الف علی ان لایخرجها من البلدة او علی ان لا یتزوج علیها اخری فان و فی بالشرط فلها المسمی و ان تزوج علیها اخری او اخرجها فلها مهر مثلها و لو تزوجها علی الف ان اقام بها و علی الفین ان اخرجها فان اقام بها فلها الالف و ان اخرجها فله المهر المثل لایزاد علی الالفین و لاینقص من الالف. و هذا عند ابی حنیفة و قالا الشرطان جمیعا جائزان حتی کان لها الالف ان اقام بها و الالفان ان اخرجها (هدایة ج ۲ ص ۳۲۹)

بیوی کی طرف سے شرط ملازمت

مولوی معین الدین قاسمی ٭

عورت کا ملازمت کے سلسلہ میں باہر نکلنا

آج کل ترقی یافتہ دور میں جہاں مردوں کے لئے اعلی سے اعلی تعلیم کا رواج عروج پر ہے وہیں ہمارے مسلم معاشرے کی عورت میں بھی ہر طرح کی اعلی تعلیم کا رواج دن بدن ترقی پر ہے۔ چنانچہ حصول تعلیم کے بعد بہت سی عورتیں مختلف ملازمتوں سے بھی وابستہ ہوجاتی ہیں اور حکومت بھی عورتوں کی ملازمت پر دھیان دیتی ہے اور اسے ملازمت سے وابستہ کرتی اور جوڑتی ہے، ایسی صورت میں ایک امر یہ ہے کہ جب عورتوں کو اپنے آپ ملازمت ملے گی تو وہ سب اپنی ملازمتوں پر جائیں گی، اور شریعت کے اندر عورتوں کا اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر باہر نکلنا جائز و درست نہیں، لیکن اگر عورت بوقت نکاح عقد ہی کو اس شرط کے ساتھ طے کرلے کہ میں نکاح کرتی ہوں اس شرط کے ساتھ کہ مجھے وہ لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا، یا آئندہ ہونے والی ملازمت سے نہیں روکے گا، اور شوہر اس شرط کو قبول کرے تو شوہر کے لئے اس شرط کی پابندی ضروری نہیں ہوگی، اور اگر شوہر اس شرط کو قبول کرنے کے باوجود عورت کو سلسلۂ ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے، یا نئی جو آئندہ ہونے والی ملازمت ہو اس سے روکتا ہے تو عورت پر شوہر کے اس حکم کی تعمیل ضروری ہوگی۔ اس لئے کہ یہ شرط شرط فاسد ہے جس کا ایفاء لازم نہیں ہوتا ہے۔ جیسا کہ اخراج من البلد کے سلسلہ میں ہے کہ اگر شرط پوری کرے۔ ورنہ کوئی ذمہ داری

٭ تربیت قضاء، امارت شرعیہ، پھلواری شریف پٹنہ

عائد نہیں ہوتی ہے ۔

او تزوج على مهر مسمى وشرط لها شيئ آخر بان تزوجها بالف على ان لا يخرجها من بلدها و على ان لا يتزوج عليها فان و فى بالشرط فلها المهر المسمى الخ (مجلة الفقه الاسلامى ص ۵۲ ج ۷)

اس کے علاوہ فقہاء کرام کے اقوال و تصریحات سے بھی یہ فیصلہ سامنے آتا ہے کہ شوہر پر اس شرط کے قبول کرنے کے باوجود اس کی پابندی ضروری نہیں ۔ نیز شوہر اگر بیوی کو روکے تو اس پر اس کی تعمیل ضروری ہوجاتے ۔ اور عدم تعمیل کی صورت میں گنہگار ہوگی ۔ فتح القدیر میں ہے

وما عدا ذالک من زيارة الاجانب و عيادتهم و الوليمة لا ياذن لها و الا تخرج ولو اذن و خرجت كانا عاصيين (فتح القدير ج ۵ ص ۳۸۵)

آگے مزید تصریح فرماتے ہیں کہ

ولكن اذا اراد ان تخرج لتعلم مسئلة من مسائل الوضوء والصلوة ان كان الزوج يحفظ المسائل ويذكر معها له ان يمنعها و ان كان لم يحفظ الاولى (ان) ياذن لها احيانا وان لم ياذن فلاشئى عليه (شرح فتح القدير ج ۳ ص ۳۵۸)

اسی طرح شامی کے اندر علامہ ابن عابدین نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ شوہر بیوی کو ان تمام کاموں سے منع کرسکتا ہے جن سے اس کے حق میں ضرر بالنقص پیدا ہوتا ہے جس کے کرنے کی صورت میں بیوی کو شوہر کے گھر سے باہر نکلنا لازم آئے گا ۔ **ينبغى تحريره ان يكون له منعها من كل عمل يؤدى الى تنقيص حقه او ضرره أو الى خروجها من بيته . (رد المحتار ج ۳ ص ۲۰۳)**

اور آیت قرآنی بھی موجود ہے عورت کے پردے سے متعلق اور احادیث و قرآن میں بہت ہی سختی کے ساتھ اس سے منع کیا ہے کہ عورت بغیر پردے کے باہر نکلے ، اور اب رہی ملازمت کی اور تعلیم کی بات ، اس کے متعلق احقر کی یہی رائے ہے کہ عورت تو پردے میں رہنے والی ہے اور اس کے لئے ہر حالت میں پردہ ضروری ہے اور اسلامی معاشرہ میں بھی اس کا خاص خیال رکھا جاتا ہے ۔ اگر کوئی عورت ملازمت کرتی ہے اور اس میں کوئی ضرر اس کو محسوس نہیں ہورہا ہے اور حجاب کا معقول انتظام ہو تو ملازمت کرسکتی ہے اور تعلیم کے غرض سے باہر نکل رہی ہے اور اس میں پردے کا انتظام ہے تو کوئی حرج نہیں ہے ۔ اور اگر اس کے باہر نکلنے میں اندیشہ ضرر ہے اور پردے کا معقول انتظام نہیں ہے تو وہ باہر نہیں نکل سکتی ہے اور ایسی حالت میں تعلیم کے

غرض سے بھی نہیں نکل سکتی ہے ۰اور ان کو شوہر روک بھی سکتا ہے اس کے روکنے پر شرعاً کوئی پابندی نہیں لگاسکتی ،یہاں پر ایفاء شرط ضروری نہیں ہے ۰ اگرچہ شوہر نے اس شرط کو قبول بھی کرلیا عقد نکاح کے وقت ۰ان کے شوہر کو جہاں پر ضرر ہوگا تو وہ بلا تامل اپنی بیوی کو ایسی ملازمت اور ایسی تعلیم سے روک سکتا ہے ۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے پردے کے متعلق قرآن میں فرمایا ۔

ان تمام عبارتوں سے واضح ہوجاتا ہے کہ ایسی صورت میں شوہر روک سکتا ہے ۰ اس پر اس وقت ایفاء شرط لازم نہیں ہے ۔

واللہ اعلم بالصواب۔

نکاح میں عورت کی طرف سے ملازمت کی شرط

مولوی سمیع اللہ قاسمی ☆

سوال ۳ ۔ ملازمت کرنے والی عورتیں اگر نکاح کے وقت اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگاتی ہیں کہ شوہر انہیں لگی ہوئی ملازمت سے نہیں روکے گا، اور اس شرط کو ہونے والا شوہر عقد نکاح کے وقت قبول کرتا ہے تو اس طرح کی شرطیں شرعا جائز اور درست ہیں، اور ان کو تیسری قسم کی شرائط میں شمار کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں فقہاء نے جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کوئی خاتون کوئی ملازمت کرے یا صنعت و حرفت میں اپنے کو مشغول رکھے، دن کو مشغول رکھے اور رات کو گھر میں حاضر رہے، یا اس کا عکس یعنی الٹا کرتی ہے، ان تمام صورتوں میں شوہر کو سپردگی کامل نہیں ہے ۔ اس لئے عورت کا ان پیشوں میں مشغول رہنا اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر، مثلاً ڈاکٹر ہے یا نرس ہے یا استانی ہے جائز نہیں ہے، شوہر اس سے روک سکتا ہے ہاں وہ اگر شوہر کی رضامندی سے ان کاموں میں مشغول ہے تو شوہر اس ناقص سپردگی کو خود قبول کرلیا ہے، اس وجہ سے اس طرح کی شرطیں جائز اور درست ہیں ۔

لیکن اس ذیل میں یہ بات یاد رہنی چاہئے کہ اگر شوہر نے اس شرط کو قبول کر کے ایک بار اجازت دیدی ہے تو یہ اجازت دائمی نہیں ہوگی، بلکہ شوہر کو بعد میں روکنے کا اختیار ہوگا اور عورت پر اس حکم کی پابندی ضروری ہے، ورنہ شوہر پر اس کا نفقہ لازم نہیں ہوگا۔ اسی طرح سے اگر کسی شخص نے یہ جان کر بھی کہ اس کی ہونے والی

☆ تربیت قضاء، امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

بیوی کہیں ملازمت کرتی ہے اس کے ساتھ نکاح کیا تو سمجھا جائے گا کہ وہ اس کے ملازمت کرنے پر راضی ہے اور اس کا نفقہ برقرار رہے گا، پھر اگر وہ اسے شادی کے بعد روک دے اور عورت اس حکم کی تعمیل نہیں کرتی ہے تو منع کرنے کے بعد کی مدت میں بصورت عدم تعمیل وہ مستحق نفقہ نہیں ہوگی۔

درمختار میں ہے

ولو سلمت نفسها بالليل دون النهار او عكس فلا نفقة لنقص التسليم قال في المجتبى وبه عرف جواب واقعة في زماننا انه اذا تزوج من المحترفات التي تكون بالنهار في مصالحها و بالليل عنده فلا نفقة لها انتهى

یعنی اگر عورت اپنے کاموں میں مشغول رہتی ہے اور دن کو گھر میں حاضر رہتی ہے یا اس کا برعکس کرتی ہے، تو اس کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہے، اور مجتبیٰ میں ہے اسی سے اس کا بھی جواب سمجھ میں آجاتا ہے جو ہمارے زمانے میں واقع ہے کہ اگر ملازمت یا کسی طرح کا پیشہ اختیار کرنے والی سے شادی کرتا ہے جو کہ رات کو حاضر رہتی ہے اور دن کو اپنے پیشہ میں مشغول رہتی ہے تو ایسی صورت میں اس کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہے۔ اب ان عبارتوں سے مسئلہ کا پہلو یہ سامنے آتا ہے کہ ایسی شرطیں لگانا شرعاً جائز اور درست نہیں۔ لیکن شوہر کے لئے اس شرط کی پابندی ضروری نہیں ہے۔ اس وجہ کر کہ شوہر اس شرط کو قبول کرنے کے باوجود عورت کو سلسلۂ ملازمت سے روکتا ہے تو عورت کے لئے اس حکم کی تعمیل لازم اور ضروری ہے، اور اگر اس سے باز نہیں آتی ہے اور روکنے سے بھی نہیں رکتی ہے تو شوہر پر اس کا نفقہ واجب نہیں ہوگا۔

نکاح میں شرط ملازمت اور اس کا حکم

مولوی محمد منصور عالم قاسمی ٭

جواب ۳ ۔ آج کل عورتوں میں ہر طرح کی اعلی تعلیم کا رواج ہوتا جارہا ہے اور تعلیم کے بعد بہت سی عورتیں مختلف ملازمتوں سے وابستہ ہوجاتی ہیں یا وابستہ ہونے کی جد و جہد میں لگی ہوتی ہیں۔ ایسی عورتیں اگر نکاح کے وقت اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگاتی ہیں کہ شوہر انہیں ملازمت کرنے سے نہیں روکے گا، اور اس شرط کو ہونے والا شوہر عقد نکاح کے وقت قبول کرتا ہے، تو اس شرط کی پابندی شوہر کے لئے ضروری نہیں ہے، اور یہ شرط شرعا درست نہیں ہے، اگر شوہر اس شرط کو قبول کرنے کے باوجود عورت کو سلسلہ ملازمت ختم کرنے کا حکم دیتا ہے یا نئی ملازمت کرنے سے روکتا ہے تو عورت کے لئے شوہر کے اس حکم کی تعمیل ضروری اور لازمی ہے فقہاء کرام نے فرمایا کہ شوہر عورت کو سوت کاتنے سے روک سکتا ہے، نفل روزہ بغیر شوہر کی اجازت کے نہیں رکھ سکتی ہے، صرف غزل کی تخصیص نہیں ہے بلکہ شوہر ہر ایسے اعمال سے بیوی کو منع کرے گا جو اعمال کسب کمانے کا مقتضی ہو۔ وجہ ممانعت یہ ہے کہ بیوی کا نان و نفقہ شوہر پر لازم ہے، پھر کمانے کی کیا وجہ اور ضرورت ہے؟ اسی طرح کسی غیر کے لئے بھی کوئی عمل نہیں کرے گی، ذیل میں ملاحظہ ہو البحر الرائق کی عبارت

ان يمنع امراته من الغزل ولا تطوع للصلوة و الصوم بغير اذن الزوج كذا فى الظهيرية . ولا ينبغى تخصيص الغزل بل له ان يمنعها من الاعمال كلها المقتضية لكسب لانها مستغنية عنه لو جوب كفايتها عليه وكذا من العمل تبرعا لاجنبى بالاولى (البحر الرائق ج ۲ ص ۱۹۲)

٭ تربیت قضاء، امارت شرعیہ، پھلواری شریف پٹنہ

شوہر بیوی کو ہر اس چیز سے روک سکتا ہے جو اس کے اور اس کی بیوی کے حق میں خلل واقع ہو۔ چنانچہ بیوی کے پاس پہلے شوہر کا بچہ ہے اور بیوی اس بچے کو دودھ پلانا چاہتی ہے، اور تربیت کرنا چاہتی ہے تو شوہر کو حق ہے کہ بیوی کو دودھ پلانے سے روک دے۔ کیونکہ دودھ پلانے میں اور جاگنے میں تھکے گی۔ اور یہ تھکنا اور جگنا حسن کو کم کرے گا جو شوہر کا حق ہے۔ غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ شریعت نے حقوق زوج کا کتنا خیال رکھا ہے۔ اگر بیوی ملازمت کے لئے نکلے گی تو یقینی بات ہے کہ پورے دن کی تھکی ماندی رہے گی جب شام میں آئے گی تو اپنے آرام و سکون کے فکر میں رہے گی۔ شوہر کا کیا خیال رکھے گی؟ بچے کی بھی صحیح تربیت نہیں کرسکے گی۔ گھر کا نظام بھی درست نہ رکھ سکے گی۔ جو عورت کا فریضہ ہے، حسب ذیل عبارت ملاحظہ ہو۔

قال الرملی اقول لو کان معها ولد من غیره و ارادت ان ترضعه و تربیه هل له منعها والذی یجب ان یقال ان له منعها یدل علیه ما فی التاتار خانیة عن الکافی فی اجارة الظئر۔ و للزوج ان یمنع امراته عما یوجب خللا فی حقه وما فیها ایضا نقلا عن العتابی ولانها فی الارضاع و السهر تتعب و ذالک ینقص جمالها و جمالها حق الزوج فکان له ان یمنعها حواله (البحر الرائق ج ۴ ص ۱۹۵)

حضرات فقہاء کرام نے عورتوں کو باہر نکلنے کے حدود بیان فرمائے ہیں کہ عورتیں شوہر کی اجازت سے کن کن صورتوں میں باہر نکل سکتی ہیں اور اس کے مواقع کیا ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ شوہر بیوی کو سات جگہوں میں باہر نکلنے کی اجازت دے گا۔ والدین کی زیارت و ملاقات۔ ان دونوں کی عیادت و تعزیت یا ان میں سے ایک کی عیادت و تعزیت اور محارم کی تعزیت و زیارت۔ عورت اپنے حق کے لئے جو کسی دوسرے پر ہو اور حج کے لئے بغیر شوہر کی اجازت کے بھی نکل سکتی ہے۔ ولیمہ میں شرکت کے لئے شوہر بیوی کو باہر نکلنے کی اجازت نہیں دے گا۔ اور نہ بیوی باہر نکل سکتی ہے اگر شوہر نے بیوی کو باہر نکلنے کی اجازت دیدیا اور بیوی نکل گئی تو دونوں گناہ گار ہوں گے۔ جن صورتوں میں عورتیں باہر نکل سکتی ہیں ان صورتوں میں کہیں یہ ذکر نہیں ملتا ہے کہ بیوی ملازمت کے لئے باہر نکل سکتی ہے۔ اگر عورتوں کو ملازمت کے لئے نکلنا جائز اور مناسب ہوتا تو ضرور فقہاء کرام ذکر فرماتے لیکن کہیں اس کا تذکرہ نہیں ملتا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ عورتوں کا بغرض ملازمت باہر نکلنا درست اور مناسب نہیں ہے۔ ولیمہ جو سنت نبوی ہے اور دعوت قبول کرنا سنت ہے، لیکن اس میں عورتوں کی شرکت ممنوع ہے۔ وجہ ممانعت میرے خیال میں ابتلاء فتنہ اور معصیت ہے۔ (واللہ اعلم) جب سنت نبوی میں شرکت فتنہ اور معصیت کی وجہ سے ممنوع ہے۔ تو

ملازمت کے لئے باہر نکلنے کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے ۔ جب کہ بیوی کو اس کی ضرورت بھی نہیں ہے ۔ کیونکہ اس کا نفقہ شوہر پر لازم اور واجب ہے ۔

یجوز للرجل ان یاذن لها بالخروج الی سبعة مواضع : زیارة الابوین و عیادتهما و تعزیتهما او احدهما وزیارة المحارم فان کانت قابلة او کان لها علی آخر حق تخرج بالاذن و بغیر الاذن و لحج علی هذا او فیما عدا ذالک من زیارة الاجانب و عیادتهم و الولیمة لا یاذن لها ولا تخرج ولو اذن و خرجت کانا عاصیین .(حواله. البحر الرائق ج ۳ ص ۲۱۲)

اگر کوئی عورت اپنے نفس کو دن میں شوہر کے حوالہ کرے ۔ لیکن رات میں حوالہ نہ کرے ۔ یا اس کے برعکس ۔ تو اس صورت میں بیوی نفقہ کی مستحق نہیں ہے ، اس لئے کہ تسلیم نفس ناقص ہے ۔ اس سے اس پیشہ ور عورت کا حکم معلوم ہوا ، جو دن کا اکثر حصہ کارخانہ میں گزارے ، اور رات شوہر کے ساتھ تو اس صورت میں بھی عورت نفقہ کی مستحق نہیں رہتی ہے ۔ اس سے پتہ چلا کہ عورت کے لئے تسلیم نفس کامل طور پر ضروری ہے ۔ ملازمت کی صورت میں ظاہر ہے کہ نفس کی تسلیم کامل نہیں ہوگی ، جو شوہر کا حق ہے ، اس لئے عورت بغرض ملازمت باہر نہیں نکل سکتی ہے ۔

اذا سلمت نفسها بالنهار دون اللیل او علی عکسه لا تستحق النفقة لان التسلیم ناقص . قلت و بهذا عرف جواب و اقعة فی زماننا بانه اذا تزوج من المحترفات التی تکون عامة النهار فی الکار خانة و اللیل مع الزوج لا نفقة لها (البحر الرائق ج ۴ ص ۱۹۵) وقرن فی بیوتکن و لا تبرجن تبرج الجاهلیة الاولی ۔ اس آیت میں پردے کے متعلق اصلی حکم یہ ہے کہ عورتیں گھروں میں رہیں (یعنی بلا ضرورت شرعیہ باہر نہ نکلیں) اور زمانہ جاہلیت کی طرح بے پردہ نہ پھریں ۔

اس آیت سے پردے کے متعلق دو باتیں معلوم ہوئیں ۔ اول یہ ہے کہ اصل مطلوب عنداللہ عورتوں کے لئے یہ ہے کہ وہ گھروں سے باہر نہ نکلیں ۔ ان کی تخلیق گھریلو کاموں کے لئے ہوئی ہے ۔ ان میں مشغول رہیں ۔ اور اصل پردہ جو شرعاً مطلوب ہے وہ حجاب بالبیوت ہے ۔ اگرچہ ضرورت کے وقت باہر نکلنے کی اجازت ہے ، لیکن عورت کا ملازمت کے لئے شوہر کے موجود ہوتے ہوئے باہر نکلنا درست نہیں ۔ ضرورت کہتے ہیں جس کے بغیر ضرر ہو ۔ ظاہر ہے کہ عورتوں کے نہ نکلنے میں ضرر نہیں ہے ۔

پردہ سے متعلق تمام آیات و احادیث کا اصل مطلوب شرعی حجاب اشخاص ہے یعنی عورتوں کا وجود اور ان کی نقل و حرکت مردوں کی نگرانی میں مستور ہو ۔ ملازمت کی صورت میں اس حکم پر عمل کرنا مشکل اور دشوار ہے ۔ غور

فرمائیں جس شریعت نے نماز جیسی اہم عبادت کو مردوں کے ساتھ مسجد میں ابتلاء فتنہ اور معصیت کی وجہ سے ممنوع قرار دیا وہ شریعت عورتوں کو ملازمت کے لئے باہر نکلنے کی اجازت کیسے دے سکتی ہے ؟

جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **اذا خرجت المرأۃ استشرفہا الشیطان** ۔ عورت جب گھر سے نکلتی ہے ، تو شیطان اس کو تاک لیتا ہے ۔ (یعنی اس کو مسلمانوں میں برائی پھیلانے کا ذریعہ بناتا ہے) اور ابن خزیمہ اور ابن حبان نے اس حدیث میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں **و اقرب ما تکون من وجہ ربہا وھی فی قعر بیتہا** یعنی عورت اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کے بیچ میں مستور ہو ۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل عورتوں کے لئے یہی ہے کہ وہ اپنے گھروں میں بیٹھیں ، باہر نہ نکلیں، اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ۔ **لیس للنساء نصیب فی الخروج الا مضطرۃ** ۔ یعنی عورتوں کا باہر نکلنے میں کوئی حصہ نہیں سوا اس کے کہ گھر سے باہر نکلنے کے لئے کوئی اضطراری صورت پیش آئے ۔ اس حدیث میں اضطرار کی صورت میں نکلنے کی اجازت دی گئی ہے ۔ غور کیجئے کیا ملازمت کے لئے عورتوں کا باہر نکلنا اضطرار ہے ؟ ظاہر ہے کہ یہ صورت اضطرار کی نہیں ہے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورتیں ملازمت کے لئے نہیں نکل سکتی ہیں ۔ میں تمام آیات و احادیث کے مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ عورتیں شوہر کے موجود ہوتے ہوئے گھر سے باہر ملازمت کے لئے نہ نکلیں خصوصا یہ زمانہ پر فتن ہے جس میں ابتلاء معصیت و فتنہ و فساد کا عموم ہے ۔ اس لئے وقت کی نزاکت کا خیال رکھتے ہوئے بلا ضرورت عورتوں کو ملازمت کی اجازت نہ دی جائے ۔

(واللہ اعلم بالصواب)

عقد نکاح میں خواتین کی طرف سے شرط ملازمت

مولوی نظام الدین قاسمی ٭

تعلیم و تعلم کا دروازہ ہر دور میں اسلام نے مردوں کی طرح عورتوں پر بھی کھلا رکھا ہے ، بلکہ ضروریات دین کے بقدر تحصیل علم کو فرض قرار دیا گیا ہے ، عہد رسالت میں اس کی طرف خاص توجہ دی جاتی تھی ، حضور نے خواتین کی تعلیم کے لئے ہفتہ میں ایک دن مقرر کر رکھا تھا جس کے نتیجہ میں عورتوں نے علم کے میدان میں اپنا یک خاص مقام بنالیا تھا ، اور اکثر مردوں کو عورتوں کی طرف مسائل کے سلسلہ میں رجوع کرنا پڑتا تھا ۔ تابعین کے دور میں بھی عورتوں کی ایک بہت بڑی تعداد تھی جو عہدہ قضاء و افتاء سے لے کر طب اور صنعت کے فن تک سے واقف تھیں ، لہذا اس دور میں بھی اگر خواتین علم کا حصول شریعت کے حدود میں رہ کر کریں تو جائز ہی نہیں بلکہ بہتر قدم ہوگا ، جس کی وجہ سے عورتوں کو عورتوں سے مسائل معلوم کرنے میں آسانی اور سہولت ہوگی ۔

اگر بیوی نے شوہر سے یہ شرط لگائی کہ اس کو لگی ہوئی ملازمت سے یا آئندہ متوقع ملازمت سے نہیں روکے گا ۔ تو اگر یہ شرط اسلام کے موافق ہوگی ، مثلاً پردہ کا اہتمام ہو ، باہر نکلنے کے لئے شوہر کی اجازت ہو ، جو مرد کا عورت پر ازدواجی حق ہے ۔ غیر محرم اور اجنبی مردوں سے اختلاط اور تنہائی کی نوبت نہ آتی ہو ۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود کی بیوی سے مروی ہے کہ وہ اپنی کمائی سے اپنے شوہر اور اپنے اہل و عیال کی

٭ تخصص فی الفقہ دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد

کفالت کرتی تھیں (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۲۱۲)

تاہم چونکہ شریعت نے عورت پر مرد کا یہ حق رکھا ہے کہ وہ اس کی اجازت کے بغیر باہر نہ نکلے اور شریعت کا منشاء بھی یہی ہے کہ عورتیں گھر ہی کو اپنی محنت کا میدان بنائیں اس لئے یہ شرط واجب الایفاء نہ ہوگی، جیسا کہ شامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں

بخلاف مالو شرط شرطا فاسدا کما لو تزوجته علی ان لا یطاها فانه یصح النکاح و یفسد الشرط (رد المحتار علی الدر (شامی) ج ۳ ص ۱۳۱ (کراچی)

مباحثہ

زیر بحث موضوع کے مختلف پہلوؤں پر دلائل کی روشنی میں
شرکائے سمینار کا تفصیلی مباحثہ

اشتراط فی النکاح سے متعلق مباحثہ ☆

(اسلامک فقہ اکیڈمی کے آٹھویں سمینار منعقدہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ مورخہ ۲۲-۲۴ اکتوبر ۱۹۹۵ء میں "اشتراط فی النکاح" ایک اہم موضوع تھا، اس سلسلہ میں تجویز مرتب کرنے کے لئے ایک ذیلی کمیٹی بنائی گئی اور اس نے درج ذیل تجاویز اجلاس کے سامنے پیش کی جو بعض ترمیمات کے ساتھ منظور ہوئیں جو اس مجموعہ مضامین میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ موضوع سے متعلق عرض مسئلہ اور پیش کردہ تجاویز پر جو بحثیں ہوئیں اور تبادلہ خیال ہوا ان کو ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے منتقل کیا گیا جو ذیل میں درج ہیں، صحیح ٹیپ نہ ہونے کی وجہ سے اگر کوئی حصہ چھوٹ گیا ہو تو ادارہ اس کے لئے معذرت خواہ ہے)

ذیلی کمیٹی کی مجوزہ تجویز

قانون فطرت سے مطابقت مصالح انسانی کی پوری پوری رعایت، توازن و اعتدال، عدل و صلاحیت اور اہلیت کے مطابق حقوق واجبات کا متعین کرنا شریعت اسلامی کی نمایاں خصوصیت اور اس کا اولین امتیاز ہے۔ اسلام کے عائلی قوانین بھی اسی خصوصیات کے حامل ہیں اور انسان کی سماجی ضروریات اور مصالح کی پوری طرح تکمیل اور معاشرتی مشکلات اور دشواریوں کا نہایت متوازن حل پیش کرتے ہیں۔ مگر افسوس کہ احکام شریعت سے ناآگاہی اور اس پر عمل کرنے میں کوتاہی دوسری اقوام کی بعض رسوم سے تاثر اور خصوصیت سے نظام قسط کے فقدان کے

☆ ترتیب: جناب امین عثمانی منتظم اعلی اسلامک فقہ اکیڈمی دہلی

باعث ہمارے معاشرے میں بعض پیچیدگیاں پیدا ہو رہی ہیں ۔ جن کو ہمیں شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے حل کرنا ہے ، اس پس منظر میں نکاح کے ساتھ عورت کو حق طلاق کی تفویض اور مہر کے بعض مسائل کی بابت غور کیا گیا اور درج ذیل تجاویز منظور کی گئیں :

نکاح کے وقت ایسی باتوں کی شرط لگانا کہ جن کو شریعت نے واجب و لازم قرار نہیں دیا ہے اور نہ ان سے منع کیا ہے ۔ بلکہ ایسی شرطوں کے ذریعہ مرد اپنے بعض حقوق سے باز آجاتا ہے ، ایسی شرطیں معتبر ہیں ۔

۱ ۔ نکاح میں اگر ایسی شرطیں لگائی جائیں جو نکاح سے واجب ہونے والی ذمہ داریوں اور حقوق کو ہی مؤکد کرتی ہوں تو وہ معتبر ہیں ۔ اور شوہر پر ان کو پورا کرنا واجب ہے ۔

۲ ۔ نکاح کے وقت ایسی شرائط عائد کرنا جو عقد نکاح کے تقاضوں کے خلاف ہوں یا شریعت نے ان سے منع کیا ہو تو غیر معتبر ہیں ، جیسے شوہر کا نفقہ نہ دینے کی شرط لگانا ، یا جہیز تلک کی شرط لگانا ، دوسری موجودہ بیوی کو طلاق دینے کی شرط لگانا ، ایسی شرطیں معتبر نہیں ۔

۳ ۔ اسلام نے انسانی فطرت ، ضرورت اور مختلف مصالح کو پیش نظر رکھتے ہوئے تعدد ازدواج کی اجازت دی ۔ لیکن زوجہ کے درمیان عدل کو واجب قرار دیا اور اگر عدل نہ کرنے کا خطرہ ہو تو ایک ہی بیوی پر اکتفاء کا حکم دیا گیا ۔ موجودہ صورت حال یہ ہے کہ اکثر اوقات تعدد ازدواج کی صورت میں زوجہ کے درمیان عدل نہیں کیا جاتا ، دوسری طرف مغرب کی تقلید میں تعدد ازدواج کو مطلقا ممنوع قرار دئے جانے کے لئے قانون سازی کا مطالبہ کیا جاتا ہے ۔ حالانکہ یہ خود بسا اوقات فتنہ کا موجب ہوتا ہے ، یہ صورت حال کہ ضرورت کے وقت بھی تعدد ازدواج ممنوع اور دوسری طرف تعدد ازدواج کی صورت میں عدل کا فقدان اور معاشرہ میں عورتوں پر ظلم کا رواج ہو جائے ، شرعا قابل قبول نہیں ۔ اس پس منظر میں اکیڈمی کا یہ سمینار طے کرتا ہے کہ نکاح کے وقت مصالح و مقاصد شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ شرط لگائی جا سکتی ہے کہ شوہر نکاح ثانی کی ضرورت محسوس کرنے پر دار القضاء یا کسی مستند یا متعین ادارے کے سامنے اپنی ضرورت پیش کر کے نکاح ثانی کی اجازت حاصل کرنے کے بعد ہی نکاح ثانی کرے ، ایسی صورت میں شوہر پر اس شرط کا پورا کرنا واجب ہوگا ۔

۴ ۔ شریعت نے طلاق کا اختیار انسان کی فطری صلاحیت اور معاشرتی ذمہ داریوں کا لحاظ کرتے ہوئے مرد کو دیا ہے ، جو عقل و فطرت کا عین تقاضا ہے ، تاہم مرد کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ خود زوجہ کو یا کسی تیسرے شخص کو طلاق کا مالک بنا سکتا ہے ، ایسی صورت میں اس عورت کو اپنے آپ پر یا اس تیسرے شخص کو عورت پر طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا ۔ لیکن اس تیسرے شخص کے طلاق واقع کرنے سے قبل مرد کا حق طلاق سلب نہیں ہوگا ، بلکہ وہ خود بھی اس حق کے استعمال کا مجاز ہوگا ۔

۵ ۔ عورت کو تفویض طلاق کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں ۔

الف ۔ نکاح سے پہلے ہی تفویض طلاق کی جائے ۔ایسی صورت میں ضروری ہے کہ تفویض طلاق کو نکاح کے ساتھ مشروط کیا جائے کہ اگر میں تم سے نکاح کروں تو تم کو فلاں فلاں شرطوں کے ساتھ اپنے آپ پر اتنی طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا ۔

ب ۔ نکاح کے وقت تفویض طلاق کی جائے ۔اس صورت میں ضروری ہے کہ تفویض طلاق کی شرط عورت یا اس کے ولی کی طرف سے پیش ہو اور مرد قبول عقد کے وقت اس شرط کو بھی قبول کرے ۔

ج ۔ نکاح کے بعد بھی تفویض طلاق ہو سکتی ہے ۔

د ۔ تفویض طلاق کے ذریعہ چونکہ عورت اپنے طلاق کی مالک ہوجاتی ہے ۔اس لیے یہ مسئلہ بہت نازک ہے ۔اور اندیشہ ہے کہ اگر تفویض کو غیر مشروط رکھا جائے تو اس حق کا غلط استعمال ہونے لگے ۔اس لئے اس کے ساتھ ایسی قیدیں بھی لگادی جائیں کہ اس کا شرعی و معاشرتی مصالح کے مطابق استعمال کیا جائے ۔

اس مقصد کے حصول کے لئے مناسب ہوگا کہ دار القضاء یا اصلاح بین المسلمین کا کام انجام دینے والے کسی ادارے سے تصدیق کی جائے کہ شوہر نے اس کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرنے میں کوتاہی کی ہے ۔اور وہ تفریق کو مناسب سمجھتا ہے ۔ اس کے بعد ہی عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا ۔ اور اگر وہاں کوئی ایسا ادارہ موجود نہ ہو تو چند بابصیرت متدین اور احکام دینی سے واقف افراد کے نام بھی لکھے جاسکتے ہیں جو شوہر کی جانب سے زیادتی اور حقوق زوجیت سے غفلت محسوس کریں تو عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا حق حاصل ہوگا ۔

ہ ۔ تفویض طلاق میں تین طلاق بطریق سنت یا ایک طلاق بائن کا حق تفویض کیا جائے ۔ کیونکہ ایک دفعہ تین طلاقوں کا واقع کرنا طلاق بدعت اور سخت گناہ ہے ۔

۶ ۔ طلاق کے واقعات کو کم کرنے اور اس کے بے جا استعمال سے بچانے کے لئے بہتر ہے کہ جہاں دار القضاء یا کوئی دوسرا معتبر ادارہ موجود ہو وہاں تفویض طلاق عورت کے بجائے اسی ادارے کو کیا جائے کہ اگر زوجین کے بابت وہ محسوس کرے کہ ان میں تفریق بہتر ہے تو وہ عورت پر ایک طلاق بائن واقع کردے ۔

۷ ۔ اگر کسی معاملہ میں مرد کی طرف سے زیادتی کا اندیشہ ہو تو یہ درست ہے کہ نکاح کی دو صورتوں کے ساتھ مہر کی دو مقدار متعین کی جائے ۔

مثلاً اگر کہا جائے کہ فلاں خاتون کا مہر بیس ہزار ہوگا ۔ اگر شوہر نے اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح کیا یا اس

منکوحہ کو طلاق دے دی۔ اور اگر ایسا نہیں کیا تو اس کا مہر دس ہزار ہوگا۔ ایسی صورت میں یہ شرط معتبر ہوگی۔ اور اگر مرد نے دوسرا نکاح کیا یا اس منکوحہ کو طلاق دے دیا تو مہر بیس ہزار روپے دینے ہوں گے ورنہ دس ہزار ہی واجب ہوگا۔ تاہم بہتر ہے کہ اس طرح کی شرطیں لگانے کے بجائے یہ قید لگادی جائے کہ اگر مرد نے دارالقضاء یا فلاں ادارے یا اشخاص کی اجازت کے بغیر دوسرا نکاح کیا یا طلاق دی تو بیس ہزار واجب ہوگا ورنہ دس ہزار، ایسی صورت میں اگر مذکورہ ادارہ یا شخص نے مصالح شرعی کے تحت محسوس کیا کہ واقعی اس کو دوسرے نکاح کی ضرورت ہے یا اس کے لئے طلاق دینے کے سوا چارہ نہیں اور اجازت دے دی تو مہر مقررہ مثلاً دس ہزار روپے ہی بطور مہر واجب ہوں گے۔

۸۔ اگر زوجین میں کوئی اختلاف پیدا ہوجائے تو شریعت نے تحکیم و ثالثی کا اصول مقرر فرمایا ہے، تاکہ زوجین کے درمیان ممکنہ حد تک موافقت و مصالحت کی راہ نکالی جاسکے۔ اور اگر دونوں کا معروف طریقہ پر ایک ساتھ رہنا ممکن نہ ہو تو تفریق کا راستہ اختیار کیا جائے۔

مولانا سید نظام الدین صاحب

اس وقت جو حالات ہمارے سامنے ہیں اس کے تحت نکاح نامہ میں شرائط اور تفویض طلاق کا درج کیا جانا بالکل مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ ایک تو آجکل یونہی رشتے نہیں ملتے۔ اور پھران شرطوں کے ساتھ کون نکاح کرنے پر آمادہ ہوگا، پھر نکاح کا جو ماحول ہوتا ہے وہ عام طور پر خوشگوار ماحول ہوتا ہے، اعتماد و انس کا ماحول ہوتا ہے، اس موقع پر تفویض طلاق کی بات لانے سے باہمی اعتماد کو ٹھیس پہونچے گی، اس سے مجھے اختلاف نہیں کہ شرعاً تفویض طلاق کی گنجائش ہے، لیکن نکاح کے وقت تفویض طلاق کو لکھا جانا نہ ضروری ہے نہ مناسب، بلکہ یہ مقاصد شریعت کے بھی خلاف ہے اس سے طلاق کم ہونے کے بجائے بڑھے گی۔ اور مردوں کی طرف سے ہونے کے بجائے عورتوں کی طرف سے زیادہ طلاق ہوگی، اس لیے آپ میرے اختلاف کو نوٹ کرلیں، میں اس کا قطعاً حامی نہیں ہوں کہ نکاح نامہ میں یا عقد نکاح کے وقت عورت کو مرد کی طرف سے یہ اختیار دیا جائے۔

مولانا مجاہد الاسلام صاحب

مسئلہ یہاں شرعی نقطہ نظر سے زیر بحث ہے، اور شرعاً غور کرنا ہے کہ اگر عورت یہ کہتی ہے کہ میں آپ سے اس شرط پر نکاح کرتی ہوں کہ فلاں فلاں حالات میں مجھے حق ہوگا کہ میں اپنے نفس پر طلاق دیدوں یا قاضی یا برادری کا سردار مطمئن ہوجائے کہ مجھ پر زیادتی ہوتی ہے تو میں اپنے آپ پر طلاق واقع کرلوں اور مرد نے کہا کہ میں نے تمہاری اس شرط کو قبول کیا تو یہ تفویض صحیح ہوگی یا نہیں۔

مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب

میں اس موقع پر سب سے پہلی بات یہ کہنا چاہوں گا کہ یہ اہل علم و اہل افتاء حضرات کا معزز مجمع ہے ۔ اور اس میں کوئی ایسا فیصلہ نہ ہونا چاہئے جو ہندوستان کے موجودہ حالات میں بہت سارے فتنے کا موجب بنے ۔ اگر تفویض 39/11 وغیرہ کے مسئلے کو اگر نکاح نامے میں داخل کر دیا گیا ، اور یہ بھی احساس ہے میرا کہ یہ چیزیں جو آئیں گی وہ دراصل اس بات کا احساس دلاتی ہیں کہ طلاق کی شرح بہت بڑھ گئی وہ گویا اردن شوری وغیرہ مسلمانوں کے بارے میں جو لکھتے آرہے ہیں ہم اس پروپیگنڈہ سے متاثر ہوگئے ہیں اور اس پروپیگنڈے سے متاثر ہونے کی وجہ سے ہم نے یہ تمام جزئیات اور تفصیلات بیان کی ہیں ۔ ظاہر بات ہے آپ حضرات مالی دشواریوں کا تذکرہ کرتے ہیں کہ نکاح سب سے بابرکت وہ ہے جس میں سب سے کم خرچ ہو ، مالی دشواریاں اور دقتیں نہ ہوں ، لیکن ایسا نکاح جس میں ہم شرط لگائیں ذہنی طور پر بہت بار کا باعث ہوگا ، تو ایسا نکاح بھی کسی طرح مطلوب ہوسکتا ہے ؟ تو میرے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ جیسے مغربی ممالک نے مسلمانوں کے خلاف یا اسلامی تعلیمات کے خلاف پروپیگنڈہ کیا ہے ، اس میں بہت حد تک اس کو تقویت پہونچانے والے اجزاء موجود ہیں ، میرا اپنا احساس یہ ہے کہ اگر تفویض کی کوئی بات آتی ہے چاہے جو بھی اس کی صورت ہو ، طلاق کی شرح بڑھ جائے گی معاشرہ سدھرے گا نہیں بلکہ بگاڑ کی طرف چلا جائے گا ، اصلاح نہ ہوگی ، بلکہ اور فساد کا دروازہ کھل جائے گا ۔ اس لئے ہمیں نہایت محتاط انداز میں صرف جواز اور عدم جواز کو نہیں دیکھنا ہے ، بلکہ ہندوستان کے موجودہ چوکھٹے میں ان مسائل کو ہمیں دیکھنا ہے ، اور ان حالات کے اعتبار سے سب سے بہتر طریقہ تو وہی ہے ، ابھی بھی طلاق کی شرح پوری دنیا میں مسلمانوں میں سب سے کم ہے ۔

ہاں دارالقضاء کے مسئلے کو بڑھایا جائے ، تحکیم کی جو صورت ہو سکتی ہے اس کو اور اس جذبے کو آگے بڑھایا جائے ، میں جو کچھ عرض کرنا چاہتا تھا وہ یہ کہ اشتراط ہو لیکن یہ حق مرد اپنے علاوہ کسی دوسرے کو دے سکتا ہے اور اس میں نائب بنا سکتا ہے ، اس لئے اگر عورت عقد نکاح میں خاص الفاظ کے ساتھ اس حق طلاق کو تفویض کی صورت میں حاصل کرنا چاہے تو کر سکتی ہے ، مگر بہتر یہ ہے کہ یہ حق مطلق نہ دیا جائے بلکہ کچھ خاص شرائط پر دیا جائے ۔

اسلامک فقہ اکیڈمی کا یہ امتیاز اور اعزاز ہے کہ اس نے اختلاف رائے کو ہمیشہ برداشت کیا ہے ، سنا ہے اور گوارا کیا ہے ، اور اسی سے اس کا یہ امتیاز باقی ہے ۔

مولانا سید نظام الدین صاحب

دوسری بات جو ایک سے زیادہ شادی سے متعلق کی گئی ہے اس پر بھی غور کرنا چاہئے ، شریعت نے ایک

سے زیادہ شادی کی اجازت دی ہے، حکم نہیں دیا ہے اگر کسی نے غلط طریقہ پر دوسری شادی کی ہے تو اس کی سزا آپ کیا مقرر کرسکتے ہیں؟ سماج اس کو کیا سزا دے سکتا ہے؟، اور اس پر کیسے کیسے روک لگا سکتی ہے؟ وہ تو ضرور کیجئے، لیکن فقہی نقطۂ نظر سے محض جواز کی وجہ سے محض دس ہزار یا بیس ہزار مہر دینا مسئلہ کا حل نہیں ہے۔ یہ تو کچھ نہیں شوہر پچاس ہزار دے سکتا ہے، لیکن کیا اس سے عدل قائم ہوجائے گا؟

ہاں تحکیم کی جو بات کہی گئی ہے وہ سارے مسئلے کا حل ہے کہ آئندہ زوجین میں کبھی کوئی اختلاف ہوا تو اس میں نہ لڑکی عجلت کرے گی اور نہ لڑکا عجلت کرے گا۔ بلکہ یہ قرآن کے حکم کے مطابق اپنے اپنے خاندان سے حکمین منتخب کریں گے اور اگر اپنے اہل خاندان میں حکم نہ ہوں تو دارالقضاء یا علماء جو مستند ہوں ان سے مشورہ کرنے کے بعد ہی کوئی اقدام کریں گے۔ یہ ضرور لکھا جانا چاہئے، کیوں کہ اس کی اجازت شریعت نے آپ کو دی ہے اور حل قرار دیا، اس کی میں تائید کرتا ہوں۔

•

کوئی خاتون

طلاق کا مسئلہ ہو یا وراثت کا یا خلع کا میرے خیال میں ضروری چیز یہ ہے کہ لوگوں کو Educate کیا جائے ان کے ذہنوں میں یہ بات بٹھادی جائے کہ یہ غلط ہے یہ صحیح ہے، اس وقت یہ معاشرہ سدھرے گا اور سب سے بڑی چیز ہوتی ہے خوف خدا، جب انسان میں خدا کا خوف نہ ہو، نہ آخرت کا ڈر ہو تو وہاں نہ قانون کام آتا ہے نہ ہی کوئی تدبیر کام آتی ہے۔ وہ انسان اپنا راستہ خود بخود نکال لیتا ہے، سب سے پہلی چیز جو ہے وہ یہ ہے کہ ہم اسلامی قوانین سے واقف ہی نہیں ہیں، نہ تو خواتین واقف ہیں، نہ ہی ہمارے مرد واقف ہیں تو پہلے ضرورت یہ ہے کہ ان کو کسی نہ کسی طرح سے یا جس طرح مناسب سمجھتے ہیں آپ ان کو Educate کریں۔

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی

میں آپ حضرات سے یہ پوچھ رہا ہوں کہ اگر ہم ان تفصیلات میں جائے بغیر صرف ان تین اصولوں کا ذکر کردیں کہ وہ شرائط جو مقتضائے عقد کے مطابق ہیں ان میں کوئی مسئلہ نہیں ہے وہ معتبر ہیں، اور جو شرائط مقتضائے عقد کے خلاف اور ممنوعات کی ہیں ان کا اعتبار نہیں ہوگا، اور ایسی شرائط جو ممنوع ہیں نہ مامور ہیں، ایسی شرائط کا لگانا جائز ہوگا، اگر ان تین باتوں پر اس تجویز کو ہم یہاں پر منظور کردیں تو کیسا رہے گا؟

مولانا قاری امداداللہ صاحب

ایک چھوٹا سا مسئلہ یہ ہے کہ طلاق، خلع اور فسخ تینوں چیزیں اسی غرض سے مشروع ہوئیں کہ بعد میں کوئی ایسی صورت حال پیش آئے تو مرد اور عورت دونوں اس سے فائدہ اٹھائیں جب وہ اسی غرض سے مشروع ہوئے تو پہلے سے تذکرہ کرنے کا کیا فائدہ ہے۔

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی صاحب

میں اپنے جائزے کے مطابق اس نتیجہ تک پہونچا ہوں کہ نکاح ثانی جیسا کہ میں نے ۹۰ فی صد کہا تھا، میں اس سے آگے بھی جانے کو تیار ہوں کہ نکاح ثانی کے بعد پہلی بیوی کے ساتھ عدل بہت دور کی بات ہے، واجب اور جائز حد تک بھی اس کے ساتھ انصاف نہیں ہوتا، اتنی بڑی معاشرتی حقیقت کو آپ نظر انداز کردینا چاہتے ہیں اور اس کا حل نہیں نکالنا چاہتے ہیں تو ظاہر ہے حل ہم اسی دائرے میں نکالیں گے جہاں تک فقہاء نے گنجائش ہمیں دی ہے، قانون سے اس کو ہم منع کروادیں گے کہ Poly gymy حرام ہے، نہیں کرسکتا کوئی بھی شخص، تو قانون ظاہر ہے بنے گا، پھر جو ضرورت کے حالات ہیں تو ان حالات میں بھی تعدد ازدواج نہیں ہوسکے گا۔ اس کا اثر معاشرہ پر بہت گہرا پڑے گا۔ آپ چاہیں گے تو مجھے کوئی اس میں تکلف نہیں ہے کہ اس پوری بحث کی جملہ تجاویز کو ختم کر دیا جائے تو ہم نے کوئی بحث ہی نہیں کی، بہر حال ہمیں ایک ایسی بات کہنی ہے جس پر عام لوگوں کا بھی اتفاق ہونا چاہئے، اس معاشرتی حقیقت کو کہ یہ میری ایک بہن نے کہا اللہ ان کو جزائے خیر دے، لیکن جیسا کہ آپ سب جانتے ہیں کہ ہم نے مسلم پرسنل لا بورڈ کے پلیٹ فارم سے امارت شرعیہ سے یا جہاں جہاں جو لوگ بھی ادارہ چلا رہے ہیں وہ مسلمانوں سے یہ بات بار بار کہہ رہے ہیں کہ عدل کرو، انصاف کرو۔ ان کو ان چیزوں کی دعوت دے رہے ہیں۔ وہ اپنی جگہ پر سب کچھ صحیح ہے، لیکن اس کے باوجود بھی یہ واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ اس لئے اس کے لئے کوئی قانونی تدبیر بھی تلاش کرنی ہوگی۔

میں نے کہا ان لوگوں سے کہ اگر تم واقعی مسلمانوں کو اس کا اطمینان دلادو کہ یونیفارم سول کوڈ دفعہ ۴۴ کے ذریعہ احکام شریعت میں تحریک و ترمیم نہیں کرو گے تو موجودہ معاشرتی مسائل کا حل خود اسلام کے سانچے میں ہم نکالنے کی پوزیشن میں ہیں، یہ خوف ہمارا ہے، اور اس خوف کی وجہ سے قدم بہت احتیاط سے اٹھانا پڑتا ہے۔ اس لئے اشتراطاتی النکاح کے یہ چند اصول بنتے اسی میں ایک قاعدہ یہ بھی ہے زیادتی مہر یا تخفیف مہر کا کہ دو صورتوں میں دو قسم کا مہر مقرر ہوسکتا ہے۔ مجھے جہاں تک یاد پڑتا ہے یہ لوگ زیادہ بتائیں گے کہ کچھ اور مسلک کے فقہاء

نے بھی غالباً زیادتی مہر اور قلت مہر والی بات لکھی ہے حنابلہ کا مسلک اشتراط کے بارے میں سب سے زیادہ جائز قرار دیا ہے ۔ ان حالات میں آپ لوگ غور کریں ، دوسرا مسئلہ بالکل الگ ہے ۔ کہ نکاح نامہ کیا ہو ، نہیں ہو ؟ ظاہر ہے قطعی عملی چیز ہے ، مرد کہیں پر راضی ہوگا ، کہیں پر راضی نہیں ہوگا ، نکاح نامہ کی بحث بالکل الگ ہے ، میں اس سلسلے میں یہ صرف تین اصول بیان کر رہا ہوں کہ کس قسم کی شرطوں کا نکاح میں لگانا جائز اور کس قسم کی شرطوں کا لگانا نہیں جائز ، کس قسم کی شرطیں معتبر ، کونسی شرطیں غیر معتبر ، یہ تین قسمیں جو تمام فقہاء نے لکھی ہیں ، اس کو لکھ کر اصول کی حد تک چھوڑ دیا جائے ، اب اس کے بعد اگر تفصیلات میں جانا ہے کہ عورت ملازمت کرنا چاہتی ہے یا ملازمت کر رہی ہے ، اس سلسلے میں آپ لوگ کیا حکم دیں گے ۔ اگر مرد یہ شرط لگادے کہ ملازمت نہیں کرنی پڑے گی ، بیوی کو نوکری سے روک سکتا ہے کہ نہیں ؟ یا کس قسم کی نوکری کرے کس قسم کی نہیں ؟ ان ساری تفصیلات کو ظاہر ہے کہ ہم آج طے نہیں کرسکتے اس کی روشنی میں آپ لوگوں کی جو رائے ہو وہ تجویز لکھی جائے ۔ یا اشتراط فی النکاح کی پوری شرط کو خارج قرار دیا جائے ۔

مفتی شبیر صاحب

حالات کے اعتبار سے چند باتیں کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے یہاں مغربی یوپی میں مراد آباد میں محکمہ شرعیہ عدالت موجود ہے ۔ اور عدالت میں ہم لوگ کام کرتے ہیں ، تو یہ بات کہنا چاہ رہا تھا کہ میں خود مبتلا ہوں ، اسی بات کی میں تشریح کرنا چاہ رہا تھا ، ہمارے یہاں جتنے مقدمات آرہے ہیں ، ان تمام مقدمات میں ایسا ہے کہ کم از کم ستر فیصد مقدمات ایسے ہیں جن میں عورت کی زیادتی کی وجہ سے یہ نوبت آتی ہے ۔ اور زیادہ سے زیادہ ۲۰ یا ۳۰ فیصد مقدمات ایسے ہیں کہ جن میں شوہر کی تعدی کی بنا پر یہ نوبت آئی ۔ ہمارے یہاں پورے سال میں ۲۰ یا ۱۰ مقدمات آجاتے ہیں ، دوسری جگہوں سے بھی آتے ہیں ، اس وقت جو ہمارے یہاں پانچ مقدمے چل رہے ہیں ، ان میں سے دو شوہر کی طرف سے اور تین عورت کی طرف سے دائر کئے گئے ہیں ۔

مولانا عتیق احمد بستوی

یہ جو پوری بحث چل رہی ہے وہ اپنے دائرے سے ہٹ گئی ہے ۔ مسئلہ کیا ہے اور کیا شرعی حکم ہے ؟ اس کے بجائے صورت حال اور مصالح کیا ہیں ؟ اس پر گفتگو چل رہی ہے ، میرا اپنا خیال ہے کہ ہم نے واپسی کا سفر شروع کردیا ہے ، ہمارے بزرگوں نے جن حالات کی بنیاد پر گنجائش دیں ، اور بہت سے مسائل کو انہوں نے حل کیا ، ان حل کو ہم رفتہ رفتہ واپس لیتے چلے جارہے ہیں ۔ اس کا رجحان پایا جارہا ہے ۔ الحیلۃ الناجزۃ جو لکھی گئی ہے

اس میں تمام علماء اس وقت کے ممتاز اصحاب افتاء موجود تھے اور وہ لوگ وہ تھے کہ جن کے پاس پورے ہندوستان سے ہی نہیں بلکہ باہر سے سینکڑوں ہزاروں استفتاء آیا کرتے تھے ۔ اور ان کے فتاوی سے کئی جلدیں مرتب ہوچکی ہیں ، حضرت تھانوی ، مفتی شفیع صاحب ، مولانا عبد الکریم صاحب وغیرہ بہت سے حضرات ہیں جو اصحاب فتاوی تھے ، اور ہر ایک کے فتاوی کی کئی کئی جلدیں شائع ہوچکی ہیں ان حضرات کو جو اندازہ تھا اس وقت لے حالات کا کہ کیا واقعی عورتوں پر ظلم ہورہا ہے کہ نہیں ہورہا ہے ؟ ، ان حالات میں ان حضرات کو غور کرنا پڑا کہ جو گنجائشیں شریعت میں ہیں اور جن کی بنیاد پر ہم بندش لگاسکتے ہیں شوہر پر کہ وہ غلط طلاق نہ دے ، اور عورت کو نکاح کے بعد گویا اس طرح چھوڑ دیا جاتا ہے ، بسا اوقات کہ نکاح ہوگیا ، اب شوہر صاحب ہندوستان سے باہر چلے گئے ، اور ان کی واپسی نہیں ہورہی ہے اور نکاح بھی کب ہوتا ہے کہ صاحب ویزا آگیا ہے ، نکاح کردیجئے ، میرا بچہ جانے والا ہے ، اب نکاح کے بعد ان عورتوں کے شوہر چلے جاتے ہیں ، اس میں کثرت سے ایسا ہوتا ہے کہ وہ کئی کئی سال تک نہیں آتے ہیں ، میں چونکہ لکھنو میں دارالقضاء سے وابستہ ہوں ، ایسے مقدمات کثرت سے آتے ہیں ، وہاں کی عورتیں دعوی کرتی ہیں کہ چار سال ہوگئے شادی کو ، دس سال ہوگئے ، شوہر خبر نہیں لے رہا ہے ادھر شوہر کے گھر سے اس کی والدہ بہنیں شکایت کر رہی ہیں کہ ہم تو لینے آتے ہیں ، مگر اس نے نافرمانی کیا ، عورتیں لٹکی ہوئی ہیں ، یہ حالات جو ان حضرات کے زمانے میں تھے اس کا حل ان کے سامنے نہیں تھا ، دارالقضاء موجود نہیں تھے ، انہیں مشکلات کو حل کرنے کے لئے ان حضرات نے محنت کی اور بہت بڑا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا ۔ حضرت تھانوی کے زمانہ میں شرعی پنچایت قائم کرنے کی بات ہوئی ، اب صورت حال یہ ہے آپ ذرا مجھے یہ بتائیں اور پوری دیانت داری کے ساتھ کہ اس دور میں جو مظالم عورتوں پر ہورہے تھے کیا آج مظالم میں کمی آگئی ہے ؟ اور اس وقت صورت حال یہ تھی کہ سماجی بندھن ہمارے اوپر تھا ، اگر کوئی طلاق کا اقدام کر رہا ہے برادری سے باہر تو اس کا کھانا پینا بند ، ان بندشوں کی وجہ سے طلاق دینے کی ہمت وہ آسانی سے کرتا نہیں تھا ، اور آج صورت حال کیا ہوچکی ہے کہ آدمی آزاد ہے جو چاہے کرے ، جس کا کسی دوسرے پر دباؤ نہیں ، سماجی دباؤ ختم ہونے کی بنا پر حالات میں تبدیلی آئی ہے ۔ اور مظالم میں اضافہ ہوا ہے ۔ میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ یہ پروپیگنڈہ جو لوگ بھی کر رہے ہیں کہ شرح طلاق اتنی ہے ، اتنی ہے ، اس سے ہرگز ہم متاثر نہیں ہیں ، اللہ کا فضل ہے ، اور اب بھی ہمارا مسلم سماج ان سے کہیں بہتر ہے ، ہر لحاظ سے ہمارے مسلم سماج کو بھی اس کا حق ہوتا ہے ۔ ہمارے مسلم سماج میں جو انصاف ہورہا ہے عورتوں کے ساتھ وہ کسی سماج میں نہیں ہورہا ہے ۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ ہمارے یہاں زیادتیاں ہیں ۔ اور جو حضرات دارالقضاء سے وابستہ ہیں ۔ ابھی کل گفتگو ہورہی تھی مفتی حبیب اللہ قاسمی بیٹھے ہوئے ہیں وہ اعظم گڑھ میں رہتے ہیں ۔ وہ وہاں کی صورت حال بیان کر رہے تھے ۔ کہ ہر گھر سے لوگ باہر گئے ہوتے ہیں اور

نہیں کیا کیا صورت حال ہے کہ بیان کرنے میں بھی شرم آتی ہے۔ تو سوال یہ ہے کہ صورت حال جو ہے اس پر ہم کب تک پردہ ڈالتے رہیں گے، کہ ہمارے فیصلے کی بنا پر ہمارے شرط عائد کرنے کی بنیاد پر یہ تاثر پریس میں ہوگا، وہ تاثر پریس میں ہوگا، اگر یہ واقعہ ہے کہ زیادتیاں ہو رہی ہیں، اور طلاق کے دینے میں بے احتیاطی ہوتی ہے تو بجائے اس کے، پریس پر یہ تاثر پڑے گا وہ تاثر پڑے گا، اس کے سد باب کی کوشش کیوں نہ کریں یہ تو میں نے مصالح کی بات کہی، جہاں تک مسئلے کی بات ہے کہ گنجائش کیا ہے اور کس حد تک، کون سی شرطیں عائد کی جاسکتی ہیں؟ تو میں نے عرض کیا کہ مہر میں کمی کی اور زیادتی کی جو بات ہے، اس کمی اور زیادتی کی بات کو صاحبین نے اختیار کیا ہے۔ تو میرا خیال یہ ہے کہ یہ اس مسئلہ کا حل نہیں ہے کہ اگر ایک مرد مشروط نکاح نہیں کرنا چاہتا، اس کو تو ہم لازم کر نہیں رہے ہیں کہ تم کو مشروط نکاح ہی کرنا ہے، مسئلہ صرف اتنا ہے کہ جہاں پر دونوں فریق راضی ہیں ان شرطوں پر، شرعا اس شرط کی گنجائش ہے کہ نہیں، یہ شرطیں عائد ہوسکتی ہیں کہ نہیں؟ میرا مقصد یہ ہے کہ صورت حال کی ایک تصویر ہمارے سامنے ایک قوت کے ساتھ آئی، دوسرے کو ہم غور کریں کہ ہمارے یہاں سے کتنی زیادتیاں ہورہی ہیں، اور دوسری افسوسناک بات کیا ہے کہ ان زیادتیوں کا جو بڑھاوا ہے اس کا تقاضا ہے کہ دار القضاء قائم ہو پورے ملک میں، مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے ذمہ داران بیٹھے ہوئے ہیں، اس میں بڑی سست رفتاری ہے، دارالقضاء کہاں کہاں قائم ہے؟ بہار و اڑیسہ میں یہ نظام قائم ہے، لیکن پورے ہندوستان میں بہت سست رفتاری کے ساتھ کام ہورہا ہے، اگر دار القضاء کی تحریک کو ہم آگے بڑھاتے تو شاید مظالم میں کمی آتی اور بے جا طلاق کا استعمال نہ ہوتا، اس پوری صورت حال میں ہمیں اس مسئلہ پر غور کرنا چاہئے اور تنہا محض پریس کا یہ اثر پڑے گا، یہ بنیاد بنے گی، میرے خیال میں یہ صورت حال ٹھیک نہیں، اور حضرت مولانا نظام الدین صاحب نے جو بات فرمائی ہے تحکیم والی بات بھی، اس بات میں بھی آخر طلاق کا ذکر آئے گا، اگر نکاح کی تقریب میں کسی بھی عنوان سے طلاق کا ذکر آنا معیوب بات ہے اس سے ماحول خراب ہوگا تو تحکیم کی جو بات ہم لائیں گے اس وقت بھی ماحول خراب ہوگا، بات وہی پیدا ہوگی، چاہے تحکیم کی بات لائیں، چاہے اشتراط کی باتیں۔

حکیم ظل الرحمان صاحب

اس کا حل یہ ہے کہ تمام نکات رشتہ کے وقت طے کئے جائیں، نکاح کے وقت نہیں۔

مفتی نسیم صاحب

اس مسئلے میں زیادہ الجھاؤ پیدا ہو رہا ہے ، قاضی صاحب نے مسئلے کو جس حساب سے پیش کیا ہے میرا خیال یہ ہے کہ صرف اسی نقطہ نظر پر ہم اور آپ غور کریں ، نکاح کے وقت شرائط کی جو تفصیل ہے ، دو شرطوں پر تو سب لوگوں کا اتفاق ہے ، اس میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے ۔ صرف ایک شکل ہے جس پر ہم کو اور آپ کو غور کرنا چاہئے اور جن حضرات کی اختلافی رائے ہو تو اس کو نوٹ کرلینا چاہئے ۔ خاص طور پر جو اصحاب افتاء ہیں ، ان سے رائے لینی چاہئے ، تیسری شکل جو ہے وہ شکل یہ ہے کہ ایسی شرط لگانا جس میں بیوی یا شوہر کا فائدہ ہو اور شرع اسلامی نے اس کے لگانے کو حرام قرار نہیں دیا ہو تو ایسی شرط نکاح میں لگانا درست ہوگا یا نہیں ، اور صرف اس شرط کی شرعی حیثیت کیا ہوگی ؟ اس سلسلے میں ظاہر ہے کہ فقہ حنفی ، شافعی یا مالکی میں واجب کی بات نہیں ملتی ، بلکہ فقہ حنبلی میں اس کی صراحت ملتی ہے کہ شرطیں لگانا درست ہے ، اور شوہر پر اس کو پورا کرنا بھی واجب ہے ۔ اسی چیز پر غور کیا جائے کہ یہ بات موجودہ حالات میں قابل قبول ہو سکتی ہے یا نہیں ؟

مولانا محمد رضوان القاسمی صاحب

مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ چونکہ حالات و واقعات دونوں طرف ہیں ، عورتوں کے بھی مظالم کم نہیں ہیں ، اور اس کی دلیلیں بہت پیش کی جاسکتی ہیں ، اس لئے مسئلے پر از سر نو مصالح اور مقاصد پر غور کر کے اس کی تشریح کی جائے ، دیکھا جائے کہ تشریح میں فائدہ ہے یا اس کو روکنا زیادہ بہتر ہے ، جو بھی شکل ہو اس پر از سر نو غور کیا جائے ، ملک کے حالات کو دیکھا جائے ، شہر کے حالات میں عورتوں کی ایسی بہت سی نظیریں پیش کی جاسکتی ہیں کہ بہت زیادہ زیادتیاں ہوتی ہیں ، مگر شوہر طلاق اس لئے نہیں دے سکتا کہ طلاق دے گا تو بڑی مشکلات میں آجائے گا ، قانونی طور پر ، معاشرتی طور پر ، اس کے اپنے تعلقات کے بنیاد پر ، اس لئے اس کی تشریح و تبیین سے پہلے اس کے مصالح اور مقاصد پر از سر نو غور کرلیا جائے ۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بحث یہ بات فرض کر کے کی جارہی ہے کہ ہر نکاح سے پہلے لامحالہ نکاح کی کوئی شرط یا مہر کے ساتھ کوئی شرط عائد کی جائے گی ، اصل میں صورت حال یہ پیش آتی ہے کہ بعض دفعہ تفویض طلاق کے ذریعہ یا مہر مشروط کے ذریعہ بچھلے رشتے کو باقی رکھنے میں مدد ملتی ہے ، دارالقضاء میں ہم لوگوں کا تجربہ یہ ہے کہ بعض

دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ میاں بیوی کے درمیان کسی وجہ سے علاحدگی ہوگئی اور بچوں کی وجہ سے ہم لوگ یہ چاہتے ہیں کہ دو بارہ یہ رشتہ قائم ہوجائے ، تجدید نکاح کی گنجائش موجود ہوتی ہے ، لیکن عورت اپنے لئے خطرہ محسوس کرتی ہے ایسے موقع پر ہم لوگ تفویض طلاق کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یا بعض شرطیں عائد کرتے ہوئے دوبارہ عورت کو اس بات پر آمادہ کرتے ہیں کہ اجڑے ہوئے گھر کو بسانے کی کوشش کی جائے میرا خیال ہے کہ مسئلہ کو صرف ایک پہلو سے دیکھا جارہا ہے ، اس تجویز کی وجہ سے مرد اس بات پر مجبور نہیں ہوجاتا ہے کہ لامحالہ وہ نکاح کے ساتھ شرطوں کو قبول ہی کرے مہر مشروط کو قبول ہی کرے یہ تو اس کے اختیار میں ہے اگر چاہے گا تو اس طرح نکاح قبول کرے گا ، ورنہ نکاح قبول نہیں کرے گا ، غیر معمولی حالات میں تجربات کی روشنی میں اس سے فائدہ اٹھایا جائے گا جب لوگوں کے علم میں یہ بات ہوگی کہ فلاں شخص سے رشتہ کرنے میں خطرہ ہے تو اس طرح کی شرطیں لگاکر آئندہ اس کی مضرات کو کم کیا جاسکتا ہے ، نہ نکاح نامہ میں اس مضمون کو لانا ہے اور نہ نکاح کے لئے اس کے مستقل اصول ہی قرار دینا ہے ، اس لئے یہ بات ناقابل فہم ہے یہ مصلحت کے منافی اور مصلحت کے خلاف کیسے ہے ؟ عام حالات میں بالخصوص دیہی علاقوں میں جہاں کہ تعلیم کا فقدان ہے ، صورت حال وہ ہے جو قاضی صاحب نے فرمایا ، ہمارے یہاں حیدر آباد میں بھی کافی مقدمات آتے ہیں اکثر حالات میں عورت کے مطابق فیصلہ کرنے پر آدمی مجبور ہوجاتا ہے ۔ ہر جگہ کے حالات مختلف ہیں ، مولانا مفتی نسیم صاحب نے جو بات کہی کہ حنفیہ کے یہاں نکاح کے وقت کی شرط لازم الایفاء نہیں ہے تو ایسا نہیں ہے ۔ اگر کسی شخص نے ایسی شرط کو منظور کرلیا ہے تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک بھی اس کا پورا کرنا واجب ہے ۔ علامہ عینی اور علامہ کشمیری کی صراحت موجود ہے ۔ فرق صرف یہ ہے کہ دیانتاً واجب ہے ، قضاء کے طور پر واجب نہیں ہے ، پس حنابلہ اور حنفیہ کے درمیان وجوب میں اور لازم الایفاء ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف نہیں ہے ، اس کا نتیجہ اور اثر کیا مرتب ہوگا ؟ حنابلہ کے نزدیک عورت کو دعوی تفریق کا حق حاصل ہوگا ، اور حنفیہ کے یہاں مہر مسمی کے بجائے مہر مثل کا حق حاصل ہوگا ورنہ واجب الایفاء دونوں کے نزدیک ہے ، اس لئے جو تجویز لکھی گئی ہے ، وہ بہت محتاط انداز کے ساتھ لکھی گئی ہے ، اور اس میں قدم قدم پر اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ تفویض طلاق کا عورتیں غلط استعمال نہ کرپائیں ، یا مہر کی جو مقدار متعین کی جارہی ہیں ، بے موقع اس کا استعمال نہ کیا جائے ، اس طرح شرط کے بارے میں جو عبارت لکھی گئی ہے ۔ اس میں صرف یہ لکھا گیا ہے کہ اس شرط کو پورا کرنا مرد پر واجب ہے ۔ بس اس پر سکوت اور خاموشی اختیار کی گئی ہے ، اس طرح جو حقائق اور واقعات ہیں ، ان سے آنکھیں موند کر صرف امکانی خطرات کی وجہ سے اگر ہم جو بعض سہولتیں عورتوں کو فراہم کرسکتے ہیں ، فراہم نہ کریں تو جو اس ملک میں شریعت کے ڈاکہ زن بیٹھے ہیں ، اور جو چاہتے ہیں کہ اس ملک کے مسلمانوں کا مذہبی تشخص باقی نہ رہے ، ان کو اس بات کا موقع ملے گا کہ وہ زیادہ

سے زیادہ ہمارے خلاف مواد فراہم کریں ، اور ملک کی رائے عامہ کو ہمارے خلاف بگاڑنے کی کوشش کریں ۔ یہ نہیں ہے کہ اسلامی حکومت اگر ہوتی تب ہمارے لئے قانون کے نفاذ میں سہولت تھی ، اور ہندوستان میں چونکہ مسلمانوں کے ہاتھ میں اقتدار نہیں ہے اس لئے اس طرح کی دفعات کا لانا خلاف مصلحت ہے ۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ ہندوستان جیسے حالات ہی میں یہ مصلحت کا زیادہ تقاضا ہے اس طرح کی دفعات کا لانا ، اگر اسلامی حکومت ہوتی اور اسلام کا صاف ستھرا آسان اور شستہ نظام عدل موجود ہوتا تو اس طرح کی شرطوں کی کوئی ضرورت نہیں تھی ، وہاں درہ فاروقی کام کرتا ، وہاں نہ مہر کی شرط کی ضرورت ہوتی اور نہ نکاح کے ساتھ کسی شرط کی ضرورت ہوتی ، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ واقعات اور حقائق کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے ، ان تمام شرطوں کے باوجود کسی مرحلہ پر مرد مجبور نہیں ہے ۔ وہ اس شرط کے قبول کرنے اور نہ کرنے میں اختیار رکھتا ہے ، عورتیں ٹھیک ہے کہ زیادتی کرتی ہیں لیکن مرد کو طلاق دینے کا اختیار رکھتا ہے ۔ جن صورتوں میں وہ عورتوں سے تنگ ہو اور ان میں نشوز کی کیفیت پائی جائے ۔

مولانا سلطان احمد اصلاحی

میں تیسری تجویز کی پرزور تائید کرتا ہوں ، یہ بہت مناسب تجویز ہے ، یہ بات کہنا کہ فلاں تجویز لانے سے کون سا عدل قائم ہوجائے گا یہ دراصل غلط بحث ہے ، قانون اور اخلاق کا جو فرق ہے اس کو ملحوظ نہ رکھنا ہے ، اخلاق کی کمی کو قانون پورا نہیں کرسکتا ہے ، مقصود یہ ہے کہ جائز قانون سازی کے ذریعہ سے اگر کچھ بے اخلاقیوں کو روکا جاسکتا ہے تو فقہ اکیڈمی کا یہی دائرہ ہے ، اور اس پس منظر میں یہ چیز بہت ہی مناسب ہے ، کنفیوژن شاید اس لئے بھی ہورہا ہے کہ ہماری نگاہ مخصوص چیزوں پر مرکوز ہے ، مہر کا اضافہ وغیرہ جائز شرطوں کو اگر ہم تھوڑا سا وسیع کردیں تو بات مزید واضح ہوسکتی ہے ، اور کچھ شرطیں ایسی ہیں جن کو نکاح کے وقت ہی لگایا جاسکتا ہے ۔ نکاح کے بعد ایک مدت گزر جانے کے بعد کوئی اس کا جواز باقی نہیں رہے گا ، لیکن اگر عورت اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے کچھ جائز شرطوں کی گارنٹی چاہتی ہے ، اور اگر وہ چیز جائز ہے ، تو اس کو اس جائز حق سے محروم کرنے کا کس کو اختیار ہوسکتا ہے ، میں اس کی تین مثالیں آپ کے سامنے عرض کرتا ہوں ۔ عورت یہ شرط لگاتی ہے کہ وہ شادی کے بعد جوائنٹ فیملی (Jo intFamily) میں نہیں رہے گی ۔ مشترکہ خاندان میں دیہات میں جو مظالم عورتوں پر ہوتے ہیں جو شریعت اسلام کے لئے باعث ننگ ہے ۔ مسلمان معاشرے کی یہ صورت حال ہے کہ اس کے پیش نظر اگر کوئی پڑھی لکھی خاتون یہ مطالبہ کرتی ہے کہ شادی کے بعد وہ شوہر کے ساتھ جہاں رہے گی ، جب کہ اس کو مناسب مقام

فراہم ہوجائے گا۔ وہ چاہے تنگی سے ہی زندگی بسر کرے گی مگر وہ شوہر کے ساتھ ہی رہنا پسند کرتی ہے۔ بچوں کی پرورش اور دوسرے مسائل کے لئے شریعت کا منشاء یہی ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ شوہر بیوی کے حقوق کو نظر انداز کر کے دوسری چیزوں میں پیسہ خرچ کرتا ہے۔ تو اگر جائز شرطوں کے اضافے سے مسلمانوں کے معاشرے کا تحفظ ہوتا ہو تو کوئی حرج نہیں ہے اور مولانا عتیق صاحب نے جو بات کہی وہ بہت ہی اہم بات ہے کہ ہمارا معاشرہ اس وقت بکھرا ہوا ہے، اور خصوصی توجہ کا طالب ہے، آج سے پچاس سال پہلے بہت سی بندشیں تھیں، وہ بندشیں اب ٹوٹ رہی ہیں، اور ان بندشوں کے ٹوٹنے کے نتیجہ میں ہم کو کچھ تحفظات فراہم کرنے ضروری ہیں، گو اگر ان شرطوں کے اضافے سے یہ چیز پیدا ہوتی ہے تو ان شرطوں کا نکاح نامے میں اندراج ضروری نہیں ہے۔ ہر جگہ اس کا تذکرہ ضروری نہیں ہے، صرف بات یہ ہے کہ اگر عورت چاہتی ہے کہ کچھ شرطوں کا اضافہ ہوجائے اور یہ کہ یہ چیز جائز ہے تو ان کو اس حق سے محروم کرنے کا حق نہیں ہے۔ قانون اور اخلاق کے دائرے الگ الگ ہیں ان کو آپس میں ملانا نہیں چاہئے۔

مولانا ریاست علی صاحب

مسئلہ شرائط نکاح کا چل رہا ہے۔ تیسری شرط کے بارے میں قاضی صاحب کی رائے پہلے سے ہے کہ مجمل رکھا جائے، میری رائے ہے کہ اس میں ذرا تشریح ہونی چاہئے۔ اس لئے کہ ہم لوگ بھی محکمہ شرعیہ چلاتے ہیں، دارالقضاء چلاتے ہیں۔ میری معلومات کے مطابق اتر پردیش میں سب سے پرانا محکمہ شرعیہ ہاپوڑ میں ہے اور صوبہ راجستھان کے مقدمات خاص طور پر ہاپوڑ میں ہی آتے ہیں، اور راجستھان میں پورے صوبے محکمہ شرعیہ اور دارالقضاء میری معلومات کے مطابق نہیں ہے، راجستھان کے بعض خاندانوں میں رواج ہے کہ پورے خاندان کی بچیوں کے نکاح ایک ساتھ ہوجاتے ہیں۔ اگر کسی خاندان میں پچاس لڑکیاں ہیں تو بالغ اور نابالغ سب کا نکاح ایک ساتھ ہوجاتا ہے۔ والدین چونکہ نکاح کرتے ہیں تو نکاح تو لازم ہوگیا۔ لیکن جب بالغ ہوتے ہیں تو دونوں ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کو تیار نہیں، لڑکی یا لڑکے کو کسی کو کوئی ایسی باتیں معلوم ہوجاتی ہیں تو وہ جانے کو تیار نہیں ہوتی۔ تو اس میں کوئی شک نہیں کہ شرائط کچھ ہونی چاہئیں۔ اگر لڑکی کو عملی طور پر کوئی شکایت سامنے نہیں آتی یا لڑکی گئی ہی نہیں تو قاضی کیسے تفریق کرے گا، تو شرائط تو ہونی ہی چاہئے۔ لیکن ان شرائط کی تفصیل ضروری ہے۔

مولانا زبیر احمد قاسمی

تفویض طلاق کے بارے میں تائید کرتا ہوں۔

مولانا انیس الرحمان قاسمی

میری رائے میں تو قاضی صاحب نے اصولی طور پر جو تین تجویزیں بیان فرمائی ہیں وہ صحیح ہیں اور ان میں کوئی شرعی نقص نہیں ہے۔ دلائل کے اعتبار سے بھی صحیح ہیں۔

مفتی ظفیر الدین صاحب

تین ہی پر محدود ہو، تجویز آگے نہ بڑھے۔ ورنہ اس میں اختلاف ہے۔ اس کی تائید کرتا ہوں، آگے کی تائید نہیں کرتا۔

مولانا عبد اللہ طارق صاحب

اس سلسلے میں میری رائے یہ ہے کہ اس میں دو چیزوں کا اضافہ کردیا جائے۔ ایک یہ کہ جو عورت یا اس کے اولیاء ضرورت محسوس کریں۔ دوسرے یہ کہ نکاح کے وقت نہیں بلکہ رشتہ ہونے کے وقت یہ معاملات طے کئے جائیں۔

مفتی عبد الرحمان صاحب

میری رائے بھی یہی ہے۔ تجاویز جو مرتب کی گئی ہیں۔ اس میں مصلحت دیکھنا لڑکے اور لڑکی والوں کا کام ہے۔ تو اس لیے یہ قید و بند ہوجانی چاہئے کہ نکاح کرنے کے وقت میں اگر وہ مناسب سمجھتے ہیں تو تفویض طلاق کر سکتے ہیں۔

مفتی حبیب اللہ قاسمی۔ اعظم گڑھ

میں اس سے اتفاق کرتا ہوں۔

مولانا قاضی صاحب

اس لئے ہم جب اس مسئلے کی تصویر کریں تو ہم کو تملیک اور توکیل کے فرق کو سامنے رکھتے ہوئے ایسی تعبیر

اختیار کرنی پڑے گی کہ جس میں اگر عورت کو حاصل ہونے والے اختیار کو ہم تھوڑا مشروط کرنا چاہیں قاضی یا امام یا کسی اور منصب کی صوابدیدی کے ساتھ، تو وہاں پر یہ کہنا ہوگا کہ اگر قاضی یہ محسوس کرے کہ میں نے اس کے حقوق میں کوتاہی کی ہے، اور وہ اجازت دے تو بیوی کو اختیار ہوگا کہ وہ طلاق واقع کرے۔ تو اس طرح کی صورتیں نکالی جاسکتی ہیں جو گنجائش ہمارے فقہاء کے یہاں موجود ہے۔ میرا عرض یہ کرنا ہے کہ خود فقہ حنفی میں جو بحث آئی ہے۔ اور بحث کا عام طور پر حوالہ دیا جارہا ہے یعنی زیادتی مہر اور قلت مہر کی یہ مسئلہ معروف ہے کہ نکاح کے بعد بھی مرد کو اس کا اختیار ہے کہ مہر میں اضافہ کردے اور عورت کو اس کا اختیار ہے کہ مہر میں کمی کردے۔ آج جو بحثیں چل رہی ہیں، کیا کورٹ کو یہ اختیار ہے کہ نہیں کہ وہ مہر کو بڑھادے، ظاہر ہے کہ یہ ایک عظیم فتنہ کی طرف نشاندہی کرتا ہے۔ اس لئے خود صاحب ہدایہ نے جس تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ کو لکھا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہاں امام اعظم ابو حنیفہ اور صاحبین کے قول کے اختیار و عدم اختیار کی بحث کچھ اہم نہیں ہے، محض صرف اتنا سافرق ہے کہ دونوں ہی اس طریقے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ مہر مسمی اول ہے، مسمی ثانی لازم نہیں ہوگا، بلکہ مثل لاگو ہوگا، اور آج کل یہ خود مسئلہ ہے کہ مہر مثل ہے کیا؟ اتنا فرق پڑچکا ہے کہ مہر مثل کا تعین ایک دشوار مسئلہ ہے۔ جیسی دونوں نے شرطیں لگائی ہیں اسی کا اعتبار ہوگا، اور اس کا کوئی بڑا فرق مسئلے پر نہیں پڑتا ہے۔ آپ قول امام صاحب کا اختیار کیجئے کوئی فرق نہیں، مہر زائد کا ذکر پہلے کردیا جائے گا اور مہر قلیل کا ذکر بعد میں کردیا جائے تو امام ابو حنیفہ اور صاحبین دونوں مل کر یہ کہیں گے کہ مہر زائد ادا کرو بلکہ اس میں ایک اور اچھی بات ہوجائے گی کہ عورت کی طرف سے گویا احسان ہوگیا کہ تم نے شادی دوسری نہیں کی، لہذا میں مہر بجائے ۲۰ ہزار کے دس ہزار قبول کرتی ہوں۔ یہ صورت حال جو ہے اس کا حل بہر حال فقہاء نکال سکتے ہیں، مجھے یہ عرض کرنا ہے آج اپنی بحث آپ معاشرے کی صحیح صورت حال کو سامنے رکھ کر اس خدشہ کو بھی سامنے رکھ کر کہ اگر کلی طور پر یہ اختیار دے دیا جائے تو مقصد شریعت کہیں فوت نہ ہوجائے، ایسا راستہ نکالنے کی کوشش کریں کہ اس وقت جو مسئلہ در پیش ہے اس کے حل میں مدد مل سکے، میں نے اس مداخلت کو ضروری سمجھا چونکہ بحث کا رخ، بہت تفصیل کی طرف خاص طور پر تفویض طلاق کی طرف جارہا تھا۔

مولانا جمیل نذیری

بات ہوگئی ہے اب مجھے کچھ بولنا نہیں اسی موضوع پر بولنا تھا۔ مگر اب کوئی فائدہ نہیں۔ جانے دیجئے۔

مولانا مفتی جنید عالم صاحب

یہاں پر دو مسئلے ہیں پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر طلاق دی تو بیس ہزار اور نہیں دی تو دس ہزار، اور دوسرا مسئلہ نکاح ثانی کا ہے ———————— دونوں مسئلوں میں میرے نزدیک فرق ہے، پہلے مسئلہ میں میرے خیال سے صاحبین کے قول کے مطابق عمل کرنا صحیح ہے اور دوسرے مسئلہ میں صحیح نہیں ہے، بلکہ امام صاحب کے قول کو اختیار کرنا چاہئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت نے مہر کو جو مشروع قرار دیا ہے، اور مہر مقرر کیا ہے اس کا مقصد بھی طلاق کے بے جا استعمال سے روکنا ہے، کاسانی نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔ مہر کی مشروعیت کا مقصد یہی ہے کہ ادنیٰ سی بات پر شوہر طلاق نہ دے دے۔ تو اگر اس طرح کی شرط لگائے جس سے وہ طلاق کے بے جا استعمال سے رک سکے تو میرے نزدیک درست ہے اور ضرورت کے مطابق اور حالات کے پیش نظر صاحبین کے نزدیک اس کی گنجائش ہے۔ نکاح ثانی کی صورت میں اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ مہر کا مقصد نکاح ثانی سے روکنا نہیں ہے۔ اس لئے اس کی صراحت نہیں ملتی ہے کہ مہر کا مقصد نکاح ثانی سے روکنا ہو۔ اور پھر یہ کہ یہاں پر ضرورت بھی نہیں ہے۔ ہندوستان کے عرف میں نکاح ثانی ایسے ہی معیوب ہے۔ اگر اس طرح کی پابندی لگاتے ہیں تو اور معیوب سمجھا جائے گا۔ اس بنیاد پر دونوں مسئلوں میں میرے نزدیک فرق ہے۔

مولانا یعقوب اسماعیل منشی

حضرات علماء کرام! یہ تفویض طلاق کے مسئلہ کے بارے میں جو بحثیں ہوئی ہیں، برطانیہ میں تقریبا ۳۰ سالوں سے مقیم ہوں اور وہاں پچھلے چند سالوں سے عائلی مسائل کے حل کے سلسلے میں ایک شرعی کونسل کے قیام کے ساتھ میری بھی وابستگی ہے۔ ہمارے یہاں کے کچھ پیچیدہ ایسے مسائل ہیں کہ جن مسائل کے سلسلہ میں ہم قاضی صاحب سے بھی مشورہ کرتے رہتے ہیں۔ لیکن مسئلہ چونکہ اس سلسلے کا تھا، میں یہ ضروری سمجھ رہا ہوں کہ اس بارے میں ہمارے یہاں کے بھی کچھ حالات رکھ دئے جائیں۔ تفویض طلاق جہاں تک میرا خیال ہے، یہ لزوم کے درجے میں نہیں ہے۔ یہ جواز کے درجے میں ہے، اگر اس کے عدم جواز کا مسئلہ کر دیا جائے تو اس کی وجہ سے اور بہت سارے مسائل پیدا ہونے کا خطرہ ہے، ہمارے یہاں جو واقعات ہیں وہ یہ ہیں کہ ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کا جو طبقہ انگلستان میں مقیم ہے۔ وہ اپنے بچوں کی شادیاں اپنے رشتہ داروں میں ہی کرنا چاہتے ہیں، بچے بچیاں بھی ساتھ جاتی ہیں، خوش ہوتے ہیں، تیار ہوتے ہیں، اور شادی منعقد کرتے ہیں۔ شادی ہوگئی، اب اس کا

برطانیہ میں داخل ہونے کا ویزا یہ ایک ایسا مستقل مرحلہ ہے کہ بقول ہمارے دوست کے جنت میں جانا آسان برطانیہ میں داخل ہونا مشکل۔ تو اس سلسلے میں مصیبت یہ ہوتی ہے کہ لڑکی والے عام طور پر لڑکے کے سلسلے میں زیادہ یہ ہوتا ہے کہ لڑکے والے آکر کوشش کرتے ہیں ویزے کے لئے۔ بس ایک مرتبہ حکومت کے قانون کے تحت میں لڑکوں کے سوال جواب میں لڑکا کوئی ایسی غلط بات کہہ جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ انٹرویو فیل ہوجاتا ہے اور وہ ویزا ریفیوز (Visa Refuse) کردیتے ہیں، اب اس کے بعد اپیل کا حق ہے لڑکی کو اب یہ بھی قانون بننے جارہا ہے اپریل ہی میں شاید، اگر یہ بن گیا تو اپیل کا حق بھی ختم ہوجائے گا، اب لڑکی والے پھر اپیل کرتے ہیں، اس میں خاصے مصارف ہوجاتے ہیں تقریباً کم سے کم دو ڈھائی ہزار پونڈ اس میں خرچ ہوتا ہے، اس کے بعد بھی بعض مرتبہ وہ ریفیوز (Refuse) ہوجاتی ہے چونکہ وہ لڑکے سے کچھ سوالات اس قسم کے کرتے ہیں اس وجہ سے اب جب یہ باتیں ہوجاتی ہیں تو لڑکی والے یوں کہتے ہیں کہ بھئی یہ مسئلہ مشکل ہے آپ طلاق دے دیں تو لڑکے والے کہتے ہیں کہ ہم طلاق دیں گے ہی نہیں، ایسے بھی واقعات ہوئے کہ لڑکی کو ہی وہاں بھیج دیا جائے۔ لڑکی والے کہتے ہیں کہ ہم لڑکی بھیج دیتے ہیں، پاکستان میں آپ رہو ساتھ میں۔ ویزا آجائے اب تک وہاں رہو۔ لڑکے نے کہا کہ منشاء تو وہاں آنا تھا، کیوں بلاؤں اس کو یہاں، اس لئے میں خرچہ کیوں برداشت کروں، جب طلاق کی بات آئی تو اس کے جو واقعات اور حقائق ہیں کہ خطیر رقم کے مانگنے کے باوجود وہ اس کے اوپر تیار نہیں ہوتے، اگر اس قسم کا شادی نامہ طے کیا جائے تو میرا خیال ہے کہ ہمارے یہاں تو ہمارے لوگوں کے یہاں اس سلسلے میں لڑکیوں کے لئے جان سے چھٹکارے کی شکل ہوسکتی ہے۔ ورنہ دو دو تین سال کی کوشش کے باوجود بھی نہیں ہوتا۔ میرے خیال میں اس کو نکاح نامہ میں رکھنا چاہئے۔

مولانا عتیق احمد قاسمی

یہ جو اشتراط فی النکاح کی بحث چل رہی ہے اس کا پس منظر جیسے آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ عورتوں کے حقوق کے بارے میں بہت کوتاہیاں مردوں سے ہوتی ہیں یہ تو واقعہ ہے کہ طلاق کی جو شرح ہمارا پریس پیش کر رہا ہے، اور جس حد تک مظالم کی داستان سنارہا ہے مسلمانوں کی خواتین پر یہ زیادتیاں ہورہی ہیں، وہ تو بہت مبالغہ آمیز بات ہے، اور انھوں نے اپنے گھر کے عیب کو چھپانے کے لئے ہماری طرف رخ موڑدیا ہے، لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بے جا طلاق کے واقعات ایک ہی مجلس میں تین طلاق کے واقعات ہورہے ہیں اور ان کی شرح بڑھ رہی ہے۔ اسی کے ساتھ بہت سی شکلیں پیدا ہورہی ہیں مشکلات کی۔ لکھنؤ میں میرا قیام ہے دارالقضاء سے میرا تعلق

ہے ۔ وہاں جو مقدمات آتے ہیں ۔ ان مقدمات میں کثرت سے ایسے مقدمات ہوتے ہیں کہ نکاح ہوگیا اور شوہر چلے گئے سعودیہ عرب، کویت چلے گئے ، اب وہ خبر نہیں لے رہے ہیں ۔ اب دشواری کیا ہے مقدمہ دارالقضاء میں آتا ہے ۔ یہ مسئلہ پیش آتا ہے کہ مدعا علیہ تو غائب ہے ۔ اس پر کیسے نوٹس تعمیل ہو اور اگر نوٹس پہونچ بھی گئی تو حاضر نہیں ہوا تو غائب کے خلاف فیصلے ہم کیسے کریں ۔ اس بنیاد پر بہت سی عورتیں اپنے حقوق سے محروم رہتی ہیں ان کے مقدمات یا تو ہم لیتے نہیں ہیں یا اس کے فیصلے میں خاصا وقت لگ جاتا ہے ۔ تو یہ صورت حال کوئی نادر نہیں ہے، باہر ملکوں میں جانے کی بات کثرت سے ہو رہی ہے اور کمانے کی دھن میں شوہر کو واپسی کا موقع نہیں ہے اور اس مسئلے کا جو حل تھا کہ دارالقضاء کے نظام کو ہم فعال بنائیں، مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم اس میں کوتاہی کر رہے ہیں اور بہت سست رفتاری کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں ۔ بہار ، اڑیسہ کی بات میں نہیں کرتا، یوپی میں بہت کم اضلاع میں دارالقضاء ملے گا آپ کو ، مقدمہ اگر ہمارے پاس آ بھی جائے تو بہت سی چیزیں ایسی پیدا ہوجاتی ہیں کہ ہم مقدمہ لینے کے موقف میں نہیں ہوتے ، تو یہ مسئلہ تو کثرت سے موجود ہے سوال یہ ہے کہ ان مشکلات کا حل کیا صرف یہی ہے کہ ہم سمجھا دیں ، وعظ و نصیحت کردیں یہ مسئلے کا حل نہیں ہے اگر گنجائش شریعت دیتی ہے اس طرح کے مشروط نکاح نامے کی جس میں جو شریعت کے مقاصد اور احکام نکاح و طلاق متاثر نہ ہوں اور کسی حد تک عورتوں کے حقوق کا تحفظ بھی ہوسکے تو ایسے نکاح نامے کو ہمیں مرتب کرنا چاہئے اور اسے آگے بڑھانا چاہئے ۔ لیکن جو اصل کام ہے اصلاح معاشرہ کا وہ کام بھی مستقل جاری رہنا چاہئے ، اور اسے آگے بڑھانا چاہئے ۔ اور دار القضاء کے قیام کی تحریک پورے ملک میں پھیلنی چاہئے ۔ کہ ہر جگہ فعال دارالقضاء قائم ہو ۔ میری رائے یہی ہے کہ اگر فقہاء کی تشریحات کے اعتبار سے ، کتاب و سنت کے اعتبار سے گنجائش ہے اور میاں بیوی چاہتے ہیں اور اس مشروط نکاح نامہ کو قبول کرتے ہیں تو ظاہر بات ہے کہ جبر تو نہیں کرسکتے ہیں کہ اگر ایک شوہر مشروط نکاح نامہ قبول نہیں کرتا اور شرط کے ساتھ نکاح نہیں کرنا چاہتا ہے تو اسے مجبور نہیں کیا جاسکتا لیکن بسا اوقات نکاح میں اس کی ضرورت پڑتی ہے اور اس کی گنجائش شریعت میں ضرور ہے ، تو اسے ہم کیوں اختیار نہ کریں ۔

مولانا سعود عالم قاسمی

یہ جو مسئلہ زیر بحث ہے یہ بڑا نازک مسئلہ بھی ہے اور ضروری بھی ہے ، کہ آپ حضرات اس پر کھل کر گفتگو کریں اور میں تو گذارش کروں گا قاضی شریعت سے اور بورڈ کے محترم سکریٹری صاحب سے بھی ، کہ اس پر تفصیل سے گفتگو ہونی چاہئے ۔ صورتحال یہ ہے کہ جو سیلاب ہندوستان میں آرہا ہے ۔ آنے والے وقتوں میں آپ ان کو فیس (Face) نہیں کر پائیں گے ۔ حکومت کی طرف سے بھی اور خود عوامی رد عمل بھی جو پیدا ہورہا ہے

اس کو بچانے کے لئے ضروری ہے کہ آپ اس پر غور کریں، غور کرنے کے دو پہلو ہیں۔ ایک بات تو یہ ہے کہ قرآن کریم میں یہ یک طرفہ معاملہ نہیں ہے کہ آپ کو قوام بنادیا گیا۔ آپ کے جو حقوق عورتوں پر ہیں تو عورتوں کے بھی حقوق آپ کے اوپر ہیں، یہ جو نکاح ہے وہ سوشل کنٹکٹ (SocialContact) ہے یہ بیع نہیں ہے، ایک معاہدہ جو آپ کرتے ہیں اسے ایک شخص توڑتا ہے اور ایک استحصال کرتا ہے۔ اور آپ کے یہاں عائلی محکمہ ہے ایک شخص اپنے آپ کو قوام بنا کر وہ معاہدہ کو توڑتا ہے اور اس کے اللہ اور رسول نے جو احکام دئے ہیں ان کو توڑتا ہے۔ ضروری یہ ہے کہ ایک طبقہ کو استحصال سے اور ظلم سے بچانے کے لئے کچھ اضافی قانون بنائے جائیں تو ان کو بنانا چاہئے۔ تاکہ شریعت کا وہ عادلانہ نظام برقرار رہے۔ صورتحال یہ ہے کہ جو حضرات دارالقضاء سے متعلق ہیں، ان کے سامنے وہ مسائل جو ابھی پیش کئے گئے وہ تو آتے ہی ہیں سب سے بڑا مسئلہ اس وقت یہ ہے کہ ایک آدمی نے شادی کی، وہ بیوی کو رکھتا نہیں اور طلاق بھی نہیں دیتا، کیوں طلاق نہیں دیتا، اس لئے کہ وہ جائے گی کسی دارالقضاء میں خلع کرائے گی اور مہر معاف کردے گی۔ اور اسے مہر نہیں دینا پڑے گا۔ اس وقت صورت حال عملاً یہ زیادہ پیچیدہ ہوتی جارہی ہے کہ عورت کو جو حق ملنا تھا طلاق کے بعد وہ اس حق سے بھی محروم کر دینا چاہتا ہے۔ اور ہماری عدالت بخوشی اس کا خلع کرادیتی ہے۔ عورت تو مجبور ہے، اس کو جان چھڑانا ہے لیکن اس کے پیسے بھی جارہے ہیں۔ ایسا ظاہر ہے ہندوستان کے معاشرے میں ایک عورت جو بیوہ ہوگئی جو مطلقہ ہے اس سے شادی کرنے کے لئے کون لوگ تیار ہوسکتے ہیں۔ یہ سماجی مسئلہ ہے آپ اس پہلو پر غور کریں تو بجائے اس کے کہ ایک عورت کی پوری زندگی خراب ہو، کیوں نہ خراب کرنے والے کو ایسے قانون میں جکڑا جائے کہ وہ جرأت نہ کرسکے۔ اس کے تین پہلو اور ہیں۔ ایک تو یہ پہلو ہے کہ آپ کچھ عدالتیں یا آپ کا پرسنل لا بورڈ اس کو نافذ کرسکے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اور یہ بڑا نازک مسئلہ ہے کہ آپ کچھ اختیارات گورنمنٹ آف انڈیا (Gort. of India) کو بھی دیں۔

شاید اس کو دینے کے لئے ہم مسلمان ابھی تیار نہیں ہیں، موجودہ حالات میں مثال کے طور پر آپ یہ کہتے ہیں تین طلاقیں بیک وقت اگر دی جائیں تو وہ نافذ تو ہو جائیں گی لیکن ہے غلط طریقہ۔ اور حضرت عمر نے درے لگوائے، ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ درے حکومت کے ہاتھوں میں دے دیجئے کہ جو تین طلاق بیک وقت دیتا ہے تو اس کی ایسی دھنائی کریں کہ آنے والوں کو عبرت ہو۔ اگر آپ یہ نہیں کریں گے تو یہ سلسلہ جاری رہے گا، تیسری چیز یہ ہے اس سلسلے میں کہ آپ نکاح کے وقت کچھ شرطیں لگائیں، خواہ شرطوں کا تعلق اس سے ہو کہ عورت کہے کہ تم دوسری شادی کرو گے تو میرا مہر اتنا ہوگا اس کے علاوہ بھی شریعت کے مطابق جو ہمارے زمانے میں جائز ہیں کچھ شرطیں اور بھی لگائی جاسکتی ہیں، جہاں تک میرا ناقص مطالعہ ساتھ دیتا ہے اور یہاں اگر تاریخ کے اساتذہ بیٹھے

ہیں تو وہ تائید کریں گے کہ میڈیول انڈیا (Medival India) میں عہد وسطی کے ہندوستان میں ایسی شرطیں لگائی جاتی تھیں نکاح ناموں کے اندر، اور خود ظاہر ہے کہ فقہ حنفی کا یہاں رواج زیادہ ہے، ماضی قریب کی تاریخ میں یاد آتا ہے کہ یہاں جو نکاح نامہ پہلے چھپتے تھے ان میں بھی یہ ہوتا تھا، اور تفویض طلاق بھی اس میں شامل ہوتی تھی، تو ہم کیوں نہ اس پہلو پر غور کریں کہ آئے دن جو حالات ہیں خود ان میں اسلام کے عادلانہ نظام کو عائلی قوانین کو بچانے کے لئے ہم ان شرطوں کی طرف توجہ دیں۔ ہمارے پرسنل لا بورڈ کے اندر قوت نافذہ نہیں ہے، آپ صرف سفارش کرسکتے ہیں۔ آپ کے سماج میں جو خرابیاں آرہی ہیں خواہ وہ غیر مسلموں کے تعلق سے یا ہماری اپنی نفسانی کمزوریوں کے نتیجہ میں آرہی ہیں یہ بات مسلم ہے کہ استحصال حد سے زیادہ بڑھ گیا ہے۔

میری گذارش یہ ہے کہ آپ اس پہلو پر غور کریں کہ نکاح ناموں کے اندر ایسی شرطیں لگائی جائیں اور وہ اضافی بھی شرطیں ہوں اور اس زمانے کے مطابق عذر کریں یا ہر جگہ آپ کی ایسی عدالت قائم ہوجائے آپ کے پاس سفارشیں ہیں، حکومت کے پاس قوت نافذہ ہے، تو کوئی ایسی شکل ضرور نکلنی چاہئے کہ ان تینوں پہلوؤں سے اور اگر ایسا نہیں تو آپ صرف دس سال کے اندر دیکھیں گے کہ آپ اپنے اس نظام کو بچانے میں ناکام رہیں گے۔

مولانا شاہین جمالی صاحب

تفویض طلاق کا مسئلہ اصل میں طلاق "دے دو" کا نہیں ہے، بلکہ "لے لو" کا ہے۔ اردو میں اگر اس کو اس فرق کے ساتھ دیکھیں گے کہ شریعت نے عورت کو جو اختیار دیا ہے وہ طلاق "لے لو" کا ہے طلاق "دے دو" کا نہیں ہے۔ جہاں تک نکاح نامے میں شرط کا تعلق ہے، میرا خیال یہ ہے کہ اگر اس سلسلے میں یہ تجویز ہوجائے کہ نکاح نامے میں عبارت لکھی جائے کہ اگر میری طرف سے بیوی کے حقوق واجبہ کی ادائیگی میں کوتاہی ہو، جس کی وجہ سے وہ مجھ سے علاحدگی ضروری سمجھتی ہو تو فلاں فلاں پانچ علماء سے وہ رجوع کرے اور وہ ضروری سمجھیں تو مجھ سے طلاق دلوائیں، اور میں راضی نہ ہوں تو ان کو میری طرف سے طلاق دینے کا اختیار ہوگا۔ اگر اس قسم کی کوئی عبارت نکاح نامہ میں لکھوالی جائے اور اس پر دونوں فریق راضی ہوں تو میرے خیال سے علماء ہی کے ہاتھ میں یہ اختیار ہوگا اور طلاق دلوالینا شوہر کے لئے اور عورت کے لئے مناسب ماحول میں ممکن ہوسکے گا۔ اور اس شرط نامہ میں یہ بھی لکھ دیا جائے مرد کی طرف سے کہ واپسی کا مجھے اختیار نہیں ہوگا۔

مفتی نسیم احمد قاسمی

اگر عورت کو مطلق حق طلاق تفویض کردیا جائے تو عورت اس کا غلط استعمال کرے گی۔ جہاں تک شرائط کے تحقق کا سوال ہے وہ بھی بعد میں ایک موضوع بن جائے گا کہ شرطیں پائی گئیں یا نہیں پائی گئیں، عورت چونکہ خلاصی چاہے گی وہ یہ کہے گی کہ شوہر کی طرف سے فلاں فلاں شرطوں کی خلاف ورزی ہوئی ہے، اس لئے میں طلاق دینے کی مجاز ہوں۔ اس لیے اس سلسلے میں دارالقضاء کے فیصلے کو یا کم سے کم مستند علماء کی رائے کو معتبر ماننا چاہئے، مہر کے سلسلے میں جو بات کہی جارہی ہے اور فقہ کی تقریباً تمام ہی کتابوں میں خاص طور پر فقہ حنفی میں اور دیگر فقہی کتابوں میں اس کو بہت تفصیل سے لکھا گیا ہے کہ دو طرح مہر مقرر کیا جاسکتا ہے۔ اگر شوہر نے دوسری شادی کی تو مہر کی یہ مقدار ، اور اگر اس نے شادی نہیں کی تو مہر کی یہ مقدار ہوگی اس کی مختلف شکلیں ہیں۔ اس سلسلے میں جو ہندوستان کے مخصوص حالات ہیں زیادتی مہر یہ ہمارے سماج میں مسئلہ کا حل نہیں ہے۔ خاص طور پر اس وقت ہمارے سماج میں جو جہیز کی لعنت اور تلک اور سلامی کی لعنت ہے۔ مرد اس سے ناجائز فائدہ اٹھائے گا۔ اور وہ سلامی یا تلک لینے کے لئے بار بار دوسری یا تیسری شادی کرسکتا ہے۔ حیدرآباد میں ایک ٹیکسی ڈرائیور کے ساتھ جارہا تھا، میں نے اس سے بات کی، میں نے اس سے یہ کہا کہ بھائی تم لوگ چھوٹی بچیوں کی شادی عرب شیخ سے کیوں کردیتے ہو۔ اس نے جو بات کہی وہ علماء حضرات کے لئے قابل توجہ ہے۔ اس نے یہ کہا کہ مولانا ہوتا یہ ہے کہ ہم اپنی بچی کی شادی یہاں کسی شخص سے کرتے ہیں، اس شادی میں لاکھ دو لاکھ روپیہ کم سے کم متوسط خاندان میں خرچ آتا ہے شادی کرنے کے بعد میری بیٹی چلی جاتی ہے اپنے سسرال، مہینہ دو مہینہ وہ وہاں چین و سکون کی زندگی گزارتی ہے، اس کے بعد میاں بیوی میں تلخی پیدا ہوجاتی ہے، شوہر کیا کرتا ہے کہ جہیز کے سامان کو آہستہ آہستہ فروخت کرنا شروع کردیتا ہے۔ اور جب سارا سامان ختم کردیتا ہے تو میری بیٹی کو طلاق دے دیتا ہے۔ اب بیٹی میرے گھر پر آجاتی ہے۔ تو دو لاکھ روپیہ تو میں پہلے خرچ کرچکا ہوں۔ اور بعد میں اس بچی کا رشتہ کرنا بہت مشکل ہوجاتا ہے۔ تو جب ہم عرب کے شیخ سے شادی کرتے ہیں تو سلامی دینے کی نوبت نہیں آتی بلکہ جو شیخ کی طرف سے مہر ادا کی جاتی ہے اس سے ہمارا گزارا ہوتا ہے۔ تو اس سلسلے میں خاص طور پر سماج میں طلاق کے بے جا استعمال کو روکنے اور جہالت دور کرنے کی کوشش کی جانی چاہئے۔ آخری مسئلہ جو اشتراط فی النکاح کا ہے اس وقت کا اہم موضوع ہے، اس سلسلے میں میرا اپنا ذاتی رجحان یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کی فقہ میں سب سے زیادہ وسعت اور تفصیل فقہ حنبلی میں ہے۔ امام ابو حنیفہ یا امام شافعی وغیرہ کے یہاں جو شرائط خود نکاح کے ذریعہ یا نکاح کے ذیل میں آتی ہیں ان شرطوں کا اعتبار کرتے ہیں، یہ مسئلے کا حل نہیں ہے، مسئلہ کا حل خاص طور سے جن مشکلات یا دشواریوں

سے اس وقت ہمارا سماج گذر رہا ہے ۔ اگر ہم ان مسائل کو حل کرنا چاہتے ہیں تو فقہ حنبلی سے ہمیں استفادہ کرنا چاہئے ۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس میں کوئی حرج اور مضائقہ بھی نہیں کہ وہ شرطیں اگرچہ مقتضائے عقد کے موافق نہیں ہیں لیکن شریعت نے ایسی شرطوں کے لگانے کو حرام بھی قرار نہیں دیا ہے ۔ اور ان شرطوں کے لگانے میں عورت کا فائدہ ہے تو ایسی شرطیں لگائی جاسکتی ہیں اور ایسی شرطیں جب لگادی جائیں تو دونوں فریق پر اس کو پورا کرنا ضروری ہوگا بس یہ میرا اپنا ذاتی خیال ہے ۔

ڈاکٹر توقیر عالم صاحب

یہ اشتراط فی النکاح سے متعلق مجھے ایک بات کرنی ہے وہ یہ کہ جب طلاق ابغض المباحات ہے ۔ اور یہ طلاق کوئی شجر ممنوعہ نہیں ہے تو یہ طلاق اس وقت بالکل مجبوری کے حالات میں ہوتی ہے جب کہ میاں بیوی کے درمیان سخت ناخوشگوار واقعات پیش آتے ہیں یہ بات واضح ہے کہ اگر طلاق کے ذریعہ ایک شخص اور ایک عورت الگ ہوجاتی ہے ، تو ظاہر ہے دونوں کو نکاح ثانی کا حق حاصل ہے ۔ اور اس طرح سے کسی پر جبر نہیں ہے ، دونوں کو حق حاصل ہے کہ وہ نکاح ثانی کرسکے لیکن ایک شخص جو معاشی لحاظ سے بدحال ہو اور نکاح کے وقت اس طرح کی کوئی مشروط رقم اس پر نافذ کردی جائے ایسی حالت میں تو اس طرح سے اس پر ایک ظلم ہے ۔ میرے خیال سے مناسب نہیں ہے ۔ میں شاہین جمالی صاحب کی اس رائے سے اتفاق کرتا ہوں کہ نکاح کے وقت نکاح نامے میں کوئی ایسی عبارت تحریر ہونی چاہئے کہ کم از کم وہ شخص زد میں نہ آئے ، شکریہ

مولانا انیس الرحمان صاحب

نکاح میں جو شرطیں نفس نکاح کے لئے ضروری ہوتی ہیں ان کے علاوہ فریقین کچھ دیگر شرائط کا اضافہ کرسکتے ہیں یا نہیں ۔ فقہاء نفس اشتراط کو جائز قرار دیتے ہیں ۔ مگر اختلاف اس بارے میں ہے کہ کون سی شرطیں صحیح ہیں جن پر عمل کرنا ضروری ہے اور کونسی شرطیں فاسد ہیں جن پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے ۔ یہاں سوال یہ ہے کہ کیا کوئی عورت نکاح کے وقت ملازمت کرنے کی شرط عائد کرسکتی ہے ، کیا شوہر سے نکاح ثانی کرنے کی صورت میں مہر کے اضافے کی شرط لگاسکتی ہے یا اسی طرح عقد نکاح کے وقت طلاق کے حق کی شرط لگاسکتی ہے یا نہیں ، فقہاء نے جو تشریحات کی ہیں ان کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی خاتون کا ملازمت کی شرط عائد کرنا شروط فساد میں داخل ہے ۔ اسی طرح نکاح ثانی کی صورت میں اضافہ مہر کی شرط صاحبین کے مسلک پر درست ہے ۔ ایسا کیا جاسکتا ہے اسی طرح اگر کوئی خاتون عقد نکاح میں خاص الفاظ کے ساتھ نکاح کی طرف اضافت کرتے ہوئے حق طلاق کو تفویض کی صورت میں حاصل کرتی ہے تو یہ اسے اختیار ہے کہ فقہاء احناف کی تصریحات کی روشنی میں یہ صورت جائز ہے ۔

مولانا مصطفٰی مفتاحی

تفویض طلاق کے سلسلے میں ایک رائے یہ آئی کہ تفویض طلاق باطل ہے ۔ اور اس صورت میں طلاق واقع نہیں ہوگی ۔ مجھے عرض یہ کرنا ہے کہ یہ تو نص ہے کہ یہ امت ضلالت پر جمع نہیں ہوگی پوری ملت کے ہر طبقہ کا اس بات پر اتفاق اور اجماع ہے کہ جو مسائل منصوص نہیں ہیں ان میں استنباط کیا جائے گا ۔ مسئلہ تفویض طلاق میرا خیال ہے کہ منصوص ہے ۔ بالفرض اگر یہ منصوص نہ بھی ہو تو غیر منصوص ہونے کی بنا پر اس کو باطل اور غیر معتبر کہا جائے تو میرا خیال ہے کہ یہ صحیح نہیں ہوگا ۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے اس پر غور و فکر کرنا ہوگا ۔ دلی سے نکلنے والے ایک پرچہ ترجمان میں میں نے پڑھا تھا جس میں یہ بات بتائی گئی تھی کہ تفویض طلاق بالکل ہی باطل ہے اور اس میں کئی ملکوں کی نظیر دی گئی تھی ۔ مجھے عرض یہ کرنا ہے کہ جب یہ رائے ہی غلط ہے باطل ہونے کی، تو دوسرے ملکوں کی نظیر دیکھ کر کے اس غلط نظیر کی اتباع کی دعوت دینا بھی درست نہیں ہوگا ۔ دوسری بات جو عرض کرنی تھی وہ یہ کہ جو ڈبل ڈبل مہر کی بات کی گئی ہے اس سلسلے میں یہ بات سمجھنے کی ہے، کہ ملک کے دو خطے ہیں ایک خطہ میں تلک کا رواج ہے ۔ اور ملک کا دوسرا خطہ وہ ہے کہ جہاں تلک کی رسم وغیرہ کچھ بھی نہیں ہے ۔ وہاں ٹھیک سیدھے طریقہ سے شریعت کے مطابق نکاح عمل میں آتا ہے ۔ لیکن وہاں دوسری خرابی ہے ۔ میرا خیال ہے کہ ڈبل مہر والی تجویز درست نہیں ہے ۔

مولانا بدر احمد مجیبی

میں تجویز کی تائید کرتا ہوں ۔

مولانا شمس پیر زادہ صاحب

جو مسائل اس وقت پیدا ہو رہے ہیں ہمارے معاشرے میں عورتوں کے حقوق کے تعلق سے ان کے ساتھ جو ناانصافی ہو رہی ہے اور وہ جن مسائل میں گھری ہوئی ہیں ان کا کوئی مناسب حل تلاش کیا جائے ، معاملات کو یونہی نہ رہنے دیا جائے کوئی اسکیم سوچی جائے لیکن وہ ایسی ہونی چاہیے جو شریعت کے دائرے کے اندر ہو ۔ اور کوئی ہم ایسی چیز تجویز کریں کہ جس سے کہ شریعت کے احکام متاثر ہوتے ہوں ہیں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ طلاق قابل انتقال چیز نہیں ہے ۔ اور اس کی کوئی دلیل قرآن و سنت سے نہیں ہے ، طلاق جیسی چیز قابل انتقال نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ عظیم مصلحت پر مبنی ہوتی ہے ۔ اور ان مصلحتوں کا لحاظ طلاق دینے والا ہی کر سکتا ہے ۔ دوسرا نہیں کر سکتا ۔ تو اس صورت میں جب کہ طلاق تفویض کر دی جائے توکیل کی صورت میں تو یہ عظیم مصلحت فوت

ہوجائے گی۔ اور ہمیں صرف یہی نہیں دیکھنا چاہئے کہ قانونیت کس طرح پیدا کی جاسکتی ہے۔ بلکہ یہ دیکھنا چاہیئے کہ مصلحتیں جو شریعت نے رکھی ہیں ان میں سے کوئی مصلحت فوت نہ ہوجائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر طلاق تفویض کی جاسکتی ہے عورت کو تو عورت کو بھی خلع کا حق ہے۔ تو کیا اگر کوئی عورت یہ کہتی ہے کہ میں اپنے شوہر کو خلع کا حق دے دیتی ہوں۔ اس طور سے کہ وہ جب چاہے خلع کا معاملہ کرے۔ اور مہر معاف ہوگا تو خلع کا حق تفویض کیا جاسکتا ہے مردوں کو۔ اور اگر کیا جاسکتا ہے تو مرد بھی یہ چاہیں گے کہ ایسی شرائط نکاح نامے میں لکھ دی جائیں تا کہ اس کو مہر دینا ہی نہ پڑے۔ وہ خلع کا اعلان کردے گا۔ تو اگر طلاق قابل انتقال ہے اگر تفویض کی جاسکتی ہے، تو خلع کی بھی تفویض کی جانی چاہئے۔ اور جو شرطیں آپ نکاح نامے میں لکھیں وہ جھگڑے پیدا کرنے والی آئندہ چل کر یہ باتیں پیدا ہوسکتی ہیں اور یہ شرطیں قابل عمل بات نہیں ہیں۔ ایسی صورت سوچنا چاہئے جس کو قبول کرنے کے لئے معاشرہ تیار ہو۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ جو مسائل پیدا ہورہے ہیں ان کا حل دوسری شکل میں تلاش کرنا چاہئے۔ مثلاً یہ کہ جو ظلماً طلاق دی جاتی ہے، اس پر کوئی تادیبی کاروائی ہونی چاہئے۔ طلاق کے تعسف کی صورت میں کوئی معاوضہ شوہر کو دینا ہوگا۔ اور معاوضہ کتنا دینا ہوگا یہ الگ بات ہے۔ کچھ اس قسم کی سزائیں تجویز کی جاسکتی ہیں کہ اس صورت میں جب کہ طلاق تعسف کو ظلماً یا ناحق قرار دیا گیا ہو، اور جس سے عورت کو ضرر واقع ہو۔ ہر طلاق پر نہیں۔ اس قسم کی چیزیں سوچی جاسکتی ہیں لیکن نکاح کے لئے شرائط نامہ تجویز کریں یہ تو کوئی قابل عمل بات ہی نہیں ہے۔

مولانا مجاہد الاسلام صاحب

میں سمجھتا ہوں کہ ہم سب اس پر متفق ہیں کہ جو معاشرہ میں مشکلات ہیں ان کا کوئی حل نکلنا چاہئے اور حل عملی ہونا چاہئے۔ اور مصالح شریعت کے مطابق ہونا چاہئے۔ تو اب جو کچھ بحث اب تک ہوچکی ہے اس بحث کی روشنی میں تو یہ بات واضح ہے کہ جو زیادتیاں خواتین پر ہوتی ہیں ان کو دور کرنے کا کوئی راستہ نکالنا چاہئے، ایک بنیادی جو اختلافی نقطۂ نظر ہے کہ تفویض طلاق جائز ہے یا نہیں، اور اب جو پیرزادہ صاحب نے جو بات کہی کہ توکیل طلاق بھی درست نہیں، تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ بات پر ذرا غور کرنا ہوگی کہ یہ محل اجتہاد ہو بھی سکتا ہے یا نہیں، اور جو مسئلہ خلع کا بتایا گیا ہے یہ تو روز ہم لوگ کراتے رہتے ہیں۔ خلع میں جو ایک مصیبت ہے وہ یہ ہے کہ میں اپنا مہر اس شرط پر معاف کرتی ہوں کہ شوہر مجھے طلاق دے دے۔ ظاہر ہے شوہر کی رضا مندی ہی پر موقوف ہوگا بہت احتیاط کے ساتھ کبھی ہم لوگ اپنے دارالقضاء میں فقہ مالکی کے مطابق عمل کرتے ہیں کہ جب دیکھتے ہیں کہ

حالات ایسے ہیں ۔ طلاق ایک بری چیز ہے مگر طلاق ایک ضرورت بھی ہے ۔ اور شاید طلاق کی اجازت ہی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے یہاں وہ فساد نہیں ہے جو غیر مسلم معاشرے میں ہے ۔ تو دونوں ہی چیزوں کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی متوازن حل ہمارے دوستوں کو کل جب کمیٹی میں بیٹھیں تو ان کو نکالنا چاہیے تھا ۔ حل کا دو راستہ ہے ایک تو یہ کہ ہم باضابطہ ایک شرائط نامہ تیار کریں ، دیکھیں کہ وہ شرائط نامہ کس طرح کا ہوسکتا ہے کیا ہوسکتا ہے ، اور وہ مصالح شریعت سے ہم آہنگ ہوں اور دوسری چیز یہ بھی ہوگی کہ ہم یہ لکھیں گے کہ اگر کوئی شخص نکاح فلاں فلاں شرطوں پر کرتا ہے تو فلاں شرط معتبر ہوگی اور فلاں شرط معتبر نہیں ہوگی یعنی اس کی حیثیت ایک جزوی حیثیت ہے ۔

فیصلے

اشتراط فی النکاح

۱۔ نکاح میں اگر ایسی شرطیں لگائی جائیں جو نکاح سے واجب ہونے والی ذمہ داریوں اور حقوق ہی کو مؤکد کرتی ہوں تو وہ معتبر ہیں، اور شوہر پر ان کو پورا کرنا واجب ہے۔

۲۔ نکاح کے وقت ایسی شرائط عائد کرنا جو عقد نکاح کے تقاضوں کے خلاف ہیں یا شریعت نے ان سے منع کیا ہو، غیر معتبر ہیں، جیسے شوہر کا نفقہ نہ دینے کی شرط لگانا، یا جہیز و تلک کی شرط لگانا۔

۳۔ نکاح کے وقت ایسی باتوں کی شرط لگائی جائے کہ شریعت نے ان کو لازم و واجب قرار دیا ہے اور نہ ان سے منع کیا ہے، تو ایسی شرطوں کو پورا کرنا واجب ہے۔

ایک عملی قدم

اشتراطی فی النکاح کے موضوع پر بحث کے نتیجہ میں اکیڈمی نے مسلم سماجی حالات و مسائل، ملک بھر کے شرعی دار القضاء میں دائر اور فیصل ہوئے مقدمات نیز سرکاری عدالتوں میں پیش مسلمانوں کے کیسز کے تناظر میں ایک تفصیلی نکاح نامہ تجویز کر کے تمام مکاتب فکر کے علماء و اصحاب افتاء نیز ماہرین قانون کے غور و خوض کے لئے جاری کیا اور بھیجا جس پر ملک کے مختلف حصوں سے سو اہم علماء نے اپنی رائے ظاہر کی اور نکاح نامہ میں درج مختلف دفعات اور شرائط کے علاوہ تفویض حق طلاق کے معاملہ پر اصول فقہیہ کے دائرہ میں گرانقدر آراء پیش کیں، جس میں اس جہت میں اقدام کی ضرورت کا اعتراف بھی شامل ہے، کیونکہ وہ قرآنی تصور خاندان اور طریقہ عدل فی المعاملات کے مطابق ہے۔

علماء کے تمام جوابات کو مد نظر رکھتے ہوئے اکیڈمی نے دوبارہ اس مسئلہ سے متعلق ایک جامع واضح تحریر اور منضبط نکاح نامہ علماء کی خدمت میں ارسال کیا جسے استفادہ کے لئے درج کیا جارہا ہے۔ ہندوستان کے موجودہ حالات نیز مسلمانوں میں علاقائی و تہذیبی و سماجی درجات کے تفاوت کے پس منظر میں منضبط نکاح نامہ کے نتیجہ خیز و مفید تر ثابت ہونے کی توقع ہے۔

(ادارہ)

ازدواجی زندگی کی مشکلات اور ان کے حل کی ایک کوشش

ایک بیوی کے موجود رہتے ہوئے دوسری خاتون سے نکاح کرنا شرعا جائز ہے، بشرطیکہ ہر دو بیویوں کے درمیان ناانصافی کا خطرہ نہ ہو، اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ شوہر دو بیویوں کے ساتھ برابر برتاؤنہ کر سکے گا تو اسے ایک ہی بیوی پر اکتفا کرنا چاہئے، " فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدة "(سورہ نساء) اور نص قرآنی کی رو سے یہ بات قطعا جائز نہیں کہ کوئی شخص اپنی بیوی کو کالمعلقہ چھوڑ دے کہ اسے نہ شوہر والی کہا جاسکے اور نہ مطلقہ یا بیوہ، " فلا تمیلوا کل المیل فتذروها کالمعلقة "(قرآن)

آج عام طور پر جب میاں بیوی کے تعلقات معتدل اور نارمل ہوں، دوسرا نکاح نہیں کیا جاتا بلکہ جب پہلی بیوی سے تعلقات بگڑتے ہیں تو عام طور پر اسے اس کے میکے بٹھادیا جاتا ہے، یا پھر اس پر کوئی الزام یا تہمت لگائی جاتی ہے، اس کا کھانا خرچہ بند کر دیا جاتا ہے اور دوسری طرف شوہر دوسری کسی عورت کو بیاہ کر لے آتا ہے، نہ وہ پہلی بیوی کو طلاق دیتا ہے نہ اس کے حقوق ادا کرتا ہے، بلکہ بسا اوقات اپنی پہلی بیوی سے پیدا ہونے والے بچوں کو بھی اس بیوی کے ذمہ چھوڑ دیتا ہے ،ان کے اخراجات بھی ادا کرنے کی بات نہیں سوچتا ہے، جو لوگ عام سماج کے حالات پر نظر رکھتے ہیں وہ اس طرح روزمرہ پیش آنے والے واقعات سے خوب باخبر ہیں، ظاہر ہے کہ نکاح ثانی شرعا اجازت کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ اس سے فائدہ اٹھا کر اللہ کی کمزور مخلوق پر ظلم و ستم روا رکھا جائے۔

کچھ تعداد ان لوگوں کی بھی ہے جو نکاح ثانی کے بندھے ٹکے انداز پر پہلی بیوی کو خرچ تو دیدیتے ہیں، لیکن اس کو بحیثیت شوہر جو محبت دینی چاہئے یا اس کے ساتھ جس طرح رہائش کرنی چاہئے اس سے بالکل گریز کرتے ہیں اس طرح شرعی اجازت کا ناجائز فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور ہوس کے بندے اجازت پر عمل کرتے ہیں اور اللہ کے حکم عدل سے گریز کرتے ہیں، یعنی اللہ کے احکام میں کچھ کو مانتے ہیں اور کچھ سے انکار کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ اس صورت حال کی اصلاح ضروری ہے۔

دوسری طرف یہ بھی واقعہ ہے کہ نکاح ثانی کی اجازت بہت بڑی حکمت پر مبنی ہے بہت سے فتنوں کے دروازوں کو بند کرتی ہے، اور بہت سے معاشی ومعاشرتی اور نفسیاتی حالات ایسے ہیں جن میں نکاح ثانی ضروری ہوتا ہے، نکاح ثانی کے بعض اسباب تو ظاہر ہیں جو عام لوگوں کی سمجھ میں بھی آسکتے ہیں، مثلا عورت کا جنون مطبق میں مبتلا ہونا یا کسی مرض مزمن کا شکار ہونا جس کی وجہ سے وہ فرائض زوجیت ادا کرنے کے لائق نہ ہو، لیکن بعض ایسے اسباب بھی ہوسکتے ہیں جو عام لوگوں کی نظروں سے مخفی ہوں لیکن شوہر اسے محسوس کرتا ہو، بعض اوقات سماجی اور معاشی حالات کا بھی تقاضا ہوتا ہے، اور بعض علاقوں میں کچھ عرصہ پہلے تک ایسے بڑے کسان جن کی جائداد اور پیداوار کا سنبھالنا مشکل کام ہوتا تھا وہ ایک سے زائد نکاح کرتے اور اس طرح گھر کے نظام کو بہتر طور پر چلانے کے لئے انہیں ایک سے زائد بیویوں کی ضرورت ہوتی، بعض اوقات ہنگامی حالات میں مردوں کی تعداد کا کم ہو جانا بھی متعدد خواتین کے ساتھ نکاح کا باعث بنا ہے، بعض اوقات ایک مرد اپنی جنسی تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ایک سے زائد قانونی شادی کر کے اپنے کو گناہ سے بچاتا ہے۔

ہندوستان کے موجودہ معاشرہ میں چند مستثنیات کو چھوڑ کر یہ بات تقریباً طے شدہ ہے کہ نکاح ثانی کے بعد ہر دو بیویوں کے ساتھ انصاف نہیں ہو پاتا ہے بلکہ ظلم کا ارتکاب ہوتا ہے۔

مذکورالصدر صورت حال کا اگر جائزہ لیا جائے تو نکاح ثانی کی اجازت کو منسوخ کرنا اس حکمت شرعی کو ترک کردینا ہوگا جو شارع کی نظر میں اس جواز کیلئے رہا ہے، دوسری طرف اس جواز کے ناجائز استعمال سے جو معاشرہ میں ظلم و فساد برپا ہو رہا ہے اس کا بھی ازالہ ضروری ہے، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس طرح کی ازدواجی الجھنوں کو دور کرنے کے لئے ایک کابین نامہ کی تجویز رکھی تھی، اب جو حالات پورے ملک میں ہیں ان کو دو نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہئے، ایک تو مغربی تہذیب اور جدید افکار کے نتیجہ میں نکاح کو ایک ایسا رشتہ بنانے کی کوشش ہے کہ جس میں عورت ہر حیثیت سے خود مختار ہو، یہ آزادی نسواں کے ان نعروں کا نتیجہ ہے جو یورپ میں خاندان کا شیرازہ منتشر کر چکے ہیں اور جنسی اباحیت کے راستہ پر مغربی تہذیب کو ڈال دیا ہے، ہمارے یہاں کا بھی بزعم خود دانشور طبقہ شعوری یا غیر شعوری طور پر نظر و فکر اور تنقید کے بغیر اس نظریہ پر ایمان لے آیا ہے، اس لئے وہ حقوق اور حدود کے ان شرعی قوانین سے گریز کرنا چاہتا ہے جن سے ایک اچھا خاندان نشو و نما پا سکتا ہے، اور جس میں زوجین کی خلقی کیفیات اور ان کے فطری فرائض کو سامنے رکھتے ہوئے شریعت نے ہر دو کے لئے کچھ حدود مقرر کئے ہیں اور ایک دوسرے کے لئے کچھ حدود لازم کئے ہیں، اور پھر قانون کے ساتھ ساتھ اخلاقیات کو خاص اہمیت دی گئی ہے، نیز ہمہ تن تقویٰ کی تعلیم دی گئی ہے، خاص کر اس لئے کہ زوجین کے تعلقات امانت اور باہمی اعتماد پر مبنی ہیں، اور یہ رشتہ اس حد تک نجی ہے کہ اس پر قانون کی دخل اندازی کا کم سے کم امکان رہتا ہے، اسی لئے خطبہ نکاح میں جو آیتیں پڑھی جاتی ہیں، ان میں چار دفعہ تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے کہ ظاہر و باطن اور جلوت و خلوت ہر جگہ کے احوال پر اللہ علیم و خبیر کی نظر ہے۔

لیکن اگر ایسے دگوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو بھی اس سچائی کو مان کر چلنا پڑے گا کہ تقویٰ کے فقدان اور قانون کے بے جا استعمال کی وجہ سے ازدواجی زندگی میں کئی الجھنیں کھڑی ہو جاتی ہیں، خاندان بکھر جاتا ہے، بچوں کی صحیح تربیت نہیں ہو پاتی، اور معاشرہ میں ظلم و بے انصافی کے پھیل جانے کی وجہ سے کئی طرح کے بگاڑ پیدا ہو جاتے ہیں، سرسری نظر میں اس طرح کے مسائل مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) پہلی بیوی کے رہتے ہوئے دوسری شادی کر لینا اور پہلی بیوی کو حقوق سے محروم رکھنا یا ہر دو بیویوں کے درمیان تعلقات میں برابری نہیں برتنا۔

(۲) طلاق جو ناپسندیدہ عمل ہے اور ضرورتاً مشروع کیا گیا ہے، اس کا بے محابا اور بے جا استعمال، اس طرح کہ طلاق جس کا استعمال بہت غور و فکر اور اصلاح حال کی ساری کوششوں کے ناکام ہونے کے بعد ہونا چاہئے تھا، محض وقتی جذبات سے مغلوب ہو کر بغیر غور و فکر اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔

(۳) ہندوستانی معاشرہ میں طلاق کا صحیح شرعی طریقہ معروف نہیں رہا، اور یک مجلس تین طلاق دیدی جاتی ہے، نہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ عورت حالت طہر میں ہے یا حیض میں، اور سارے احکام شرعی کو نظر انداز کر کے طلاق دیدی جاتی ہے، یہ طریقہ قطعی طور پر ناپسندیدہ اور فتنے پیدا کرتا ہے۔

(۴) طلاق کے بعد یا تو بچے ماں سے چھین لئے جاتے ہیں یا پھر بچوں کی کفالت سے غفلت برتی جاتی ہے۔

(۵) مختلف ترکیبیں استعمال کر کے عورت کو مجبور کیا جاتا ہے کہ مہر معاف کر دے، بلکہ اوپر سے کچھ رقم دیکر

شوہر سے طلاق حاصل کرے، اس کے سامان جہیز واپس نہیں کئے جاتے اور اسے بے عزتی سمجھا جاتا ہے، جو ہدایا اور تحائف اسے ملتے ہیں اسے بھی ضبط کر لیا جاتا ہے، اور عورت ایسے جبر کا شکار ہوتی ہے کہ وہ سب کچھ چھوڑ کر علیحدگی قبول کرتی ہے، ظاہر ہے کہ شرع اسلامی اس طرح کے جبر کو سند جواز نہیں دے سکتی، اور " الا أن تكون تجارة عن تراض منكم " یعنی انتقال ملک کے لئے تراضی طرفین ضروری ہے، اور اسی رضا پر ممکن ہے کہ کوئی قانونی حکم لگایا جاسکے، لیکن کوئی مال مال طیب نہیں ہو سکتا اگر رضاء قلبی نہ ہو، جب تک حقیقی رضامندی کے ساتھ عورت اپنے کسی حق سے دستبردار نہ ہو جائے یا مرد کو کچھ نہ دے شوہر کے لئے وہ جائز وحلال نہیں " فان طبن لكم عن شئ منه نفسا فكلوه هنيئا مريئا " ، بعض اوقات شوہر اس طرح لاپتہ ہو جاتا ہے کہ اسکے مرنے جینے کی کچھ خبر نہیں رہتی۔

بعض اوقات اس کی زندگی کا پتہ تو رہتا ہے اور کبھی کبھی اس کے وجود کی خبر لگ جاتی ہے، لیکن وہ کہاں ہے، کیا کر رہا ہے اس کا پتہ نہیں چلتا اور وہ اپنے اہل وعیال سے بالکل غافل رہتا ہے۔

(٦) بعض اوقات شوہر اپنی جابرانہ حیثیت استعمال کرتے ہوئے نہ بیوی کے حقوق ادا کرتا ہے اور نہ اسے طلاق دیکر علیحدہ ہی کرتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کا کوئی اور نقشہ بنائے، اور عام طور پر انتقاماً اسے کالمعلقہ رکھتا ہے کہ نہ اسے بیوہ کہا جاسکتا ہے اور نہ شوہر والی کہا جاسکتا ہے۔

یہ اور اس طرح کے کئی سماجی مسائل ہیں جنہیں معاشرہ کی کڑوی اور تلخ حقیقتیں کہا جاسکتا ہے، قضاء شرعی کا مضبوط نظام بلاشبہ اس طرح کے مسائل کو حل کرنے میں بہت حد تک معاون ثابت ہو سکتا ہے، لیکن ہندوستان میں ابھی یہ نظام پورے ملک کے پیمانہ پر مستحکم نہیں ہوا ہے، اور جہاں ہے بھی وہاں کئی طرح کی قانونی مشکلات پیدا ہوتی رہتی ہیں۔

ان حالات میں اگر نکاح میں چند شرائط لگائی جاسکیں تو مشروط نکاح نامہ بہت ساری پیچیدگیوں کے سلجھانے میں مدد دے سکتا ہے، شرائط نکاح کے باب میں ظاہر ہے کہ وہ شرائط جو مقتضائے عقد کے خلاف ہوں، معتبر نہیں ہوں گی، لیکن نظر فقہی یہ کہتی ہے کہ نکاح کے ذریعہ حاصل ہونے والے حقوق اور ان حقوق کی عدم ادائیگی کی صورت میں پیدا ہونے والے ظلم کو رفع کرنے کے لئے جو شرائط لگائی جائیں گی وہ مقتضائے عقد کے خلاف نہیں ہوں گی، یہی وجہ ہے کہ فقہاء نے بعض ایسی شرطوں کی اجازت دی ہے جن میں عورت کو ضرر سے محفوظ رکھا جاسکے۔

مثلاً فقہ حنفی کی صراحت کے مطابق مہر مسمی دو ہونا اور شرائط کے پورا کرنے کی صورت میں کم تر مہر مسمی اور شرائط کی خلاف ورزی کی صورت میں وہ مہر مسمی جو مہر مثل سے زائد ہو کا واجب ہونا، فرق صرف اتنا ہے کہ صاحبین ہر دو متعین (مسمی) مہر کو ہر دو حالتوں میں واجب الادا قرار دیتے ہیں، امام اعظم ابو حنیفہ پہلے ذکر کئے ہوئے مہر کو مسمی قرار دیتے ہیں اور دوسری صورت میں مہر مثل کے وجوب کے قائل ہیں، یہ ساری بحثیں مقالات میں آچکی ہیں، جن کے یہاں ذکر کی ضرورت نہیں ہے، مسئلہ پر اس طرح غور کرنا ہے کہ نکاح ثانی کی چھوٹ شریعت کے عدل کو مجروح کرتی ہے، اور غالب حالات میں عورت ظلم کا شکار ہوتی ہے اسی طرح بے محابا طلاق، عورت کو کالمعلقہ چھوڑ دینا نہ طلاق دینا اور نہ حقوق ادا کرنا عورت کے ساتھ ظلم ہے اور سماج میں اس طرح کی باتوں کا پیش آنا اب شاذ ونادر نہیں رہا ہے۔

ان حالات میں اور مندرجہ بالا تفصیلات کی روشنی میں منسلک نکاح نامہ کا مطالعہ کیا جائے اور اس کو قطعی صورت دیدی جائے جو احکام شرع کے مطابق ہو، جس میں مصالح شرع کی رعایت اور ممکن حد تک قانون کے بے جا استعمال سے پیدا ہونے والے اثرات سے تحفظ بھی ہو اور وہ معاشرہ کو صحیح خطوط پر قائم کرنے کا ذریعہ بنے۔

نکاح نامہ

شوہر کا نام مع ولدیت:

عمر:

پتہ:

موجودہ پیشہ ر عہدہ:

نکاح اول یا نکاح ثانی:

دلہن کا نام مع ولدیت:

عمر:

پتہ:

نکاح اول یا نکاح ثانی:

نکاح ثانی کی صورت میں، کیا یہ نکاح پہلے شوہر کی وفات کے بعد یا طلاق حاصل کرنے کے بعد کیا جارہا ہے

موجودہ پیشہ ر عہدہ:

وکیل نکاح کا نام مع ولدیت (زوج کی طرف سے):

عمر:

پتہ:

پیشہ:

دلہن سے اجازت کے گواہ (۱):	گواہ نمبر (۲):
نام مع ولدیت:	نام مع ولدیت:
عمر:	عمر:
پتہ:	۔

گواہ نکاح نمبر (۱): نام مع ولدیت:	گواہ نمبر (۲):
عمر	عمر:
پتہ:	پتہ:
پیشہ:	پیشہ:

مہر............ اگر زوج نے زوجہ مذکورہ کی موجودگی میں دارالقضاء......... کی رائے کے بغیر دوسرا نکاح یا زوجہ مذکورہ کو طلاق دی۔

ایسی صورت میں پیش نہ آنے کی صورت میں مہر کی مقدار........ ہوگی۔

اقرار نامہ

(۱) شوہر و زوجہ دونوں مسلمان ہیں اور شرع اسلام کے پابند رہنے کا اقرار کرتے ہیں۔

(۲) میں........ بنت............ اقرار کرتی ہوں کہ جائز باتوں میں اپنے شوہر کی اطاعت کروں گی اور شوہر اور اس کے گھر والوں کے ساتھ بہتر اخلاق اور سلوک رکھوں گی اور ناموافق حالات میں بھی شوہر کی رفاقت کا حق ادا کروں گی۔

(۳) میں.......... ولد............ اقرار کرتا ہوں کہ میں بیوی کے ساتھ معروف طریقہ پر زندگی بسر کروں گا اور ان تمام حقوق کو ادا کروں گا جو شریعت کی جانب سے مجھ پر واجب ہیں، نیز اگر مندرجہ ذیل باتوں میں سے کوئی بات پائی جائے اور دار القضاء......... یا حکمین......... یا جماعت مسلمین......... یا برادری رپنچایت......... باضابطہ یا غیر رسمی طور پر تحقیق کے بعد مطمئن ہو جائیں اور اپنے اطمینان کا تحریری اظہار کر دیں تو زوجہ کو اسی وقت یا جب تک یہ صورت برقرار رہے، اس میں کبھی بھی اپنے اوپر ایک طلاق بائن واقع کر کے نکاح سے الگ ہو جانے کا اختیار حاصل ہوگا۔

۱۔ شوہر دو سال سے مفقود الخبر ہو

۲۔ ایک سال سے زوجہ کا نفقہ باوجود زوجہ کے مطالبہ کے ادا نہیں کرے

۳۔ ایک سال تک عورت کے مطالبہ کے باوجود بلا وجہ حق زوجیت سے غفلت برتے

۴۔ شوہر مجنون یا فاتر العقل یا متعدی جنسی مرض یا خطرناک غیر متعدی مرض میں مبتلا ہو

۵۔ شوہر زوجہ کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کرتا ہو جس میں یہ صورتیں بھی شامل ہیں

(الف) بیوی کو شدید زدوکوب کرتا ہو۔

(ب) دوسری عورتوں سے ناجائز تعلق رکھتا ہو۔

(ج) بیوی کو غیر اخلاقی فعل کرنے پر مجبور کرتا ہو۔

(۴) شوہر موجودہ زوجہ کے عرصۂ حیات میں اگر دوسری شادی کی ضرورت محسوس کرے تو دار القضاء یا مقامی ذمہ دار علماء یا برادری کے ذمہ داروں کے سامنے اس کی وضاحت کرے گا کہ وہ دوسرا نکاح کیوں کرنا چاہتا ہے اور کیا وہ دو بیویوں کی کفالت کی استطاعت رکھتا ہے اور وہ دو بیویوں کے درمیان حسب حکم شرع عدل کر سکے گا۔

(۵) اگر شوہر نکاح ثانی کرے تو اس بات کا پابند ہوگا کہ پہلی بیوی کے مطالبہ پر دوسری بیوی کے لئے علاحدہ رہائش کا انتظام کرے۔

(۶) پہلی بیوی کے بطن سے پیدا ہونے والی اولاد مدت حضانت میں اس سے علاحدہ نہیں کی جا سکتی، اور مدت حضانت کے بعد یہ ضروری ہوگا کہ بچوں کے مفاد کی رعایت کرتے ہوئے قاضی کے ذریعہ ان کی پرورش کے لئے مناسب حکم دیا جائے۔

(۷) زوجہ کی طرف سے مہر کی معافی کلی یا جزوی اسی صورت میں معتبر ہوگی جب کہ اس کا اطمینان ہو جائے کہ یہ معافی کسی بھی قسم کے دباؤ یا دلہن کی سادگی یا اس کی مسائل شرع سے لاعلمی کی بنیاد پر دھوکہ دے کر نہیں کرائی گئی ہے۔

(۸) شوہر طلاق دیتے وقت شرعی اصول کو پیش نظر رکھے گا، کسی معتبر شرعی کے بغیر اور دار القضاء یا مقامی علماء سے مشورہ کے بغیر طلاق دینے سے اجتناب کرے گا، نیز اگر طلاق دینا ناگزیر ... حد میں ایک سے زیادہ طلاق نہیں دے گا۔

(۹) وہ تمام اشیاء جو شادی کے وقت یا اس کے بعد (نکاح اور طلاق ... کے والدین، رشتہ داروں، شوہر کے اہل خاندان، شوہر کے رشتہ داروں، شوہر کے دوستوں ... طور پر حاصل ہوئی ہیں، زوجہ کی ملکیت مانی جائیں گی۔

(۱۰) ہم زوجین اقرار کرتے ہیں کہ خدانخواستہ ہم دونوں میں جب بھی کوئی نزاع پیدا ہو تو دار القضاء .... یا .... ثالث ہوگا اور تمام ازدواجی نزاعات بہ شمول طلاق، خلع، مہر، حضانت، نفقہ وغیرہ کی بابت صوابدید و اطمینان پر فیصلہ کا مجاز ہوگا۔

دستخط زوج: دستخط زوجہ:

دستخط گواہ اول: دستخط گواہ دوم: دستخط قاضی